www.KitaboSunnat.com

تفسیر

أحسن الكلام

للشیخ ابی زکریا سید عبدالسلام الرستمی

ترجمہ و تخریج

نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی

جلد اول

سورۃ فاتحہ تا سورۃ بقرہ آیت ۲۲۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

حقوقِ طبع محفوظ ہیں

وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ ... وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تفسیر

أحسن الكلام

للشيخ أبي زكريا سيد عبد السلام الرستمي رحمه الله

ترجمہ و تخریج

حبیب شاہ سلفی منجاکوٹی

جلد اول

سورۃ فاتحہ تا سورۃ بقرہ آیت ۲۲۹

مکتبہ محمدیہ
نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
0343-5302948

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(تمام جملہ حقوق محفوظ ہیں)

کتاب کا نام	:	تفسیر حسن الکلام
مصنف	:	شیخ القرآن سید عبد السلام رستمی رحمہ اللہ
مترجم	:	شیخ نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی حفظہ اللہ
اشاعت اول	:	2021
ملنے کا پتہ	:	مکتبہ محمدیہ نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

0300-2615407 - 0347-5114825

جامعہ عربیہ اشاعۃ التوحید والسنۃ بلدہ بیری پشاور۔0313-8580079

اسکے علاوہ پاکستان کے ہر بڑے شہر کے معروف مکتبہ سے حاصل کریں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض مترجم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علی رسوله الكريم وعلی آله واصحابه اجمعين

اما بعد

راقم الحروف نے جب شیخ القرآن سید عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ سے 2000 میں دورہ تفسیر کا شرف حاصل کیا تھا تو شیخ صاحب کی انتہائی محنت سے تدریسی اور تفسیری نکات بیان کرنے نے بہت ہی متاثر کیا۔ کیونکہ دورانیہ کلاس صبح 8 تا صلاۃ العصر جاری رہتا صرف ظہر کی نماز کیلئے وقف کیا جاتا تھا جبکہ شیخ محترم ضعیف عمر اور دائمی امراض نزلہ زکام معدے مثانے وغیرہ کی مختلف بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود محنت و مشقت میں کوئی کمی نہیں کی۔ بندہ عاجز نے جب کراچی سلطان آباد میں دورہ تفسیر پڑھانا شروع کیا اور شیخ کی اس تفسیر کو بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا تو محسوس کیا کہ یہ طرز تفسیر عربی تفاسیر میں نہیں ہے اور بالخصوص اردو میں تو یقیناً نہیں ہے لہذا دل میں عزم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسکا اردو ترجمہ کروں گا تاکہ اردو دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ جس کیلئے شیخ محترم سے اجازت طلب کی تو انہوں نے شفقت کرتے ہوئے مرحمت فرمائی۔ ترجمہ شروع تو کر لیا مگر بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ شیخ محترم کے درسی طرز میں تصنیف تھی۔ اس میں کبھی عربی عبارتیں اور اصولی گفتگو درمیان میں استعمال فرماتے تھے۔ اب اگر ہر ایک کو الگ الگ کر کے ترجمہ کرتے تو تفسیر کا وہ طرز جو شیخ محترم کا امتیازی اور خصوصی تھا وہ باقی نہیں رہتا اور اگر ایسا نہ کرتے تو ترجمہ کرنا مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کافی جدوجہد کے بعد اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی وللہ الحمد علی ذلك۔

مجھے جب (ریل گاڑی کا حادثہ) پیش آیا تو ان ظالم رافضیوں کے پاس محصور ہونے کے وقت دل میں صرف (دو ارمان) ستا رہے تھے کہ اگر ان ظالموں نے مجھے قتل کیا تو کسی چیز کا ارمان دل میں نہیں صرف احسن الکلام کا ترجمہ اور جامعہ محمدیہ بنانے کا منصوبہ جو بندہ ناچیز اس کیلئے 120 گز کے 50 پلاٹ خریدے ہیں وہ رہ جائیگا۔ سارے راستے قتل کا منصوبہ کرتے ہوئے آخری حربہ استعمال کیا کہ تیز رفتار ریل گاڑی سے نواب شاہ کے علاقہ میں مجھے رات 2 بجے گرا دیا مگر چند خراشوں کے سوا مجھے کوئی بڑا زخم نہیں آیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ   وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ   وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے نئی زندگی سے نوازا الحمد للہ۔ یہ واقعہ جنوری 2013 شیعوں کے چہلم کے دنوں میں پیش آیا۔ میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ گھر والوں کو بھی خبر نہ ہونے دی مگر خیر پور کے جن جماعتی ساتھیوں نے میرا خطبہ جمعہ رکھا تھا انہوں نے میرے اس حادثے کی خبر جمعیت اہل حدیث کے رسالہ میں شائع کی جس سے جماعتی احباب کو علم ہوا۔ تب لوگوں کے گھر پہ آمد سے گھر والوں کو خبر ہوئی۔

الحمد للہ میری یہ آرزو تمنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہونے کا لمحہ آن پہنچا۔ مجھے کسی چیز کی اپنی زندگی میں اتنی خوشی حاصل نہ ہوئی جتنی میرے لئے یہ خوشی کا موقع ہے۔

اس تفسیر میں میری کاوش

بندہ عاجز نے اس عظیم تفسیر کا ترجمہ کیا۔ شیخ صاحب کی کتاب توجیہ الناظرین سے سورتوں کے امتیازات عربی سے ترجمہ کر کے ہر سورۃ کے آخر میں خصوصیات کے نام سے درج کی ہے۔ شیخ محترم رحمہ اللہ نے دوران درس اکثر مقامات پر فرمایا کہ یہ حدیث میں ہے کوشش کر کے وہ حدیث محدثین کی تصحیح یا تضعیف کے حکم سمیت حوالوں کے ساتھ درج کی ہے۔

تفسیر پڑھنے والوں سے التماس ہے کہ ہر ممکن کوشش کے باوجود اول اشاعت میں غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں لہٰذا کسی قسم کی غلطی خواہ حوالہ کی ہو یا ترجمہ و اعراب کی ہو تو مجھے واٹس ایپ (0300-2615407) پر بھیجیے۔ میں اس احسان کا مشکور رہوں گا اور اللہ تعالیٰ سے یقینی اجر کی امید ہے ان شاء اللہ۔ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کریں گے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ استاد محترم اور میرے شیوخ کرام و اساتذہ جنہوں نے مجھ نا اہل کی طلب پر قیمتی مقدمہ و تقریظ کیلئے دروس کے مشاغل کے باوجود وقت عنایت فرمایا نیز میرے ساتھ تفسیر ہذا میں جنہوں نے کسی بھی قسم کی نصرت و مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کیلئے دنیا میں کامیابی اور آخرت کی نجات کا سبب بنائے (آمین)

اس تفسیر کو جتنی مقبولیت پختون برادری میں حاصل ہوئی اس سے بڑھ کر اردو طبقہ میں رب کریم مقبولیت عطا فرمائیں اور خلق کثیر کیلئے ذریعہ ہدایت و نجات بنائیں اور بندہ عاجز کیلئے اس ناقص محنت و مشقت پر میزان حسنات کو ثقیل فرمائیں اور محو سیئات اور آخرت کی شفاعت کا سبب بنائے (آمین)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقدیم وتقریظ

۱	الشیخ ابو عمر عبدالعزیز النورستانی حفظہ اللہ تعالی
۲	الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تعالی
۳	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ تعالی
۴	الشیخ محمد افضل اثری حفظہ اللہ تعالی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الطیبین

الطاہرین اجمعین۔ اما بعد

محترم شیخ القرآن سید عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ کی تفسیر احسن الکلام کا پشتو سے اردو ترجمہ محترم الشیخ نصیب شاہ حفظہ اللہ منجاکوٹی نے کیا ہے۔ راقم الحروف نا اہل کو اہل سمجھ کو تقریظ کیلئے بھیجا۔ الحمد اللہ میں نے اول سے ۱۰۵ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ آیت ۱۲ تک غور سے پڑھا۔ ماشاء اللہ محترم شیخ نصیب شاہ حفظہ اللہ نے بہت عرق ریزی سے نہایت سلیس اور عام فہم پشتو سے اردو ترجمہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولف کیلئے آخرت کے فوز و کامیابی کا سبب بنائے اور مترجم کیلئے دنیا اور آخرت کی فوز و کامیابی کا ذریعہ بنائے اور مستفیدین کیلئے ذریعہ ہدایت بنائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

ابو عمر عبدالعزیز النورستانی

خادم الجامعۃ الاثریہ جمکنی پشاور

۱۴۴۲/۲/۲۶ ۲۰۲۰/۱۰/۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین ۔ أما بعد

قرآن مجید فرقان حمید آخری صحیفہ آسمانی ہے۔ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن وانس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے محبوب سید الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ سرچشمہ ہدایت ہے، سراپا نور ہے، کائنات کی روح ہے اور دنیا کی بقاء کا باعث ہے، یہ تطہیر قلب اور تعمیر سیرت کی بنیاد ہے، الشفاء لما فی الصدور ہے۔ یہ ذکر، بلکہ ذکر مجسم ہے اور تمام اذکار سے اس کی تلاوت افضل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کا سب سے برتر دیلہ ہے۔ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

"تقرب الی اللہ ما استطعت فانک لن تتقرب الیہ بشیء احب الیہ من کلامہ"

(خلق افعال العباد للامام البخاری)

حسب استطاعت اللہ کا تقرب حاصل کرو، بے شک تم ہرگز اس کا تقرب کسی چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو اس کے کلام سے اس کے ہاں زیادہ محبوب ہو (المستدرک للامام الحاکم)۔ یہی مفہوم ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعا مروی ہے۔

قرآن پاک ہی واحد "کتاب" ہے جو "لاریب" ہے کوئی اور کتاب نہیں جو شک و ریب سے محفوظ ہو۔ ایک مسلمان کا اس سے تعلق مختلف پہلوؤں سے ہے (1) اس پر ایمان کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ (2) تلاوت (3) تعلیم وتدبر (4) اس پر عمل (5) اس کی تبلیغ وتذکیر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرائض منصبیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الجمعۃ:۲)

"(اللہ) وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا، جو ان کے سامنے ان کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے"۔ اس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیات قرآن کی تلاوت، تزکیہ وتربیت اور تعلیم کتاب وحکمت کا ذکر ہے۔ تزکیہ کے ساتھ ساتھ تلاوت اور تعلیم کتاب و حکمت مستقل صفات ہیں۔ اس لئے جو حضرات کہتے ہیں کہ بغیر غور وتدبر کے قرآن مجید پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، قطعاً درست نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی تلاوت کا حکم فرمایا ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ (العنکبوت: ۴۵)

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (الکہف: ۲۷)

اور اس کی تلاوت کیجئے جو تمہاری طرف تمہارے رب کی کتاب میں سے وحی کی گئی ہے۔ تلاوت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تحسین فرمائی ہے (فاطر: ۲۹) اور متعدد احادیث مبارکہ میں تلاوت قرآن مجید کا حکم اور اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ: الم، حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ (ترمذی: ۲۹۱۰ وقال حسن صحیح۔ صحیح الترغیب: ۱۴۱۶)

جو کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے تو اسے اس کے بدلے میں ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا دس گنا اجر ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ الم حرف ہے، بلکہ الف حرف اور لام حرف ہے اور میم حرف ہے۔

"الم" یہ اور اسی طرح کے حروف مقطعات ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں ہیں۔ انہیں علیحدہ علیحدہ طور پر پڑھا جاتا ہے۔ سورۃ الفیل کی ابتداء میں اَلَمْ ہے مگر سورۃ البقرۃ کی ابتدا میں یہ لکھنے میں تو اسی طرح ہے جیسے سورۃ الفیل میں ہے مگر پڑھنے میں اس طرح نہیں بلکہ ہر حرف کو علیحدہ علیحدہ پڑھا جاتا ہے اور یہ حروف بھی یکساں نہیں ہیں۔ بعض سورتوں میں صرف ایک لفظ ہے جیسے ق، ص، ن ہے۔ بعض میں دو حروف ہیں، بعض میں تین حروف ہیں، بعض میں چار اور بعض میں پانچ حروف ہیں۔ ان حروف کے حقیقی معنی ومراد تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے بھی ان کے بارے میں معنی منقول نہیں ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام نے ان کے بارے میں نبی ﷺ سے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ البتہ بعض مفسرین رحمہم اللہ نے ان حروف مقطعات کی حکمت اور ان کے معانی بیان فرمائے ہیں تاہم راجح بات یہی ہے کہ ان کی صحیح تعبیر اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ نے سیدنا خلفائے راشدین، عبداللہ بن مسعودؓ اور متعدد تابعینؒ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے نقل کیا ہے۔

اگر بغیر سمجھے بوجھے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں تو کیا ان حروف مقطعات کو پڑھنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان کے صحیح معنی معلوم نہیں۔ آخر ق، ص، ن کے کیا معنی ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "الم" کی تیس نیکیاں بیان فرما کے واضح کر دیا ہے کہ گو معنی معلوم نہیں لیکن اس کا بہت فائدہ ہے اور بہت اجر و ثواب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سورتوں کو مختلف اوقات اور مختلف حالات میں پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ تو اس سے پڑھنا ہی عبادت ہے آج تک کسی نے ان سورتوں پر تدبر اور ان کے معانی سمجھنا مراد نہیں لئے۔ ایسے لوگ درحقیقت صحیح فہم قرآن سے اور تلاوت قرآن کی سعادت سے محروم ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ہی اکتفا کر لیا جائے اور اس کے فہم و تدبر کی فکر نہ کی جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہاں اس کی تلاوت کا حکم فرمایا بعینہ اس کی آیات پر غور و تدبر کا حکم بھی فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مستقل ذمہ داری یہ بتلائی "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جہاں اس کے الفاظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا سیکھا ہے اس کے معانی اور مفہوم کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم پائی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا إِذَا تَعَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ لَمْ يُجَاوِزْهُنَّ حَتّٰى يَعْرِفَ مَعَانِيَهُنَّ وَالْعَمَلَ بِهِنَّ"

(ابن کثیر ۱/۲۰ وغیرہ)

ہم میں سے کوئی ایک جب دس آیات کا علم حاصل کر لیتا ہے تو وہ ان سے آگے نہ پڑھتا تا آنکہ ان کے معانی اور ان پر عمل نہ سیکھ لیتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل: ۴۴)

اور ہم نے تمہاری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تم لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دو جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب کے الفاظ پڑھنا بھی سکھلائے اور اس کے معانی و مطالب کی تعلیم بھی دی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ص: ۲۹)

یہ ایک کتاب ہے، ہم نے اسے تمہاری طرف نازل کیا ہے، بہت بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریں اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔ حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن تو اس لئے نازل ہوا تھا کہ اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں مگر لوگوں نے تلاوت کو ہی عمل بنالیا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ (المومنون:۶۸)

کیا انہوں نے بات (یعنی قرآن) میں غور نہیں کیا

قرآن مجید پر غور وفکر نہ کرنے والوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد:۲۴)

تو کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوتے ہیں

اس لئے قرآن مجید کو نہ سمجھنا نزول قرآن کے مقصد کے منافی ہے۔ یہ کتاب ہدایت ہے۔ اس سے ہدایت تبھی حاصل ہوگی جب ہم اسے سمجھیں گے، یہ کتاب نور ہے (المائدۃ:۱۵، الاعراف:۱۵۷) تا کہ ہم اس سے روشنی پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا:

الر ۚ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (ابراہیم:۱)

الر۔ یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، ان کے رب کے اذن سے، اس کے راستے کی طرف جو سب پر غالب، بے حد تعریف والا ہے۔

سیدنا ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ مجھے وصیت فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهِ " قُلْتُ: "زِدْنِي" قَالَ: "عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ نُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ وَذُخْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ (ابن حبان)

تم پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو، تمام امور کا سرا یہی تقویٰ ہے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مزید اور بھی فرمائیے تو فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت کو لازم کرو یہ تیرے لئے زمین میں نور ہے اور آسمان میں تیرے لئے ذخیرہ ہے۔

اس نور سے ہم تبھی روشنی پائیں گے جب ہم اسے سمجھیں گے اور پھر اس پر عمل کریں گے۔ آج مسلمانوں کی پستی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ذلت و رسوائی کا یہی سبب ہے کہ ہم نے اس نور سے روشنی حاصل کرنا چھوڑ دی ہے اور قرآن پاک سے لاتعلق ہو گئے ہیں۔ جو سلوک ہم قرآن سے روا رکھے ہوئے ہیں۔ دنیا میں اس کی سزا پا رہے ہیں اور اپنی آخرت بھی خراب کر رہے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ ہماری اس لاتعلقی کی گواہی اگر میدان محشر میں رسول اللہ ﷺ نے دے دی تو پھر ہمارا پرسان حال کون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تو خبردار کر دیا ہے:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان: ۳۰)

اور رسول کہے گا اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

قومی سے پوری امت دعوت مراد ہے جو قرآن پاک پر اور نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائی تاہم حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ:

وَتَرْكُ تَدَبُّرِهِ وَتَفَهُّمِهِ مِنْ هِجْرَانِهِ وَتَرْكُ الْعَمَلِ بِهِ وَامْتِثَالِ أَوَامِرِهِ وَاجْتِنَابِ زَوَاجِرِهِ مِنْ هِجْرَانِهِ وَالْعُدُولُ عَنْهُ إِلَى غَيْرِهِ مِنْ شِعْرٍ أَوْ قَوْلٍ أَوْ غِنَاءٍ أَوْ لَهْوٍ أَوْ كَلَامٍ أَوْ طَرِيقَةٍ مَأْخُوذٍ مِنْ غَيْرِهِ عَنْ هِجْرَانِهِ

اس پر غور و تدبر نہ کرنا اور اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اسے چھوڑنا ہے، اس پر عمل نہ کرنا، اس کے اوامر پر عمل نہ کرنا اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب نہ کرنا، اسے چھوڑنا اور نظر انداز کرنا ہے، اسے چھوڑ کر دوسری چیزوں کو اختیار کرنا مثلاً شعر و اشعار یا دیگر قصے کہانیاں یا گانا بجانا یا کھیل تماشا یا اس کے علاوہ دوسروں کے طور اطوار اختیار کرنا اسے چھوڑنا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس امت اجابت کا بھی قرآن پاک سے تعلق واجبی سا ہی رہ جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر اپنے بچوں کو ڈاکٹر، سائنسدان، انجینئر، تاجر اور صنعت کار بنانے کے لئے اندرون و بیرون ملک بھیجیں گے، لاکھوں روپیہ ان پر خرچ کریں گے مگر انہیں قرآن مجید کی تعلیم نہیں دلوائیں گے۔ اگر کچھ کریں گے تو انہیں ناظرہ قرآن پاک یا بعض کو حفظ کروا دیں گے۔ جس سے انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں اور قرآن پاک ہمیں کیا حکم فرما رہا ہے اور کن امور سے اجتناب کی تاکید کر رہا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

قرآن پاک کی تعبیر و تفہیم کا فریضہ سب سے پہلے مجسم قرآن سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے ادا کیا ہے۔ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو سمجھا اور آگے اپنے تلامذہ کو سمجھایا۔ قرآن مجید کی تفہیم وتفسیر کا یہ سلسلہ تاحنوز جاری ہے بلکہ قیامت تک جاری رہے گا اور عربی ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام اہم زبانوں میں اس کی تفاسیر شائع ہوئی ہیں۔

انہی تفاسیر میں ایک نہایت اہم اور مفصل تفسیر ماضی قریب کے نامور مفسر ومحدث مولانا علامہ سید ابوزکریا عبدالسلام الرستمی نور اللہ مرقدہ ورفع درجاتہ کی "احسن الکلام" کے نام سے پشتو زبان میں (9) جلدوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے اور ہمارے صوبہ خیبر پختونخوا اور صوبہ بلوچستان کے بلا امتیاز سب علماء ومشائخ کے ہاں مقبول ہے بلکہ وہ حضرات قرآن مجید کی تفسیر کے لئے اسے ایک بے حد معتبر ومعتدل تفسیر سمجھتے ہیں۔ مولانا الرستمی رحمہ اللہ کا صوبہ خیبر پختونخوا کے اکابر علماء میں شمار ہوتا تھا۔ اس ناکارہ کو ان کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ محترم بیمار چارپائی پر تشریف فرما تھے اس حالت میں ان سے کسی سوال اور گفتگو کی کوئی گنجائش نہ تھی بس کچھ لمحے کھڑے کھڑے زیارت کی اور واپس لوٹ آیا۔ چند ایام بعد خبر ملی کہ محترم سید صاحب وفات پا گئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ سید رستمی رحمہ اللہ نے مختلف علمائے کرام سے کسب فیض کیا۔ چنانچہ آپ کے شیوخ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری ، مولانا عبدالہادی شاہ منصوری، مولانا عبدالرحمٰن بہبودی ، مولانا عبدالشکور بہبودی وغیرہ جیسے حضرات کا نام معروف ہے۔ مختلف مقامات پر درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۸۲ میں انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ اپنے استاد مولانا غلام اللہ خان کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار میں دورہ تفسیر پڑھایا۔ شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری سے تفسیر قرآن کا سبق لیا تو ان کی قائم کردہ جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ سے منسلک ہو گئے۔ آپ کے اکثر اساتذہ حنفی مسلک رکھتے تھے اس لئے آپ بھی ایک عرصہ تک انہی کے ترجمان رہے۔ مگر شیخ الحدیث محترم مولانا عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ سے جب راہ ورسم ہوئی تو ان کے ساتھ مناقشات اور باہمی تبادلہ خیالات کے نتیجہ میں تقلیدی فکر کو خیرآباد کہہ کر کتاب وسنت کی ترجمانی شروع کر دی اور ایک تنظیم کی بنیاد رکھی جس کا نام رکھا "جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ علی منہاج السلف الصالحین" اور کوہاٹ روڈ پشاور پر واقع موضع بڈھ بیر میں جامعہ عربیہ لاشاعت التوحید والسنۃ کا ۱۹۸۹ء میں سنگ بنیاد رکھا۔ ہر سال شعبان اور رمضان المبارک کے مہینہ میں دورہ تفسیر کا آغاز کیا جسے اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ آخری سال میں دورہ تفسیر میں شامل ہونے والوں کی تعداد پانچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہزار تک پہنچ گئی۔ جس میں صوبہ خیبر پختونخوا کے اکثر مقامات کے علاوہ کراچی، افغانستان، بلوچستان کے طلباء شریک ہوتے تھے بلکہ طلباء کے علاوہ طالبات بھی اس سے فیض یاب ہوتی تھیں۔ مقامی طلباء وطالبات کے لئے باقاعدہ ٹرانسپورٹ کا بھی بندوبست کیا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی محترم سید صاحب ہر سال شوال کی چوتھی یا پانچویں تاریخ سے 15 دن کا مختصر دورہ تفسیر بھی کرواتے تھے جس میں صرف مشکل آیات کی تفسیر بیان فرماتے جس میں اکثر و بیشتر علمائے کرام ہوتے اور اس میں بھی حاضرین کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہوتی تھی۔

کتاب وسنت کی سربلندی کا جب انہوں نے علم بلند کیا تو مخالفت ومخاصمت شروع ہوگئی اپنے بیگانے بن گئے ایک ہنگامہ ان کی جامعہ کے قریب ہوا جس کے نتیجہ میں ان کے صاحبزادے مولانا سید عبدالصبور صاحب اور ان کے ساتھی مولوی عبداللہ صاحب کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث والتفسیر کو بھی سنٹرل جیل مردان میں پابند سلاسل کردیا گیا۔ وہاں ایک تو انہوں نے " تحفۃ السجن " نام سے ایک کتاب لکھوائی اور بعض دوستوں کی توجہ سے قرآن مجید کی تفسیر کا آغاز کردیا۔ ان ایام میں آپ کا دائیں ہاتھ معذور تھا اس لئے اپنے فرزند ارجمند مولانا عبدالصبور کو یہ تفسیر لکھوانے لگے۔ صوبہ کے وزیر اعلیٰ جناب میر افضل خان کی کوششوں سے آپ مقدمات سے بری الذمہ قرار پائے۔ چنانچہ سات ماہ بعد جیل سے رہائی ملی۔ اس عرصہ میں وہ سورۃ یونس تک تفسیر لکھوا چکے تھے جیل سے رہائی کے بعد اس پر نظر ثانی فرمائی اور اس میں جہت سے اضافے کئے۔ یوں یہ تفسیر پشتو زبان میں ایک بے حد جامع تفسیر عالم وجود میں آئی۔ اس کی مقبولیت کی بنا پر ہی ایک خاتون نے فارسی زبان میں اسے منتقل کیا جو چھ جلدوں میں مطبوع ہے۔ فارسی یا پشتو زبان کی بنا پر اس سے استفادہ محدود تھا تو اس کا نفع عام کرنے کا بیڑا ان کے شاگرد رشید جناب مولانا نصیب شاہ سلفی صاحب منجاکوٹی حفظہ اللہ نے اٹھایا اور اس کا اردو میں ترجمہ کردیا جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین جو طباعت کے مراحل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا منجاکوٹی کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور جس جذبہ ومحبت سے انہوں نے یہ خدمت سرانجام دی اسے بارآور بنائے اور اردو دان طبقہ کے لئے ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ بنائے آمین۔

محترم شیخ القرآن رحمہ اللہ نے اپنے اس تفسیر کی جن خصوصیات اور اصطلاحات کا ذکر فرمایا ہے اس پر ایک نگاہ ڈال لیجئے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ خصوصیات حسب ذیل ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱) توحید وسنت کے راستے کی ترجمانی

۲) غلط عقائد، بدعات ورسومات کی نشاندہی تا کہ مسلمان ان سے بچ سکیں

۳) سورت کے شروع میں اس سورت کے جو مزید نام ثابت ہیں ان کو تحریر کرنا

۴) ایک سورت کی دوسری سورت کے ساتھ مناسبت یعنی تعلق اور ربط ذکر کرنا

۵) ہر سورت کا بنیادی اور مرکزی مضمون لکھنا جس پر پوری سورت مشتمل ہو

۶) ہر سورت کے شروع میں مختصر خلاصہ لکھنا

۷) ہر آیت کے شروع میں اس کا عنوان لکھنا

۸) ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ تعلق خواہ اشارتاً ہو یا صراحتاً، ذکر کرنا

۹) مفسرین کے اقوال کی طرف اشارہ کرنا اور میرے نزدیک جو قول راجح ہو اس کا ذکر کرنا

۱۰) مناسب مقامات پر تفاسیر اور دیگر کتب کے حوالہ جات تحریر کرنا۔ اگرچہ اس طرز تفسیر میں حوالوں کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آئی یہ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۱) بوقت ضرورت کے تحت شان نزول لکھنا

۱۲) مشکل آیات میں مناسب کوشش کے بعد مناسب حل مختصر ذکر کرنا

۱۳) ضروری مسائل جیسے مسئلہ اسماء وصفات، مسئلہ حیلہ، دینی امور پر اجرت، عصمت انبیاء، سحر، تقلید، وسیلہ، سماع موتی، برزخ، عام مسلمانوں کے فہم کے لئے مذکورہ مسائل میں قدرے تفصیل کی گئی ہے۔

ان خصوصیات کے علاوہ بھی بہت سے مباحث پر یہ تفسیر مشتمل ہے مثلاً قرآن مجید میں "رب" کتنے معنوں میں آیا ہے، اسی طرح الہ، دعا، ظلم، حیاۃ، متاع وغیرہ الفاظ کتنے معانی میں قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں ان تمام کا ذکر با حوالہ مذکور ہے۔ یوں یہ تفسیر گوناگوں فوائد پر مشتمل ہے جو علمائے کرام اور طلبائے علم کے لئے یکساں ایک بہترین علمی خزانہ ہے جسے محترم شیخ التفسیر رستمی نور اللہ مرقدہ نے جمع کر کے قرآن مجید کی عظیم الشان خدمت سرانجام دی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے ان کے محترم مترجم کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور ان کے رفع درجات کا سبب بنائے آمین۔

تفسیر "احسن الکلام" کے علاوہ محترم شیخ القرآن رحمہ اللہ نے ایک مختصر تفسیر "تفسیر القرآن العظیم" کے نام سے لکھی جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1600 صفحات پر مشتمل ہے جسے مکتبہ دار السلام لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں جو اکثر و بیشتر قرآن مجید سے ہی متعلق ہیں مثلاً الموسوعۃ القرآنیۃ، الفوائد الربانیہ والفوائد القرآنیۃ، المنهاج المستقیم للدعوۃ فی القرآن الکریم، التبیان فی تفسیر ام القرآن، لطائف القرآن فی تفسیر القرآن، تنشیط الاذہان مقدمہ لتبیان فی اصول تفسیر القرآن، الدرر المنظومات فی ربط السور والآیات، توجیہ الناظرین الی مقاصد الکتاب المبین، راہنمائے قرآن، خطابات القرآنیۃ فی الاصول الایمانیہ، ان کے علاوہ دیگر کتابیں مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محترم شیخ القرآن رحمہ اللہ کو قرآن مجید سے کتنا تعلق خاطر تھا اور مختلف جہتوں سے انہوں نے قرآن پاک کے علوم و معارف کو اجاگر کرنے میں کیا کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔

البتہ آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں یہ گذارش ناگزیر ہے کہ اس کے مترجم محترم مولانا نصیب شاہ سلفی منجا کوئی حفظہ اللہ پشتون ہیں، اس لئے اردو ترجمہ میں کہیں ثقل محسوس فرمائیں تو اسے خاطر میں نہ لائیں۔ بقول مترجم اس ترجمہ کی نظر ثانی اردو زبان سے شناسائی رکھنے والے سے کروائی گئی ہے مگر انہوں نے حق ادا نہیں کیا لہٰذا جو کمی کوتاہی ہوئی ہے وہ آئندہ طباعت میں دور کر دی جائیگی (ان شاء اللہ)۔ مگر یہ کام جس قدر مشکل اور صبر آزما ہے اس کا اندازہ قارئین کرام کو نہیں اسی کے پیش نظر مترجم محترم نے حسب توفیق کئے گئے ترجمہ کی طباعت کا اہتمام کیا اور اس میں مزید تاخیر مناسب نہیں سمجھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ صادقہ کو شرف قبولیت سے نوازے آمین۔

خادم العلم والعلماء

ارشاد الحق اثری

7/3/2021

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وبعد

زیر نظر عظیم الشان کتاب قرآن حکیم کی تفسیر پر مشتمل ہے جس کے مؤلف عالم جلیل مفسر شہیر فضیلۃ الشیخ مولانا ابو زکریا عبد السلام الرستمی ﷾ ہیں، جو اپنے دور کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے، بالخصوص تفسیر قرآن کریم میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا، ہر سال منعقد ہونے والا دورۂ تفسیر جس میں بلا مبالغہ ہزاروں طلبہ شریک ہوتے جس سے محدثین کی مجالس کی یاد تازہ ہوتی، ہمارے مذکورہ دعوی پر شاہد عدل ہے۔

شیخ ﷾ نے اس تفسیر قیم کا نام (تفسیر احسن الکلام) رکھا ہے، جس کا آغاز انہوں نے 1990ء میں اس وقت کیا جب وہ مردان جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تقریباً آدھی تفسیر جیل میں مکمل ہوئی۔ جبکہ بقیہ کام رہائی کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا۔ فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔

یہ تفسیر پشتو زبان میں ہے جسے ہمارے فاضل بھائی الشیخ نصیب شاہ سلفی منچاکوٹی ﷾ نے اردو قالب میں ڈھالا اور یوں اردو دان طبقہ پر ایک احسان عظیم کر دیا۔ فجزاھم اللہ عنا وعن المسلمین خیر الجزاء فی الدارین۔

شیخ نصیب شاہ صاحب نے ہی مجھ سے اس عظیم اور نافع کتاب پر مقدمہ لکھنے کا تقاضا کیا۔ جسے میں نے قبول تو کر لیا لیکن ایک عرصہ متردد رہا اور اسی پس و پیش میں رہا کہ وقت کے ایک عظیم مفسر اور محدث کی کتاب کی تقدیم میری علمی سطح سے کہیں بڑا اور اونچا کام ہے، میں ہمیشہ اپنی علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا معترف رہتا ہوں۔ (من آنم کہ من دانم) لیکن شیخ کے مسلسل اصرار پر ہتھیار ڈالنے پڑے اور چند سطور سپرد قرطاس کرنے پر تیار ہونا پڑا۔ (واللہ ھو الموفق للصواب والسداد)

ہم اس تفسیر اور اس کے اردو ترجمہ کے محاسن پر، نیز اس کی افادیت کے حوالے سے آگے چل کر بات کریں گے۔

اشتغال بالقرآن والحدیث، ایک انسان کی زندگی کا سب سے عمدہ مشغلہ ہے۔ جو انفاس و نفائس کتاب و سنت کی خدمت میں صرف ہو جائیں وہ انتہائی قابل قدر اور موجب سعادت ہیں۔ اس عمل میں اگر اخلاص کار فرما ہو تو ہر گھڑی کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، بھلا وحی الٰہی کی خدمت سے بڑا کیا کام ہو سکتا ہے؟

قرآن پاک تنزیل الرحمن ہے: [تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ۝](الواقعۃ: 80) یعنی: یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے مقام پر فرمایا: [وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿﴾] (الشعراء: 192 تا 195)

ترجمہ: اور بیشک وشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اسے امانت دار ملک لے کر آیا ہے۔ آپ کے دل پر اترا ہے کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف عربی زبان میں ہے۔

یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترا، جسے لانے والے تمام ملائکہ کے سردار روح القدس جبریل علیہ السلام ہیں اور جس شخصیت کے قلب اطہر پر نازل ہوا وہ تمام اولاد آدم کے سردار محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احقاق نبوت کے لئے زبردست معجزہ ہے ایک ایسا معجزہ جس میں اعجاز کی تمام انواع واقسام موجود ہیں، چنانچہ اس کے الفاظ، معانی اور احکام سب کے سب معجزہ ہیں۔

بلکہ قرآن حکیم کو انبیاء سابقین کے معجزات کے برعکس معجزہ خالدہ ہونے کا شرف حاصل ہے، یعنی سابقہ انبیاء کے معجزات ان کی زندگی تک محدود تھے، جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضاء اور عیسیٰ علیہ السلام کا احیاء الموتی اور ابراء المرضی وغیرہ وغیرہ۔

قرآن حکیم کا اعجاز قیامت تک کے لئے ہے اس لئے اس کی ہدایت کا سلسلہ قیامت تک جاری وساری ہے، تبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مبارکہ، تمام انبیاء کی امتوں سے باعتبار تعداد زائد اور فائق ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت امت کی وجہ سے سارے انبیاء پر فخر کریں گے۔

اس کتاب معجز کی ہر قسم کی خدمت ایک عظیم الشان شرف کا باعث ہے۔

چنانچہ اس کی سادہ سی تلاوت باعث اجر ہے: (عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ بمن قرأ حرفا من كتاب الله فله حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول الم حرف ولكن الف حرف ولام حرف وميم حرف. (رواه الترمذي وقال حديث حسن)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھ لیا اسے ایک نیکی حاصل ہوگی، اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا اور میم تیسرا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ قرآن پاک کی سادہ سی تلاوت بروز قیامت قرآن مجید کی شفاعت کے حصول کا باعث ہوگی:

عن أبي امامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: (إقرءوا القرآن فإنه يأتي يوم القيامة شفيعا لأصحابه)

یعنی: ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قرآن پڑھا کرو، بے شک یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرتا ہوا آئیگا۔

حضرات! تعلق بالقرآن کس قدر عظمت وشرف کا باعث ہے کہ مجرد سادہ سی تلاوت پر ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں اور قیامت کے روز بذریعہ شفاعت قرآن کریم جنت کا داخلہ حاصل ہو جائیگا۔

اگر تلاوت کے ساتھ ساتھ مخارج کی تصحیح اور ادائیگی کی کوشش ہو تو اجر مزید بڑھ جائیگا، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ تجوید کے قواعد کی تطبیق ہو تو اجر مزید بڑھ جائیگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (الذي يقرأ القرآن وهو ماهر به مع السفرة الكرام البررة ...الحديث) (متفق عليه) یعنی: جو بندہ مہارت کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن ملائکہ کے ساتھ ہوگا۔

اگر ان تمام امور کے ساتھ ساتھ عند التلاوت آواز کی تحسین وتغنی موجود ہو تو اجر مزید بڑھ جائیگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زينوا القرآن بأصواتكم فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا) (أبوداؤد:1468، نسائي:1015 وصححه الألباني)

یعنی: قرآن پاک کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کر دو؛ کیونکہ اچھی آواز قرآن پاک میں مزید حسن پیدا کر دیتی ہے۔

اگر ان تمام امور کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں تدبر کیا جائے اور اس کی آیاتِ کریمہ کا فہم حاصل کیا جائے تو اجر مزید بڑھ جائیگا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (خيركم من تعلم القرآن وعلمه) (صحيح الترمذي:2907)

یعنی: تم سب میں بہترین وہ ہے جو قرآن پاک سیکھے اور سکھائے۔

اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ قرآن پاک کی علمی وقلمی خدمت کتنے بڑے شرف کی بات ہوگی؟ کس قدر اللہ کی رضا کا باعث بنے گی؟ جس شخص کو یہ توفیق ودیعت ہوگی وہ کس قدر اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہوگا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يلوح الخط في القرطاس دهرا
وكاتبه رميم في التراب

تحریر عرصہ دراز تک قرطاس میں ظاہر رہتی اور چمکتی رہتی ہے، جبکہ اس کا کاتب قبر میں مٹی بن چکا ہوتا ہے۔

لیکن جب تک یہ تحریر صفحۂ قرطاس پر جگمگی ہوئی ہو اور لوگ مستفید ہوتے رہتے ہوں، اس وقت تک یہ لکھنے والے کے لئے صدقہ جاریہ بنی رہتی ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت قائم رہ سکتا ہے۔

اصل وظیفۂ قرآن یہی ہے کہ اس کی تفسیر و تبیین پر توجہ دی جائے، تا کہ اللہ تعالیٰ کی خلق پر حجت قائم ہو جائے اور فہم قرآن کے تعلق سے ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ؀] (النحل:43)

ترجمہ: یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

[وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ؀] (النحل:89)

ترجمہ: اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔

واضح ہو کہ تبیین قرآن کی سب سے مضبوط اساس رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں، جو بذات خود اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں۔ ایک مقام پر اللہ رب العزت نے قرآن حکیم کے بہت سے وظائف اپنے ذمہ لئے۔ جن میں تنزیل قرآن، جمع قرآن اور تفسیر قرآن قابل ذکر ہیں، چنانچہ فرمایا:

[لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؀ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ؀ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ؀ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؀] (القیامۃ:16 تا 19)

ترجمہ: (اے نبی) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا (تفسیر و تشریح بھی) ہمارے ذمہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہذا وہ افاضل علماء یقیناً خوش نصیب ہیں اور ہماری طرف سے بے شمار تشکر و امتنان کے مستحق ہیں جو اپنی زبان میں اپنی قوم کے لئے قرآن مجید کی تفسیر و تبیین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، یہ دین اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے جس کا تعلق دین کے اساسی امور سے ہے، ہر دور میں اس حوالے سے کام ہوتا آ رہا ہے، اس وقت بھی بہت سے اعیان و مشاہیر اس خدمت کی انجام دہی میں مصروف عمل ہیں، مگر شیخ عبدالسلام رستمی حفظہ اللہ کی یہ عظیم الشان تفسیر بلی زمانہ سرفہرست قرار پائے گی یقیناً وہ اس تفسیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نہایت عمدہ مہربانیوں اور ضیافتوں سے متمتع ہو رہے ہوں گے۔ وھو تعالی لطیف بعبادہ وأرحم الراحمین۔

تفسیر احسن الکلام کا کچھ ابتدائی حصہ، جو سورہ بقرہ کی آیت نمبر 176 تک ہے ہمیں محترم نصیب شاہ صاحب کی طرف سے موصول ہوا۔ تاکہ اسے پڑھ کر مقدمہ کی چند سطور تحریر کر دی جائیں۔

ہم نے چیدہ چیدہ مقامات سے اس معرکۃ الآراء اور عظیم الشان تفسیر کا مطالعہ کیا اور اسے علم و حکمت سے بھرپور پایا، اس تفسیر کا علمی رنگ اس قدر نمایاں ہے کہ اس کے طبع ہونے کے بعد یہ بطور خاص ہر عالم اور ہر طالب علم کی لائبریری کی زینت ہونی چاہئے علماء کرام ہی اس سے کما حقہ مستفید ہو سکتے ہیں، بالخصوص وہ علماء کرام جو دینی مدارس میں تفسیر قرآن کے مدرسین ہیں، ان کے پاس تو یہ بے مثل تفسیر لازمی ہونی چاہئے جس کا وہ روزانہ مطالعہ کریں اور اپنے طلاب تک اس علم نافع کو پہنچائیں۔

یہ تفسیر قیم سلف صالحین کی تفاسیر کا نمونہ پیش کرتی ہے، اس کا مطالعہ کرنے والوں پر بخوبی واضح ہوگا کہ یہ تفسیر مندرجہ ذیل تفسیری فوائد کا مرقع ہے:

- تفسير القرآن بالقرآن۔
- تفسير القرآن بالسنة.
- تفسير القرآن بأقوال السلف من الصحابة والتابعين ومن تبعهم بإحسان۔
- تفسير القرآن باللغة.
- شیخ نے جا بجا وقت کی جاہلیت کی نبض پر بھی ہاتھ رکھا ہے اور قدیم و جدید مبتدعین و ملحدین کے عقائد باطلہ اور افکار فاسدہ کی نشاندہی کرتے ہوئے، دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ ان کی تفنید فرمائی ہے، اور یہی علماء حق کی نشانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ وقت کی جاہلیت کو نیز حملہ آور فتنوں کو پہچان لیتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا رد کرنے اور دین اسلام کو شبہات سے پاک صاف کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رکھتے ہیں۔ فجزاهم الله عنا وعن المسلمين خير الجزاء.

شیخ عبدالسلام رستمی حفظہ اللہ بذاتِ خود اپنی تفسیر کے خصائص و ممیزات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خصوصیات:

- توحید و سنت رسول ﷺ کے راستے کی ترجمانی کرنا۔
- غلط عقائد، بدعات و رسومات کی نشاندہی کرنا تاکہ مسلمان بھائی اس سے بچ سکیں۔
- سورت کے شروع میں اس سورت کے جو مزید نام (ثابت) ہیں ان کو تحریر کرنا۔
- ایک سورت کی دوسری سورت کے ساتھ مناسبت یعنی تعلق و ربط ذکر کرنا۔
- ہر سورت کا عنوان لکھنا جس پر پوری سورت مشتمل ہو۔
- ہر سورت کے شروع میں مختصر خلاصہ لکھنا اور ہر باب کے شروع میں تفصیلی خلاصہ لکھنا۔
- ہر آیت کے شروع میں اس کا عنوان لکھنا۔
- ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ تعلق خواہ اشارۃً ہو یا صراحۃً ذکر کرنا۔
- مفسرین کے اقوال کی طرف اشارہ کرنا اور میرے نزدیک جو قول راجح ہو اس کا ذکر کرنا۔
- مناسب جگہوں میں تفاسیر اور دیگر کتب کے حوالہ جات تحریر کرنا اگرچہ ایسا ہے کہ اس طرز تفسیر میں حوالوں کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آتی یہ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔
- عام فہم پشتو زبان میں ترجمہ و تشریح لکھنا۔
- سخت ضرورت کے تحت شان نزول لکھا گیا ہے۔
- مشکل آیات میں مناسب کوشش کرنے کے بعد اس کا مناسب حل مختصر ذکر کرنا۔
- ضروری مسائل جیسے: (1) مسئلہ اسماء و صفات (2) مسئلہ حیلہ (3) مسئلہ دینی امور پر اجرت (4) مسئلہ عصمت انبیاء (5) مسئلہ سحر (6) مسئلہ تقدیر (7) مسئلہ وسیلہ (8) مسئلہ سماع موتی (9) مسئلہ برزخ (قبر) عام انسانوں کے فہم کے لئے مذکورہ مسائل میں قدرے تفصیل کی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واضح ہو کہ یہ تمام نکات بڑی اہمیت کے حامل ہیں علماء وطلبۃ العلم اس کے مطالعہ سے یقیناً ایک علمی، روحانی، عملی اور تربیتی غذا حاصل کریں گے۔ بعض مقامات پہ اسلوب کی دقت اور پیچیدگی محسوس ہوگی لیکن تھوڑی سی محنت سے اس اغلاق کو حل کیا جاسکے گا اور یہ چیز مزید ان کے علمی رسوخ کا باعث ہوگی۔ علماء کی دقیق عبارتوں پر غور وخوض کرتے رہنے سے علمی صلاحیت بڑھتی رہتی ہے اور ایک اجتہاد کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتب کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو بخوبی جانتے اور مانتے ہیں۔

شیخ عبد السلام رستمی رحمہ اللہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور یہ علمی سرمایہ بطور صدقہ جاریہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے، یقیناً یہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی ایک گراں قدر خدمت ہے، ان کی یہ کاوش ان شاء اللہ ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنے گی، ان کی قبر کو روشن کرے گی اور قبر کی وسعت کا ذریعہ بنے گی اور جب یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر علماء وطلاب اور دیگر افراد کے سامنے آئے گی تو اس کا مطالعہ ان کے لئے روز افزوں اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث بنے گا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

آخر میں اپنے فاضل بھائی فضیلۃ الشیخ نصیب شاہ منجاکوٹی حفظہ اللہ کا بھی بمطابق فرمان رسول ﷺ: (من لم يشكر الناس لم يشكر الله) شکر گزار ہوں جنہوں نے پشتو زبان میں لکھی گئی اس علمی تفسیر کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، اس ترجمے کے بہت سے محاسن میں بعض مقامات پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اصلاً اردو زبان ہی میں لکھی گئی، ترجمہ کی سلاست اور نفاست کا بھی بصمیم قلب معترف ہوں۔

ہم اس تفسیر کی جلد طباعت کے منتظر رہیں گے، ان شاء اللہ یہ تفسیر علماء کرام کے مکتبات میں ایک گراں قدر اضافہ قرار پائے گی، اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ شیخ عبد السلام رستمی رحمہ اللہ اور مترجم شیخ نصیب شاہ منجاکوٹی حفظہ اللہ کی اس عظیم الشان علمی کاوش کو قبول فرمالے، اسے ان کے روز قیامت میزان حسنات کا ایک عظیم خزانہ اور اثاثہ بنا دے اسے ان کے لئے، ان کے والدین اور اساتذہ کرام کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے، اسے عباد و بلاد کے نفع کا ذریعہ بنا دے۔

آج جبکہ امت کے بے شمار افراد عقائد ومناہج میں انحراف کے باعث بربادی کے دھانے پر کھڑے ہیں، اس تفسیر کو ان کے لئے بہترین راہنما بنا دے اور ان کی ہدایت کا سبب بنا دے و ما ذلك على الله بعزيز۔

والله تعالى ولي التوفيق وبنعمته وحسن توفيقه تتم الصالحات. وأصلي وأسلم على نبيه

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وحبيبه وخليله محمد وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين.

كتبہ رعبداللہ ناصر الرحمانی

امیر جمعیت اہل حدیث سندھ

رئیس وشیخ الحدیث: المعهد السلفي للتعليم والتربية

14 نومبر 2020

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان إلی یوم الدین اما بعد

زیر مطالعہ تفسیر "احسن الکلام" ہے جس کے مفسر عظیم عالم استاذ العلماء علامہ ابوزکریا عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ شیخ محترم علماء اور عوام میں بلکہ عرب و عجم میں اپنا خاص علمی مقام رکھتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے شاگردان کے علیحدہ علیحدہ حلقہ جات قائم ہیں، مجھے بھی دوبار شیخ محترم کی ملاقات کا شرف نصیب ہوا، پہلی بار غالباً 1990ء کے آگے پیچھے مکتبۃ السنۃ جو اس وقت سولجر بازار میں تھا ملاقات ہوئی اور دوسری بار ان کی آخری بار کراچی آمد جناب محترم بھائی ڈاکٹر ذوالفقار تونیو حفظہ اللہ تعالیٰ کے گھر پر ملاقات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شیخ محترم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے (آمین)۔

شیخ کی تفسیر جو کہ بزبان پشتو تھی اس کا اردو ترجمہ اور تخریج کا شرف ہمارے دینی بھائی اور مخلص ساتھی مولانا نصیب شاہ صاحب (زادہ اللہ وایانا علما وعملا) نے حاصل کرلیا ہے اور اب طباعت کے بعد منظر عام پر لانے کیلئے کوشاں ہیں۔ دعا ہے اللہ عز وجل اس مشکل اور گراں بار مرحلہ کو آسان کردے (آمین)۔ اللھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلا وانت تجعل الحزن اذا شئت سھلا (آمین)۔

یہ عظیم تفسیر دین اسلام کی وہ خدمت ہے جو شیخ محترم رحمہ اللہ تعالیٰ اور نصیب شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ اور کسی بھی صورت میں اس میں ساتھیین، ہر ایک کے لئے صدقہ جاریہ ہے ان شاء اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے: عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ (صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ۔ حدیث 1631)۔ یعنی جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر صدقہ جاریہ یا علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد کی دعاؤں کی صورت میں باقی رہتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی ایک عمل تو ذاتی ہوتا ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ یہ موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے جبکہ ایک عمل وہ ہے جو متعدی ہے کہ دوسروں کی ہدایت اور عمل صالح کا سبب بن جاتا ہے جیسے مساجد، مدارس، تصانیف جوکہ مستند احادیث اور تفاسیر کی صورت میں اور شاگردان کی صورت میں ہوا کرتی ہیں یہ قائم رہتے اور جاری اجر وثواب کی سبیل ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالی اس عظیم محنت کو صدقہ جاریہ بنائے اور شرف قبولیت عطا کرے۔ آمین

وصلى الله تعالى على نبينا محمد وعلى آله وسلم تسليما

كتبه بيده خادم السنة النبوية المطهرة عليه ألف ألف تحية وسلام

محمد افضل الاثری

یوم الاحد۔ یکم رجب 1442ھ

14 فروری 2021

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ الطیبین واصحابہ حملۃ السنۃ النبویۃ أجمعین۔ أما بعد

شرعی علوم میں قرآن کریم کی تفسیر کا علم اشرف علوم میں شمار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر موجودہ دور تک علماء دین متین نے کتاب اللہ کی تشریح وتوضیح کی خدمت سرانجام دی ہے۔ تاکہ امت کے لئے قرآن کریم کو سمجھنے میں کوئی مشکل اور رکاوٹ پیش نہ آئے۔

خدمات قرآن کے اسی سلسلہ میں خادم قرآن شیخ القرآن والحدیث علامہ سید عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ کا نام عرب وعجم کے علماء، طلباء اور عوام الناس پر پوشیدہ نہیں۔ شیخ القرآن رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی قرآن کریم کی خدمت میں گزاری۔ 58 سال مسلسل بغیر کسی ناغہ کے آپ نے ماہ شعبان ورمضان میں دورۂ تفسیر القرآن پڑھایا، ہر سال ماہ شوال میں دورۂ تفسیر مشکلات القرآن علماء کرام کو پڑھاتے تھے اور تعلیمی سال میں اپنے جامعہ میں روزانہ قرآن کریم کا درس پابندی سے دیتے تھے۔ اس کے علاوہ عوام الناس کو مغرب کے بعد درس دیا کرتے تھے۔ قرآن کریم کی لسانی خدمات کے علاوہ آپ کی قلمی خدمات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کی اکثر تصانیف علوم قرآن کے موضوع پر موجود ہیں۔ جن میں سب سے بڑی خدمت قرآن کریم کی تفسیر "تفسیر احسن الکلام" ہے جس کو ہر مسلک کے علماء کرام کی قبولیت کا شرف حاصل ہے۔ چونکہ آپ کی یہ تفسیر پشتو زبان میں لکھی گئی ہے، اس وجہ سے دوسری زبان والے اس سے مستفید ہونے سے محروم تھے اور پشتو زبان والے تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کریم کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر "تفسیر احسن الکلام" ہے۔ اسی وجہ سے ملک کی اکثر یونیورسٹیوں میں تفسیر احسن الکلام پر تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہیں۔ ایران وافغانستان کے علماء کے لئے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ جبکہ اردو خوان طبقہ بار بار اصرار کر کے اردو ترجمہ طلب کرتے رہے ہیں۔ کئی علماء نے اس پر کام شروع کیا لیکن تفسیر کا سلیس اردو میں ترجمہ کافی مشکل اور طویل کام تھا جس کی وجہ سے اکثر علماء نے کام ادھورا چھوڑ دیا۔

واضح ہو کہ اردو میں ترجمہ کے لئے یہ ضروری تھا کہ مترجم شیخ القرآن رحمہ اللہ کے شاگرد ہوں تاکہ اپنے استاد کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصطلاحات کو سمجھیں اور ترجمہ کے وقت شیخ کے مقصد کو خوب سمجھ کر اردو میں پیش کریں اور مترجم کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ عالم ہوں تاکہ مصنف رحمہ اللہ کے بعض مواقع پر اشاروں کو سمجھ سکیں۔ شیخ رحمہ اللہ کی خواہش کے مطابق فضیلۃ الشیخ مولانا نصیب شاہ سلفی صاحب نے یہ خدمت سرانجام دینے کی ذمہ داری قبول کی۔ تقریباً 9 سال پہلے موصوف نے مصنف رحمہ اللہ کی حیات میں تفسیر کے ترجمہ کا آغاز کیا۔ چونکہ یہ علم و تحقیق کا دور ہے اور ہر خاص و عام تحقیق و تخریج سے مزین کتب کو ترجیح دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مترجم نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ تخریج بھی کی ہے۔ تفسیر کے ترجمہ میں موصوف مترجم نے ہمارے علم کے مطابق ترجمہ و تخریج کا پورا حق ادا کیا ہے۔ دار التفسیر جامعہ عربیہ سیفن چوک کوہاٹ روڈ پشاور اس ممتاز تفسیر کو تخریج اور اردو ترجمہ کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

ہماری کوشش ہے کہ یہ امت اس بنیادی مرکز کی طرف رجوع کرے جس کی اساس قرآن و سنت ہے۔ ہم نے اس تفسیر کی تیاری میں ہر ممکن حد تک کوشش کی ہے کہ کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو مگر پھر بھی انسان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اگر ہمارا کوئی معزز بھائی کسی قسم کی کوتاہی سے مطلع ہو تو براہ کرم ہم سے رابطہ کرے، ہم اس کی نوازش پر جہاں اس کے شکر گزار ہوں گے، وہاں تصحیح کا بھی فوراً اہتمام کریں گے ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ اس علمی خزانے کی خدمت کے عوض مصنف شیخ القرآن علامہ سید عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ، مترجم فضیلۃ الشیخ نصیب شاہ سلفی صاحب اور تمام معاونین اور مستفید ہونے والے علماء، طلباء اور عوام الناس کے گناہ معاف فرمائے اور اسے ہمارے لئے میزان حسنات کی زینت بنائے۔ آمین۔

راقم الحروف

سید عبدالبصیر ابن الشیخ سید عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ

مدیر دار التفسیر جامعہ عربیہ سیفن چوک کوہاٹ روڈ پشاور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
.1	مقدمہ	1
.2	تفسیر کی خصوصیات	1
.3	تفسیر کے ضروری اصول و اصطلاحات	2
.4	قرآن کریم کے نام	3
.5	قرآن کریم کے نزول کی حکمتیں	4
.6	قرآن کریم کا سب سے بڑا عنوان اور مقصد	4
.7	توحید ربوبیت	5
.8	توحید اسماء و صفات	5
.9	شرک فی التصرف کی تفصیل	6
.10	علم الغیب الذاتی	6
.11	انسان کے حواس ظاہری پانچ ہیں	7
.12	توحید فی الدعاء	7
.13	صدق رسول	8
.14	صدق قرآن	8
.15	آخرت پر ایمان	9
.16	جہاد فی سبیل اللہ	10
.17	انفاق فی سبیل اللہ	10
.18	نسخ کا مسئلہ	12
.19	الوہیت کی تفصیل	12
.20	الٰہ کے دو معنی ہیں	13
.21	شفاعت کا مسئلہ	13
.22	شفاعت غیر شرعی کی اقسام	15
.23	سورۃ الفاتحہ کی تفسیر	17
.24	فوائد اور حکمتیں	18
.25	فاتحہ کے نام	19
.26	رحمان اور رحیم میں فرق	21
.27	فاتحہ کا عنوان	23
.28	سوال: مالک الدین کیوں نہیں فر	29
.29	لفظ عبادت لغت اور قرآن میں	31
.30	الصراط کی تشریح	36
.31	انعامات عام و خاص	38
.32	مغضوب علیہم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں	42
.33	غضب کے 17 اسباب ہیں	43
.34	ضلال کے بھی 17 اسباب ہیں	44
.35	آمین جہری اور سری کا مسئلہ	46
.36	سورۃ البقرۃ کی تفسیر	49
.37	بقرۃ کا بنیادی عنوان	50
.38	اجمالی خلاصہ	51
.39	تفصیلی خلاصہ	52
.40	حروف مقطعات سے متعلق ضروری عقائد	53
.41	جن سورتوں میں قرآن مجید کی صفات ہیں	56
.42	تقویٰ کا مادہ قرآن مجید میں 237 مرتبہ اور تقویٰ کا حکم 78 مرتبہ	60

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

.43	قرآن مجید میں ایمان والوں کے مختلف ناموں کا ذکر	61
.44	ایمان لغت اور شریعت میں	63
.45	نماز قائم کرنے کے گیارہ فوائد و نتائج	66
.46	الصلوٰۃ کا لفظ 83 مرتبہ ذکر ہوا ہے	67
.47	رزق کا مادہ قرآن مجید میں 122 مرتبہ	68
.48	آخرت کا لفظ قرآن مجید میں 15 مرتبہ مذکور ہے	67
.49	فلاح کا مادہ قرآن مجید میں 40 مرتبہ مذکور ہے	75
.50	کفر کی چار اقسام	76
.51	کفر کا مادہ 525 مرتبہ قرآن میں آیا ہے	77
.52	دل کے ساتھ ختم کا لفظ چار مرتبہ	80
.53	کافروں کے بارے 25 مثالات و تشبیہات	81
.54	نفاق کی تین اقسام	84
.55	منافقین کی 15 بری صفات	85
.56	قرآن مجید میں لفظ مرض 12 مرتبہ مذکور ہے	88
.57	کذب کا مادہ قرآن مجید میں 281 مرتبہ وارد ہے	90
.58	عالم میں فساد کے اسباب و صورتیں	91
.59	قرآن مجید میں لفظ مثلاً 24 مرتبہ	94
.60	شیاطین، شطن سے لیا گیا ہے، 88 مرتبہ قرآن میں مذکور ہے	95
61	لفظ جمع 160 مرتبہ قرآن میں ہے	95

.62	قرآن مجید میں مثالوں کی تعداد 44 ہے	99
.63	لفظ نور قرآن میں 13 مختلف طریقوں سے 43 مرتبہ	103
.64	صم کا مادہ 15، بکم کا 6 اور عمی کا 33 مرتبہ مذکور ہے	104
.65	صعق کا مادہ 11 مرتبہ	107
.66	کاد کا مادہ قرآن میں 24 مرتبہ	108
.67	قرآن میں مشیت اللہ کیلئے بطور صفت 204 مرتبہ	110
.68	شیء مفرد 279 جمع 283 مرتبہ مذکور ہے	110
69	قدر کا مادہ 10 طریقوں سے قرآن میں 130 مرتبہ	111
.70	قرآن کریم میں عبادت کا کلمہ 29 مرتبہ مذکور ہے	113
.71	زمین کے 9 حالات قرآن میں مذکور ہیں	116
.72	فائدہ دلائل کی بہترین ترتیب	117
.73	دعا کا مادہ قرآن میں 211 مرتبہ	122
.74	لفظ شہید کا استعمال	122
.75	دون لفظ کی تشریح	123
76	لفظ صدق 155 مرتبہ مختلف معنوں میں	123

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

.77	جہنم میں ڈالنے کیلئے گندھک کے پتھر کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے	125
.78	عمل کو ایمان پر عطف سوال و جواب	128
.79	ازواج کے اطلاق کیلئے ہم عقیدہ ہونا ضروری ہے	131
.80	مادہ تزوج 81 مرتبہ مذکور ہے	131
.81	خالدون جنت والوں کیلئے 39 اور جہنم والوں کیلئے 29 مرتبہ ذکر ہے	132
.82	لفظ فوق 41 مرتبہ مذکور ہے	136
.83	لفظ حق 240 مرتبہ مذکور ہے	137
.84	فسق کا اطلاق 4 معنوں میں 50 مرتبہ	140
.85	میثاق 25 وثوق کا مادہ 38 مرتبہ مذکور ہے	141
.86	11 اطلاقات کے ساتھ موت 159 مرتبہ مذکور ہے	145
.87	اسریٰ کے پانچ معنی	150
.88	گنتی کے تمام معروف عدد قرآن میں ہیں	152
.89	علم کی صفت اللہ تعالیٰ کے لئے 130 اعلم 49 علام 4 مرتبہ مذکور ہے	153
.90	فائدہ: حمد تسبیح و تقدیس میں فرق	158
.91	قرآن مجید میں 27 نبیوں کے نام ذکر ہیں	160

.92	آدم علیہ السلام کے سجدے کا واقعہ 7 سورتوں میں اور سجدہ کی اقسام	166
.93	سابقہ ادیان میں غیر اللہ کو سجدہ جائز اور ہمارے دین میں حرام ہے	167
.94	ابلیس کی ذات سے متعلق اختلاف	169
.95	دو فتنوں کی اقسام قرآن مجید میں 8 مذکور ہیں	175
.96	ظلم کے اسباب قرآن میں 26 مرتبہ	176
.97	متاع قرآن میں 34 مرتبہ مذکور ہے	180
.98	لفظ حین 34 مرتبہ مذکور ہے	181
.99	عصمت انبیاء کا مسئلہ	181
.100	لولاک ضعیف روایت کی حقیقت	190
.101	توبہ کی چار شرطیں	193
.102	لفظ ذکر قرآن میں 72 مرتبہ آیا ہے بقول امام سیوطی 20 معنوں پر مشتمل ہے	200
.103	رحمت کا مادہ 12 مرتبہ 6 طریقوں پر وارد ہے	203
.104	دینی امور پر اجرت کی تفصیل	208
105	دین میں تحریف کی مثالیں اہل تشیع سے	215
.106	قرآن میں رکوع کا مادہ 7 طریقوں پر 13 مرتبہ مذکور ہے	218
.107	لفظ بر قرآن میں 8 مرتبہ ذکر ہے	220
.108	لفظ صبر قرآن میں 103 مرتبہ	222
.109	صبر کی قسمیں چار ہیں	223

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

.110	لفظ خشوع 10 وجوہ پر 17 مقامات پہ مذکور ہیں	224
.111	ظن کا مادہ 69 مرتبہ قرآن میں ہے	226
.112	شفاعت کی نفی 5 طریقوں سے	229
.113	شفاعت کی قسمیں	230
.114	موسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں 136 مرتبہ	237
.115	شکر کیلئے پانچ قواعد	240
.116	الفرقان قرآن میں 7 مرتبہ پانچ مصداق کے ساتھ وارد ہے	240
117	ذلت و مسکنت میں فرق	264
118	یہودیوں کے ہاتھوں نبیوں کے قتل	266
119	عصیان کا مادہ قرآن مجید میں 32 مرتبہ مذکور ہے	268
.120	بنی اسرائیل کی 50 خباثتوں کا ذکر	273
.121	شریعت میں حیلے کا حکم و تفصیل	280
122	اللہ تعالیٰ کا آدم کو توبہ کی بحث	299
.123	اپنی طرف سے الفاظ بنا کر نسبت اللہ و رسول کی طرف کرنا بڑا جرم ہے	314
.124	اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے ساتھ والدین کا ذکر کیوں کیا ہے؟	321
.125	عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت والدہ کی طرف کیوں؟	331
.126	لعنت قرآن میں 41 مرتبہ 20 اسباب کے ساتھ ذکر ہے	335
.127	وسیلہ کا غلط استدلال	337
.128	اشتروا کی تفسیر	346
.129	موت کی تمنا منع ہے مگر؟	350
.130	بنی اسرائیل کے پانچ افعال و اقوال پہ پانچ وعیدیں	354
.131	عداوت کے 14 مصداقات	358
132	جادو سے متعلق تفصیلی بحث	364
.133	فتنہ کی تفصیلی بحث 17 معنوں کے ساتھ وارد ہے	373
.134	راعنا اور اس جیسے لفظوں کا استعمال	376
.135	ایمان والوں سے 89 مرتبہ خطاب	379
.136	ناسخ و منسوخ کی تشریح	381
.137	حسد قرآن میں پانچ مرتبہ و تشریح	387
.138	وجہ اللہ 13 مرتبہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں وارد ہیں	393
.139	جن مقامات میں اللہ کیلئے ولد کی نسبت کی گئی	398
.140	قضیٰ کا مادہ 63 مرتبہ اور امر 166 مرتبہ 14 معنوں میں مذکور ہے	399
.141	لفظ جہنم 25 مرتبہ مذکور ہے	401
.142	ملت کا 15 مرتبہ دو طریقوں سے	403
.143	لفظ امام قرآن میں 8 معنوں میں مذکور ہے	408
.144	امۃ قرآن میں 51 مرتبہ 9 معنوں میں مذکور ہے	414

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

.145	124000 والی انبیاء ورسول کی حدیث صحیح ہے	422
.146	بیت المقدس کی طرف 16 17 مہینے نماز ادا ہوئی	429
147	لتکونوا شہداء کی تشریح	430
.148	خشیت کا معنی 7 طریقوں پہ مستعمل ہے	441
.149	موت قرآن میں 4 معنوں میں ہے	445
.150	حیات 6 معنوں میں ہے	446
.151	ارواح کے متعلق بحث	448
.152	طواف کا مادہ 41 مرتبہ مذکور ہے	453
.153	لفظ الہ کی تشریح	457
.154	تین قسم آیت قرآنی	465
.155	عابد و معبود کے متعلق	465
.156	وجدنا آباءنا کی تفسیر اور رد تقلید	468
.157	تقلید کی بحث	478
.158	غیر اللہ کے نام کسی چیز کو منسوب کرنا خنزیر سے اور مردار وخون کھانے سے بھی بدتر ہے	487
.159	قادیانی وشیعہ اہل قبلہ ہونے کے باوجود مسلمان نہیں ہیں	492
.160	سورۃ البقرۃ آیت 177 سولہ قواعد پہ مشتمل ہے	494
.161	قتل اگرچہ گناہ کبیرہ ہے مگر قاتل اسلام سے خارج نہیں	497

.162	قبولیت کا مادہ قرآن میں 28 مرتبہ تین معنوں میں مذکور ہے	512
.163	میاں بیوی کو لباس کیوں کہا گیا ہے	515
.164	مسئلہ اعتکاف میں اختلاف کی تشریح	518
.165	جہالت کی رسم اور سنت سے علاج	524
.166	قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت وآداب	526
.167	فاعتدوا کی تشریح	534
.168	نماز روزہ کیلئے یلو نہیں فر مایا حج کیلئے کیوں فرمایا	538
.169	حاجیوں کی قسمیں	552
.170	نسل کو تباہ کرنے کے اسباب	559
.171	نزول رب العالمین	564
.172	مرتد ہونے سے اعمال ضائع نہیں ہوتے البتہ اگر ارتداد پر مر جائے تو ضائع ہونگے	582
.173	شراب کے متعلق ترتیب سے آیتوں کا نزول	585
.174	اس امت کا مشرک اہل کتاب میں شمار ہے یا نہیں؟	592
.175	معاشرے کی اصلاح کیلئے 18 مسائل	594
.176	طہارت قرآن میں 9 معنوں میں ہے	597
.177	حالات حیض میں یہود اور مشرکین عرب کا دور جہالت میں عورتوں سے برا سلوک تھا	595

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

178.	قسم اور کفارہ کا بیان	601
179.	عورتوں سے ایلاء کی قسم کا ذکر	603
180	عدت کی قسمیں	606
181.	طلاق کا شرعی طریقہ	609

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ بَیَانًا وَّتِبْیَانًا وَّجَعَلَهٗ هُدًی وَّنُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ رَحْمَةً وَّاِمَامًا وَّاَمَانًا وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ هُمْ حُجَّةٌ عَلٰی مَنْ کَانُوْا صُمًّا وَّعُمْیَانًا

اَمَّا بَعْدُ!

جب میں (راقم الحروف) 20 جون 1990 میں ظالموں کے ہاتھوں مردان جیل میں بند کیا گیا تو چار ماہ تک حالات کی ناسازی اور فرصت نہ ملنے کی وجہ سے بے چینی رہتی تھی پھر بعض دوستوں نے توجہ دلائی کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر پشتو زبان میں قرآن کی تفسیر لکھی جائے اور پھر میں نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا چونکہ اس وقت میرا دایاں ہاتھ معذور تھا تو میرے بیٹے سید عبدالصبور اور ساتھی مولوی عبداللہ جو اس مسئلے میں میرے ساتھ شریک تھے ان سے میں نے یہ تفسیر لکھوانا شروع کی۔

جیل سے سات ماہ کے بعد رہائی ہوئی تو اس مدت میں سورۃ یونس تک تفسیر لکھوائی۔ جیل میں دیگر کتب اور تفاسیر نہ ہونے کی وجہ سے تفسیر مختصر لکھوائی، ہمہ وقت مصروفیت اور دینی امور کی وجہ سے قلیل وقت ملنے کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے تفسیر اختتام کو پہنچ گئی، ساتھیوں کی فرمائش پر کہ جو جیل میں لکھی گئی تفسیر تھی اس میں مناسب تفصیل لکھی جائے لہٰذا پہلی جلد میں تفصیل شروع کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسان طریقے سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اس تفسیر کی خصوصیات اور اصطلاحات پڑھنے والوں کو پیش کرنا ناگزیر ہے۔

خصوصیات:

1: توحید وسنت کے راستے کی ترجمانی کرنا۔

2: غلط عقائد، بدعات اور رسومات کی نشاندہی کرنا تاکہ مسلمان ان سے بچ سکیں۔

3: سورت کے شروع میں اس سورت کے جو مزید نام (ثابت) ہیں ان کو تحریر کرنا۔

4: ایک سورت کی دوسری سورت کے ساتھ مناسبت یعنی تعلق وربط ذکر کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

5: ہر سورت کا عنوان لکھنا جس پر پوری سورت مشتمل ہو۔

6: ہر سورت کے شروع میں مختصر خلاصہ لکھنا اور ہر باب کے شروع میں تفصیلی خلاصہ لکھنا۔

7: ہر آیت کے شروع میں اس کا عنوان لکھنا۔

8: ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ تعلق خواہ اشارۃً ہو یا صراحۃً ذکر کرنا۔

9: مفسرین کے اقوال کی طرف اشارہ کرنا اور میرے نزدیک جو قول راجح ہو اس کا ذکر کرنا۔

10: مناسب جگہوں میں تفاسیر اور دیگر کتب کے حوالہ جات تحریر کرنا۔ اگرچہ اس طرز تفسیر میں حوالوں کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آتی یہ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔

11: یوسف زئی پشتو کی زبان میں ترجمہ وتشریح لکھنا۔

12: سخت ضرورت کے تحت شان نزول لکھی گئی ہے۔

13: مشکل آیات میں مناسب کوشش کرنے کے بعد مناسب حل مختصر ذکر کرنا۔

14: ضروری مسائل جیسے (1) مسئلہ اسماء وصفات (2) مسئلہ حیلہ (3) مسئلہ دینی امور پر اجرت (4) مسئلہ عصمت انبیاء (5) مسئلہ سحر (6) مسئلہ تقلید (7) مسئلہ وسیلہ (8) مسئلہ سماع موتیٰ (9) مسئلہ برزخ (قبر) عام مسلمانوں کے فہم کیلئے مذکورہ مسائل میں قدرے تفصیل کی گئی ہے۔

اس تفسیر کے ضروری اصول واصطلاحات (1) قرآن کریم کی تعریف:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے سے سیدنا محمد ﷺ پر 23 سال میں نازل فرمایا اور یہ کلام اللہ صحف ملائکہ میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس مختلف پتھروں، ہڈیوں اور چمڑوں پر لکھا گیا۔ نبی کریم ﷺ اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ کیا گیا۔ یہ ہمیں تواتر کے ساتھ پہنچ گیا ہے اور ہر قسم کی تحریف، تبدیل اور تغیر سے محفوظ رکھا گیا ہے اس کے الفاظ، حروف اور معانی سب کلام اللہ ہے جو لکھے، پڑھے اور سنائے جاتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جن لوگوں نے یہ تکلف کیا ہے کہ کلام لفظی کلام اللہ نہیں ہے بلکہ اس پر صرف دلالت کرتا ہے اور کلام نفسی کلام اللہ ہے ان کا یہ عقیدہ اور تقسیم سلف صالحین کے منہج سے متصادم اور غلط ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم کے نام

1۔الکتاب	2.القرآن	3. کلام اللہ	4.النور
5.الھدی	6.رحمت	7.فرقان	8.شفاء
9.موعظة	10.ذکر	11.کریم	12.علی
13.حکمت	14.حکیم	15.مھیمن	16.مبارك
17. حبل اللہ	18.الصراط المستقیم	19.القیم	20.الفصل
21.النباء العظیم	22.احسن الحدیث	23.القرآن العظیم	24.القرآن المجید
25.التنزیل	26.الروح	27.وحی	28.المثانی
29.عربی	30.القول	31.البصائر	32.البیان
33.العلم	34.الحق	35.العجب	36.تذکرہ
37.ذکری	38.العروة الوثقی	39.المتشابه	40.الصدق
41.عدل	42.الایمان	43.المنادی	44.امر اللہ
45.بشری	46.الزبور	47.المبین	48.بشیر
49.نذیر	50.عزیز	51.بلاغ	52.القصص
53.آیات بینات	54.الحکم	55.سبیل اللہ	56.کلمة الرب
57.الحدیث	58.فضل اللہ	59.صُحف	60.مکرمه
61.مرفوعه	62.مطھرہ	63.برھان	64.بینه
65.مفصّل	66.نعمت اللہ	67.الکوثر	68.المیزان
69.الحجة البالغة	70.التبیان	71.مواقع النجوم	72.النجم
73.مصدّق	74.المنزل	75.کلمات اللہ	

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم کے نزول کی حکمتیں

نمبر1: عام لوگوں کیلئے ہدایت۔
نمبر2: متقیوں کے لئے ہدایت۔
نمبر3: عام بیماریوں کا علاج۔
نمبر4: دل کی بیماریوں کا علاج۔
نمبر5: ایمان والوں کیلئے رحمت۔
نمبر6: عام لوگوں کے لئے نصیحت۔
نمبر7: عذاب الٰہی سے خوف دلانا۔
نمبر8: ماننے والوں کے لئے خوشخبری۔
نمبر9: عام لوگوں اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے اندھیروں سے نکلنے کا پیغام اور روشنی۔
نمبر10: اختلافی مسائل میں وضاحت۔
نمبر11: لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے۔
نمبر12: حق اور باطل میں تفریق کے لئے۔
نمبر13: حق کو دلائل سے ثابت کرنے کے لئے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سارے فائدے اور حکمتیں ہیں اور یہ سب قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں۔

قرآن کریم کا سب سے بڑا عنوان اور مقصد

ویسے تو قرآن مجید میں علوم اور مقاصد بے شمار ہیں مگر ایک ایسا جامع علم، و مقصد جو ان تمام علوم اور مقاصد کا مرجع ہو وہ توحید باری تعالیٰ کا اثبات ہے یعنی کفر وشرک کی تمام اقسام کا رد اور توحید کی تمام اقسام کا اثبات ہے۔

یہ مقصد سورۃ ھود آیت 2 اور 14 سورۃ ابراہیم آیت 52 میں ذکر ہے دیگر علماء جیسا کہ ملا علی قاری، امام ابن قیم نے اس عنوان میں وضاحت کی ہے۔ قرآن مجید میں بڑے عنوان چھ (6) ہیں جو کہ دیگر موضوعات کا مرجع (۱) توحید باری تعالیٰ (۲) اثبات رسالت (۳) قرآن مجید کی سچائی (۴) موت کے بعد حیات اُخروی (۵) ان مقاصد کو عالم میں جاری کرنا اور غالب کرنے کیلئے دعوتِ جہاد وقتال کرنا (۶) انفاق فی سبیل اللہ یعنی مال کے ذریعے سے دین غالب کرنا ان میں سے ہر ایک کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے ان میں سے بطور نمونہ بعض طریقے ہم ذکر کریں گے۔

توحید کا معنی:

یہ عقیدہ اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اس کی ذات، نام، صفات، حقوق اور عبادات میں کوئی شریک نہیں ہے۔

توحید کی مشہور اقسام تین ہیں: (الف) توحید ربوبیت وتصرف جس میں توحید ذات بھی داخل ہے۔ (ب) توحید اسماء وصفات، توحید علم الغیب بھی اسی میں داخل ہے۔ (ج) توحید عبادت واطاعت، توحید حلت وحرمت بھی اسی میں داخل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توحید ربوبیت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کسی کا محتاج نہیں ہے اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا مالک، ہر چیز میں تصرف کرنے والا، قادر مطلق اور کل کائنات کا مدبر و منتظم ہے مخلوق کو پالنے کیلئے، بارش برساتا ہے، پودے گھاس وغیرہ اگاتا ہے، کھانے پینے کی اشیاء کو پیدا کرتا ہے ان امور میں سے کسی ایک کام کا عقیدہ کسی اور سے وابستہ کرنے سے بندہ مشرک بنتا ہے۔ یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ شمس تبریز بابا نے ملتان میں سورج اتارا تھا۔ عبدالقادر جیلانیؒ نے 12 سالہ غرق شدہ کشتی سمندر سے نکالی اور کشتی والوں کو ایک نئی زندگی سے نوازا یا یہ کہنا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھی دستگیری یعنی مدد کی ہے اور کرتے بھی ہیں یا یوں کہنا کہ نظام دنیا قطب وغوث اور بزرگوں کی ارواح چلاتی اور تدبیر ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس قسم کے عقائد رکھنے والے لوگ مشرک ہیں اور شرک ربوبیت میں مشرکین مکہ سے تجاوز کر چکے ہیں کیونکہ وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کی تدبیر کرنے والا مانتے تھے جیسا کہ سورۃ یونس آیت 10 اور 31 میں مذکور ہے۔

توحید اسماء وصفات: توحید اسماء وصفات یہ ہے کہ بندہ یہ یقین اور عقیدہ بنائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور نبی اکرم ﷺ نے احادیث صحیحہ میں جو اسماء وصفات ذات باری تعالیٰ کے لئے ثابت کئے ہیں وہ حقیقی معنوں میں ثابت ہیں اور ان کے حقیقی معنوں پر بھی عقیدہ رکھے اور مخلوق سے ان صفات کی نفی کرے۔ جو اسماء وصفات اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے (سلب) نفی کئے ہیں یا نبی اکرم ﷺ نے صحیح احادیث میں (سلب) نفی کئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے نفی کریں اور اس نفی پر عقیدہ بھی رکھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک تسلیم نہ کریں **ایک اہم اور ضروری بات** یہ بھی ہے کہ ان ناموں اور صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ظاہری معنی پر محکم تسلیم کریں اور کیفیت کے اعتبار سے متشابہ مان لیں اور ان میں تاویل، تعطیل اور تحریف سے بھی گریز کریں اور مخلوق کے ساتھ تشبیہ بھی نہ دیں۔ مثلاً صفتِ حیات اَلْحَیُّ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے مگر مخلوق کے ساتھ تشبیہ نہیں دیں گے۔ اب یہ تصور اور عقیدہ نہیں رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ بھی مخلوق کی طرح روح سے زندگی پاچکا ہے اسی طرح اَلسَّمِیْعُ، اَلْبَصِیْرُ، وَأَمْثَالُ ذٰلِكَ اس قسم کی صفات قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لیے سترہ (17) وارد ہوئی ہیں۔ (نفس) قرآن میں چار (4) مرتبہ مستعمل ہے وَجْه (چہرہ) پانچ مرتبہ عَيْنٌ (آنکھ) ایک مرتبہ أَعْيُنٌ (آنکھیں) 4 مرتبہ يَدٌ (ہاتھ) 8 مرتبہ يَدَان (دو ہاتھ) دو مرتبہ أَيْدِي (ہاتھوں کی جمع)، ایک مرتبہ يَمِيْن دایاں ہاتھ ایک مرتبہ، فَوْق (اوپر) تین مرتبہ عُلُوّ، اَعْلٰی، عَلِي تَعَالٰى، مُتَعَال 26 مرتبہ، اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرش پر برابر ہونا، سات مرتبہ، سَاقٌ (پنڈلی) ایک مرتبہ مَجِیْءٌ (آنا) 5مرتبہ قُرْبٌ (قریب) 5مرتبہ جَنْبٌ (کروٹ) ایک مرتبہ، مَعِیَّتْ عَامَّہ (ساتھ ہونا) 2مرتبہ مَعِیَّتِ خَاصَّہ (15) مرتبہ بعض علماء کے نزدیک وَجْہٌ اور مَعِیَّتْ متشابہات میں سے ہیں مگر یہ قول بہتر نہیں ہے۔ ان تمام صفات کے متعلق سلف صالحین کا ائمہ، مجتہدین سمیت یہ عقیدہ ہے کہ یہ صفات بلا تاویل وتحریف اور بلا تشبیہ وتمثیل اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور ان کو ظاہری معنیٰ پر محمول کریں گے۔ اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ اللہ سبحانہ کے لئے بہت سارے اسماء وصفات ثابت ہیں مگر ان سب کا خلاصہ دو صفات میں مجتمع ہیں۔ (1) کارسازی (خلق، تدبیر، تصرف، قدرت)۔ (2) عِلْمُ الْغَیْبِ وَ عِلْمٌ بِکُلِّ شَیْئٍ اس وجہ سے شرک کی بھی دو قسمیں ہیں: 1: کائنات میں تصرف کسی غیر کے لئے ماننا۔ 2: شرک فی العلم، قرآن مجید میں اس کا تفصیلی رد بہت ساری آیتوں میں وارد ہے جن کی مناسب تشریح (راقم الحروف) نے اپنی کتاب تنشیط الاذھان میں کی ہے۔

شرک فی التصرف کی تفصیل: اللہ تعالیٰ قادر ہونے کے لحاظ سے، تدبیر کرنے اور نظام چلانے کے اعتبار سے کائنات میں اپنا اختیار چلاتا ہے جو کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے اس میں کسی نبی، ولی، ملائکہ یا جن وغیرہ کو شریک کرنا یعنی کسی نبی، ولی اور جن کو امراض دینے یا دفع کرنے، برکت دینے یا چھیننے کا مختار تصور کرنا یہ شرک فی التصرف ہے۔

شرک فی العلم: اللہ تعالیٰ ہر ذرے کا علم رکھتا ہے۔ جنگلات کے پتے، سمندر کی مچھلیاں، ریت کے ذرات پانی کے قطرے، آسمانی وزمینی مخلوق اور تمام عالم کی ہر چیز پر اسی کا علم ہے اگر کسی نے بغیر کسی سبب اس علم میں کسی نبی ولی جن وملائکہ کو شامل کیا کہ وہ میرے دل کا حال جانتے ہیں وغیرہ تو یہ شرک فی العلم ہے، علم الغیب دو قسم پر مبنی ہے:

حقیقی واضافی: علم الغیب حقیقی وہ علم ہے جو عقل، وحی، حواس وغیرہ بلکہ کسی بھی ذریعے سے حاصل نہیں ہوتا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ سورۃ نمل آیت 65

علم الغیب اضافی: یہ ہے کہ نبی کو بذریعہ وحی ملتا ہے یا حواس وعقل سے بندے کو معلوم ہوتا ہے اگرچہ اسباب غیب مخفی ہوں۔ یہ علم مخلوق میں مختلف مرتبوں میں موجود ہے مگر شرعی اصطلاح میں اسکو علم غیب نہیں کہا گیا اور نہ ہی یہ علم الغیب ہے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو سارے لوگوں بلکہ تمام مخلوقات سے زیادہ علم دیا تھا اور خاص کر ہمارے نبی ﷺ کو تمام مخلوق جن وانس اور ملائکہ سمیت سب پر علمی برتری دی تھی مگر اس کو علم نبوت کہتے ہیں جو خصوصیات انبیاء ہیں۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ تمام علوم پر فائز ہو گئے اور مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ پر عالم ہو گئے ہرگز نہیں ایسے علوم جن کا ثبوت سے تعلق نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان علوم کی ضرورت نہ تھی یہ علوم انہیں نہیں دیئے گئے نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر۔

عبادات و اطاعات میں توحید: اس کی تین اقسام ہیں۔ 1: توحید فِی الْعِبَادَات۔ 2: توحید فِی الدُّعَاء۔ 3: توحید فِی الْحُکْم (تحلیل و تحریم)

(۱) توحید فی العبادات: یہ ہے کہ ہر قسم کی بندگی چاہے اس کا تعلق دل اور بدن کی قوتوں سے ہو یا مال سے ہو اُس کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرنا اور کسی کو اس میں شریک نہیں کرنا۔ دل کی عبادت توکل خشیت، خشوع، محبت، اُمید، اخلاص وغیرہ ان سب کی تخصیص کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

فرمان ربانی: فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ سورۃ ابراہیم آیت 12۔ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ سورۃ توبہ آیت 18۔ وَنَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ سورۃ البقرہ آیت 139۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ سورۃ البقرہ آیت 165۔ مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا سورۃ نوح آیت 13۔ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ سورۃ بنی اسرائیل 57۔

ان پانچ صفتوں کے سوا مزید جو کیفیات اور حالات ہیں وہ اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

بدنی عبادات: قیام، سجدہ، رکوع، روزہ، حج، جہاد وغیرہ ہیں۔

انسان کے حواس ظاہر یہ پانچ ہیں: (۱) قوۃ باصرہ یعنی دیکھنا۔ (2) قوۃ سامعہ یعنی سننا (3) قوۃ شامہ یعنی سونگھنا (4) قوۃ ذائقہ یعنی چکھنا (5) قوۃ لامسہ یعنی چھونا۔ یہ ظاہری بدن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور اکثر لمس ہاتھ سے ہوتا ہے۔ ان پانچ قوتوں کے ساتھ پانچ قسم کی عبادت کرنا فرض، سنت مؤکدہ، مستحب، حرام سے بچنا، مکروہ تحریمی سے بچنا ان کی مثالیں غور کرنے سے حاصل ہوتی ہیں ورنہ بہت تفصیل درکار ہے۔

مالی عبادت: صدقہ فرضی یا نفلی رضائے الٰہی کے لئے دینا اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنا، نذر و نیاز وغیرہ دینا اس میں بھی پانچ اقسام جاری ہوتی ہیں: فرض، سنت، مستحب، حرام اور مکروہ تحریمی ان میں بھی کسی نبی ولی جن و ملائکہ پیر فقیر وغیرہ کو حصہ دینا یا حق دار بنانا شرک ہے۔

(2) توحید فی الدعاء: حاجت یا مدد طلب کرنا، اطمینان قلبی کے لئے یا اللہ یا رحمٰن اور دیگر اسماء حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس میں داخل ہے اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ دعا عبادت بدنی یعنی زبانی عبادت ہے مگر چونکہ عبادات کا مقصد اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغز ہے اور اکثر لوگ اسی میں شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اسی لئے اسکو اللہ تبارک تعالیٰ نے مستقل طریقے سے ذکر کیا ہے۔ اللہ کے ماسوا کسی کو حاجت روا، مختار، عالم الغیب جان کر پکارا جائے اور اس سے مرادیں پوری کرنے، مشکل حل کرنے کا عقیدہ رکھا جائے تو یہ شرک فی الدعاء اوفی الاستعانت ہے۔ **سوال** بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محبت کی وجہ سے کسی کو غائبانہ پکارنا جائز ہے؟ **جواب** محبت کے حال میں بھی مسلمان شریعت کا پابند ہے اور اس (غیر اللہ کی) پکار پر دلیل شرعی نہیں ہے بلکہ یہ مشرکین کے ساتھ مشابہت ہے جو کہ منع ہے۔ **تنبیہ** توحید فی العبادات کو توحید الوھیت بھی کہا جاتا ہے جو کہ لا الٰہ الا اللہ کا مصداق ہے اس کے جاننے کے لئے الٰہ کا معنی و تفصیل ضروری ہے جو کہ بعد میں بیان ہوگی ان شاء اللہ۔

(3) **توحید فی الحکم:** اس سے مراد حکم تشریعی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال ماننا اور اسی طرح حرام کو حرام اور یہ عقیدہ رکھنا کہ شریعت بنانے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے ہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے خبر دی ہے اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال مانے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اور دلیل شرعی کے مقابل کسی پیر، استاد، امام، شیخ کی حلت و حرمت ثواب و عذاب میں اطاعت اور تقلید کرے تو یہ شرک ہے اور یہ شرک یہود و نصاریٰ میں موجود تھا اسی طرح کسی بادشاہ یا حکمران کے قانون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مقابل تسلیم کرنا اور حکم شرعی سے انکار کرنا اور روگردانی کرنا یہ بھی کفر و شرک ہے۔

(2) **صدق رسول:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا ان اہم اور ضروری مسائل میں سے ہے کہ توحید اور تفصیلی ایمانیات کا دارومدار اسی پر مبنی ہے اسی وجہ سے قرآن کریم میں صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنے کیلئے بہت طریقے ہیں جن کی تفصیل تنشیط الاذھان کتاب میں 14 طریقوں کے ساتھ ذکر ہوئی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزرے ہوئے اور آنے والے بعض واقعات کی خبر دی ہے جبکہ وہ حاضر و ناظر نہیں ہیں اور نہ تھے اس کے باوجود وہ خبریں حقیقت میں سچی ثابت ہوئیں۔ اسی طرح وہ ایک اُمّی شخص تھے اور کسی سے پڑھے بغیر عرب کے ادب اور بلاغت کی انتہا پر فائز لوگ ان کے مقابلے سے عاجز آگئے تھے اسی طرح مخالفین نے جتنے بھی اعتراضات ان پر کئے تھے سب کا جواب قرآن کریم میں مذکور ہے۔

(3) **قرآن مجید کی سچائی:** یہ بھی انتہائی اہم مسائل میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور اثبات توحید مع التفصیل کے لئے اہم بنیاد ہے کتاب تنشیط الاذھان میں ہم نے حقانیت قرآن کے لئے بھی 16 طریقے ذکر کئے ہیں۔ جن میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بعض یہ ہیں: قرآن مجید عاجز کرنے والی کتاب ہے۔ قرآن نے مقابلے کا چیلنج دیا مگر آج تک جواب سے دنیا والے عاجز ہیں اور رہیں گے۔ جن شاعروں نے مقابلے کیلئے اشعار بنائے تھے تو لوگ ان کے کلام کے متعلق مذاق اور استہزا کرتے رہے۔ اللہ تعالی کا یہ فرمان: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء: ۸۲) کہ یہ کتاب اگر کسی اور کی جانب سے ہوتی تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ آج تک کوئی ایک غلطی ونقصان مخالفین اس میں نہ ثابت کر سکے اور نہ کرسکیں گے تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالی کی کتاب ہے انسان کی کتاب نہیں کیونکہ انسان کی کتاب میں ضرور نقصان یا غلطی ہوتی ہے۔

(4) آخرت پر ایمان اور حیات بعد الموت: ایمانیات میں سے ایک اہم مسئلہ قیامت پر ایمان اور مرنے کے بعد کی زندگی کی تفصیلات پر ایمان لانا ہے قرآن میں اس قسم کی آیات چھ (6) تعبیرات پر مشتمل ہیں: **تعبیر اول:** یہ ہے کہ آخرت پر ایمان لانا مومنین کے عقائد وایمانیات میں سے ہے اور اچھی صفات کے لئے ذریعہ اور نجات کا سبب ہے۔ **تعبیر ثانی:** یہ ہے کہ اس سے انکار ہر قسم کی برائی کی جڑ ہے اور مصائب دنیوی اور اخروی تباہی اور عذابوں کی مصیبتوں کا ذریعہ ہے۔ تعبیر ثالث: منکرین قیامت کے شکوک وشبہات واعتراضات میں کوئی دلیل نہیں ہے صرف اپنی ناقص سوچ اور عقل کی بناء پر قیامت کو محال اور بعید تصور کرتے ہیں۔ **تعبیر رابع:** قیامت واقع ہونے کے دلائل اور انکے شکوک وشبہات کے جوابات اس (قیامت) کے اثبات کے 7 طریقے ہیں: (1) دوسری زندگی پہلے والی زندگی پر قیاس کرنا (2) آسمانوں وزمینوں کی خلقت پر دوسری حیات کا قیاس۔ (3) بعض نا آشنا واقعات جن میں وفات کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا گیا ہے اور طویل نیند کے بعد انکو بیداری دی گئی ہے جیسا کہ اصحاب کہف۔ (4) بنجر زمین کو ہریالی شادابی دینے پر آخرت کی حیات کو قیاس کرنا۔ (5) دوبارہ زندگی پر اللہ تعالی کے قادر ہونے اور متصرف ہونے سے دلیل لینا کہ وہ کائنات میں اختیارات چلانے والا ہے۔ (6) اللہ تعالی نے چار مقامات پر دوسری زندگی اپنی ذات پر قسم سے ثابت کی ہے سورۃ یونس 53 سورۃ مریم 28 سورۃ سباء 3 سورۃ تغابن 7۔ (7) (اللہ تعالی نے) 16 مختلف الفاظ کے استعمال سے قیامت ثابت کی ہے، جن کو میں (راقم الحروف) نے تنشیط الاذہان میں ذکر کیا ہے۔ **تعبیر خامس:** یہ ہے کہ قیامت کو 33 مختلف صفتی ناموں سے ذکر کیا گیا ہے۔ **تعبیر سادس:** قیامت کے دن کے احوال اور اس کی ہیبتوں کا تفصیلی تذکرہ جو کہ قرآن کریم کی 54 سورتوں میں کیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(5) جہاد فی سبیل اللہ: ذکر کردہ چار امور کو عالم میں عام کرنے کے لئے ہر قسم کی طاقت وقوت صرف کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ مخالفین کو کمزور کرنے اور توحید واسلام کو غالب کرنے کو قتال فی سبیل اللہ کہتے ہیں، جب جہاد وقتال کا مقصد بہت عظیم ہے تو یہ عمل بھی بہت اہم ہے، قرآن کریم میں اقسام جہاد، مقاصد جہاد، آداب واسباب جہاد وقتال مذکور ہیں۔ اس کی تفصیل میری (راقم الحروف کی) کتاب ترتیب الجہاد اور تنشیط الاذھان میں ہم نے ذکر کی گئی ہے یہ مسئلہ قرآن کریم میں مختلف سورتوں میں مذکور ہے جہاد وقتال سے قبل سورۃ البقرۃ میں اصلاح نفوس کیلئے 10 اور سورۃ ال عمران میں 31 امور مذکور ہیں۔ جبکہ تدبیر منزل کے لئے سورۃ البقرۃ میں 18 امور ہیں، اور سورۃ نساء میں 19 امور ہیں مدینہ کے سیاسی امور امن کے لئے سورۃ البقرۃ میں 4 اور سورۃ نساء میں حکومت چلانے کے لئے اور فوجی نظام مرتب کرنے کے لئے 19 امور مذکور ہیں مسلمانوں میں نظم وضبط، امن اور نشر واشاعت کے لئے سورۃ آل عمران میں 5 سورۃ حجرات میں 17 امور مذکور ہیں۔

(6) انفاق فی سبیل اللہ: اصل میں یہ مالی جہاد ہے یعنی مال کے ذریعے سے دین کو غالب کرنا اور مالی قوت سے اس کی نشر واشاعت کرنا، اس کو انفاق فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ یہ فرض زکوٰۃ کے علاوہ ہے کیونکہ فرمان نبوی ہے: اِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ یہ روایت مرفوعا ضعیف ہے تفصیل کے لیے تحفۃ الاحوذی حدیث 659 البتہ موقوفا صحیح سند سے ثابت ہے جیسا کہ الشیخ الالبانی نے ذکر کیا ہے (ارواء الغلیل کتاب الزکوٰۃ وسندہ صحیح ۳/۳۸۰) یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ علماء کرام کے نزدیک دینی علوم کے حصول اور ان کی اشاعت اور دعوت بھی جہاد میں شمار ہے، قرآن کریم میں انفاق فی سبیل اللہ کی فرضیت اور اس کے تفصیلی مصارف، ترغیبات وامثال کثرت سے ذکر ہیں ان کی تفصیل تنشیط الاذھان میں مذکور ہے (فائدہ) قرآن مجید میں یہود ونصاریٰ، منافقین اور دیگر گمراہ گروہوں کا تفصیلی رد ذکر ہے اور ان کے برے اوصاف پر ان کو تنبیہ مذکور ہے۔ مکی سورتوں میں دیگر فرقوں کا ذکر کم اور مشرکین کی بری صفات کثرت سے مذکور ہیں جبکہ مدنی سورتوں میں دیگر گمراہ گروہوں کا تذکرہ اور ان کی بری عادات مذکور ہیں میرے اعداد وشمار کے مطابق یہودیوں کی 221 نصاریٰ کی 36 منافقین کی 203 بری صفات کا تذکرہ ہے۔

سورت کے اصول وقواعد: ہر سورت کے فہم کے لئے آنے والی آٹھ باتوں کا جاننا ضروری ہے یا تو یہ سب باتیں سورۃ میں موجود ہوں گی یا پھر ان میں سے بعض ہوں گی: 1: سورۃ کا عنوان۔ 2: عنوان کو ثابت کرنے کے لئے دلائل تین قسم کے ہیں (1) چھ قسم کے عقلی دلائل ہیں (2) چھ قسم کے نقلی دلائل ہیں۔ (3) وحی کے دلائل۔ کبھی ایک سورت میں تینوں قسم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلائل ہوتے ہیں اور کبھی ان میں سے بعض پائے جاتے ہیں۔ دلائل عقلیہ: کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قدرت، علم اور تصرفات کو ایسے انداز میں بیان کیا جائے کہ صحیح عقل اس کو تسلیم کرے اور توحید الٰہی کو مان جائے یا اس کی تردید نہ کر سکے۔ دلائل نقلیہ: کا مطلب یہ ہے کہ حق اور مسئلہ توحید کے اثبات کی نسبت ایسی مخلوق کی جانب ہو جو سب کے نزدیک مسلم اور تسلیم شدہ ہو یا تو اس مخلوق کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں کی جاسکتی ہو یا حقیقت میں وہ سچی ہو اس پر جھوٹ کا تصور بھی نہیں ہوسکتا ہو۔ دلائل وحیی: کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی ہو کہ اس نے منع فرمایا ہے، یا حکم دیا ہے یا یہ اس کا فرمان ہے اور وحی ہے ہماری اپنی بات نہیں ہے۔ (3) زجر (تنبیہ): منکرین کو ان کے ناجائز امور پر ڈانٹنا خواہ وہ عملی برائی ہو یا قولی۔ (4) تخویف یعنی خوف: انکار کی وجہ سے دنیوی یا اخروی عذاب کا خوف ذکر کرنا۔ (5) بشارت: حق قبول کرنے والوں کو دنیاوی یا اخروی نعمتوں کی خوشخبری دینا۔ (6) تسلی: داعی کو مشکلات پیش آنے پر صبر کی تلقین اور مصائب سے نکلنے کے لئے اس کو اطمینان وتسلی دینا تاکہ اسکا غم ختم یا کم ہوجائے۔ (7) تشجیع وترغیب: توحید و سنت کے بیان، جہاد اور قرآن کے بارے میں تیزی دینا اور بہادری پر ابھارنا۔ (8) تزھید فی الدنیا: دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے محبت نہ کرنا اور دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب دینا، اس کے دھوکے سے لوگوں کو روشناس کرانا، اس کا فنا و زوال بیان کرنا۔ فائدہ 1: تفسیر کا طرز طریقہ یہ ہے کہ ہر سورت میں پانچ باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ (1) مناسبت (2) سورت کا دعوٰی یعنی عنوان اور اس کا ماخذ یعنی جس آیت میں ہے اس کی نشاندہی (3) ہر سورت کا اجمالی وتفصیلی خلاصہ ابواب کی صورت میں بیان کرنا اور یہ ہر سورت کے شروع میں ہوگا۔ (4) مشکل ومکرر والی آیتوں کا حل اور حکمتیں بیان کرنا۔ (5) امتیازات: یعنی ہر سورت کو دوسری سورت سے (ممتاز کرنے والی) بعض خصوصیات۔ فائدہ 2: اصول ایمان کا ذکر سورۃ بقرۃ آیت 177۔ سورۃ نساء آیت 136۔ اصول حقوق سورۃ البقرۃ آیت 83 اور سورۃ النساء آیت 36 اصول دیانات کا ذکر سورۃ انعام آیت 151,152,153۔ اصول محرمات، عقائد وعمل میں سورۃ اعراف آیت 33۔ اصول محرمات، کھانے کی چیزوں میں سورۃ بقرۃ آیت 173۔ سورۃ مائدہ آیت 3۔ سورۃ انعام آیت 145۔ سورۃ نحل آیت 115۔ یہ تمام آسمانی ادیان میں مشترکہ اصول ہے۔

فائدہ 3: عوام الناس کیلئے نصاب تبلیغ سورۃ انعام آیت 151,152,153 بنی اسرائیل کیلئے نصاب تبلیغ سورۃ البقرۃ آیت 40,41,42,43,44,45، نصاریٰ کے لئے نصاب تبلیغ سورۃ مائدہ آیت 68,72,73,76,77

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اہل کتاب کیلئے نصاب تبلیغ سورۃ آل عمران آیت 65-64، 70، 71 میں مذکورہ ہے۔

فائدہ 4: نسخ ومنسوخیت: یہ چار معنوں پر مشتمل ہے (1) لکھنے کے معنی میں سورۃ جاثیہ آیت 29۔ (2) مٹانے اور زائل کرنے کے معنی میں سورۃ حج آیت 52۔ (3) آیت یا حکم دوسری آیت یا حکم سے بدلنے کے معنی میں سورۃ بقرۃ آیت 106۔ (4) نقل کرنے کے معنی میں لیکن یہ قرآن میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ علم میراث میں مُنَاسخۃ اور ہندوؤں کے عقائد میں تَنَاسُخُ الْاَرْوَاج اس چوتھے معنی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اصطلاح شریعت میں نسخ آیت کو بدلنا یا حکم بدلنا یا آیت اور حکم دونوں کا بدلنا ہے یا عام کو خاص اور خاص کو عام میں تبدیل کرنا یا واجب کو مستحب میں منتقل کرنا ہے یہ متقدمین علماء کی اصطلاح میں ہے۔ اس معنی میں ان کے نزدیک 500 سے زائد آیات منسوخ ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ثابت شدہ سابقہ حکم اس طریقہ پر بدلنا کہ اس پر عمل جائز نہ ہو یہ متاخرین کی اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح کی بنا پر امام سیوطی نے الاتقان میں 21 آیتوں کی منسوخیت ذکر کی ہے اور شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب نے الفوز الکبیر میں پانچ آیتوں کی منسوخیت ثابت کی ہے۔ ہماری نظر میں یہ آیتیں ایک معنی پر منسوخ جبکہ دوسری توجیہ پر قابل عمل ہوتی ہیں یا ان میں سلف کا اختلاف ہوتا ہے یہ فرض سے مستحب کی طرف انتقال ہوتا ہے اور اس کو تخفیف کہا جاتا ہے یعنی آیت مکمل طور پر عمل سے خالی نہیں ہوتی ہے بلکہ کوئی حکم باقی رہتا ہے۔

(الٰہ ہونے کا مسئلہ) الوھیت: اس مسئلہ کے لئے قرآن کریم میں 12 تعبیرات ہیں تعبیر 1 کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دو مرتبہ مستعمل ہوا ہے سورۃ صافات آیت 35 سورۃ محمد 19۔ تعبیر 2 لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ 30 مرتبہ۔ تعبیر 3 لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ایک مرتبہ سورۃ الانبیاء آیت 87۔ تعبیر 4 لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا تین مرتبہ: سورۃ نحل آیت 2۔ سورۃ طٰہٰ 14۔ سورۃ الانبیاء آیت 25۔ تعبیر 5: لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ ایک مرتبہ سورۃ یونس 90۔ تعبیر 6 وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ دو مرتبہ: سورۃ آل عمران 62 سورۃ ص آیت 65۔ تعبیر 7 وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ایک مرتبہ سورۃ مائدہ آیت 73۔ تعبیر 8: مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ 9 مرتبہ سورۃ اعراف آیت 85,73,65,59۔ سورۃ ھود آیت 84,61,50۔ سورۃ مومنون آیت 63,32۔ تعبیر 9: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ آٹھ مرتبہ: سورۃ نمل آیت 60 تا 64۔ سورۃ القصص آیت 72، 71 اور سورۃ طور آیت 43۔ تعبیر 10: مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ایک مرتبہ سورہ انعام 46۔ تعبیر 11 اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ 6 مرتبہ: سورۃ بقرہ آیت 163۔ سورۃ نحل آیت 22۔ سورۃ الکہف آیت 110۔ سورۃ انبیاء آیت 108۔ سورۃ الحج آیت 34۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ حم السجدہ آیت نمبر 6۔

تعبیر 12: إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ چار مرتبہ سورۃ نساء آیت 171 ۔سورۃ الانعام آیت 19 ۔سورۃ ابراہیم آیت 52۔سورۃ نحل آیت 51۔

إِلٰه کے دو معنی ہیں:

(1): بندگی کا حقدار یعنی معبود برحق یہ خاص معنی ہے۔ یہ اَلِہَ یا اَلَہَ سے لیا گیا ہے بمعنی عَبَدَ یَعْبُدُ. الٰہ معبود کے معنی میں ہے البتہ عرف شرعی میں معبود بالحق کے ساتھ خاص ہے مذکورہ حوالہ جات میں یہی معنی مراد ہے دوسرا معنی الٰہ کا ہے حاجت روا، پناہ دینے والا جس سے امیدیں وابستہ ہوں، جو خوف کا حقدار ہو، جس پر اعتماد ہوتا ہے، ان معنوں کی طرف علماء کرام نے اشارات کئے ہیں تفسیر بیضاوی نیز شیخ عبدالقادر جیلانی نے فتح الربانی 52-57 اور دیگر اہل لغت نے بھی یہ معنی مراد لیا ہے سورۃ انعام 46 میں یہ معانی مراد لئے جا سکتے ہیں کہ آنکھوں، کانوں، دلوں (عقلوں) کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے سورۃ النمل 60 میں فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا بارش برسانے، زمیں سے تازہ گھنے باغات اگانے والا صرف اللہ ہے۔ 61 میں فرمایا کہ سرسبز بنانے والا، اس میں نہریں چلانے والا، اس میں مضبوط پہاڑ گاڑنے والا، دو قسم کے دریاؤں کو چلانے اور درمیان پردہ حائل کرنے والا صرف اللہ ہے۔ 62 ہر مجبور کی دعا سن کر اسکی پریشانی و مصیبت کو دور کرنے والا، انسانوں کو ایک دوسرے کے جانشین بنانے والا صرف وہی تو ہے۔ 63 سمندروں اور صحراؤں کے اندھیروں میں راہ دکھانے والا، نزول رحمت سے قبل مختلف ہواؤں کو بھیجنے والا صرف وہی ہے۔ 64 اول اور دوبارہ پیدا کرنے والا اور تمہارے لئے زمین و آسمان سے روزی کا بندوبست کرنے والا صرف وہی ہے۔ سورۃ القصص 71 میں فرمایا کہ سورج طلوع کرنے اور رات لانے والا صرف وہی ہے اور 72 میں فرمایا کہ رات لانے اور دن لے جانے کا اختیار اسی کے پاس ہے۔ لاالٰہ الا اللہ کلمہ میں یہ سب معانی دل میں، زبان میں نیز دعوت اور بیان میں مراد لئے جا سکتے ہیں اور اس کو توحید الوہیت کہتے ہیں۔

شفاعت کا مسئلہ: قرآن مجید کی روشنی میں شفاعت شرعیہ کا مسئلہ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ شفاعت شرکیہ و بدعیہ میں لوگ تمیز کر سکیں اور شرعیہ کو اپنائیں اور شرکیہ و بدعیہ کو ترک کریں، اس بات کو ذہن نشین کریں کہ شفاعت (ش ف ع) قرآن کریم میں 31 بار ذکر کی گئی ہے اور یہ دو قسم پر ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قسم اول: انسانوں کی سفارش ہے جیسا کہ ایک شخص کسی محتاج مصیبت زدہ کے لئے کسی سے سفارش کرتا ہے اس کی تکلیف دور کرنے اور اس کی حاجت پوری کرنے کے لئے یہ سفارش اچھے کاموں میں ثواب اور باعث اجر ہے اور معصیت وگناہوں کے کاموں میں گناہ ہے مگر ضروری ہے کہ یہ اسباب کے تحت ہو۔ اس کا ذکر سورۃ النساء 80 میں وارد ہے۔

قسم ثانی: ایک شخص کا دوسرے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوسفارش کرنا اس کا تذکرہ مختلف طریقوں سے قرآن کریم میں 17 سورتوں میں ذکر ہے، پہلا طریقہ: (1) مشرکین کے عقائد کا ذکر باطل معبودوں کے بارے میں خواہ نبی، جن، ولی، ملائکہ اور پیر وغیرہ جو بھی ہو یہ سورۃ یونس 18 سورۃ زمر 39، 43 میں ہے اور یہ عقیدہ باقی اقسام شرک کیلئے بنیاد ہے۔

(2) مشرکین کے لئے بلا (اجازت) شفاعت کی نفی جو کہ مشرکین کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی کلی نفی 8 آیتوں میں کی ہے: سورۃ البقرہ آیت 254۔ سورۃ انعام آیت 51، 54، 70۔ سورۃ روم آیت 13۔ سورۃ سجدۃ آیت 4۔ سورۃ شعراء آیت 100۔ سورۃ الغافر آیت 18۔ (3) وہ سفارش جو فائدہ نہیں دے گی۔ یہ تین آیتوں میں مذکور ہے: سورۃ طٰہٰ 109 سورۃ سباء 23 سورۃ مدثر 48۔ (4) شفاعت کا مردود ہونا یہ ایک آیت میں آیا ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت 48۔ (5) سفارش کرنے والا سفارش کرتا ہے اور اس کی سفارش فائدہ مند نہیں ہے یہ دو آیتوں میں مذکور ہے: سورۃ یٰسین آیت 23 اور سورۃ النجم آیت 26۔ (6) شفاعت کی نفی بعنوان استفہام انکاری ایک آیت میں مذکور ہے: سورۃ الاعراف 53۔ (7) پانچ آیتوں میں اذن الٰہی سے سفارش کرنا آیا ہے: سورۃ بقرہ 255 سورۃ یونس آیت 3 سورۃ طٰہٰ آیت 109 سورۃ سباء آیت 23 اور سورۃ النجم آیت 26۔ (8) بشرط اجازت ربانی جن افراد کے لئے سفارش کا ذکر آیا ہے وہ دو مقامات ہیں: سورۃ الانبیاء 28 سورۃ النجم 26۔ (9) سفارش کرنے والے کی سفارش کے لئے استثناء ایک آیت میں آیا ہے سورۃ زخرف 26 اور اس میں دو شرائط کا ذکر ہے۔

شرط اول: یہ ہے کہ اس نے دنیا میں حق کی طرف دعوت دی ہو۔

شرط ثانی: یہ ہے کہ جس کے لئے سفارش کرتا ہے اس پر عالم ہو کہ وہ مومن ہے یا نہیں اور یہ علم قیامت میں حاصل ہوگا۔

(10) دو آیتیں ایسی مذکور ہیں جن میں سفارش کرنے اور کروانے والے کے لئے استثناء کا احتمال ہے سورۃ مریم آیت 87۔ سورۃ طٰہٰ آیت 109۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ سفارش کے لئے کچھ شرائط ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجازت ہو۔ (2) جس کے لئے سفارش ہو رہی ہو وہ کافر ومشرک نہ ہو۔ (3) سفارش کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے وہ ہونگے جنہوں نے توحید وسنت کی طرف دنیا میں دعوت دی ہو۔(4) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔(5) وہ جانتا ہو کہ سفارش جس کے لئے کی جارہی ہے وہ مومن ہے مشرک وکافر نہیں ہے۔ مذکورہ پانچ شروط کے ساتھ قیامت کے دن شفاعت شرعیہ ثابت ہے اور اس کی بہت ساری اقسام شرح عقیدہ الطحاویہ میں ذکر کی گئی ہے منکرین حدیث اور معتزلہ اس شفاعت کے منکر ہیں دنیاوی سفارش کی دو اقسام ہیں: (1) ایک زندہ آدمی دوسرے زندہ شخص سے کہتا ہے کہ میرے لئے اللہ سے دعا کرو خواہ وہ درجے میں افضل ہو یا مفضول بشرطیکہ کہ وہ سنتا ہو یہ قرآن کریم سورۃ ابراہیم 41 سورۃ نوح 28 سورۃ حشر 10 سے ثابت ہے (2) ایک زندہ شخص فوت شدہ آدمی کے لئے دعا مانگتا ہے تو گزری ہوئی آیات اس پر دلیل ہیں نیز ان دونوں اقسام پر احادیث صحیحہ بھی دلالت کرتی ہیں۔ مذکورہ آیتیں اور صحیح احادیث شفاعت باذن اللہ پر دلیل ہیں۔ شفاعت غیر شرعیہ یعنی بلااذن اس کی تین اقسام ہیں: (1) کسی فوت شدہ کی قبر کے پاس زندہ آدمی کا دعا طلب کرنا اور اس مردے سے سفارش کرانا یہ بعض وجوہ کہ بنیاد پر بدعت وناجائز ہے بلکہ شرک تک پہنچانے کا سبب ہے اول سبب تو یہ ہے کہ قرآن وصحیح احادیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے ثبوت نہ ہونے سے پتا چلا کہ یہ بغیر اذن سفارش ہے جو کہ ناجائز ہے سبب ثانی، سفارش کرنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ قبر والا میرے کلام کو سنتا ہے جبکہ اس پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، اس کی تفصیل میں نے سورۃ روم آیت 52 میں ذکر کی ہے، تیسرا سبب یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ قبر کے پاس دعا کی قبولیت کا عقیدہ رکھتے ہیں جبکہ یہ اعتقاد غلط ہے کیوں کہ قبولیتِ دعا کے مقامات جو صحیح احادیث کی روشنی میں ثابت ہیں ان میں عندالقبر ثابت نہیں مفسر الوسی نے سورۃ مائدہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کسی عالم کا اس کے اتفاقی ناجائز ہونے میں شک نہیں ہے۔(3) قبر سے دور کے فاصلے سے صاحب قبر سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا مانگو جب کہ اتنے فاصلہ پر وہ زندگی میں نہیں سن پاتا تھا، اس صورت میں تو یہ شرک ہے۔ سبب اول یہ ہے کہ پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ میری پکار سنتا ہے یعنی عالم الغیب ہے جو کہ غائبانہ آوازیں سنتا ہے اور یہ شرک ہے۔ باقی وہ اسباب جو قسم اول کے بیان میں گزر گئے ہیں اسے ملاحظہ کریں۔(4) قبر والے کو سجدہ وطواف کرتے ہیں اور وہاں نذرانہ پیش کرتے ہیں جھنڈے گاڑتے ہیں اور ڈالتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ ولی جب راضی ہوگا تو میرے کاموں کو اللہ تعالیٰ سے منوالے گا نیز اس کی تعظیم بھی لازم تصور کرتے ہیں یعنی ان اعمال میں مصائب سے نجات اور اچھائیوں کا حصول منحصر جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اولیاء کرام کے سامنے، مجبور بےبس اور ان کی محبت سے مغلوب ہو کر عاجز تصور کرتے ہیں اور یہ وہی عقائد ونظریات ہیں جو کہ معظمہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشرکین میں تھے۔ جیسا کہ سورۃ یونس 18 سورۃ زمر 2 میں مذکورہ ہے نیز مفسر رازی نے تفسیر کبیر میں سورۃ یونس کی آیت میں اسی طرح تشریح ذکر کی ہے، باقی تفصیل ہم نے سورۃ مائدہ عنوان وسیلہ میں ذکر کی ہے۔

گزارش:

اس تفسیر کو پڑھنے اور فائدہ اٹھانے والوں سے درخواست ہے کہ تفسیر میں تحریری معنوی یا کسی قسم کی غلطی آپ کو معلوم ہو جائے تو اس کی مجھے اطلاع دیں یا اصلاح کی کوشش کریں اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعا مانگیں میں بھی دعا گو ہوں کہ اس کاوش سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے اور میری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ آمین۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

ابوزکریا عبدالسلام غفرلہ۔

یکم شعبان 1420ھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیاتها ۷ | ۱ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵ | رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۙ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۙ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

”تمام صفات الوہیت خاص ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے [2] مہربانی کرنے اور خاص رحم کرنے والا ہے [3] بدلے (جزا) کے دن کا اختیار رکھنے والا ہے [4] (ہر حالت میں) ہم خاص تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں [5] ہمیں سیدھے راستے پر راسخ کر دے [6] راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ ہی وہ جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ ہی وہ جو گمراہ ہوئے [7]۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین،

أما بعد: اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے تفسیر کا آغاز کرتا ہوں پہلی یعنی مقدم سورۃ فاتحہ ہے۔ میں نے تفسیر میں ہر سورۃ کے اندر چند باتوں کا اہتمام کیا ہے 1 ربط۔ یعنی جو بعد والی سورۃ کا پہلے والی سورۃ کے ساتھ تعلق۔ 2 عنوان۔ دعویٰ۔ سورۃ کا بڑا مقصد۔ 3: سورت میں جو مضامین ہیں انکا اجمالی اور تفصیلی خلاصہ۔ 4: جملوں کے مقاصد اور ہر آیت کی وضاحت سمیت ایک ایک لفظ کی تشریح۔ 5: آیتوں، جملوں اور لفظوں کے فائدے اور باریک والی حکمتیں۔ 6: جن جن سورتوں کے نام زیادہ ہوں تو انکا ابتداء ہیں ذکر کرنا۔ سورۃ فاتحہ کا ربط اسلئے نہیں ہے کہ یہ تحریر شدہ ترتیب کے اعتبار سے پہلی سورت ہے اس سے پہلے کوئی سورت ترتیب میں نہیں ہے۔

اس سورت کا عنوان: لفظ الحمد للہ کے ساتھ توحید کا اعلان اور شرک کی تمام اقسام کی تردید۔ اس اعلان میں مقصود یہ ہے کہ ہر انسان عموماً اور مؤمن خصوصاً اپنے رب کی عظمت کو اسکی شان کے ساتھ پہچان لے کہ اس عظمت کا حقدار کسی اور کو نہیں مانے اور اپنے رب سے وہ محبت قائم کر لے کہ اس کے دل میں کسی اور کیلئے وہ محبت نہیں ہو۔

اس سورت کا خلاصہ: اولاً: توحید باری تعالیٰ کو آیت نمبر 1 میں ثابت کیا ہے۔ ثانیاً: اس دعوے کو اسماء وصفات سے استدلال

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے ثابت کیا ہے جسکو دلیل عقلی بھی کہا جاتا ہے گویا کہ یہ تین عقلی دلیلیں بنتی ہیں جو کہ آیت نمبر 2، 3، 4 میں مذکور ہے۔ ثالثا: آیت نمبر 5 میں اس دعوے کا نتیجہ اور تشریح ہے۔ رابعا: اس دعوے اور نتیجہ پر ہدایت و استقامت کیلئے آیت نمبر 6 میں دعا ہے۔ خامسا: آیت نمبر 7 میں اس دعوے کے متعلق ماننے اور انکار کرنے والوں کے اعتبار سے تین گروہوں کا ذکر ہے۔

فوائد اور حکمتیں: ہر آیت نیز مفرد الفاظ میں فوائد اور حکمتیں تو بہت ہیں جو کہ ہم ان شاء اللہ دوران تفسیر میں ذکر کرینگے البتہ بعض فوائد اور حکمتیں ہدیہ قارئین کرتے ہیں جو کہ سورت کی مجموعی حیثیت سے متعلق ہیں۔

خلاصہ یہ ہے: اس سورۃ کی بطریقہ مخمسات (پانچ پانچ) ذکر کرونگا اور یہ کل دس مخمسات ہیں۔

مخمس اوّل: معرفت ذاتِ الٰہی آیت نمبر 1 میں، معرفت صفات الٰہی آیت نمبر 2، 3 میں۔ معرفت حقوق الٰہی آیت نمبر 4 میں، معرفت اس راستے کی جو حقوق تک رسائی کرتا ہے آیت نمبر 5 میں، معرفت اس راستے کے اہل لوگوں کی جو اس پر گامزن ہیں جنکی پیروی ہونی چاہیے آیت نمبر 6، 7 میں ہے۔

مخمس ثانی: توحید کے پانچ انواع: آیت نمبر 1 میں توحید ذات باری تعالیٰ۔ آیت نمبر 2 میں توحید ربوبیت۔ آیت نمبر 3، 4 میں توحید أسماء و صفات۔ آیت نمبر 5 میں توحید الوہیت۔ آیت نمبر 6، 7 میں توحید حکم و تشریع ہے۔

مخمس ثالث: صراحتاً اللہ تعالیٰ کے پانچ نام ذکر ہیں: اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، مالک۔

مخمس رابع: اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات کی طرف اشارہ ہے: المحمود، المعبود، المستعان، الھادی، المنعم۔

مخمس خامس: پانچ قسم کی عبادات کا ذکر ہے: تسمیہ، تحمید، تعبد، استعانت، دعا۔

مخمس سادس: پانچ گمراہ فرقوں کا رد کا ذکر ہے: 1: مشرکین۔ 2: قدریہ۔ 3: جبریہ۔ 4: مرجیہ۔ 5: روافض شیعہ۔ نیز پانچ مزید گمراہ فرقے بھی مراد ہیں: دہریہ، منکرین نبوت، منکرین قیامت، منکرین أسماء و صفات، اور تمام مبتدعین۔

مخمس سابع: پانچ مختلف گروہوں کا ذکر خواہ نیک ہوں یا نیک نہ ہوں: اَلْحَامِدُوْنَ، اَلْعَابِدُوْنَ، اَلْمُنْعَمُ عَلَيْهِمْ، اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ، اَلضَّآلُّوْنَ۔

مخمس ثامن: پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کرنا: 1: تعریف کی تخصیص یعنی حمد اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔ 2۔ أسماء و صفات۔ 3۔ مدد طلب کرنا۔ 4: عبادات اسی کیلئے خاص ہیں۔ 5: ہدایت و انعام کی تخصیص۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخمس سادس: جملوں کی پانچ اقسام: جملہ خبریہ انشاء کے معنی میں: الحمد للہ۔ جملہ خبریہ محضہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ جملہ انشائیہ محضہ اِهْدِنَا جملہ اسمیہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جملہ فعلیہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ

مخمس عاشر: دعویٰ، دلائل، نتیجہ، دعا، تین گروہ، یعنی ہدایت یافتہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ یہ مخمسات مجموعی سورۃ سے متعلق ہیں اور یہ ان مخمسات کے علاوہ ہیں جو میری کتاب 'لطائف القرآن' میں مذکور ہیں ۔

اس سورت کے نام یہ ہیں:

1: سورۃ الفاتحہ۔
2: سورۃ الحمد۔
3: سورۃ الصلوٰۃ
4: سورۃ النور۔
5: أعظم السورۃ۔
6: سورۃ الشفا۔
7: سورۃ الرقیہ۔
8: سورۃ الواقیہ۔
9: سورۃ الوافیہ۔
10: سورۃ الکافیہ۔
11: سورۃ الشافیہ۔
12: سورۃ الکنز۔
13: سورۃ تعلیم المسئلۃ۔
14: سورۃ السبع المثانی۔
15: القرآن العظیم۔
16: سورۃ أساس القرآن۔
17: سورۃ الشکر۔
18: سورۃ المناجات۔
19: سورۃ التفویض۔
20: سورۃ السوال۔
21: سورۃ أم الکتاب۔
22: سورۃ أم القرآن

یہ نام منقول ہیں اور تمام ناموں کیلئے وجہ تسمیہ ہے اور امام آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں وجہ تسمیہ بھی ذکر کی ہے۔

تنبیہ: میں نے کتاب التبیان فی تفسیر أم القرآن اور لطائف القرآن عربی و پشتو زبان میں تیرہ مخمسات کے ساتھ تفصیلی طور پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر ذکر کی ہے لہذا یہاں کچھ مناسب اختصار کرینگے۔

تفسیر: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کے متعلق:

اہل العلم کے مختلف اقوال ہیں کہ بسم اللہ مستقل آیت ہے یا نہیں نیز سورۃ فاتحہ کا جز (حصہ) ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر سورۃ کا جز ہے یا نہیں ان اقوال کو میں نے التبیان میں ذکر کیا ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ سورۃ توبہ کے ماسوا ہر سورت کی ابتدا میں بسم اللہ نازل ہوئی ہے لہذا اسکا چھوڑنا بوقت تلاوت درست نہیں البتہ جہرا (اونچی آواز سے) اور مخفی پڑھنے میں اختلاف ہے۔

تشریح مفردات: (بِ) حروف معانی میں سے ایک حرف ہے اور معمول میں جر (زیر) کا عمل کرتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں استعانت کیلئے مستعمل ہے اس سورت کے ناموں میں سے ایک نام "تعلیم المسألۃ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مانگنے کا طریقہ بتلایا ہے اس بنا پر یہاں (قُوْلُوْا) مقدر ہے یعنی اے بندوں! کہو بسم اللہ یعنی اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ تمام بندے اللہ تعالیٰ کی مدد کے محتاج ہیں معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے حرف اوّل نے رد شرک فی الاستعانت کیا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ یہ (بسم اللہ) مشرکین کے رد کیلئے نازل ہوئی ہے وہ بسم اللات اور بسم العزیٰ کہتے تھے تو اللہ نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو۔ لفظ اسم کبھی علم اور کبھی صفت کیلئے بولا جاتا ہے اور کبھی عام یعنی مشترک ہوتا ہے یہاں عام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کو شامل ہے یعنی مدد کے وقت کسی بھی اسم یا صفت الٰہی کو ذکر کرنا درست ہے جسکی دلیل یہ ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (سورۃ الأعراف 180)

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (سورۃ الاسراء 110)

اور مدد مانگنا زبان سے ادا ہوتا ہے اور جو زبان سے ادا ہوتا ہے اسکو اسم کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں بسم اللہ ارشاد فرمایا اور باللہ نہیں فرمایا بسم جار مجرور متعلق عامل مانگتا ہے اور وہ لفظوں میں مذکور نہیں تو مقدر ہے پھر اختلاف ہے۔ أَبْتَدِئُ، اِبْدَءْ، اِبْتَدَائِیْ، اَقْرَأُ۔ یہ عبارتیں سب درست ہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ "اِسْتَعِيْنُوْا" امر یا "أَسْتَعِيْنُ" فعل مقدر (چھپا ہوا) ہے اور یہ عام ہے قراءت کے فعل یا کھانے پینے وغیرہ تمام افعال کو شامل ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ فعل مقدر بسم اللہ کے بعد مراد ہو تا کہ جار مجرور مقدم لانے سے جو تخصیص کا فائدہ ملتا ہے وہ حاصل ہو جائے یعنی استعانت خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس ترتیب میں رد شرک بھی ہوتا ہے۔ (اللہ) یہ خاص اللہ تعالیٰ کا اسم (علم) ہے موصوف ہوتا ہے صفت نہیں۔ اور ذات الٰہی کے سوا کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ اس لفظ میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشتق ہے یا جامد اور مشتق ہونے میں پھر مبدء اشتقاق میں اختلاف ہے کہ اس کا اشتقاق کونسا ہے ہر جانب کے پاس دلائل ہیں۔ البتہ بہتر بات یہ ہے کہ عربیت کے اعتبار سے تو مشتق ہے مگر اسم ذات باری تعالیٰ کے اعتبار سے مشتق نہیں ہے لفظ اللہ اصل میں الٰہ ہے اس میں الف لام اضافی ہے مگر لازمی ہے اور لفظ الٰہ کے اشتقاق کے مبدء میں بہت اختلاف ہے اور اسی اختلاف کی بنا پر معنی میں بھی اختلاف ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ الٰہ شرعاً ایک خاص معنی رکھتا ہے یعنی معبود برحق۔ یعنی وہ ذات جو بندگی کا حقدار ہے اور لا الٰہ الا اللہ میں یہی معنی مراد ہے اور مقام توحید میں یہی معنی مراد ہوتا ہے دوسرا معنی عام ہے جو سورۃ النمل آیت نمبر: 60، 63، 64۔ سورۃ قصص آیت نمبر: 71، 72۔ سورۃ انعام: 46 سے معلوم ہوتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی مختار کل، حاجت روا، مشکل کشا، مدبر، تمام مخلوق کا معبود اللہ ہی ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ اسم اللہ کے تمام اسماء کو متلزم ہے یعنی اسمائے حسنیٰ کے تمام معانی صرف اس نام میں سموئے ہوئے ہیں اسم اللہ اجمالی اور باقی تمام اسماء حسنیٰ اس کی تفصیل ہیں۔ (بدائع التفسیر ج 1: ص: 139)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فتح الربانی ص: 57،52 میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ وہ ذات جس سے تیری امید یا وابستہ ہوں جس پر تیرا اعتماد ہو جس سے تو ڈرتا ہو جسکو تو نفع و نقصان کا مالک مانتا ہو تو وہ تیرا "الٰہ" ہے لا الٰہ الا اللہ میں یہی معنیٰ مقصود ہے۔ (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) یہ دونوں صیغے فاعلیت کے اعتبار سے مبالغے کے ہیں اور رحمت سے لئے گئے ہیں لیکن رحمت کی دو قسمیں ہیں: ایک مخلوق کی صفت میں۔ دوسری خالق کی صفت میں اور قاعدہ یہ ہے کہ صفات الٰہی اور صفات مخلوق میں لفظی اشتراک اور مشابہت تو ہو سکتی ہے لیکن حقیقتاً نہیں ہو سکتی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ سورۃ شوریٰ آیت 11۔ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ سورۃ الاخلاص آیت 4۔ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ سورۃ النحل آیت 74۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت حقیقی ہے اسماء الحسنیٰ اور صفات میں مجاز باطل ہے تو اس قاعدے کی بناء پر رحمت کا معنیٰ حقیقی فضل، احسان اور انعام کرنا ہے بغیر کسی قیمت و بدلہ لینے کے اور مخلوق کیلئے رحمت کا معنیٰ رِقَّةُ الْقَلْبِ (دل کی نرمی) مراد ہے۔ بعض مفسرین کا یہ قول باطل ہے جنہوں نے کہا ہے کہ صفت رحمت اللہ تعالیٰ کیلئے بطور غایہ ہے باعتبار مبدء نہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں مجاز کو جاری کرنا ہے جو کہ باطل ہے اور اس مجاز سے اسماء الحسنیٰ میں لازمی طور پر نقصان واقع ہوتا ہے خلاصہ یہ نکلا کہ ہر رحمت، خیر و برکت اور فضل کا دینے والا اللہ ہے یہ الرحمن الرحیم کا معنیٰ ہے۔

رحمٰن و رحیم میں فرق: لفظ رحمٰن و رحیم میں لفظی طور پر الف اور ی کا فرق ہے اور زیادت حروف کی وجہ سے رحمٰن و رحیم کے معنیٰ میں بھی فرق ہے: فرق اول: رحمٰن تمام مخلوق سے تعلق رکھتا ہے اسی وجہ سے استوی علی العرش کے ساتھ رحمٰن کا ذکر فرمایا کیونکہ استویٰ کا تعلق تمام مخلوق سے ہے اور رحیماً اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا سورۃ أحزاب: 43۔ ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے اس قول کو امام ابن جریر نے راجح قرار دیا ہے۔

دوسرا فرق: رحمٰن نعمتیں کو دینے کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور رحیم مصائب ہٹانے، عذابوں کو دفع کرنے میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 16 سورۃ غافر 9 میں ذکر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسرا فرق: یہ ہے کہ رحمٰن دنیاوی نعمتوں کی تقسیم میں اور رحیم اخروی نعمتوں کی تقسیم میں مستعمل ہے امام فراء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ چوتھا فرق: رحمٰن وسعت رحمت پر دلالت کرتا ہے اور رحیم لزوم رحمت پر جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 156 میں اور سورۃ غافر آیت 7 میں ہے اور نعمت خصوص ولزوم کا ذکر سورۃ انعام آیت 54 میں بھی مذکور ہے۔

پانچواں فرق: رحمٰن بڑی نعمتوں پر اور رحیم چھوٹی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے۔ چھٹا فرق: رحمٰن آسمان والوں کے ساتھ اور رحیم دنیا والوں کے ساتھ متعلق ہے۔ ساتواں فرق: رحمٰن وہ ہے جس سے مانگا جائے تو دیتا ہے اور رحیم وہ ہے جو بغیر مانگے بھی دیتا ہے۔ آٹھواں فرق: رحمٰن کے افراد کی کثرت پر دلالت کرتا ہے اور رحیم تکرار رحمت پر دلالت یہ قول امام ابوحیان نے ذکر کیا ہے۔ نواں فرق: رحمٰن وہ ہے جو مانگنے پر خوش ہوتا ہے اور حاجت روائی کامل طریقے پر کرتا ہے اور رحیم وہ ہے جس سے مانگا نہ جائے تو ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے۔

تنبیہ: لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر ناجائز ہے جیسا کہ امام ابن کثیر، ابن جریر، قرطبی اور راغب وغیرہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے اور لفظ رحیم کا اطلاق باعتبار لفظی مشابہت بندے پر بطور صفت ہو سکتا ہے جیسا کہ سورۃ توبہ آیت 128 میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں آیا ہے اور چونکہ لفظ اللہ اور لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر ناجائز ہے اس سبب سے دونوں کو اکٹھے ذکر کیا گیا ہے۔

وہ فوائد جو کہ مجموعہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے متعلق ہے:

فائدہ 1: اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ تو بہت ہیں مگر یہاں تین کا ذکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بسم اللہ میں سارے اسماء الحسنیٰ کو ذکر کرنا سبب طوالت ہے اور لفظ اللہ ان سب کا مجمع (مجموعہ) ہے اس لئے اس پر اکتفا کیا گیا ہے چونکہ بعض صفات الٰہی جمال اور رحمت کی ہیں بعض جلال اور قہر کی ہے۔ جبکہ مدد واستعانت کے ساتھ رحمت اور جمال کی صفات مناسب ہیں اس وجہ سے رحمٰن اور رحیم کو خاص طور پر ذکر کیا گیا گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مدد واستعانت کیلئے وسیلہ بنایا گیا ہے۔

فائدہ 2: اصل مقصود تو کلمہ الحمد للہ میں ہے اور استعانت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ وسیلہ ہے اور وسیلہ مقدم ہوتا ہے اسی لئے بسم اللہ کو الحمد للہ پر مقدم کیا تا کہ وسیلہ مقصد پر مقدم ہو۔ [الاتقان 3] مفسر سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان نیز دیگر علماء نے بھی ذکر کیا ہے کہ بسم اللہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے ان کے اس قول میں اشارہ اس نکتہ کی طرف ہے کہ سارے قرآن کا مقصد مخلوق کو خالق کے سامنے عاجز محتاج ثابت کرنا ہے اور مخلوق کی خالق سے استعانت بطریقہ توحید مطلوب ہے تو بسم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی (با) جو کہ استعانت کیلئے ہے اس حرف اول نے مقصد قرآن پر دلالت کی۔

الحمدللہ: یہ اس سورۃ کا (دعویٰ) عنوان ہے:

اس میں مراد شرک اور مشرکین کی تمام اقسام کا رد ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مبتداء (الحمد) معرف ہے الف لام کے ساتھ اور اسی طرح خبر بھی معرفہ ہے اور لام جارہ تخصیص کیلئے ہے تو حاصل یہ ہوا کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی لَا لِغَیْرِہٖ مِنْ نَبِیٍّ أَوْ مَلَكٍ أَوْ وَلِیٍّ أَوْ إِنْسٍ أَوْ جِنٍّ أَوْ صَنَمٍ وَغَیْرِھَا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں کسی نبی، ولی، انس وجن، بت اور ملک کیلئے نہیں ہیں۔ یہ کلمہ پانچ سورتوں کے شروع میں ذکر ہے: سورۃ انعام، سورۃ کہف، سورۃ سباء، سورۃ فاطر اور فاتحہ میں۔ اور ان کے علاوہ 18 آیات میں مذکور ہے اور بطریقہ لَهُ الْحَمْدُ سورۃ روم آیت 18۔ سورۃ سباء آیت 1۔ سورۃ قصص آیت 70۔ سورۃ تغابن آیت 1 میں ہے اور فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کے لفظوں میں سورۃ جاثیہ آیت 36 میں وارد ہے اور یہ بھی تخصیص پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس میں خبر کو مقدم کیا ہے جو کہ دلیل تخصیص ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ آیتوں میں کلمہ الحمدللہ امر ہوا ہے تو اس کا پڑھنا اور پہنچانا واجب ہے۔ اَلْحَمْدُ میں جو الف لام ہے یا عہدی ہے یا جنسی کیونکہ علماء عربیت کا قول ہے کہ الف لام کے حقیقی معنیٰ یہی ہیں اور جب تک حقیقت موجود ہو تو مجاز کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں اور فقہاء کرام بھی یہی فرماتے ہیں۔ سوال: اگر کہا جائے کہ الف لام جنسی میں ماہیت مراد ہوتی ہے اور حمد کی ماہیت تو فقط تعریف ہے جو کہ کسی مخلوق کی بھی کی جاسکتی ہے تو تخصیص اور حصر کا دعویٰ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب: حمد سے مراد ماہیت شرعی ہے جو کہ ان شاء اللہ ہم بعد میں ذکر کریں گے جبکہ حمد شرعی اللہ کیلئے خاص ہے۔

سوال: الف لام عہد خارجی تو اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب خارج میں فرد معہود موجود ہو تو یہاں پر معہود حمد کس طرح موجود ہوسکتا ہے؟ جواب: معہود حمد وہ ہے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے آیا ہے اور وہ حمد شرعی ہے اور الف لام عہدی میں اس کی طرف اشارہ ہے اس معنیٰ کا مرجع بھی اول معنیٰ کی طرف ہے۔ اور اگر الف لام استغراقی بھی مراد لیا جائے تو امکان واحتمال ہے اور یہ اس صورت میں تمام افراد حمد کو شامل ہوگا اس قول کو حدیث کی دلیل کی وجہ سے ابن کثیر رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے: اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ۔ (شیخ البانی نے اس روایت کو ترغیب وترھیب میں ضعیف کہا ہے، کتاب الذکر حدیث 963) حمد کا عربی میں لغوی معنیٰ ہے: اَلثَّنَاءُ الْجَمِیْلُ بِالْجَمِیْلِ الْاِخْتِیَارِیِّ فارسی میں اس کی تعبیر یوں ہے "ستودن وستائش کردن" اور اردو میں معنیٰ ہے تعریف کرنا اور شرعی اصطلاحی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معنی ہے: اللہ تعالیٰ ان اسماء وصفات کے ساتھ قولاً فعلاً اور عقیدتاً اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں وارد ہوں۔ اسماء وصفات کے علم کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سورۃ سے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات فعلیہ کو جمع کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کیلئے عقیدہ رکھنا اور زبان پر اس کا ذکر کرنا ہی حمد کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ میں پانچ اسماء صراحتاً اور پانچ صفات اشارۃً وارد ہیں جن کا ذکر مخمسات میں گزر گیا ہے اس طرح سورۃ بقرہ آیت 21-22 میں پانچ صفات فعلیہ اور 28-29 میں آٹھ صفات کا ذکر ہے یہ بطور مثال ہے ورنہ قرآن کریم کے مطالعے اور باریک نظر سے تو بہت ساری صفات معلوم ہوتی ہیں جو کہ لاتعداد ہیں۔ یہ بات جان لیں کہ ان اسماء اور صفات کی تعبیر وحدانیت اور الوہیت سے ہوتی ہے جیسا کہ ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما حمد کی تعریف میں سے منقول ہے:

اَلْوَحْدَانِيَّةُ وَالْأُلُوْهِيَّةُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وحدانیت اور الوہیت صرف اکیلے اللہ کیلئے خاص ہیں۔ صفات الوہیت تو بہت ہیں مگر ان سب کا مرجع (پلٹنے کی جگہ) دو صفتوں میں منحصر ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام تصرفات اور تدبیر قدرت ہر چیز میں صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور ہر چیز پر ہر وقت علم اسی کو حاصل ہے یہ دونوں صفات سورۃ طلاق آیت 12 میں مذکور ہیں۔ ہر سورت میں جو دلائل عقلیہ مذکور ہیں وہ ان دونوں سے خالی نہیں ہوتے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تمام کمال کی صفات تعریفیں اور صفات الوہیت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں یہ الحمد کا معنیٰ ہے یعنی تمام اختیارات، تصرفات، قدرت علم الغیب اور ہر چیز کا علم خاص اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی، ولی، ملک جن وانس وغیرہ کسی کے پاس نہیں ہیں تو یہ رد ہے تمام اقسام شرک اور مشرکین کا۔ کیونکہ جتنے مشرکین ہیں وہ جب کسی غیر کی بندگی کرتے ہیں یعنی اس کو پکارتے ہیں یا اس کے لیے نذر مانتے ہیں اور اس پر اعتماد و توکل کرتے ہیں تو لازماً اس کیلئے اختیارات اور قدرت علم الغیب ثابت کرتے ہیں اس کی تعریفیں کرتے ہیں اس کو غوث اور مختار کل مانتے ہیں نیز اسے حاضر وناظر مانتے ہیں تو جب کہا گیا کہ الحمد للہ یعنی یہ تمام اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں تو کیوں مشرکین یہ صفات اپنے معبودوں کیلئے مانتے ہیں!

(لِلّٰه) لام تخصیص کیلئے ہے لفظ اللہ اس کو یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ حمد تو صفت ہے اور صفات کیلئے موصوف ہونا چاہیے تو اسم ذات کو ذکر کیا تا کہ صفات کیلئے موصوف بن جائے۔

دوسری وجہ: یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفتی ناموں میں لغوی اعتبار سے غیر کی شرکت کا امکان ہو سکتا ہے مگر اسم ذات یعنی اللہ میں یہ احتمال نہیں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذکر کیا گیا اور سُبْحَانَ اللهِ۔ اَلشُّكْرُ لِلّٰهِ۔ اَلْمَدْحُ لِلّٰهِ ذکر نہیں کیا گیا وجہ یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ان سب سے عام اور افضل ہے کیونکہ صفات الوہیت کے اثبات سے صفات سلبیہ کی نفی لازم آتی ہے یعنی جب صفات کمال سب الحمد میں موجود ہیں تو کمال سے نقص یعنی عیوب کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے لہٰذا سبحان اللہ الحمد للہ میں داخل ہے۔ حدیث صحیح میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے: سبحان اللہ سے ثواب کا آدھا ترازو جبکہ الحمد للہ سے مکمل ترازو بھر جاتا ہے۔ صحیح مسلم حدیث 223 (سنن ترمذی رقم الحدیث: 3519)

اسی طرح الحمد للہ الشکر للہ سے کئی وجوہات کی بنا پر افضل ہے: 1: اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ الحمد للہ پڑھنے میں ہے 2: شکر کے معنی میں نعمت کا ہونا لازم ہے۔ جبکہ حمد عام ہے نعمت کے مقابل ہو یا نہ ہو۔ 3: شکر میں مشکور کی تمام صفات داخل نہیں ہوتی ہیں جبکہ حمد میں محمود کی تمام صفات کمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حمد مدح سے بہتر ہے بہت ساری وجوہات کی بنا پر 1: حمد خاص ہے زندہ کے ساتھ اور مدح تو مردوں اور جمادات کی بھی ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے تو اس کیلئے حمد زیادہ بہتر ہے 2: مدح ان امور (کاموں) میں بھی ہوتی ہے جو غیر اختیاری ہوں جبکہ حمد اختیاری امور کیلئے خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اختیاری ہیں تو اس اعتبار سے بھی ثابت ہوا کہ حمد، اللہ تعالیٰ کیلئے زیادہ موزوں کلمہ ہے۔ تنبیہ: جو لوگ صفات ربانی کے منکر ہیں جیسے معتزلہ، جہمیہ یا صفات الٰہی کو مخلوق کے ساتھ برابر تصور کرتے ہیں یعنی مُشَبِّہَۃ ان سب کا الحمد للہ میں رد ہے۔ الحمد للہ لفظاً جملہ خبریہ اور معناً جملہ انشائیہ ہے کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر بجا لاتا ہے تو اس سے کوئی یہ نہیں کہے گا کہ تو نے حمد کی خبر دی بلکہ یہ کامل شکر اور حمد ہے۔

(رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور دعویٰ سابقہ کی پہلی دلیل ہے کیونکہ کلام عرب کا قانون یہ ہے کہ جب کوئی حکم جملہ میں موصوف بالصفت سے متعلق ہو جائے تو وہ صفت اس حکم کیلئے سبب اور دلیل ہوتی ہے یہاں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ تمام مخلوق تربیت میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں وہ تمام موجودات کا خالق، مالک، رازق، مُصلح، مدبر اور محافظ ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ صفت الوہیت کی حقدار بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور یہ دلیل عقلی ہے کیونکہ سلیم العقل اس بات سے انکار نہیں کرتا ہے کہ سارے عالم کا رب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جیسا کہ سورۃ مومنون آیت 86، 87 میں وارد ہے اور اس کو استدلال۔ بِأَسْمَاءِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهٖ بھی کہا جاتا ہے۔ (رب) یہ تربیت سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے یا مصدر بمعنی لفاعل ہے اور تربیت اصل میں إِنْشَاءُ الشَّيْءِ حَالًا فَحَالًا إِلٰى حَدِّ التَّمَامِ کو کہتے ہیں (امام راغب) اور اسی طرح۔ تَبْلِيْغُ الشَّيْءِ إِلٰى كَمَالِهٖ شَيْئًا فَشَيْئًا۔ کو بھی تربیت کہا جاتا ہے۔ (امام بیضاوی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی تربیت کا معنٰی یہ ہے کہ اولاً پیدا کرنا پھر ہر ایک چیز کو اس کی مناسبت سے آہستہ آہستہ پروان چڑھاتے ہوئے کمال تک پہنچانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تربیت اصل میں دو چیزوں کا مرکب ہے: اولاً: پیدا کرنا، بارش، کھانے پینے کی چیزیں آسمان، زمین، پودے، درخت، پھل وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ اور اسی طرح کھانے پینے کے استعمال کے آلات پیدا کرنا یعنی انسانوں کیلئے منہ، دانت، ہونٹ، زبان، معدہ پیدا کرنا یہ سب اس میں داخل ہیں۔ ثانیاً: ان چیزوں میں تاثیر پیدا کرنا تا کہ کھانے والا سیراب ہو اور اس خوراک سے اسکو طاقت اور صحت حاصل ہو۔ اس مجموعہ کو ربوبیت اور تربیت کہتے ہیں یہ معنٰی سورۃ شعرآء آیت 78 تا 82 میں تفصیلاً مذکور ہے اور اسی طرح سورۃ الواقعۃ آیت 58 تا 73 سورۃ عبس آیت 18 تا 32 اور سورۃ بقرۃ آیت 21، 22 میں انسانیت کی تخلیق سمیت تربیت کی اشیاء اور زمین و آسمان کی پیدائش بھی مذکور ہے عربی کے لغت میں رب کے بہت معانی آئے ہیں مالک، حاکم، سید، سردار، منتظم، اصلاح کرنے والا، جمع کرنے والا، پالنے والا، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنے والا، معبود، صاحب انعام، یہ معانی صاحب لسان العرب، صاحب قاموس، صاحب تفسیر قرطبی اور دیگر علماء نے ذکر کئے ہیں۔ قرآن مجید میں رب کے معنٰی اس طرح مستعمل ہیں: 1 رب بمعنٰی سید (آقا) سورۃ یوسف آیت 42، 2 رب بمعنٰی مالک، سورۃ نمل آیت 91 سورۃ قریش آیت 3، 3 مصلح وناصح، سورۃ ھود آیت 34، 4 رب بمعنی حاکم، مختار کل سورۃ آل عمران آیت 64، سورۃ توبہ آیت 31 پالنے والے کے بمعنی میں سورۃ بقرۃ آیت 21 معبود کے معنی میں سورۃ آل عمران آیت 51 تا 80 اور یہ تمام معانی اللہ تعالیٰ کے حق میں صحیح ہیں البتہ مخلوق کے حق میں حاکم مطلق اور مالک مطلق، معبود وغیرہ کا استعمال ناجائز اور شرک ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 64 سے 80 سورۃ یوسف آیت 39 میں وارد ہے۔ اس وجہ سے مفسرین نے اتفاق کیا کہ عربی لغت میں بغیر اضافتِ خاص کے لفظ رب کا غیر اللہ پر اطلاق کرنا حرام ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ابن کثیر، قرطبی، ابن جوزی، قاموس، لسان العرب وغیرہ۔ (اَلْعَالَمِیْنَ) عالم کی جمع ہے اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے دوسری چیز معلوم ہو سکے یعنی علامت اور عرفِ عام میں اللہ تعالیٰ کے سوا ساری مخلوق پر اس کا اطلاق ہوتا ہے انس وجن، حیوانات، جمادات، نباتات، آسمان وغیرہ۔ عالمین کا یہ معنٰی سورۃ شعرآء آیت 24، 26، 28 میں وارد ہے اور اس وجہ سے عَالَمِیْنَ کی جگہ کُلُّ شَیْءٍ بھی مستعمل ہے۔ سورۃ انعام آیت 164 میں بھی عالمین کا اطلاق صرف انس وجن پر بھی ہوتا ہے دیکھئے سورۃ فرقان آیت 1 رب کی اضافت جیسے عالمین کو ہوئی ہے اسی طرح عالم کے بعض افراد کو بھی ہوئی ہے، جیسا کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رَبِّ مُوسٰى وَهَارُونَ. رَبُّ الْعَرْشِ. رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا. رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ. رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ. رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَالْمَغْرِبَيْنِ. رَبُّ الْعِزَّةِ. رَبُّ الشِّعْرٰى. رَبُّ الْكَعْبَةِ. رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ. رَبُّ الْفَلَقِ. رَبُّ النَّاسِ

سوال: جب عالَم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات پر ہوتا ہے تو صیغۂ جمع استعمال کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: چونکہ اللہ کے علاوہ عالم میں بہت زیادہ اقسام ہیں یعنی عالم اعلیٰ، عالم اَسفل (اوپر اور نیچے) اور عالم حیوانات، عالم نباتات وغیرہ تو عمومیت کیلئے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے اور رب کو عالمین کی طرف مضاف کیا ہے اور ربوبیت حمد کیلئے دلیل ہے تو معلوم ہوا کہ سارا عالم رب کی حمد میں مصروف ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت 44 میں آیا ہے۔

(الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) یہ بھی الحمد للہ کیلئے دلیل عقلی ہے اور اسکو بغیر عطف اسلئے ذکر کیا ہے کہ یہ مستقل دلیل اور مستقل صفات ہیں جن کی کچھ تفصیل تسمیہ میں گزر گئی ہے اور رحمٰن کی تفسیر سورۃ رحمٰن میں مذکور ہے۔

سوال: جب یہ صفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں گزر گئیں تو دوبارہ تکرار کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: دوبارہ ذکر کرنے میں بہت فوائد ہیں: فائدہ 1: تسمیہ میں انکا ذکر استعانت کیلئے دلیل تھی یہاں پر الحمد للہ کیلئے دلیل ہے۔ فائدہ 2: دوبارہ ذکر ایک وہم دور کرنے کیلئے ہے اور وہ یہ ہے کہ جب رب العالمین کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ تمام نعمتوں کا خالق و مالک ہے تو وہم پیدا ہوا کہ وہ نعمتیں دیتا ہے یا نہیں یا دیتا ہے تو عام ہے یا خاص تو الرحمٰن الرحیم میں یہ وہم ختم ہو گیا۔ فائدہ 3: تسمیہ میں لفظ اللہ سے ہیبت پیدا ہوئی تو اس کو زائل کرنے کیلئے الرحمٰن الرحیم کی بشارت دیدی اور سورۃ فاتحہ میں رب العالمین کو ذکر کرنے سے نعمتوں کی امیدیں پیدا ہوئیں تو الرحمٰن الرحیم ذکر کرنے سے ان امیدوں کی تائید کی گئی۔ اور استدلال کا طریقہ اس سے یہ ہے کہ ہر قسم کی رحمتوں اور نعمتوں کا دینے والا وہی ہے۔ عام ہوں یا خاص ہوں پھر ان پر کسی سے بدلہ بھی نہیں لیتا ہے تو ایسی ذات کی حمد و شکر گزاری لازم اور فرض ہے اور ان نعمتوں میں اسکا کوئی شریک نہیں تو حمد بھی اسکا خاصہ ہے کسی اور کا حق نہیں۔ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) یہ صفت باری تعالیٰ ہے اور الحمد للہ کیلئے دلیل عقلی ہے۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ سزا و جزا کا مالک بھی وہی ہے کسی اور کا کوئی بس نہیں چلتا ہے پھر صفت الوہیت کا بھی وہی حقدار ہے اس صفت کی اگلی عبارت سے مناسبت اس بات میں معلوم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رحمتیں عام ہیں کوئی اس سے محروم نہیں تو یہ وہم پیدا ہوا کہ استعمال میں کوئی قید نہیں ہوگی بلکہ آزادی ہوگی جیسے کوئی چاہے استعمال کرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اس وہم کا جواب ہوا کہ نعمتوں کے استعمال کرنے میں حساب والے دن کا خیال لازم ہے تا کہ نعمتیں ضائع نہ ہوں اور اسراف سے اجتناب ہو سکے۔ تشریح: (مَالِكِ) مِلک سے لیا گیا ہے میم کی زیر کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں اسکا معنی امام بیضاوی نے اس طرح نقل کیا ہے: هُوَ الْمُتَصَرِّفُ فِي الْأَعْيَانِ كَيْفَ يَشَاءُ۔ اور امام فراء بغوی نے اس طرح کہا ہے: هُوَ الْقَادِرُ عَلَى اخْتِرَاعِ الْأَعْيَانِ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ

مالک وہ ذات ہے جو غیر موجود کو وجود بخشتا ہے اور اپنی مخلوق میں جسطرح چاہے اختیارات چلاتا ہے۔ مذکورہ معنٰی میں یہ اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ اور اسی وجہ سے امام قرطبی نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی پر مالک کی صفت علی الاطلاق درست نہیں ہے اور مخلوق کو مجازی معنٰی میں مالک کہا جاتا ہے جو مملوک پر اختیارات چلاتا ہے کاموں میں تصرفات کرتی ہے مگر وہ مشیت باری تعالیٰ سے ہوتا ہے اور یہ ملکیت کامل نہیں بلکہ جزوی ہے۔ اول معنٰی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کیلئے ملکیت کلی کامل کا ثبوت اور مخلوق سے اس کی نفی کی آیات بہت ہیں جو تنشیط الأذهان میں شرک فی التصرف کے عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہیں۔ (يَوْمِ) یہ لفظ قرآن مجید میں اکثر قیامت والے دن کیلئے مستعمل ہوا ہے کبھی تو دین، حساب، آخرت، قیامت، کے ساتھ مقید اور کبھی مطلق ہوتا ہے مگر عبارت کے قرائن سے پتا چلتا ہے کہ قیامت مراد ہے۔ یہ دن (جب لوگ قبروں سے نکل آئیں گے) صور ثانی سے شروع ہو کر جنتیوں کے جنت میں اور جہنم والوں کے جہنم میں داخل ہونے تک یا غیر منتھی تک ہے اور یہ لفظ کبھی دنیاوی دن کے معنٰی میں بھی آتا ہے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے: يَوْمَ سَبْتِهِمْ يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ حُنَيْنٍ وغیرہ اور شرعاً دنیاوی دن طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہے اور کبھی (یوم) مطلق زمانہ کیلئے استعمال ہوتا ہے جسکی صحیح مقدار صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ فرمان الٰہی ہے: إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (سورۃ اعراف آیت 54) اور کبھی انعامات اور عذابوں کیلئے مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ قول ربانی ہے: وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ (سورۃ ابراھیم آیت 5) لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ (سورۃ جاثیہ آیت 14)

(الدِّينِ) یہ لفظ قرآن کریم میں بہت معنوں میں مستعمل ہے:

1: دل کا عقیدہ۔ 2: شریعت۔ 3: غلبہ۔ 4: قانون۔ 5: اطاعت۔ 6: حد شرعی۔ 7: عبادت۔ 8: دعاء۔ 9: حساب اور بدلہ۔ یہاں پر حساب اور بدلہ کے معنٰی میں واقع ہے۔ يَوْمِ الدِّينِ قرآن مجید میں اس معنٰی کے ساتھ 13 مرتبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذکر ہوا ہے۔ سوال: اللہ تو دنیا و آخرت دونوں کا مالک ہے پھر قیامت کے دن کی ملکیت میں تخصیص کی کیا حکمت ہے؟
جواب: پہلی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ظاہری اختیارات بندوں کے پاس بھی ہیں اور آخرت میں اللہ کے سوا یہ مجازی اختیارات بھی سلب ہونگے کسی کے پاس مجازی اور نہ ہی حقیقی اختیار ہوگا سورۃ انفطار آیت 19۔ اور یہ اس دعوی کے ساتھ کہ حمد خالص اللہ تعالیٰ کا کامل حق ہے مطابقت رکھتا ہے۔ دوسری وجہ: عقیدہ شفاعت شرکیہ کا رد ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین کا یہ باطل تصور اور عقیدہ ہے کہ ہمارے ایسے سفارشی ہیں جو قیامت کے دن ہمیں عذاب الٰہی سے چھڑا لیں گے تو انکار د ہے کہ قیامت والے دن تمام اختیار صرف مالک کائنات کے پاس ہونگے اس دن کوئی اور مالک نہیں ہوگا۔
سوال نمبر مَالِكِ الدِّيْنِ کیوں نہیں فرمایا، کیا وجہ وسبب ہے؟ جواب: سبب اول یہ ہے کہ دین کا لفظ یوم کے بغیر جزا کے معنی میں غیر واضح تھا۔ سبب ثانی یہ ہے کہ یوم الدین میں جو عموم ہے لفظ الدین میں وہ نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ صرف جزا کا نہیں بلکہ اس دن کے دیگر احوال کا بھی مالک ہے جو قیامت کے سارے دن سے متعلق ہے۔
سوال: اس سورۃ میں ان پانچ صفات کی تخصیص کا کیا سبب ہے؟ جواب: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ پانچ صفات اللہ تعالیٰ کی دیگر تمام صفات کا خلاصہ ہے لفظ اللہ میں صفات الوہیت ثبوتی اور سلبی سب داخل ہیں اور صفات فعل اور قدرت، تدبیر اور تصرف سب کا تعلق لفظ رب کی صفت سے ہے اور صفات احسان جود، رحمت، رأفت یہ تمام الرحمٰن الرحیم میں معنًا سموئی ہوئی ہیں اور صفات عدل، حکم، عزت، دولت مالکیت میں مضمر ہیں اور صفت حمد کا تعلق ربوبیت رحمت اور جزا دینے کے ساتھ ہے جیسا کہ ہم نے جملوں کی مناسبت میں اشارہ کیا ہے۔
إِيَّاكَ نَعْبُدُ جب دعویٰ (عنوان) دلائل کے ساتھ ثابت ہوگیا تو اب اس پر نتیجہ اور تفریع کا ذکر ہو رہا ہے تو یہ توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات پر توحید فی العبودیت کی تفریع ہے۔
سوال: یہ تو بطور خطاب ذکر ہے جبکہ سابقہ صیغے بطور غائب تھے؟ جواب: اس کو التفات فی الکلام کہتے ہیں اس کی بہت سی اقسام اور حکمتیں ہیں جو علم بلاغت میں مذکور ہیں۔ یہاں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور صفات کا ذکر تھا اور وہ غائب کے صیغوں سے مناسب تھا اگرچہ موصوف حاضر ہو۔ اور اب إِيَّاكَ نَعْبُدُ اور دیگر جملوں میں اقرار، عہد، اور حاجت پیش کرنا مقصود ہے جو کہ مخاطب کے صیغوں سے ضروری ہے۔ اس جملہ میں اللہ کے حق کی معرفت اور توحید فی العبودیت وارد ہے جیسا کہ (حدیث) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ: أَنَّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید رقم الحدیث 7373) اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔

إِيَّاكَ اس میں تین طریقوں کے ساتھ تخصیص ہے:

1: ۔أَيِّي کا مادہ تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔ 2: ۔مفعول کو فعل پر مقدم کیا گیا ہے جبکہ وہ موخر ہوتا ہے اور یہ تَقْدِيْمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيْرِ تخصیص اور حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ 3: ۔مفعول مقدم لانے میں لفظ إِيَّاكَ پر عطف کی گنجائش ختم ہوگئی کیونکہ ایسی حالت میں ایاک پر عطف کرنا جائز نہیں اور ایاک کو مقدم لانے میں ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ عابد کو چاہیے کہ اول معبود کی طرف نظر کرے پھر اپنی عبادت کی طرف توجہ دے۔ یہ تخصیصات دو وجوہات کی بنا پر ہوئی ہیں: اولاً: یہ کہ دعویٰ میں تخصیص تھی تو تفریع اور نتیجے میں بھی تخصیص ضروری تھی۔ ثانیاً: اس تخصیص میں اہم مقصد شرک کا رد ہے کیونکہ توحید کے بغیر عبادت تو شرکین بھی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ معنیٰ منقول ہے: نَعْبُدُكَ وَلَا نَعْبُدُ غَيْرَكَ۔ (طبرانی کبیر 119/1، تخریج ابن کثیر 135/1) "ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کسی غیر کی بندگی نہیں کرتے"۔ دوسری روایت میں ہے: لَكَ نُوَحِّدُ وَلَا نُطِيْعُ غَيْرَكَ۔ "ہم تجھے عبادت اور اطاعت میں یکتا مانتے ہیں"۔ نَعْبُدُ صیغہ جمع متکلم ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت سب پر فرض ہے کسی ایک کی عبادت سے باقی مخلوق کی ذمہ داری پوری نہیں ہوگی۔ دوسرا سبب جو امام بیضاوی وغیرہ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ عابد اپنی عبادت کو دوسرے عابدین کی عبادت میں اسلئے داخل کرتا ہے تاکہ انکی عبادت کی قبولیت کی وجہ سے میری عبادت بھی قبول ہوجائے۔

مادہ: (ع، ب، د) لغت میں اس راستے کو کہتے ہیں جس کو زیادہ آمدورفت کی وجہ سے روندا جائے یعنی کسی چیز کو بوگڑتے اور استعمال کرنے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ طَرِيْقٌ مُعَبَّدٌ اور ثَوْبٌ مُعَبَّدٌ یعنی زیادہ استعمال شدہ پرانے کپڑے یا مصروف ترین راستہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کے معنیٰ میں عاجزی اور تَذَلُّل بہت زیادہ ہے۔ عرف شرعی میں عبادت کے معنیٰ میں بہت اختلاف ہے البتہ جامع عبارت یہ ہے:

أَلطَّاعَةُ مَعَ غَايَةِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ عَلٰى وَفْقِ مَا كُلِّفَ بِهٖ مَعَ اِعْتِقَادِ أُلُوْهِيَّةِ الْمَعْبُوْدِ

یعنی انتہائی عاجزی انکساری کے ساتھ اپنے معبود کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہوئے شریعت کے موافق عبادت کرنا۔ معلوم ہوا کہ جو اطاعت تَذَلُّل اور خضوع کے بغیر ہو وہ عبادت نہیں ہے جیسا کہ رسول ﷺ کی اطاعت، امیر شرعی کی اطاعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور امام کی اطاعت وغیرہ۔اسی طرح خضوع، عاجزی اور انکساری طاعت کے بغیر عبادت نہیں ہے جیسا کہ باطنیہ لوگ اور متصوفہ یعنی صوفی لوگ وغیرہ کہ ان میں خضوع تو موجود ہے لیکن ان میں اطاعت نہیں اسی طرح طاعت قرآن اور سنت کی موافقت کے بغیر بھی عبادت نہیں ہے اسی طرح خضوع اور طاعت الوہیت کے عقیدے کے بغیر بھی عبادت نہیں ہے۔اس بات کو ذہن نشین کریں کہ عبادت ایسی طاعت کا نام ہے جو انسان کے ہر جزو اور قوت بدنی اور مالی کے ذریعے سے ادا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے عبادت کی اقسام بھی بہت ہیں: عبادت قلبیہ ۔عبادت بدنیہ ظاہریہ ۔عبادت مالیہ۔پھر عبادت قلبی کی مشہور اقسام یہ ہیں: محبت ۔رجاء (امید) ۔خوف ۔اخلاص۔توکل۔ انابت ۔تفکر ۔تصدیق ۔نیت ، عبادت بدنیہ۔ زبان کی عبادت،کانوں کی، ناک کی، آنکھوں، ہاتھ اور پاؤں کی عبادت نیز قوت ذائقہ۔لامسہ اور شامہ ہر ایک جدا جدا عبادات میں سے ہیں اور ہر ایک میں واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام وغیرہ موجود ہیں۔عبادت مالیہ میں پانچ قسمیں ہیں جسکی تفصیل امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر جلد 1: ص:2-1 میں ذکر کی ہے مزید تفصیل کیلئے اس کا مطالعہ کیجئے ۔تو نَعْبُدُ کہتے وقت مومن کو چاہئے کہ عبادت کی ان تمام اقسام پر نظر رکھے۔

تنبیہ: عبادت لغت اور قرآن میں بہت معنوں میں استعمال ہوئی ہے: 1: بمعنی اطاعت ۔سورۃ یٰسٓ آیت 70۔ 2: ملك کے معنی میں تو عبد بمعنی مملوک ہے سورۃ نحل آیت 75۔3: ذلت کے معنی میں سورۃ شعراء آیت 22۔سورہ مومنون آیت 47۔4: سورۃ زخرف آیت 81 کی ایک تفسیر کے مطابق غضب اور نفرت کے معنی میں ہے۔5: معنی شرعیہ میں بہت آیتوں میں وارد ہے یہاں پر آخری معنی مراد ہے۔(وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) یہ پہلے جملے پر عطف ہے اس لئے کہ دونوں میں مطابقت موجود ہے کیونکہ عبادت عام ہے اور استعانت اس کا ایک خاص فرد ہے۔إِيَّاكَ۔دوبارہ ذکر کیا صرف ایک پر مرتبہ اکتفا نہیں کیا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالی کی استعانت خاص مستقل اور اہم ہے اگر دوبارہ إِيَّاكَ ذکر نہ کرتے تو یہ وہم پیدا ہوتا کہ مجموعی طور پر عبادت اور استعانت اللہ تعالی کا خاصہ ہے ہر ایک کی عبادت کی علیحدہ تخصیص اللہ کی ذات کیلئے نہیں ہے اور یہ وہم غلط ہے۔(نَسْتَعِينُ) یہ عون سے لیا گیا ہے۔امداد کو کہا جاتا ہے استعانت عون طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ سوال: نصرت بھی امداد کو کہتے ہیں تو (نَسْتَنْصِرُ) کیوں نہیں فرمایا؟ جواب: نصرت اکثر بوقت مقابلہ استعمال ہوتا ہے جبکہ عون عام ہے مقابلہ ہو یا نہ ہو اور نصرت اکثر فتح اور غلبہ کے اسباب میں مستعمل ہوتا ہے اور عون عام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اسباب ہوں یا مقصد ہو تو معلوم ہوا نستنصر سے نستعین عام ہے اس وجہ سے اس کو ذکر کیا۔

تنبیہ: توفیق، دعاء، نصرت، توکل، استعانت، یہ سارے الفاظ اظہار محتاجی میں قریب المعنی ہیں مگر استعانت ان تمام لفظوں کو شامل ہے۔ نَسْتَعِيْنُ کا مفعول ذکر نہیں کیا تاکہ عمومیت کا فائدہ ہو جائے۔ یعنی نَسْتَعِيْنُ فِيْ جَمِيْعِ الْحَوَائِجِ وَالْأَحْوَالِ یعنی ہم تمام حالات اور ضروریات میں اللہ کی مدد کے طلبگار رہیں۔ یا ما قبل کے قرینہ سے پتا چل چکا ہے کہ مفعول مقدر (چھپا) ہے یعنی: نَسْتَعِيْنُ فِيْ أَدَاءِ الْعِبَادَاتِ تمام عبادات میں ہم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ فرقہ جبریہ کا إِيَّاكَ نَعْبُدُ میں رد ہوا ہے کیونکہ وہ بندے کی طرف کسی فعل کی نسبت درست نہیں مانتے اور إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں رد ہوا فرقہ قدریہ کا جو انسانوں کو اپنے اختیاری کاموں میں مستقل مختار تصور کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عمل دخل نہیں مانتے ہیں۔

امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ دین ان دونوں جملوں میں جمع ہے۔ سِرُّ الْقُرْآن سورۃ فاتحہ ہے اور سِرُّ الْفَاتِحَه ان دونوں جملوں میں ہے یعنی سورہ فاتحہ میں مکمل قرآن سمو دیا گیا ہے اور فاتحہ ان دو جملوں میں سموئی گئی اسلئے کہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ میں شرک سے براءت ہے اور۔ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ہر قسم کی قوت اور طاقت سے براءت اور تمام معاملات اپنی بے بسی کے اظہار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

سوال 1: جب استعانت بھی عبادت ہے تو إِيَّاكَ نَعْبُدُ میں داخل ہے تو دوبارہ ذکر کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

سوال 2: اور جب عبادت استعانت پر موقوف ہے تو عبادت کو استعانت پر کیوں مقدم کیا؟

جواب کی مختلف شکلیں ہیں:

پہلی صورت: یہ تخصیص بعد تعمیم مسئلہ استعانت کے بہت زیادہ اہتمام کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اکثر مشرکین نے شرک فی الاستعانت کیا ہے جیسا کہ دور حاضر میں بھی اکثر جاہل لوگ مصیبت اور پریشانی میں کسی صاحب قبر کو پکارتے ہیں: یا پیران پیر غوث الاعظم مدد کیجئے! یا جیسے ہر علاقہ میں کوئی مشہور بابا یا مزار بنام ولی اللہ موجود ہے جو کہ جاہلوں کی پکار کا مرکز ہے۔ بعض جہلا شرکیہ کلمات پڑھتے ہوئے ختم شریف کے نام سے شرک کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں یَا شَيْخ عَبْدَ الْقَادِرِ شَيْئًا لِلّٰهِ امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن یا شیخ عبدالقادر۔ یہ کلمات شرک جلی ہیں یعنی واضح شرک ہے۔ دوسری صورت: کہ حاجت روائی مشکل کشائی بندوں کیلئے اصل مقصود ہے اور عبادت اس کا وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصد پر مقدم ہوتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دعاؤں میں وسیلہ ذکر کرنا آداب دعاء میں سے ہے واضح رہے کہ مراد وسیلہ شرعیہ ہے بدعیہ اور شرکیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ اپنی عبادت نیک عمل اور ایمان کو وسیلے میں پیش کرنا چاہئے قرآن مجید اور احادیث کی بہت سی دعاؤں میں ایسے وسیلوں سے دعا طلب کرنا ثابت ہے۔ تیسری صورت: جب نَعْبُدُ میں عمل کی نسبت بندے کی جانب کی گئی تو وہم پیدا ہوا کہ عمل میں بندہ مستقل قدرت رکھتا ہے اور تکبر کا پہلو بھی ظاہر ہوا تو ان تمام وہموں کا جواب وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ میں ہے۔ چوتھی صورت: بندے کو کمال دو وجوہات کی بناء پر حاصل ہوتا ہے اول محنت۔ دوم دعا کرنا صرف محنت سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ بے دین لوگوں کی محنتیں زیادہ مگر ناکام ہیں اور صرف دعاؤں میں بھی کامیابی نہیں ہے ورنہ خود ساختہ پیر اور بے عمل مست ملنگ و درویش کامیاب ہوتے۔ لہذا إِيَّاكَ نَعْبُدُ میں محنت، مشقت کا تذکرہ اور نَسْتَعِينُ میں دعاء مذکور ہے جیسا کہ سورۃ ھود آیت 123۔ سورۃ مزمل 9 میں وارد ہے۔ صورت خامس: یہ ہے کہ عبادت کے ساتھ دعا شامل کرنا شرعی آداب میں سے ہے جیسا کہ نماز میں آخری قعدہ میں مسنون دعائیں آئی ہیں۔ اور اسی طرح فرض نمازوں کے بعد مگر بغیر کیفیت اجتماعی تیز بوقت افطار اور حج میں مسنون دعائیں آئی ہیں اس میں اشارہ ہے عابد کی طرف کہ عبادت پر فخر و تکبر مت کرنا بلکہ عبادت کے بعد قبولیت عبادت کیلئے مزید عاجزی کرنی ہے۔

فائدہ 1: قرآن مجید میں استعانت کے متعلق تین جگہ صیغہ امر آیا ہے۔ سورہ بقرۃ آیت 15345۔ سورۃ اعراف آیت 128۔ اللہ تعالیٰ کی صفت میں استعانت کی تخصیص لفظ المستعان کے ساتھ دو جگہ آئی ہے سورۃ یوسف آیت 18۔ سورۃ انبیاء آیت 112۔ فائدہ 2: استعانت کی تخصیص اللہ تعالیٰ کیلئے شرک فی الدعاء کے رد پر صریح دلیل ہے اور اس زمانہ میں بعض تفاسیر میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ کسی ہستی یا بزرگ کو وسیلہ بنانا درست ہے اس شرط پر کہ اسکو مستقل بالذات تصور نہ کیا جائے تو یہ قول باطل اور وہم پیدا کرنے والا ہے کیونکہ وسیلہ زندہ شخص کی دعاء سے ہوسکتا ہے اس کی ذات کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ فائدہ 3 سوال: فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ (الکہف آیت: 95)۔ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللهِ۔ (آل عمران آیت: 52) وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (الانفال آیت: 72)

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا درست ہے تو پھر تخصیص کا دعویٰ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ میں کیوں کیا گیا؟ جواب: جیسے اللہ تعالیٰ اور بندوں کی صفات میں فرق ہے تو ایسے ہی افعال یعنی کاموں میں بھی فرق ہے۔ مثلاً بندوں کی نصرت اور عون ظاہری اسباب کے استعمال سے ہوتی ہے اور ان میں بھی وہ رب کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اس پر ثواب و عذاب بھی ملتا ہے جبکہ نصرت اور عون الٰہی بغیر اسباب کے ہوتی ہے اور اسباب پیدا کرنے والی ذات بھی وہی ہے تو إِيَّاكَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نَسْتَعِيْنُ میں حاجات کا پورا کرنا اسباب پیدا کرنا توفیق دینا مرض اور مصیبت کا ختم کرنا صحت اور امن وغیرہ لانا یہ تخصیص اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اور مذکورہ آیتوں میں اللہ کے دیئے ہوئے اسباب استعمال کرتے ہوئے کسی کی مدد نصرت بوجھ اٹھانا غم، دکھ میں شریک ہونا یہ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے خلاف نہیں ہے۔

اور ان آیتوں سے شرک فی الاستعانت ثابت نہیں ہوتا۔ فائدہ 4: استعانت کبھی مطلق مذکور ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور کبھی حرف باء کے ساتھ متعدی جیسا کہ سورہ اعراف آیت 128 اور اسی طرح حدیث میں ہے کہ: وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ صحیح جامع الصغیر ص 1318۔ مشکوۃ، مع تخریج البانی 5302 ترمذی، حدیث 2516 وقال حدیث حسن صحیح، اس میں فرق یہ ہے کہ متعدی ہونے کی صورت میں حرف باء کے ساتھ مدد اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاسکتی ہے مگر اس کے اسماء وصفات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ یہ ادب سورۃ اعراف آیت 180 میں مذکور ہے۔ حرف باء کے بغیر عام ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت وسیلہ بناتے ہیں یا نہیں اور اعمال صالحہ وسیلہ میں پیش کرتے ہیں یا اسماء الحسنیٰ۔

(إِهْدِنَا)۔ ربط۔ ماقبل کے ساتھ تعلق کے بہت اسباب ہیں:

سبب اول: جب بندے نے إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں عاجزی اور بے بسی کا اقرار کرلیا تو اب اس بندگی اور بے بسی کا اعلان واظہار کرتا ہے۔ سبب ثانی: جب بندے نے إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اقرار واظہار کیا تو گویا رب ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ كَيْفَ أُعِيْنُكُمْ میں تمہاری کیسے مدد کروں؟ تو جواب ملا کہ إِهْدِنَا ہمیں ہدایت دے۔

سبب ثالث: جب توحید کی تمام اقسام بیان ہوگئیں جو کہ صراط مستقیم کا مصداق ہیں تو اب اس پر قائم رہنے کیلئے استقامت کی دعا ذکر کررہا ہے کیونکہ جب توحید کے اوپر ہمیشگی دوام نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں۔

إِهْدِنَا: ہدایت سے لیا گیا ہے لغت میں خیر کی رہنمائی کو کہا جاتا ہے خواہ دنیوی خیر ہو یا دینی۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہدایت صرف دلالت کو کہتے ہیں انکا قول غلط ہے البتہ ہدایت کبھی میں بطور ذلت رسوائی اور حقارت تھکما استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الحج آیت 4 اور سورۃ صافات آیت 23 میں ذکر ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ہدایت 19 معنوں میں استعمال ہوا ہے جو میں نے لطائف القرآن میں ذکر کیے ہیں اور مشہور معنیٰ یعنی إِرْشَادٌ إِلَى الْحَقِّ حق کی طرف رہنمائی کیلئے تین طریقوں پر استعمال ہوا ہے: طریقہ اول: مفعول ثانی کی طرف إِلَى کے ذریعے سے متعدی ہونا جیسا کہ سورۃ نحل آیت 121۔ سورۃ شوریٰ آیت 52۔ سورۃ انعام آیت 87 اور آیت 161 اور سورۃ نازعات آیت 19 میں وارد ہے حق اور کامیابی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راستے کی رہنمائی کرنا مراد ہے چلنے والا اس پر چلے یا انکار کرے منزل مقصود تک رسائی حاصل کرے یا نہیں۔

طریقہ ثانی: متعدی ہونا حرف لام کے ساتھ جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت 213۔ سورۃ اسراء آیت 9 سورۃ حجرات آیت 17 میں وارد ہے۔ تینوں میں جو مذکور ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حق کے راستے کی رہنمائی اور اس تک پہنچانا اگرچہ وہ شخص مقصد کو پہنچے یا نہیں۔

طریقہ ثالث: بغیر کسی ذریعہ کے متعدی ہونا جیسا کہ سورۃ نساء آیت 175 سورۃ قصص آیت 22 سورۃ فتح آیت 2 سورۃ صافات آیت 118 اور اسی سورۃ فاتحہ میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حق کے راستے کی ہدایت و رہنمائی اور اس پر چلا کر مقصد تک پہنچانا اور یہ آخری طریقہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ پہلے دونوں طریقوں کے ساتھ نسبت کتاب رسول اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جا سکتی ہے اور چونکہ اس آیت میں یہ آخری معنٰی مراد ہے تو اسی وجہ سے یہ دعا خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور یہ ہدایت غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے دیکھیں سورۃ اعراف آیت 148 سورۃ یونس آیت 35 سورۃ قصص آیت 56۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے سات مراتب ہیں اور ہر ایک مرتبے پر ہدایت کا اطلاق ہوا ہے:

پہلا مرتبہ: ہدایت فطری ہے یعنی جس عقیدہ توحید پر خالق نے بندے کو پیدا کیا ہے سورۃ روم آیت 30 اور سورۃ طٰہٰ آیت 50 میں بھی یہ مراد ہے۔ دوسرا مرتبہ: ہدایت کے اسباب پیدا کرنا یعنی ظاہری و باطنی حواس اور قوتیں عطاء کرنا تا کہ ان کے ذریعے سے حق معلوم کر سکے سورۃ اعلیٰ آیت 3۔ تیسرا مرتبہ: قوت عاقلہ عطاء کرنا جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 100۔ طٰہٰ آیت 128 میں ہے۔ چوتھا مرتبہ: عالم کے اطراف میں دلائل عقلیہ پیدا کرنا جن سے صاحب عقل حق کی پہچان میں مدد لیتا ہے سورۃ بلد آیت 14۔ سورۃ اللیل آیت 12۔ پانچواں مرتبہ: رسولوں اور کتابوں کو بھیجنا حق مقرر کرنا سورۃ رعد آیت 7۔ سورۃ الٓمٓ سجدۃ آیت 24۔ چھٹا مرتبہ: حق کی توفیق دینا اور اس پر استقامت و دوام عطاء کرنا سورۃ عنکبوت آیت 69 سورۃ فتح آیت 2۔ ساتواں مرتبہ: روز آخرت جنت میں داخل کرنا۔ سورۃ محمد آیت 5۔ سورۃ اعراف آیت 43۔ معلوم ہو گیا کہ ہر ایک مرتبہ میں ہدایت من جانب اللہ ہے اس لئے ہدایت کی دعا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کی گئی ہے۔

سوال: جب بندہ حمد و ثنا پر مصر ہے اور بندگی پر گامزن ہے تو یہ صاحب ہدایت ہے پھر ہدایت کی طلب تو تحصیل حاصل ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جوکہ غلط ہے یعنی جو چیز حاصل کر چکا ہے اس کے حصول کیلئے دعا گو کیوں؟ جواب: گزری ہوئی تفصیل سے اسکا جواب دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے: طریقہ اول: یہ ہے کہ یہاں ہدایت توفیق، استقامت، ہمیشگی اور دوام کے معنی میں ہے جیسا کہ امام ابن جریر، امام ابن کثیر، امام قرطبی رحمہم اللہ نے لکھا ہے تو انسان ہدایت حاصل کرنے کے بعد استقامت اور دوام کا محتاج ہے۔ جواب کا طریقہ ثانی یہ ہے جب ہدایت کے مراتب ذکر ہوئے تو جس انسان نے ہدایت کا ایک مرتبہ حاصل کیا ہو وہ دوسرے کا محتاج ہے۔ دوسرے والا تیسرے کا محتاج ہے علی ھذا القیاس

(الصِّرَاطَ) لغت میں گزرنے کو کہا جاتا ہے اور عرف میں اس راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ گزرتے ہیں اور وہ مقصد کو پہنچانے والا ہو جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 86 میں ہے اور اسی وجہ سے اس راستے کو جس پر جہنم والے چل کر جہنم پہنچیں گے اس کو بھی صِرَاطُ الْجَحِيْمِ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ صافات آیت 23 ہے قرآن مجید کی اصطلاح میں اس معنوی راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ عمل کرتے ہیں جو سیدھا اور حدود شرعی پر مقید ہو اور حق تک پہنچانے والا ہو اس کو صراط کہتے ہیں قرآن مجید میں 33 مرتبہ اسکی صفت استقامت سے کی گئی ہے اور (سَوِيًّا) کے ساتھ دو مرتبہ ہوئی ہے اور یہ صفت مؤکدہ ہے۔ اور جب شریعت کا راستہ سیدھا اور حدود شرعیہ کے ساتھ محدود ہے جو کہ۔ کَمْ (مقدار) کَیْفَ (طریقہ) أَيْنَ (وقت) کے اعتبار سے اس وجہ سے یہاں پر صراط ذکر کیا لفظ طریق اور سبیل ذکر کرنے کے بجائے کیونکہ اس میں یہ معنی نہیں ہے۔ الْمُسْتَقِيْمَ مُسْتَوِيْ کے معنی میں ہے یعنی وہ راستہ جو سیدھا اور درمیانہ ہے افراط اور تفریط سے خالی ہے۔ اور ہر قسم کا ٹیڑھا پن اور کجی سے محفوظ ہے۔ اصل میں مستقیم راستے کی صفت ہے اور جو اس راستے پر چلتے ہیں ان کے بارے میں بھی بولا جاتا ہے۔ اور وہ شخص مستقیم ہے جو استقامت کے ساتھ اس کی تابعداری کرے جو قرآن میں امر اِسْتَقِمْ آیا ہے یعنی مکمل دین پر قائم رہو۔ سورۃ ھود آیت 112۔ سورۃ شوریٰ آیت 15۔ حم سجدہ آیت 6 میں مذکور ہے استقامت کی تفصیل میں نے لطائف القرآن میں کی ہے اور صراط مستقیم کی تفسیر قرآن کریم میں چار طریقوں پر وارد ہے۔

مصداق اول: توحید ربوبیت اور عبادت صراط مستقیم کے مصداق ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 51 سورۃ مریم آیت 36 سورۃ زخرف آیت 64 سورۃ یٰسین آیت 61 میں مذکور ہے۔ مصداق ثانی: کتاب اللہ ہے۔ سورۃ انعام آیت 153،126۔ مصداق ثالث: رسولوں کا راستہ سورۃ یٰسین آیت 4 سورۃ زخرف آیت 43 صافات آیت 118۔ سورۃ فتح آیت 2 میں ذکر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصداق رابع: محمد ﷺ کی تابعداری سورۃ زخرف آیت 61 میں ذکر ہے۔

صراط مستقیم کی تفسیر مفسرین نے مختلف تعبیرات کے ساتھ ذکر کی ہے مگر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب مذکورہ چار میں داخل ہیں وہ تعبیرات یہ ہیں۔ کتاب اللہ، اسلام، صحابہ کرام وتابعین، رسول اللہ ﷺ کا راستہ حق۔ امام ابن کثیر، امام ابن جریر، امام بغوی، امام ابن ابی حاتم وغیرہ نے یہ اقوال ذکر کیے ہیں۔

فائدہ 1: صراط مستقیم مفرد اور معرفہ ذکر کیا ہے کیونکہ راہ حق تمام نبیوں کا ایک ہی ہے اور وہ معلوم متعین ہے اور اس راستے کے برخلاف دیگر سارے راستے زیادہ ہیں اس وجہ سے اس کو جمع ذکر کیا ہے۔ سورۃ انعام آیت 153۔

سوال: سورۃ مائدہ آیت 16 میں تو اللہ تعالی نے راہ حق کو سبل السلام یعنی جمع ذکر کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالی کے راستے کے اصول اور فروع یعنی شاخیں بہت ہیں۔ ایمانیات، اعمال اخلاق وغیرہ قرآن مجید ان سب کی جانب ہدایت کرتا اس وجہ سے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے اور جب تمام انبیاء کرام کے ایمانیات اور ادیان کے اصول ایک ہیں اس وجہ سے مفرد کا صیغہ ذکر کیا ہے۔ فائدہ 2: صراط مستقیم بہت اہم اور بڑا مقصد ہے اور وہ بڑا اعتبار سے مفید ہے اسلئے اس کو دعا طلب کرنے میں ہمارے لئے خاص کیا ہے۔ فائدہ 3: دعاء کی قبولیت کیلئے شرعی وسیلے کی ضرورت تھی تو اللہ تعالی کے اسماء وصفات کی ہمیں قبل الدعاء ذکر کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ وسیلہ شرعیہ وہ ہے جو قرآن وصحیح حدیث سے ثابت ہے اور بدعی وسیلہ کے وہ الفاظ ہے جسکا ثبوت دلیل شرعی میں نہ ہو جیسا کہ لفظ جاہ، حق، حرمت، طفیل، برکت وغیرہ یہ وسیلے میں ذکر کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے یعنی دعا میں۔ سائل یوں کہتا ہے: بحرمت فلاں، بحق فلاں، بجاہ فلاں بطفیل فلاں میری دعاء قبول فرمائیں۔ رہے وہ احادیث جو حق اور جاہ وغیرہ کے بارے میں آئے ہیں ضعیف ہیں اور کچھ موضوع ہیں۔ وسیلہ شرکیہ یہ ہے کہ قبروں اور غیر اللہ کی بندگی کرنا (یعنی نذر سے طواف مسجد وغیرہ) اور ان اعمال کو قربت الہی کا ذریعہ بنائیں یا کسی قبر والے سے حاجت مانگتے ہیں یا اس سے دعا طلب کرتے ہیں یہ تمام طریقے مشرکین کی ہیں اس پر میں نے سورۃ مائدہ آیت 35 میں اور التبیان فی تفسیر ام القرآن میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

فائدہ 4: اللہ تعالی نے ان پانچ قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اس راستے کے دشمن ہیں۔

1: ابلیس، سورۃ اعراف آیت 16 سورۃ نمل آیت 24۔ 2: باطل پرست پیر اور مولوی، سورۃ توبہ آیت 34۔ 3: مولوی اور صاحب اقتدار، سورۃ احزاب آیت 67۔ 4: عام مشرک اور کافر، سورۃ اعراف آیت 86۔ 5: ظالمین اور معتدین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی ظلم میں حد سے گزرے ہوئے لوگ ،سورۃ أعراف آیت 45۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہ صراط المستقیم سے ترکیبی لحاظ سے بَدَلِ کُل ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس راستے کے ساتھ دو صفات حاصل ہوتے ہیں (۱) استقامت (۲) اللہ تعالی کا خاص انعام اور اس بدل لانے میں مزید فوائد بھی ہیں۔

فائدہ 1: اس میں تسلی دی گئی ہے کہ اس پر چلنے میں اگر بڑے مصائب اور پریشانیاں ہیں تو ساتھ میں انعامات بھی تو ہیں مشہور قول ہے: اَلْعَطَايَا عَلٰى مَتْنِ الْبَلَايَا انعامات مصائب اور تکلیفوں کے پشتوں پر ہیں۔

فائدہ 2: اکثر اُوقات میں اس راستے کے راہی تنہا رہتے ہیں تو تسلی دی گئی کہ اور اس راستے کے ساتھی ہیں جو کہ مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ ہیں۔ فائدہ 3: اس میں صراط مستقیم کی علامت ہے تا کہ اس کا ڈھونڈنا آسان ہو جائے۔ فائدہ 4: ان شاء اللہ ہم آگے ذکر کرینگے کہ منعم علیھم اس سے مراد انبیا اور صحابہ کرام ہیں تو معلوم ہے کہ صراط مستقیم پانے کیلئے أنبیا کرام اور صحابہ کرام کی پیروی لازمی ہے کیونکہ صراط مستقیم انکی اطاعت پر موقوف ہے۔

أَنْعَمْتَ انعام کا مصدر ہے اور نعمت سے لیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کی ہر وہ فائدہ جو غیر کو پہنچتا ہے۔ بطور احسان مقصد مُنْعِمْ کا اس میں ذات کیلئے کوئی فائدہ لینا نہ ہو۔ اسلئے حقیقت میں مُنْعِمْ اللہ تعالی کی ذات ہے کیونکہ انسان کسی پر بغیر اپنے فائدہ کے احسان نہیں کرتا ہے اگر چہ آخرت کا اجر و ثواب مقصود کیوں نہ ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ بطور اضافت یا اسناد انعام کی نسبت قرآن مجید میں اللہ تعالی کی طرف 66 مرتبہ ہوئی ہے البتہ بندے کی جانب مجازاً نسبت ہوسکتی ہے جیسا کہ سورۃ أحزاب آیت 37 میں ہے یہ بات جان لو کہ اللہ تعالی کی نعمتوں کے جزئیات کو علم میں لانا کسی بندے کے بس اور قدرت میں نہیں ہے کیونکہ مالک نے خود فرمایا ہے: وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اگر تم انعامات الہی کو گننا چاہو تو نہیں گن سکو گے۔ سورۃ ابراہیم آیت 34۔ سورۃ نحل آیت 18۔ البتہ انعامات الٰہیہ دو جنسوں میں منحصر ہے یعنی دنیاوی اور اُخروی انعامات، اخروی جنت میں تو بے شمار انعامات ہیں جو کہ ابدی ہمیشہ کیلئے ہے ،دنیاوی انعامات دو قسم کے ہیں ایک موھبی ہیں اور دوسرے کسبی۔ موھبی: وہ ہیں جن کے حصول میں بندے کی کاوش اور عمل کا کوئی دخل نہ ہو۔ پھر یہ بھی دو قسم پر ہیں۔ روحانی جیسا کہ روح بدن میں ڈالنا، عقل سے بندے کو نوازنا۔ دوسرا جسمانی جیسا کہ بدن کا پیدا کرنا اور اس میں مختلف جوڑ کا پیدا کرنا وغیرہ۔ کسبی: وہ ہیں جن میں انسان کی کاوشوں کا عمل دخل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور وہ بھی دو قسم پر ہیں: جسمانی جیسا کہ جسم کو مختلف صیغوں اور رنگوں سے مزین کرنا۔ روحانی اور روح کو عادات رذیلہ سے پاک کرنا اور دینی علوم سے منور کرنا وغیرہ معلوم ہوا کہ آیت میں تمام نعمتیں مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ دنیاوی نعمتیں کبھی جسمانی اور موھبی روحانی یہ تو کافروں کو بھی حاصل ہیں جب کہ وہ صراط مستقیم پر نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ مراد اخروی خاص انعامات اور دنیاوی روحانی کسبی مراد ہیں اور اس کو خاص انعامات کہا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیتوں میں دنیا کی خاص نعمتوں کے بارے میں تفصیلی ذکر آیا ہے:

دیکھیے 1: کتاب اللہ اور حکمت، سورۃ البقرہ آیت 231۔2: دلوں میں الفت ڈالنا سورۃ آل عمران 103۔3: اللہ اور رسول کی اطاعت سورۃ النساء آیت 69۔4: دین کے دشمنوں سے حفاظت سورۃ المائدہ آیت 11۔5: دشمنوں سے نجات دینا سورۃ ابراھیم آیت 6۔6: بندوں کی غیبی مدد کرنا سورۃ أحزاب آیت 9۔7: دنیاوی عذاب سے نجات سورۃ قمر آیت 35۔ان آیتوں میں غور فکر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ انعامات أنبیاء اور انکے اصحاب اور پیروکاروں پر کیے گئے تھے اور وہ لوگ جو نعمت خاصہ سے نوازے گئے وہ قرآن میں پانچ قسم کے لوگ ہیں۔1: تمام أنبیا کرام۔سورۃ مریم آیت 58۔ بعض خاص أنبیاء جیسا کہ سلیمان علیہ السلام وغیرہ۔سورۃ نمل آیت 19۔موسیٰ علیہ السلام سورۃ قصص آیت 17۔ یونس علیہ السلام سورۃ قلم آیت 39۔عیسیٰ علیہ السلام سورۃ زخرف آیت 59۔اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ قلم آیت 2۔3: عام صحابہ کرام سورۃ آل عمران آیت 103۔4: خاص صحابی۔سورۃ أحزاب آیت 32۔5: شہداء کرام فی سبیل اللہ سورۃ آل عمران آیت 171۔اور سورۃ نساء آیت 69۔ میں ان سب کو چار قسموں میں جمع کیا ہے۔اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ: الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد أنبیاء کرام اور صحابہ کرام ہیں اور یہ صریح دلیل ہے کہ صراط مستقیم صرف أنبیاء کرام اور صحابہ کرام کا راستہ ہے اور اس کی طرف صحیح حدیث میں اشارہ ہے مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (رواہ الترمذی حدیث 2650 وقال غریب اخرجہ الالبانی فی الصحیحہ رقم الحدیث 204, 1348، وفی ھدایۃ الرواۃ رقم الحدیث 169) یعنی جو عقیدہ یا عمل یا بات نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے منقول نہ ہو تو وہ صراط مستقیم نہیں ہوگا بلکہ بدعت یا شرک یا کفر ہوگا اللہ تعالیٰ اس قسم کے عقائد و اعمال سے ہماری حفاظت فرمائے۔

فائدہ 1: اَلْمُنْعَمِ عَلَيْهِمْ نہیں فرمایا بلکہ اَلَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صریح نسبت ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فاعل کی عظمت سے مفعول کی عظمت معلوم ہو جائے یعنی یہ انعامات و احسانات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت ہی عظمت والے ہیں۔ دوسرا فائدہ 2: یہ ہے کہ پہلے سے بات معلوم ہوئی ہے کہ انعامات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور یہ سورۃ نحل آیت 53 میں ذکر ہے اس لئے یہاں پر اسناد حقیقی ذکر کی گئی ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اگر اسکو الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے بدل مانا جائے تو امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بدائع التفسیر میں تین طریقوں سے تفصیلی رد ذکر کیا ہے ج 1: ص 240: لہذا بہتر یہ ہے کہ یہ الَّذِينَ سے صفت موضحہ یا صفت مادحہ ہے یعنی وضاحت اور مدحہ سرائی کیلئے لایا گیا ہے۔ اور اس میں وہم ختم کرنا مقصود ہے۔ مراد یہ ہے کہ کافر فاسق الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں داخل نہ ہو جائے اور صفت مخصصہ نہیں ہے کیونکہ یہ پہلے سے ثابت ہو چکا ہے کہ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد خاص لوگ ہیں۔

سوال: لفظ غیر مصداق کے اعتبار سے بہت ہی مبہم ہے یہ نکرہ ہے اضافت کی وجہ سے معرفہ بھی نہیں ہو سکتا۔ الَّذِينَ اسم موصول معرفہ ہے معرفہ کیلئے نکرہ صفت واقع نہیں ہو سکتی؟

جواب 1: الَّذِينَ اسم موصول ہے اور اسماء موصولات میں ابہام ہوتا ہے اور اس میں نکرہ کا اثر (بو) پایا جاتا ہے اس وجہ سے غیر کے ساتھ صفت واقع ہو سکتا ہے، یہ صاحب کشاف کا قول ہے مگر ضعیف ہے کلمہ غیر اضافت کے ساتھ معرفہ ہو سکتا ہے اس وقت جب دو متضاد چیزوں کے درمیان واقع ہو جائے اور یہاں پر یہی معاملہ ہے کہ مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کی ضد میں مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور ضَالِّينَ واقع ہے۔ سوال: غیر کی جگہ اگر "لا" ذکر ہوتا تو کیا حرج ہوتا جیسا کہ کہا جاتا ہے جَاءَنِي عَالِمٌ لَا جَاهِلٌ. جواب: حرف لا لانے سے صرف نفی کا فائدہ ہوگا۔ لفظ غیر مغایرت پر دلالت کرتا ہے یعنی منعم سے غضب کی بھی نفی ہے اور انکے مابین اور مغضوب علیہم کے مابین بہت بڑا مغایرت اور فرق ہے اور منعم علیہم پہ واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو غضب اور ضلال کے اسباب سے بچائے اور مغضوب علیہم اور ضالین لوگوں سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ یہ فوائد حرف لا لانے سے حاصل نہیں ہوتے تھے۔

تنبیہ: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے ذکر کرنے میں بہت فائدے ہیں۔

فائدہ 1: أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں صراط مستقیم والوں کو دنیوی اور اخروی بشارت ہے اور اس لفظ میں تخویف اور تھدید ہے۔ غضب اور ضلال کے اسباب غضب اور ضلال کے اسباب سے پہلا حقت ثبوتی ہے اور یہ حقت سلبی ہے۔ فائدہ 2: ان دونوں کے مجموعہ سے تکمیل حاصل ہوتی ہے۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ اول مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ میں اہل حق کی صفات بیان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گئیں تو اب ان سے بری صفات اور عادات شنیعہ کی نفی و تردید ہورہی ہے تاکہ انکی صفات کا ملہ کی مکمل وضاحت ہو سکیں۔

مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ۔ سوال: مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کو اَلَّذِيْنَ طریقے کے ساتھ ذکر فرمایا توان کو اَلَّذِيْنَ غَضِبَ عَلَيْهِمْ کے ساتھ ذکر کیوں نہیں فرمایا؟ جواب 1: قرآن مجید کا یہ طرز ہے کہ احسان اور رحمت کی نسبت فاعلیت کے طور پر اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور عذاب اور مصیبتوں کے افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتی ہے بلکہ مجہولیت کے طریقے پر ذکر ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ الجن آیت 10 اور دیگر بہت آیتوں میں وارد ہے۔ جواب 2: مجہول صیغہ لانے میں عموم غضب کی طرف اشارہ ہے کہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا فرشتوں کی طرف سے ہو یا مومنوں کی طرف سے ہو بلکہ قیامت والے دن غضب اور لعنت تابعداروں کی طرف سے باعمل متبوعین پر بھی ہوگا اور انعام معنیٰ حقیقی کے ساتھ مختص ہے اللہ تعالیٰ کی ساتھ کی وجہ سے جیسا کہ تفصیلاً گزر گیا ہے۔ جواب 3: نعمت پر شکر واجب ہے اور شکر نعمت میں اول واجب یہ ہے کہ نعمت کی نسبت منعم کی طرف کی جائے جبکہ عقوبت اور غضب میں تو معاملہ برعکس ہے تو اس کو عام صیغہ کے ساتھ ذکر کیا۔ جواب 4: مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ تو نیک لوگ ہیں انکا حال احوال بیان کرنا ان سے محبت کی دلیل ہے جبکہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ تو برے لوگ ہیں اسلئے انکی تفصیل وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ نفرت کے مستحق ہیں۔ اَلَّذِيْنَ جب صلہ سمیت ذکر ہو جائے تو الف لام سے تعیین کیلئے زیادہ مفید ہے۔ (اَلْمَغْضُوبِ) یہ صیغہ اسم مفعول ہے اور غضب سے لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں ناراضگی، سزا، لعنت، عقوبت وغیرہ کے معنٰی میں مستعمل ہیں اور یہ عظمت اور صفت جلالی ہے۔ اور انسان کی صفت میں غضب ناراضگی اور غصہ ہے جو خون کے جوش مارنے سے پیدا ہوتا ہے جسکا علاج حدیث میں پانی پینے زمین پر لیٹنے تعوذ پڑھنے سے آیا ہے امام ابوحیان نے البحر المحیط ص:50 میں فرمایا ہے کہ غضب طبیعت کا تغیر ہے ناپسند چیز کی وجہ سے اور کبھی اعراض کو بھی کہتے ہیں۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ اور انسان کیلئے حقیقی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی صفات انسانوں کے ساتھ مشابہ نہیں ہیں۔ مادہ غضب قرآن مجید میں مختلف تعبیرات کے ساتھ 24 مرتبہ مذکور ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت میں 15 مرتبہ ذکر ہے کبھی بندے کی صفت میں وارد ہے دیکھئے سورۃ اعراف آیت 150، 154۔ سورۃ طٰہٰ آیت 86۔ سورۃ انبیاء آیت 87۔ سورۃ شوریٰ آیت 37۔ اور کبھی مطلق طور پر ذکر ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت 90۔ سورۃ شوریٰ آیت 16۔ کبھی مجہول ذکر ہے جیسا کہ اس آیت میں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ۔

مرادفات یعنی مساوی الفاظ: قرآن مجید میں غضب کے علاوہ بھی اس کے ہم معنٰی الفاظ ذکر ہیں مثلاً انتقام، لعنت، عذاب،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقاب، سخط، وہاں ان کے معنوں میں معمولی فرق ہے انتقام میں نفرت کراہیت کا معنٰی ہے بدلہ لینے کیساتھ خواہ غصہ موجود ہو یا نہ ہو۔عذاب میں سزا دینے اور اچھے حالات بدلنے کا معنٰی ہے خواہ غصہ اور کراہیت ہو یا نہ ہو۔عقاب میں برے عمل کے بعد سزا دینے کا معنٰی ہے اور عذاب کی طرح عام ہے۔لعنت جب اللہ تعالیٰ کی صفت میں ہو تو خاص رحمت سے دور کرنے کا معنٰی ہے اور بندے کی طرف سے ہو تو بددعاء کے معنٰی میں ہے خواہ سزا کا دینا ہو یا نہ ہو۔سخط میں غصہ ناراضگی کا معنٰی ہے سزا ہو یا نہ ہو۔غضب میں یہ سارے معنٰی مراد ہیں اسلئے یہاں غضب کے الفاظ مذکور ہیں۔

مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی بحث امام ابن کثیر نے بحوالہ ترمذی، احمد ابن ابی حاتم سے حدیث نقل کی کہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود اور الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن غریب قرار دیا ہے (ترمذی رقم الحدیث 2953، احمد 378/4، ابن حبان رقم الحدیث 7206 طبرانی کبیر 378/17 شیخ البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے سلسلۃ الصحیحۃ رقم 3263) لیکن ابواسحاق حوینی نے ابن کثیر کی تعلیق میں لکھا ہے کہ اس روایت کا مدار عباد بن حبیش راوی ہے پر ہے جو مختلف فیہ راوی ہے ابن حبان اور ہیثمی رحمہما اللہ نے توثیق کی ہے اور ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول قرار دیا ہے اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔میں سمجھتا ہوں یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس کی تصحیح نہیں کی بلکہ اسکو صرف حسن قرار دیا شاید حسن لغیرہ مراد ہو۔ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو موقوف روایتیں نقل کی ہیں بعض ان میں منقطع اور بعض ضعیف ہیں لیکن اس قول کی تائید قرآن مجید میں ہے غضب کا ذکر یہودیوں پر سورۃ بقرہ آیت 61۔اور ضلال کا اطلاق نصاریٰ پر، سورۃ مائدہ آیت 77 میں ہے۔

دوسرا قول: امام شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں ذکر کیا ہے کہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ظاہری کفر کرنے والے ہیں اور الضَّآلِّيْنَ منافقین ہیں۔تیسرا قول: مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وہ لوگ ہیں جو اعمال میں غلطی پر ہیں اور الضالین وہ ہیں جو عقائد میں غلطی پر ہیں اس قول کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے۔چوتھا قول: یہ ہے کہ علم کے باوجود گمراہ ہونے والے مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور جہالت سے گمراہ اَلضَّآلِّيْنَ ہیں یہ بھی ابن کثیر اور رازی نے ذکر کیا ہے۔

پانچواں قول: یہ ہے کہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ میں عنادی کافر اور اَلضَّآلِّيْنَ میں جاہل کافر مراد ہیں یہ قول چوتھے قول کی طرف راجع ہے۔زید بن عمر کے واقعہ میں یہودیوں کے علماء کا اپنے متعلق غضب کا اور نصاریٰ کے علماء کا اپنے متعلق لعنت کا اقرار ثابت ہے۔(مترجم) (صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث 3827) سوال: جب حدیث مرفوع سے ثابت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں تو مفسرین نے حدیث سے تجاوز کرتے ہوئے مختلف أقوال کیوں ذکر کیے ہیں؟ جواب 1: یہ بات گزر گئی کہ حدیث کی سند پر کلام ہے اور صحیح نہیں ہے اور غضب اور ضلال کا ذکر آیتوں میں دونوں فریقوں کی تخصیص پر دلالت نہیں کرتا۔ جواب 2: حدیث میں یہود و نصاریٰ کا ذکر بطور مثال ہے تخصیص کی مصداق نہیں ہے اور اگر تخصیص بھی ہو تو ماسوا کی نفی تو نہیں کرتا لاور اس جواب کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں غضب کا ذکر اسبابوں سمیت کیا گیا ہے (جو بعد میں مذکور ہے) اور وہ اسباب یہود اور نصاریٰ کے ماسوا اور لوگوں میں پائے جاتے ہیں للہذا معلوم ہا جس میں یہ تمام اسباب یا بعض موجود ہو تو وہ مغضوب علیھم اور الضالین میں داخل ہیں۔

غضب کے اسباب: 1: اللہ تعالیٰ کی نعمت بدلنا۔ 2: آیتوں کا انکار کرنا۔ 3: نبیوں کو قتل کرنا۔ 4: اللہ تعالیٰ کی کلی نافرمانی کرنا۔ 5: حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا سورۃ بقرہ آیت 61۔ 6: قرآن پاک سے ضد و عناد کی وجہ سے انکار کرنا سورۃ بقرہ آیت 90۔ 7: مومن کو قصداً قتل کرنا سورۃ نساء آیت 93۔ 8: دین میں طعن و تشنیع کرنا اور اس سے نفرت کرنا سورۃ مائدہ آیت 60۔ 9: میدان جنگ سے بھاگنا سورۃ أنفال آیت 16۔ 10: اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا سورۃ اعراف آیت 152۔ 11: معبودان باطلہ کی شرکیہ ناموں کی وجہ سے موحدین سے لڑنا سورۃ اعراف آیت 71۔ 12: نبی کے وعدے سے خلاف کرنا سورۃ طٰہٰ آیت 86۔ 13: اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سرکشی کرنا سورۃ طٰہٰ آیت 81۔ 14: ایمان لانے کے بعد مرتد ہونا سورۃ نحل آیت 106۔ 15: اللہ تعالیٰ کے متعلق بے جا جھگڑنا سورۃ شوریٰ آیت 16۔ 16: قیامت سے ناامیدی اور انکار کرنا سورۃ ممتحنۃ آیت 13۔ 17: اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کرنا سورۃ فتح آیت 6۔ یہ اسباب مختلف لوگوں میں موجود ہیں۔ مثلاً منافقین، مشرکین، کافرین، مرتدین، یہود، نصاریٰ، بے قصور قتل کرنے والے، شرکیہ ناموں پر جو انہوں نے ولیوں کیلئے منتخب کیا ہو موحدین سے جھگڑنا یعنی غیر اللہ کو مشکل کشا حاجت روا گنج بخش وغیرہ ناموں سے پکارنا اور بزدلی کی وجہ سے میدان جہاد یعنی جنگ سے فرار اختیار کرنا۔ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ پر معطوف ہے اور غیر کے ماتحت ہے اور لا نفی کی تاکید کیلئے ہے اگر لام کو ذکر نہ کرتے تو گمان ہوتا کہ شاید یہ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ پر معطوف ہو تو لا لانے سے یہ وہم و گمان ختم ہو گیا۔

(ضلال) عربی زبان میں دس 10 معنوں میں مستعمل ہے:

1: غائب ہونا۔ 2: خراب ہونا۔ 3: موت۔ 4: دفن کرنا۔ 5: چھپ جانا۔ 6: بھول جانا۔ 7: گم ہو جانا۔ 8: گر جانا۔ 9: جانا۔ 10: جہل۔ یہ معانی ابن منظور نے لسان العرب میں اور صاحب قاموس نے ذکر کیئے ہیں اور ضلال۔ شرعی معنی میں حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راستے سے روگردانی اختیار کرنا جان کر یا غلطی کرتے ہوئے یعنی یہ ھدایت کے مقابلے میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں ان 10 معنوں میں آیا ہے۔ ایک معنی شرعی باقی لغوی وغیرہ۔ 1: نسیان یعنی بھول جانا سورۃ البقرہ آیت 282-2: سادگی کے معنی سورۃ یوسف آیت 8-3: شدید محبت کے معنی میں سورۃ یوسف آیت 95-4: تباہی اور بربادی کے معنی میں سورۃ کہف آیت 104-5: غفلت کے معنی میں سورۃ طٰہٰ آیت 52-6: مقصد سے پھیرنا سورۃ فرقان آیت 42-7: بے خبری کے معنی میں سورۃ شعراء آیت 20-8: گمنام یا غائب ہونا کے معنی میں الم سجدہ آیت 10-9: حیران ہونا۔ تنہا ہونا کے معنی میں۔ سورۃ ضحیٰ آیت 7۔ امام قرطبی نے اس آیت کے تحت اور معنے بھی بیان کیے ہیں۔ 10: ھدایت کے مقابل ہونا اور یہ معنی وَلَا الضَّالِّيْنَ میں مراد ہے جو کہ قرآن میں کثرت سے مذکور ہے۔ الضالین کا مصداق پہلے گزر گیا کہ مراد نصاریٰ ہیں لیکن انکے ساتھ تخصیص نہیں بلکہ دیگر لوگوں میں بھی گمراہی کے اسباب پائے جاتے ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہیں۔ ضلال کے اسباب: یعنی گمراہی کے اسباب۔ اور یہ بھی اسباب غضب کی طرح سترہ (17) ہیں۔ 1: کفر کو ایمان کے بدلے لینا سورۃ بقرہ آیت 108-2: علم پر عمل نہ کرنا سورۃ نساء آیت 44-3: رسول کی اتباع سے اعراض کرنا اور قسم اور شھادت میں اس کو جھوٹ بولنا سورۃ نساء آیت 113-4: ہر قسم کا شرک کرنا سورۃ نساء آیت 16-5: لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے منع کرنا سورۃ نساء آیت 167-6: دین میں بدعات ایجاد کرتے ہوئے غلو کا ارتکاب کرنا سورۃ مائدہ آیت 77-7: کفر کا ارتکاب کرنا، سورۃ نساء آیت 136-8: خواھشات کی پیروی کرتے ہوئے کفر کرنا، انعام آیت 56-9: نبی پر اعتراضات اور طعن کرنا سورۃ اسراء آیت 48-10: اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی کرنا سورۃ احزاب آیت 36-11: بغیر دلیل شرعی کے اکثریت کی پیروی کرنا سورۃ انعام آیت 116-12: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا سورۃ حجر آیت 56-13: غیر اللہ کو مدد کیلئے پکارنا، مثلاً، یا علی مدد، یا رسول مدد وغیرہ سورۃ احقاف آیت 5-14: اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی کرنا سورۃ ممتحنہ آیت 1-15 آخرت پر دنیا کو ترجیح دینا سورۃ ابراھیم آیت 3-16: ذکر الٰہی نہ کرنے سے دل کا سخت ہو جانا سورۃ زمر آیت 22-17: قیامت کے متعلق جھگڑنا اور شک کرنا سورۃ شوریٰ آیت 18۔

مذکورہ آیتوں میں گمراہی کے اسباب ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ اَلضَّآلُّوْنَ دس قسم کے گروہ ہیں (۱) مرتدین (۲) مشرکین (۳) کفار (۴) اللہ اور رسول کے نافرمان (۵) تاروں کی عبادت کرنے والے (۶) رب کے دشمنوں سے دوستی کرنے والے یہود (۷) نصاریٰ (۸) رحمت الٰہی سے ناامیدی کرنے والے (۹) دنیا پرست لوگ (۱۰) خواھشات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے پیروکار وغیرہ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اَلضَّالِّيْنَ نام نصاریٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

فوائد: فائدہ 1: جب لفظ غَيْرِ الَّذِيْنَ سے صفت یا بدل ہے جو صِرَاطَ کیلئے مضاف الیہ ہے تو گویا مقدر (چھپا ہوا) عبارت اس طرح ہوگی صِرَاطَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ جیسا کہ امام فرا نے معانی القرآن میں اور دیگر مفسرین نے بھی لکھا ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو لکھا ہے کہ یہ قائم مقام ہے مضاف الیہ مضاف کی جگہ کہ تقدیری (چھپی ہوئی) عبارت اس طرح ہے غَيْرَ صِرَاطِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تو یہ تکلف ہے کیونکہ جب غَيْرِ الَّذِيْنَ کا صفت یا بدل تھا تو وہ معنٰی بھی باطل ہوتا ہے اور اس فائدے کو بھی نقصان پہنچتا ہے جو میں نے بعد میں دوسرے فائدے میں ذکر کرنا ہے ۔ترکیب کے اعتبار سے معنٰی اس طرح ہوگا کہ جو منعم علیہم ہیں وہ مغضوب علیہم نہیں ہیں اور دوسری ترکیب سے معنٰی یہ ہوگا۔ راستہ مغضوب علیہم کا۔ فائدہ 2: لفظ غیر صفت میں اشارہ ہے کہ مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ (انبیاء اور صحابہ کرام ہیں) انبیاء تو معصوم ہیں اور صحابہ کرام بھی گناہوں سے بچتے تھے اور اگر کوئی گناہ سرزد ہوجاتا تو معافی مانگتے ہوئے توبہ کر لیتے تھے اور گناہوں پر اصرار بھی نہیں کرتے تھے یہ لوگ اہل غضب وضلال سے بالکل الگ تھلگ تھے اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو انبیاء کرام کو معصوم نہیں مانتے اور صحابہ کرام پر سب وشتم کرتے ہیں یعنی برا بھلا کہتے ہیں۔

فائدہ 3: چند وجوہات کی بناء پر مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کو اَلضَّالِّيْنَ سے پہلے ذکر کیا ہے۔

سبب اول: یہ ہے کہ مغضوب کے اول مصداق یہود ہیں تو انکا زمانہ نصاریٰ سے اول (مقدم) ہے جو اَلضَّالِّيْنَ کا پہلا مصداق ہے۔ دوسرا سبب: یہ ہے کہ یہود کی آبادی مدینہ کے قریب تھی نصریٰ کے برعکس۔ تیسرا سبب: یہ ہے کہ غضب کا مقابلہ نعمت کے مقابل واضح ہے اور ضلال کے مقابل ہدایت ہے اور مقابل جب معناً اور لفظاً ذکر ہو تو کلام میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ فائدہ 4: مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کو اسم مفعول اور اَلضَّالِّيْنَ کو صیغہ اسم فاعل کے ساتھ ذکر کیا۔

سبب: یہ ہے کہ اسباب غضب اگرچہ انسان کے عمل میں داخل ہیں لیکن غضب کا اتارنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے تو مفعول کا صیغہ لانے میں انکی بے بسی کی طرف اشارہ ہے اور اہل ضلال نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی ہے اور عملاً ضلال کو اختیار کیا ہے۔ اور اگر اَلْمُضِلِّيْنَ اسم مفعول کا صیغہ فرماتے تو وہم پیدا ہوتا کہ لوگ ضلال میں معذور اور مجبور ہونگے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جبریہ فرقہ پر اس میں رد ہے جو کہ فعل کی نسبت بندے کی طرف حقیقتاً بالکل نہیں مانتے ہیں بلکہ اسکو مجاز کہتے ہیں ان کا ذکر اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں بطور رد گزر گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ 5: وَلَا الضَّآلِّيْنَ کو لا کے ساتھ ذکر کیا اور غیر کے ساتھ نہیں کیا لا کے فوائد تو گزر گئے غیر کو ذکر نہ کرنے کی وجوہات ہیں۔ سبب 1: یہ ہے کہ لفظ لا کے حروف غیر کے مقابلے میں کم ہے تو فائدہ دینے کے ساتھ کلام مختصر بھی ہوا۔ سبب 2: یہ ہے کہ اس لفظ کے تکرار سے کلام کو بچانا ہے کیونکہ دوبار غیر کا پڑھنا فاصلے کے بغیر یہ زبان پر ثقل پیدا کرتا ہے۔ سبب 3: یہاں دو مقاصد تھے اول 1: یہ کہ مغایرت دونوں الگ الگ گروہ ہیں تو ایک بار غیر کے لفظ سے یہ فائدہ حاصل ہوا۔ دوم 2: نفی مقصود ہے جس کے لیے لفظ غیر کے مقابل لا زیادہ صریح اور مفید ہے۔

فائدہ 6: سورۃ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنا مستحب ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر لیکن نماز میں تو آمین کہنا سنت موکدہ ہے لیکن دلیل یہ ہے کہ آمین کہنے میں بعض احادیث عام ہیں نماز کی تخصیص اس میں نہیں ہے۔ اور بعض نماز کے ساتھ خاص ہیں۔ پھر یہ حکم نماز میں امام مقتدی منفرد سب کیلئے ہے جب مقتدی فاتحہ پڑھ لے اور امام کی آمین سن لے تو بلند آواز سے آمین کہے گا یہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ امام کے آمین کے قائل نہیں ہیں انہوں نے ابو ہریرہ کی روایت سے دلیل لی ہے جو انہوں نے موطا میں ذکر کی ہے اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیث جو امام مسلم نے نقل کی ہے اس میں امام کی آمین ذکر نہیں ہے لیکن متفق علیہ روایت جسکو امام بخاری و امام مسلم نے روایت کیا ہے اس میں امام کا آمین پڑھنا ذکر ہے تو یہ ثقہ راوی کی زیادتی ہے اور اسی طرح یہ حدیث تفصیلی ہے اور سابقہ روایت اجمالی ہے۔

آمین میں سری اور جہری کا مسئلہ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دونوں عمل درست اور جائز ہیں اور اس پر گناہ یا بدعت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ جلد: 1 ص: 159 میں ذکر کیا ہے۔ البتہ جب کوئی گروہ افضلیت کو وجوب تک پہنچاتے ہیں اور جانب مخالف کو برا بھلا کہے اور انکا مذاق اڑائیں تو پھر یہ بدعت مبنی ہے۔ ہمارے ان علاقوں میں مذہبی تعصب اس انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ جہری آمین پڑھنے والوں کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرتے ہوئے سنت نبوی کا مذاق اڑاتے ہیں اور حیوانوں کی آواز کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اس وجہ سے متعصب لوگوں کے شبہات دور کرنے کیلئے کچھ تفصیل لکھتا ہوں ورنہ تفسیر سے اس کا خاص تعلق نہیں ہے۔

آمین بالجہر احادیث کی روشنی میں:

دلیل اول: حدیث ہے جو امام بخاری نے جہر کی دلیل میں ذکر کی ہے إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا (رقم الحدیث 782-796، صحیح مسلم 409-410) دوسری حدیث: إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَقُوْلُوْا آمِیْنَ۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پہلی حدیث میں جہری آمین پر دلیل یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی امین نہ سنے تو مقتدی کیسے آمین کہے گا اور حال یہ ہے کہ مقتدی کی آمین کو امام کی آمین سے معلق کیا ہے اگر امام آمین جہراً نہیں پکاریگا تو مقتدی کو اقتداء کرنے کا کیسے پتہ چلیگا۔ امام ابن قیم نے اعلام الموقعین جلد: 2 ص: 377 میں لکھا ہے کہ امام کا آمین جہراً کرنہ ہو تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ مقتدی کے اس کے ساتھ آمین کہنے میں موافقت کرے۔ دوسری حدیث کے متعلق ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے حدیث میں آمین کے قول پر امر ہے اور قول کے ساتھ جب مطلقاً خطاب واقع ہو جائے تو وہ جہر پر محمول ہوتا ہے اور مقتدی کے قول کو امام کے قول کے ساتھ متعلق کیا ہے اور امام کا قول آمین جہری ہے تو صفت میں موافقت کیلئے مقتدی کا قول بھی جہری ہوگا اور دیگر وجوہات بھی ہیں انہوں نے ذکر کئے ہیں فتح الباری جلد: 2 ص: 311۔ دوسری دلیل حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہے جو امام ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی، دارقطنی، احمد، ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے جس میں مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ اور دوسری حدیث میں رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ آیا ہے۔ امام ترمذی نے حسن اور امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اسکو صحیح قرار دیا ہے۔ اور مَدَّ، رَفَعَ، جَهَرَ کے معنی میں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں وارد ہے۔ شیخ عبدالحق دھلوی حنفی نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے۔ اور بھی دلائل جہری آمین کیلئے امام ترمذی نے ابوھریرہ، علی، رضی اللہ عنھما سے اشارۃً ذکر کیا ہے جنہیں بیہقی، دارقطنی، حاکم نے روایت کیا ہے بیہقی نے حسن صحیح قرار دیا ہے حافظ زیلعی نے اس پر سکوت کیا ہے اور بھی جہری آمین کیلئے روایتیں نقل کی ہیں اگر چہ سند کے اعتبار سے اس میں کلام ہے۔

سرّی آمین پکارنے کی حدیث اور انکی تحقیق: پہلی دلیل امام شعبہ کی روایت ہے جس کو امام احمد، ابوداؤد طیالسی، ابو یعلی نے روایت کیا ہے جس میں أَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ آیا ہے، ترمذی، اور حاکم نے خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن یہ استدلال چند وجوہات کی بناء پر ضعیف ہے۔ سبب اول: یہ ہے کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ میں نے امام بخاری سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سفیان کی حدیث اس مقام پر شعبہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے اور شعبہ سے اس حدیث میں کئی جگہ خطاء ہو چکی ہے۔ سبب ثانی: امام ترمذی نے ابوزرعہ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواباً کہا کہ حدیث سفیان زیادہ صحیح ہے (رقم الحدیث 248)۔ سبب ثالث: امام ترمذی نے یحیٰ بن سعید سے باب تعلیم القرآن میں نقل کی ہے کہ جس جگہ سفیان شعبہ سے مخالفت کریں میں وہاں سفیان کے قول کو اختیار کروں گا۔ سبب رابع: امام ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صالح الجزرہ، ابو حاتم، ابوزرعہ، اور ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے سفیان کو شعبہ سے أحفظ قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سبب خامس: سفیان کی متابعت کرنے والے موجود ہیں یعنی علاء بن صالح، علی بن صالح، محمد بن سلمہ، اگرچہ آخری راوی ضعیف ہے جبکہ شعبہ کا کوئی متابع اس روایت میں نہیں۔ سبب سادس: زیلعی نے نصب الرایہ میں بیہقی سے شعبہ کی روایت مثل سفیان کے نقل کیا ہے یعنی رَافِعًا بِهَا صَوْتَهُ اور بیہقی نے المعرفہ میں فرمایا ہے کہ اس روایت کی سند صحیح ہے تو یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ شعبہ نے پہلے روایت سے رجوع کیا ہو۔ اور علامہ عینی نے ترمذی کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں ان میں سے ایک بھی اس مسئلہ کے ثبوت کیلئے مفید نہیں ہیں۔ دوسری دلیل: قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ امام چار چیزوں کو سری پڑھے گا اس میں سے ایک آمین سری ہے اور کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی کا بھی یہ قول ہے مگر مرفوع صحیح روایتوں کے مقابل موقوف، مقطوع روایتوں سے استدلال غلط ہے اور یہی بات علامہ عبدالحیٔ حنفی نے سعایہ میں ذکر کی ہے کہ مرفوع نخعی وغیرہ روایتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تیسری دلیل: امام طحاوی نے عمر اور علی رضی اللہ عنہما کے آثار روایت کئے ہیں کہ یہ آمین کے ساتھ جہر نہیں کیا کرتے تھے لیکن وہ ضعیف ہیں کیونکہ اس کی سند میں سعید بن مرزبان البقال راوی ہے جسکو امام ذھبی نے میزان الاعتدال میں متروک اور منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ ان دلائل کے تقابل سے معلوم ہوا کہ جہری آمین پکارنا اَولیٰ سنت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علامہ عبدالحیٔ حنفی نے السعایہ میں آمین بالجہر کو زیادہ صحیح اور حدیث کے مطابق قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ خفض یعنی سری کی روایت ضعیف ہے جہر والی روایتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اگر صحیح بھی مان لیں تو مراد خفض سے ہلکی آواز ہوگا نہ کہ چیخ جیسا کہ اس کی طرف امام ابن ہمام نے بھی اشارہ کیا ہے، اور اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ احادیث جہر کو تعلیم یا بعض اَوقات پر محمول کیا جائے اور یہ کہنا کہ اول دور میں آمین بالجہر ہوئی ہے یہ تو بلکل ضعیف بات ہے (یہ جوابات اَحناف علماء نے کہے ہیں) اور یاد رکھو ابراہیم نخعی کا قول اور اس جیسے دیگر اقوال مرفوع حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ السعایہ جلد: 2 ص: 176۔

الحمد للہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر مکمل ہوگئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیاتھا ۲۸۶ ۲ سورۃ البقرۃ مدنیۃ ۸۷ رکوعاتھا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ رحمان ورحیم ہے۔"

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

"اللہ تعالیٰ اس کی مراد کو خوب جانتا ہے۔"[1] "یہ کامل کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے پرہیزگاروں کو پوری ہدایت (فائدہ) دینے والی ہے۔"[2] "یہ وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں پر یقین رکھتے ہیں جو ان سے پوشیدہ ہیں اور پابندی کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں اور بعض اس مال میں سے جو ہم نے دیا ہے خرچ کرتے ہیں"[3]۔

اس سورت کے نام: 1: فسطاط القرآن۔ فسطاط بڑے خیمے کو کہا جاتا ہے جس میں بہت زیادہ لوگ جمع ہوسکیں۔ یہ سورۃ چونکہ بڑے عظیم مضامین پر مشتمل ہے مثلاً عقائد، اعمال، معاملات، احکام، سیاسیات، جہاد، امثال، بنی اسرائیل کی تاریخ، اور آداب وغیرہ (اس لئے اسکا یہ نام پڑا)۔ 2: سنام القرآن۔ سنام کسی بھی چیز کی بلندی کو کہا جاتا ہے جیسا کہ اونٹ کی کوہان کو سنام کہا گیا ہے تو اسی طرح یہ سورت مضامین کے اعتبار سے دوسری سورتوں سے اعلیٰ ہے۔ 3: زُھْرَاء۔ یہ سورت اور سورت آل عمران اپنے پڑھنے والوں کے سروں پر قیامت کے دن چمک رہی ہوں گی۔ 4: سورۃ بقرۃ۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مشتمل ہے گائے ذبح کرنے کے قصہ پر جو یہودیوں کے شرک کی جڑ ہے اور اس میں عِجْل یہود کے قبائح (برائیوں) میں عِجْل بچھڑے کی عبادت کا ذکر ہے بچھڑا بھی گائے کی جنس سے ہے تو معنی یہ ہوا کہ یہ سورت گائے کی عبادت کرنے والوں کو خالص توحید کی طرف دعوت دینے والی ہے۔

ربط: سورۃ فاتحہ کے ساتھ مناسبت اور تعلق کئی وجوہ سے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں جن مضامین کا اجمالی ذکر ہے بقرۃ میں ان کی تفصیلات ہیں اور تفصیل کا طریقہ یہ ہے:

(1) سورۃ فاتحہ میں الحمد للہ کا ذکر تھا ہے تو اس سورت میں اسماء حسنیٰ اور صفات خالقیت اور ربوبیت کا ذکر ہے۔ (2) سورۃ فاتحہ میں رب العالمین کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت مندرجہ ذیل آیتوں میں مذکور ہے: 164,30,29,28

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

21، 22۔ (3) سورۃ فاتحہ میں الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ذکر کیا گیا تو اس سورت میں عام لوگوں (النَّاسُ) پر نعمتوں اور رحمتوں کا ذکر اور خاص کر اہل کتاب یعنی بنی اسرائیل پر انعامات کا ذکر ہے۔ (4) سورۃ فاتحہ میں (مالک) کا ذکر ہوا تو اس سورت میں آیت الکرسی 255 آیت میں اس ملک کی تفصیل ذکر ہے۔ (5) فاتحہ میں یوم الدین کا تذکرہ ہوا تو اس سورت میں بطور سزا تخویف اخروی اور بشارت اخروی کا ذکر ہے۔ (6) فاتحہ میں إِيَّاكَ نَعْبُدُ ذکر تھا تو اس سورت میں دلائل کے ساتھ اس دعوے کا اثبات ہے آیت 21 میں اور آیت 133 میں یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے ساتھ۔ (7) اس سورت میں إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ذکر ہوا تو یہاں انسانوں کی احتیاج پیدائش اور تربیت وغیرہ مختلف تعبیرات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف مذکور ہے (8) سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کی ہدایت کی طلب تھی تو اس سورت کی ابتداء میں اس کی اجابت ذکر ہوئی اور فرمایا کہ یہ قرآن ہدایت ہے اور کتاب اللہ کی طرف ترغیب اور اس کی سچائی ذکر ہوئی ۔ (9) سورۃ فاتحہ میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا تو بقرہ کے شروع میں انکی صفتوں اور احوال کی تفصیل ہے۔ (10) سورۃ فاتحہ نے اَلَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کو ذکر کیا تو اس سورت نے اسکا مصداق ذکر کیا کہ وہ متقین ہیں انبیاء ہیں اور طالوت اور انکے مجاہد ساتھی ہیں (11) فاتحہ میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا ذکر تھا تو یہاں پر اس کے مصداق اور غضب ولعنت کے بعض اسباب ذکر ہیں۔ (12) وہاں اَلضَّالِّيْنَ کا ذکر تھا تو یہاں بعض اسباب ضلال ذکر ہیں۔

سورۃ بقرۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: دس طریقوں سے ربوبیت اور الوہیت کی توحید کا اثبات ہے۔

پہلا طریقہ: چار تعبیرات کے ساتھ توحید کا تذکرہ: آیت 21 میں توحید عبودیت اور توحید ربوبیت، آیت 163 میں توحید فی التحلیل والتحریم، آیت 255 میں توحید اسماء وصفات اور رد شفاعت قہریہ شرکیہ، آیت 284 میں توحید علم اور اختیارات کل مع عقیدۂ حساب وقیامت۔ دوسرا طریقہ: دلائل عقلیہ سے توحید کا اثبات ہے دلائل عقلیہ منقسم ہے (ا) اعیان محسوسہ پر استدلال جو تربیت کے مواد ہیں آیت 21-22 میں وہ پانچ دلائل ہیں۔ ثانیا: چیزوں کی کیفیات پر استدلال جو کہ دس کیفیات ہیں آیت 164 میں۔ ثالثا: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر استدلال کرنا جو کہ دس ہیں آیت 255 میں۔ تیسرا طریقہ: ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام سے نقلی ادلہ کے ساتھ توحید کا اثبات ہے، چوتھا طریقہ: شرک کی تمام اقسام کا رد کرنے کے ساتھ توحید کا اثبات ہے، رد شرک فی العلم چھ آیتوں میں اور رد شرک فی التصرف چھ آیتوں میں اور رد شرک فی العبادۃ تین آیتوں میں اور رد شرک فی الدعاء ایک آیت میں۔ رد شرک فی التحلیل والتحریم دو آیتوں میں اور رد عقیدہ شفاعت قہریہ ایک آیت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اتخاذ الولد کے عقیدے کا رد ہے ایک آیت ہیں۔

پانچواں طریقہ: اثبات توحید ہے رسول ﷺ کی رسالت کی سچائی ذکر کرنے اور اس پر اعتراضات کے جوابات دینے کے ذریعے سے۔ چھٹا طریقہ: توحید کا اثبات بنی اسرائیل پر خاص انعامات ذکر کرنے کے بسبب جب وہ اہل توحید تھے۔ ساتواں طریقہ: بنی اسرائیل کی رسوائی و ذلت سے توحید ثابت کرنا جب انہوں نے توحید سے اعراض کیا تھا۔ آٹھواں طریقہ: توحید کا اثبات ہے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے سے توحید کے غلبے اور نشر و اشاعت کیلئے اور مشرکین کے تسلط سے کعبہ کو چھڑانے کیلئے ہے جو کہ توحید کا مرکز ہے۔ نواں طریقہ: توحید کا اثبات ہے انفاق فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب کے ذریعے سے تاکہ توحید کی نشر و اشاعت ہو سکے۔ دسواں طریقہ: اسماء حسنیٰ ذکر کرنے کے ساتھ توحید کا اثبات ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ سے تکرار کے حذف کرنے کے ساتھ یہ اسماء حسنیٰ 26 ہیں توحید کا دعویٰ چار مرتبہ مذکور ہے جیسا کہ گزر گیا ہے۔ صدق الرسول بھی چار مرتبہ مذکور ہے آیت 97، 101، 119، 129 میں۔ اسی طرح قتال فی سبیل اللہ بھی چار مرتبہ مذکور ہے آیت 190، 193، 244، 251۔ انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا وہ بھی چار مرتبہ مذکور ہے آیت 254، 261، 267، 274۔

اجمالی خلاصہ: سورت کے مضامین کی ترتیب یہ ہے: پہلے قرآن مجید کی طرف دعوت ہے پھر اسکی تاثیر اور مخالفین کے حالات ہیں آیت 20 تک۔ دوسرے حصے میں دلائل کے ساتھ مقاصد دعوت قرآن مجید اور قبول کرنے والوں کیلئے خوشخبری مخالفین کیلئے تخویف اور بشارت ہے آیت 29 تک۔ تیسرا حصہ: قرآن مجید کے نفاذ کیلئے قیام خلافت کی ضرورت اور خلیفہ کی صفات آیت 39 تک ہیں۔ چوتھا حصہ: بنی اسرائیل کا تذکرہ جن کو پہلے خلافت دی گئی تھی اور خلافت کے قائم رہنے کے اسباب کا بیان جو کہ احکام شرعیہ کی پابندی اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہو ان سے رک جانا ہے آیت 46 تک، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت خاص 8 انعامات کے ساتھ آیت 62 تک۔ پانچواں حصہ: ان اسباب اور برائیوں کا تفصیلی ذکر جن کی وجہ سے بنی اسرائیل سے خلافت نبی آخر الزماں یعنی محمد ﷺ اور ان کی امت کو منتقل ہوئی اور دعاء ابراہیم علیہ السلام جو خلافت اور رسالت کے منتقل ہونے کا سبب بنی تھی آیت 152 تک۔ چھٹا حصہ: ایمان والوں کو آداب شرعیہ کی تعلیم اور باپ دادا کی تقلید سے احکام شرعیہ اور حرام و حلال میں منع کرنا کیونکہ یہ خلافت شرعی کے خلاف ہے آیت 176۔ ساتواں حصہ: اس میں تفصیلی بیان ہے نظام خلافت کیلئے، پہلے نفسوں کی تربیت پھر احکام سیاسی جاری کرنا تاکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو مالی اور جانی طور پر امن حاصل ہو جائے نیز خلافت کا فریضہ قتال فی سبیل اللہ کو جاری کرنا تدبیر منزل کے امور ا/ کرنے کے ساتھ تاکہ فساد اور فتنوں سے محفوظ ہوا جائے آیت 253 تک۔ آٹھواں حصہ: اس حصہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے تاکہ خلافت مستقل قائم رہے اور سود کی تجارت سے ممانعت ہے کیونکہ وہ سبب اختلاف اور فساد ہے اور سورت کا اختتام دعاء پر ہے۔

تفصیلی خلاصہ: حصوں اور ابواب کے اعتبار سے یہ خلاصہ ہر ایک باب کے شروع میں آیتوں کے مقاصد کی مزید فہم حاصل کرنے کیلئے ذکر کیا جائیگا ان شاء اللہ۔ یہ سورت تقسیم ہے چار حصوں کی طرف اور ہر حصے میں چار ابواب ہیں۔ پہلے حصے میں توحید کا اثبات ہے آیت 94 تک۔ دوسرے حصے میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اثبات اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات آیت 176 تک ہے تیسرے حصے میں قتال فی سبیل اللہ اور اس کے اہم وضروری امور ذکر ہیں آیت 253 تک۔ چوتھے حصے میں انفاق فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب اور ربوا (سود) کی ممانعت ہے سورت کے آخر تک۔ پھر اول حصہ میں چار ابواب ہیں باب اول آیت 20 تک ہے، پہلے آیت 1,2 میں تین صفات کے ساتھ عظمت قرآن کا ذکر ہے۔ دوم: قرآن مجید سے پورا فائدہ لینے والے متقین کی پانچ صفات کا ذکر اور دنیاوی اخروی بدلہ، آیت 5 تک مذکور ہے۔ سوئم: عنادی کفار اور انکے تین حالات اور دنیاوی اخروی سزا کا تذکرہ آیت 7 تک ہے۔ چہارم: منافقین کی پندرہ عادات قبیحہ (بری عادات) اور دنیاوی اخروی سزا کا تذکرہ آیت 16 تک ہے۔ حصہ پنجم: قرآن کریم کے مخالفین کی مثالیں، پہلے ان لوگوں کی مثال جو قرآن کریم سے فائدہ نہیں لیتے اور نہ قرآن سنتے ہیں اور لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو اپنے دنیاوی مفادات کیلئے بعض آیتیں سنتے ہیں اور بعضوں سے کان اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو ان کے عیوب کی اصلاح کرتے ہیں آیت 20 تک۔

تفسیر 1 (الٓمٓ): متقدمین علماء کی اصطلاح میں یہ حروف مقطعات ہیں کیونکہ وہ ہر کلمہ پر حرف کے نام کا اطلاق کرتے تھے خواہ وہ اسم ہوتا یا فعل۔ اور متاخرین علماء کی اصطلاح میں ان کو اسماء کہا جاتا ہے الف اسم ہے مسمّٰی کا جو کہ "ا" ہے اور لام اسم ہے اور ل مسمّٰی ہے اور "م" اسم ہے اور م مسمّٰی ہے تو اس اعتبار سے ان کو اسماء مقطعات کہتے ہیں۔ اور مقطعات اس لئے کہتے ہیں کہ ہر ایک اسم الگ الگ پڑھا جاتا ہے اور اس پر قراء کا اتفاق ہے اگرچہ یہ اسم مرکب کی طرح لکھے جاتے ہیں۔ یہ حروف 29 سورتوں کی ابتداء میں واقع ہیں سارے تو 78 ہیں مگر تکرار ہٹانے سے صرف 14 باقی رہ جاتے ہیں جن کا مجموعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح ہے۔ نَصِّ حَكِيمٌ قَاطِعٌ لَهُ سِرٌّ یہ حروف لکھنے میں پانچ قسموں پر مشتمل ہیں: اول قسم: مفردات ہیں جیسا کہ: ص، ق، ن۔ دوسری قسم: دوحرفوں سے مرکب جیسا کہ: طٰہٰ، طٰس، حم۔ تیسری قسم: تین حروف سے مرکب جیسا کہ: الٓمٓ، الٓرٰ، طٰسٓمٓ۔ چوتھی قسم: چار حروف سے مرکب جیسا کہ: الٓمٓصٓ، الٓمٓرٰ۔

پانچویں قسم: پانچ حروف سے مرکب جیسا کہ: کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓعٓسٓقٓ اس میں بعض اس طرح لکھنے کے قائل ہیں: حٰمٓ عٓسٓقٓ۔

مقطعات کے متعلق بعض ضروری عقائد:

عقیدہ 1: امام ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ کوئی حرف قرآن میں بے فائدہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض حروف صرف تعبدی (بطور عبادت پڑھنے) ہیں اور کوئی معنی اور فائدہ انکا نہیں تو یہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں۔ حقیقت میں ان کا معنی ہے مگر نبی ﷺ سے اگر منقول ہو تو اس پر ہم بھی بات کریں ورنہ سکوت (خاموشی) اختیار کریں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ یہ الفاظ ہمارے رب کی جانب سے ہیں۔ انتہیٰ دوسرا عقیدہ: امام سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ جو حروف جن جن سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں انکا ان سورتوں کے ساتھ ضرور تعلق ہے جو دوسری سورت کے ساتھ وہ مناسبت نہیں جیسا کہ "قٓ" سورۃ قاف کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے "نٓ" سورۃ قلم کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اسی طرح دیگر حروف چاہے اگر وہ مناسبت ہمیں معلوم ہو جیسا کہ ہم آگے بعض کا تذکرہ کریں گے یا معلوم نہ ہو۔ تیسرا عقیدہ: حروف مقطعات سے کلام شروع کرنا اور کلام میں اس کا استعمال کرنا عرب اور اہل کتاب سب کے ہاں معروف تھا بلکہ یہ فصیح اور بلیغ کلام کی علامت تھی اگر اس طرح نہ ہوتا تو ان مخالفین کا ضرور قرآن پر اعتراض ہوتا کہ اس میں یہ حروف بے فائدہ ہیں یا فصاحت و بلاغت کے خلاف ہیں کیونکہ عنادی لوگ تو ہر اعتراض کیلئے موقع تلاش کرتے ہیں لیکن انہوں نے یہ اعتراض نہیں کیا اور یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ یہ حروف مرکب صورت میں عبارت سے جدا ہو کر لغت میں کسی معنی میں استعمال نہیں ہوئے البتہ عرف میں بعض معانی کے ساتھ ان کی تخصیص کی جاسکتی ہے ان اقوال کی وجہ سے جو بعد میں ذکر کئے جائینگے کہ یہ قرآن یا سورتوں کے نام ہیں۔ یہ حروف مفردہ تو اسماء ہیں کہ اپنے مسمیات کیلئے ان کو وضع کیا گیا ہے مثلاً الف بنایا گیا ہے حرف "آ" کیلئے، لام بنایا گیا ہے حرف "ل" کیلئے، میم بنایا گیا ہے حرف "م" کیلئے پھر علماء کا حروف مرکبہ میں اختلاف ہے کہ یہ اقسام متشابہات میں سے ہیں یا نہیں امام ابن کثیر و قرطبی رحمہا اللہ نے خلفاء راشدین، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور بہت تابعین رحمۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علیہم سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کی تفسیر اور علم اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی معلوم ہے تو معلوم ہوا کہ یہ متشابہات ہیں یعنی وہ متشابہات جن کا معنی معلوم نہیں ہے اگرچہ ان کی حکمتیں اور فائدے معلوم ہو سکتے ہیں۔ پھر ان میں اور صفات الٰہیہ میں فرق یہ ہے کہ صفات تو اصل معنی کے اعتبار سے محکم ہیں لیکن کیفیت کے اعتبار سے متشابہ ہیں اور یہ حروف تو معنی کے اعتبار سے متشابہ ہے دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ ان حروف کا معنی معلوم ہے متشابہ نہیں پھر اس معنی میں اختلاف ہے۔ پھر ان میں سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ان کو سورتوں کے نام تسلیم کرتے ہیں، ابن ابی نجیح سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کے نام ہیں۔ سالم بن عبداللہ وغیرہ نے یہ اللہ تعالیٰ کے نام قرار دیئے۔ ابن ابی حاتم نے فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ سب معانی یکبار مراد ہوں کیونکہ ان معانی میں کوئی منافات اور تناقض (ٹکراؤ) نہیں ہے۔ یہ قول ان لوگوں کے نزدیک درست ہو سکتا ہے جو عموم مشترک کے جواز کے قائل ہیں اور ان حروف کو اگر جدا جدا مراد لیا جائے تو پھر ان میں بہت اقوال ہیں:

پہلا قول: ہر حرف میں اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف اشارہ ہے مثلاً: الف اشارہ ہے اللہ کی جانب اور لام میں لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ کی طرف اشارہ ہے مِیْم میں مالک یا مجید کے طرف اشارہ ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ اس سورت کے مضامین ان تین ناموں کے مظہر ہیں۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ اس میں دوسرے ناموں کی طرف اشارہ ہے یعنی الف اشارہ ہے اللہ کی طرف لام اشارہ ہے جبرئیل کی طرف م اشارہ ہے محمد ﷺ کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل کیا ہے جبرئیل امین کے واسطے سے محمد ﷺ پر۔ تیسرا قول: اس میں اشارہ ہے دیگر الفاظ کی طرف الف میں اصل اور لام میں لازم میم میں محکم یعنی مضبوط کی طرف اشارہ ہے یعنی لازم الاتباع محکم مضبوط کتاب صرف قرآن ہے یہ تبصیر الرحمٰن للمھائمی نے ذکر کیا ہے۔ چوتھا قول: الف متحرک اصل میں ھمزہ ہے اور ابتدائی مخارج میں سے ہے جو کہ حلق ہے لام درمیان مخارج میں سے ہے اور میم تو آخری مخارج میں سے ہے جو کہ ہونٹ ہے تو ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں مخلوق کی ابتداء ہمزہ میں مراد ہے اور احکام شرعیہ دنیاوی لام میں مراد ہیں اور مخلوق کا اختتام (قیامت) میم میں مراد ہے۔ پانچواں قول: تمام حروف ان تین مخارج میں داخل ہیں تو ان تین حروف کے تذکرے میں اشارہ ہے تمام حروف کی طرف جو اللہ تعالیٰ کے کلام اور ہر کلام کا مادہ ہے۔ چھٹا قول: یہ ہے کہ ہر حرف، حرف ابجد کے حساب سے ایک عدد پر دلالت کرتا ہے الف ایک پر اور لام تیس پر اور میم چالیس پر لیکن اس قول کو ابن کثیر نے ضعیف قرار دیا ہے اور جو حدیث بعض مفسرین نے اس بارے میں ذکر کی ہے وہ ضعیف ہے۔ ساتواں قول: یہ حروف قسم کیلئے ذکر کیے گئے ہیں کیونکہ ان حروف سے کلام اللہ بنا ہوا ہے اسلئے ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی عظمت بہت زیادہ ہے لیکن اس کلام میں تکلف ہے کیونکہ حرف قسم اور جواب قسم نہیں لہٰذا یہ درست نہیں ہے۔ آٹھواں قول: بعض حروف کا ذکر ہے مگر اشارہ تمام حروف کی طرف ہے قرآن کریم کے اعجاز پر تنبیہ کیلئے تاکہ مخاطبین پہلی بار سننے کے ساتھ خبردار ہوجائیں کہ یہ معجز کتاب ہے اور اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ان حروف سے بنا ہے جن سے تمام لغتوں والے اپنے کلام کو بناتے ہیں تو مادے کے اشتراک کے اعتبار سے یہ کلام دوسرے کلاموں کا ہم جنس ہوا اگر یہ بندے کا کلام ہوتا تو ہر بندہ قادر ہوتا کہ اس کے مقابلے میں ایک سورت یا ایک جملہ بنالیتا لیکن عام لوگ تو چھوڑے بلکہ عرب کے فصحاء، بلغاء، شعراء اور خطباء اس کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ انہوں نے کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو کہ محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے اس آخری قول کو اکثر مفسرین اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے۔ سوال: ان تمام حروف کو ایک ہی سورت کے شروع میں کیوں نہیں لایا گیا؟ جواب: سبب یہ ہے کہ مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ وقفے وقفے سے قرآن کا انکار اور اسکی تکذیب اور اس پر اعتراضات کرتے تھے اسلئے مختلف سورتوں میں وقفہ وقفہ سے اعجاز قرآن بار بار ذکر ہوتا کہ ان کا رد ہو سکے۔ سوال: جب یہ مقصد تھا جو ذکر ہوگیا تو پھر مختلف سورتوں میں مختلف حروف کیوں ذکر کئے ہیں؟ جواب: ہر سورت کی ابتدا میں جو حروف مذکور ہیں ان کا ان سورتوں سے تعلق ہے مثلاً سورۃ ص کے ساتھ حرف "ص" مناسب ہے جو کہ خصومات (جھگڑوں) کی طرف اشارہ ہے اور سورہ ص میں بہت جھگڑے اور دشمنیاں ذکر ہیں اسی طرح سورۃ ق کے شروع میں حرف "ق" آیا ہے کیونکہ اس سورت میں ایسے بہت الفاظ ہیں جو قاف پر مشتمل ہیں اور جن سورتوں کے شروع میں الف لام میم ہے ان سورتوں میں ان حروف کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ سوال: تمام حروف 29 یا 28 ہیں (الف و ہمزہ الگ شمار ہونے یا ایک شمار کرنے کی صورت میں) تو صرف 14 حروف کو کیوں ذکر کیا تمام کو کیوں ذکر نہیں کیا یا ان کے بدلے میں باقی چودہ کو کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟ جواب: اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی حکمتیں خوب جانتا ہے ہماری ناقص عقلیں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتیں لیکن بعض امور کا علم اللہ تعالیٰ نے بعض علماء کو دیا ہے۔ اس (علم) میں سے بعض یہ ہے کہ ان 14 حروف میں حرفوں کے مخارج وصفات کی طرف اشارہ ہے مثلاً ہر قسم میں آدھا آدھا ذکر ہے یعنی مَهْمُوسَة، مَجْهُورَة، شَدِيدَة، رِخْوَة، مُطْبِقَة، مُنْفَتِحَة، لَيِّنَتَيْن، مُنْخَفِضَة اور حروف بدل ہر ایک میں سے آدھا آدھا ذکر ہے، اور قَلْقَلَة و مُسْتَعْلِيَة میں سے آدھا ذکر کیا ہے جو مقابل کے آدھا ہوا اور حروف ذَلْقِيَة و حَلْقِيَة میں سے دو ثلث ذکر ہے اور حروف زوائد جو دس ہیں ان میں سے سات ذکر ہیں، اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو بھی قسم ذکر نہیں کی ہے وہ مذکور کے مقابلے میں کم استعمال ہوتی ہے اور اسی طرح مقطعات کی پانچ قسمیں ذکر کی ہیں تین تو مفردات ہیں: صٓ، قٓ، نٓ تین سورتوں میں مستعمل ہیں چار ثنائیات ہیں: طٰسٓ، حٰمٓ، یٰسٓ، طٰہٰ، 9 سورتوں میں ہیں۔ اور تین ثلاثیات: الٓمٓ، الٓرٰ، طٰسٓمٓ، 13 سورتوں میں آئے ہیں اور دو رباعیات: الٓمٓصٓ، الٓمٓرٰ، دو سورتوں میں ہیں اور دو خماسیات: کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، دو سورتوں میں آئے ہیں۔ ان سب میں علم عربی (کلمات کی ترکیب) کی قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ بہتر قول یہ ہے کہ ان حروف کے حقیقی معانی اور حکمتیں تو اللہ ہی کو معلوم ہیں لیکن بعض حکمتیں جو قرآن کریم کے اعجاز کے دلائل ہیں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو ان کا علم دیا ہے اور اس توجیہہ میں اول اور آخری قول دونوں جمع ہیں۔

تفسیر آیت 2: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: اس آیت میں تین صفتوں کو ذکر کرتے ہوئے کتاب اللہ کی طرف ترغیب ہے اور یہ تینوں صفات تمام صفتوں کا مرجع (مجموعہ) ہے: (اس کتاب کا کمال، بلاشبہ، کامل ہدایت) ہے

مندرجہ ذیل سورتوں میں قرآن کی صفات مذکور ہیں: سورۃ اعراف آیت 2۔ سورۃ یونس آیت 1۔ سورۃ ھود 1۔ یوسف 1,2 سورۃ ابراھیم آیت 1۔ سورۃ کھف آیت 1۔ سورۃ طٰہٰ آیت 2,3۔ سورۃ لقمان آیت 2,3۔ سورۃ نمل آیت 1,2۔ الٓمٓ سجدۃ آیت 2۔ سورۃ یٰسٓ آیت 2۔ سورۃ صٓ آیت 1۔ سورۃ زمر آیت 1۔ سورۃ مومن آیت 2۔ حٰمٓ سجدۃ آیت 3,2، 4۔ سورۃ زخرف آیت 2، 3، 4۔ سورۃ دخان آیت 3,2۔ سورۃ قٓ آیت 1۔ سورۃ جن آیت 1,2۔ سورۃ قدر آیت 1۔ واضح رہے کہ ان سورتوں کی ابتداء میں قرآن کی صفات مذکور ہیں۔

مندرجہ ذیل سورتوں کے درمیان میں صفات قرآن مذکور ہیں: سورۃ بقرہ آیت 252,176,99,97۔ سورۃ آل عمران آیت 138۔ سورۃ نساء آیت 174,105,82۔ سورۃ مائدہ آیت 48,16,15۔ سورۃ انعام آیت 155,153, 114,92۔ سورۃ یونس آیت 57,37۔ سورۃ یوسف آیت 111۔ سورۃ ابراھیم آیت 52۔ سورۃ حجر آیت 9۔ سورۃ نحل آیت 103,102,64۔ سورۃ اسراء آیت 106,105,88,9۔ سورۃ مریم آیت 97۔ سورۃ فرقان آیت 32۔ سورۃ شعراء آیت 192 تا 197۔ سورۃ عنکبوت آیت 51,49۔ سورۃ سباء آیت 6۔ سورۃ فاطر آیت 31۔ سورۃ یٰسٓ آیت 69۔ سورۃ زمر آیت 28,23۔ سورۃ حٰمٓ سجدہ آیت 42,41۔ سورۃ شوریٰ آیت 52۔ سورۃ جاثیہ آیت 20۔ سورۃ احقاف آیت 30,12۔ سورۃ قمر آیت 5۔ سورۃ رحمٰن آیت 2۔ سورۃ واقعہ آیت 80,79,78,77۔ سورۃ تغابن آیت 8۔ سورۃ الحاقہ آیت 40، 41، 42، 43، سورۃ عبس آیت 11 تا 16 سورۃ تکویر آیت 27۔ سورۃ بروج آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

22,21۔سورۃ یٰسٓ آیت 2,3۔ان آیتوں میں غور وفکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ساری صفات ان تین صفتوں کیطرف پلٹتی ہیں یعنی مرجع وہی تین صفات ہیں۔(ذٰلِكَ) اشارہ ہے ان آیتوں اور سورتوں کی جانب جو پہلے نازل ہوئیں اور جو بعد میں نازل ہوئیں (ما یشاء کے اعتبار سے)ذٰلِكَ میں اشارہ بعید ہے یہاں بعید دو قسم پر ہے۔اول جس کا زمانہ یا جگہ دور ہو۔دوسرا یہ کہ مرتبہ اتنا بڑا ہو جو انسانوں کے فہم سے دور ہو یہاں مراد دوسرا معنی ہے تو معنی یہ ہوا کہ وہ نازل کردہ بڑی عظیم مرتبہ والی کتاب۔اَلْكِتٰبُ یہ اسم جنس ہے جس سے مراد فرد کامل ہے یعنی یہ کامل کتاب ہے اور اَلْكِتٰبُ قرآن مجید کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے،ک،ت،ب۔جمع کرنے پر دلالت کرتا ہے قرآن کو کتاب کیوں کہا جاتا ہے اس وجہ سے کہ یہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔جیسا کہ سورۃ زخرف آیت 4۔سورۃ واقعہ آیت 78 میں مذکور ہے اور ملائکہ کے صحیفوں میں مکتوب ہے جیسا کہ سورۃ عبس آیت 13 اور نزول کے بعد پتھروں چمڑوں،پتوں،اور درختوں کی چھلکوں پر لکھی گئی تھی نبی اکرم ﷺ کے سینے میں،صحابہ وعلماء وحفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ کی گئی تھی۔سورۃ قیامہ آیت 17۔سورۃ عنکبوت آیت 49۔"کتب" کا مادہ قرآن مجید میں 12 معنوں پر مستعمل ہے یہاں بھی معروف معنی مراد ہے۔کامل کتاب اس وجہ سے ہے کہ فصاحت وبلاغت اعلیٰ درجہ اس میں موجود ہے آیتوں جملوں اور کلموں کی ترتیب اکمل انداز میں ہے اور دین کے تمام بڑے اور اہم مضامین پر مشتمل ہے۔یعنی عقائد،اعمال،بدنی،مالی،قلبی،معاملات، سیاسیات،اقتصادیات،نکاح،طلاق،احکام،عفت،حدود،قصاص،تعزیرات،وغیرہ۔(لَا رَيْبَ فِيْهِ) یہ قرآن مجید کی دوسری صفت ہے اور یہ صفت سلبیہ ہے جبکہ پہلی صفت ثبوتیہ تھی اور راجح یہ ہے کہ یہ جملہ ہے اور علت ہے پہلے جملے کیلئے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کیوں کامل کتاب ہے اسلئے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے شک کی نفی کامل ہونے کی واضح دلیل ہے یا پھر یہ جملہ نتیجہ ہے سابقہ جملے کیلئے یعنی جب یہ کامل کتاب ہے تو اس میں شک نہیں ہوسکتا۔سورۃ یونس آیت 37 سورۃ سجدۃ آیت 2 میں ہے اور ارتیاب (شک کرنا) یہ منافقین کی صفت ذکر ہے،سورۃ توبہ آیت 45۔سورۃ نور آیت 50۔سورۃ حدید آیت 14۔ہر کافر کی صفت میں بھی وارد ہے،سورۃ مؤمن آیت 34 میں ذکر ہے۔سات مرتبہ قرآن میں شک بصفت مریب ذکر ہوا ہے۔عدم ارتیاب یعنی بلا شک ہونا مؤمنین کی صفت میں آیا ہے۔سورۃ مدثر آیت 31۔حجرات آیت 15۔نفی ریب یعنی قیامت کا بلاشبہ آنا قرآن میں گیارہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔لانفی جنس ہے اور ریب نکرہ لا کے تحت ہے تو عموم سلب کا فائدہ دیتا ہے۔یعنی لفظ اور معنی میں قرآن مجید ہر قسم کے شک سے مبرا ہے۔(رَيْبَ) یہ مادہ قرآن مجید میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

35 مرتبہ مستعمل ہے اور لفظ ریب اٹھارہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ریب شک کو کہتے ہیں مگر جس میں تہمت بھی ہو اور روح المعانی میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور اکثر عام شک کیلئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی حادثے کو بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ رَيْبَ الْمَنُونِ، سورۃ طور آیت 30 اور ریب الدھر کا معنی زمانے کے حوادث۔ تو ریب میں تنگ دلی کا معنی ہے یعنی شک کے ساتھ دل تنگ ہوتا ہے جیسا کہ حوادث کے ساتھ تنگی آتی ہے اور شک کی تاکید میں ریب اسی لئے آتا ہے کہ شک عام اور ریب خاص ہے اسی وجہ سے دونوں کے استعمال میں فرق ہے۔

فرق: شک کی جگہ میں تردّد میں استعمال ہوتا ہے کہ ایک جانب پر آپ مطمئن نہ رہیں شک ختم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ: سوال کرنا جیسا کہ سورۃ یونس آیت 94۔ دوسرا طریقہ: بیان کرنا ہے جیسا کہ سورۃ یونس آیت 104 میں ہے اور رہا ریب تو ریب ختم کرنے کیلئے تحدی، مقابلہ مناظرہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے دیکھئے سورۃ بقرہ آیت 23۔

سوال 1: جب ریب خاص ہے اور شک عام ہے تو نفی خاص سے نفی عام نہیں ہوتا قرآن میں تو شک اور ریب دونوں نہیں ہیں؟ جواب: اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ریب سے مراد شک ہے مگر ذکر خاص اور مراد عام ہے یا ذکر مسبب اور مراد سبب ہے۔ سوال 2: جب مراد شک ہے تو اس طرح کیوں نہیں فرمایا: لَا شَكَّ فِيهِ؟ جواب: قرآن مجید کے مخاطب منکرین صرف شک والے نہیں تھے بلکہ ریب والے بھی تھے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت 23 میں ہے اور کلام میں مخاطب کا رعایت کرنا کامل بلاغت ہے لہٰذا اس لئے ریب کی نفی کی ہے۔ سوال 3: قرآن مجید میں ریب کرنے والے بہت ہیں تو ریب موجود ہوا تو پھر کیسے لاریب فرمایا؟ جواب 1: امام رازی نے ایک تاویل کی ہے جو بے جا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں نفی بمعنی نہی ہے یعنی ریب مت کرو۔ جواب 2: سکاکی اور صاحب تلخیص المفتاح نے بھی ایک بے مقصد تاویل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں موجود کو معدوم کے منزلے پر فرض کر لیا ہے ریب کے دلیل نہ ہونے کی وجہ سے لیکن اس تاویل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جواب 3: ابو حیان نے فرمایا ہے کہ یہ سوال بالکل ہی غلط ہے، اس لئے کہ شک کرنے والوں کا وجود تقاضہ کرتا ہے کہ نفس الامر یعنی حقیقت میں شک کرنے والوں کے ذہن میں ریب موجود ہو اور لاریب کے ساتھ حقیقت میں قرآن سے ریب کی نفی ہے اور اس وجہ سے آیت 33 میں: وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ ارشاد فرمایا اور اس طرح نہیں فرمایا کہ: وَإِن كَانَ فِيهِ رَيْبٌ یہ جواب بالکل صحیح ہے۔

فائدہ: رَيْبَ کی نفی سے عِوَجٌ (ٹیڑھے پن) کی بھی نفی ہو گئی تو یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن کا مقابلہ کوئی باطل نہیں کر سکتا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی کا بھی قول یا کتاب قرآن کے مقابلہ میں قبول نہیں ہے۔ مشرکین اور مبتدعین پر افسوس ہے جو قرآن کے مقابل اپنے شیخوں، پیروں، اور اماموں کی باتیں قبول کرتے ہیں اور قرآن کو چھوڑتے ہیں یا انمیں تاویلیں کرتے ہیں۔

سوال 4 :ریب اور شک کا تعلق تو نسبت سے ہوتا ہے جیسا کہ قیام کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے مفرد کے ساتھ تو اسکا تعلق نہیں ہوسکتا ہے جبکہ حال یہ ہے کہ فیہ میں ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے اور وہ مفرد ہے۔؟ جواب: فِيهِ ضمیر اگرچہ کتاب کی طرف راجع ہے لیکن اس سے کتاب کی ذات نہیں بلکہ کتاب کی کمال مراد ہے جیسا کہ ذٰلِكَ الْكِتَابُ میں ذکر ہو چکا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کا نازل کرنا مراد ہے سورۃ الم سجدۃ آیت 2: میں ہے اور کتاب کا کمال یا نزول نسبت ہے مفرد نہیں ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ تیسری صفت ہے اور صفات ثبوتیہ اور سلبیہ دونوں پر مشتمل ہے کیونکہ ہدایت میں حق اور صحیح مقصد تک پہنچنا اور نقصان و گمراہی سے بچنا مراد ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ یہ مستقل جملہ ہے هُوَ مبتدا مقدر ہے۔ هُدًى اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ بھی لَا رَيْبَ فِيهِ کیلئے دلیل ہے یا پہلے جملے کی طرح نتیجہ ہے۔ هُدًى مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے کیونکہ قرآن ہدایت کرتا ہے جیسا کہ سورۃ اسراء آیت 9 میں ہے۔ هُدًى قرآن کی صفت میں 19 بار آیا ہے اور تعبیر مصدر کے ساتھ مبالغہ پیدا کرنے کیلئے ہوا ہے یا پھر ذُو مقدر ہے یعنی اس طرح ہے ذُو هُدًى اور هُدًى نکرہ مصدر جو کامل ہدایت پر دلالت کرتا ہے یعنی قرآن مجید کا ہر لفظ و جملہ ہدایت کیلئے ہے وہ ہدایت جس کا انسان دنیوی اور اخروی زندگی میں محتاج ہے۔

سوال: قرآن مجید میں بعض متشابہات بھی تو ہیں پھر اس میں کس طرح ہدایت ہے؟ جواب 1: قرآن مجید میں ایسے کوئی متشابہات نہیں جس کا معنی معلوم نہ ہو جیسا کہ حروف مقطعات میں گزر چکا ہے اس کے معنی یا فائدے انمیں مذکور ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات جیسا کہ يَدٌ، وَجْهٌ، اِسْتِوٰى وغیرہ اس کے معانی معلق ہیں مگر انکی کیفیات معلوم نہیں اور مخلوق کے ساتھ اس کی مشابہت نہیں جو کہ تمام سلف صالحین کا مسلک ہے۔ تو جب اس کے معنی معلوم ہیں یا فائدے اور حکمتیں معلوم ہیں تو بھی ہدایت ہے۔ جواب 2: اگر تسلیم کیا جائے کہ بعض متشابہات کے معنی معلوم نہیں ہیں تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلکہ علماء کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا علم اللہ تعالیٰ کے علم جیسا نہیں بلکہ ہمارا علم ناقص اور محدود ہے غائب تک رسائی ہمارے بس کی بات نہیں اور ہر چیز پر کسی بھی عالم کا علم احاطہ نہیں کرسکتا ہے تو متشابہات کی تاویلات سے اجتناب کریں گے اور یہ بھی ہدایت ہے اور یہ راسخین فی العلم کی صفت ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 7 میں ذکر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لِلْمُتَّقِیْنَ لام متعلق ہے ھُدًی کے ساتھ اور مُتَّقِیْنَ صیغہ جمع اسم فاعل ہے اور تقوٰی سے لیا گیا ہے اور تقوٰی وقایہ سے لیا گیا ہے اور وقایہ کا معنی بچنا ہے اور کبھی اسی لغوی معنی میں بصورت مصدر آتا ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 28 میں تُقٰةً آیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں تقوٰی کے تعبیرات مندرجہ ذیل ہیں: 1: تفسیر ،، بحر المحیط ،، میں لکھا ہے کہ شریعت کی رو سے متقی اس کو کہتے ہیں جو اس عمل سے اجتناب کرتا ہے جس پر عذاب کا خوف ہو، خواہ وہ کسی کام کو چھوڑنا ہو یا کسی کام کا کرنا ہو۔ 2: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ تقوٰی یہ ہے کہ بندہ شرک سے اجتناب کرے اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے (ابن کثیر)۔ 3: متقی وہ ہے جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے اور منع کردہ (منہیات) سے بچ جائے۔ 4: متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب اور فرائض کی پابندی کرے۔ 5: متقی وہ ہے جو شرک غیر اللہ کی بندگی سے اجتناب اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے یہ ابن کثیر کا قول ہے۔

ترمذی میں ہے کہ بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا ہے کہ جب تک حرام کے خوف سے مباح کاموں کو چھوڑ نہ دے (ترمذی صفۃ القیامۃ والرقاق رقم الحدیث 2451 ، ابن ماجہ فی الزھد رقم الحدیث 4215 ، طبرانی کبیر 446/17 مستدرک حاکم 319/4 شیخ البانی نے اس روایت کو غایۃ المرام میں ضعیف کہا ہے)۔

تو معلوم ہوا کہ تقوٰی کے تین مراتب ہیں: 1: شرک اور کفر کی تمام قسموں سے اجتناب کرنا ہے اس معنی میں توحید ہی تقوٰی ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ 2: فرائض واجبات اور سنت کی پابندی اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ یعنی چھوٹے گناہوں پر ہمیشگی سے اجتناب کرنا یہ معروف معنیٰ ہے اور یہ تقوٰی کامل مومنین کی شان ہے۔ 3: شبہات سے اجتناب اور حرام کے خوف سے مباح کاموں سے بھی اجتناب یہ انبیاء کرام اور بعض کامل ایمان والوں کا تقوٰی ہے۔

تقوٰی کا مادہ قرآن مجید میں 237 مرتبہ آیا ہے، اور تقوٰی کا حکم 78 مرتبہ ہوا ہے اور یہ نو معنوں پر مستعمل ہے۔

1: توحید کے معنی میں سورۃ الفتح آیت 26۔ 2: توبہ کرنے کے معنی میں سورۃ اعراف آیت 96۔ 3: احکام کی اطاعت سورۃ نحل آیت 2 میں۔ 4: ترک معصیت یعنی گناہوں کو چھوڑنے کے معنی میں سورۃ مائدہ آیت 35۔ 5: اخلاص کے معنی میں سورۃ الحج آیت 32۔ 6: خوف وخشیت الٰہی کے معنی سورۃ بقرہ آیت 48۔ 7: پرہیزگاری کے معنی میں یعنی اوامر پر عمل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نواہی سے اجتناب سورۃ بقرۃ آیت 2۔

فائدہ 2: ایمان والوں کے صفتی ناموں میں سے متقین کا ذکر کیا ہے یہ اس سورۃ کیلئے خصوصی اور سارے قرآن کیلئے عمومی طور پر اس طرح ہے جیسا کہ "براعة الإستهلال" ہے (یعنی کتاب یا سورت کے ابتداء میں ایسا لفظ استعمال کرنا جو آنے والے مقصد کی طرف اشارہ کریں۔ یہاں اشارہ ہے کہ قرآن تقوی والی کتاب ہے اور اس سے شرعی تقوی حاصل ہوتا ہے اور حصول تقوی کا راستہ اور تعلیم اس سے حاصل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے

اس سورت میں مادہ تقوی مختلف تعبیرات کے ساتھ 35 مرتبہ مذکور ہے:

پہلی تعبیر: مُتَّقُوْنَ اور مُتَّقِيْنَ کا صیغہ جس میں تعریف اور انکی خصوصیات مذکور ہیں آیت 66، 177 اس میں دس صفات مذکور ہیں آیت 180،194،241۔

دوسری تعبیر: تقوی کے حکم کی آیتیں۔ 24، 41، 48، 123، 189، 194، 196، 197، 203، 223، 231، 233، 278، 281، 282، 283

تیسری تعبیر: تقوی کے حصول کے اسباب لفظ لَعَلَّ سے۔ 21،63،179،183،187۔ چوتھی تعبیر: ترغیب دینا اور تقوی کی فضیلت بیان کرنا امر اور فعل ماضی سے۔ 103،189،203،212۔ اور مضارع کے صیغے کے ساتھ 224 میں اور صیغہ مصدر کے ساتھ 237 میں ہے۔

فائدہ 3: قرآن مجید میں ایمان والوں کے صفتی ناموں کا ذکر اس طرح ہے:

1: مُؤْمِنُوْنَ، مُؤْمِنَةٌ، مُؤْمِنِيْنَ، مُؤْمِنٌ، مُؤْمِنَاتٌ۔ 230 مرتبہ ذکر ہے۔

2: مُسْلِمُوْنَ، مُسْلِمِيْنَ، مُسْلِمَيْنِ، مُسْلِمَاتٌ، مُسْلِمٌ، مُسْلِمَةٌ 27 مرتبہ مذکور ہے۔ 3: مُتَّقُوْنَ، مُتَّقِيْنَ 49 مرتبہ۔ 4: مُحْسِنُوْنَ، مُحْسِنَاتٌ 34 مرتبہ۔ 5: مُخْبِتُوْنَ، مُخْبِتِيْنَ ایک بار۔ 6: اَلصّٰلِحُوْنَ 29 مرتبہ۔ 7: اَلْخَاشِعُوْنَ 6 مرتبہ۔ 8: اَلْاَبْرَارُ 6 مرتبہ۔ 9: عِبَادُ اللهِ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ 8 مرتبہ۔ 10: اَلصِّدِّيْقِيْنَ 2 مرتبہ۔ 11: اَلشُّهَدَآءُ 8 مرتبہ۔ دس صفات سورۃ احزاب آیت 35: 13: اَلْمُهَاجِرُوْنَ 5 مرتبہ۔ 14: اَلْاَنْصَارُ 2 مرتبہ۔ 15: اَلْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتُ ایک مرتبہ اس کے ماسوا بھی صفتی نام ہیں سورۃ احزاب 35 سورۃ آل عمران 17 سورۃ توبہ 112 میں ملاحظہ کریں۔ سوال: اتنے صفتی ناموں میں سے صرف متقین کو یہاں کیوں مختص کیا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے جو کہ بیشمار ہیں البتہ ظاہر بات یہ ہے کہ تین قسم کی صفات ہیں بعض ظاہری اعمال کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور بعض باطنی ہیں تقویٰ وہ صفت ہے جو ظاہر باطن دونوں کے ساتھ متعلق ہے اس وجہ سے اس سورت میں جامع صفت کو لایا ہے اور سورۃ بقرۃ مدینہ کی ابتدائی سورتھی اسلئے اس میں اکثر جامعیت والی صفات ذکر ہوئی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی اصطلاح میں پرہیز گاروں کیلئے لفظ راہب مشہور تھا اور قرآن کی اصطلاح میں لفظ متقی مشہور ہے اور مدینہ منورہ میں یہ پہلا سورت ہے اور مخاطب اسمیں یہود ہے تو قرآن کی اصطلاحی لفظ کے ساتھ انہیں خبر دیا جو کہ متقین ہے۔ فائدہ 4: اس مقام میں دو اشکال ہیں۔ اشکال 1: یہ ہے قرآن کی ہدایت تو عام ہے جیسا کہ آیت 185 میں مذکور ہے تو یہاں پر متقین کو ہدایت کیلئے کیوں خاص کیا ہے؟ اشکال 2: یہ ہے کہ تقویٰ تو ہدایت ہے پھر اہل تقویٰ کیلئے ہدایت یہ تو تحصیل حاصل ہے جو کہ درست نہیں یعنی جو چیز پہلے سے بندے کے پاس موجود ہے اس کو حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنا۔

ان دونوں اشکالوں کے جوابات اس طرح ہیں:

جواب 1: ہدایت تو قرآن مجید کی عام ہے لیکن اس سے فائدہ لینے والے صرف متقین ہیں اور اس جیسی تخصیص کئی آیتوں میں ہے جیسا کہ سورۃ فاطر آیت 18 سورۃ یٰسین آیت 11 میں اس میں اشارہ ہے کہ قرآن سے فائدہ لینے کیلئے تقویٰ خشیت انابت الی اللہ ضروری ہے اور جب ان آیتوں میں تین گروہ کا فرق مقصود تھا (مومنین، کفار، منافقین) قرآن سے اثر لینے کے اعتبار سے تو اسلئے متقین کی تخصیص فرمادی۔ جواب 2: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تقویٰ کے قریب ہیں یعنی ہدایت کے بعد ان میں تقویٰ آجائے گا اس کو حکم باعتبار ما یؤل الیہ کہا جاتا ہے جیسا کہ ﴿إِنِّي أَعْصِرُ خَمْرًا﴾ یا ﴿مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ﴾ (صحیح بخاری کتاب فرض الخمس حدیث 3142، صحیح مسلم کتاب الجهاد والتفسیر والسیر حدیث 1751)

جواب 3: ہدایت میں بہت درجات ہیں جو تفسیر فاتحہ میں گزر گئی ہے تو اس طرح تقویٰ میں بھی مرتبے ہیں اور ہر درجے میں بندہ طلب ہدایت میں ایک خاص درجہ کا محتاج ہے۔ جواب 4: یہاں پر ہدایت ثابت قدمی اور ایمان پر مضبوطی کے معنی میں ہے یعنی موحد توحید پر قائم رہنے کیلئے کتاب اللہ کا محتاج ہے یعنی جب انسان توحید کو عقلی دلائل اور لوگوں کے دیکھا دیکھی سے ایمان اجمالی حاصل کرلیتا ہے تو یہ ہدایت کا پہلا مرتبہ ہے مگر توحید پر استقامت اور تفصیلی ایمان اس وقت حاصل کریگا جب قرآن سے فائدہ اٹھائے گا اور یہ قول جو مشہور ہے کہ پہلا ایمان ہے پھر قرآن تو اسکا مطلب بھی یہ ہے کہ ایمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجمالی پہلے حاصل کیا جاتا اور تفصیلی ایمان قرآن کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ آیت 3 اس آیت میں کامل درجہ والے متقین کا بیان اور ان کی تعریف کی گئی ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صفات قرآن کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں۔

آیت مذکورہ میں متقین کی تین صفتوں کا ذکر ہے۔ صفت اول: صحیح عقیدہ۔ صفت ثانی: بدنی عبادات۔ صفت ثالث: مالی عبادت۔ اور یہ تین صفات ان تمام صفتوں کا مرجع (مرکز) ہے جو متقین کیلئے آنے والی آیتوں میں ذکر ہونگی۔ متقیوں کی صفات سورۃ بقرہ آیت 177 سورۃ آل عمران آیت 134 سورۃ زمر آیت 33 سورۃ ق آیت 32، 33، 34 ان تمام صفتوں میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مذکورہ تینوں صفتوں کی طرف پلٹتی ہیں۔

یہاں پہلی صفت اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ. یُؤۡمِنُوۡنَ ایمان کا مادہ قرآن کریم میں 878 مرتبہ ذکر ہے۔ صیغہ امر حاضر کے ساتھ 18 مرتبہ ذکر ہے اور وہ شرعی یا لغوی معنی ہے یا تو اجمالی ایمان مذکور ہے یا تفصیلی۔

ایمان: لغت میں اعتماد، یقین اور بات ماننے کو کہا جاتا ہے تو مجرد لام کے صلے کے بغیر ہے جیسا کہ سورۃ یوسف آیت 64 میں ہے یہ تو بہت زیادہ مستعمل ہے اور مزید باب افعال لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف آیت 17۔ سورۃ توبہ آیت 61۔ سورۃ بقرۃ آیت 55، 75۔ اور بندے سے دنیا میں شرعی اعتبار سے جو ایمان مطلوب ہے وہی آخرت میں معتبر ہے اس کے متعلق سلف صالحین کا موقف ہے کہ یہ قول فعل اعتقاد کا مجموعہ ہے جیسا امام ابن کثیر، امام ابن جریر نے ذکر کیا ہے۔ امام آلوسی، امام بیضاوی نے ایمان کی تعریف اس طرح کی ہے کہ جو احکام نبی اکرم ﷺ لیکر آئے ہیں اور تفصیل کے ساتھ قطعی طور پر معلوم ہو اس طرح سے کہ جو تفصیل کے لائق ہو اس میں تفصیل اور جو مجمل طور پر تسلیم کرنے کا ہو اس میں اجمال ہو اور اقرار کرنے والا عموماً اس پر مقرر ہو خاص کر جب اس سے اقرار کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اظہار کریں مذکورہ تعریف کا خلاصہ یہ ہے: کہ جو احکام دلائل قطعیہ سے ثابت ہوں ان کا ماننا ایمان اور انکار کفر ہے۔ اور جو ظنی دلائل سے ثابت ہو تو ماننا ایمان اور انکار کفر نہیں (نوٹ: یہ تقسیم سلف صالحین سے ثابت نہیں)۔ ایمان شرعی میں عمل داخل ہے یا نہیں اس میں علماء کا بہت اختلاف ہے۔ یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں ہے البتہ یہ بات واضح ہے کہ کبھی ایمان دل کی تصدیق کیلئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی تصدیق اور عمل دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں ہے جو قرآن وسنت کی نصوص میں ایمانیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ البتہ جو الفاظ شریعت میں ذکر ہوئے ہیں انکا انکار یا تاویل درست نہیں ہے۔ مثلاً زیادت ایمان کا ذکر مندرجہ ذیل آیتوں میں مذکور ہے سورۃ آل عمران آیت 137۔ توبہ آیت 124۔ انفال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت 2۔سورۃ احزاب آیت 22۔سورۃ فتح آیت 4۔سورۃ مدثر آیت 31۔ان آیتوں سے زیادت ایمان ثابت ہے لہذا اسکا انکار مناسب نہیں ہے۔اس بات کو جان لو کہ ایمان شرعی کبھی تو مطلق بیان ہوتا ہے یعنی بغیر اس بات کے کہ کون کون سی چیزوں پر ایمان لانا ہے۔جیسا کہ :یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔اور: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس قسم کی آیتیں بہت ہیں اس سے مراد ایمان شرعی ہے جو کہ تمام ایمانیات پر مشتمل ہے اور کبھی مقید ہوتا ہے "مُؤْمَنٌ بِه" کے ساتھ یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہیں ان کا بھی ذکر ہوتا ہے۔پھر مُؤْمَنٌ بِه کبھی تفصیلاً ذکر ہوتا ہے جو کہ ذیل میں ہے۔سورۃ بقرہ آیت 62،126،136،177،185۔سورۃ آل عمران آیت 84،179۔سورۃ انفال آیت 41۔سورۃ اعراف آیت 158 سورۃ شوریٰ آیت 15۔ان تمام آیتوں میں ایمان اللہ پر رسولوں پر کتابوں پر جو نازل ہوگئی ہیں رسولوں نبیوں پر اور اللہ تعالیٰ کے کلمات پر قیامت والے دن پر اور کبھی اجمالاً اختصار کے ساتھ ذکر ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں لفظ غیب کے ساتھ ذکر ہے جسکی تفصیل آئندہ آئے گی۔سوال: جب ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے تو اس قاعدے سے پتہ چلا کہ متقین عالم الغیب ہیں یہ استدلال تو مشرکین کا ہے؟ جواب 1: قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرنا جو باقی صریح آیتوں کے خلاف ہو اگر دانستہ طور پر کوئی ایسا کرے تو یہ تحریف بلکہ کفر ہے کیونکہ علم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کیلئے ثابت نہیں ہے نبی، رسول، ملائکہ، بزرگ، انس وجن، اولیاء، اتقیاء، سب اس صفت خاصہ کو اللہ تعالیٰ کیلئے مختص مانتے ہیں۔جیسا کہ سورۃ النمل آیت 65 میں مذکور ہے غیر اللہ کیلئے علم غیب کا استدلال اس آیت سے کرنا سورۃ النمل کی صریح مخالفت ہے۔جواب 2: علم الغیب کے مسئلہ میں مراد غیب سے غیب حقیقی ہے اور اس آیت میں غیب سے مراد غیب اضافی ہے لہذا یہ استدلال درست نہیں بعد میں تفصیل آئے گی۔جواب 3: علم الغیب اور علم بالغیب میں فرق ہے۔علم الغیب سے مراد یہ ہے کہ تمام غائب چیزیں اس کے سامنے ہوں جیسا کہ حاضر ہوتی ہیں۔اور اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوتی ہیں جیسا کہ فرمان ربانی ہے: (وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ) سورۃ یونس آیت 61۔یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔اور علم بالغیب سے مراد یہ ہے کہ بندے کو غائب کی چیزوں پر علم حاصل ہو غائب ہونے والے کی صفت کے ساتھ غائب ہونے کی صفت اس میں ختم نہ ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر علم حاصل ہونا۔اس علم کا معنی یہ نہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔یا قیامت کے حالات کا علم وغیرہ لہذا اس آیت میں علم بالغیب مذکور ہے اور وہ علم الغیب کو مستلزم نہیں ہے اور اس کے بہت سے معانی ہیں۔1: غیب وحی کے معنی میں ہے جیسا کہ سورۃ طور آیت 41۔سورۃ نجم آیت 35۔سورۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قلم آیت 47۔سورۃ تکویر آیت 24۔2: غیب وہ چیزیں ہیں جنکے علم کیلئے کوئی ذریعہ نہیں ہو۔نہ ہی حواس خمسہ نہ ہی عقل اور نہ ہی وحی۔اس کو غیب حقیقی کہتے ہیں اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے جو سورۃ النمل آیت 65 میں ذکر ہے۔3: غیب وہ چیزیں ہیں جس کے علم کیلئے کوئی سبب ہو اور اس سبب کے استعمال سے پہلے وہ غائب و مجہول ہوتی ہیں اور اس سبب کے موجود ہونے کے بعد وہ معلوم بن جاتی ہے وہ سبب یا حواس یا عقل یا وحی ہوتی ہے سورۃ آل عمران آیت 44۔سورۃ یوسف آیت 102۔میں مذکور ہے اور یہ غیب اضافی کہلاتا ہے۔4: بغیر دلیل یعنی اندازے اور اٹکل سے بات کرنا۔سورۃ کھف آیت 22۔سورۃ سباء آیت 53۔میں مذکور ہے ۔5: جس چیز کا تذکرہ ہو رہا ہو اور وہ اس وقت غائب ہے یعنی غیر حاضر کو غائب کہتے ہیں سورۃ یوسف آیت 81,52۔سورۃ نساء آیت 34۔مندرجہ ذیل آیتوں میں بھی اس معنی کا احتمال ہے سورۃ مائدہ آیت 94۔سورۃ انبیاء آیت 29۔فاطر آیت 18۔سورۃ ق آیت 33۔

مذکورہ آیت: يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ میں اول اور تیسرا معنی مراد ہو سکتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ یہ اجمال ہے مُؤْمَنٌ بِهِ میں اور اس کی تفصیل دیگر آیتوں میں مذکور ہے (جو ذکر ہو چکی ہے) یعنی اللہ پر رسولوں پر کتابوں پر ملائکہ پر آخرت کے دن پر ایمان۔یہ سب ایمان والوں کو وحی کے دلائل سے معلوم ہوا ہے:

دلیل 2: حدیث جبرائیل جو صحیحین اور دیگر کتب میں مذکور ہے اس میں مُؤْمَنٌ بِهِ چیزوں کا تذکرہ ہے اور وہ بھی وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکے ہیں۔3: امام قرطبی، امام ابن کثیر، امام بیضاوی اور دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ غیب سے مراد اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب آسمانی، آخرت، جنت، جہنم، اللہ سے ملاقات، مرنے کے بعد والی زندگی ہے، یہ ابوالعالیہ، قتادہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے۔یا مراد قرآن مجید ہے اور یہ غیب کے معنوں سے پہلا معنی ہے یعنی وحی اور یہ روایت ابن کثیر نے زر بن حبیش سے نقل کی ہے یا مراد پانچواں معنی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے یعنی غائب ہونے کے باوجود ایمان لاتے ہیں (صحابہ کرام کے مثل نہیں جو وحی کے وقت حاضر تھے) اس میں منافقین پر رد ہے کہ سامنے ایمان کا اظہار اور غائب ہونے میں کفر کرتے ہیں لہذا ان کا ایمان شرعی نہیں ہے۔وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ ایمان ذکر کرنے کے بعد اعمال کا ذکر ہو رہا ہے اور قرآن کریم میں یہ طریقہ کثرت سے موجود ہے کہ اعمال کو ایمان پر عطف کیا جاتا ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن قابل تعریف و جزا ہے باقی رہا فاسق مسلمان تو اس کا تذکرہ قرآن نے نظر انداز کیا ہے تاکہ اس پر خوف طاری رہے اور امید بھی مگر خوف غالب ہو۔ایمان کو مقدم کرنے کا مقصد یہ ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ بغیر ایمان کے کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ سوال: عمل کو ایمان پر عطف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے کیونکہ کلام عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے؟ جواب 1: پہلا یہ کہ عطف میں من وجہ مغایرت کافی ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ معطوف علیہ سے معطوف بالکل غیر ہو (یعنی جدا ہو) اور اس وجہ سے کبھی خاص کا عطف ہوتا ہے عام پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ اس میں جبرئیل اور میکائل کا عطف ملائکہ پر اور خاص کا عام پر عطف ہے۔ یہاں پر ایمان شرعی عام تھا جو کہ اعمال کو بھی شامل ہے تو بعض اعمال کا تذکرہ خاص کے عطف کرنے کے قبیل سے ہے عام پر ایمان کے اعمال پر ان کے اہتمام کی وجہ سے۔

جواب 2: ایمان کے مختلف اطلاقات ہیں کبھی ایمان سے مراد تصدیق قلب ہوتی ہے اور کبھی ایمان کامل مقصود ہوتا ہے۔ تو جس جگہ ایمان سے مراد تصدیق ہو تو وہاں عمل کا عطف ایمان پر کیا جا سکتا ہے۔ وَيُقِيمُونَ اقامت لغت عرب میں کھڑا کرنے کو جبکہ عرب کے عرف میں برابر کرنے کو کہا جاتا ہے جس میں تمام حقوق کی ادائگی کامل ہو تو اقامۃ الصلوۃ سے مراد مکروہات ومفسدات سے بچتے ہوئے سنن ومستحبات کا لحاظ کرتے ہوئے اوقات وارکان کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا اور اس کو نماز شرعی کہتے ہیں جو کہ نبی اکرم ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (صحیح بخاری کتاب الاذان رقم الحدیث 631)۔ اسلئے مقام مدح وتعریف میں اقامت کا لفظ ذکر ہوتا ہے اور مقام مذمت میں صرف صلاۃ جیسا کہ (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ) البتہ جب نمازیوں کیلئے اور تعریفی کلمات مذکور ہو تو وہاں بھی لفظ مُصَلِّين ذکر ہوگا جیسا کہ سورۃ معارج آیت 22۔ دلالت کر رہی ہے کہ اقامۃ الصلوۃ میں وہ صفات داخل ہیں جو سورۃ معارج آیت 22 کے بعد مذکور ہے۔ اقامۃ الصلوۃ پر حکم قرآن مجید میں 18 مرتبہ آیا ہے قرآن کریم نے اقامت کی اس طرح تشریح کی ہے کہ اولاً: نماز کے اوقات کا ذکر سورۃ بقرۃ آیت 238۔ سورۃ نساء آیت 130۔ سورۃ روم آیت 18,17۔ سورۃ ھود آیت 114۔ سورۃ اسراء آیت 78۔ سورۃ طٰہٰ آیت 130۔ ثانیاً: طہارت سورۃ مائدہ آیت 6۔ ثالثاً: قیام کرنا، سورۃ بقرہ آیت 238۔ رابعاً وخامساً: رکوع وسجود، سورۃ حج آیت 77۔ سادساً: قرأت، سورۃ مزمل آیت 20,4۔ سابعاً: خشوع عاجزی، سورۃ مومنون آیت 2۔ ثامناً: قنوت، سورۃ بقرۃ آیت 238۔ تاسعاً: حفاظت، سورۃ بقرۃ آیت 238 عاشراً: دوام ہمیشگی، سورۃ معارج آیت 23۔ أحد عشرہ: اخلاص، سورۃ انعام آیت 162۔

اقامت الصلاۃ کے فوائد ونتائج گیارہ مذکور ہیں: 1: حصول تقویٰ جو کہ اسی آیت میں مذکور ہے۔ 2: أجر عظیم آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

277-3: اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ یعنی ساتھ ہونا مگر خاص طریقے پر، سورۃ مائدہ آیت 12-4: یہ نمازی اللہ کے ولی بننے کا حقدار ہے مائدہ آیت 55-5: اصلاح یعنی نماز سے اصلاح ہوتی ہے سورۃ الاعراف آیت 170-6: آخرت میں معافی اور درجات کی بشارت اور خوشخبری سورۃ انفال آیت 3-7: دین میں بھائی چارگی اور مال وجان کی حفاظت سورۃ توبہ آیت 11،5-8: گناہوں کا کفارہ سورۃ ھود آیت 114-9: رحمت الٰہی کا حصول سورۃ نور آیت 56-10: بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے منع کرنا سورۃ عنکبوت آیت 45-11: ذکر الٰہی سورۃ طٰہٰ آیت 14۔

(الصَّلٰوۃ) قرآن مجید میں یہ لفظ 83 مرتبہ ذکر ہوا ہے اور اس کا مادہ 95 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ صلوٰۃ کے ذریعے امر یعنی حکم واحد تثنیہ جمع، مذکر مونث 20 مرتبہ مذکور ہے۔ لغت میں صلوٰۃ دعاء کو اور اسی طرح سرین کو حرکت دینے کو کہا جاتا ہے اور یہ مادہ قرآن کریم میں آٹھ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ 1: دعاء کے معنی میں سورۃ توبہ آیت 103-2: صلوٰۃ جنازہ کے معنی میں سورۃ توبہ آیت 84-3: دین کے معنی میں سورۃ ھود آیت 87-4: بمعنی ذکر و تسبیح سورۃ نور آیت 41-5: نبی اکرم ﷺ پر درود کے معنی میں سورۃ احزاب آیت 56-6: شان کی بلندی کے معنی میں سورۃ احزاب آیت 56-7: نزول رحمت کے معنی میں سورۃ احزاب آیت 43-8: عبادات مخصوصہ یعنی نماز جو کہ بہت آیتوں میں آچکا ہے اور اس آیت میں یہ آخری معنی مراد ہے۔

تنبیہ: اقامت الصلوٰۃ اقامت الدین کیلئے مستلزم ہے اور دلیل یہ حدیث ہے: مَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّيْنَ (النافلة فی الاحادیث الضعیف و الباطله میں اس روایت کو باطل روایتوں میں شمار کیا ہے) جس نے نماز قائم کی اس نے پورا دین قائم کیا۔ بلکہ سنت نبوی کے مطابق نماز کے قیام اور ادائیگی سے لازمی یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ بندہ بری عادات و اخلاق چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ سورۃ عنکبوت آیت 45 میں ہے۔ یہ سوال بھی ختم ہو گیا کہ اس آیت میں صفات مومنین میں گناہوں سے اجتناب کی صفت بھی ذکر نہیں ہوئی ہے تو معلوم ہوا کہ اقامت الصلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ گناہوں سے باز رہنا لازم ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یہ مالی عبادت کا ذکر ہے۔ مِمَّا یہ اصل میں "مِنْ مَا" تھا اور مِنْ تبعیض کیلئے آیا ہے مطلب یہ ہے کہ مال میں سے کچھ حصہ خرچ کریں تو کافی ہے جیسا کہ اس سورت آیت 219 میں اور سورۃ محمد آیت 36 میں ہے اور اسی طرح اشارہ ہے انفاق اور بخل میں میانہ روی کی طرف جبکہ آیت 29 سورۃ اسراء اور آیت 67 سورۃ فرقان میں مذکور ہے البتہ اس سے بعض خاص لوگ مستثنیٰ ہیں جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ عنہ نے کل مال اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کل مال کا آدھا حصہ خرچ کیا تھا۔ اگرچہ یہاں مال خرچ کرنا مراد ہے مگر چونکہ (مَا) عام لفظ ہے لہذا بدن کا خرچ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور علم کا خرچ دعوت الی اللہ ہے تو تمام قوتوں اور طاقتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں صرف کرنا چاہئے۔

رَزَقْنٰهُمْ رزق کا مادہ قرآن مجید میں 122 مرتبہ مذکور ہے؛ رزق لغت میں حصہ کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ واقعہ آیت 82 ذکر ہے۔ اصطلاح میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بندے کو فائدہ حاصل ہوتا ہے مثلاً، مال، اولاد، غلام، نوکر، پھل، چوپائے، لباس وغیرہ۔ قرآن کریم میں مختلف معانوں میں آیا ہے۔

اول معنی: نبوت ورسالت سورۃ ھود آیت 88۔ دوسرا معنی: رزق برزخی، سورۃ آل عمران آیت 169۔

تیسرا معنی: بارش سورۃ ذاریات آیت 22۔ چوتھا معنی: اعطاء یعنی جنت میں دینا سورۃ صٓ آیت 54 اور اسی سورت میں آیت 25۔ پانچواں معنی اعطاء دنیا میں دینا تو بہت سی آیتوں میں وارد ہے اور اس آیت میں بھی یہ معنی مراد ہے۔

چھٹا معنی: عرفی اصطلاح میں فائدہ لینے کے معنی میں ہے کھانا پینا لباس وغیرہ جیسا کہ اسی سورت کی آیت 22 میں ہے۔

رَزَقْنٰهُمْ یہ فعل اور قرآن مجید میں اس فعل کی طرح بہت سارے فعلوں کو صیغہ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے؛ مفسرین نے اس کی بہت ساری وجوہات لکھی ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعہ سے یہ کام کرواتا ہے اس لئے جمع لایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ تعظیم فاعل مقصود ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور تعظیم فاعل سے تعظیم فعل کی طرف بھی اشارہ ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے تو جمع کا معنی کر یںگے اور مراد توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی کیونکہ دوسری آیتوں میں صیغہ جمع لانے کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ رزق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں اشارہ ہے کہ رزق دینے والا پیدا کرنے والا تقسیم کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ان کا کوئی شریک نہیں ہے جیسا کہ سورۃ عنکبوت آیت 17 میں ہے۔ اس میں ترغیب ہے کہ روزی دینے والی تو ذات الٰہی ہے لہذا اسی کے نام پر خرچ کرو۔

يُنْفِقُوْنَ. نَفَقَ یہ مادہ لغت میں نکلنے کو کہتے ہیں اور عرف میں ہاتھ سے مال کو نکالنے کے معنی میں ہے خیر کے کاموں میں ہو یا شر کے کاموں میں ہو شر کیلئے استعمال ہوا ہے سورۃ انفال آیت 36 میں اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ اور رسول کے فرمان کے مطابق شرعی مصارف میں مال خرچ کرنا خواہ فرض ہو یا واجب یا مستحب اور یہاں یہ شرعی معنی مراد ہے اور زکوۃ کے ساتھ یہاں تخصیص نہیں ہے اگرچہ سب سے پہلے اس میں زکوۃ داخل ہے، لیکن دیگر امور شرعی یعنی جہاد فی سبیل اللہ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی اہل پر خرچ کرنا، اپنی ذات پر خرچ کرنا، نفس پر خرچ کرنا، دعوت کے کاموں میں خرچ کرنا، یہ تمام مراد ہیں جیسا کہ امام ابن جریر خازن وغیرہ نے اس قول کو ترجیح دیا ہے۔ سوال: اگر کوئی بندہ غیر اللہ کی نذر اور گیارہ ویں یا دس محرم کو کسی خاص کھانے کا اہتمام کرتا ہے یا ماہ صفر کے مہینے میں آخری بدھ کو چوری (میٹھی کوئی ہوئی روٹی کی خاص ڈش) بناتا ہے یا مرنے والے کے گھر اسی شام دعوت کا انتظام کرتا ہے یا سال کے اختتام پر خیرات کے نام سے کھانے کا بندوبست کرتا ہے چہلم برسی وغیرہ اور اس کے ماسوا بھی ہر علاقہ میں الگ الگ بدعات کے کھانوں کی رسم چلتی ہے تو یہ بھی انفاق ہے تو کیا اس جملے میں یہ داخل ہے جیسا کہ اس قسم کے انفاق کو بعض بدعتی مولویوں نے اس میں داخل اور شمار کیا ہے؟

جواب: علماء نے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس کو شرعی معنی میں استعمال کیا جائے گا البتہ اگر کوئی قرینہ یعنی سبب موجود ہو جو لغوی معنی کیلئے گنجائش پیدا کرے تو پھر ہو سکتا ہے ورنہ نہیں یہ بات ہم ذکر کر چکے ہیں کہ انفاق سے مراد انفاق شرعی ہے خاص کر جہاں ایمان والوں کی صفت میں مذکور ہو۔ رومی نے مثنوی میں لکھا ہے کہ: منفق مجاہد راہ حق است نہ مسرف متبع راہ ہوا۔ مذکورہ جگہیں جو سوال میں گزر گئیں اس پر تو کوئی شرعی دلیل نہیں ہے لہٰذا یہ اسراف اور بدعت ہی میں داخل ہے۔ فائدہ: عبادت مالی قرآن مجید میں مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر ہوئی ہے مثلاً 1: زکوٰۃ جس کا ذکر آئے گا ان شاء اللہ۔ 2: صدقہ تصدق اس لفظ کے ساتھ قرآن مجید میں 24 مرتبہ مذکور ہے اور وہ چھ طریقوں پر ہے۔ 1: واجب یعنی فرضی زکوٰۃ، بقرہ آیت 271۔ توبہ آیت 58، 60۔ 2: عام خرچ جس میں فرض، واجب، نفل سب داخل ہیں۔ توبہ آیت 75 بقرہ آیت 263۔ نساء آیت 114 اور آیتوں میں بھی ہے۔ 3: اپنے حقوق معاف کرنے کو بھی صدقہ کہتے ہیں خواہ وہ قرضے کی صورت میں ہو یا دیگر حقوق میں ہوں، بقرہ آیت 280۔ نساء آیت 92۔ مائدہ آیت 45۔ یوسف آیت 88۔ 4: فرض زکوٰۃ کے حقدار لوگ توبہ آیت 60۔ 5: صدقہ کا طریقہ اور کیفیت، بقرہ آیت 271۔ 6: صدقہ کا منافع، بقرہ آیت 271، 276۔ توبہ آیت 103، 104۔ حدید آیت 18۔ احزاب آیت 35۔

تیسرا لفظ اقرض: قرض دینے کے معنی میں مذکور ہے اور یہ قرآن مجید میں 13 مرتبہ مذکور ہے اور یہ عام اکثر دعوت وجہاد میں مال خرچ کرنے کیلئے مستعمل ہے اس وجہ سے اسکو سورۃ مزمل آیت 20 میں زکوٰۃ پر عطف کیا ہے اور دیگر صدقات پر سورۃ حدید آیت 18 اور اس میں حسنًا کی قید لگائی ہے مراد اخلاص اور سنت کی پیروی میں مال خرچ کرنا ہے تو بدعات اور فسق فجور میں خرچ ہونے والا مال اس میں داخل نہیں ہے۔ چوتھا لفظ انفاق: قرآن مجید میں یہ لفظ 75 مرتبہ 9 طریقوں پر استعمال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے۔ پہلا طریقہ: زکوۃ کے معنی میں بقرہ آیت 267۔ دوسرا طریقہ: مستحب انفاق آل عمران آیت 92۔ تیسرا طریقہ: قتال فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا حدید آیت 10۔ توبہ آیت 121۔ چوتھا طریقہ: علم دین کے طلبہ پر خرچ کرنا، سورۃ منافقون آیت 7۔ پانچواں طریقہ: انفاق جس میں دعوت جہاد، دینی طالب علم، حاجی، مسافر وغیرہ سب داخل ہیں بقرہ آیت 261، 262۔ انفال آیت 60۔ سورۃ محمد آیت 38۔ سورۃ حدید آیت 10۔ میں ہے۔ چھٹا طریقہ: رشتہ داروں محتاج لوگوں پر خرچ کرنا بقرہ آیت 215۔ ساتواں طریقہ: اہل وعیال پر خرچ کرنا نساء آیت 34۔ آٹھواں طریقہ: انفاق عام معنی میں عام طور پر مال خرچ کرنا جیسا کہ اس آیت میں اور اسی سورت 219 اور 262 میں ہے۔ نواں طریقہ: ان جگہوں میں جو دین حق کے مقابل خلاف شریعت ہوں انفال آیت 36، توبہ آیت 54، بقرہ آیت 264، 267 اور انفاق فی سبیل اللہ کے فائدے بہت مقامات پر مذکور ہیں، بقرہ آیت 262، 272۔ رعد آیت 22۔ حدید آیت 10، 7۔ توبہ آیت 122۔ فاطر آیت 29۔ تغابن آیت 16۔ ایمان والوں کی صفات میں انفاق کا ذکر مندرجہ ذیل آیتوں میں ہے آل عمران آیت 17۔ انفال آیت 3۔ حج آیت 35۔ قصص آیت 54۔ سجدہ آیت 16۔ شوریٰ آیت 38۔ رعد آیت 22۔ فاطر آیت 29۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ "(متقی) وہ لوگ ہیں جو یقین رکھتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں [4] مذکورہ صفات والے ہدایت پر مضبوطی کے ساتھ گامزن ہیں اور انہیں صفات والے خصوصی طور پر (عذاب سے) بچنے والے ہیں [5]۔ یقیناً جن لوگوں نے (ضد وعناد) کی وجہ سے کفر کیا آپ چاہیں ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے [6]"

تفسیر 4: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ یہ پہلے والے اَلَّذِيْنَ پر عطف ہے اور متقیوں کی صفات میں داخل ہے۔ سوال: ایمان سابقہ کتب اور آخرت پر تو ایمان بالغیب میں داخل ہے تو اسکو الگ کیوں ذکر کیا؟

جواب: یہ تخصیص بعد تعمیم ہے یعنی عام عنوان ذکر کرنے کے بعد خاص صفت مذکور ہے برائے تعریض یعنی اشارۃً یہود ونصاریٰ پر رد ہے، امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ پہلی آیت نازل ہونے پر یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم بھی غیب کو مانتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز کی پابندی کرتے ہیں انفاق کرتے ہیں تو ان صفات میں ہم بھی داخل ہیں تو اس آیت میں ان پر رد ہے کیونکہ وہ ساری آسمانی کتب اور تمام نبیوں پر ایمان نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ اس سورت کی آیت 91 ہے اور آخرت پر ایمان شرعی کی نفی آیت 111,80 اسی سورت میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے اس آیت کو مستقل ذکر کیا اور ان پر تعریض اسلئے کیا کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی پہلا سورۃ ہے اور اس میں یہود و نصاریٰ کی اصلاح مقصود ہے۔

بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ انزال کا معنی کسی چیز کو اوپر سے نیچے کی طرف اتارنا ہے اور یہ محسوسات میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ بارش، اسی سورۃ آیت 21 اور دیگر آیتیں بارش کے بارے میں آئی ہیں اور اکثر معنوی چیزوں (یعنی وحی) میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اور دیگر مقامات پر وحی کے انزال کے بارے میں ہے خواہ جبرائیل کے ذریعہ ہو یا بغیر واسطے ہو۔ سوال: یہ لفظ، سورۃ اعراف آیت 26۔ سورۃ حدید آیت 25 میں مستعمل ہوا ہے حالانکہ وہاں اوپر سے نیچے اترنے کا معنی نہیں ہے؟ جواب: ان جگہوں میں لوہا اور لباس پیدا کرنا ہے آسمانی تدابیر کے ساتھ جو کہ بارش ہے اور نیچے اس کا سبب نہیں ہے اس وجہ سے اس کے لئے انزل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ البتہ لفظ نزول (مجرد) تنہا وحی اتارنے کیلئے خاص ہے۔ فائدہ 1: قادیانی دجال نے اس حدیث سے دھوکہ دیتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ يَنْزِلُ فِيكُمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ینزل پیدا کرنے کے معنی میں ہے تمہارے درمیان ابن مریم کے شکل پیدا ہوگا اور دلیل میں مذکورہ آیتیں حدید آیت 25، اعراف آیت 36 ذکر کی ہے یہ اسکا بہت بڑا دجل و فریب ہے کیونکہ يَنْزِلُ حدیث میں نُزُوْل کے معنی میں ہے اور نزول باب مجرد سے خلق کے معنی میں کسی بھی جگہ نہیں آیا ہے۔

فائدہ 2: سلف صالحین کا عقیدہ ہے کہ منزل یہ کلام اللہ ہے اگرچہ حروف جملے اور الفاظ ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ منزل تو حروف ہیں جو کہ کلام لفظی ہے حقیقی کلام اللہ نہیں ہے۔ تو یہ سوالات معتزلہ اور جہمیہ فرقوں کے شبہات میں سے ہیں جس سے پناہ مانگنا لازمی ہے، اور وحی کے نزول کی کیفیت میں تفصیل اور بحث کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ فائدہ 3: بہت سے اہل لغت اور مفسرین نے لکھا ہے کہ انزال اکٹھا اتارنے اور تنزیل تھوڑا تھوڑا اتارنے کے معنی میں آتا ہے تو اس پر سوال ہوتا ہے کہ بارش کے متعلق انزال آیا ہے جبکہ بارش تو اکٹھی نہیں اترتی ہے مزید یہ کہ سورۃ نساء آیت 153 میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل کتاب نے قرآن مجید کو ایک ہی بار نازل ہونے کا مطالبہ کیا تھا جبکہ وہاں بھی لفظ أَنْ تُنَزِّلَ آیا ہے؟ ابوحیان نے البحر المحیط میں اس کو کشاف کا قول قرار دیا ہے اور پھر اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر رد کیا ہے، البتہ اگر کہا جائے کہ یہ فرق اکثر اعتبار سے ہے اور دونوں الفاظ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ بات صحیح ہے، یہاں پر بھی أُنْزِلَ إِلَيْكَ تھوڑا تھوڑا اتارنے کے معنی میں ہے اور بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ دنیاوی آسمان پر قرآن کریم کا نزول لوح محفوظ سے ایک ہی بار ہوا ہے، لہذا انزال قرآن کی صفت میں صحیح ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ روایت صحیح ثابت ہو، میں کہتا ہوں کہ انزال اور تنزیل میں یہ فرق ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اصول اور کلیات اور فروع وجزئیات موجود ہیں لہذا پہلے معنی کے اعتبار سے انزال اور دوسرے معنی کے اعتبار سے تنزیل استعمال ہو سکتا ہے (واللہ اعلم)۔ إِلَيْكَ یہ لفظ آخری نبی پر ایمان لانے کیلئے مستلزم ہے کیونکہ جب تک محمد ﷺ پر نزول قرآن نہیں مانیں گے تو صرف قرآن ماننے سے ایمان کامل نہیں ہو سکتا ہے۔ مَا أُنْزِلَ یہ عام ہے جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے ہو یا بغیر واسطے اول کو وحی جلی یا متلو کہا جاتا ہے اور دوسرے کو وحی خفی یا غیر متلو کہا جاتا ہے تو اول قرآن کریم اور دوسرے کو احادیث صحیحہ کہتے ہیں۔ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یہ منزل کتب نزول میں تو پہلے ہیں مگر ایمان لانے میں ایمان والوں کیلئے بعد میں ہے کیونکہ محمد ﷺ پر ایمان کے بعد قرآن پر اجمالی ایمان اور تفصیلی فرض ہے اور سابقہ کتابوں پر صرف اجمالی ایمان لانا ہے اس لئے اس کو مقدم ذکر کیا ہے۔ **سوال:** سابقہ کتابوں کے احکام سے قرآن مجید کے بعض احکام مختلف ومخالف ہیں تو اس کو ایمان میں جمع کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ **جواب:** امام قرطبی نے دو جوابات ذکر کئے ہیں۔ 1: یہاں ایمان اس بات پر لانا ہے کہ یہ سب کتب اللہ کی جانب سے ہیں یعنی ان کتابوں پر تفصیلی ایمان لانا مقصود نہیں ہے۔ 2: مراد ان احکام پر ایمان ہے جو قرآن مجید یا دیگر نصوص سے منسوخ نہ ہوئے ہو۔ **تنبیہ:** اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کتابیں جن کا تذکرہ قرآن مجید یا صحیح احادیث میں آیا ہے وہ چار ہیں، تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام۔ سورۃ نجم آیت 36، 37۔ أعلیٰ آیت 19۔ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ جو نبیوں کو دی گئی کتب ہیں۔ سورۃ بقرہ آیت 136، آل عمران آیت 84 وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ۔ سورۃ آل عمران آیت 184۔ ایک سو چار صحیفوں کا ذکر کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے لہذا کتب آسمانی پر اجمالی ایمان لانا فرض ہے اور کسی تعداد کی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے۔ مِنْ قَبْلِكَ اس لفظ میں بہت اہم نکتہ یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ آپ کی حیات مبارکہ کے بعد بند ہو چکا ہے کیونکہ اگر بعد کوئی وحی کا نزول ہوتا تو یہاں الفاظ اس طرح ہوتا وَمِنْ بَعْدِكَ۔ اور قَبْلِكَ میں اشارہ ہے کہ ان کتابوں پر ایمان لازم ہے جن کی تصدیق آخری نبی نے کی لہذا ہندوؤں کے وید اور سکھوں کے گرنتھ وغیرہ الہامی کتب نہیں ہیں کیونکہ آخری نبی نے ان کا تذکرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا ہے۔ وَبِالْاٰخِرَةِ مومنین کی پانچویں صفت کا تذکرہ ہے کہ وہ قیامت اور اس کے تمام احوال پر ایمان لاتے ہیں جو کہ دلائل سے ثابت ہیں، الآخرۃ آخر کا مؤنث ہے تو یہ اصل میں صفت ہے موصوف مقدر کا اور وہ الحالۃ ہے لیکن جب یہ لفظ صفات غالبہ سے بن گیا ہے تو اسم کی جگہ پر استعمال ہوتا ہے اور اس کا موصوف نسیا منسیا ہے تو اَلْاٰخِرَةُ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو قرآن میں 33 مرتبہ نام مذکور ہوا جسکو میں نے اپنی کتاب "تَنْشِيْطُ الْأَذْهَان" میں ذکر کیا ہے فائدہ: یہ لفظ قرآن مجید میں 115 مرتبہ مذکور ہے، 9 مرتبہ تو موصوف کے ساتھ ذکر ہے اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ایک مرتبہ اَلْاٰخِرَةُ دَارُ الْقَرَارِ۔ دار ان دس (10) جگہوں میں اس سے مراد جنت ہے اور ایک جگہ لغوی معنی میں مذکور ہے وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سورۃ اسراء آیت 7۔ اس سے معلوم ہوا کہ ،،الآخرۃ،، قیامت کے ناموں میں سے ایک نام اور ،،الدار الآخرۃ،، جنت کا ناموں میں سے ایک نام ہے تو یہاں مراد آخرت سے قیامت کا دن ہے۔ اور جنت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ مراد قیامت والے دن پر ایمان لانا مقصود ہے اور اس میں جنت بھی داخل ہے معلوم ہوا جن مفسرین نے (الدار) لفظ مقدر تسلیم کیا ہے انہوں نے اس فرق پر غور نہیں کیا۔ سوال: قادیانی ملعون نے کہا ہے کہ یہاں مراد ،الرسالۃ الآخرۃ ہے، اور مراد اپنی رسالت لیتا ہے؟ جواب: دو وجوہ کی بناء پر یہ تلبیس و تحریف ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ الآخرۃ کیلئے وہ موصوف لانا درست ہے جس کا قرآن و سنت میں ثبوت ہو جبکہ اَلرِّسَالَةُ الْاٰخِرَةُ کا ثبوت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کی مدعا ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ آخری رسالت مبہم ہے قادیانی کی رسالت کا اس میں ذکر نہیں ہے اور احتمال ہے کہ اس مبہم عبارت سے آخری نبی محمد ﷺ بھی مراد ہو۔ (هُمْ يُوْقِنُوْنَ) اس طرح سورۃ نمل آیت 3۔ لقمان آیت 4۔ میں مذکور ہے، قرآن مجید میں آخرت کے متعلق يُؤْمِنُوْنَ. يُوْقِنُوْنَ. يُصَدِّقُوْنَ ذکر ہوا ہے تینوں کا ایک ہی شرعی معنی مقصود ہے۔ اس میں لغوی فرق یہ ہے کہ ایمان دل میں اعتماد و بھروسہ ہے فقط علم حاصل کرنے کے بعد تصدیق ایمان کی دعوت کی سچائی کا اظہار ہے زبان کے ساتھ علم حاصل کرنے کے بعد جبکہ یقین اس علم کو کہا جاتا ہے جو دلائل جاننے کے بعد شک زائل کر دے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے یقین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اعتقاد جازم (پختہ مضبوط عقیدہ رکھنا حقیقت واقع کے مطابق جو کہ شک ڈالنے والے کے شک سے ڈگمگا نہ جائے) اور تصدیق تو زبان سے اظہار حق کا نام جو علم کے بعد بندے کو حاصل ہو جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعد والی آیتوں کی صفت لفظ یقین کے ساتھ مذکور ہے۔ اس سورت میں آیت 118۔ جاثیہ آیت 4۔ انعام آیت 75۔ اور مشاہدے کے بعد یقین کا تذکرہ سجدہ آیت 12۔ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب یقین میں یہ دونوں قیود مراد (یعنی شک زائل ہونا اور دلائل کے ساتھ حصول) ہیں تو اللہ تعالیٰ کی صفات میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ زوال شک اور دلائل سے یقین کا اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہے۔ سوال: جب یہ تینوں صفات شرعی معنی میں ایک ہیں تو یہاں یؤمنون کیوں نہیں فرمایا؟ جواب: ان آیاتوں میں یہود و نصاریٰ پر اشارتاً رد تھا، اور آخرت کے متعلق ان کا تقلیدی علم خلاف حقیقت تھا، جس کا ذکر اس سورت کی مندرجہ ذیل آیات میں آیا ہے، آیت 94، 111، 80 ان آیتوں سے پتا چلتا ہے کہ وہ قیامت کو مانتے تھے مگر جہنم سے نجات کیلئے محنت اور جنت کے حصول کیلئے عبادت اس لئے نہیں کرتے تھے کہ بغیر دلیل انہوں نے اپنے آپ کو جنت کا حقدار اور جہنم سے محفوظ قرار دیا تھا جب کہ انکا یہ عقیدہ گمان پر قائم تھا تو اللہ تعالیٰ نے دعوت دی کہ قیامت کے دلائل سن کر قرآن میں مذکور حقیقت و یقین والا آخرت کا عقیدہ اپناؤ اور شکوک و شبہات چھوڑ دو اور آخرت کو حقیقت کے مطابق مانو اسی کو یقین کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح سورۃ لقمان میں ایک حکیم (لقمان) نے بنی اسرائیل کے دور میں انہیں قیامت کے متعلق دلائل پیش کئے تھے بطور اثبات قیامت انکے الفاظ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمائے ہیں یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ آیت 16 اور سورۃ نمل میں بنی اسرائیل کے بعض نبیوں نے یعنی موسیٰ و سلیمان علیہما السلام نے قیامت کی طرف اشارہ کیا تھا اور اس سورت میں آیت 76 میں بنی اسرائیل کا تذکرہ موجود ہے۔ فائدہ: آخرت پر ایمان کے زیادہ اہتمام کی وجہ سے بالآخرۃ کے متعلق اور ھُمْ ضمیر کو مقدم کیا ہے، ایمان والوں کی صفات بیان کرنے کے بعد اب اس آیت میں ان کے دنیوی اور اخروی بدلے کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ بشارت ہے۔ اُولٰٓئِكَ یہ اسم اشارہ ہے جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اسم اشارہ میں اصل مقصود اپنی صفات کے ساتھ مشار الیہ ہوتا ہے تو مراد یہ ہے کہ وہ متقین یعنی پرہیزگار ان پانچ صفات کے ساتھ متصف ہیں، تو معلوم ہوا کہ مذکورہ صفات علت ہیں آئندہ حکم یعنی ہدایت کیلئے۔ (عَلٰی) اس لفظ میں ایک معنی تو بلندی یعنی علو کا ہے دوسرا معنی تمکن مضبوط ہونے کا ہے اور علی کے مقابل حرف فی ہے جس میں نیچے ہونے (انغماس) گھس جانے کا معنی ہوتا ہے۔ تو علی میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر ایسے مضبوط ہیں جیسے کوئی سوار سواری پر اس کیفیت کے ساتھ بیٹھا ہو کہ سواری کو دونوں جانب سے ٹانگوں میں تھامے رکھا ہو اسی طرح یہ ہدایت یافتہ لوگ بلند مقام والے ہیں لہٰذا ہدایت کیلئے علیٰ اور گمراہی کیلئے فی استعمال ہوا ہے اس کی مثال سورۃ سباء آیت 24 میں ہے۔ هُدًى اسکو نکرہ ذکر کیا برائے تعظیم یعنی ایسی عظیم ہدایت ہے جسکا مرتبہ اور شان بہت بلند اور نرالا ہے۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ یہ ہدایت کی عظمت کیلئے تاکید ہے اور اس میں ہدایت شرعی کی تعریف ہے یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہدایت وہ ہے جس کا منشا اللہ تعالی کی طرف سے ہو یعنی وحی پر بنا ہو لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ متقیوں کے پاس جو نور ہے وہ قرآن وسنت سے لیا گیا ہے اور اس میں اس وہم کو ختم کیا گیا ہے کہ اہل باطل بھی تو ہدایت کے دعوے دار ہیں تو اہل حق وباطل میں فرق یہ ہے کہ اہل حق کا طریقہ منزل من اللہ یعنی اللہ تعالی کی جانب سے نازل کردہ ہے اور اہل باطل تو خواہشات کے پیروکار ہیں تو أُولَٰئِكَ دوبارہ اس لفظ کو حرف عطف کے ساتھ اس لئے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح یہ صفات دنیا میں کامیابی کیلئے اور ہدایت کیلئے سبب ہیں تو آخرت میں نجات وفلاح کیلئے سبب ہیں حرف عطف لانے میں اشارہ ہے کہ ہدایت اور فلاح کے دونوں مرتبے اگرچہ مستقل ہیں زمانہ اور جگہ اور لذتوں کے اعتبار سے یعنی ہدایت کا زمانہ اور مکان یعنی جگہ دنیا ہے اور لذت الگ ہے اور فلاح کا زمانہ یعنی آخرت اور مکان یعنی جنت اور لذت الگ ہے لیکن ہدایت آخرت کی نجات کیلئے سبب ہے۔(هُمُ) یہ ضمیر فصل ہے تاکید اور حصر کیلئے آئی ہے۔ الْمُفْلِحُونَ یہ فلاح اور فَلِحٌ مادہ سے لیا گیا ہے لغت عرب میں شق یعنی چیر پھاڑنے کے معنی میں یا جدائی قطع کرنے پر دلالت کرتا ہے تو معنی یہ ہوا کہ کامیابی حاصل کرنے والے مصیبتوں اور تکلیفوں کو چیرتے پھاڑتے ہوئے منزل مقصود تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں فلاح کا عرف میں معنی ہے مصائب سے بچتے ہوئے کامیابی کو حاصل کر لینا تو قرآن مجید کا شرعی معنی بھی یہی ہے کہ ابتداء شروع سے جنت میں داخل ہو جانا اور آگ سے بالکل محفوظ اور بچ جانا ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں فلاح بشارت اُخروی کیلئے مذکور ہے البتہ فلاح کا اطلاق دنیا پرست لوگ دنیاوی نعمتوں کی کامیابی پر کرتے ہیں جیسا کہ فرعونیوں نے کہا تھا سورۃ طٰہٰ آیت 64۔ سوال: یہ جملہ اس بات پر دلیل ہے کہ مذکورہ پانچ صفات جمع کیے بغیر جنت میں داخل ہونا مشکل ہے تو یہ معلوم ہوا اگر کوئی مومن انفاق یا کوئی دوسرا عمل چھوڑ دے تو یہ جنت سے محروم اور ہمیشہ کیلئے جہنم میں ہوگا اور یہ معتزلہ اور اباضیہ کا مذہب اور نظریہ ہے؟ جواب: اس جملے میں فلاح کیلئے مذکورہ صفات کے ساتھ حصر ہے اور دخول جنت کا حصر نہیں ہے اور فلاح تو جنت کے اولی دخول کو کہتے ہیں اور وہ منحصر ہے مذکورہ صفات میں لہذا اگر کوئی مومن بعض اعمال چھوڑ دے تو وہ ابتداء سے جنت میں داخل نہیں ہو۔ البتہ اگر اللہ چاہے تو داخل کر سکتا ہے باقی مطلق جنت میں داخل ہونا تو ہر مسلمان کیلئے ہے یہ سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔ فائدہ: فلاح کا مادہ قرآن میں 40 مرتبہ ذکر ہوا ہے ایک مرتبہ دنیاوی کامیابی کیلئے لفظ فلاح سورۃ طٰہٰ میں آیت 64 میں آیا ہے اور باقی مقامات پر آخرت کی کامیابی کیلئے اور گیارہ آیتوں میں آخرت میں کامیابی کی نفی آئی ہے 6 اسباب کی وجہ سے۔ 1: ظلم کی وجہ سے سورۃ انعام آیت 21، 135۔ 2:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ یونس آیت 17۔3: سورۃ طٰہٰ آیت 69۔4: اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراء سورہ یونس آیت 69۔5: سورۃ کہف آیت 20۔6: سورۃ مومنون آیت 117۔ اس کے علاوہ اُخروی کامیابی کیلئے لفظ فلاح استعمال ہوا ہے۔

تفسیر آیت 6: سابقہ آیت سے ربط: جب ان لوگوں کی صفات کا ذکر ہو گیا جنہوں نے ایمان بالقرآن کی وجہ سے پوری فلاح اور ہدایت حاصل کر لی تو اب ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو انکے برعکس یعنی اضداد میں سے ہیں جو قرآن کی مخالفت اور نافرمانی سے کفر کے مرتکب ہوئے اور عذاب الٰہی ابدی کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ قرآن کی مخالفت کی وجہ سے ایمان اور علم حق سے محروم ہو گئے اس کو ربط تضاد کہا جاتا ہے یعنی ربط مخالف۔ قرآن میں اکثر یہ ترتیب ہے کہ ایمان والے اور کفر والے متصل ذکر ہوتے ہیں۔ اب یہاں پر ان کے تین حالات کا ذکر کیا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا چونکہ جب یہ مستقل الگ گروہ اور سابقہ گروہ جو کہ مومنین کی ضد اور مقابل ہے تو ان کو عطف کے ذریعے ذکر نہیں کیا ہے اور بعض لوگ یہ شک کیا کرتے تھے کہ مومن اور کافر برابر ہے اور ان لوگوں کو سیکولر کہا جاتا ہیں تو انکے شک ختم کرنے کیلئے (إِنَّ) تحقیق اور تاکید کیلئے لائے۔ كَفَرُوا لغت میں کفر چھپانے کو کہتے ہیں جیسا کہ کسان، زمیندار کو بھی کافر کہا گیا ہے سورۃ حدید آیت 20 میں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔ اور اہل لغت کے عرف میں نعمت چھپانے کو یعنی ناشکری کو بھی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح اہل لغت کی عرف میں مطلق انکار کو بھی کہتے ہیں انکار اگرچہ حق سے یا باطل سے ہو۔ پہلے لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ كَفَّارَةٌ (كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا) آل عمران آیت 193۔ اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اسی سورت آیت 152۔ ابراہیم آیت 7۔ ناشکری کیلئے لفظ کفر استعمال ہوا ہے۔ اور تیسرے معنی کے اعتبار سے اسی سورت آیت 256 میں (کفر با الطاغوت) ذکر ہوا ہے۔ غیر اللہ کی بندگی سے انکار کیلئے لفظ کفر مستعمل ہے اور اصطلاح شرعی میں ایمان کے مقابل ذکر ہوا ہے یعنی ہر اس چیز کا انکار جو محمد ﷺ لیکر آئے ہیں اور ہم تک صحیح اور یقینی طریقے سے پہنچ گئی ہو یہ ہے شرعی معنی جس کو کفر حقیقی کہتے ہیں۔ اور کبھی شریعت میں اعمال چھوڑنے والے پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کو کفر حکمی کہتے ہیں جیسا کہ اعمال پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اسکا تذکرہ سورۃ آل عمران آیت 97۔ مائدہ آیت 44۔ میں بعض مفسرین کے قول کے مطابق ہوا ہے اور اس وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں باب ذکر کیا ہے بَابُ كُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ

خطیب شربینی نے کفر کی چار اقسام اور نواقض الایمان بتائی ہیں:

1: کفر انکاری۔ 2: کفر جحودی۔ 3: کفر عنادی۔ 4: کفر نفاقی۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان بھی نہیں اور اقرار بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ دوسری قسم: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جانتے پہچانتے ہیں لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتے جیسا کہ یہود اور ابلیس، اسی سورت آیت 88 میں انکا ذکر ہے۔ تیسری قسم: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوں دل سے زبان سے اقرار بھی کرتے ہوں لیکن دین پر عمل نہیں کرتے ہوں دین حق کو تسلیم بھی نہ کرتے ہوں جیسا کہ ابو طالب کا کفر۔ چوتھی قسم: یہ ہے کہ زبان سے اقرار ظاہر میں عمل مگر دل سے انکار کرتے ہوں یہ منافق اعتقادی اور یہ چاروں قسمیں کفر حقیقی کی ہیں۔ دو قسمیں کفر کی اس طرح سے بھی ہیں کفر جہلی یعنی جہالت نا سمجھی کی وجہ سے کفر کیا جاتا ہے۔ دوسرا کفر عنادی یعنی جانتے ہوئے حق سے عناداً انکار کرنا اور یہ دونوں قسمیں اس سورت کی آیت 89 میں مذکور ہیں۔

فائدہ: کفر کا مادہ، ک، ف، ر، قرآن مجید میں 525 مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس کے معانی اور اقسام گزر گئے ہیں وہ اعمال اور چیزیں جن پر کفر کا اطلاق ہوا ہے جن کو لو اقض ایمان بھی کہا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کو ذکر کرتا ہوں۔ 1: سحر وجادو، بقرہ آیت 102۔ 2: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں جھگڑنا، بقرہ آیت 258۔ 3: حج کو طاقت کے باوجود چھوڑنا یا انکار کرنا آل عمران آیت 97۔ 4: رسول پر اعتراض کرنا بقرہ آیت 108۔ 5: تین معبودوں کا عقیدہ یعنی تثلیث، مائدہ آیت 73۔ 6: حلول اور اتحاد کا عقیدہ رکھنا یعنی ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا حصہ مظہر تصور کرنا مائدہ آیت 72۔ 7: مرتد ہونا نحل آیت 106۔ 8: مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکار کر نجات حاصل کرنے کے بعد کسی اور کی طرف نسبت کرنا، اسراء آیت 69۔ 9: خالص اللہ کو پکارنے پر ناراض ہونا، غافر آیت 12۔ 10: رسولوں کی وحی سے انکار، ابراہیم آیت 9۔ 11: قرآن مجید پر اعتراضات کرنا بقرہ آیت 26۔ 12: وحی نازل ہونے پر ناراض ہونا بقرہ آیت 105۔ 13: مبہم مشکوک باتوں کو پھیلا دینا بقرہ آیت 104۔ 14: باپ دادا کی پیروی کو وحی کے مقابلہ پیش کرنا، بقرہ آیت 171۔ 15: ہر قسم کا شرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا آل عمران آیت 151۔ 16: منافقت کا ارتکاب کرنا آل عمران آیت 156۔ 17: شیطان کے راستے میں لڑنا تا کہ وہ غالب ہو جائے، نساء آیت 76۔ 18: ایمان والوں پر حملہ کرنا اور انکا سامان جنگ سے غفلت برتنا اور اسکو اچھا عمل تصور کرنا نساء آیت 102۔ 19: اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا مائدہ آیت 103۔ 20: عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو سحر کہنا مائدہ آیت 110۔ 21: دوسروں کو اللہ کا ہمسر ٹھہرانا۔ سورۃ انعام آیت 1۔ 22: قرآن مجید کو اسطیر کہنا (یعنی گزرے لوگوں کی کہانیوں کی کتاب) انعام آیت 25۔ 23: لوگوں کو توحید وسنت کے راستے سے منع کرنے کیلئے مال خرچ کرنا، انفال آیت 36۔ 24: کفار کے کہنے کی طرح اللہ کے لئے اولاد بنانا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توبہ آیت 30-25: اللہ تعالیٰ کے حساب میں ردوبدل کرنا یعنی (نسی) توبہ آیت 37-26: آخری رسول کی رسالت سے انکار کرنا، رعد آیت 43-27: رسولوں کو علاقہ سے جلاوطن کر کے ہجرت پر مجبور کرنا، ابراھیم آیت 13-28: باطل کے بارے میں جھگڑنا، کھف آیت 56-29: اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کو الٰہ معبود بنانا، کھف آیت 102-30: قرآن بیان ہونے پر غصہ میں آنا، حج آیت 72-31: قرآن کی طرف جھوٹ کی نسبت اور من گھڑت کہنا فرقان آیت 4-32: حیات بعد الموت سے انکار، نمل آیت 67-33: ایمان والوں کو کفر اور مداھنت سستی کی دعوت دینا، عنکبوت آیت 12-34: قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتب سے انکار کرنا، سبا آیت 31-35: مومن وکافر کو ایک جیسا ماننا، ص آیت 27-36: اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑنا غافر آیت 4-37: قرآن مجید کے سننے سے لوگوں کو منع کرنا، حم سجدہ آیت 26-38: اپنے آپ کو صحابہ کرام سے افضل قرار دینا، سورۃ احقاف آیت 11-39: دنیا کے کھانے پینے اور متاع میں مشغول ہونا، سورۃ محمد آیت 12-40: جہالت کی طرح غیرت کرنا فتح آیت 26-41: توحید والوں پر نظر غصہ سے یا نظر بد سے آنکھیں نکالنا قلم آیت 51-42: رسولوں پر ایمان لانے میں تفرق جدائی اختلاف کرنا، نساء آیت 150-43: باطل معبودوں پر عقیدہ رکھنا نحل آیت 72-44: ملائکہ اور رسولوں کو معبود تصور کرنا، آل عمران آیت 80-45: مریم علیہا السلام پر بہتان باندھنا، نساء آیت 156-46: ما أنزل اللہ پر فیصلہ نہ کرنا، مائدہ آیت 44-47: رحمت الٰہی سے مایوس ہونا، یوسف آیت 87-48: غیر اللہ کو حاجت روائی کیلئے پکارنا، مومنون آیت 117-49: نور اسلام کی تکمیل کو برا تصور کرنا، صف آیت 8-50: رسولوں اور ملائکہ سے عداوت کرنا بقرہ آیت 98-51: اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے منہ پھیرنا، آل عمران آیت 32-52: سورج کو پوجنا سورۃ نمل آیت 43-53: حدود اللہ سے انکار کرنا سورۃ مجادلہ آیت 4-54: اللہ تعالیٰ کے دین کا مذاق اڑانا سورۃ مائدہ آیت 57-55: مومنوں کی ترقی پر ناراض ہونا سورۃ توبہ آیت 120-56: صحابہ کی ترقی پر غیض وغضب کرنا، فتح آیت 29-57: اللہ تعالیٰ کیلئے بچہ ثابت کرنا زخرف آیت 15-58: سود کو حلال قرار دینا بقرہ آیت 276-59: اللہ اور رسول کی اطاعت میں فرق کرنا، نساء آیت 150-60: کتاب اللہ کا صرف بعض حصہ قبول کرنا بقرہ آیت 85۔ اس کے علاوہ بھی تدبر اور فکر کرنے سے کفر کے اسباب معلوم ہو سکتے ہیں۔ سوال: اس آیت سے تو معلوم ہوا کہ کافر ایمان نہیں قبول کریں گے جبکہ بہت سارے کافروں نے تو اسلام قبول کیا ہے؟ جواب: یہاں پر عنادی ضدی کافر مراد ہیں جس سواءٌ کے قرینے سے معلوم ہو رہا ہے اور جن کامل مومنین کی صفات ذکر ہو گئیں تو ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقابل کامل کافر مراد ہے اور وہ ضدی کافر ہیں۔ تفسیر کبیر میں مذکور ہے کہ مراد وہ عنادی کافر ہے جو ضد وعنادکی وجہ سے حق سے انکار اور حق کو چھپاتے بھی ہیں۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ یہاں کفر سے مراد انکار کرنے کے ساتھ حق چھپانا ہے۔ (سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ) یہ جملہ حال ہے كَفَرُوْا کی ضمیر سے مراد عنادی اور خاص کافر ہیں جن کو انذار فائدہ نہیں دیتا ہے۔ یا پھر اِنَّ کیلئے خبر ہے۔ سوال: اس خبر کا حمل اسم پر صحیح نہیں کیونکہ یہ مصدر ہے؟ جواب: یہ مصدر تو مستوی کے معنی میں ہے اور لفظ سواء قرآن مجید میں 27 مرتبہ ذکر ہوا ہے کبھی تو درمیان یعنی وسط کے معنی میں ہے جیسا کہ صافات آیت 55 اور اکثر مستوی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے مگر یہاں مقصود استفہام نہیں ہے بلکہ تسویہ کی تاکید کیلئے آیا ہے اور اس پر قرینہ اَمْ ہے اور یہ دونوں فعل یہاں پر مصدری معنی میں ہے فعلی معنی مراد نہیں ہے۔ یعنی اِنْذَارُكَ وَعَدَمُ اِنْذَارِكَ۔ اور یہ سواء کیلئے فاعل ہے مستوی کے معنی میں اور یہ دونوں استواء کے اطراف یعنی جانب ہے۔

انذار، اعلام مع التخویف کو کہا جاتا ہے:

یعنی کسی مسئلہ کے بارے میں خبر دینا جس کے ساتھ نہ ماننے پر عذاب کا خوف بھی ہو۔ اور جس کے ساتھ اعلام نہ ہو تو صرف تخویف ہے۔ امام قرطبی نے ساتھ میں یہ قید لگائی ہے کہ تخویف کے ساتھ فرصت یعنی جان بچانے کیلئے مہلت بھی ہو اگر مہلت نہیں ہو تو پھر صرف اشعار کے معنی میں ہوگا۔ قرآن مجید میں نبی اور قرآن کی صفت میں نذیر آیا ہے کیونکہ وہ دونوں مسئلے توحید ورسالت وغیرہ کی خبر دیتے ہیں اور سنبھل جانے کیلئے مہلت اور پھر عذاب کی خبر خواہ عذاب اُخروی ہو یا دُنیوی اس لئے انذار کا معنی اُسمیں موجود ہے۔ سوال: سورۃ شعراء آیت 136 میں سَوَآءٌ عَلَيْنَا اور یہاں سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ فرمایا ہے یہ کیوں؟ جواب: تسویہ سے مراد بے فائدہ ہونا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیونکہ یہ نہیں مانیں گے تو ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے البتہ ڈرانے والے کو آخرت کا فائدہ ملتا ہے اور سورۃ شعراء میں تو کافروں کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں وعظ سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ہم نہیں مانیں گے، سورۃ منافقون آیت 6 میں اسی طرح ہے۔

سوال: دعوت کے دوسری جانب بشارت ہے اس کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ جواب: کفار بشارت کے حقدار نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انذار تبلیغ میں زیادہ موثر ہے تو جب انذار نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تو بشارت سرے سے مفید نہیں ہے اس وجہ سے صرف انذار پر اکتفا کیا گیا۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ یہ استیناف ہے اور سوال ہوجانے کی صورت میں جواب ہے اگر کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے عدم انذار مثل انذار ہے یعنی نہ ڈرانا بھی مثل ڈرانے کے ہے تو جواب ہوا کہ نہیں بلکہ ڈرانا مثل نہ ڈرانے کے ہے یا پھر (اِنَّ) کی خبر ہے بشرطیکہ سواء حال ہو۔ یا پھر سَوَاءٌ کیلئے دوسری خبر ہے، اس طرح سورۃ یونس آیت 94۔ بقرہ آیت 145 میں ذکر ہے۔ سوال: اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ راضی ہے؟ جواب: یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیری فیصلہ کی خبر دی گئی ہے اور اس قسم کی خبر دینے سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ثابت نہیں ہوئی۔ اس آیت میں ذکر کردہ کافروں کے دنیوی اور اخروی عذاب کا ذکر ہے، دنیاوی عذاب یہ ہے کہ انسانیت کی بنا تو علم وعقل پر ہے اور ان پر یہ اسباب بند کئے گئے ہیں تو یہ جانوروں کی مثل ہیں اس وجہ سے ان تین اسباب کے ختم کرنے کے بعد حکم کیا گیا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ سورت اعراف آیت 179۔ اور ان کے لئے آخرت میں عظیم عذاب ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ۧ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ؕ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر عجیب پردہ ہے اور ان کیلئے عظیم الشان عذاب ہے" [7]۔ "اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے (حالانکہ) وہ (دلوں میں) ایمان نہیں رکھتے" [8]۔ "دھوکا دیتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور (حقیقت میں) وہ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور انکو شعور نہیں ہے (خود سے دھوکہ کرنے کا)" [9]۔ "(کیونکہ) ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے پس بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ (قرآن کے نزول سے) ان کی بیماری کو اور مستقل جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کیلئے دردناک عذاب ہے" [10]۔

تفسیر 7: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ دل کے ساتھ ختم کا ذکر چار مرتبہ قرآن میں آیا ہے اس مقام پر اور جاثیہ آیت 23 میں ان دونوں جگہوں میں کافروں کے حال سے خبر دینے کے طریقے پر ہے اور سورۃ انعام آیت 46 سورۃ شوریٰ آیت 24 میں معلق ذکر ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اظہار کیا ہے کہ میں مہر لگانے پر قادر ہوں۔ خَتَمَ کا لغوی معنی کسی چیز کو انتہا تک پہنچانا اور مکمل کرنا ہے، جیسے کتاب کا ختم کرنا کام کا ختم کرنا پھر لازم عرفی اس کے ساتھ مہر لگانا ہے جیسے خط جب آخر کو پہنچتا ہے تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ یہ بندش ہو جائے کہ اب اس کے بعد اس تحریر میں کوئی چیز داخل سے خارج نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگی اس معنی میں سورۃ مطففین آیت 26 میں وارد ہوا ہے۔ چونکہ مہر لگانے سے بندش اور روکنا لازم ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی ختم کہتے ہیں۔ یہاں پر ختم کا تیسرا معنی مراد ہے۔ کیونکہ اول اور دوسرے معنی کا یہاں احتمال نہیں ہے۔ امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ ختم کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خطابات کی سمجھ نہیں رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور نہیں کرتا ہے۔ ابن کثیر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ دل میں گناہوں کی تاثیر سے جو سختی پیدا ہوتی ہے اور دل کو ہر جانب سے گھیر لیتی ہے یہ ختم ہے۔ اور تفسیر قاسمی میں ہے کہ دل میں ایسی کیفیت کا پیدا ہونا جس پر انذار کا اثر ختم ہو جائے اور حق اس میں داخل نہ ہو تو یہ ختم ہے۔ فائدہ: اللہ تعالیٰ کی طرف ختم کی نسبت حقیقی معنی میں ہے کسی تاویل یا مجاز کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے شر اور خیر ایمان اور کفر ہدایت اور گمراہی لہذا اس کی طرف نسبت کرنے میں کوئی عیب نہیں سورۃ صافات آیت 96 میں ابراہیم علیہ السلام کا خطاب کافروں سے ہے کہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

معتزلہ کا اعتراض: معتزلہ کا کہنا ہے کہ یہ ناپسندیدہ کام ہے لہذا اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوسکتی اور انہوں نے اس کیلئے پانچ تاویلیں کی ہیں جو تفسیر کشاف میں زمخشری نے ذکر کی ہیں۔ جواب 1: کسی چیز کو پیدا کرنا برا نہیں ہے بلکہ برائی کا عمل کرنا برا ہے جسکا کرنے والا اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ بندہ ہے یعنی بندوں کے اعمال قبیح (برے) ہیں اللہ تعالیٰ تو برائی کو ناپسند کرتا ہے مثلاً سانپ، بچھو، وغیرہ کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور پھر ان میں بہت ساری حکمتیں ہیں۔ جواب 2: بعض مفسرین نے خَتَمَ کو لَا يُؤْمِنُوْنَ کیلئے علت قرار دیا ہے حالانکہ یہ علت نہیں بلکہ یہ تفریع (نتیجہ) اور تشریح ہے لَا يُؤْمِنُوْنَ کیلئے کیونکہ ہر عمل کا بدلہ ہونا چاہئے۔ امام قرطبی، امام ابن کثیر نے اجماع نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طبع اور ختم کی نسبت اپنی طرف کی ہے جو کہ کفر کرنے والوں کی سزا و جزا ہے، سورۃ نساء آیت 155۔ انعام آیت 110۔ صف، آیت 5۔ منافقون، آیت 3۔ مطففین آیت 14 ان تمام آیتوں میں ان کے دلوں پر طبع، رینج، تقلیب، انکے کفر کا سبب بتایا ہے اور برے اعمال کی بری سزا دینا عین عدل و انصاف ہے کسی قسم کی برائی نہیں ہے۔

فائدہ 2: کافروں کے دلوں کے بارے میں قرآن مجید میں 25 حالات و کیفیات مذکور ہیں۔

1: انکار، نحل آیت 22۔ 2: جاہلیت کی غیرت، سورۃ فتح آیت 26۔

3: پھر جانا یعنی انصراف، سورۃ توبہ، آیت 127۔ 4: سختی (قسوۃ) بقرہ آیت 74۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

5: مرجانا (موت) سورۃ انعام آیت 123۔	6: مرض بقرہ آیت 10۔
7: طبع، سورۃ منافقون آیت 3۔	8: زیغ، آل عمران آیت 7۔
9: اِباء یعنی انکار، توبہ آیت 8۔	10: ارتیاب (شک) سوۃ توبہ آیت 25۔
11: اُکنۃ پردہ سورۃ کہف آیت 57۔	12: رعب (خوف) احزاب آیت 26۔
13: لھو کھیل کود، انبیاء آیت 3۔	14: (شدت) سورۃ یونس آیت 88۔
15: رسول کی مخالفت کا اچھا لگنا، فتح آیت 12۔	16: غلاف القلوب دلوں پر پردہ، سورۃ نساء آیت 155
17: اَقفال یعنی تالے، سورۃ محمد آیت 24۔	18: اشمئزاز (دل کا تنگ ہونا) سورۃ زمر آیت 45
19: عمی یعنی اندھاپن، حج آیت 46۔	20: نفاق القلب سورۃ توبہ آیت 77۔
21 غمرۃ یعنی غفلت، سورۃ مومنون آیت 63۔	22: تشتیت (اختلاف) سورۃ حشر آیت 14۔
23: رین یعنی زنگ، مطففین آیت 14۔	24: ضیق الصدر (دل کی تنگی)، انعام آیت 125

25: ختم جو کہ اس آیت میں مذکور ہے اور یہ وہ جامع لفظ جو مذکورہ تمام معنوں کو احاطہ کیئے ہوئے ہے اور اس بات کو جان لو کہ ختم القلب کے مقابل مومن کیلئے مصیبت اور پریشانی کے وقت ربط القلب آیا ہے تاکہ مومن توکل علی اللہ میں مضبوط ہو جائے سورۃ کہف آیت 14۔ قصص آیت 10۔ (عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ) علی کا لفظ پورے دل پر ختم اور احاطہ کی تاکید کیلئے آیا ہے قلب کی جگہ فؤاد اور صدر بھی مستعمل ہے، صدر فؤاد کیلئے محل ہے اور فؤاد قلب کیلئے جگہ ہے کیونکہ فؤاد دل کا پردہ ہے اور قلب عقل کی جگہ ہے اکثر اہل علم کا قول ہے۔ قلب اس ٹکڑے کا نام ہے جو سینے کی بائیں جانب واقع ہے اور حدیث میں خیر و شر اصلاح و فساد کی جگہ اسی کو کہا گیا ہے۔

إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

(صحیح بخاری باب فضل من استبرأ لدینہ، رقم الحدیث: 52۔ وصحیح مسلم، باب أخذ الحلال وترک الشبہات، رقم الحدیث: 107)

یعنی بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ برباد ہو جائے تو سارے بدن میں فساد اور بیماری پھیل جاتی ہے اور خبردار جان لو کہ وہ دل ہے۔ اور کبھی قلب بمعنی عقل بھی آتا ہے ذکر محل کا ہو اور مراد اس سے حال ہو جیسا کہ سورۃ قٓ آیت 37 میں ہے اور اسی آیت میں بھی ظاہر یہی ہے کہ قلوبھم عقلوں کے معنی میں ہے جیسا کہ امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راغب نے مفردات میں کہا ہے ۔(وَعَلٰى سَمْعِهِمْ) سورۃ جاثیہ آیت 23 اس پر دلیل ہے کہ یہ (عَلٰى قُلُوْبِهِمْ) پر عطف ہے۔کانوں پر ختم کا معنی یہ ہے کہ جب توحید کی دعوت انکو دی جاتی ہے اور قرآن انکو سنایا جاتا ہے تو سننے کیلئے تیار نہیں بلکہ برا لگتا ہے اور عملا کانوں کو بھی بند کرتے ہیں۔ حٰم سجدہ آیت 4۔نوح آیت 7۔کہف آیت 101۔

سوال :قُلُوْب اور اَبْصَار جمع اور سَمْع مفرد کیوں ذکر کیا ہے؟ جواب 1 : یہاں مضاف مقدر ہے یعنی مَوَاضِعِ سَمْعِهِمْ سننے کی جگہ مراد ہے۔ جواب 2: یہ مصدر ہے اور مصدر میں مفرد وتثنیہ جمع برابر ہوتے ہیں۔ جواب 3 : عقلوں کی معلومات مختلف اور آنکھوں کے دیکھنے کے مراحل مختلف ہیں مگر کانوں کے مسموعات صرف آوازیں ہیں اس وجہ سے مفرد ذکر کیا ہے۔(سمع) قرآن مجید میں کانوں کے معنی میں سورۃ نحل آیت 78۔اور قوت سامعہ کے معنی بھی مذکورہ آیت ہے اور مسموع یعنی معنی مصدر بمعنی للمفعول ،شعراء آیت 223 اور مصدری معنی میں سورۃ ھود آیت 20۔

(وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ) یہ کامل جملہ ہے خبر مقدم اور مبتدا موخر ہے ۔ابصار بصر کی جمع ہے کبھی تو آنکھ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ نحل آیت 78 کبھی دل کی بصیرت، آل عمران آیت 13۔کبھی تو آنکھوں کے معنی یعنی اس کی قوت باصرہ ۔وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ انعام آیت 103۔یہاں پہلا اور تیسرا معنی مراد ہوسکتا ہے ۔(غِشَاوَةٌ) وہ چیز جس سے کسی چیز کو ڈھانپ لیا جائے اور اس کو غطاء بھی کہا گیا ہے ۔کہف آیت 102۔اور حجاب بھی کہا گیا ہے ۔ حٰم سجدہ آیت 5۔مگر غشاوۃ کے معنی میں غطاء اور حجاب سے زیادہ وسعت ہے یعنی مکمل ڈھانپ لینا اور نکرہ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ یہ ایسا ڈھانپ لینا ہے جسکو عام لوگ بھی نہیں جانتے ،اور وہ غشاوہ یہ ہے کہ یہ لوگ دلیل کو نہیں دیکھتے اور نہ اس سے فائدہ لیتے ہیں بلکہ دلائل سے اعراض کرجاتے ہیں اعراف آیت 146۔ یوسف آیت 105 میں ہے۔

فائدہ 1 :اس ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ آیتوں سے ختم علی قلوبھم کی وجہ سے استدلال نہیں لے سکتے ،اور فکر بھی نہیں کرتے اور ختم علی السمع یہ ہے کہ استدلال کرنے والوں کی دعوت کو سنتے بھی نہیں ہیں، اور غشاوۃ میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ حق سے استدلال کرنے والوں کے درجہ کمال سے اندھے ہیں اور اس وجہ سے انکے چہروں کو دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے ۔اسی طرح ترتیب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عنادی انسان کے دل میں پہلے حق ماننے سے نفرت پیدا ہوتی ہے، پھر شدت مخالفت کی وجہ سے سننا بھی گوارہ نہیں کرتا ہے پھر اس کے دیکھنے سے بھی اجتناب کرتے ہیں، اس طرح انسان پہلے خود غور وفکر کرکے حق تلاش کرتا ہے اگر اس کو سمجھ میں نہ آئے تو پھر اسے عاقل سمجھدار سے سنتا ہے اگر پھر بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمجھ میں نہ آئے تو پھر دلائل کی طرف متوجہ ہوتا ہے ضدی عنادی ہے یہ تینوں حالتیں چھین لی گئی ہیں اور ان نعمتوں سے محروم ہے۔ فائدہ 2: سوال: قلب اور سمع کیلئے لفظ ختم اور بصر کیلئے غشاوۃ استعمال کیا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ جواب: وجہ یہ ہے کہ قلب اور سمع کی معلومات ہر جانب سے ہوسکتی ہیں جبکہ آنکھ یعنی بصر تو سامنے سے معلومات کیلئے استعمال ہوتی ہے اس مناسبت سے چونکہ ختم سے ہر تمام طرف سے بندش ہوتی ہے اور یہ ان دونوں کیلئے ختم مناسب تھا اور غشاوۃ صرف سامنے سے چھپانے کیلئے ہے تو یہ اس کیلئے مناسب تھا۔

(وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ) یہ عاقبت اور تخویف اخروی ہے۔ لَهُمْ کو حصر کیلئے مقدم کیا کہ ایسا عذاب صرف کافروں کیلئے ہے۔ عَذَابٌ۔ عذبٌ سے لیا گیا ہے اصل میں حَبَسَ اور مَنَعَ کے معنی میں ہے یعنی روکنا۔ میٹھے پانی کو بھی عذبٌ کہا گیا ہے جو پیاس کو روک کر بجھا دیتا ہے۔ عذاب کو اس لئے عذاب کہا جاتا ہے کہ بدن سے ہر قسم کی راحت اور خیر کو بند کر دیتا ہے جو بدن کے مناسب ہو۔ عذاب کے (مرادف) لفظ نَکَال اور عِقَاب بھی آیا ہے البتہ لفظ نکال میں بندش اور عبرت کا معنی ہوتا ہے اور عقاب میں بدعمل کا بدلہ بھی مشروط ہوتا ہے اور عذاب میں یہ شروط نہیں ہیں بلکہ عام ہے لھذا یہاں یہ لفظ مناسب تھا جس کو ذکر کیا۔ پھر عرف عرب میں ہر اس سزا اور درد، مصیبت اور تکلیف کو کہا جاتا ہے جو انسان کو پہنچتی ہے خواہ مالی ہو یا بدنی دنیا میں ہو یا آخرت میں برائی کا بدلہ ہو یا نہ ہو جیسا کہ سورۃ ص آیت 41۔ یہاں مالی مصیبت مراد ہے بغیر برے عمل کے بدلے کے اور سورۃ نور آیت 2۔ میں دنیاوی سزا کی طرف اشارہ ہے۔ عَظِيمٌ عذابٌ میں تنوین برائے (تنکیر) عظمت کیلئے ہے تو اس کی صفت بھی نکرہ عظیم لا کر تاکید کیلئے ذکر کیا۔ یعنی نرالا عظمت والا عذاب ہوگا۔ یعنی سخت ہمیشگی والا کم نہ ہونے والا ہر جانب سے گھیرنے والا عذاب اور اس قسم کا عذاب کفار کیلئے مختص ہیں لَهُمْ عذاب کو مختص کرنے کیلئے مقدم کیا ہے اس ترتیب میں حصر کا فائدہ ہے قرآن مجید میں عذاب کی بہت صفات کا ذکر ہے مگر لفظ عظیم ان سب کو شامل ہے اور عذاب عظیم مفلحون کے مقابل ہے جو کہ ایمان والوں کی صفت میں مذکور ہے۔

تفسیر آیت 8: یہاں سے تیسری جماعت منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جن کی طرف "اَلضَّالِّيْنَ" میں اشارہ کیا گیا تھا، اور ان کی 15 صفات اور احوال قبیحہ کا ذکر ہو رہا ہے، چونکہ منافقین کافروں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اس لئے ان کو وَمِنَ النَّاسِ سے کافروں پر عطف کیا ان سے مناسبت کی وجہ سے الگ ذکر نہیں کیا۔ امام شربینی نے فرمایا ہے کہ یہ گروہ چونکہ انتہائی خبیث کافر ہے کہ کفر کے ساتھ انہوں نے برے اخلاق اور اعمال قبیحہ جمع کیا ہے تو اس وجہ سے ان کا ذکر بھی لمبے طریقے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ کیا تا کہ انکے چھپائے ہوئے نظریات خوب ظاہر ہو جائیں لفظ النَّاس قرآن مجید میں 241 مرتبہ مذکور ہے۔

فائدہ: منافقین کی تین قسمیں ہیں: 1: وہ منافق جس کے دل میں شک ہو حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا ہو اور دونوں گروہ اس کو اچھا لگے اس قسم کے منافقین مکہ میں موجود تھے جن کا ذکر سورۃ انفال آیت 49۔ میں ہوا ہے یہ لوگ بھی کافر ہیں کیونکہ یقین قلبی ان کا نہیں ہے۔ 2: دوسرا گروہ جن کے دلوں میں حق سے انکار و نفرت ہوتی ہے اور کفر و شرک کے معتقد ہوتے ہیں مگر ظاہر میں زبان سے ایمان کا اقرار اور بعض اعمال روزہ حج وغیرہ کرتے ہیں غلبہ اسلام کے وقت اس قسم کے منافقین پیدا ہوتے ہیں خوف اور حرص وغیرہ کی وجہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر کے بعد مدینہ میں اس قسم کے لوگ پیدا ہوئے۔ یہ لوگ بھی کافر ہیں جیسا کہ اول گروہ تھا اور ان دونوں کو منافق اعتقادی کہتے ہیں۔ 3: تیسرا گروہ وہ ہے جن کے دل میں ایمان ہے زبان سے بھی اقرار کرتے ہیں وہ گناہ کرتے ہیں کہ جس میں دھوکہ کا معنی موجود ہوتا ہے انکو منافق عملی کہا جاتا ہے یعنی فاسق مسلمان ہیں۔ (النَّاس) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نوس سے لیا گیا ہے جس کا معنی حرکت کرنا ہے بعض نے نسیان اور بعض نے اُنس (محبت کرنے والا)۔ سے لیا گیا ہے جس سے بھی لیا ہے مگر اسم جمع انسان کا ہے۔

قول کا اطلاق مَنْ يَقُولُ پر قرآن میں پانچ طریقوں سے کیا گیا ہے: 1: اللہ تعالیٰ کا قول یعنی کلام اللہ سورۃ نحل آیت 51۔ 2: قول وحی کے معنی میں تکویر آیت 19۔ 3: قول یعنی زبانی بات جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ 4: قول زبان سے اور دل میں عقیدہ اس سورت میں آیت 156۔ 5: بمعنی افتراء (جھوٹ) جیسا کہ اس سورت آیت 69 میں ہے مگر وہاں جہاں قول کے بعد لفظ علی بعد میں واقع ہو۔ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ نازل کردہ کتابوں پر ایمان کا دعویٰ سورۃ نساء آیت 60۔ اور رسول پر ایمان اور اطاعت کا اقرار سورۃ نور آیت 47۔ میں اور آخری رسول پر شہادت ایمانی سورۃ منافقون آیت 1۔ میں مذکور ہے مگر مذکورہ تمام دعوے جھوٹ پر مبنی ہیں۔

سوال: یہاں پر صرف دو چیزوں پر ایمان کا ذکر ہوا صرف ان دو چیزوں پر تو انسان مومن نہیں بنتا تو پھر منافقوں کی کیا خصوصیت ہے؟ جواب 1: ان دونوں پر ایمان سے باقی ایمانیات پر اطلاق ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ اول ایمان باللہ اور آخر ایمان یوم آخرت ہے باقی ایمانیات کو ان دونوں نے گھیر رکھا ہے۔ جواب 2: اس قسم کے منافق اکثر اہل کتاب میں تھے اور انکا تو اللہ اور آخرت پر ایمان کا دعویٰ بزعم خود موجود تھا تو اس میں اشارہ ہے کہ ان دونوں ایمانیات میں جن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں انکا اخلاص کا دعویٰ بھی ہے لیکن پھر بھی منافق ہے تو ان ایمانیات میں جن میں انکا مقصود صرف دنیوی مفادات ہوتے ہیں بطریق اولیٰ منافق ہے۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ سوال: جب یہ قول گزرا جوانہوں نے کہا یعنی اظہار ایمان اور حدیث میں بھی یہ الفاظ ہیں: فَإِذَا قَالُوْهَا ـ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ (متفق علیه) توحید کا کلمہ پڑھنے کے بعد اس کی جان و مال محفوظ ہے تو معلوم ہوا کہ اس قول کے ساتھ انسان مؤمن بنتا ہے تو پھر ان سے ایمان کی نفی کیوں کی ہے؟

جواب 1: اس قول کے ساتھ محض احکام دنیاوی میں ایمان حاصل ہوتا ہے اور یہاں ایمان کی نفی عند اللہ مراد ہے۔ جواب 2: اس قول کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب اس کی ضد یعنی کفر شرک بندے سے صادر نہ ہو جبکہ یہاں تو نفی ایمان اسلئے کی ہے کہ نواقض ایمان بعد میں مذکور ہیں۔ فائدہ 1: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ میں ایمان تصدیق اور یقین قلبی کے معنی میں ہے تو اس سے پتہ چلا کہ تصدیق قلبی ایمان میں اصل ہے اور منافقین کے دل میں تو تصدیق نہیں بلکہ شک ہوتا ہے یا انکار اسی طرح سورۃ نور آیت 47۔ میں ان کے ایمان کی نفی ہوئی ہے۔ سوال: ان کے قول صیغہ فعل کے ساتھ اور ان سے نفی ایمان کو جملہ اسمیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے؟ جواب: انکا قول بطور تاکید نہیں صرف دعویٰ کرنا تھا اور نفی میں تاکید کی ہے کیونکہ ان کو ایمان والوں کی جماعت سے نکالا گیا ہے۔ فائدہ 2: یہ آیت دلیل ہے اس بات پر کہ جو بندہ ایمانیات کا زبان سے اقرار کرتا ہے مگر دل میں یقین رکھتا نہیں بلکہ ایمان سے خالی ہو تو وہ مؤمن نہیں ہے اسی طرح وہ بھی جس کے دل میں شک ہو تو یہ کرامیہ فرقہ پر رد ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان شرعی صرف ایمان کا اقرار ہے زبان سے دل سے اس کے لئے تصدیق لازم نہیں ہے ان کا یہ قول کئی وجوہات اور دلائل شرعیہ سے مردود ہے یہ آیت بھی ان دلائل میں سے ہے۔ اور اس فرقے کے بانی کا نام محمد بن کرام سجستانی تھے۔ تنبیہ: اس آیت میں منافقین کی دو صفتوں کا ذکر ہے جو کہ اصل میں نفاق اعتقادی کی تعریف ہے یعنی زبان سے اقرار اور دل سے انکار۔

تفسیر آیت 9: اس میں منافقین کی دو بڑی صفتوں کا ذکر ہے خداع اور عدم شعور یعنی دھوکا اور بے شعوری۔ اس کو بغیر عطف ذکر کیا ہے۔ اور یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال: جب انکے دلوں میں تصدیق نہیں ہے تو زبان سے اقرار کا کیا فائدہ؟ جواب: ان کا مقصد صرف دھوکا دینا ہے تاکہ ہمیں مال حاصل ہو اور ہمیں جان کی حفاظت بھی ملے۔ يُخَادِعُوْنَ خداع کا مادہ قرآن میں پانچ مرتبہ مذکور ہے منافقین کی صفت میں سورۃ نساء آیت 142 میں بھی آیا ہے۔ خدع اصل میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھپانے کو کہتے ہیں بعض اہل لغت نے فساد کا معنی ذکر کیا ہے۔ لہذا منافق کفر چھپاتے ہیں اور فساد بھی کرتے ہیں۔ امام آلوسی نے کہا ہے کہ عرف میں معنی ہے کسی بندے کے خیال میں اس بات کو ڈالنا جو انکو اچھی لگے جب کہ وہ تیرے خیال میں برائی کے ارادے سے ہو یعنی کام برا کرتا ہے مگر مخاطب کو اچھا دکھاتا ہے۔ امام قرطبی نے بے سند روایت سے اس طرح معنی نقل کیا ہے۔ اَنْ تَعْمَلَ بِمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ وَتَطْلُبُ بِهٖ غَيْرَهٗ وہ کام کرتے ہو جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اس میں شیعوں کا تقیہ بھی داخل ہے اسی طرح ہر وہ آدمی جو دین کا کوئی عمل کرتا ہے جیسے نماز روزہ زکوۃ صدقات قرآن کا ختم وغیرہ دنیا یا اجرت کیلئے اس لئے کہ وہ بھی اس میں داخل ہے منافق بھی ایمان کو ظاہر کرتا ہے نماز پڑھتا ہے جہاد کرتا ہے دنیا کے حصول کیلئے۔ سوال: جب خدع میں چھپانے کا معنی ہے تو اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں تو اسکے ساتھ کیسا خداع کیا جا سکتا ہے؟ جواب مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے: 1: یہ تو انکے گمان میں ہے جیسا کہ سورۃ حم سجدہ آیت 22 کافروں کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ باریکیوں یعنی جزئیات کو نہیں جانتا ہے سورۃ ھود آیت 5۔ دوسرا جواب: یہاں مضاف مقدر ہے اصل میں يُخَادِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ہے مراد ہے رسول سے مُخَادَعَۃ یعنی رسول کو دھوکا دینا چاہتے ہیں تو جرم کے اعتبار سے رسول کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ تیسرا جواب: انکی منافقت کا یہ معاملہ دھوکہ کرنے کے مشابہ ہے۔ سوال: يُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلہ ہے اور ،، مفاعلہ ،، فعل کا صدور جانبین سے چاہتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی خداع ہے؟ جواب 1: اللہ تعالیٰ کیلئے خداع کی صفت ثابت ہے سورۃ نساء آیت 142 میں وَهُوَ خَادِعُهُمْ وارد ہے مگر اللہ تعالیٰ کا خداع مخلوق کے خداع کے مشابہ نہیں ہے جیسا کہ صفات کی آیتوں میں جو توجیہ ہے۔ جواب 2: یہ باب مفاعلہ مغالبے کیلئے نہیں بلکہ مبالغہ کیلئے ہے یعنی بہت بڑے دھوکا دینے والے ہیں۔ یعنی دین ایمان اور اسلام میں دغابازی دنیا سے متعلق دھوکہ دینے سے بہت بڑا ہے۔ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا ایمان والوں کے ساتھ بہت دھوکہ کرتے ہیں جھوٹی قسمیں اور جھوٹے اعذار پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ توبہ 95,76,74,65,62,56,49,42, سورۃ مجادلہ آیت 14 اور ایمان کا جھوٹا اظہار اس سورت آیت 14 میں مذکور ہے۔ (وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ) اس میں مخادعے کے انجام کی طرف اشارہ ہے۔ سوال: يُخَادِعُوْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ غیر کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں جو کہ اللہ اور مومنین ہے اور اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ خداع نہیں کرتے صرف اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں؟ جواب: ایک فعل کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرا فعل کی حقیقت ہوتا ہے اسی طرح ایک فعل کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابتداء ہوتی ہے اور ایک فعل کا انجام ہوتا ہے تو خداع کا ظاہر اور اسکی ابتداء یخدعون کے ساتھ پہلے ذکر ہوئی اور خداع ہی حقیقت تو انکے نفسوں میں منحصر ہے جیسا کہ سورۃ فاطر آیت 43۔ نمل آیت 50۔ انعام آیت 123 میں ہے اور اس طرح مشہور قول ہے کہ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِأَخِيهِ فَقَدْ وَقَعَ فِيهِ جو شخص اپنے بھائی کیلئے گڑھا کھودتا ہے تو اس میں خود گر جاتا ہے أَنْفُسَ نفس کی جمع ہے قرآن مجید میں 280 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ لغت میں کسی چیز کی اصل کو کہا جاتا ہے یعنی نفس الشئی (اصل چیز) روح اور نفس امارہ اور مطمئنہ، نفس لوامہ اور جنس کو بھی کہا جاتا ہے ۔وَمَا يَشْعُرُونَ یہ شعر سے لیا گیا ہے علم کو کہا جاتا ہے، اور اس کا استعمال محسوسات کے علم میں ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ باریک بینی ضروری ہے۔ اس کا مفعول مقدر ہے یعنی انجام کی انہیں خبر واحساس نہیں ہے، شعور کی نفی بصورت ڈانٹ ہے جو بری صفت ہے اس طرح بقرہ آیت 12۔ آل عمران آیت 69۔ انعام آیت 26، 123۔ مومنون آیت 56۔ نمل آیت 50 اس کے علاوہ عام لوگوں کیلئے شعور کی نفی مندرجہ ذیل آیتوں میں مذکور ہے بقرہ آیت 154۔ یا خاص بندوں سے جو نفی آئی ہے سورۃ نحل آیت 21۔ یا اہل باطل سے خاص حال میں نفی سورۃ قصص آیت 9۔ یا عذاب آتے وقت شعور کی نفی اعراف آیت 95۔ ان تمام آیتوں میں شعور کی نفی ڈانٹ مقصد نہیں بلکہ بیان حقیقت حال مقصد ہے۔

تفسیر آیت 10: اس آیت میں منافقین کی دو صفات مذکور ہیں: 1: دل کی بیماری۔ 2: جھوٹ کی عادت اور یہ بھی بغیر عطف سوال وجواب کی شکل میں مذکور ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ لوگ خداع دھوکا دینے کے مضر آثار کیوں نہیں جانتے ہیں؟ جواب: یہ ہے کہ ان میں باطنی مرض ہے جو لَا يَشْعُرُونَ کیلئے علت ہے۔ فِي قُلُوبِهِمْ فی حرف انغماس کیلئے یعنی یہ بیماری دلوں کی گہرائی تک جا پہنچی ہے اور اشارہ ہے کہ یہاں دل کی ظاہری بیماری مراد نہیں ہے جیسے حرکت قلب کا بند ہونا یا زبان ہونا۔ لفظ قلوب بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ظاہری بیماری مراد نہیں ہے۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ منافقین پر بدنی بیماری بہت کم آتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المرضیٰ حدیث 5655)

مرض: لغت میں کمزوری کو کہا جاتا ہے قرآن مجید میں پر 112 مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ مرض دو قسم کا ہے:

پہلی قسم: جسمانی مرض جیسا کہ سورۃ نور آیت 61۔ شعراء آیت 80۔ بدنی مرض تو معروف ہے کہ بدن جب اعتدال سے بے اعتدالی بے چینی میں داخل ہو جاتا ہے پھر اگر مناسب علاج ہو جائے تو شفایاب ہوتا ہے ورنہ زوال حیات یعنی فوت ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم: دوسرا مرض روحانی معنوی ہے۔ وہ ضعف اعمال، عقائد کی کمزوری اخلاقیات وغیرہ ہے جو بندے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو شرعی اعتدال سے نکال کر جہل، بخل، نفاق وغیرہ کی طرف لے جاتا ہے اگر قرآن و سنت کے ذریعہ علاج ہو جائے تو روحانی شفا مل جاتی ہے ورنہ مرض بڑھتا چلا جاتا ہے جو روحانی موت کا سبب بن جاتا ہے اور حیات روحانی سے محروم ہو کر حیات اخروی میں جنت سے محروم ہو جاتا ہے یہاں مراد دوسری قسم کی بیماری ہے مفسرین کے اس بارے میں بہت اقوال ہیں، جیسا کہ شک، ریاء، نفاق، رجس، طغیان، کفر، یہ تمام الفاظ اس میں داخل ہیں۔1: قرآن مجید میں اس کا پہلا مصداق شک ذکر ہوا ہے سورۃ احزاب آیت 12۔2: کافروں کے ساتھ دوستی سورۃ مائدہ آیت 52۔3: نامحرم عورتوں کی مجالس اور باتوں کی طرف میلان، احزاب آیت 32۔4: صرف دنیوی مفاد میں اللہ ورسول کی اطاعت، سورۃ نور آیت 50۔5: ایمان والوں کے ساتھ بغض وعناد، سورۃ محمد آیت 29۔6: جہاد فی سبیل اللہ میں بزدلی کا مظاہرہ، سورۃ محمد آیت 20۔7: نفاق اعتقادی، سورۃ توبہ آیت 101۔

(فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا) اس میں دو توجیہ ہیں: پہلی توجیہ: یہ بددعا ہے منافقین کے لئے اور امام قرطبی نے فرمایا یہ دلیل ہے کہ منافقین کو بددعاء دینا جائز ہے۔ اور دعا ماضی کے صیغے کے ساتھ اکثر استعمال ہوتا ہے۔ دوسری توجیہ: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر ہے کہ قرآن سننے سے ان کا علاج نہیں ہوتا ہے بلکہ مرض میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ آیت 64، 68۔ اسراء آیت 82۔ توبہ آیت 124 میں ہے۔ تفسیر خازن کا قول ہے کہ ایک آیت نازل ہوتی پھر متصل دوسری آیت اور یہ ان آیتوں کا انکار کرتے جاتے تو کفر و نفاق میں اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ علامہ قاسمی نے قاشانی سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت آتی ہے تو غلبہ دین وکلمۃ اللہ سے انکا حسد و نفاق بڑھ جاتا ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ یہ آخرت کی سزا کا ذکر ہے، الیم، مولم کے معنی میں ہے جیسا کہ سمیع بمعنی مسمع ہے یعنی ان کے دلوں تک درد پہنچانے والا ہے انکی زیادت مرض کے ساتھ بھی مناسبت ہے دنیا میں ایمان والوں کی ترقی سے ان کے دلوں کی تکلیف اور بڑھتی ہے اسی طرح قیامت کے دن انکا عذاب بھی سخت ہو کر دلوں تک پہنچے گا۔

فائدہ: جو ظاہری کافر ہیں وہ کفر علانیہ کرتے ہیں تو ان کے عذاب کے لئے لفظ "عظیم" مناسب تھا اور منافق کا نفاق چونکہ اس کے دل میں چھپا ہوتا ہے تو اس کے عذاب کے لئے الیم مناسب تھا، (ہر ایک کے عذاب کے لئے اس کے مناسب الفاظ ذکر ہو گئے) جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 176، 177 میں ہے۔ تنبیہ: جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ الیم بمعنی مولم (دردیا گیا) ہے اور یہ اسناد مجازی ہے عذاب کی طرف نسبت بطور توصیف ہے انکا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ بِمَا كَانُوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَكْذِبُوْنَ (ب) سببیہ اور (ما) مصدریہ ہے یعنی بِسَبَبِ كِذْبِهِمْ دَائِمًا (یعنی ہمیشہ جھوٹ بولنے کے سبب) اور مضارع پر کان داخل ہونے سے دوام کا معنی پیدا ہوتا ہے، اور ان کا جھوٹ اس لفظ میں ہے کہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اور اس طرح عام حالت میں جھوٹ بولنا منافقین کی صفت ہے توبہ آیت 42، 43، 77۔ سورۃ منافقون آیت 1۔ فائدہ 1: یہ جھوٹ عذاب الیم کے لئے سبب ٹھہرا تو معلوم ہوا کہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اور جن روایتوں میں کذب کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہوئی ہے یا مصالحت کیلئے جو جواز آیا ہے وہ کذب نہیں اس میں بہتر قول یہ ہے کہ وہ توریہ اور معاریض ہے حقیقتاً جھوٹ نہیں ہے۔ اور اس جگہ میں یہ بہترین توجیہ ہے۔

فائدہ 2: کذب کا مادہ قرآن مجید میں 281 مرتبہ ذکر ہوا ہے غلطی کے معنی میں ہے ایک جگہ معنی لغوی کے ساتھ آیا ہے تردد اور خطاء سورۃ نجم آیت 11 میں۔ 1: جھوٹ کے انجام کا ذکر، سورۃ مومن آیت 28۔ 2: لعنت کا حقدار، آل عمران آیت 61۔ نور آیت 7۔ 3: عذاب کا سبب جو اسی آیت میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کی قباحت، انعام آیت 21۔ 4: جھوٹ اہل باطل کا وطیرہ ہے، منافقون آیت 1۔ 5: شیاطین، شعراء آیت 223۔ 6: مومنین پر طعن کرنے والے، سورۃ نور آیت 13۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿11﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿12﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾ ”اور جب ان کو کہا جائے کہ زمین (دنیا) میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں“ [11] ”خبردار ہو جاؤ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن (حقیقت فساد) کا انکو شعور نہیں ہے“ [12]۔ ”اور جب انہیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ (کامل) لوگوں کی طرح تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بے وقوف لوگوں کی طرح ایمان لائیں یقیناً یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن انہیں (اپنی بے وقوفی کا) علم نہیں ہے“ [13]۔

تفسیر 11: اس آیت میں منافقین کا بدترین عمل مذکور ہے یعنی فساد کو اصلاح قرار دینا

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ یہ عذاب الیم کیلئے دوسرا سبب ہے جو کہ (با) سببیہ کے تحت ہے اور كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ پر عطف ہے قیل صیغہ مجہول ہے عموم کے لئے ہر داعی حق مراد ہے جو فساد سے منع کرتا ہے۔ لَا تُفْسِدُوْا۔ جیسا کہ ہر فائدے والی چیز کو صالح فائدہ مند کہا جاتا ہے اسی طرح ہر بے فائدہ چیز کو مفسد کہتے ہیں لغت میں فساد کا معنی ہے کسی چیز کا بے فائدہ ہو کر اپنے دائرہ کار سے نکل جانا۔ اور یہاں فساد سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آگے مذکور ہیں جس سے عالم میں فساد برپا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہونے والا ہے۔ الْأَرْضِ یہاں مراد زمین مقابل آسمان نہیں ہے بلکہ دنیا اور عالم کو ارض قرار دیا ہے أرض کی تخصیص اس لئے کی کہ انسان جتنا بھی فسادی ہو مگر آسمان میں فساد کی طاقت نہیں رکھتا۔ قَالُوٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ کلمہ انما حصر کیلئے ہے جس جملہ پر داخل ہو جائے اس میں حصر کا معنی پیدا کرتا ہے تو معنی یہ ہوگا بقول منافقین کے: ہم تو صرف اصلاح ہی کرتے ہیں اصلاح کے علاوہ ہمارا کوئی اور کام نہیں ہے لھذا ہمارے تمام کام اصلاحی ہیں وہ یہ دعویٰ اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں اپنا فساد اصلاح نظر آتا ہے جیسا مشرک اپنے شرک کو توحید، بدعتی بدعت کو سنت فسادی فساد کو اصلاح گناہ کرنے والے گناہ کو نیکی کر سمجھتا ہے وجہ مرض روحانی ہے جسکا ذکر گزر گیا ہے۔ مُصْلِحُونَ اصلاح سے لیا گیا ہے معنی فریقین میں یا عالم میں اصلاح کرنا یا مطلق کار خیر کو کہتے ہیں۔ ان کے اس دعویٰ میں صحابہ کرام اور مومنین پر تنقید ہے کہ مفسد تم ہو۔

تفسیر آیت 12: اس آیت میں انکے برے عمل کا ذکر ہے اور سابقہ قول کا جواب ہے مگر بہت زیادہ تاکیدات کے ساتھ۔ لفظ (أَلَآ) تنبیہ کیلئے اِنَّ برائے تاکید ہے جملہ اسمیہ تاکید کیلئے، هُمْ ضمیر فصل برائے تاکید ہے، مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ذکر کرنا برائے تاکید ہے، پانچ تاکیدات لانے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام پر اشارۃً رد کیا تھا کہ وہ فسادی ہیں۔

الْمُفْسِدُونَ لغوی معنی فساد کا گزر گیا ہے، عرف میں فساد کا معنی ہے عالم کے نظام کو بگاڑ دینے قتل و غارت گری کرنے جنگ بھڑکانے اور آبادیوں کو ویران کرنے کو کہتے ہیں، سورۃ انبیاء آیت 22۔ نمل آیت 34۔ اس سے مراد وہ کام کرتے ہیں جس سے عالم میں فساد پیدا ہوتا ہے اور وہ قرآن مجید میں اس طرح مذکور ہے۔

قرآن مجید میں ''فساد'' کی صورتیں: 1: کفر شرک کا غلبہ سورۃ محمد آیت 22 میں ہے۔ 2: شریعت سے مخالفت، اسراء آیت 4۔ 3: شرک کرنا اعراف آیت 56۔ 4: کسی کا مال حرام طریقہ سے کھانا، یوسف آیت 73۔ 6: یتیموں اور دوسروں کا مال حیلہ بازی سے کھانا سورۃ بقرہ آیت 220۔ 6: فصلوں اور نسلوں کو برباد کرنا، بقرہ آیت 205۔ 7: لوگوں کو رسول کی پیروی سے منع کرنا نمل آیت 48۔ 8: بدعت کفر اور عام گناہ، سورۃ ص آیت 28۔ 9: مرتد ہونا راستوں میں ڈاکہ مارتے رہنا شادی کے بعد زنا کرنا سورۃ مائدہ آیت 32۔ 10: مسلمانوں کی نصرت سے جان چھڑانا، انفال آیت 73۔

معلوم ہوا کہ عالم میں فساد اور عذاب کیلئے مذکورہ سبب ہیں اور یہ کام منافقین اصلاح کے نام پر کرتے ہیں تو یہی ان کی قبیح صفت ہے۔ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ سوال: لفظ لکن ایک وہم ختم کرنے کیلئے لایا ہے وہم یہ تھا کہ جب انکے یہ کام فساد کے ہیں تو یہ لوگ ان کاموں سے اجتناب کیوں نہیں کرتے؟ جواب: ہوا کہ یہ لوگ شعور نہیں رکھتے کہ یہ فساد ہے بلکہ انکے گمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تو یہ اصلاح کے کام ہیں جیسا کہ گزشتہ آیت میں ہے، یا ان لوگوں کو فساد کے کاموں کا انجام معلوم نہیں ہے۔
سوال: پھر یہ لوگ معذور ہیں کیونکہ بے شعوری قابل سزا نہیں؟ جواب: یہ بے شعوری قابل معافی نہیں ہے کیونکہ انہوں نے دینی تحقیق چھوڑ دی ہے جو کہ ہر بندے کا فریضہ ہے اور تحقیق کے چھوڑنے کی وجہ سے یہ لوگ گنہگار ہیں لہذا انکا جرم اپنی غفلت اور چشم پوشی ہے ہر مشرک و بدعتی شرک و بدعت کو اسی لئے اپنائے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس کو اچھا سمجھا ہے جبکہ وہ برا ہے، آیت 9 میں صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ منافق بے شعور ہیں اور وہم پیدا ہونے کی گنجائش نہیں تھی تو وہاں لکن ذکر نہیں کیا اور یہاں وہم ختم کرنا مقصود تھا اس لئے لفظ لکن ذکر کیا ہے۔

تفسیر آیت 13: اس آیت میں منافقین کی تین بری صفات کا تذکرہ ہے:

1: صحابہ کرام کو بے وقوف کہنا۔ 2: خود بے وقوف ہونا۔ 3: جہل مرکب، دو مناسبتوں کی وجہ سے اسکو بھی سابقہ آیت پر عطف کیا ہے۔ پہلی مناسبت یہ ہے کہ یہ بھی پہلے کی طرح عذاب کے حقدار ہیں دوسری نسبت یہ ہے کہ دعوت کے دو طرف (جانب) ہیں۔ 1: نہی عن المنکر، برائی سے منع کرنا۔ 2: امر بالمعروف کرنا، تو سابقہ آیت میں جزء اول ہے لَا تُفْسِدُوْا اور اس میں دوسرا حصہ یعنی آمِنُوا ہے اس ترتیب میں اشارہ ہے کہ منافق کو اول نہی بیان کرو یعنی برائی سے منع کرو اور پھر بعد میں اچھائی کا حکم دو۔ آمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ الناس سے مراد صحابہ کرام ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن جریر ابن کثیر قرطبی نے نقل کیا ہے کہ الناس میں الف لام عہدی ہو جیسا کہ ظاہر ہے یا برائے جنس ہو کیونکہ جنس کا اطلاق کبھی فرد کامل پر بھی ہوتا ہے۔ سوال: منافقین تو ایمان کے دعوے دار ہیں پھر انکو ایمان کی دعوت دینے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب: ان کو دعوت دینے میں مندرجہ ذیل شروط و قیود ہیں کہ اپنے ایمان کو صحابہ کرام کے ایمان کی طرح کر لو جس میں اخلاص ہو، دھوکے سے پاک ہو، روحانی بیماری اور فسادات سے مکمل اجتناب ہو، اور کامل ایمان ہو۔
كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ میں ان تمام باتوں کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت سے صحابہ کی فضیلت بالکل واضح ہے اور یہ آیت صحابہ کی حقانیت اور ان کے معیار حق ہونے پر واضح دلیل ہے۔ آیت 137 میں بھی اس طرح شان صحابہ مذکور ہے اور یہ حکم تمام صحابہ کرام کی مجموعی حیثیت سے ہیں اگرچہ صحابہ کرام معصوم عن الخطاء نہیں ہیں صحابہ کرام کے فضائل قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں میں مذکور ہیں۔ توبہ آیت 100۔ فتح آیت 18، 29۔ حجرات آیت 3، 7۔ آل عمران آیت 103، 110۔ انفال آیت 74۔ اور احادیث تو اس موضوع میں بہت زیادہ ہیں۔ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ منافقین کی جانب سے بداخلاقی و بدتمیزی کے انداز میں جواب ہے ہمزہ استفہام انکاری ہے اور انکی مراد اس سے صحابہ کرام ہیں۔ امام قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اَلسُّفَهَآءُ - سَفِيْهٌ کی جمع ہے سفاہت سے لیا گیا ہے خفت، حرکت، جہل، خفیف العقل جو نقصانات اور فوائد کو نہیں جانتا ہو، کم عقل، یہ تمام معانی مراد ہیں اور قرآن مجید میں یہ مادہ 11 مرتبہ مذکور ہے، کم عقل کے معنی بقرہ آیت 282۔ بے علمی کے معنی میں انعام آیت 140۔ شریعت میں بے وقوف یعنی سَفِيْه وہ ہے جو دین کی سمجھ نہ رکھتا ہو جیسا کہ دین ابراہیم سے اعراض کرتا ہے، سورۃ بقرہ آیت 130 میں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے اعمال پر اعتراض کرتے ہیں اس معنی میں بقرہ آیت 142 اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں، سورۃ جن آیت 4۔ اور اللہ تعالیٰ سے بے مقصد سوال کرنے والے، اعراف آیت 155 یہ سب بیوقوف ہیں۔ منافقین کی مراد معنی عرفی یہ تھا کہ صحابہ نے باپ دادا کا دین چھوڑا اور نبی کے ساتھی بن گئے علاقہ مال جان سب کچھ قربان کیا تو یہ نعوذ باللہ بے وقوف ہیں۔ کافروں نے ہود علیہ السلام پر بھی اسی طرح اعتراض کیا تھا، اعراف آیت 66۔ یہ آیت واضح دلیل ہے کہ صحابہ پر تنقید کرنے والے اور طعن توہین کرنے والے منافق ہیں۔

سوال: جب انہوں نے اَنُؤْمِنُ کہا تو واضح کافر ہو گئے اسی طرح مدینہ میں تو صحابہ کرام کی قوت غالب تھی تو پھر منافقین کیلئے کیسا ممکن تھا کہ وہ اس طرح جملے کہتے؟ جواب: یہ باتیں وہ آپس میں کرتے تھے مومنین کی موجودگی میں وہ اس قسم کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے جب ان کی خبر اپنے نبی کو دے دی تو پھر انکار کی جرأت ان میں نہیں تھی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد ہے منافقین پر اور صحابہ کرام کی دفاع ہے۔ اس وجہ سے اس میں تاکیدات بہت ہیں۔ اَلَآ، اِنَّ، هُمْ، مبتدا خبر دونوں معرفہ، جملہ اسمیہ، منافقین میں سفاہت گزرے ہوئے معانوں میں موجود تھی یعنی کم عقلی، جہل، نبی اور صحابہ پر اعتراض دین سے اعراض یہ تمام عادات قبیحہ ان میں موجود تھیں۔

(وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ) سوال: لٰكِنْ وہم ختم کرنے کیلئے ذکر کیا ہے اور وہم یہ ہے کہ جب یہ لوگ خود جاہل بے علم ہیں تو اور لوگوں کو کیوں بے وقوف کہتے ہیں؟ جواب: یہ لوگ اپنی جہالت اور بے علمی نہیں جانتے ہیں اور جو اس قسم کی خصلت والا انسان ہوتا ہے اس کو جاہل مرکب کہتے ہیں اور قبولیت حق کی امید اس سے نہیں ہو سکتی۔

سوال: خداع اور فساد کے ساتھ لَا يَشْعُرُوْنَ فرمایا ہے اور سفاہت کے ساتھ لَا يَعْلَمُوْنَ فرمایا ہے؟ جواب: خداع اور فساد تو ظاہری چیزیں ہیں تو اس کیلئے لَا يَشْعُرُوْنَ مناسب تھا اور سفاہت بے علمی تو معنوی چیز ہے اس کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَا يَعْلَمُوْنَ مناسب ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ إِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا إِنَّا مَعَكُمْ ۙ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ ”اور جب ان کا آمنا سامنا ہوتا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب چلے جاتے ہیں اپنے شیطانوں (بڑوں) کی طرف تو کہتے ہیں یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں اور یقیناً ہم تو ایمان والوں کا تو مذاق اڑاتے ہیں“ [14]۔ ”اللہ استہزاء کرتا ہے ان سے اور انہیں اور بڑھاتا ہے ان کی سرکشی میں وہ بھٹکتے پھرتے ہیں“ [15]۔ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے چنانچہ نہ نفع بخش ہوئی ان کی تجارت اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے“ [16]۔

تفسیر 14: اس آیت میں ان کی دو صفات رذیلہ کا ذکر ہے (1: شیاطین کی دوستی اور مومنوں کا استہزا) اور یہ ماقبل پر عطف ہے۔ اور یہ بھی اسباب عذاب میں سے ہیں، اور یہ واضح دلیل ہے کہ انہوں نے أَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ایمان والوں کے سامنے نہیں کہتے کیونکہ ان کے سامنے تو آمنا کہتے تھے۔ وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ لِقَاء، بغیر وعدہ اچانک ملاقات کو کہتے ہیں چونکہ ایمان والوں سے ملاقات بے وعدہ ناگہانی ملاقات تھی۔ (قَالُوْٓا اٰمَنَّا) یہ قول اخلاص پر مبنی نہیں ہے اس لئے بغیر تاکید کے ذکر کیا ہے۔ سوال: یہ قول اٰمَنَّا تو آیت 8 میں گزر گیا ہے پھر اس کو دوبارہ کیوں لایا گیا؟ جواب: یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ وہاں تو منافقوں کے حال کی تعریف اور اجمال تھا اور اس آیت میں مقصد انکے حالات کا اختلاف شیطانوں کے ساتھ اور ایمان والوں کے ساتھ ذکر کرنا ہے اور یہاں مقصود تفصیل ہے۔ یعنی وہاں انہوں نے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہا تو یہاں فرمایا کہ انکا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں تھا یہ تو صرف ایمان والوں کے سامنے تھا۔ وہاں فرمایا تھا وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ تو یہاں پر فرمایا کہ یہ لوگ تو مشرکین سے کہتے ہیں إِنَّا مَعَكُمْ وَإِذَا خَلَوْا بمعنی خلوت ہے اور اس کے صلہ میں (الی) اور (باء) دونوں مستعمل ہیں۔ البتہ اس وقت (باء) کا استعمال ہوتا ہے جب استہزا مقصود ہو اور خلا گزرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے بلکہ قرآن مجید میں 24 مرتبہ یہ مادہ استعمال ہوا ہے۔ قَدْ خَلَتْ یا الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ یہاں پر بھی مَضَوْا کے معنی میں ہے تو اس کے ساتھ إلی حرف مناسب ہے۔ اگر انفراد اور خلوت کے معنی میں ہو تو (الی) معنی مَضَوْا، اِنْصَرَفُوْا کے متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور امام سیبویہ اور خلیل نے یہ قول رد کیا ہے کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الیٰ مع کے معنیٰ میں ہے، یہ تفصیل ابن جریر نے نقل کی ہے تو معنی یہ ہوا کہ جب یہ لوگ مومنوں سے جدا ہو کر شیطانوں کے پاس چلے جاتے ہیں (جو ان کے بڑے ہیں)۔ اِلٰی شَیٰطِیۡنِهِمۡ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ لفظ ہم کی طرف اضافت سے پتہ چلتا ہے کہ مراد جن نہیں بلکہ منافقین مشرکین اور کفار کے سردار مراد ہیں اور اسی طرح اشارہ ہے کہ صفت شیطانی میں جو کہ کفر اور نفاق ہے اس میں انکے ساتھ شریک ہیں۔ شَیٰطِیۡنِ شیطان کی جمع ہے شطن سے لیا گیا ہے قرآن میں 88 مرتبہ مذکور ہے جس کا معنی دوری ہے شیطان بھی اللہ کی رحمت سے بہت دور ہے۔ امام بقاعی نے فرمایا ہے کہ خیر کے محل سے بہت دور شیطان ہے، یا پھر شاط سے لیا گیا ہے جو کہ بطل اور باطل کے معنی میں ہے جو صفت شیطانی ہے۔ امام راغبؒ مفردات میں لکھتے ہیں کہ ہر سرکش خواہ جن ہو انسان ہو یا حیوان، یہی وجہ ہے قرآن کریم میں مختلف مصداقات میں استعمال ہوا ہے۔ 1: سورۃ البقرۃ میں ابلیس کیلئے ہے آیت 36۔ 2: شیطان جنی وانسی سورۃ بقرہ آیت 102، 168۔ 3: صرف شریر جنات کیلئے سورۃ بقرہ آیت 275۔ 4: شریر انسان جیسا کہ اس آیت میں شَیٰطِیۡنِهِمۡ اور مراد کفار منافقین اور یہود کے علماء ہے۔ 5: ایک تفسیر کی بنا پر سانپ، سورۃ صفات آیت 65۔ 6: انسانوں میں سے جاسوس، آل عمران آیت 175۔ اِنَّا مَعَکُمۡ معیت سے مراد عقائد اور دین میں شرکت ہے، اور انہوں نے تاکید اس لئے کی کہ بڑوں کی جانب سے شکوک وشبہات آئے کہ مومنوں کے ساتھ تمہارا میل، ملاپ کیوں ہے تو انہوں نے جواب میں تاکیداً ایمان سے انکار اور شیطانی معیت کا اقرار کیا۔

فائدہ: (مع) لفظ قرآن مجید میں 160 مرتبہ مذکور ہے اور دلالت کرتا ہے مصاحبت اور شرکت کے معنی پر چاہتے وہ کسی بھی طریقے سے ہو تو اس کا استعمال کئی وجوہ سے ہے، 1: مکان زمان اور عمل میں شریک ہونا، سورۃ بقرہ آیت 43 سورۃ نساء آیت 102۔ 2: عمل اور صفت میں شریک ہونا، سورۃ آل عمران آیت 43,53,193۔ 3: سیر اور تفریح میں شریک سفر ہونا، یوسف آیت 66۔ 4: اجر وثواب میں شریک، نساء آیت 69۔ 5: مجلس میں شرکت ہونا انعام آیت 68۔ 6: عذاب میں ساتھی ہونا، اعراف آیت 47، 50۔ 7: الوہیت میں شریک ہونا، انعام آیت 19۔ 8: عذاب سے نجات میں شریک ہونا، نساء آیت 146۔ 9: متابعت اطاعت میں شریک ہونا یعنی شریک فی الدین، اعراف آیت 88۔ فتح آیت 29۔ 10: بعد مع الاتصال دوری مگر ساتھ ساتھ، سورۃ انشراح آیت 5۔ 11: علی کے معنی میں، سورۃ حدید آیت 25۔ 12: لازم اور متصل کے معنی میں، سورۃ یٰسین آیت 19۔ 13: اللہ تعالیٰ کی صفت علم اور قدرت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ، سورۃ حدید آیت 4۔ مجادلہ آیت 7۔ 14: اللہ تعالیٰ کی صفت بطور بندوں کی نصرت کے صبر استقامت پر، النحل آیت 153۔ 15: تقویٰ کے معنی میں، سورۃ بقرہ آیت 194۔ 16 احسان کے معنی میں، سورۃ نحل آیت 128۔ 17: پانچ صفات کے ساتھ، سورۃ مائدہ آیت 11۔ ان دونوں معنوں میں مصاحبت کے معنی میں ہے۔ سلف کی تفسیر کے مطابق مصاحبت کے دو طریقے ہیں اور متاخرین کے نزدیک یہاں بنا کسی تاویل کے حقیقی معنی مراد ہے، اور متاخرین کے نزدیک تاویل کا مطلب معنی حقیقی چھوڑنا ہے۔ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ سوال یہ تھا کہ اگر تم ہمارے ساتھی ہو تو اٰمنّا کیوں کہا، اس جملہ میں استیناف اور تاکید کے ساتھ جواب ہے کہ ان کے مجالس میں بیٹھنا اور شریک ہونا تو بطور مذاق ہے اس قسم کے جواب پر شیاطین بہت خوش ہوتے ہیں کہ مخالفت میں استہزاء بھی شامل ہو۔ اِنَّمَا نَحۡنُ اس میں منافقین کے استہزاء کے عمل کا حصر ہے کہ یعنی آمنا کے قول میں تصدیق کا کوئی شبہ نہیں ہے خالص مذاق ہے۔ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ استہزاء اور مذاق اڑاتے ہیں اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا (ابن جریر) جیسا کہ سورۃ توبہ آیت 65 میں اور تکذیب اور انکار کرتے ہیں اس چیز کی جن کی طرف دعوت دی جاتی ہے (قرطبی)، اور (ھمزہ) کا مادہ قرآن میں 34 مرتبہ مستعمل ہے۔ لغت میں ذلت حقارت کے معنی میں ہے جلد قتل کرنا یا جلدی مرنا بھی ھزء کہلاتا ہے۔ کسی کا مذاق اڑانا جب اسکو وہ حقیر جانتا ہے، یا کسی کی بات کا مذاق اڑانا بطور انکار۔ تمسخر اور استہزاء میں فرق یہ ہے کہ تمسخر اکثر افراد میں استعمال ہوتا ہے کسی کو حقیر جاننا اور اُسے ذلیل اور اپنا تابع جاننا اور استہزاء عام ہے اقوال احوال افراد سب کو شامل ہے مسلمانوں کے درمیان بھی مسخرے ہوتے ہیں اگرچہ گناہ ہیں، استہزاء شریعت میں صفت کفار اور منافقین ہے

تفسیر 15: اس آیت میں دنیا و آخرت کے عذاب کا ذکر ہے استہزاء، مدّ، عمہ، طغیان ایک صفت قبیحہ کا ذکر ہے۔ یعنی (طغیان) (اَللّٰهُ یَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ) لفظ اللہ مقدم کر کے تاکید مقصود ہے کہ یہ کام خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے کسی کے ذریعہ نہیں کراتا ہے۔ اور یستھزء صیغہ فعل لانے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جدید سزاؤں کا اہتمام کرتا ہے اور وقفہ وقفہ سے عذاب نازل کرتا ہے۔ فائدہ: اللہ کی طرف مکر، خداع، استہزاء، اور اس جیسی دیگر صفات کی نسبت سلف صالحین کے نزدیک حقیقی ہے البتہ تشبیہ تمثیل بندوں کے ساتھ نہیں اور تاویل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے متعلق سلف کا یہ عقیدہ ہے اس مقام پر تفسیر قاسمی، امام ابن کثیر، امام ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔ یَسۡخَرُ بِهِمۡ لِلنِّقۡمَةِ سزا دینے کیلئے ان کا مذاق اور تذلیل کرتا ہے، امام ابن جریر کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ سے بطور تمثیل اور عبث بندوں کی مانند تو مذکورہ صفات کی نفی ہے اور بطور انتقام، عدل، مقابلہ، جزا ثابت ہے نفی نہیں۔ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور استہزا، یا تو قیامت کے دن ہے جیسا کہ سورۃ حدید آیت 13۔ مطففین آیت 14۔ یا پھر دنیا میں ہوگا یعنی اصلاحی احکام جاری کرنے مال فی، غنیمت میں حصہ داری یا خون اور مال کی پاکی کیلئے خرچ اگرچہ انکا کفر باطنی اللہ کو معلوم ہے اور آخرت میں ان کو سخت عذاب دے گا۔ وَيَمُدُّهُمْ مد کا مادہ اگر (مجرد) ہو تو زیادت کا معنی دیگا اور اگر مزید فیہ ہو تو مہلت کا معنی دے گا مدّ کے صلہ میں جب لام آجائے تو وہ بھی مہلت کا معنی دیتا ہے۔ یہ مدّ قرآن میں 30 مرتبہ آیا ہے، امام مجاہد سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے يَمُدُّهُمْ يَزِيدُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ اس سے متعلق ہے یعنی ان کی سرکشی میں اور بڑھاتا ہے یہ بطور مہلت ہے جسکو املاء اور استدراج کہا جاتا ہے یعنی مجرم کو ایسے انداز سے گرفتار کرنا، پکڑ لینا جس کا اس کو احساس تک نہ ہو، آل عمران آیت 178۔ اعراف آیت 183، 182۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ انکے مال و اولاد کو بڑھا دیتا ہے یہ طغیان کے اسباب ہیں، سورۃ مومنون آیت 55۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف طغیان کی نسبت حقیقی البتہ معتزلہ اس کے منکر ہیں وہ مدّ کے معنی میں صرف مہلت کے قائل اور لام کو مقدر مانتے ہیں اور اس نسبت کو اللہ تعالیٰ کیلئے درست نہیں مانتے ہیں۔ دونوں کے اقوال میں فرق یہ ہے کہ اہل سنت فرماتے ہیں کہ طغیان میں اضافہ لانا اور اس کے اسباب پیدا کرنا ہے مہلت کے طریقہ پر اور معتزلہ کے ہاں طغیان اور اضافہ انسانوں کا عمل ہے اور عمر طویل کرنا بطور مہلت اور عذاب نہ دینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ یہاں معتزلہ کی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ فِي طُغْيَانِهِمْ طغیان کا مادہ 49 مرتبہ مذکور ہے لغت میں مقدار کے زیادت کو کہتے ہیں اور شریعت میں حدود شریعت سے عمل یا عقیدہ میں یا کیفیت مقدار میں یا وقت میں تجاوز کرنا۔ اور یہ معنی کفر، شرک، نفاق، فجور، بدعت سب کو شامل ہے۔ امام آلوسی نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے قرآن مجید میں سورۃ نجم آیت 17۔ اور سورۃ الحاقہ آیت 11۔ کے علاوہ تمام جگہوں میں شرعی معنی ہے اور ان دو مقامات میں لغوی معنی میں آیا ہے۔

يَعْمَهُونَ اس میں اشارہ ہے کہ کثرت مال اور اولاد سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ اسباب کی کثرت سرکشی کا سبب ہے سرور قلب نہیں ہے۔ البتہ حیرانگی پریشانی میں ان اسباب سے اضافہ ہوتا ہے، ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ طغیان اور کفر کا ان پر اتنا غلبہ ہوا ہے کہ ہدایت کی طرف راستہ نہیں پاتے ہیں جیسا کہ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ اکثر مفسرین نے کہا ہے عَمًى: آنکھوں کی بینائی کا ختم ہوجانا۔ عَمَهٌ: دل کی بینائی کا نہ ہونا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 16: اس آیت میں منافقین کے دو قبیح صفات کا ذکر ہو رہا ہے۔ اِشْتِرَاءُ الضَّلٰلَةِ وَعَدَمُ اِهْتِدَاءٍ اور یہ سابقہ صفات کا نتیجہ ہے۔ اُولٰٓئِكَ اشارہ ہے کہ سابقہ صفت کی وجہ سے یہ حکم ان پر لاگو ہو رہا ہے خصوصاً آمنّا کے بعد اِنَّا مَعَكُمْ کہا جو کہ انتہائی ذلت کا مظاہرہ ہے اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى عرف میں اشتراء مال دے کر کوئی چیز خرید لینا ہے اور اس کے بعد (با) داخل ہوگی (ثمن) قیمت پر، لیکن استعمال اس طرح ہوتا ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے بدلہ چھوڑ دینا۔ یہاں استبدال کے معنی میں ہے کہ یعنی انہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی لے لی۔

سوال: ان کے پاس تو ہدایت نہیں تھی تو بدلے میں کیسے دیا؟ جواب: ہدایت فطری ہر بندے کے پاس ہوتی ہے جس کی دلیل یہ آیت ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا سورۃ روم آیت 30۔ یعنی وہ فطرت جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے انہوں نے اسے بدل ڈالا، یا پھر وہ ہدایت جو انہوں نے آمنا میں ظاہر کی تھی اس کو کفر کے اعمال سے بگاڑ ڈالا، یا پھر اشتراء اختیار اور استحباب کے معنی میں ہے جیسا کہ حم سجدہ آیت 17۔ ابراھیم آیت 3 میں ہے ضلال سے مراد وہ ذلت والی صفات ہیں جو کفر تک پہنچانے والی ہے۔ هُدٰى سے مومنین کی صفات مراد ہیں جس کا ذکر ہو چکا ہے اور یہ آیت اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ کے مقابل ہے۔ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ چونکہ ان منافقین کا معاملہ اشتراء کے تشابہ ہے اور یہ طریقہ تو تجارت ہے اسلئے اسکو تجارت کہا گیا۔ اسکو علم بلاغت میں تخییل کہتے ہیں اور تجارت کے ساتھ کمائی کا ذکر کرنا ثبوت نفی کے ساتھ ترشیح کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ حسن کلام کیلئے بنا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان تو تجارت فائدے کیلئے کرتا ہے اور انہوں نے تو فائدہ در کنار نقصان ہی نقصان اٹھایا ہے کیونکہ منافقین کیلئے دنیا میں شرمندگی اور آخرت میں مختلف عذاب ہیں۔ رَبِحَتْ یہ تجارت کی طرف نسبت بھی کلام کا طریقہ ہے اس کو اسناد مجازی کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہے کہ تجارت فائدے والی نہیں ہے تو ایسی تجارت والے کو کہاں سے کمائی ہوگی۔ تِجَارَتُهُمْ تجارت کا لفظ قرآن مجید میں 9 مرتبہ تین طریقوں کے ساتھ مستعمل ہے۔ پہلا طریقہ: تجارت مالیہ حقیقیہ، بقرہ آیت 282۔ نساء آیت 29۔ طریقہ ثانیہ: تجارت اُخروی، فاطر آیت 29۔ صف آیت 10۔ طریقہ ثالثہ: تجارت تمثیلیہ جو مذکورہ آیت میں ہے۔ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ یہ متعلق ہے اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى سے، معنی یہ ہے کہ ہر اعتبار سے اس تجارت پر ہدایت کی نفی کی گئی ہے ایسا سودا کرنے کے بعد ہدایت کا کوئی امکان باقی نہیں ہے۔ یا پھر متعلق ہے فَمَا رَبِحَتْ سے تو معنی یہ ہوگا کہ فائدہ تو نہیں کمایا البتہ نقصان اٹھانا پڑا اور تجارت کے راستے بھول گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ ٱللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا
يُبْصِرُونَ ⑰ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ⑱ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ
أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ ٱلصَّوَٰعِقِ حَذَرَ ٱلْمَوْتِ ۚ وَٱللَّهُ مُحِيطٌۢ بِٱلْكَٰفِرِينَ ⑲ " حالت ان کی اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی تو اللہ تعالیٰ لے جاتا ہے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیتا ہے انہیں اندھیروں میں جس میں بالکل بھی نہیں دیکھتے ہیں۔[17] بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہیں لوٹتے[8] یا حالت ان کی بہت زیادہ بارش کی طرح ہے اوپر کی طرف سے جس میں بہت زیادہ اندھیرے ہوں اور کڑک اور گرج چمک ہو رکھتے ہیں یہ انگلیاں اپنے کانوں میں سخت آوازوں کی وجہ سے موت کے خوف سے اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے[19]۔

تفسیر17: جب پہلے تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہو گیا جو قرآن مجید سے متعلق تھے یعنی پورا فائدہ اٹھانے والے اور ظاہراً انکار اور مقابلہ کرنے والے اور چھپ کر خفیہ مخالفت کرنے والے۔ تو پہلی قسم والوں کیلئے مثال کی ضرورت نہیں ہے البتہ دوسری تیسری جماعت کیلئے مثالوں کی ضرورت ہے تاکہ انکے حالات ایمان والے یہ جان لیں کہ یہ لوگ کتنا بڑا نقصان اٹھا رہے ہیں۔ فائدہ: بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں مثالوں کی تعداد 44 ہیں۔ ہر بلیغ فصیح کلام میں مثالیں ہوتی ہیں۔ مثال کے فوائد بقرہ آیت 26۔ ابراھیم آیت 25۔ حشر آیت 21 میں مذکور ہے۔ اور قرآن کی مثالوں کو جو لوگ جانتے ہیں ان کو عالم کہا گیا ہے سورۃ عنکبوت آیت 43۔ مثال سمجھنے میں تین چیزیں جاننا ضروری ہیں۔ اول: مشبہ اور مشبہ بہ اور وجہ شبہ قرآن مجید میں یا تو لفظ مثل ذکر ہوتا ہے کبھی صرف حرف کاف، کبھی کلام کی ترتیب سے پتہ چلتا ہے۔ لفظ مثل سے 33 مرتبہ قرآن میں مثالیں مذکور ہیں۔ تنبیہ: پہلی مثال ان کافر لوگوں کی ہے جو مخالفین قرآن ہیں جنہوں نے کھل کر مخالفت کی ہے اور لوگوں کو قرآن سے منع کرتے ہیں لیکن ان کے اس عمل سے قرآن والوں کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ ان کو ہی نقصان پہنچتا ہے تشریح آگے ہوگی۔ اکثر مفسرین نے یہ مثال منافقین کے ساتھ لگائی ہے لیکن عموم الفاظ کی وجہ سے عام کفار بھی شامل ہیں جیسا کہ بیضاوی نے لکھا ہے۔ مَثَلُهُمْ لفظ مثل کبھی تو مثال کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت 26۔ اور سورۃ ابراھیم آیت 25۔ کبھی تو وصف شان اور عجیب حالت کیلئے آتا ہے جیسا کہ سورۃ رعد آیت 35 نحل آیت 60۔ اور کبھی وعظ و نصیحت کے اقسام کیلئے جیسا کہ کھف آیت 54۔ کبھی عجیب احوال کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ اس سورۃ میں آیت 214 میں مذکور ہے۔ یہاں حالت اور عجیب وصف کے معنی میں ہے۔ (هُمْ) ضمیر اکثر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفسرین کے نزدیک منافقین کی طرف راجع ہے اور سابقہ آیت ۔اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى کے متعلق ہے (اس مثال کی تفصیل بعد میں ذکر ہوگی) یا پھر کفار کی جانب راجع ہے اس صورت میں کہ لوگوں کو قرآن سننے سے روک رہے تھے۔ (كَمَثَلِ) کاف تشبیہ کیلئے ہے اور مثل بمعنی حال ہے اور لفظ مثل میں اشارہ ہے تشبیہ ایک ذات کی دوسری ذات کیساتھ نہیں ہے بلکہ تشبیہ حالات کی ہے۔(الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا) اِسْتَوْقَدَ باب استفعال سے ہے اس میں أَوْقَدَ سے تاکید زیادہ ہے اور کوشش اور طلب کے معنی میں ہے ۔(الَّذِي اسْتَوْقَدَ) اس کیلئے بقول مشہور مشبہ منافقین ہیں ۔دوسرے قول کے مطابق قرآن بیان کرنے والا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اس کے ساتھی ۔(نَارًا) یہ لفظ قرآن مجید میں مختلف مصداقات کیلئے آیا ہے ۔1: نار جہنم ، بقرہ آیت 24 ۔2: حرام چیز بقرہ آیت 174 ۔3: گناہ ، بقرہ آیت 221۔ 4: حرارت بقرہ آیت 226 ۔5: آسمانی آگ ، آل عمران آیت 183 ۔6: جنات کے خلق کا مادہ ۔ اعراف آیت 12۔ 7: دنیاوی آگ ، رعد آیت 17 ۔8: عذاب برزخی ، مومن آیت 46 ۔9: اسباب جنگ مائدہ آیت 64 ۔10 آگ مثالی جو کہ اس آیت میں ہے ۔فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ۔ أَضَاءَتْ ضوء سے لیا گیا ہے تیز روشنی کو کہتے ہیں اور یہ لفظ متعدی ہے اور اسکا فاعل ھِیَ ضمیر ہے جو کہ نار کی طرف راجع ہے ۔مَا حَوْلَهُ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آگ کے اردگرد ہیں ۔ الَّذِي کی طرف ہ ضمیر راجع ہے یا پھر یہ فعل لازم ہے اور مَا حَوْلَهُ سے مراد وہ مکانات ہیں جو آگ کے اردگرد ہیں اور یہ مفعول فیہ ہے ۔(ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ) یہ لَمَّا کیلئے جزا ہے کیونکہ اِذْهَبْ صرف لیجانے پر دلالت کرتا ہے اور ذَهَبَ بِهٖ فاعل مفعول حمیت جانے پر دلالت کرتا ہے ۔تاکید کیلئے نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے اور اشارہ ہے کہ آگ میں خود ذاتی طور پر روشنی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں روشنی ڈالنے والی اور ختم کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

بِنُورِهِمْ سوال: اَلَّذِي مفرد اور نُورِهِمْ میں هُمْ ضمیر جمع ہے تو ضمیر اور اس کے مرجع میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب 1: الذی جمع کے معنی میں ہے مثل خُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ۔توبہ آیت 69 ۔اور چونکہ آگ جلانے والا اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور روشنی کا فائدہ اٹھانے والے زیادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے الذی کو صیغہ واحد اور بنورھم کو جمع ذکر کیا ہے ۔جواب 2: یہاں پر اِسْتَوْقَدَ نَارًا کے بعد تقدیری عبارت ہے فِي ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ رِجَالٌ قَاعِدُوْنَ تو ضمیر بِنُورِهِمْ ان کی طرف راجع ہے ۔لیکن یہ بہت دور کا احتمال ہے ۔بغیر عبارت تقدیری سے قانون عربیت میں کلام کا مقصد مکمل ہے جیسا سابقہ جواب میں ہے ۔سوال: ذَهَبَ اللّٰهُ بِنَارِهِمْ کیوں نہیں فرمایا؟ جواب: آگ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دو صفات ہیں (۱) روشنی (۲) جلانا۔ بِنُوْرِهِمْ یعنی یہ فائدہ ہے کہ کافروں اور منافقوں سے روشنی چلی گئی اور عذاب کا جلانا انکے لئے باقی ہے یا مؤمنوں کے ترقی کے سبب انکے دلوں کا جل جانا انکے لئے باقی ہے۔ سوال: اضاءت لفظ کے مناسبت کی وجہ سے بِضَوْءِهِمْ کیوں نہیں فرمایا؟ جواب: ضوء زیادہ روشنی کو کہا جاتا ہے تو اس لفظ کو استعمال کرنے سے وہم پیدا ہوجاتا ہے کہ زیادہ روشنی گئی ہوگی مگر کم رہ گئی ہوگی کیونکہ قانون یہ ہے کہ عام چیز کی نفی سے خاص کی نفی نہیں ہوتی ہے ضوء خاص جبکہ نور عام ہے اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس تو کوئی روشنی باقی نہیں رہی جیسا کہ بعد والا جملہ اس پر دلیل ہے۔

(وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ) دو وجوہات کی بنا پر جَعَلَهُمْ نہیں فرمایا ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ ظلمت تو ممکنات میں اصل ہے اور نور تو عارضی ہے تو نور زائل کرنے سے اصل جو کہ ظلمت ہے باقی رہ گیا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ لفظ تَرَكَ میں مبالغہ ہے اور اشارہ ہے کہ ان کو نسیا منسیا یعنی بلکل بھلا دیا گیا ہوگا۔ (فِيْ) لفظ استغراق اور انغماس پر دلالت کر رہا ہے تو معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ ظلمات کی لپیٹ میں ہیں اور اندھیروں کی گہرائی میں ہیں۔ ظلمت جمع لانے میں اشارہ ہے کہ یہ آگ رات کو صحراء میں جلائی گئی ہے تو اس کے جانے سے تین اندھیرے ہونگے رات کا صحراء کا اور روشنی چلی جانے کا۔ (لَا يُبْصِرُوْنَ) یہ کثرت ظلمت کیلئے تاکید ہے یعنی ایسے اندھیرے ہیں کہ نظر ڈالنے کیلئے کوئی جگہ باقی نہیں ہے یعنی اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ فائدہ: ممثل لہ سے مثال کی تطبیق دو طریقوں سے ہے پہلا طریقہ ایک مشہور قول کے مطابق یہ مثال منافقین کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے منافقین نے ایمان کا کلمہ ظاہر کیا اور بعض عبادات میں مؤمنوں کے ساتھ شرکت بھی کی تو یہ ان لوگوں جیسے ہیں جنہوں نے آگ جلایا ہو جیسا کہ آگ سے فائدہ لینے والا اور روشنی لینے والا ہے ایک جہت کے ساتھ (آگ میں دو جہتیں ہیں (۱) اشراق (۲) احراق) اسی طرح منافق نے بھی زبان سے ایمان ادا کیا ہے لیکن دل سے مؤمن نہیں ہے پھر جب منافقوں نے ایمان کے اظہار سے امن حاصل کیا اور مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت میں شریک ہوئے اور زکوۃ حاصل کرنے لگے مسلمانوں کے ساتھ شادی نکاح کے مسائل میں شریک ہوئے تو یہ مشابہ ہوگئے یہ اضاءت کا حولہ کے ساتھ پھر جب یا تو مرگئے یا ایمان والوں کو انکے نفاق کا علم ہوا تو یہ فائدے ان سے منقطع ہوگئے ان فائدوں سے محروم ہوئے تو انکا یہ حال مشابہ ہوگیا۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ۔ کے ساتھ اور مرنے کے بعد ظلمت یعنی قبر میں اندھیرے حشر کے اندھیرے جہنم آگ کے اندھیرے تو انکا یہ حال مشابہ ہو۔ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ کے ساتھ پھر جب جہنم کی آگ سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے تو انکا یہ حال مشابہ ہے۔ لَا يُبْصِرُوْنَ۔ کے ساتھ اس توجیہ کے مطابق اَلَّذِيْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمع کے معنی میں ہے اور نُوْرِهِمْ سے مراد ایمان کا ظاہری نور ہے اور وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ مرنے کے بعد والے حالات ہیں اس صورت میں یہ متعلق ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ کے ساتھ کیونکہ اس میں ذکر تھا کہ انہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لی انہوں نے کوئی نفع نہیں کی اور تمام فائدے انکے ضائع ہو گئے تو انکی مثال مَثَلُهُمْ سے ذکر کی۔

اس مثال کی دوسری ترتیب: یعنی یہ مثال ان کافروں کی ہے جو کفر ظاہری باطنی دونوں کرتے ہیں لیکن قرآن نہیں سنتے اور لوگوں کو قرآن سے روکتے ہیں قرآن کو اور اس کے درس و تدریس کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں مثال کی تفصیل اس طرح ہے کہ مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دی ایمان اور توحید کو پھیلانے کی کوشش کی تو یہ حال مشابہ ہے۔(الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا) کے ساتھ آگ کے ساتھ تشبیہ اس وجہ سے دی گئی ہے کہ آگ کی روشنی دوام میں لکڑیوں کی محتاج ہے اسی طرح کمال اور دوام میں ایمان کی روشنی اعمال کا محتاج ہے اور۔ استوقد۔ کا لفظ بھی دلالت کرتا ہے کہ آگ جلانے اور تیز کرنے کیلئے کوشش کرتی ہے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی روشنی پھیلانے کیلئے بہت جدو جہد کی ہے تا کہ یہ نور پھیل جائے۔ نار کے ساتھ تشبیہ اس وجہ سے دی ہے کہ آگ سے لوگ مستفید ہوتے ہیں اپنی اپنی چراغیں (لالٹینیں) منور کر لیتے ہیں روشنی کو مستقل برقرار رکھنے کیلئے تو اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے ایمانی چراغیں منور کر کے بقاء نور حاصل کیا، پھر جب یہ روشنیاں دور دراز کے علاقوں یہاں تک کہ مدینہ تک پہنچ گئیں تو کفار نے کھل کر اس کی مخالفت پر کمر کس لی اور لوگوں کو قرآن سے روکنا شروع کیا جیسا کہ سورۃ حٰم سجدہ آیت 41,40,26 میں ہے تو یہ حال مشابہ کیا۔(فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ) کے ساتھ اور مخالفین کا حال مثال میں مقدر ہے یعنی اَرَادُوْٓا اَنْ يُّطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی روشنی بجھانے کا ارادہ کیا (اس طریقے کے ساتھ جو حٰم سجدہ میں مذکور ہے) تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو ہجرت کا حکم دیدیا اور نبی کو ہجرت کے طریقہ پہ مدینہ منورہ منتقل کیا جس کی وجہ سے نور قرآن ،ایمان، رسول، نماز وغیرہ ساری روشنیاں مکہ سے مدینہ منورہ میں مستقل ہو گئی اس حال کی طرف اس لفظ میں اشارہ ہے۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ. روشنی چلی جانے کے بعد مشرکین مکہ کفر، شرک، بدعت رسم رواج اور قتل غارت گری کی تمام جہالتوں میں رہ گئے انکا یہ حال ذکر کیا وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ کے ساتھ اور ان تمام برے اعمال و عادات کی وجہ سے جب ان پر ہدایت کا راستہ بالکل (مسدود) بند ہو گیا تو ان کے اس حال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لَّا يُبْصِرُوْنَ. کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ، اس توجیہ میں اَلَّذِی بمعنی جمع مفرد ہے اور اس میں نار سے مراد دعوت قرآن و توحید ہے اور ظلمت سے مراد دنیوی حالات
ہیں۔ یہ توجیہ زیادہ راجح ہے وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدا میں عظمت قرآن کا عنوان ہے لہذا یہ اس سے مناسبت رکھتا ہے
دوسری بات یہ ہے کہ سورۃ بقرہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی ﷺ نے ہجرت کی اور قرآن و حدیث مدینہ میں منتقل
ہوگئی تو یہ اس حال کے بھی مناسب ہے۔ اور اس مثال کا عام فائدہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے بھی قرآن کی مخالفت کی اور قرآن
والوں کو ہجرت پر مجبور کیا تو قرآن وسنت والوں کیلئے روشنی کا کام دوسری جگہ میں ترقی کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے البتہ
مخالفت کرنے والے اندھیروں میں رہ گئے لہذا نقصان مخالفین کا ہوا کہ شرک کفر جہالت انکا مقدر بن گئی۔

فائدہ 1: قرآن میں لفظ نور 13 مختلف مصداقات کے ساتھ 43 مرتبہ آیا ہے: 1: اللہ تعالیٰ کی صفت میں سورۃ نور
آیت 35۔ زمر آیت 69۔ 2: تیل زیتون کا نور۔ 3: زجاجہ یعنی شیشے کا نور، سورۃ نور آیت 35۔ 4: نور بمعنی توحید بقرہ
آیت 257۔ 5: نبی کیلئے بطور صفت لفظ نور آیا ہے، مائدہ آیت 15۔ 6: تورات کیلئے صفت آیا ہے مائدہ آیت
44۔ 7: انجیل کیلئے صفت مائدہ آیت 46۔ 8: قرآن کی صفت نساء آیت 175۔ تغابن آیت 8۔ 9: ظلمت کے مقابل
نور، انعام آیت 1۔ 10: دین اسلام توبہ آیت 32۔ صف آیت 8۔ 11: چاند کی صفت یونس آیت 5۔ 12: قیامت
والے دن کا نور، حدید آیت 13۔ 13: نور آگ کی صفت جو کہ اس آیت میں ہے۔ فائدہ 2: لفظ ظلمت قرآن مجید میں
23 مرتبہ مستعمل ہے اور اس کے 9 مصداقات ہیں ۔ 1: بارش کے اندھیرے، بقرہ آیت 19۔ 2: شرک وشبہات کے
ظلمت بقرہ آیت 257۔ 3: ظلمت نور کے مقابل، انعام آیت 1۔ 4: ظلمت جہل انعام آیت 39۔ 5: زمین کے
اندھیرے انعام آیت 59۔ 6: سمندر و خشکی کی اندھیرے، انعام آیت 63۔ 7: مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، انبیاء آیت
87۔ 8: سمندری اندھیرا، النور آیت 40۔ 9: ماؤں کے رحموں کے اندھیرے زمر آیت 46۔ تمثیلی ظلمت جیسا کہ
یہاں پر مذکور ہے۔

تفسیر 18: اس آیت میں سابقہ مثال یعنی مُشَبَّهٌ بِهٖ کی تکمیل ہے یعنی صرف روشنی بجھنے سے اندھیرے میں نہیں ہیں بلکہ
حواس بھی ختم کروا چکے ہیں کیونکہ زیادہ مصیبت کی وجہ سے انسان کے حواس ختم ہو جاتے ہیں پھر انسان آگے یا پیچھے ہونے
کی طاقت نہیں پاتا لہٰذا اسباب علم ختم ہونے کی وجہ سے ان پر اندھیروں کی تکمیل ہوگئی۔ یا پھر دوسرے انداز میں تکمیل ہے
یعنی (مُشَبَّهٌ) ہے یعنی قرآن سے اعراض کرنے والے اور مخالفت کرنے والے کثرت جہل شبہات شرک اور ضد کی وجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے علم حق سے ایسے اندھے ہوگئے کہ ان کے حواس نے بھی کام چھوڑ دیا تو یہ اِذْ مقدرہ کے ساتھ ﴿لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ کیلئے علت ہوگیا۔ یہ مثل آیت 7 کے ہے۔ سوال: کافروں کے تو آنکھ کان زبان وغیرہ صحیح ہیں تو پھر یہ صفات کیسے صحیح ہیں؟ جواب: یہ تشبیہ اور تمثیل ہے۔ مبتداء اور حرف تشبیہ کے حذف کے ساتھ اور اس کو تشبیہ بلیغ کہا جاتا ہے۔ تو عبارت کی اصل صورت یہ تھی هُمْ كَالصُّمِّ وَالْبُكْمِ وَالْعُمْيِ.

سوال: صُمٌّ أَصَمّ کی جمع ہے اور یہ اس بندے کو کہا جاتا ہے جسکو کچھ بھی سنائی نہیں دیتا ہے اور اسی طرح بُکْمٌ أَبْكَمُ کی جمع ہے اور یہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو زیادت کے ساتھ بالکل بات نہیں کرسکتا ہو اور عُمْیٌ أَعْمٰی کی جمع اور یہ اس بندے کو کہا جاتا ہے جو کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا ہو جبکہ معاملہ تو ظاہراً اس کے برخلاف ہے کیونکہ کافروں کی یہ تمام قوتیں سالم محفوظ ہیں تو یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوئی؟ جواب: جب ان کی یہ قوتیں حق سے بالکل بند ہیں اگرچہ دیگر کیلئے ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان اجزا کو استعمال حق کیلئے پیدا کیا ہے تو اس کو حق سے بند کرنا اور ناجائز امور میں استعمال کرنا ایسا ہے جیسا کہ موجود ہی نہیں ہیں تو معنی یہ ہوگیا حق نہ سننے میں یہ ان بہروں، اندھوں اور گونگوں کی مانند ہیں جو بالکل سننے دیکھنے اور بولنے سے قاصر اور محروم ہوں تو معلوم ہوا اگر وجہ تسمیہ ایک طرف مطلق اور دوسری جانب مقید ہو تو بھی تشبیہ صحیح ہوتی ہے۔

فائدہ: صُمّ کا مادہ قرآن مجید میں 15 مرتبہ مستعمل ہے، ایک جگہ حقیقی نفی کیلئے آیا ہے سورۃ ھود آیت 24۔ کیونکہ وہاں پر حرف تشبیہ صریح ہے اور باقی جگہوں میں صم تمثیلی مراد ہے، اس طرح بُکْمٌ کا مادہ قرآن میں 6 مرتبہ مذکور ہے، دو جگہ حقیقی معنی مراد ہے سورۃ نحل آیت 76۔ اسراء آیت 97۔ باقی مقامات پر بُکْمٌ تمثیلی مراد ہے۔ اسی طرح عُمْیٌ کا مادہ قرآن مجید میں 33 مرتبہ مذکور ہے تین جگہ حقیقی معنوں میں ہے سورۃ نور آیت 61۔ فتح آیت 17۔ سورۃ عبس آیت 2۔ دو جگہ خفا (یعنی پوشیدہ) حقارت کے معنی میں ہے ھود آیت 28۔ قصص آیت 66۔ اور باقی جگہوں میں تمثیلی معنوں میں ہے۔

سوال: آیت 7 میں ختم کا لفظ اور یہاں پر بُکْمٌ ذکر ہے کیا وجہ ہے؟ جواب: پہلی توجیہ کے مطابق اگر اسکو مشبہ بہ کیلئے تکملہ بنایا جائے تو پھر تو تو پر اندھیروں کی ہیبت مراد ہے کیونکہ ہیبت کے وقت زبان، کان، آنکھ، سننے دیکھنے بولنے سے قاصر ہوکر بند ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری توجیہ کے مطابق جب (مشبہ) کیلئے تکملہ ہو تو فرق یہ ہوگا کہ وہاں عنادی ضدی خاص قسم کے کافروں کے عقائد کا ذکر تھا کہ عقائد انکے دلوں پر آفت کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور یہاں عام کافر مراد ہے عنادی اور غیر عنادی جن کے دلوں پر مہر نہ لگی ہو، بلکہ تھوڑے عناد اور ضد کی وجہ سے زبان سے کلمہ حق نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھتے ہیں۔ جواب 2: أَخْرَسٌ اس کو کہا جاتا ہے جو صرف بات نہیں کر سکتا ہو اور أَبْكَمُ اس کو جو نہ تو بول سکتا ہو اور نہ ہی جانتا ہو تو یہ شخص بھی مختوم القلب اور آفت اللسان ہے۔ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ اس کے دو مصدر ہیں رجوع اور رجع پہلا لازمی اور دوسرا متعدی ہے، یہاں مراد لازمی ہے اور کثر لازمی آتا ہے اور متعدی سورۃ توبہ آیت 83۔ طٰہٰ آیت 40۔ اور دیگر آیات میں ہے اور صیغہ مجہول رجع سے لیا گیا ہے جیسا کہ حم سجدہ آیت 50۔ بقرہ آیت 210۔ اور دیگر آیات میں ہے

تفسیر 19: اس آیت میں دوسری مثال ان کفار اور منافقین کی ہے جو قرآن کی مجلس سے بھاگتے ہیں اور اس کے سننے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، حرف (أَوْ) عام طور پر تردید اور شک کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی دو چیزوں میں برابری مساوات اور تردد کا ہونا، جبکہ کلام اللہ میں برابری یا تخییر کیلئے استعمال ہوا ہے سورۃ مائدہ آیت 89۔ کبھی واؤ کے معنی میں آتا ہے سورۃ دھر آیت 24۔ کبھی تنویع کیلئے جیسا کہ مائدہ آیت 23۔ اور کبھی تفصیل کے لئے آتا ہے بقرہ آیت 110۔ تو یہاں ان مفسرین کے نزدیک تخییر کے لئے ہے جنہوں نے دونوں مثالوں کو منافقین کے حیرت اور دہشت کے لئے قرار دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ مثال بھی منافقین کی ہے تو اختیار ہے کہ پہلی مثال ذکر ہے یا دوسری۔ بہتر بات یہ ہے کہ (أو) برائے تنویع ہے یعنی پہلی مثال کی ایک قسم کافروں کی ہے جو قرآن مجید کی کھل کر دشمنی پر اتر آئے تھے اور دوسری مثال ان کافروں کی ہے جو خفیہ دشمنی کرتے ہیں اور دیگر لوگوں کو روک نہیں سکتے ہیں۔ لیکن ان سے بھی اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔

(كَصَيِّبٍ) یہاں پر کاف بمعنی مثل ہے اور مَثَلُهُمْ مقدر ہے۔ صَيِّبٌ: تیز بارش کو کہا جاتا ہے اور قرآن میں یہ لفظ صرف ایک بار اس مقام میں استعمال ہوا ہے جہاں بارش میں یہ آنے والی صفات ہوں اکثر یہ موسم بہار کا ہوتا ہے اور غیث اس بارش کو کہا جاتا ہے جو خشک سالی یا طویل عرصہ کے بعد برسے اگرچہ اس میں بعد والی صفات نہ ہوں جبکہ مطر، عام بارش کو کہتے ہیں اور اکثر عذاب والی بارش کے لئے استعمال ہوتا ہے، تو صیب قرآن مجید کی مثال ہے کیونکہ بہت فائدے اور حکمتیں اس میں ہیں کسی کے لئے خیر ہوتی اور کسی کے لئے خیر نہیں ہوتی جیسا کہ سورۃ اعراف 58 اور قرآن مجید کا حال بھی سورۃ اسراء آیت 82 میں اسی طرح مذکور ہے۔ (مِنَ السَّمَاءِ) لغت میں ہر اس چیز کو سماء کہتے ہیں جو اوپر ہو اس وجہ سے چھت کو بھی سماء کہتے ہیں اور بارش کو بھی ایک تفسیر کے مطابق، سورۃ ذاریات آیت 22۔ سورۃ انعام آیت 6۔ سورۃ ھود آیت 52۔ اور بادل کو بھی یہاں اکثر مفسرین کے بقول مراد بادل ہے اور قرآن مجید کی بہت آیتوں سے بادلوں سے بارش کا نزول ثابت ہے سورۃ واقعہ آیت 69۔ سورۃ اعراف آیت 57۔ سورۃ روم آیت 48۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ نور آیت 43۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اَلسَّمَآءِ سے مراد آسمان ہے جس بادل کا تعلق آسمان سے ہو اس سے بارش ہوتی ہے اور ان دونوں اقوال کے مطابق مِنْ ابتداء غایۃ کیلئے ہے یعنی سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اور جب سماء سے مراد آسمان یا بلند چھت وغیرہ ہو تو اس وقت مِنْ جہت کے لئے ہوگا جیسا کہ سورۃ قصص آیت 30۔ لفظ سماء میں اختلاف ہے بعض علماء اسکو اسم جمع اور بعض اس کو مفرد اور جمع سماوات قرار دیتے ہیں۔ فائدہ: اَلسَّمَآءِ معرفہ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ وہ بارش مراد ہے جو تمام اطراف سے برستی ہے یعنی عام بارش ہے۔ جس طرح عام بارش آسمان سے ہوتی ہے اور ہر قسم کے فائدوں پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح یہ قرآن آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس کے فائدے عام ہیں۔ (فِيهِ ظُلُمٰتٌ) تنکیر برائے کثرت ہے مقدار اور کیفیت دونوں کے لئے ہے، صیغہ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ موسلا دھار بارش کے اندھیرے رات کے اندھیرے بادلوں کے اندھیرے جمع ہو گئے ہیں۔ اس طرح قرآن مجید میں اعمال کفر شرک نفاق وشبہات مذکور ہیں۔ یا پھر اس میں اشارہ ہے دعوت جہاد ہجرت اور عبادات کے مصائب اور تکالیف کی طرف جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور قرآن کی تبلیغ و دعوت میں یہ سب آتی ہیں۔ (وَرَعْدٌ) دو دفعہ قرآن مجید میں یہ لفظ مذکور ہے دوسرا مقام رعد آیت 13۔ میں ہے اس میں تو ظاہرا معنی مَلَکٌ فرشتہ ہے اصل لغت میں گڑگڑانے اور عرف میں اس آواز کو کہتے ہیں جو بادلوں سے سنائی دیتی ہے۔ امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ اکثر علماء کا قول یہی ہے البتہ اس آواز کے سبب میں اختلاف ہے نکرہ ذکر کرنے میں سخت آواز کی طرف اشارہ ہے جنس کے اعتبار سے مفرد ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں جو دنیاوی اور اخروی عذاب کا ذکر ہے کفر ونفاق پر وعیدات ذکر جس کے سننے سے منافق خوف زدہ پریشان ہیں جیسا کہ سورۃ منافقون آیت 4، توبہ آیت 56 میں تو وہ رعد کے ساتھ مشابہ ہے۔ (وَبَرْقٌ) بریق سے لیا گیا ہے بجلی اور چمک کو کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سواری جس پر معراج کا سفر کیا اسکو بھی براق کہا گیا ہے کیونکہ رفتار اسکی بجلی کی چمک کی طرح تیز تھی۔ عرف میں برق اس چمک کو کہا جاتا ہے جو بادل سے نکلتی ہے البتہ اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ نکرہ اور مفرد لانے میں وہی مذکورہ سبب ہے یعنی عظمت اور جنس۔ رعد اور برق جس بادل میں ہو تو اس میں سے بارش کثرت سے برستی ہے۔ قرآن میں جو ایمان اور توحید کے دلائل ہیں مثل ہے جس کے سننے سے مخالفین پریشان اور حیران ہوتے ہیں وہ برق کے مشابہ ہے۔ (يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ) ظلمت کی مثال پہلی آیت میں گزر گئی ہے تو اس کو چھوڑ دیا رعد کی مثالیں پیش کی جارہی ہے۔ مراد یہ ہے سخت آوازوں گرج چمک سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور مکان بارش سے دوڑتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں، بارش کے فائدوں کو نظر انداز کرتے ہیں، اس طرح منافقین کا بھی یہی حال ہے وہ قرآن کی مجلسوں سے بھاگتے ہیں کانوں میں انگلیاں ٹھونستے ہیں تاکہ خوف وعذاب کی آیتیں سن نہ سکیں اور سن کر تاثیر سے خالص ایمان نہ لائیں منکرین کا یہ طریقہ سورہ نوح آیت 7 میں مذکور ہے۔(يَجْعَلُوْنَ) جعل مختلف معنوں میں قرآن میں مستعمل ہے۔ 1: معنی خلق سورہ انعام آیت 1۔2: بنانے کے معنی میں۔بقرہ آیت 22۔3: شرع کے معنی میں سورہ مائدہ آیت 103۔4: باطل عقائد کے معنی میں۔زخرف آیت 15۔5: بمعنی نام۔زخرف آیت 3۔6: رکھنے داخل کرنے کے معنی میں جو کہ اس آیت میں ہے (يَجْعَلُوْنَ) کی ضمیر راجع ہے اصحاب صیب یعنی بارش والوں کی جانب جو کہ مقدر ہے۔(أَصَابِعَهُمْ) یہ ذکر محل اور مراد جز ہے۔أَصَابِعَ مبالغہ کیلئے ذکر کیا ہے ورنہ انگلیوں کے سرے مراد ہے۔جانب مُشَبَّهٌ بِهٖ میں حقیقی معنی مراد ہے یعنی کانوں کو انگلیوں سے بند کر دینا جبکہ مُشَبَّهٌ کی جانب میں معنی حقیقی ومجازی دونوں احتمالات ہیں یعنی قرآن نہ سننا۔(مِنَ الصَّوَاعِقِ) من اجلیہ (تعلیلیہ) ہے يَجْعَلُوْنَ کیلئے علت ہے۔صَوَاعِقُ۔صَاعِقَةٌ کی جمع ہے صعق کا مادہ مختلف معنوں پر 11 مرتبہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔1: معنی موت سورہ زمر آیت 68۔ 2: بے ہوشی کے معنی میں اعراف آیت 143۔3: بمعنی عذاب چیخ، بقرہ آیت 55۔حم سجدہ آیت 13،17۔4: رعد کی سخت آواز جیسا کہ اس آیت میں ہے۔5: وہ آگ جو اس آواز کے ساتھ گرتی ہے یعنی کڑک، رعد آیت 13۔خلیل کا قول ہے کہ صاعقہ رعد کی وہ سخت آواز ہے جس سے آگ نکلتی ہے۔ابو زید کا قول بھی یہ ہے کہ (صَاعِقَةٌ) رعد کی وہ سخت آواز ہے جس کی وجہ سے آگ برستی ہے۔امام قرطبی نے فرمایا کہ صواعق کے ساتھ تشبیہ اس طرح ہے کہ قرآن میں قتال، جہاد اور دیگر تکالیف شرعی آخرت کے سخت عذاب منافقین کو بہت برے لگتے ہیں۔(حَذَرَ الْمَوْتِ) جَعَلَ لِاَصَابِعَ مِنَ الصَّوَاعِقِ کیلئے مفعول لہ تھا وَمِنَ الصَّوَاعِقِ علت تھا صرف جَعَلَ الْاَصَابِعِ کیلئے تو ایک چیز پر دو علتوں کا جمع ہونا لازم نہیں آتا۔موت: موت سے مراد حقیقی موت ہے کبھی صاعقہ سننے سے دل پر سخت گھبراہٹ آتی ہے جس سے بندے کا دل فیل ہو جاتا ہے اور انسان مر جاتا ہے اور بطور تشبیہ اس طرح ہے۔منافقین اور مشرکین کا راستہ چھوڑ کر خالص ایمان قبول کرنا انکو موت نظر آتی ہے۔(وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ) یہ مقدر عبارت کیلئے علت ہے یعنی اس حیلہ سازی پر (جو کہ انگلی رکھنا ہے کانوں میں) اللہ تعالی کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔کیونکہ وہ کفر کے سبب مستحقین عذاب کا احاطہ کر چکا ہے۔مُحِيْطٌ: اللہ تعالی کی صفت میں 8 مرتبہ آیا ہے اور احاطہ فعل اللہ تعالی کی صفت میں 4 مرتبہ آیا ہے۔احاطہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصل میں کسی چیز کو تمام جانب سے گھیر لے کو کہتے ہیں، تو اس طرح سے ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے حم آیت 56۔ اور ہر چیز پر عالم ہے سورہ طلاق 12۔ مزمل آیت 18۔ اور ہر چیز پر قادر ہے اور عذاب دے سکتا ہے کیونکہ احاطہ عذاب کے معنی میں بھی آتا ہے یوسف آیت 66۔ اور لفظ کافرین کی تخصیص سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں احاطہ سے مراد عذاب ہے اور اشارہ ہے کہ اعتقادی منافقین جو قرآن سے نفرت کرتے ہیں اور قرآن انکو موت سے بھی زیادہ مشکل لگتا ہے ایسے لوگ کافر ہیں۔

مثال کا خلاصہ یہ ہے: جیسا کہ بعض لوگ بارش کے عارضی نقصانات سے بھاگتے ہیں اور مستقل فائدوں کو نہیں دیکھتے ہیں۔ اس طرح منافقین قرآن کے فائدوں پر توجہ نہیں دیتے۔ صرف اس وجہ سے کہ اس میں ان کے عقیدہ کے خلاف دعوت ہے۔ لہٰذا کانوں کو بند کر دیتے ہیں اور اس سے اعراض کرتے ہیں اور یہ فکر نہیں کرتے کہ یہ انکی ہلاکت اور عذاب کا سبب ہے۔ مفردات کی تشریح گزر گئی ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ ”قریب ہے بجلی انکی آنکھوں کو اچک لے جب بھی روشن کرتی ہے ان کے لئے (ایک راستہ تو چل پڑتے ہیں اس پر) اور جب اندھیرا ہوتا ہے ان پر تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور چاہے اگر اللہ تعالیٰ لے جائے ان کے کان اور ان کی آنکھیں بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے“[20]۔ ”اے لوگو تم خالص کرو اپنے رب کی عبادت کو وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم (جہنم) سے بچ جاؤ“[21]۔

تفسیر 20: یہ پہلی والی مثال کی تکمیل ہے، رعد کے بعد اب برق کی مثال بیان ہو رہی ہے سابقہ مثال میں منافقین کے عقائد کا ذکر تھا کیونکہ انہوں نے قرآن مجید سے نفرت کا اظہار کیا تھا جس پر سابقہ آیتوں میں تردید کی گئی، اس آیت میں یہ بات مذکور ہے کہ منافقین اپنے مفادات تلاش کرتے ہیں اگر فائدہ نظر آجائے تو قرآن پر عمل کرتے ہیں ورنہ نہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن سے نفرت کرنا اور مفادات کی خاطر عمل کرنا یہ جرم ہے اور منافقین کا شیوہ ہے۔ (يَكَادُ الْبَرْقُ) یہ جملہ استینافیہ ہے اور سوال کا جواب ہے پہلے برق کا تذکرہ ہوتو سوال آیا کہ یہ لوگ برق کے وقت کیا کرتے ہیں۔ یکادُ کا یہ مادہ قرآن مجید میں 24 مرتبہ مذکور ہے 6 آیتوں میں نفی کی صورت میں آیا ہے اور باقی مقامات پر اثبات میں ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور جب حرف إِنْ کے ساتھ ذکر ہو تو اس وقت خبر میں لام تاکید آتا ہے اور جب بغیر إِنْ کے واقع ہو تو اسکی خبر فعل مضارع آتی ہے بغیر اَنْ ۔ اور یہ افعال مقاربہ میں سے ہے یَکَادُ۔ یہ دلالت کرتا ہے خبر کے قریب واقع ہونے میں لیکن واقع نہیں ہوئی ہوتی ہے ۔ (یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ) لغت میں کسی چیز کو اچک لیجانے کو خطف کہا جاتا ہے، اسی معنی پر قرآن میں 7 مرتبہ مذکور ہے ۔ اَبْصَارَهُمْ ، یہ بصر کی جمع ہے اور مراد ہے آنکھوں کی قوت بینائی یعنی آسمانی برق یعنی چمک بہت تیز ہے اور آنکھوں کی چمک تو بہت کمزور ہے اسلئے اس کے مقابلہ میں ٹھہر جانا مشکل ہے، اسی طرح حق کے اثبات کیلئے قرآن مجید کی حجتیں اور دلائل بہت قوی ہیں اسکے مقابلے میں لوگوں کی عقلیں بے کار ہیں ۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن وسنت کو رائے قیاس پر چھوڑنا درست نہیں بلکہ قرآن وسنت کے مقابل میں ہر ایک شخص کی رائے قیاس کو بالائے طاق رکھ کر قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے ۔ (كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ) یہ بھی جملہ مستانفہ ہے جواب ہے سوال کا یہ کہ چمک برق تو کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی غائب تو اس وقت یہ لوگ کیا کرتے ہیں تو جواب ہوا ۔ أَضَاءَ لَهُمْ یا تو فعل لازمی ہے تو معنی ہوگا جب ہو جائے ان کو روشنی ، اور متعدی ہونے کی صورت میں مفعول مقدر ہے یعنی طریقا مَشَوْا فِيهِ ۔ قول اول کے مطابق ضمیر فیہ راجع ہوتی ہے مقام روشنی کی طرف جبکہ قول ثانی کے مطابق راجع ہوتی ہے طریقہ (راستہ) کی طرف مَشْيٌ عام رفتار کو کہا جاتا ہے ۔ (وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ) یہ بھی لازمی ہے ۔ لازمی ہونے کی صورت میں معنی ہے جب غائب ہو جائے روشنی ، یا متعدی ہے مفعول مقدر ہے طَرِيقًا أَضَاءَ کے ساتھ كُلَّمَا اور أَظْلَمَ کے ساتھ إِذَا کو ذکر کیا گیا ، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ روشنی ہر وقت چاہتے ہیں اور اندھیرا انہیں چاہتے اندھیرا تو بے اختیاری آتا ہے ۔ (قَامُوا) یہ قیام سے لیا گیا ہے مراد ہے ایک جگہ ٹھہر جانا خواہ بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر لیکن ٹھہر جانا مقصود ہے ۔

مثالوں کی تطبیق : يَكَادُ الْبَرْقُ سے مراد ہے قرآن مجید کے دلائل جس کو سن کر عقلیں دھنگ رہ جاتی ہیں لیکن منافقین کی بدقسمتی ہے کہ وہ اس کو دل سے مکمل تسلیم نہیں کرتے ہیں ۔ بلکہ كُلَّمَا أَضَاءَ ہر وہ بات جس میں انکو دنیاوی فائدہ نظر آئے تو اس میں ایمان والوں کا ساتھ دیتے ہیں ۔ (وَإِذَا أَظْلَمَ) اور جب ان کو دنیاوی مفادات حاصل نہ ہوں یا کچھ تکلیف و پریشانی ان کو پہنچ جائے تو مسلمانوں کا ساتھ دینا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں جیسا کہ : سورۃ نساء آیت 72-73 ۔ سورۃ نور آیت 48،49 ۔ سورۃ حج آیت 11 ۔ اور اس کی مثالیں تو اس وقت زیادہ موجود ہے (أَعَاذَنَا اللهُ تَعَالَى مِنْ هَذَا الْحَالِ) ۔ (وَلَوْ شَاءَ اللهُ) لو کا کلمہ کبھی تو تمنا کیلئے آتا ہے اس سورۃ کی آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

102۔ میں ایک قول کے مطابق اور کبھی مصدریہ ہوتا ہے جیسا کہ بقرہ آیت 96۔ میں ہے اور ان دونوں حالتوں میں ایک جملہ پر داخل ہوتا ہے، اور کبھی لو شرطیہ آتا ہے جسکا استعمال زیادہ ہے اور اس وقت دو جملوں پر داخل ہوتا ہے ایک شرط اور دوسرے کو جزا بولا جاتا ہے البتہ لَوْ کے وقت لازمی طور پر دونوں جزوں کی نفی ہوگی یعنی جزا اور شرط دونوں مُنتفِی ہونگے برابر بات ہے خواہ شرط کی انتفاء جزاء کے انتفاء پر دلیل ہو یا اس کے برعکس البتہ علماء کا اختلاف ہے اس میں اول قول بہتر ہے یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ذھاب سمع وبصر دونوں مُنتفِی ہیں۔

فائدہ 1: اللہ تعالیٰ کی صفت میں مَشِيْئَتْ 204 مرتبہ قرآن میں مذکور ہے کبھی رضا اور کبھی ارادہ کے معنی میں آتا ہے اور کبھی دونوں کا احتمال ہوتا ہے بندے کی مشیت قرآن میں 32 مرتبہ مذکور ہے مگر بندے کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے جیسا کہ سورۃ دھر آیت 30۔ تکویر آیت 29 میں ہے۔ فائدہ 2: شَاءَ کا مفعول اکثر مقدر ہوتا ہے اور بعد والی جزء اس بات پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ یہاں پر اصل عبارت اس طرح سے ہے وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ إِذْهَابَ سَمَاعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ لَذَهَبَ بِهِمَا (لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ) اس میں دو توجیہ ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو رعد و برق کی قوت کو اتنا تیز دیتا کہ ان کی قوت سماع و قوت بصارت کو بالکل ختم کر لیتا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ظاہری اعضا یعنی کان آنکھ کو بھی زائل کر دیتا جیسا اس نے باطنی سننا اور دیکھنا ان سے لیا ہے جس کی طرف اشارہ ہے صُمٌّ، عُمْيٌ میں اور یہ مثل یٰسین آیت 67,66 کی ہے اور اس جملہ میں مقصد زجر دینا ہے کہ جب یہ لوگ ان نعمتوں سے فائدے نہیں لیتے ہیں جو کہ فائدوں کیلئے اللہ نے دی ہیں تو یہ اعضاء سلب یعنی ختم کرنے کے قابل ہیں ان اعضاء کی موجودگی کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ (إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) یہ جملہ اس ملازمے کیلئے دلیل ہے جو پہلے جملے میں ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے کان آنکھ جو کہ انعامات ہیں ان سے چھین لے کیونکہ وہ ہر چیز پر مکمل قوت رکھتا ہے اور وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

شیء: قرآن مجید میں صیغہ مفرد کے ساتھ 279 مرتبہ جبکہ صیغہ جمع کے ساتھ چار مرتبہ ذکر ہوا ہے کل 283 مرتبہ ذکر ہوا ہے اور شیء اصل میں شاء کیلئے مصدر ہے کبھی تو مبنی للفاعل اور کبھی مبنی للمفعول ہوتا ہے ہر ممکن کو کہتے ہیں یعنی ہر اس چیز پر شیء کا اطلاق ہوتا ہے جو موجود ہو چکی ہو یا آئندہ وجود میں آنے گی یعنی معدوم وغیر معدوم پر اسکا اطلاق ہو سکتا ہے اس جملہ میں مراد یہی ہے (إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) کیونکہ ہر مَقْدُوْر ممکن ہوتا ہے۔ علامہ شربینی نے فرمایا ہے یہ دلیل ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ہر چیز وجود میں آتے وقت اور اس کی بقا کے دوران سب حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اندر ہے جو چیز بندے کی قدرت میں ہے وہ بھی قدرت الٰہی کے اندر ہے۔ فائدہ: علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ شیء کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوسکتا ہے یا نہیں لیکن یہ اس وقت جب مصدر بمعنی للفاعل مراد لیا جائے یعنی مشیت کا مالک بعض علماء کا قول ہے کہ شیء کا اطلاق اللہ پر درست نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ پھر تو اس آیت کے ضمن میں داخل ہو کر مقدور شمار ہوگا اور مقدور تو ممکن ہوتا ہے لیکن اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ شیء کا اطلاق اللہ کی ذات پر صحیح ہے اور انکا استدلال سورۃ انعام آیت 19 سے ہے کہ وہاں أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً۔ شہادت کے اعتبار سے کونسی چیز بڑی ہے تو جواب میں مذکور ہے کہ: قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ۔ فرما دیجئے اللہ ہی گواہ ہے۔ اور عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ میں اللہ تعالیٰ داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بھی عالم ہے اس آیت کا جواب یہ ہے کہ یہاں شیء بمعنی مبنی للمفعول ہے اور اس میں اللہ داخل نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کو دلائل عقلیہ یقینیہ سے خاص کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حادث اور ممکن نہیں ہے۔ تنبیہ: اللہ تعالیٰ پر شیء کا اطلاق اسوقت ہوتا ہے جب کسی آیت وحدیث میں وارد ہوا ہو ورنہ عام طور پر اللہ کی ذات پر شیء کا اطلاق درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں وارد نہیں ہے۔

(قَدِيرٌ) اللہ کی صفت میں قرآن مجید میں 45 مرتبہ مذکور ہے اور چار جگہوں میں اس کا متعلق خاص مذکور ہے، سورۃ حج آیت 39۔ نساء آیت 133۔ شوریٰ آیت 29۔ اور باقی مقامات پر عام مذکور ہے۔

فائدہ 1: قدر کا مادہ 130 مرتبہ قرآن میں مذکور ہے۔ دس طریقوں سے ہے۔

طریقہ 1: اللہ کی صفت میں 45 مرتبہ پر ہے۔ 2: علی کل شیء قدیر کے عنوان کے ساتھ 22 مرتبہ مذکور ہے۔ 3: قادر کے صیغہ کے ساتھ 7 مرتبہ۔ 4: قادرون کے صیغہ کے ساتھ 5 مرتبہ۔ 5: مقتدر اور مقتدرون کے ساتھ 4 مرتبہ۔ 6: بندے کی قدرت میں مائدہ آیت 34۔ قلم آیت 25۔ 7: تقدیر الٰہی کے معنی میں۔ طلاق آیت 3۔ فرقان آیت 2۔ 8: تقدیر انسانی کے معنی میں۔ مدثر آیت 9۔ تعظیم کے معنی میں سورۃ انعام آیت 81۔ 9: تنگدستی کے معنی میں، رعد آیت 26۔ انبیاء آیت 87۔ فجر آیت 16۔ 10۔

فائدہ 2: علامہ شربینی کا قول ہے قدرت اللہ تعالیٰ کا تمکن ہے کسی چیز کے ایجاد کرنے میں یا پھر صفت ہے جو تمکن کا تقاضہ کرتی ہے۔ بندے کی قدرت یہ وہ ھیئت ہے جس کے ذریعہ سے بندہ کسی کام کے کرنے پر قدرت حاصل کرتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قادر وہ ذات ہے جب کسی کام کو چاہے تو کر لیتا ہے اور جب نہیں چاہتا تو نہیں کرتا ہے۔ قَدِيْرٌ فَعَّالٌ لِّمَا يَشَاءُ کو کہا جاتا ہے اس وجہ سے یہ اللہ کے ساتھ مختص ہے اور مقتدر تو قادر اور قدیر کے معنی میں ہے اور اس میں اتنا مبالغہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ خلاصہ: یہاں سے دوسرا باب شروع ہو رہا ہے جو آیت 39 تک ہے۔ اس میں عظمت قرآن کا ذکر کرنے کے بعد مقصد قرآن کا ذکر ہے جو کہ توحید فی العبادت ہے اور رد شرک پانچ عقلی دلائل کے ذریعہ۔ اس کے بعد پھر قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا بیان ہوگا مناظرے اور چیلنج کے طریقے پر دعوت دینے کے ساتھ پھر الگ الگ فریقوں کو بشارت اور تخویف ہے۔ پھر اس شبہے کا جواب ہے جو صدق رسول اور قرآن پر وارد ہو رہا ہے پھر اس مثال کی حکمت جو دو فریقوں کے بیچ تمیز کا فائدہ دینے اور متفرق آثار کو قریب کرنے کے لئے آئی ہے۔ پھر قرآن پر اعتراض کرنے والوں کے عیوب کا بیان پھر چار عام انعامات کی یاددھانی کرائی گئی ہے توحید کے اثبات کے لئے (1) انسانوں کو زندگی دینا (2) دنیا میں موجود اشیاء انسانوں کے فائدے کے لئے ہے (3) سیدنا آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر انہیں اسمائی کی تعلیم دینا (4) سیدنا آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنا کر ان کا اکرام کرنا، اور اسی طرح توبے کی تعلیم اور زندگی گزارنے کی تعلیم سے ان کی عزت کی گئی۔

تفسیر 21: اس آیت میں توحید فی العبادت کی طرف عام دعوت ہے اور ایک دلیل عقلی انفسی مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انسانیت اپنی پیدائش اور وجود میں اللہ کی محتاج ہے اور اس کا فائدہ ذکر کیا ہے کہ وہ حصول تقوی ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ۔ ایسا خطاب قرآن مجید میں 18 مرتبہ آیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخری نبی اور قرآن کی دعوت ساری انسانیت کیلئے ہے اسلئے سابقہ نبیوں کی طرح نہیں فرمایا۔ یا قومِ۔ اور اس خطاب میں بہت تاکیدات ہیں۔

اول: حرف، یا، کے ذریعے جو کہ قریب اور بعید دونوں کیلئے مستعمل ہے۔ اور اس میں اصل مقصد لوگوں کو غفلت سے بیدار کرنا اور بندوں کو بندگی کیلئے متوجہ کرنا ہے۔ دوم: أَيُّ۔ کے ساتھ یہ حرف نداء کیلئے وسیلہ ہے اس اسم کیلئے جو معرف ہو الف ولام کے ساتھ اور اس میں تفصیل سے پہلے اجمال اور ابہام ہے بہت زیادہ تاکید کیلئے۔ سوم: ہا۔ یہ تنبیہ کیلئے مستعمل ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ الناس عام خطاب ہے ان لوگوں کو جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور جو موجود نہیں تھے۔ اور وہ جو قول عقبہ، حسن اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مکہ والوں کیلئے ہے اور۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ خاص ہے مدینہ والوں کے ساتھ یہ قول صحیح نہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کے ظاہر کے بھی خلاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔کیونکہ بقرہ،نساء،حجرات بالاتفاق مدنی سورتیں ہیں جبکہ ان سورتوں میں یَاأَیُّهَا النَّاسُ کا خطاب موجود ہے۔تیسری بات:
اگر یہ روایت صحیح ثابت مان لی جائے تو بھی اس میں تاویل کی گئی ہے کہ یہ بطور تمثیل ہے پہلے خطاب کے اعتبار سے بطور تخصیص نہیں ہے معنی یہ ہے کہ پہلے خطاب توحید کا جن لوگوں کو ہوا ہے وہ مکہ والے ہیں اور اول خطاب احکام کا جن کو ہوا ہے وہ مدینہ والے ہیں۔ سوال: جب اس خطاب کو عام تسلیم کیا جائے تو اُعْبُدُوْا ایمان والوں سے کہنا تحصیل حاصل ہے؟

جواب 1 : ایمان والوں کو عبادت پر قائم رہنے کی تاکید ہے اور منافقین کو اخلاص کے ساتھ عبادت کی دعوت ہے اور مشرکین کو مقصد شرک کا چھوڑنا ہے اور عام کفار کو مقصد اس خطاب سے عبادت شروع کرنا ہے۔

جواب 2: لفظ الناس تو عام ہے مگر یہاں تو قرینہ تخصیص کے لئے موجود ہے اور وہ ہے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا اور شرعی معنی میں مقصود عبادت کا توحید ہے،اس اعتبار سے خطاب مشرکین کے ساتھ خاص ہے اور یہود چونکہ اس سورت کے نزول کے وقت مدینہ کے قرب میں آباد تھے اور شرک کے مرتکب تھے لھذا اس خطاب میں وہ بھی داخل ہے۔اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ قرآن مجید میں عبادت کو ادا کرنے کا حکم 29 مرتبہ ہوا ہے اصطلاح میں کامل درجے کی عاجزی و اطاعت کو عبادت کہتے ہیں۔شریعت میں اللہ تعالی کی اطاعت،محبت و انکساری سے ادا کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔اور یہ عبادت کی تمام اقسام کو شامل ہے۔عبادت قلبیہ،بدنیہ،مالیہ سب داخل ہیں۔امام قرطبی کا قول ہے کہ اس سے مراد توحید مع التشریع ہے تو اس میں توحید الوھیت،اسماء وصفات توحید فی التشریع سب داخل ہیں اور عبادت سے توحید مراد ہونا چند وجوہات کی بنا پر ہے۔

(ا) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن میں جہاں عبادت کا تذکرہ ہوا ہے وہاں مراد توحید ہے۔معالم التنزیل، خازن،نسفی وغیرہ سب نے نقل کیا ہے۔فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا اس کیلئے قرینہ ہے۔تیسرا سبب۔تیسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین تو عبادت کیا کرتے تھے یعنی دعائیں مانگنا۔حج،روزہ،نماز،مال میں اللہ تعالی کا حصہ مقرر کرنا وغیرہ سب عبادتیں ثابت ہیں لیکن ان میں توحید نہیں تھی اس لئے انکو حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کرو یعنی خالص عبادت مطلوب ہے۔باقی تفصیل سورۃ فاتحہ اور میری کتاب تشیط الاذھان میں ذکر ہے۔(رَبَّكُمْ) اس وصف کی تخصیص چند وجوہات سے ہے۔

پہلا سبب۔یہ ہے کہ موجب عبادت تو ربوبیت ہے۔سبب دوم۔توحید عبودیت سے قبل توحید ربوبیت کی ضرورت ہے لہذا یہ ایسا جملہ ہے جس میں حکم اور دلیل دونوں مذکور ہیں۔تفصیل ربوبیت رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔(الَّذِیْ خَلَقَكُمْ) یہ جملہ صفت ہے رَبَّكُمْ کیلئے اور حکم کے ساتھ صفت ذکر کرنا دلیل ہوتی ہے کہ یہ صفت حکم کیلئے علت اور دلیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔لہذا یہ پہلی دلیل ہے جو کہ عقلی انفسی ہے دعویٰ کے ثبوت کیلئے اور یہ دلیل مشرکین کے نزدیک مسلم ہے جیسا کہ سورۃ زخرف آیت 87 میں ہے۔ خَلَقَكُمْ لغت میں خلق تقدیر۔اندازہ۔پورا کرنے کو کہا جاتا ہے۔اور عرف میں کسی چیز وجود میں لانا عدم سے قرآن مجید میں مختلف معنوں میں مذکور ہے۔

1: ایجاد کے معنی میں بقرہ آیت 29۔2:تصویر کے معنی میں آل عمران آیت49۔مومنون آیت 14۔3:افتراء جھوٹ کے معنی میں جو کہ اقوال میں استعمال ہوتا ہے۔عنکبوت آیت 17۔4:دین کے معنوں میں۔نساء آیت119۔روم آیت 30ایک توجیہ کی بنا پر۔5:مصدر بمعنی مفعول۔مومنون آیت 17۔6:اعضاء مخلوق کے معنی میں سورۃ یٰس آیت68۔ 7:بمعنی حصہ بقرہ آیت102۔فائدہ:خلق کی صفت اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے صیغہ خَالِقٌ قرآن میں آٹھ مرتبہ اور خَلَّاق دو مرتبہ اور أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔مندرجہ ذیل آیتوں میں اس صفت کی مخلوق سے نفی کی گئی ہے سورۃ اعراف آیت 191،سورۃ نحل آیت 21۔سورۃ حج آیت 73،سورۃ فرقان آیت 3۔سورۃ لقمان آیت 11۔سورۃ واقعہ آیت 59۔سورۃ طور آیت 35۔ان آیتوں میں غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔

(وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ) یہاں بہت سارے فائدوں کیلئے مفعول کے ضمیر كُمْ پر عطف کیا ہے۔

فائدہ اول:اگر کوئی وہم کرے کہ ہمارے ماں باپ ہمارے معبود اور خالق ہیں تو جواب ہوا کہ وہ تو مخلوق ہے۔

فائدہ دوم:ان کی موت حیات میں غور کرو جو پہلے گزر گئے ہیں۔ابن جریر کا قول ہے کہ اس میں مِنْ قَبْلِكُمْ سے مراد بت آلِهَة بَاطِلَة اور اباؤ اجداد سب مراد ہیں۔فائدہ امام رازی و دیگر مفسرین نے اس سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا ہے حاصل یہ ہے کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتے ہیں تو یہ اس کے وجود پر بطریقہ اولیٰ دلالت کریں گے۔ اور اس سے متعلق ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ امام،امام شافعی،احمد بن حنبل،امام مالک سے تفصیلی دلائل نقل کئے گئے ہیں لہٰذا انکا مطالعہ کرنا چاہئے۔ابن کثیر وغیرہ نے یہ اقوال ذکر کئے ہیں۔

(لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) سوال:لَعَلَّ تو رجا(امید) کیلئے آتا ہے اور اللہ تو اس سے پاک ہے؟جواب 1:قرطبی،طبری اور ابن منظور نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں لَعَلَّ بمعنی کَیْ آتا ہے۔جواب 2:یہ حال کے مقام میں ہے أُعْبُدُوْا کے فاعل سے تو معنی ہوگا۔اللہ کی بندگی کرو اس حال میں کہ تمہیں حصول تقویٰ کی امید ہو۔ان دونوں توجیہات کے مطابق یہ متعلق ہے۔أُعْبُدُوْا سے اور خَلَقَكُمْ سے متعلق نہیں ہے اس لئے کہ خلق کا غایہ یعنی انتہا تو تقویٰ نہیں ہے بلکہ خلق کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غایۃ لِیَعْبُدُوْنَ یا پھر یَجْھَلُھُم ہے۔ اس قول کو قرطبی نے نقل کیا ہے (تَتَّقُوْنَ) یہاں تقویٰ سے لغوی معنی مراد ہے یعنی وقایہ عذاب سے (ذریعہ نجات) اس قول کو قرطبی، خازن نے پسند کیا ہے۔ یا پھر معنی شرعی مراد ہے کہ توحید فی العبادات سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے یعنی تقویٰ عبادت کرنے والوں کا آخری درجہ ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ "(اللہ تعالیٰ) وہ ذات ہے جس نے بنایا تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور نازل کیا اس نے آسمان سے پانی پھر نکالا اس کے ساتھ پھلوں (غلوں) سے رزق تمھارے لیے تم مت ٹھہراؤ اس کے ساتھ شریک اور (حال یہ ہے) کہ تم جانتے ہو۔ (کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے)" [22]۔ "اور اگر تم شک میں ہو اس سے جو ہم نے تھوڑا تھوڑا نازل کیا اپنے بندے (محمد ﷺ) پر تو تم لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور تم بلا لو اپنے مددگاروں کو اللہ کے سوا اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو" [23]۔

تفسیر 22: اس آیت میں مزید چار آفاقی دلائل ہیں جنکو دلائل عقلیہ کہا گیا ہے۔ سفلی، وسطی، علوی ان دلائل کو مشرکین مان گئے تھے دیکھیے عنکبوت آیت 61، 62۔ لقمان آیت 25۔ زخرف آیت 9۔

(الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا) حال ہے اور جعل بمعنی خلق یا پھر بمعنی صَیَّرَ ہے اور فراشا دوسرا مفعول ہے۔ لفظ لَکُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ یہ انسانوں کے فائدے کیلئے ہے جو کہ آیت 29۔ میں بھی ذکر ہے۔ اَلْاَرْضُ، زمین صیغہ واحد سے قرآن میں ذکر ہوا ہے جبکہ زمینوں کی تعداد 7 ہے آسمانوں کی مانند البتہ سورۃ طلاق آیت 12 میں اشارۃ اور احادیث صحیحہ میں صراحتاً زمینوں کی تعداد 7 آئی ہے (صحیح بخاری کتاب المظالم رقم الحدیث 2454)۔ مگر جیسا آسمانوں کے الگ الگ ہونے کا ذکر ہوا ہے ایسی تفصیلات زمین کے حوالے سے نہیں آئی۔ کچھ تفصیل سورۃ طلاق میں مذکور ہے۔

(فِرَاشًا) بمعنی مَفْرُوْشَةٌ یا کَالْفِرَاشِ ہے یعنی مثل اس بستر کے جس پر آرام ہوتا ہے نہ تو زیادہ سخت اور نہ زیادہ نرم یعنی خشکی کا وہ حصہ جو استعمال میں ہے۔ سوال: زمین کا کچھ حصہ تو پہاڑ اور سمندر ہیں تو وہ کیسے فراش ہیں؟ جواب: امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ پہاڑ بھی زمین کے تابع اور متعلقات میں سے ہیں اور زمین کے لیے مثل کیل کے ہیں اور پہاڑوں کے فائدے تو بہت زیادہ ہیں اور سمندر میں انسان سفر کرتا ہے زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں جانے کے لیے تاکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہاں بھی فائدہ حاصل کریں اور سمندر میں ذاتی فائدے تو لاتعداد ہیں مگر یہ سب فراش میں داخل ہیں، اگر زمین کو سائنس والوں کے قول کے مطابق گول بھی مان لیا جائے تو بھی فراش کے فوائد اس میں موجود ہیں اور یہ تو کوئی شرعی مسئلہ بھی نہیں یعنی زمین گول ماننے پر دلائل شرعیہ نہیں البتہ اگر دلائل عقلیہ سے ثابت ہو جائے تو انکار عبث ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں زمین کے 9 حالات مذکور ہیں: 1: اس مقام پر فراش ذکر ہوا ہے اور سورۃ ذاریات آیت 48 میں بھی۔ 2: ممدودۃ۔ سورۃ رعد آیت 3۔ سورۃ حجر آیت 19۔ 3: مثل ماں کی گود کے (مھد) طٰہٰ آیت 53۔ 4: قرار۔ یعنی ٹھہراؤ سے قائم ہے۔ نمل آیت 61۔ 5: بساطا۔ یہ فراش کے معنی میں ہے نوح آیت 19۔ 6: کفاتا۔ جمع کرنے والی مردوں و زندوں کو، مرسلات آیت 25۔ 7: دحٰوا، بچھائی گئی، نازعات آیت 30۔ 8: طحٰو، شمس آیت 6۔ 9: مستقر، سورۃ بقرہ آیت 36۔ فراش کا وصف دوسری صفات کیلئے مستلزم اور جامع ہے اس لئے اس سورت میں اس لفظ کو منتخب کیا۔

(وَالسَّمَآءَ بِنَآءً) بناء مصدر مبنی للمفعول ہے اور بنی کے معنی میں ہے یعنی تیار عمارت خواہ مکان ہو یا، گنبد یا خیمہ مگر یہاں چھت کے معنی میں ہے۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جو ابن جوزی نے نقل کیا ہے، انبیاء آیت 32۔ سورۃ طور آیت 5۔ اور چھت کو بناء اس لئے کہا گیا ہے کہ مکان چھت پر ہی بناہے دیواروں کو مکان یا بناء نہیں کہا جا سکتا ہے۔

آسمان کی 6 حالتیں قرآن میں مذکور ہیں: 1: بناء۔ جو اس آیت اور مومن آیت 64 میں ہے۔ 2: سقف محفوظ، انبیاء آیت 32۔ 3: اس کی امساک اللہ تعالیٰ کے امر پر، حج آیت 65۔ 4: وسعت والا، سورۃ ذاریات آیت 47۔ 5: بغیر عمد، بغیر ستون والا، رعد آیت 2۔ رحمٰن آیت 7۔ 6: بنا رفع اور تسویہ۔ یعنی بنا بلند اور برابر، نازعات آیت 27 یہ تیسری دلیل عقلی علوی ہے۔ (وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً) یہ چوتھی دلیل عقلی وسطی ہے۔ ماء سے مراد بارش کا پانی ہے نکرہ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بارش کا پانی ایک ساتھ نہیں گرتا ہے۔ أنزل میں (فاعل اللہ تعالیٰ ہے) اشارہ ہے کہ اسباب پیدا کرنا اور اس میں اثر ڈالنا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

فائدہ: ماءً۔ قرآن مجید میں آٹھ طرح آیا ہے: 1: آسمانی پانی جو کہ اس آیت میں ہے۔ 2: زمینی پانی سورۃ ھود آیت 43۔ 3: کنویں کا پانی ماء البئر۔ سورۃ قصص آیت 23۔ 4: ماء طھارت کا پانی۔ سورۃ نساء آیت 43۔ 5: ماءِ جنۃ۔ جنت کا پانی۔ سورۃ اعراف آیت 50۔ 6: آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے جو پانی تھا۔ سورۃ ھود آیت 7۔ 7

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

:ماءِ جھنم ۔جہنم کا پانی ۔سورۃ کہف آیت 29 ۔ 7:ماءِ نطفة ۔جس سے انسان کی پیدائش ہوتی ہے ۔سورۃ فرقان آیت 54 ۔فَأَخْرَجَ مِنَ الثَّمَرَاتِ پانچویں دلیل عقلی (وسطی) ۔فَأَخْرَجَ ۔فَا اس کی دلیل ہے کہ بارش کے بعد پودے نکل آتے ہیں اگر چہ متصل نہیں ہو۔(بِہٖ) یہ ضمیر اس پانی کی جانب راجع ہے جو نازل ہوا ہے اور زمین وغیرہ سے اختلاط کر چکا ہے جیسا کہ مرد وزن کا پانی مل جائے تو اولاد پیدا ہوتی ہے۔(مِنْ) تَبْعِيْضِيَه ہے کیونکہ ایک ساتھ تو تمام ثمرات نہیں نکلتے ہیں۔(الثَّمَرَاتِ) سورۃ ابراہیم آیت 32۔سورۃ فاطر آیت 27۔مذکورہ مقامات پر بھی اس طرح آیتیں ہیں مراد تمام ثمرات ہے کیونکہ ذیل کی آیتوں میں لفظ کل بھی ہے۔سورۃ اعراف آیت 57۔سورۃ رعد آیت 3۔سورۃ نحل آیت 11۔سورۃ قصص آیت 57۔ثَمَرَةٌ۔ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو زمین سے نکلتی ہے انسانوں یا حیوانات کے فائدے کیلئے ہو اس کو فواکھہ یعنی پھل فروٹ کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہے اس میں معدنیات وغیرہ سب داخل ہیں۔اس کی تفصیل سورۃ عبس آیت 25 تا آیت 31 میں مذکور ہے سورۃ نحل آیت 67۔سورۃ فاطر آیت 27۔(رِزْقًا لَّكُمْ) یہ اخرج کیلئے مفعول ہے اور رزق کا معنی عام ہے یعنی انتفاعاً فائدے کی چیزیں یعنی، خواہ کھانے، پینے، پہننے، دوائی، زینت کی چیزیں، سونا، چاندی یا کسب کے آلات، جہاز وغیرہ جو معدنیات سے بنتا ہے اور یہ فائدے براہ راست ہوں یا جانوروں کے ذریعہ جو گھاس وغیرہ استعمال میں آتا ہے اس سے گوشت، دودھ، سواری کے فائدے سب شامل ہیں۔

فائدہ: ان دلائل میں بہترین ترتیب ہے۔پہلے انسانوں کی تخلیق کو ذکر کیا جو تمام نعمتوں میں اصل ہے اور عبادت پر تمکن کیلئے سبب ہے۔پھر تخلیق زمین اور اس کے فائدوں کا ذکر کیا جو کہ انسان کیلئے مسکن ہے۔پھر آسمان اور اس کے فائدے جو کہ مثل چھت کے ہے پھر آسمان وزمین دونوں کے ملاپ سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں انکو ذکر کیا جو انسانوں کی تربیت کیلئے اصل مواد ہے۔آسمان سے پانی کا نازل ہونا پھر اس سے بہترین چشمے کنویں اور دریا بنتے ہیں ان سے جو پانی جاری ہوتا ہے نہروں کی شکل میں اس پر مختلف اناج پھل وغیرہ انسانوں کے فائدوں کیلئے وجود میں آتے ہیں، یہ وہ انعامات ہیں جسکا اقرار مشرکین بھی کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لہذا یہ کامل دلیل ہے توحید باری تعالیٰ کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے ثبوت کیلئے یہی وجہ ہے کہ اس پر تشریح کرنے کیلئے اور مزید تاکید کیلئے یوں فرمایا۔

(فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا) یہاں پر جعل بمعنی اعتقاد ہے یعنی عقیدہ مت رکھو اور عمل میں غیر کیلئے حصہ مت بناؤ۔أَنْدَادًا. نِدٌّ کی جمع ہے قرآن مجید میں پانچ مقام پر مستعمل ہوا ہے، بقرہ آیت 22۔ابراھیم آیت 30۔زمر آیت 8۔حم سجدہ آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

9۔ سباء آیت 33۔ نسفی سے منقول ہے کہ نِدٌّ اس مساوی کو کہا جاتا ہے جو مخالف ہو۔

سوال: اس میں نہی ان معبودوں کے بنانے سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے برابر اور مخالف ہو جبکہ معبود من دون اللہ تو ہر اعتبار سے باطل ہے چھوٹا یا بڑا دوست یا دشمن؟ جواب: شربینی کا قول ہے یہاں مراد انداد سے مراد عام معنی نہیں ہے یعنی (شرکاء) اور ملا علی قاری نے بھی فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ نشرکاً مَسَوَاءً كَانَ مِنَ ٱلْأَصْنَامِ أَوِ ٱلْأَنَامِ ۔ شریک خواں انسانوں میں سے ہو یا بتوں میں سے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ وہ شرکاء جو نفع ونقصان نہیں دے سکتے ہیں اور احبار ورھبان کو بھی شامل ہے جب انکی اطاعت اللہ ورسول کی مخالفت میں کی جائے۔ سوال: مشرکین نے تو اپنے معبودوں کو ہمیشہ اللہ سے کم تر تصور کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مخالف یا برابر نہیں مانا تو پھر کیوں ان کو لفظ انداد استعمال ہوا ہے؟ جواب: یہ الزامی طور پر ہے اگر چہ وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر یا مخالف نہیں مانتے مگر ان کی وہ عبادت واطاعت بجالاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے مثلاً سجدہ کرنا، نذر ماننا، دعاء مانگنا، اور بعض صفات ان کو دیتے ہیں جو خالص اسی کا حق ہے۔ یعنی داتا، مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، گنج بخش وغیرہ تو یہ ایسا ہو گویا کہ انہوں نے ان کو اللہ کے برابر کر دیا ہے اور قیامت کے دن خود مشرکین اقرار کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ سورۃ الشعراء آیت 98۔

فائدہ: قرآن مجید میں مشرکین کے معبودان باطلہ پر، انداد، اصنام، تماثیل، اوثان، شرکاء، وغیرہ کا اطلاق ہوا ہے، لفظ انداد ان سب میں عام ہے بلکہ یہود ونصاریٰ کے شرک کو بھی شامل ہے جو کہ انہوں نے احبار ورھبان کی بے دلیل پیروی کرتے ہوئے تقلید کی تھی اور یہ سورۃ بنی اسرائیل کے رد میں نازل ہوتی ہے۔ اسلئے ایسا لفظ ذکر کیا جو ان سب کو شامل اور جامع ہو اور تا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح بھی اس سے ہو جائے۔ سوال: اللہ تعالیٰ کیلئے تو ایک ند یعنی شریک نہیں ہے تو پھر جمع أنداد سے کیوں منع کیا ہے؟ جواب: چونکہ مشرکین نے بے شمار معبود بنا رکھے تھے جبکہ اس کا ایک بھی شریک نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے واقع حال کے اعتبار سے جمع معبودان باطلہ کی تردید کی۔

(وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ) سوال: یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کیلئے علم کو ثابت کیا ہے جبکہ کثیر مقامات پر ان کو جاہل بے علم، بے عقل، صُمٌّ بُكْمٌ، عُمْيٌ وغیرہ کہا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب: امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہاں پر خاص علم ذکر ہے یعنی اس بات کو مشرکین بھی جانتے ہیں کہ رازق خالق صرف اللہ ہے لیکن شرک کرنے کی وجہ سے وہ بے علم ہو گئے۔ اور ابن فورک کا قول ہے کہ احتمال ہے کہ یہ خطاب ایمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والوں سے ہو مقصود یہ ہے کہ ایمان والوں مرتدمت ہو جانا کیونکہ تم تو علم والے ہو۔(تَعْلَمُوْنَ) اس میں دو احتمال ہیں، پہلے یہ ہے کہ اس میں معنی فعلی ہو اور مفعول مقدر ہو، یعنی تَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللهَ هُوَ خَلَقَكُمْ وَرَزَقَكُمْ یا ایسا ہو۔ تَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَنْدَادٌ دوم: یہاں معنی مصدری مراد ہے یعنی إِنَّكُمْ أَهْلُ عِلْمٍ اس قید کے ذریعے مزید دلیل کرتا ہے کہ باوجود علم کے تم شرک کرتے ہو۔

تفسیر آیت 23: اس آیت میں قرآن مجید اور محمد ﷺ کی سچائی کا تذکرہ ہے جو کہ حقیقت میں توحید باری تعالی کے لئے اہم ذریعہ ہے۔ پہلے توحید دلائل سے ثابت کی اب توحید کا اثبات ہو رہا ہے رد شبہات کے ذریعہ، اور رسول کی سچائی ثابت کی مناظرہ کی دعوت دے کر انکو ابھارا ہے۔ اکثر مفسرین نے اس کو تحدی اور سمرقندی نے دعوت مناظرہ قرار دیا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ تحدی میں قرآن کے مثل کا مطالبہ ہے تاکہ ان کے اس قول کی تردید ہو سکے کہ قرآن مجید اللہ تعالی کی کتاب نہیں ہے۔ اس قول کی بنا پر خطاب اول عربوں کو ہے جن میں فصیح قسم کے خطباء موجود تھے اور یہود و نصاری بھی ضمناً اس میں شامل ہے۔ اور مناظرہ میں مقصد شرک فی العبادت کے اثبات پر دلیل کا مطالبہ ہے لیکن ایسی دلیل ہو جو قرآن مجید کی طرح نازل شدہ ہو۔ میرے نزدیک یہ قول ثانی بہتر ہے، چند وجوہات کے بنیاد پر، اول: یہ کہ اس سورت میں اصل دعوت یہود بنی اسرائیل کو ہے جیسا کہ ابن جوزی نے زاد المسیر میں فرمایا ہے کہ یہ آیت یہود کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ چونکہ وہ اہل علم تھے اور بوقت انکار اہل علم سے مناظرے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے دوسری تحدی کی آیتوں سے اس آیت کا طریقہ چند وجوہات کی بناء پر الگ ہے۔

1: اس آیت کی ابتداء میں وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ ہے۔ 2: اس آیت میں من مثله آیا ہے دوسری آیتوں میں من نہیں ہے۔ 3: اس میں شھداء کا ذکر ہے اور ایک قول کے مطابق شھداء سے مراد حق پرست علماء ہیں۔ 4: اصل ریب تو مخالفین کا توحید کے متعلق ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا تو ایسے گروہ کو دعوت مناظرہ مناسب ہے۔ (وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ) واو عاطفہ کیلئے اس لئے لایا ہے کہ مابعد اور ماقبل مضمون میں مناسبت ہے اور بعد والے مضمون میں بھی چونکہ تاکید اثبات توحید کیلئے ہے۔ سوال: إن تو مقام شک میں مستعمل ہوتا ہے جبکہ مخالفین کا شک تو یقینی ہے؟ جواب: إِنْ مقام ڈانٹ یعنی غصہ کے وقت استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کوئی کہنے والا بیٹے سے مخاطب ہو کر یہ کہے: إِنْ كُنْتَ إِبْنِيْ فَأَطِعْنِيْ وَلَا تَعْصِنِيْ. اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کرنا فرمانی مت کر۔ یا إِنْ إِذْ کے معنی میں ہے جیسا کہ اس سورت کی آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

278 میں ہے یا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ریب تو مخالفین کا محقق ہے مگر دلیل نہ ہونے کی بنیاد پر ضعیف کے درجہ میں ہے۔(فِي رَيْبٍ) یہ بات ریب کی تفسیر و تشریح میں معلوم ہوگئی ہے کہ منافقین کی صفت میں ارتیاب اور جاہل مشرکین کی صفت میں شک استعمال ہوا ہے اور تاکید کیلئے مریب ذکر کیا گیا ہے لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطاب یہود کے منافقین کو ہے۔(مِمَّا نَزَّلْنَا) مِن اجلیہ ہونے کی وجہ سے معنی یہ ہوگا کہ ان کے ریب کی وجہ یہ ہے کہ بشر پر نزول وحی ہوا ہے۔عام جاہل مشرکین نبی کو بشر ماننے کے لئے تیار نہیں تھے جبکہ یہود عرب میں خاص نبی کی نبوت سے انکاری تھے زمخشری نے فرمایا کہ باب تفعیل نزلنا تھوڑا تھوڑا اترنے کی دلیل ہے، یہ آہستہ آہستہ اترنا انکے شک کا سبب ہے کیونکہ انکا مطالبہ تھا کہ یہ اکٹھا کیوں نازل نہیں ہوتا ہے سورۃ فرقان آیت 32۔سورۃ نساء آیت 153 یہ مطالبہ یہود اور مشرکین دونوں کا تھا۔(عَلَىٰ عَبْدِنَا) علی اس لئے فرمایا کہ نزول وحی اول نبی پر اوپر سے ہوئی ہے پھر اور لوگوں تک بعد میں پہنچائی گئی ہے(عَبْدِنَا) صفت عبدیت مندرجہ ذیل مقامات پر انزال وحی میں ہوا ہے، سورۃ انفال آیت 41۔سورۃ کہف آیت 1۔سورۃ فرقان آیت 1۔سورۃ نجم آیت 10۔سورۃ حدید آیت 9۔اور دعوت کے مقام میں سورۃ جن آیت 19۔اور مقام اسراء میں سورۃ بنی اسرائیل آیت 1۔اور اللہ تعالیٰ کے کفایت کے مقام میں سورۃ الزمر 36 اور صلوٰۃ کے مقام میں سورۃ اقراء آیت 10 اور مذکورہ مقامات میں ہر جگہ وصف عبدیت سے مناسبت پائی جاتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت حصول شرف میں زیادتی کے لئے ہے۔اس مقام میں عبدیت ذکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مسئلہ اُعْبُدُوْا ذکر ہوا ہے اور یہ نبی تو اس قرآن کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اُعْبُدُوْا میں لوگوں کو بھی عبادت کا حکم دیتا ہے خود بھی اس میں داخل ہے اس لئے عبد ذکر کیا ہے۔(مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا) ظاہرا تو اس میں دلالت ہے کہ مخالفین کا سارے قرآن میں شک تھا جیسا کہ سورۃ یونس آیت 38۔سورۃ ھود آیت 13۔سورۃ الم سجدہ آیت 3 میں ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا ریب اور شک صرف مسئلہ توحید میں تھا جیسا کہ یونس آیت 15 میں ہے وجہ یہ ہے کہ اول انہوں نے مکمل قرآن بدلنے کا مطالبہ کیا تھا۔اِئْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ۔أَوْ بَدِّلْهُ یا پھر بدل دے کچھ۔یعنی سارا قرآن اگر نہیں بدلا جا سکتا تو بعض مسائل بدل دو اور سورۃ اسراء میں مذکور ہے کہ وہ مسئلہ توحید کا ہے اسراء آیت 46 تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل اختلاف اور ریب توحید میں تھا۔(فَأْتُوا بِسُورَةٍ) یہ ان کو عاجز کرنے کیلئے امر ہے۔بِسُورَةٍ اس لفظ میں دونوں احتمالات ہیں مہموز اور غیر مہموز، جب مہموز مانا جائے سؤر تو معنی ہوگا: بچہ ہوا انکا اپنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ بھی قرآن مجید کے ٹکڑے کا نام ہے۔اور مہموز نہ ہونے کی صورت میں بھی دو احتمال ہیں۔ اول: یہ کہ سورت بلندی اور مرتبہ شرافت کو کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے ذریعہ بندے کو بلند مقام و مرتبہ دنیا و آخرت میں حاصل ہوتا ہے اور ہر سورۃ بلند مضمون پر مشتمل ہوتی ہے۔ دوم: یہ سُوْرُ الْبَلَدِ سے لیا گیا ہے۔ (شہر کی حفاظت والی دیوار) تو سورۃ نے بھی قرآن کے خاص مضامین کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ لفظ سورۃ قرآن مجید میں 9 مرتبہ اور جمع صرف ایک بار آئی ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں سورۃ اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جس کی ابتدا اور انتہا ہو اور کم از کم تین آیتوں پر مشتمل ہو اور اسکا ایک خاص نام ہو۔ (مِنْ مِثْلِهٖ) یہ سورت کے لئے صفت ہے من بیانیہ ہے اور ضمیر نَزَّلْنَا کے طرف راجع ہے یعنی ایسی سورت جو قرآن کے مماثل مشابہ ہو یا من تبعیضیه ہے تو مراد ہے کوئی ایسی کتاب جو اس قرآن کے مساوی ہو اس میں سے ایک سورت لیکر آؤ۔ پہلے قول کے مطابق اس میں تحدی اور اعجاز مراد ہے یعنی قرآن کی مثل ایک سورت لے آؤ اور مراد مماثلت سے بلاغت اور فصاحت ترتیب، کمال صدق، کمال ہدایت وغیرہ میں ہے۔ دوم قول کے مطابق جب من تبعیضیہ، ہو تو اشارہ ہے دعوت مناظرہ کی طرف ۔ اپنے شرک پر قرآن جیسی کتاب سے دلیل لیکر آؤ یعنی تورات و انجیل میں سے ایسی آیت دکھادو جو تمہارے شرک پر دلالت کریں۔ تورات کو مثل قرآن کہا گیا ہے، سورۃ احقاف آیت 10۔ اور مخالفین سے ہمیشہ نازل شدہ دلیل کا مطالبہ ہوتا ہے کیونکہ جو نازل شدہ نہیں وہ دلیل نہیں اور خصوصا ایمان کے مسائل میں جیسا کہ سورۃ سباء آیت 44۔ سورۃ فاطر آیت 40۔ سورۃ قصص آیت 49۔ لہذا اسکو دعوت مناظرہ کہتے ہیں۔ دوسرا احتمال مِثْلِهٖ کی ضمیر میں یہ ہے کہ عبد کے طرف راجع اور من مثلہ جو ہے وہ فاتوا کے ساتھ متعلق ہے اور من غایہ کی ابتدا بتانے کیلئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ محمد ﷺ جیسا شخص تلاش کر کے لے آؤ جنہوں نے کچھ پڑھا بھی نہیں ہوا ہو اور کتابوں سے بے خبر ہو اور ایسا سچا فصیح بلیغ کلام لیکر آیا ہو تو ایسے بندے سے ایک سورت لیکر آؤ۔

لیکن اس احتمال کو مفسرین نے بہت ساری وجوھات کی بنا پر رد کیا ہے؛ 1: یہ تو نقصان ہے طلب مقابلہ میں اس میں خاص فرد سے جو مخصوص صفات کے ساتھ متصف ہے مقابلے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جبکہ مقابلہ میں تو عجز کے اثبات کے لئے چیلنج عام ہونا چاہئے۔ 2: سورۃ یونس آیت 38۔ میں ضمیر صرف قرآن کے طرف راجع ہے لہذا یہ توجیہ اس آیت کے خلاف ہے۔ 3: بحث تو اعجاز منزل میں ہے نہ کہ اعجاز شخصی میں، البتہ جب مقصد آیت میں مناظرہ ہو تو پھر یہ احتمال درست ہو سکتا ہے، یعنی سورت دلیل میں اس شخص سے لیکر آجاؤ جسکی رسالت و نبوت ثابت ہو کسی اور کا قول اس مقام میں قابل قبول نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ) مقابلے میں میدان کے وسعت کے لئے یہ جملہ ہے۔ابن جوزی نے فرمایا ہے کہ لفظ شُهَدَاءِ میں تین اقوال ہیں۔اول قول یہ ہے کہ مراد انکے آلِہَہ ہیں کیونکہ وہ انکو مددگار حاضر وناظر تصور کرتے تھے۔ شُهَدَاءَكُمْ فِيْ زَعْمِكُمْ اور اُدْعُوْا پکار کے معنی میں ہے کہ اپنے مددگاروں کو بلالیں۔اور لفظ من دون اللہ بھی اسکی تاکید میں ہے کیونکہ یہ اکثر معبودان باطلہ میں ذکر ہوا ہے لہذا یہ احتمال بھی کسی حد تک درست ہے۔قول ثانی: شُهَدَاءِ بمعنی اَعْوَانَكُمْ۔یعنی تمہارے عام مددگار اور خلفاء مراد ہیں کیونکہ مقابلہ تو اہل علم کا کام ہے لہذا دلیل پیش کرنا علماء کا کام ہے۔ اس طرح سورۃ انعام آیت 150 میں بھی مذکور ہے۔تیسرا قول: شُهَدَاءِ سے مراد شہادت دینے والے ہیں کہ وہ یہ گواہی دیدیں کہ تمہاری لائی ہوئی سورت قرآن کی مانند ہے جو تم لے کر آئے ہوئے ہو یعنی سمجھدار بلغاء اور خطباء جو اگرچہ کافر ہوں گے مگر شرم کے مارے اپنے علم پر شرم وحیا کو مقدم کرتے ہوئے ایسے کلام کو جو مردود، بے کار ناقص ہو ایک ایسے کلام کے جو انتہائی درجہ فصیح وبلیغ ہو مساوی قرار نہیں دیں گے۔اور اُدْعُوْا تمام توجیہات میں اِسْتَعِيْنُوْا اور اِسْتَغِيْثُوْا کے معنی میں ہے البتہ اول معنی میں استعانت شرکی مراد ہے اور دوسرے تیسرے معنی میں استعانت عادتی مراد ہے۔

فائدہ: دعاء کا مادہ 211 مرتبہ قرآن میں مختلف طریقوں پر مستعمل ہے:

1: دعاء حاجت کے معنی میں جس کو دعاء عبادت بھی کہا جاتا ہے، اعراف آیت 55۔مومن آیت 60۔2: نداء پکار کے معنی میں، بقرہ آیت 260۔3: خیر کی طرف ترغیب دینے کی معنی میں، حم سجدہ آیت 33۔4: دعوت شر کے معنی، یوسف آیت 33۔5: فریاد کے معنی میں، اعراف آیت 5۔6: عبادت واطاعت کے معنی میں سورۃ نساء آیت 117۔7: کھانے کی دعوت کے معنی میں، احزاب آیت 57۔

شُهَدَاءَكُمْ شہادت سے لیا گیا ہے یہ لفظ قرآن مجید میں مختلف معنوں میں آیا ہے: 1: حُضُوْر، اور دیکھنے کے معنی میں، سورۃ بقرہ آیت 185۔2: اللہ تعالی کی شہادت یعنی فیصلہ کرنے کے معنی میں ہے۔سورۃ آل عمران آیت 18۔3: حکم کے معنی میں سورۃ یوسف آیت 26۔4: قیامت میں انسانی جسم کے اعضاء کی شہادت سورۃ حم سجدہ آیت 20۔ 5: اقرار کے معنی میں سورۃ انعام آیت 130۔6: رسول کی سچائی کی شہادت سورۃ آل عمران آیت 86۔7: قاضی کے سامنے گواہی دینا سورۃ نساء آیت 15۔8: علم کے معنی میں سورۃ بقرہ آیت 84۔9: خبر دینے کے معنی میں سورۃ توبہ آیت 107۔10: دنیا میں ملائکہ کی شہادت دینا سورۃ نساء آیت 166۔11: قسم کے معنی میں سورۃ بقرہ آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

12-204: تائید کے معنی میں سورۃ ھود آیت 17-13: توحید بیان کرنے کو بھی شھادت کہا گیا ہے سورۃ احزاب آیت 45-14: دل کی توجہ حاضری سورۃ ق آیت 37-15: قیامت کے دن نبی اور امت کی شھادتیں سورۃ بقرہ آیت 143-16: وصیت کے معنی میں سورۃ مائدہ آیت 106-17: فی سبیل اللہ شہید ہو جانا سورۃ آل عمران آیت 140-18: حاضر چیزیں سورۃ انعام آیت 73-19: توحید اور رسالت کے شہادت کے کلمات، سورۃ معارج آیت 33-20: مدد کرنا، جیسا کہ اس آیت میں ایک توجیہ کی بناء پر ہے۔

(مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) دُوْن بمعنی نیچے جیسا کہ حدیث معراج میں ہے۔ عَلٰی دَابَّةٍ دُوْنَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ (صحیح بخاری فی بدء الخلق والانبیاء رقم الحدیث 3207-3887، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 164، 265) یعنی نبی نے جس پر معراج کا سفر کیا وہ سواری خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی۔

دُوْن کا لفظ قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے استعمال ہوا ہے: 1: تجاوز کے معنی میں سورۃ آل عمران آیت 28-2: ادنی کے معنی میں سورۃ نساء آیت 78-3: قریب کے معنی میں سورۃ فتح آیت 27-4: قَبْلُ کے معنی میں سورۃ الم سجدہ آیت 21-5: غَيْرَ اور سِوَا کے معنی میں سورۃ بقرہ آیت 94- اس آیت میں اور ان تمام مقامات میں جہاں اللہ تعالی کی جانب اضافت ہوئی ہو یہ آخری معنی مراد ہے۔ سوال: مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے بجائے جیسے مقامات میں غیر اور سوی اللہ کیوں نہیں فرمایا؟ جواب: مشرکین نے اپنے معبودوں کو اللہ تعالی سے درجے میں کم تصور کیا ہے برابری کے قائل نہیں تھے اس لئے لفظ من دون اللہ استعمال کیا ہے۔ (اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) متعلق اس کا مقدر ہے یعنی اگر تم مقابلہ معارضہ دعوی کرنے میں سچے ہو تو، جیسے ان کا یہ قول ہے۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ سورۃ انفال آیت 31۔ یا اثبات شرک کے دعوی میں سچے ہوں یا پھر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ شھداء الٰہ ہیں اور سورۃ بقرۃ جیسی بے مناظرہ کے باب میں اور اس شرط کی جزا مخفی (مقدر) ہے جس پر ماقبل کی عبارت دلیل ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

(صٰدِقِيْنَ) یہ صدق سے لیا گیا ہے کذب کے مقابل ہے اور یہ مادہ قرآن مجید میں مختلف معنوں میں 155 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ 1: کذب کے مقابل جیسا اس آیت میں ہے۔ 2: صواب یعنی صحیح خطا کے مقابل بقرہ آیت 31-3: وفا کرنے کے معنی میں احزاب آیت 23-4: مبوء اور مکان کی صفت میں، یونس آیت 93، سورۃ قمر 55 مراد امن اور عافیت کی جگہ ہے 5: قدم کی صفت میں یونس آیت 2 پورا ثواب۔ 6: داخل ہونے و نکل جانے کی جگہ، سورۃ اسراء آیت 80۔ یعنی وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

داخل ہونا یا نکلنا جو رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ 7: زبان کی صفت میں، شعراء آیت 84۔ مراد اس سے نیک ذکر ہے۔ 8: وعدہ کی صفت میں احقاف آیت 16۔ یعنی پورا ہونے والا وعدہ۔ فائدہ: جب اس آیت کو تحدی اور اظہار عجز میں تسلیم کیا جائے تو مثل ذیل کی آیتوں کی ہے یونس آیت 38۔ ہود آیت 13۔ طور آیت 34۔ اسراء آیت 88۔ البتہ مذکور آیتوں میں خطابات مشرکین کو ہیں اور زیر بحث آیت میں اول خطاب یہود کو ہے اور پھر عام لوگوں کو۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۞ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۞ "پھر اگر تم نہ کر سکو یہ کام اور ہر گز نہیں تم کر سکو گے لہذا بچاؤ اپنے آپ کو (سب توحید قبول کرنے کے) اس آگ سے جس کا ایندھن (مشرک) اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے" [24]۔ "اور خوشخبری دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کیا طریقہ نبوی پر یقیناً ان کے لئے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے درختوں کے نیچے نہریں جب دئے جائیں گے کوئی پھل کھانے کے لئے تو وہ کہیں گے یہ تو وہی چیز ہے جو ہمیں دیئے گئے تھے اس سے پہلے اور وہ دیئے جائیں گے رزق اس سے ملتا جلتا اور ان کے لئے ان میں بیویاں ہیں پاکیزہ اور وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ" [25]۔

تفسیر 24: قرآن کریم کے اعجاز کے ساتھ اس آیت میں منکرین کے لئے تخویف اخروی ہے فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فا برائے تعقیب ہے یعنی دعوت مقابلہ کے بعد تو فوراً میدان مقابلہ میں کودنا چاہیے اور خاص طور پر وہ لوگ جو ضد اور عناد میں انتہا کو پہنچ گئے ہوں۔ اگر یہ لوگ فوری طور پر مقابلہ میں کودنے کے لئے تیار نہیں ہے جبکہ ان کو چیلنج کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ مقابلہ کرنے سے عاجز ہے ورنہ حق یہ ہے کہ مثل قرآن کتاب لیکر آئیں یا اپنے شرکیہ عقیدہ پر دلیل وحی پیش کریں۔

سوال: اِنۡ اور لَمۡ دو حروف اور وہ بھی متضاد ایک معمول پر کس طرح داخل ہو کر اس پر عمل کر سکتے ہیں؟

جواب: لَمۡ نے تَفۡعَلُوۡا میں عمل کیا ہے اور اِنۡ نے عمل نہیں کیا ہے ان تو اس مجموعہ پر داخل ہوا ہے یعنی وَاِنۡ تَرَكۡتُمُ الۡفِعۡلَ یعنی اتیان بالمثل کے لئے تعبیر فعل کے ساتھ ہوا ہے تاکہ شہداء کو بھی اختصار کے ساتھ دعوت ہو۔

(وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا) یہ جملہ معترضہ ہے شرط اور جزاء کے درمیان اعجاز کی خبر دینے کے لئے اور تحدی کے سوا مستقل اعجاز ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ باوجود مخالفین کے شدت عناد وبغض ان سے مستقبل کے تاکید کے طریقے پر اس فعل کی نفی واضح دلیل ہے کہ قرآن ساری دنیا والوں کو جواب یا مقابلہ کرنے سے عاجز قرار دیتا ہے۔ اور توحید کا عقیدہ یقینی اور حق ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ایک وہم ختم کرنے کے لیے بھی ذکر کیا ہے۔ وہم حرف اِن سے ہوا تھا کیونکہ اس حرف سے مقابلہ کرنے کا شک پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس کو لَنْ تَفْعَلُوْا نفی مستقبل کے ذریعہ مکمل ختم کیا۔ (فَاتَّقُوا النَّارَ) یہ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کے لیے جزاء ہے۔

سوال: شرط اور جزاء میں مناسبت ضروری ہوتی ہے تو یہاں مقابلہ نہ کرنے اور جہنم سے بچنے میں کیا مناسبت ہے؟

جواب: اصل میں جزاء ہے اور وہ اس طرح ہے۔ فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَآمِنُوْا بِالرَّسُوْلِ وَالْقُرْآنِ خالص اپنے رب کی بندگی کرو اور رسول اور قرآن پر ایمان لیکر آؤ۔ یہ آگ سے بچاؤ کے اسباب ہیں تو یہاں سبب حذف کر کے اس کی جگہ مسبب کو ذکر کیا ہے۔ تو اصل عبارت یوں ہوگی فَاتَّقُوا النَّارَ بِسَبَبِ التَّوْحِيْدِ وَالْاِيْمَانِ بِالرَّسُوْلِ. اَلَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ہیبت لانے کے لئے جہنم کی آگ کی صفت یہاں پر بیان کی گئے ہے۔ وقود۔ واؤ کے زبر سے اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ آگ جلتی ہے یعنی لکڑی اور واؤ کے پیش کے ساتھ مصدر ہے معنی ہے جلنا جلانا۔ النَّاسُ۔ الف، لام عہدی ہے اور مراد وہ لوگ ہیں جو توحید وسنت سے منکر ہیں اس بات کی دلیل مابعد والا جملہ ہے اور آل عمران آیت 10۔ اور دیگر آیتیں بھی دلیل ہیں۔ وَالْحِجَارَةُ: اس میں تین قول ہیں۔ پہلا قول: اس سے گندھک کے پتھر مراد ہیں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی صحیح روایت میں ہے کہ مراد گندھک ہے۔ ابن کثیر، ابن جریر، ابن ابی حاتم، مستدرک حاکم 2/287، امام ذہبی نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ بخاری ومسلم کی شرط پر ہے اس پتھر کا انتخاب کیونکر کیا؟ اس انتخاب کی چھ وجوہات ہیں: 1: تیز گرمی پیدا کرتا ہے۔ 2: بہت شعلوں والا ہے۔ 3: جلدی جلتا ہے۔ 4: بدبودار ہوتا ہے۔ 5: بہت زیادہ دھواں کرتا ہے۔ 6: بدن کے ساتھ چمٹ جاتا ہے، اس توجیہ کی بنیاد پر لوگ بطور عذاب جل رہے ہونگے اور اَلْحِجَارَةُ پتھر بطور ایندھن اور مبالغے کے طور پر الناس کو وقود کہا ہے کہ لوگ بطور ایندھن جلیں گے۔ دوسرا قول: یہ ہے حجارۃ سے مراد وہ پتھر ہیں جس کی عبادت دنیا میں ہوئی ہو خواہ بت کی صورت میں یا تبرک شرکی کے طور پر یا قبروں پر رکھے ہوئے ہوں جو کہ باطل معبودوں کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یہ قول ربیع بن انس سے ابن جوزی نے نقل کیا ہے اس کی دلیل سورۃ انبیاء آیت 98 میں ہے اس صورت میں جب ما تعبدون سے وہ پتھر مراد لئے جائیں جن کی عبادت ہوئی ہو اور اگر مراد لیا جائے باطل آلہ کو تو پھر الناس میں وہ داخل ہیں، اور جن کو معبود بنایا گیا ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا شرک کے طور پر ان سے تبرک لیا گیا ہو تو پھر پوجنے والوں کی توہین اور تذلیل کے لئے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پر وَقُودُ کا اطلاق الناس کے طریقے کے ساتھ ہوا ہے۔ تیسرا قول: اس سے مراد عام پتھر ہیں اور مقصود جہنم کی آگ کی تیزی بتانا ہے کیونکہ دنیا کی آگ میں ہر پتھر نہیں جلتا ہے لیکن جہنم کی آگ کسی پتھر کو نہیں چھوڑے گی۔

سوال: ھود آیت 119 سے تو پتہ چلتا ہے کہ جنات بھی آگ میں جائیں گے تو انسانوں اور پتھروں کو کیوں بطور حصر ذکر کیا؟ جواب: یہ حصر حقیقی نہیں ہے کیونکہ جنات انسانوں کے تابع ہیں اس لئے اکثر مقامات پر ان کا ذکر نہیں ہوتا ہے لیکن حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں تو چونکہ یاایھا الناس اعبدوا۔ کو خطاب ہوا ہے اسی کی وجہ سے الناس۔ کہا گیا ہے۔

سوال: ایسی آیت سورۃ تحریم آیت 6 میں بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ یہاں پر النَّارُ معرفہ ذکر ہوا ہے اور اس کی صفت کو موصول صلہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور أُعِدَّتْ کا ذکر بھی کیا ہے جبکہ سورۃ تحریم میں نار نکرہ اور موصول صلہ بھی نہیں لایا گیا ہے اور أُعِدَّتْ بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب: معرفہ کمال پر دلالت کرتا ہے اور نکرہ بعضیت پر یعنی کچھ حصے پر لہٰذا سورۃ تحریم میں ذکر ایمان والوں کا ہے اور ایمان والوں کے لئے ہمیشگی والی آگ نہیں ہے بلکہ جب تک مالک نے معافی نہیں کی ہو اس وقت تک آگ کا ایک حصہ ہوگا جبکہ اس مقام پر یہود کا اور عام کافروں کا ذکر ہے تو ان کے لئے کامل آگ کی سزا ہے، اس وجہ سے وہاں میں نکرہ اور اس آیت میں معرفہ ذکر کیا ہے اور چونکہ سورۃ تحریم میں نار نکرہ ہے تو اس کی صفت جملہ نکرہ لائی گئی ہے اور یہاں النار معرفہ ہے تو صفت بھی موصول صلہ کے ساتھ معرفہ ذکر ہوئی ہے۔

(أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ) جب اس آگ کی صفت بیان ہوئی تو سوال پیدا ہوا کہ یہ سخت ترین آگ کس کے لئے تیار ہوئی ہے تو جملہ مستانفہ کے ساتھ جواب آیا کہ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ یہ اصل میں کافروں کے لئے ہے۔ (أُعِدَّتْ) اعداد سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے تیار کرنا، صیغہ فعل ماضی اس پر دلیل ہے کہ جہنم تیار کی ہوئی ہے بہت آیتیں اور صحیح احادیث اس پر وارد ہے قرآن میں جہنم کی اعداد (یعنی تیاری) 11 مرتبہ مذکور ہے اور صیغہ اعتدنا کے ساتھ بھی 11 مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ (لِلْكَافِرِينَ) سورۃ آل عمران آیت 131 میں بھی اسی طرح وارد ہے دو وجوہات سے لفظ اعتداد میں بمقابل اعداد کے مبالغہ زیادہ ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اعداد مضاعف ہے اور تضعیف شدت پر دلالت کر رہا ہے۔ وجہ دوم یہ ہے کہ اعداد اصل میں ہے جَعْلُ الشَّيْءِ عُدَّةً کسی چیز کو بطور ضرورت بنا کے رکھنا تاکہ کبھی کام آجائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: حرف "لام" کے ذریعے کافرین کی تخصیص دلالت کرتی ہے کہ مومنین گناہوں کی وجہ سے جہنم میں نہیں داخل ہوں گے۔یہ تو ایک اعتبار سے مرجئہ کی دلیل ہوگی،وہ کہتے ہیں کہ گناہ سے ایمان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ خوارجوں کے لئے دلیل ہے جن کا موقف ہے کہ مومن گناہ کی وجہ سے جہنم میں جائے گا گناہ کی وجہ سے وہ کافر ہو چکا ہے؟ جواب: اعداد اور اعتاد کا معنی دخول کے معنی کے علاوہ ہے یعنی اعداد دلالت کرتا ہے ہمیشہ ہونے پر جبکہ مومن گناہ گار تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔یہی وجہ ہے کہ جہاں اعتداد یا اعداد قرآن میں وارد ہے وہاں کافروں کی تخصیص ہے۔

تفسیر 25: آخرت کا عذاب ذکر کرنے کے بعد اب خوشخبری ہے توحید والوں کو جو اللہ ورسول اور قرآن پر ایمان لائے ہیں۔(وَبَشِّرِ) یہ سابقہ آیت پر عطف ہے کیونکہ پہلی آیت میں مضمون اس طرح ہے۔أَنْذِرِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالنَّارِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا اس میں پہلا خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور پھر ہر اس عالم کو ہے جو صحیح دعوت کا کام کر رہا ہے۔بشارت: با کی زیر یا پیش کے ساتھ اس خبر کو کہتے ہیں جس کے سننے سے چہرے میں خوشی ظاہر ہو جائے اس کو بشریٰ بشارت کہا جاتا ہے۔ سوال: بشارت تو عذاب کے لئے بھی استعمال ہوا ہے،لقمان آیت 7۔جاثیہ آیت 8۔آل عمران آیت 21۔توبہ آیت 34۔انشقاق آیت 24؟ جواب: مذکورہ آیتوں میں بشارت سے مراد صرف خبر دینی ہے اگرچہ شر میں کیوں نہ ہو لیکن اس کو بشارت تہکم حقارت کے طریقے پر ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: جب پہلی بار سننے پر بشارت حاصل ہو جاتی ہے تو قرآن میں بشارت کی آیتیں بار بار کیوں پڑھی جاتی ہیں؟

جواب: جب قرآن کریم بار بار پڑھنے سے مومن اکتاتا نہیں ہے اور پڑھنے سے تازگی ہی حاصل ہوتی ہے،اور اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اور مومنین کو پڑھنے سے ہر وقت خوشی ملتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے ناموں میں سے ایک نام بشریٰ بھی ہے اور بشارت کبھی دنیاوی خوشحالی کے لئے آتی ہے جیسا کہ بچے کی پیدائش اور یہ بشارت ابراہیم وزکریا،مریم وابراہیم علیہم السلام کی بیوی کو بہت ساری سورتوں میں مذکور ہے اور بچے کے علاوہ دوسرے انعامات پر بشارتیں ذکر کی گئی ہیں جیسا کہ سورۃ یونس آیت 64۔سورۃ صف آیت 13۔اور اکثر قرآن مجید نے آخرت کی بشارتیں دی ہیں لیکن ان بشارتوں کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل صفات کی ضرورت ہے۔

1: لفظ ایمان،احزاب آیت 47۔یونس آیت 87۔2: ایمان اور عمل صالح مذکورہ آیت میں،اسراء آیت 9 کھف آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

2-3: عاجزی انکساری، حج آیت 34-4: احسان کرنا حج آیت 37-5: عبدیت وانابت کرنا، زمر آیت 17، 18 ۔
6: صبر، بقرہ آیت 155 ۔ اور بشارت کبھی عموم کے لئے مطلق ذکر ہوتی ہے اور کبھی ساتھ میں مبشر بہ یعنی جس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے وہ بھی مذکور ہوتی ہے۔ البتہ جس بشارت کا تعلق شر سے ہو تو اس وقت اس شر کی نشاندہی ضرور بیان ہوتی ہے۔
(الَّذِيْنَ آمَنُوْا) یہاں چونکہ ایمان شرعی مراد ہیں جس کی وجہ سے مؤمن بہ کو ذکر نہیں کیا ہے تو یہ تمام ایمانیات کو شامل ہے۔ (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) یہاں اصل میں عبارت اس طرح ہے اَلْخِصَالُ الصّٰلِحٰتُ یعنی صالحات مقدر موصوف کے لئے صفت ہے لیکن وصفیت پر اسمیت غالب ہوگیا ہے لہذا موصوف کی ضرورت نہیں رہی۔ صَالِحٌ، صَلَحَ سے لیا گیا ہے لغت میں موافقت کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح شرعی میں ہر اس عقیدہ اور عمل کو کہا جاتا ہے جو کتاب اللہ اور صحیح احادیث کے ساتھ موافق ہو۔ بیضاوی اور امام آلوسی نے اس طرح تعریف کی ہے: اَلصَّالِحُ مِنَ الْاَعْمَالِ مَاسَوَّغَهُ الشَّرْعُ وَحَسَّنَهُ۔ صالح عمل وہ ہے جسکو دلیل شرعی نے جائز قرار دیا اور اسکو حسن بھی کہا ہو۔ حسن کی قید اس لئے لگائی کہ مباح عمل اگرچہ جائز ہوتا ہے لیکن اس پر اجر کا ثبوت نہیں اور اس کو صالح بھی نہیں کہا جاتا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ جس عقیدہ اور عمل پر جواز اور حسن کی دلیل شرعی نہیں ہو وہ صالح عمل نہیں کہلائے گا اس کو بدعت فسق و فجور کہا جائے گا جب اس کو دین تصور کیا جائے۔ سوال: عمل صالح کو ایمان پر عطف کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال ایمان سے جدا ہیں جو کہ احناف اور مرجئیہ کا عقیدہ ہے؟ جواب 2: یہ بات گزر گئی ہے کہ ایمان کے مختلف اطلاقات ہیں، کبھی تو ایمان ذکر ہوتا ہے اور مراد کامل ایمان شرعی ہوتا ہے اس میں اعمال داخل ہوتے ہیں کیونکہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے اور قول تصدیق و اقرار دونوں کو شامل ہے۔ جواب 1: اس کو عطف الخاص علی العام کہا جاتا ہے یعنی اہتمام کے لئے عام پر خاص کو عطف کر لیتے ہیں جیسا کہ سورۃ البقرہ 98 میں ہے۔

سوال: خوارج اور معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جنت کو ایمان اور عمل کے ساتھ خاص منسلک کیا ہے تو عمل کی نفی سے جنت بھی حاصل نہ ہوگی تو آگ میں ہمیشہ ہوگا یا کافر ہو جائے گا؟

جواب: قرآن کریم کا منشا ہے کہ ایمان کا کامل مرتبہ ذکر کرتا ہے۔ اور جنت کے حصول کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جنت کا مستحق ہونا اگرچہ سزا چکھنے کے بعد حاصل ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ابتداء سے جنت میں داخل ہو جائے اور عذاب سے بالکل بچ جائے یہ کامل مرتبے کا ایمان ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ مراد یہ ہے کہ صرف ایمان پر جنت کا استحقاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے اور اعمال پر درجات حاصل ہوتے ہیں یا عذاب سے چھٹکارہ حاصل ہوتا ہے۔

(أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ) یہ مبشر بہ ہے ما، کی تقدیر سے اور لَهُمْ میں لام استحقاق کے لئے ہے بوجہ ایمان اور اعمال صالحہ کے لیکن یہ استحقاق اللہ تعالیٰ کے وعدے کے سبب ہے (جنّٰت) جنت کی جمع ہے اصل میں اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کے گھنا ہونے کی وجہ سے زمین نظر نہیں آتی ہے پھر اس کا اطلاق عرف میں باغ پر ہوتا ہے جو بہت سارے درختوں اور میوں پر مشتمل ہو۔ اس معنی میں قرآن مجید میں کثرت سے استعمال ہوا ہے بقرہ آیت 266۔ اصطلاح شریعت میں اجر و ثواب کے اس گھر کو کہتے ہیں جو بے شمار نعمتوں پر مشتمل ہو۔ جنّٰت جمع اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ، علامہ شربینی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا ہے کہ جنتیں سات ہیں۔ جنت فردوس سورۃ کہف آیت 107 ہے۔ جنت عدن سورۃ نحل 1۔ جنت النعیم سورۃ واقعہ آیت 12۔ جنّٰت الْمَاوٰی سورۃ النجم آیت 10۔ دار السلام، سورۃ یونس آیت 25۔ جنت الخلد، سورۃ فرقان آیت 15۔ عِلِّیِّیْنَ سورۃ مطففین آیت 19۔ مَقْعَدِ صِدْقٍ یہ اور قَدَمَ صِدْقٍ جنتیوں کے اوصاف ہیں۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یہ جنت کی صفات ہیں معلوم ہوا کہ باغات ہر وقت تر و تازہ رہتے ہیں کیوں کہ پانی کی فراوانی ہے، تَجْرِیْ کی اسناد اَنْهٰر کی طرف مجازی ہے اور اس کو توسع کلام کہتے ہیں۔ مِنْ تَحْتِهَا من میں اصل میں معنی کی زیادتی کے لئے ہے کہ یہ اتصال کے ساتھ تبعیض کا معنی بھی پیدا کرتا ہے اور جہاں، مِنْ ذکر نہ ہو تو وہاں پورا مبالغہ مراد ہوتا ہے کیونکہ تبعیض کا معنی اس سے دور ہو جائے تو عموم اور کلیت پیدا ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ توبہ 100 میں جو بشارتیں صحابہ کرام کے بارے میں آئی ہیں تو اس میں عموم اور توسع انھار کے لئے من حذف کیا ہے،، الانھار،، اس میں الف لام عہدی ہے اور مراد وہ چار قسمیں ہیں جو سورۃ محمد آیت 15 میں مذکور ہیں اور ہر ایک قسم بے شمار نہروں پر مشتمل ہے۔ مِنْ تَحْتِهَا ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور مراد اس کے باغات اور محلات ہیں یا پھر مضاف مقدر ہے یعنی اس طرح ہے۔ مِنْ تَحْتِ أَشْجَارِهَا وَغُرَفِهَا حدیث سے ثابت ہے کہ جنت کی نہریں زمین کی سطح پر ہونگی، اور نہروں کے کناروں پر درخت لگے ہوئے ہوں گے۔ اور ان درختوں کی شاخیں نیچے ہونگی گویا کہ شاخوں کے نیچے پانی کی نہریں جاری ہیں (ابو نعیم فی الحلیۃ ج 6 صفحہ 205، یہ روایت موقوفا صحیح ہے، مرفوعا ضعیف ہے، تخریج ابن کثیر)۔ ایک بہت عجیب نظارہ ہوگا تو یہاں تک ایک نعمت یعنی جنتیوں کی رہائش گاہیں تمام ضروریات سمیت ذکر ہو گئیں۔ اب دوسری نعمت جو کہ اقسام طعام ہیں اسکی وسعت کا ذکر ہو رہا ہے۔ (كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا) یہ ضمیر جنت کی جانب راجع ہے اور من ابتدائیہ ہے۔ اور۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رُزِقُوْا ۔ سے جوکہ صیغہ مجہول ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انکے خدمت گار موجود ہونگے جو تیار طعام ان کے لئے لائینگے
۔مِنْ ثَمَرَةٍ یہ مِن استغراق (عموم) کے لئے ہے یا پھر تبعیض کے لئے ہے۔رِزْقًا یہ مفعول لہ ہے اور رزقوا دینے کے معنی
میں ہے اور رزقا بمعنی طعام ہے۔

(قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ) سوال: هٰذَا اشارہ ہے حاضر طعام کی طرف اور رُزِقْنَا فعل ماضی ہے تو کھائی ہوئی چیز کو تو هٰذَا نہیں کہا جا سکتا ہے؟ جواب: عبارت میں تشبیہ کا لفظ مبالغہ کے لئے مقدر ہے ۔یعنی هٰذَا مِثْلُ الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ. مِنْ قَبْلُ. اس میں دو توجیہ ہیں توجیہ اول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت میں قبلیت ہے یعنی پہلے ۔یعنی جنت میں ہر بعد والی خوراک پہلے والی خوراک کے ساتھ من وجہ سے مشابہ ہوگی اس توجیہ پر سوال: وارد ہوتا ہے کہ کلما کے لفظ سے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر بار ایسا ہوگا تو پہلی بار بھی اس میں داخل ہے جبکہ پہلی بار کے ساتھ تو من قبل مناسب نہیں ہے؟ جواب: کلما تو عموم کے لئے ہے لیکن عقلی قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار اس میں داخل نہیں ہے ۔اس قول کو ابن جریر نے پسند کیا ہے۔دوسری توجیہ یہ ہے کہ قبلیت سے مراد دنیا ہے یعنی یہ جو پھل فروٹ دیا گیا ہے ہمیں دنیا میں دیا گیا تھا یہ وہی تو ہے یعنی جنت کا رزق مثل دنیا کے ہوگا لیکن یہ مشابہت صرف نام اور شکل میں ہوگی باقی رنگ اور لذت میں تو بے شمار جنت والے میوے اعلیٰ ہونگے ۔اور تشابہ کا اطلاق من وجہ تشابہ ذکر ہونا بھی ہے۔ سورۃ انعام آیت 141۔ سورۃ زمر آیت 23۔ پہلی مشابہت میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت معلوم ہو جائے کہ شکل وصورت ایک ہے اور لذت میں بے حد فرق ہے دوسری توجیہ میں مذکورہ فائدہ بھی ہے اور مزید فائدہ یہ ہے تاکہ اس سے نفرت نہ ہو جائے ، کیونکہ خلاف عادت خوراک سے طبعی طور پر اکثر انسان نفرت کرتا ہے۔اس توجیہ پر سوال وارد ہوتا ہے کہ دنیا میں بہت لوگ ہیں جنھوں نے اکثر میوے فروٹ نہیں کھائے ہیں ۔بلکہ انہوں نے تو کبھی دیکھا بھی نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے متعلق یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب میرے ذہن میں تحقیقی طور پر موجود نہیں ہے سوائے تخصیص کے لیکن وہ جنت کے حال کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا ہے۔تیسری توجیہ: امام قرطبی نے نقل کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے۔ وُعِدْنَا مِنْ قَبْلُ فِی الدُّنْیَا یعنی ان نعمتوں کا وعدہ ہمارے ساتھ دنیا میں کیا گیا تھا اس کی تائید سورۃ زمر آیت 74 میں ہے لیکن رزق کا اطلاق لغت عرب میں ،وعدے، پر نہیں ہوا ہے۔لھذا یہ توجیہ بہت بعید ہے۔چوتھی توجیہ آلوسی اور بیضاوی نے ذکر کی ہے کہ رزق سے مراد توفیق الٰہی ہے۔ حاصل: یہ ہے کہ هٰذَا جَزَاءُ الَّذِیْ وُفِّقْنَا فِی الدُّنْیَا یہ جزا و بدلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اس ایمان اور اطاعت کا جسکی توفیق دنیا میں ہمیں دی گئی تھی۔ اس توجیہ میں رزق توفیق کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے یہ بعید بات ہے لہٰذا میرے نزدیک پہلی توجیہ بہتر ہے۔

وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا یہ ماقبل کے لئے علت ہے کہ یہ لوگ هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا کیوں کہتے ہیں۔ کیونکہ جنت کا رزق پھل وغیرہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہے اور دنیا کے پھلوں کے بھی مشابہ ہے اور آخری توجیہ کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ انکو انکا بدلہ عمل کے مشابہ یعنی برابر دیا جائے گا۔ بِہٖ ضمیر رزقاً کی طرف راجع ہے یا پھر کھانے کی تاویل کے ساتھ ثَمَرَۃٌ کی جانب راجع ہے۔ تشابہ کی تفصیل وحکمت گزر چکی ہے، مزید تفصیل آل عمران میں آئے گی۔ دوسری نعمت ذکر کرنے کے بعد اب تیسری نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ لفظ لَهُمْ سے پتہ چلتا ہے جہنم والے بیویوں کی نعمت سے محروم ہوں گے۔ اور فِيهَا میں استقرار ہمیشہ رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ أَزْوَاجٌ یہ زوج کی جمع ہے مرد عورت دونوں کو زوج بولنا درست ہے اس شرط پر کہ درمیان میں نکاح شرعی موجود ہو یہ أَزْوَاجٌ (بیویاں) عام ہے جنت کی حوریں یا دنیا کی مومن عورتیں جیسا کہ سورۃ واقعہ آیت 22 سے 25۔ سورۃ طور آیت 20۔ سورۃ دخان آیت 54۔ سورۃ صافات آیت 48 میں ہے۔ فائدہ: أَزْوَاجٌ کا اطلاق اس وقت درست ہے جب دو کے درمیان عقیدے میں موافقت، مناسبت اور محبت ہو یعنی دونوں مومن ہوں جیسا کہ محمد ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے کہا گیا ہے۔ سورۃ احزاب آیت 6، 28، 50، 53، 59۔ سورۃ تحریم آیت 1، 3 میں ہے۔ یہ کامل دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں نبی کریم ﷺ کے ساتھ عقیدہ عمل اور محبت میں یکساں برابر تھیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے "جلاء الافہام" میں فرمایا ہے کہ مومنین کی عورتوں پر ازواج کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ ان کے عقیدے اور عمل میں موافقت ہے اور محبت بھی ہے اور کافروں یہودیوں پر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قرآن نے انکو ازواج نہیں کہا ہے البتہ جب بیوی خاوند کے ساتھ عقیدے میں متفق نہ ہو تو اس مقام میں امرأۃ کا اطلاق ہوا ہے۔ سورۃ تحریم آیت 10۔ خاوند کا عقیدہ بھی اگر بیوی کے خلاف ہو تو بھی امرأۃ کا اطلاق ہوا ہے۔ سورۃ تحریم آیت 11۔ سوال: ابراہیم، زکریا، عمران علیہم السلام کی بیویاں تو عقیدۃً انکے ساتھ موافق تھیں پھر ان کے لئے کیوں امرأۃ کہا گیا ہے جیسا کہ سورۃ ھود آیت 71، سورۃ آل عمران 35-40؟

جواب: ان مقامات میں توالد کے واقعات یعنی بچوں کی پیدائش اور خوشخبری کا مسئلہ ذکر ہے اور ایسے مقام پر امرأۃ کا استعمال زیادہ بہتر ہے کیونکہ زوج کا لفظ مشترک ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ 2: مادہ تزویج قرآن مجید میں 81 مرتبہ مذکور ہے اور انکے مختلف معانی ہیں: 1: دنیوی نکاح۔ سورۃ احزاب 27۔ 2: اخروی نکاح یعنی حوریں۔ سورۃ طور آیت 20۔ 3: خاوند کو بھی زوج کہا گیا ہے۔ سورۃ بقرۃ آیت 230۔ 4: صرف بیویوں کو بھی کہا گیا ہے۔ سورۃ نساء آیت 20۔ 5: اولاد میں مرد وزن۔ سورۃ شوریٰ آیت 50۔ 6: جسم اور روح کو اکٹھا کرنا ایک تفسیر کے مطابق۔ سورۃ تکویر آیت 7۔ 7: نباتات کی اقسام۔ سورۃ حج آیت 5۔ 8: دنیا میں لوگوں کی قسمیں سورۃ طٰہٰ آیت 131۔ 9: دنیا میں ہر قسم کی چیزیں۔ سورۃ زخرف آیت 12۔ ان مقامات میں زوجیت کا معنی بھی مذکور ہے۔ 10: آخرت میں انسانوں کی قسمیں۔ سورۃ الواقعہ آیت 7۔ لہذا زیر بحث آیت سے مراد بیویاں ہیں وہ چاہے دنیاوی ہوں یا اخروی۔ مُّطَهَّرَةٌ باب تفعیل بہت مبالغہ کے لئے ہے یعنی ہر قسم کے انسانی نقص سے پاک ہونگے یعنی حیض ونفاس بول وبراز سے، ریشہ، گندگیوں سے بداخلاقی، مکر وفریب وغیرہ غرض ہر قسم کے عیوب سے (پاک) ہونگی اور صیغہ اسم مفعول میں بہت مبالغہ ہے مراد کہ پاک کیئے ہوئے ہیں ایک ذات نے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ یہ چوتھی نعمت ہے۔ یہ لفظ جنتیوں کے لئے 38 مرتبہ اور جہنمیوں کے لئے 29 مرتبہ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ فِيْهَا یہ لفظ دلیل ہے کہ جنتی جنت ہی میں رہیں گے باہر نہیں نکلیں گے اور انعامات جو ذکر کیئے ہیں سب جنت کے اندر ہونگے۔ خُلُوْد ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والے کو کہا جاتا ہے اس لئے انبیاء کے متعلق سورۃ انبیاء آیت 34 میں آیا ہے کہ انکے لئے ہمیشہ رہنا نہیں ہے کبھی اس کا اطلاق طویل وقت پر بھی ہوتا ہے یہ علامہ قرطبی کا قول ہے اور بعض مفسرین نے اس کے برعکس قول ذکر کیا ہے کہ اصل میں طویل وقت کو کہا جاتا ہے خواہ دوام ہو یا نہ ہو اور کبھی دوام پر اطلاق ہوتا ہے مگر قرطبی کا قول بہتر ہے۔ لہذا اس قول کی بنا پر لفظ ابدًا دوام کی تاکید کے لئے آتا ہے جنت میں جہاں خلود کا ذکر ہے تو وہ دوام ہمیشگی کے معنی میں ہے اور جہنم میں خلود اکثر دوام کے لئے بھی اور کبھی طویل وقت کے لئے بھی آتا ہے۔ سورۃ نساء آیت 93۔ امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ خلود کا معنی ہے کسی چیز کا اپنے حال پر باقی رہنا اور ہر قسم کے فساد سے مبرّا ہونا ہے لہذا یہ دلیل ہے کہ جنت والے اور جنت کے انعامات ہمیشہ کے لئے ہیں یہ فنا نہیں ہونگے یہ سلف صالحین اور اہل سنت کا عقیدہ ہے اور اس سے معتزلہ جہمیہ اختلاف کرتے ہیں اور انکے پاس کوئی دلیل نقلی نہیں ہے۔

تنبیہ: انسان کی زندگی تو صرف خوشی، لذتوں، رہائش، طعام اور نکاح پر قائم ہے تو ان تینوں کا آخرت کی بشارت میں ذکر کیا ہے۔ دنیا کی نعمتیں میں فنا وزوال کا ہمیشہ خوف رہتا ہے اس وجہ سے دنیا کی یہ نعمتیں بہت ناقص ہیں تو آخرت کی نعمتوں کے بارے میں خلود کی صفت ذکر کی ہے۔ جس میں زوال، نقصان، خوف بالکل نہیں ہے بلکہ ان نعمتوں سے پر امن طریقے سے لطف اندوز ہونگے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی ایمان والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟ اس کے ساتھ وہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں ہی کو کرتا ہے۔''[26] ''وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے کو اس کے پختہ کر لینے کے بعد اور وہ کاٹتے ہیں اس چیز کو (جس کا) اللہ نے حکم دیا ہے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''[27]

تفسیر 26 سابقہ آیت کے ساتھ ربط:۔

ربط: جب دعویٰ توحید دلائل کے ساتھ ذکر ہو گیا، اور رسول اور قرآن کی صداقت مناظرہ اور چیلنج کے ذریعے واضح ہو گئی تخویف اور بشارت کے ذکر کرنے کے بعد۔ اب قرآن کریم کے بارے میں ہونے والے شبہے کا جواب دیا جا رہا ہے کیوں کہ قرآن کریم توحید پر مشتمل ہے اور مخالفین توحید کی وجہ سے قرآن پر اعتراض کرتے تھے۔ اور یہ شبہہ اس طرح ہے کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب نہیں ہے اس لئے کہ اس میں مثالیں بیان ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مثال ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جواب ذکر کرتے ہیں مثالوں کی حکمت کے ذریعے یعنی کہ اللہ تعالیٰ تو مثالوں کے محتاج نہیں ہے لیکن مخاطبین اپنی سمجھ میں مثالوں کے محتاج ہیں۔

فائدہ: امام قرطبی نے حسن اور قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ اعتراض یہودیوں نے کیا تھا جبکہ اس سورت میں کفار اور منافقین کا مثالوں کے ساتھ اللہ نے رد کیا تو یہود بھی اس میں داخل تھے لہذا انہوں نے کہا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں ہے کیونکہ یہ مثالیں ان کو ناگوار گزری تھیں۔ امام سیوطی نے اس قول کو اتقان میں صحیح کہا ہے اور جس نے لکھا ہے کہ مشرکوں کی مثالیں جو مکی سورتوں میں مکڑی اور مکھی کی ساتھ دی گئی تھی تو انہوں نے یہ اعتراض کیا تھا اور تو ان کے اعتراض کے جواب میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں یہ قول سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ بہتر قول یہ ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراض کیا ہے یا کرتے ہیں۔ سب کیلئے یہ جواب ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي اعتراض کرنے والوں نے اپنے اعتراض میں اس طرح کہا تھا کیا اللہ تعالیٰ مثال پیش کرنے میں حیا نہیں کرتا ہے۔ تو جواب آیا کہ لَا يَسْتَحْيِي حیا سے لیا گیا ہے اور یہ صفت اللہ کیلئے ثبوتاً بھی ہے کہ رب حیا والا ہے جیسا کہ صحیح ابوداؤد حدیث نمبر 1337 التعلیقات علی صحیح ابن حبان نمبر 873 صحیح جامع الصغیر نمبر 1757 میں حدیث وارد ہے کہ تمہارا رب حیاء والا کریم ہے۔ جب بندہ اس کی جانب ہاتھ اٹھاتا ہے تو خالی واپس کرتے ہوئے وہ اپنے بندے سے حیاء کرتا ہے۔ یہاں پر یہ صفت اللہ کیلئے صفت سلبیہ مقیدہ ہے اور حیاء کا ثبوت اللہ تعالیٰ کیلئے اس آیت سے مخالف نہیں ہے کیونکہ ثبوت ایک قسم کا ہے اور نفی دوسری قسم کی ہے یہ صفت بغیر تشبیہ، تاویل و تحریف کے سلف صالحین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کیلئے حقیقتاً ثابت ہے بندے کی صفت میں حیاء کا معنی بعض اوقات قبیح عمل سے رک جانا حیاء کی وجہ سے ہے لیکن بندے اور اللہ کی صفت میں بڑا فرق ہے، صرف لفظی اشتراک ہے۔

فائدہ: اِسْتِحْيَاءٌ سلب مقید کے طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت میں دو دفعہ آیا ہے اور رسول کی صفت میں ایک مرتبہ آیا ہے۔ سورۃ احزاب آیت 53 اور نیک خاتون کی صفت میں ایک مرتبہ آیا ہے۔ قصص آیت 25۔ اور فرعونیوں کے عمل میں 6 مرتبہ مذکور ہے۔ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا امام قرطبی کا قول ہے کہ يَضْرِبُ، يُبَيِّنُ کے معنی میں ہے یا پھر يَجْعَلُ کے معنی میں یعنی يَجْعَلُ شَيْئًا مِثَالًا لِشَيْءٍ آخر جو بنا بَعُوضَةً کو مثال اور اسمیں مثل کو ممثل لہ پر چسپاں کرنا ہے اسلئے اس کو ضرب کہا گیا یہاں مثلاً مثال کے معنی میں ہے۔

فائدہ: لفظ ضَرَبَ الْمَثَلَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فعل ماضی غائب کے صیغہ کے ساتھ قرآن میں مندرجہ ذیل مقامات پر ہے۔ سورۃ نحل آیت 75، 76، 112۔ سورۃ ابراہیم آیت 24۔ سورۃ روم آیت 28۔ سورۃ زمر آیت 29 اور سورۃ تحریم آیت 10-11 اور صیغہ جمع ماضی متکلم کے ساتھ سورۃ ابراہیم آیت 45، سورۃ فرقان آیت 39، سورۃ روم آیت 58، سورۃ زمر آیت 27 اور صیغہ فعل مضارع جمع متکلم کے ساتھ۔ سورۃ عنکبوت آیت 43۔ سورۃ حشر آیت 21۔ اور صیغہ يَضْرِبُ کے ساتھ اس آیت میں اور سورۃ رعد آیت 17۔ سورۃ ابراہیم آیت 25۔ سورۃ نور آیت 35۔ سورۃ محمد آیت 27 میں ذکر ہوا ہے اور صیغہ امر کے ساتھ۔ سورۃ کہف آیت 32۔ 45۔ سورۃ یاسین، آیت 13۔ اور ماضی مجہول صیغے کے ساتھ۔ سورۃ حج آیت 73۔ میں ذکر ہے۔ اور جو بندوں کی جانب سے ہے تو وہ سورۃ یاسین آیت 78۔ سورۃ نحل آیت 74۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ زخرف آیت 17 اور 58۔ سورۃ اسراء آیت 48۔ سورۃ فرقان آیت 9۔ میں مذکور ہے۔

مَا بَعُوضَةً: اس کے اعراب میں مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: ما زائدہ مثلاً کی تاکید کیلئے ہے اور بَعُوضَةً مثلاً سے بدل ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ ما نکرہ ہے اور مثلاً سے بدل ہے اور بَعُوضَةً صفت ہے ما کیلئے۔ تیسرا قول: یہ ہے کہ ما مثلاً کی تاکید کیلئے ہے اور بَعُوضَةً کیلئے فعل محذوف ہے یعنی بَيْنَ بَعُوضَةً۔ بَعُوضَةً۔ مفرد بَعُوض جمع آتی ہے اگرچہ علماء کا قول ہے کہ بَعُوضَةً اور بَقّ ایک چیز ہیں لیکن قرطبی کے محشی نے اس پر رد کیا ہے۔ لسان العرب والے نے ایک قول ذکر کیا ہے کہ بق بڑا اور بعوضۃ چھوٹا ہوتا ہے تفسیر خازن میں بھی بق بڑے اور بعوضۃ چھوٹے مچھر کو کہا گیا ہے۔ جہاں پر تحقیر و تقلیل کی وجہ سے بعوضۃ ذکر کیا ہے۔

فائدہ 1: دمیری نے حیاۃ الحیوان میں کہا ہے کہ بَعُوضَةً شکل میں ہاتھی جیسا ہے البتہ مچھر کے اعضاء زیادہ ہیں کیونکہ ہاتھی کی چار ٹانگیں ایک دم اور ایک سونڈھ ہوتی ہے اور مچھر کی چھ ٹانگیں جبکہ مچھر کے دو پیر اضافی ہوتے ہیں اور پر بھی ہیں اور ہاتھی کی سونڈھ میں وہ کمال نہیں ہے جو مچھر کے پر میں ہے خازن نے لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب مخلوق ہے باوجود چھوٹے بدن کے ہاتھی اونٹ بھینس کے مضبوط چمڑے میں اپنے سونڈھ کو داخل کرتا ہے اور کبھی کبھی تو اس کے کاٹنے سے اونٹ مر جاتا ہے۔ ابن جریر نے فرمایا ہے مچھر دنیا کی مثال میں پیش کیا جاتا ہے کیونکہ مچھر کا جب پیٹ خالی ہو تو زندہ رہتا ہے اور جب کسی چیز کے خون سے بھر جائے تو مر جاتا ہے اسی طرح جب انسان مال و دولت سے خالی ہوتا ہے تو اس میں حیات روحانی یعنی پرہیزگاری ہوتی ہے اور مال و دولت سے بھر جائے تو دل مر جاتا ہے اور غافل ہو جاتا ہے۔

فائدہ 2: قرآن مجید میں 31 حیوان مختلف قسم کے مذکور ہیں، ان میں سے سب سے چھوٹا ابتداء "مچھر" میں اور سب سے بڑا آخر میں ذکر کیا ہے جو کہ ہاتھی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔ مچھر، بچھڑا، خنزیر، گدھا، چیل، چوپائے، درندہ، گھوڑا، کوا، بندر، بکرا، دُمبہ، بکری، اونٹ، اونٹنی، اژدھا، سانپ، پتلا سانپ، ٹڈی، جوئیں، مینڈک، مچھلی، کتا، بھیڑیا، خچر، شھد کی مکھی، مکھی، چیونٹی، ہدہد، مکڑی، دیمک، پتنگ (پروانہ)۔ فَمَا فَوْقَهَا. یہاں فا معنی کے تاخیر کے ساتھ عطف کیلئے ہے (ما) موصولہ ہے (هو) مقدر ہے مبتداء (فَوْقَهَا) خبر ہے۔ یہ جملہ صلہ ہے (مَا) کیلئے۔ فوق اوپر اور زیادہ کو کہتے ہیں اور وہ عام ہے خواہ زیادتی بدن میں ہو اور وہ تو بہت سارے حیوانات جس کا تذکرہ پہلے ہو گیا یا زیادت حقارت میں مراد ہو اور وہ مچھر کا پر ہے اور یہ بعد والا راجح کیونکہ احادیث میں تفصیل کیلئے مچھر کا پر مثال میں ذکر ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لَوْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ۔ ''اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کچھ حیثیت ہوتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا۔'' (ترمذی حدیث 2320، ابن ماجه 4110، مسند بزار 8176، معجم ابن عساکر 1053، صحیح ترغیب 3240، سلسلة صحیحة 943،686)

دوسری حدیث میں ہے: وَلَوْ أَنَّ حَيَّكُمْ، وَمَيِّتَكُمْ، وَأَوَّلَكُمْ، وَآخِرَكُمْ، وَرَطْبَكُمْ، وَيَابِسَكُمُ اجْتَمَعُوا، فَكَانُوا عَلَى قَلْبِ أَتْقَى عَبْدٍ مِنْ عِبَادِي، لَمْ يَزِدْ فِي مُلْكِي جَنَاحُ بَعُوضَةٍ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا فَكَانُوا عَلَى قَلْبِ أَشْقَى عَبْدٍ مِنْ عِبَادِي، لَمْ يَنْقُصْ مِنْ مُلْكِي جَنَاحَ بَعُوضَةٍ۔

(سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، بَابُ ذِكْرِ التَّوْبَةِ، رقم الحدیث: 4257 اور صحیح مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ تَحْرِيمِ الظُّلْمِ، رقم الحدیث: 2577 اور سنن ترمذی، رقم الحدیث: 2495)

''اگر تمھارے زندہ مردے خشکی اور تری میں رہنے والے سابقہ اور آخر تک آنے والے سب لوگ جمع ہو جائیں اور میرے بندوں میں سے کسی پرہیزگار بندے کے دل کی طرح یعنی سارے متقی بن جائیں تو بھی میری ملکیت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے اگرچہ مچھر کے پر کے برابر ہی کیوں نہ ہو اور اسی طرح اگر سب کے سب میرے کسی بد بخت شقی بندے کے دل کی مانند ان کے دل ہو جائیں تب بھی کوئی کمی نہیں کر سکتے۔

فائدہ: قرآن مجید میں لفظ فوق 41 مرتبہ مذکور ہے اس کے مختلف مصداقات ہیں جو بلندی اور زیادتی کے معنوں کے ہیں:

1: غالب، سورۃ آل عمران آیت 55۔ 2: تعداد میں زیادہ، نساء آیت 11۔ 3: اللہ تعالیٰ کی صفت میں ہے، جو بغیر تشبیہ، تمثیل، تاویل، تعلیف یہ تین دفعہ عرش پر مستوی ہونے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ انعام آیت 18، 61۔ سورۃ نحل آیت 50۔ 4: فوقیت درجے کے اعتبار سے۔ انعام آیت 165۔ 5: علی کے معنی میں آیا ہے۔ انفال آیت 12۔ 6: اوپر ہونا سورۃ یوسف آیت 36۔ 7: علم میں زیادہ ہونا۔ سورۃ یوسف آیت 76۔ 8: آواز کا بلند ہونا سورۃ حجرات آیت 2۔ 9: مکان میں بلند ہونا۔ سورۃ بقرہ آیت 63۔ 10: اوپر کی (یعنی آسمان کی جانب) سورۃ انعام آیت 65۔ 11:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

زمین کے اوپر کا بلند حصہ۔ سورۃ احزاب آیت 10۔ قد یا جسم میں بڑا ہونا۔ 12: ایک معنی کے ساتھ اس آیت میں۔ 13: ایک وصف میں زیادت جیسا کہ حقارت یہ بھی دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے۔ معلوم ہوا کہ فوق کا معنی ایک ہے اوپر لیکن ہر ایک جگہ میں اس کا مناسب بلندی ہے تو ایسا اللہ تعالیٰ کی صفت میں بھی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ اس سے ماقبل جملے میں ایک جواب گزر گیا ہے کہ مثال جیسی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی شان کے ساتھ اس کا منافات نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی مثالیں قرآن میں بیان کی ہیں۔ اب دوسرا جواب ہو رہا ہے جو کہ مثالوں کی حکمتوں پر مشتمل ہے پہلی حکمت لوگوں میں تمیز ہے۔ مومن کی تمیز مثال کی تصدیق سے ہوتی ہے اور مثال کی تصدیق سے فائدہ ظاہر ہوتا ہے اسلئے اسکو مقدم کیا۔ اَنَّهُ۔ یہ ضمیر مثال یا ضرب المثال کی طرف راجع ہے۔ الْحَقُّ۔ یہ مثال کی مثل لہ کے ساتھ موافقت کے معنی میں ہے اور یہ مثال میں حقانیت کا معنی ہے۔ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ یہ انّ کیلئے خبر ثانی ہے۔ یا حق کیلئے صفت ہے اور اشارہ ہے کہ یہاں حقانیت صرف وجود میں مراد نہیں ہے۔ بلکہ حقانیت شرعی مراد ہے۔

فائدہ: لفظ حق قرآن مجید میں 240 مرتبہ ذکر ہوا ہے لغت میں صرف ثابت کو کہا جاتا ہے اور عرف میں وہ چیز ہے جو یقینی طور پر ثابت ہو اور اس سے انکار جائز نہ ہو اور یہ اعیان ثابت کو بھی شامل ہے اور صحیح اعمال اور سچے اقوال کو بھی۔

اس وجہ سے قرآن میں اس کے مختلف مصداقات ہیں:

1: اپنی جگہ پر واقع اور موافق کے معنی جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ 2: جو باطل کے مقابل ہو اور شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ بقرہ آیت 42۔ 3: شرعی جرم بقرہ آیت 61۔ 4: کامل بیان۔ بقرہ آیت 71۔ 5: سچائی کے معنی میں۔ بقرہ آیت 119۔ 6: لائق اور مناسب۔ بقرہ آیت 121۔ 7: امر واجب۔ بقرہ آیت 236۔ 8: بندے کا حق۔ بقرہ آیت 9282: یقین نساء آیت 151۔ 10: قرآن مائدہ 84۔ 11: اللہ تعالیٰ کی صفت۔ انعام آیت 62۔ 12: حکمت اور فائدہ۔ انعام آیت 73۔ 13: شرعی مالی حق۔ انعام آیت 141۔ 14: بمعنی جہاد۔ انفال آیت 6۔ 15: گمراہی کے مقابل۔ یونس آیت 32۔ 16: توحید کا صحیح عقیدہ۔ یونس آیت 35۔ 17: اللہ پر تفضلی حق۔ سورۃ یونس آیت 103۔ 18: حاجت۔ سورۃ ھود آیت 79۔ 19: عذاب الہی۔ سورۃ حجرات آیت 8۔ 20: دنیاوی فائدہ۔ سورۃ نور آیت 49۔ 21: صحیح جواب۔ سورۃ فرقان آیت 33۔ 22: حصہ اور نصیب (سورۃ ذاریات آیت 19)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ اس طرح کیوں نہیں فرمایا کہ فَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ اس طرح کلام ہے ان کی مزید قباحت مقصود ہے کیونکہ یہ قول ان کی بے علمی پر دلیل ہے۔ مَاذَا اس کے متعلق دو قول ہیں۔ قول اول: یہ ہے کہ مجموعہ ایک ہی کلمہ ہے جسکا معنی ہے اَیُّ شَیْءٍ کونسی چیز۔ قول ثانی: یہ ہے کہ ما استفہامیہ ہے اَیُّ شَیْءٍ کے معنی میں ہے اور ذَا۔ اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے اور بعد والا جملہ صلہ ہے۔ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا۔ اَرَادَ اللّٰہ تعالیٰ کی صفت ذاتی اور قدیم ہے۔ اہل حق اس کے قائل ہیں۔ یہ صفت علم اور قدرت کے سوا ہے جسکا معنی ہے دو متقدور فعلوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے اور ارادہ مخلوق کے صفت میں آتا ہے اور اس کا معنی دل کا ایک طرف مائل ہو جاتا ہے کبھی وہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی حاصل نہیں ہوتا رہا اللہ کا ارادہ تو اس سے تخلف اور خلاف کام واقع نہ ہونا وہ تو جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ. فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ. یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کبھی تو ہر چیز کے متعلق ذکر ہوتا ہے اور کبھی جزوی طور پر ذکر ہوتا ہے۔ بِهٰذَا۔ یہ ان کی جانب سے حقارت کے طور پر اشارہ ہے۔ مثلاً یہ حال ہے یا هذا کا تمیز ہے۔ مدثر آیت 31۔ میں بھی ایسا ہے اور کافروں کا مقصد اس قول میں مثال کی تحقیر ہے اور اشارہ ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا یہ مثال ذکر کرنے کا دوسری حکمت ہے اور وہ فائدوں اور مختلف اشاروں کا اس مثال پر مرتب ہوتا ہے جو کہ اضلال اور ہدایت ہے اور یہ کافروں کے کلام میں داخل نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ نے خیال کیا ہے بلکہ سورۃ مدثر آیت 31 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مستقل کلام ہے۔ اضلال کی نسبت اللہ کی طرف حقیقتاً ہے اور قرآن کریم میں 30 مرتبہ واقع ہے۔ حقیقی معنوں میں گمراہی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی دل میں اسباب و عمل پیدا کرنا ہے۔ اور شیطان کی طرف گمراہی کی نسبت دعوت دینا اور وسوسے کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ گمراہی کا داعی ہے دیکھیں سورۃ یاسین، آیت 62۔ اور فرعون کی طرف نسبت طٰہٰ آیت 79۔ اور باطل معبود کی طرف نسبت۔ ابراھیم آیت 36۔ اور مجرم لوگوں کی طرف نسبت۔ شعراء آیت 99۔ سامری کی طرف نسبت۔ طٰہٰ آیت 85۔ گمراہ قسم کے لوگوں کی طرف نسبت۔ مائدہ آیت 77۔ گمراہ سردار مولویوں پیروں کی جانب نسبت احزاب آیت 67۔ ہر جھوٹے افتراء کرنے والے کی طرف۔ انعام آیت 144۔ خواہش کی طرف نسبت۔ ص آیت 26۔ منافقین کی جانب نسبت۔ سورۃ نساء آیت 113۔ اہل کتاب باطل پرستوں کی طرف۔ آل عمران آیت 69۔ ان تمام مقامات میں وہ معنی ہے جو شیطان کی نسبت میں ہے۔

بِهٖ۔ ضمیر مثال یا ضرب المثال کی طرف راجع ہے یہ گمراہی کے اسباب میں سے ہے اور مراد اس سے مثال کا تحقیر و تکذیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ قرینہ انکا یہ قول ہے۔ فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ اس سے یہ معلوم ہوا کہ گمراہی معلوم کا پیدا کرنا اللہ کی طرف سے ہے۔ اور انکے اسباب کا کسب کرنا بندوں کی جانب سے ہے۔ قرآن مجید سے گمراہی کے بہت سے اسباب ہیں جسکا تفصیلی ذکر حوالوں سمیت وَالضَّآلِّيْنَ کی تفسیر میں گزر چکی ہے ج 1 ص 45۔ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ ہدایت کی نسبت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی طرف 82 مرتبہ کی گئی ہے۔ اور یہ نسبت بھی حقیقی ہے۔ اس سے مراد ہدایت کو پیدا کرنا اس کی توفیق عطاء کرنا ہے اس کو انابت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ سورۃ رعد آیت 27۔ شوریٰ آیت 13۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی اتباع کی صفت میں بھی آیا ہے۔ مائدہ آیت 16۔ اور کبھی ہدایت کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہوتی ہے۔ سورۃ شوریٰ آیت 52۔ میں ہے کبھی قرآن کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ اسراء آیت 9۔ اس سورت کی آیت 2 میں بھی گزر گیا ہے اور یہ دونوں نسبتیں ہدایت کے اسباب کی طرف ہیں۔ بِهٖ ضمیر مثال یا ضرب المثال کی طرف راجع ہے اور سورۃ مائدہ آیت 16 میں بھی اسی طرح ہے۔ سوال: کثرت اور قلت تو امور متضایفہ میں سے ہے یعنی دونوں جانب میں کثرت نہیں ہوسکتی جبکہ یہاں پر دونوں کیلئے کثیرًا استعمال ہوا ہے اور یہ بھی معروف ہے کہ مومنین کم ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ نساء آیت 13 میں ہے؟

جواب: یہاں کثرت فِيْ نَفْسِهٖ مراد ہے یعنی گمراہ لوگ بہت ہیں مگر مومنین بھی جب اپنی تعداد کو دیکھتے ہیں تو خود کو زیادہ محسوس کرتے ہیں اگرچہ گمراہ لوگوں کی نسبت کم ہوتے ہیں اور یہاں کثرت فِيْ نَفْسِهٖ اس لئے ذکر کیا ہے کہ آیت میں مثال سے کثرت فوائد کا حصول ہے اس لئے دونوں جانب میں کثرت ذکر ہوئی ہے۔

سوال: فَاَمَّا الَّذِيْنَ۔ میں ایمان والوں کو مقدم کیا اور يُضِلُّ میں گمراہ لوگوں کو مقدم کیا ہے؟

جواب: پہلے جملے میں مقصد مثال کی حقانیت کا اثبات تھا تو اس کیلئے ایمان والوں کا علم ذکر ہوا ہے دوسرے جملے میں مقصد تاثیر زیادت تھا خواہ ثبوتی ہو یا سلبی اور تاثیر سلبی کا فردوں میں زیادہ ہے کیونکہ وہ حقیقت میں زیادہ ہیں۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ یہ ایک وہم کا جواب ہے اور وہ وہم یہ ہے کہ زیادہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کس وجہ سے گمراہ کیا؟ جواب: یہ ہے کہ گمراہ کرنے کا سبب لوگوں کا فسق ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ یہ فسق سے لیا گیا ہے لغت میں کسی چیز کے نکل جانے کو کہتے ہیں اور عرف میں اذیت کے ساتھ حد سے نکلنے کو کہا جاتا ہے، اس وجہ سے پانچ حیوانوں کو فواسق کہا گیا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ انکو حل اور حرم دونوں میں قتل کرو، کیونکہ وہ مومن کو اذیت دینے میں پہل کرتے ہیں۔ سانپ، بچھو، چیل، چوہا، کتا یا گدھ شریعت کی اصطلاح میں اللہ اور رسول کی اطاعت سے نکلنے کو کہتے ہیں مکمل یا کچھ اگر مکمل نکل گیا ہے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کافر اور اگر یہ کچھ نکل گیا تو مومن فاسق اس معنی کے اعتبار سے انسانوں پر فاسق کا اطلاق کلام عرب میں معروف نہیں تھا جب قرآن نے اس کا استعمال کیا تو عربوں کے فصحاء و بلغاء نے اس پر کوئی طعن نہیں کیا (قاموس، لسان، راغب، جوہری ان سب نے یہ لکھا ہے)۔

فسق کا اطلاق چار معنوں میں پچاس 50 مرتبہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے:

اول مطلق گناہ کبیرہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ بقرہ آیت 197۔ دوم کفر اور شرک کے معنی میں مذکور ہے مائدہ آیت 3۔ سوم کبیرہ گناہ جو شرک اور کفر سے نیچے ہو۔ حجرات آیت 11۔ سورۃ نور آیت 4۔ چہارم۔ صرف نکلنے کے معنی میں ہے کہف آیت 50 اس آیت میں دوسرا معنی مراد ہے یعنی فسق کفر کے درجے میں ہے۔

فسق کے اسباب قرآن مجید میں دس مذکور ہیں:

1: اللہ اور رسول کے حکم سے اعراض۔ آل عمران آیت 82۔ 2: شریعت مطہرہ پر فیصلے نہ کرنا۔ مائدہ آیت 47۔ 3۔ منافقت کرنا۔ توبہ آیت 67۔ 4: کفر۔ سورۃ نور آیت 55۔ 5: مسلمان کو فحش گالی دینا۔ سورۃ نور آیت 4۔ 6: لکھنے والے اور گواہ کو ضرر دینا۔ بقرۃ آیت 282۔ 7: شریعت تبدیل کرنا۔ بقرۃ آیت 59۔ 8: احکام شرعیہ میں حیلہ سازی کرنا۔ اعراف آیت 165۔ 9: آستانوں پر ذبیحہ کرنا اور تیروں کے ذریعے فال نکالنا۔ مائدہ آیت 3۔ 10: بوقت ذبح قصداً اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ دینا۔ انعام آیت 121۔ مذکورہ اسباب سے بندہ میں فسق داخل ہو جاتا ہے پھر کتاب و سنت کی وعظ و نصیحت اس پر اثر نہیں کرتی ہے الا ماشاء اللہ۔

تفسیر 27: اس آیت میں فاسقین کی تعریف ذکر کی گئی ہے، اور ان کے خسران اور تین بری صفات اور وعید کا ذکر ہے یہ صفات کفار کی ہیں کیونکہ ان کے مقابل صفات مومنین کی ہیں۔ سورۃ رعد آیت 20۔ 21۔ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ۔ نَقْضٌ لغت میں رسی کھولنے کو کہتے ہیں۔ سورۃ نحل آیت 92 میں۔ یہ معنی مستعمل ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے وعدے کو رسی کے مشابہ کیا اگر اس کو کھول دیا جائے تو بیکار ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ دو چیزوں کو باندھنا مشکل ہوتا ہے، تو یہاں عهود الٰہیہ کی مخالفت اور انکار کرنا مراد ہے۔ عَهْدٌ۔ امام خازن نے فرمایا ہے کہ کسی چیز کی حفاظت اور وقفے وقفے سے نگرانی کو عہد کہتے ہیں تو اس وجہ سے اس میں وعدے سے زیادہ معنی موجود ہے اور عہد کی وفاء بالاتفاق فرض ہے۔

عهد کا مادہ تین طریقوں سے قرآن میں 46 مرتبہ مذکور ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1: اللہ تعالیٰ کا امر۔ سورۃ بقرہ آیت 125۔ 2: اللہ تعالیٰ کی نہی یعنی کسی چیز سے منع کرنا۔ سورۃ یاسین آیت 60۔ 3: اس کے علاوہ مقامات میں عام اوامر اور نواہی کو شامل ہے۔

مِنۢ بَعۡدِ مِيثَٰقِهِۦ یہ وَثُوق سے لیا گیا ہے یہ مضبوطی کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ میثاق 25 مرتبہ اور وثوق کا مادہ 38 مرتبہ مذکور ہے۔ مِیثَاق اصل میں جب عہد کو قسم کے ساتھ مضبوط کیا جانے کو کہا جاتا ہے۔ بقرہ آیت 63 میں اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس کو سورۃ یوسف آیت 66۔80۔ میں موثق بھی کہا گیا ہے اور یہ اکثر مصدری معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس مقام میں بھی یہ معنی ہے (ہ) ضمیر اللہ تعالیٰ یا عہد کی طرف راجع ہے اور مَوَاثِيق متعلق ہے بنی اسرائیل کے ساتھ۔ بقرۃ آیت 63، 83، 84، 93۔ سورۃ مائدہ آیت 12، 70۔ اور نصاریٰ کے ساتھ متعلق ہے۔ سورۃ مائدہ آیت 14۔ اور متعلق ہے الذین أوتوا الکتاب کے ساتھ آل عمران آیت 187۔ اور انبیاء کے ساتھ متعلق ہے آل عمران آیت 81۔ سورۃ احزاب آیت 7۔ اور بندوں کے درمیان مواثیق مندرجہ ذیل آیتوں میں ہیں۔ یوسف آیت 66۔ سورۃ نساء آیت 90، 92۔ انفال آیت 72۔ نساء آیت 21 میں ہے۔

فائدہ: عہد کے متعلق مختلف اقوال ہے:

پہلا قول: اللہ تعالیٰ نے جو امر و نہی کیے ہیں۔ یعنی جن احکام کو کرنے اور جن سے منع کیا ہے اپنی کتابوں اور انبیاء کے ذریعے انکو بجالانا۔ دوسرا قول: اللہ تعالیٰ نے توحید کو دلائل کے ذریعے ثابت کیا ہے اور اس پر حجتوں کو قائم کیا ہے اور بندوں کو جو عقل دی ہے یہ عہد ہے اور توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا نقض یعنی وعدہ شکنی ہے۔ تیسرا قول: اس سے مراد وہ عہد ہے جس کا ذکر سورۃ اعراف آیت 172۔ میں ہوا ہے ان تینوں اقوال کے اندر مشرکین، کفار، منافقین، اس میں داخل ہیں۔ چوتھا قول: یہودیوں سے تورات میں عہد لیا گیا تھا کہ آخری نبی کی پیروی کرو گے اور دوسروں کو بھی اسکی دعوت دو گے لیکن انہوں نے خیانت کرتے ہوئے ان کی نشانیوں کو چھپایا اس قول کی بنیاد پر کہ یہ خاص عہد ہے جو صرف یہود سے ہے بہتر قول یہ ہے کہ آیت عام ہے تمام اہل کتاب اور مشرکین، منافقین کو خطاب ہے کیونکہ سب نے عہدوں کو توڑا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن، آخری نبی اور دلائل عقل پر پختہ وعدہ لیا ہے۔ وَيَقۡطَعُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ قطع۔ وصل کے مقابل ہے، کسی چیز کے دو ٹکڑے کرنا ایک چیز کو دوسرے سے جدا کر دینا کسی چیز کو کاٹ دینا، ان معنوں میں اکثر استعمال ہوا ہے اور ہلاکت کے معنی میں بھی مذکور ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 127۔ کبھی زمین طے کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ سورۃ توبہ آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

121 ۔سورۃ رعد آیت 31 ۔کبھی تعلقات ختم کرنے کیلئے آیا ہے ۔سورۃ البقرۃ آیت 166 ۔زخمی ہونے کے معنی میں بھی ہے ۔سورۃ یوسف آیت 31 ۔کبھی نسل کشی کیلئے استعمال ہوا ہے ۔سورۃ عنکبوت آیت 29 ۔کبھی جڑ سے ختم کرنے کے معنی میں آیا ہے ۔سورۃ انفال آیت 7 اور کبھی تقسیم کرنے کے معنی میں آیا ہے ۔سورۃ حج آیت 15 ۔ایک قول کے مطابق فیصلہ کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے ۔سورۃ نمل آیت 32 ۔اَنْ یُّوْصَلَ یہ مصدر کے تاویل میں ہو کر بدل ہے (بِہٖ) ضمیر سے تو اس طرح ہے ۔مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِوَصْلِہٖ ۔علامہ شربینیؒ و قرطبی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کی غلطی ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے رشتہ داروں سے رشتہ توڑنا ایمان والوں سے اعراض کرنا ،رسولوں اور کتابوں کے درمیان اپنی طرف سے ایمان لانے میں فرق کرنا ،مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنا ،ہر وہ کام جس میں خیر ہو اس کو چھوڑنا اور شرک اختیار کرنا ،ان تمام امور سے اللہ اور بندے میں جدائی آتی ہے یعنی رحمت اور تعلق باللہ سے بندہ منقطع ہو جاتا ہے ،شریعت کے بعض احکام کو مرضی سے مان لینا اور بعض کو ترک کرنا ،قرآن کو مان لینا اپنے خیال میں اور حدیث کا انکار کرنا یہ اللہ سے دوری اختیار کرنے کے اسباب ہیں ۔مَآ اَمَرَ اللّٰہُ ۔یہ قید اس لئے لگائی کہ جس تعلق سے منع کیا گیا ہے ،وہ اس میں داخل نہیں ہے یعنی مشرک منافق اور فساق لوگوں سے برات کرنا تو لازم ہے ۔یُّوْصَلَ ۔وصل کا مادہ قرآن مجید میں 12 مرتبہ مذکور ہے کبھی تو کسی چیز تک پہنچنے کے معنی میں آیا ہے ۔سورۃ ھود آیت 70 ۔کبھی عہد کے معنی میں آیا ہے ۔نساء آیت 90 ۔کبھی جمع اور وصل کے رعایت کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے ۔وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۔لفظ فساد کی تشریح گزر گئی ہے ۔امام قرطبی کا قول ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اور خواہشات کی وجہ سے لوگوں پر مظالم ڈھا دینا ۔خازن ۔امام شربینی کا قول ہے کہ فساد سے مراد لوگوں کو رسول پر ایمان لانے سے منع کرنا ۔عام گناہوں کا ارتکاب اور حق کا مذاق اڑانا ،یہ فساد ہے علامہ نسفی نے اس میں راستوں میں چوری ڈکیتی وغیرہ بھی داخل کی ہے ۔معلوم ہوا کہ یہ لفظ عام ہے اور سابقہ جملہ کی مناسبت کی وجہ سے قرآن پر اعتراض کرنا بھی اسمیں داخل ہے ۔فائدہ 1 :ان تین کاموں میں ہر بعد والے میں پہلے کے بنسبت ترقی ہے ،مثلاً رسی کو جب کھول دیا جائے تو بے کار ہے ،البتہ دوبارہ بننے کا امکان ہے ،اور وصل ہونا قطع کرنے کے بعد نہیں ہو سکتا ہے مگر عارضی طور پر اور فساد تو بے مقصد اور برباد ہونا ہے تو یہ گناہوں میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے ۔

فائدہ 2 :ان تینوں صفات میں دو احتمالات ہیں :

پہلا یہ ہے کہ گناہوں میں تین اقسام اور درجات ہیں پہلے گناہ وہ ہیں جنکا عہد سے تعلق ہے ۔دوم گناہ وہ ہے جس میں وصل کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معنی موجود ہوتا ہے اور فاسق اس کو قطع کر لیتا ہے۔ سوم وہ گناہ ہے جس سے عالم کا نظام خراب ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک کی مثال گزر گئی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہر قسم کے گناہ میں تین صفات ہیں، عہد شکنی، صلہ رحمی ختم کرنا، اور فساد کرنا اس وجہ سے ان تین قسموں کا ذکر کیا گیا ہے اس ترتیب سے سورۃ رعد آیت 25 میں بھی موجود ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ یہ تخویف ہے جو گزرے ہوئے تین گناہوں پر مرتب ہے۔ خسران، نقصان کو کہا جاتا ہے، ناپ تول وغیرہ جس میں بھی ہو اس معنی میں۔ سورۃ مطففین آیت 3 میں واقع ہے۔ امام بقاعی نے ''نظم الدرر'' میں فرمایا ہے کہ خاسر وہ ہے جس کے پاس مال موجود ہو مگر بے ترتیبی کی وجہ سے اس میں فائدے کے بجائے وہ نقصان کر لیتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں: کہ خاسر وہ انسان ہے جو ایسا عمل کرے جس پر ثواب نہیں ملتا، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جو فلاح اور کامیابی سے اپنا حصہ گھٹا دیتا ہے تو یہ خاسر ہے۔ ضلال اور ہلاکت کو بھی کہا جاتا ہے اس معنی پر سورۃ مومن آیت 78,85 میں وارد ہے۔

فائدہ 1: اس آیت میں خسران کے تین اسباب مذکور ہیں اور اسکے علاوہ اور بھی اسباب ہیں، چوتھا سبب شیطان کے ساتھ دوستی ہے۔ سورۃ نساء آیت 119۔ پانچواں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تکذیب۔ سورۃ انعام آیت 31۔ چھٹا سبب اولاد کو قتل کرنا ہے سورۃ انعام آیت 141۔ ساتواں مرتد ہونا ہے۔ سورۃ حج آیت 11۔ آل عمران آیت 149۔ آٹھواں کتاب کا انکار کرنا سورۃ البقرۃ آیت 121۔ نواں اللہ پر کفر ہے عنکبوت آیت 52۔ دسواں شیطان کی حمایت میں شریک ہونا ہے سورۃ مجادلہ آیت 19۔ گیارھواں اسلام کے علاوہ دوسرا دین تسلیم کرنا سورۃ آل عمران آیت 85۔ بارھواں مومن کو جانتے ہوئے قصداً قتل کرنا۔ سورۃ مائدہ آیت 30۔ تیرھواں اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت سے ناامیدی ہے۔ سورۃ اعراف آیت 149۔ چودھواں آیتوں کی تکذیب (جھٹلانا) سورۃ یونس آیت 95۔ پندرھواں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا ہے۔ سورۃ اعراف آیت 92۔ سولھواں شرک کا ارتکاب کرنا ہے۔ سورۃ زمر آیت 65۔ سترھواں اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کرنا ہے۔ حم سجدۃ آیت 23۔ ان تمام اسباب کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ میں اشارہ ہے سورۃ عصر آیت 2۔

فائدہ 2: وہ تین صفات جو اس آیت میں مذکور ہیں ان تمام مذکورہ اسباب کو شامل اور جامع ہیں اس لئے اس سورۃ میں انکو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے چونکہ یہ صفات کفار کیلئے ہیں جو کہ گمراہی میں یقیناً انتہاء کو پہنچ گئے ہیں اور الْخَاسِرُونَ سے مراد کامل نقصان والے ہیں اس لئے ان کا حصہ ضمیر فصل اور مبتداء وخبر معرفہ سے کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مومن گناہ گار نقصان والا ہو سکتا ہے مگر کامل نقصان کافروں کیلئے مخصوص ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ''کیسے تم کفر کرتے ہو اللہ پر اور حال یہ ہے کہ تم نہیں تھے اس نے تمہیں حیات دی۔ پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی (اللہ تعالیٰ کی طرف) اٹھائے جاؤ گے''۔[28] ''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں پھر ارادہ کیا آسمان کا تو برابر بنا دیئے سات آسمان (اللہ) ہر چیز کو جانتا ہے''[29] ''اور جب فرمایا تیرے رب نے ملائکہ کو یقیناً میں بنانے والا ہوں زمین میں خلیفہ (فیصلہ کرنے والا) کہا ملائکہ نے کیا تو بنانے والا ہے (زمین میں) وہ جو فساد کریں اس میں اور ناحق خون بہائیں اور ہم (تو) تیری تعریف اور تقدیس بیان کرتے ہیں (تیرے خوف اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں) فرمایا اللہ تعالیٰ نے میں خوب جانتا ہوں اس چیز کو جسے تم نہیں جانتے ہو''[30]

تفسیر 28: ربط اول: گزشتہ آیت میں کافروں کا حال اور صفات ذکر ہوئے تو اب ان کو زجر کیا جا رہا ہے کفر کی وجہ سے اور ان کو ایمان کے دلائل پیش کیئے جاتے ہیں۔ ربط ثانی: یہ ہے کہ پہلے توحید و رسالت کو ثابت کیا اور درمیان میں وعید اور بشارت سوال و جواب کا سلسلہ گزر گیا تو اب اسی مقصد کی طرف واپسی ہے جو کہ توحید باری تعالیٰ ہے، پہلے چار انعامات ذکر ہونگے جو کہ انسان کے ساتھ متعلق ہیں تو اس آیت میں پہلے انعام عام ذکر ہو رہا ہے جو کہ تمام انسانوں کو دیا گیا ہے اور وہ حیات ہے۔ کَیْفَ یہ لفظ حالات معلوم کرنے کیلئے بطور سوال استعمال ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید میں 83 مرتبہ مستعمل ہے۔ کبھی اس میں زجر کا معنی ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اور سورۃ آل عمران آیت 86 میں ہے اور کبھی اقرار کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ غاشیہ آیت 17، 18، 19، 20۔ اور اکثر کیفیت معلوم کرنے کیلئے مصدری معنی میں ہوتا ہے، سورۃ اعراف آیت 129۔ سورۃ یونس آیت 14۔ اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ جب انسان کی طرف سے استعمال ہو تو تعجب کے معنی میں آتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو تو تعجب کے معنی میں آتا ہے یعنی تعجب میں ڈالنا تو یہاں مراد یہ ہے کہ تمہارا کفر بہت عجیب ہے کہ آنے والے انعامات کو تسلیم بھی کرتے ہو پھر بھی انکار کرتے ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ امام قرطبی نے فرمایا ہے معنی یہ ہے کہ تم کیسے اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہو اور اس کے سواء کسی اور کی عبادت کرتے ہو اشارہ ہے کہ خطاب عام ہے کفار اہل کتاب؛ اللہ کے ماننے اور انکار والے سب اس میں داخل ہیں۔

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا میں واو حالیہ ہے ۔اَموات ،میت کی جمع ہے ،خواہ مشدد ہو یا غیر مشدد ہو کیونکہ اس لفظ میں دونوں طریقے جائز ہیں۔

قرآن کریم میں 11 اطلاقات کے ساتھ موت کا ذکر 159 مرتبہ ہوا ہے

1: یہ مقام کہ پہلے سے وجود ہی نہیں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔2 موت کے معنی میں کہ جس کے بعد دوسری زندگی آسکتی ہے۔بقرۃ آیت 243۔3: وہ موت جو خرق عادت واقع ہو جائے بروبارہ دنیاوی زندگی حاصل ہو۔سورۃ بقرۃ آیت 259۔4: موت شہادت سورۃ آل عمران آیت 143۔5۔موت کے اسباب سورۃ ابراہیم آیت 17۔6: جہل کے معنی میں انعام آیت 132۔7۔زمین کی وہ کیفیت جو نباتات اگانے سے قاصر ہو سورۃ فرقان آیت 49۔8: عدم ایمان سورۃ یونس آیت 31۔ 9۔موت تمثیلی سورۃ روم آیت 52۔10: ایک قول کے مطابق کثرت غم ورنج ابراہیم آیت 17۔ 11: موت حقیقی جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی روح کا بدن سے الگ ہونا مراد ہے۔

موت کے متعلق دو قول ہیں: پہلا قول: یہ ہے کہ مطلق عدم حیات کو موت کہتے ہیں خواہ حساسی زندگی کا وصف اس میں آسکتا ہو یا نہیں آسکتا ہو جیسا کہ سورۃ فرقان آیت 59۔سورۃ یاسین آیت 33۔سورۃ ق، آیت 11 اس قول کے مطابق انکے مابین تقابل تضاد ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ موت عدم حیات کو کہتے ہیں اس چیز کیلئے جس میں احساسی حیات پائی جاتی ہے اس قول کے مطابق تقابل عدم و الملکۃ کہلائے گی تو نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے قول کے مطابق موت سے مراد وہ اجسام ہے جس میں حیات نہیں ہوتی ہے جیسا کہ نطفہ گوشت کا ٹکڑا خون کا لوتھڑا، غذا وغیرہ دوسرے قول کے مطابق نطفہ کے حال کا ذکر ہے جو ماؤں کے رحم اور باپ کے پیٹ میں ہے تو پہلے قول کے مطابق اموات کا معنی ہوگا عدم یعنی نہ ہونا جیسا کہ سورۃ الدہر آیت 1۔اور دوسرے قول کے مطابق اموات بے جان چیزیں ہیں۔فَاَحْيَاكُمْ یہاں مراد حیات حقیقی ہے، جو بچہ ماں کے رحم میں تقریباً چار مہینے میں تیار ہوتا ہے یہ زندگی یعنی حیات کچھ عرصہ تو ماں کے پیٹ اور پھر دنیا میں مکمل احساسات کے ساتھ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ: قرآن مجید میں حیات سات اطلاقات پر 188 مرتبہ وارد ہوئی ہے:

1 قوت عاقلہ اور علم۔ سورۃ انعام آیت 123۔ 2 قوت نباتیہ تازگی۔ یاسین آیت 33۔ 3 آخرت کی مستقل زندگی۔ سورۃ فجر آیت 24۔ 4 مزے حاصل کرنا اور بے غم ہونا۔ سورۃ بقرۃ آیت 154 مفردات میں امام راغب کے قول کے مطابق۔ 5 اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقی بلا تاویل وتمثیل وتحریف وبلا تشبیہ۔ سورۃ بقرۃ آیت 256۔ سورۃ آل عمران آیت 2۔ سورۃ فرقان آیت 58۔ 6: حیات حکمیہ۔ قبر (برزخ) کی زندگی بقرۃ آیت 154۔ آل عمران 169۔ 7: حیات حقیقی جو قوت حساسی کے ساتھ بدن اور روح کو جمع ہونے سے حاصل ہوتی ہے وہ اور یہ معنی فَأَحْيَاكُمْ لفظ میں مراد ہے ہے۔ اس طرح سے بہت کی آیتوں میں وارد ہے۔ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ۔ اس سے مراد موت حقیقی ہے جو بدن اور روح جدا ہونے سے واقع ہوتی ہے۔

سوال: اس آیت میں تو نعمتوں کا ذکر ہے تو موت کس طرح نعمت ہو سکتی ہے؟ جواب 1: جب انسان کیلئے بڑا مقصد جنت کی حیات ہے اور اسکی رسائی موت کے بغیر ناممکن ہے اور موت اس کیلئے وسیلہ ہے تو قانون یہ ہے، لِلْوَسَائِلِ حُكْمُ الْمَقَاصِدِ یعنی جو چیز مقصد تک پہنچانے کا سبب بنے وہ بھی مقصد جیسا ہے۔ اس اعتبار سے جنت نعمت ہے تو وسیلہ موت بھی نعمت ہوگی سب کے نزدیک یہ بات بھی مسلم ہے کہ جب بندہ بڑھاپے کو پہنچ جائے جسکو ارذل العمر کہا گیا ہے۔ جس سے نبی ﷺ نے پناہ طلب کی ہے ایسے حال میں لوگ بھی اسکے لئے موت کو نعمت قرار دیتے ہیں خود بھی موت کو ترجیح دیتا ہے بیمار ہو یا بزرگ۔

جواب 2: یہاں پر نعمت پہلی فَأَحْيَاكُمْ مقصود تھی، اور اس کے ساتھ دوسرا مقصد قدرت عظیمہ کا ذکر تھا، اس لئے موت وحیات کی نسبت اللہ تعالیٰ کو ہوئی ہے۔ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ اس میں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد بعث بعد الموت ہے جس کو حیات حقیقی (اخروی) بھی کہتے ہیں ہے اس پر دلیل اول ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جسکو امام قرطبی اور دیگر مفسرین نے نقل کیا ہے دوسری دلیل سورۃ مومنون آیت 15۔ سورۃ زمر آیت 30 میں موت کے بعد قیامت کی حیات مذکور ہے، ابن عطیہ نے فرمایا کہ یہ قول صرف اس آیت میں مراد ہے حافظ ابن کثیر امام آلوسی نے روح المعانی میں اور شاہ عبدالعزیز نے اور علامہ ابن جوزی نے "زاد المسیر" میں اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ دوسرا قول حافظ ابن کثیر نے سدی عن ابی صالح کی سند سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد حیات قبر ہے اور بقرۃ آیت 154۔ آل عمران آیت 159 میں ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ لیکن اس آیت کے ضمن میں یہ مراد لینا بعض وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے پہلی بات تو یہ ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ مفسرین نے اسکو رد کرتے ہوئے أبعد الاقوال قرار دیا ہے۔ دوم یہ ہے کہ سورۃ مومنون، سورۃ زمر، سورۃ مؤمن کی آیتوں کے خلاف ہو جائے گا۔ جبکہ آیتوں کا اختلاف نہیں ہوتا ہے۔ سوم: اگر مراد حیات قبر ہو جائے تو ۔ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ سے موت کے بعد حیات ہوگی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر حیات فی القبر کے بعد ایک اور موت مراد ہوگی یا نہیں؟ اگر دوسری موت مراد لی جائے تو صحیح دلیل اسکے لئے نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے تو تین موت اور تین حیات ثابت ہوگی۔ اور اگر حیات فی القبر کے بعد موت مراد نہ لی جائے تو بعث بعد الموت کے ساتھ ایک زندہ انسان کو دوبارہ زندگی دینا لازم آتا ہے جو کہ تحصیل حاصل ہے اور یہ بھی ہے کہ تین حیاتیں لازم آتی ہیں اور یہ سب سورۃ مومن آیت 11 ۔ کے خلاف ہوگا۔ امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ مختلف احتمالات سے تین، چار اور پانچ موت وحیات ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن یہ سب احتمالات ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں یہ مراد نہیں ہے۔

سوال: جب یہاں پر قبر کی حیات مراد نہیں ہے تو معتزلہ کا قول صحیح قرار پائے گا کیونکہ وہ اس کے منکر ہیں؟

جواب: اس حیات کا ذکر نہ کرنا یہ اس کے عدم ثبوت کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ اس کے ثبوت کیلئے قرآن کے ادلہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ سوال: جب حیات فی القبر ثابت ہے تو اس آیت میں ذکر کیوں نہیں کیا؟ جواب: اس آیت میں موت اور حیات حقیقی کا ذکر ہے جبکہ حیات قبر تو حیات حکمیہ ہے، جب مشرکین حیات حقیقی اخروی سے منکر ہیں تو حیات حکمی کے تو بدرجہ اولیٰ منکر ہوں گے۔ تو یہاں حیات حقیقیہ اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اس کا اثبات عقل کے قریب ہے۔ حیات فی القبر حیات حقیقی اس لئے نہیں ہے کہ حیات حقیقی میں روح کا بدن کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اور روح بدن میں داخل ہوتی ہے جبکہ حیات قبر میں ایسا نہیں ہے۔ سید انور شاہ کشمیری مؤلف "فیض الباری" "مشکلات القرآن" ص 9 میں لکھا ہے: تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح بہ بدن است ودر قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست بلکے بقاء شعور وادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر حیات فرودہ اند۔ ترجمہ: تحقیق یہ ہے کہ حیات کا معنی یہ ہے کہ بدن اور روح کا تعلق ہوتا ہے، اور قبر میں ایسا نہیں ہے، بلکہ بدن سے روح کی جدائی کے بعد جو شعور باقی رہتا ہے اس سے حیات کی تعبیر کی جاتی ہے اور امام ابن قدامہ المقدسی نے "منہاج القاصدین ص 433" میں لکھا ہے کہ آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روح کا بدن سے جدا ہو جانا، حقیقت میں موت کہلاتی ہے، اور روح یا تو نعمتوں میں یا پھر عذاب میں بدن سے تعلق کے بغیر رہتی ہے۔ محمد بن عبد الہادی المتوفی 744ھ نے اپنی کتاب "الصارم المنکی علی رد السبکی" میں لکھا ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلِيُعْلَمَ أَنَّ رَدَّ الرُّوحِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِلْبَدَنِ وَعَوْدَهَا إِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يَقْتَضِي اسْتِمْرَارَهَا فِيهِ وَلَا يَسْتَلْزِمُ حَيَاةً أُخْرَى قَبْلَ يَوْمِ النُّشُورِ نَظِيرَ الْحَيَاةِ الْمَعْهُودَةِ بَلْ هِيَ إِعَادَةٌ بَرْزَخِيَّةٌ لَا تُزِيلُ عَنِ الْمَيِّتِ اسْمَ الْمَوْتِ، وَالْحَيَاةُ جِنْسٌ تَحْتَهَا أَنْوَاعٌ وَكَذَالِكَ الْمَوْتُ. ص185۔

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ مرنے کے بعد روح کا بدن میں واپس لوٹنے مرنے والے کو کوئی نئی زندگی حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ روح مستقل رہنے کیلئے لگائی جاتی ہے۔ یعنی قیامت سے قبل روح کا بدن میں لوٹنا مثل دنیاوی حیات کے نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ یہ تو برزخی زندگی ہے یہ تو ایسی حیات ہے کہ مرنے والے سے میت کے حکم کو مٹا نہیں سکتے اور حیات تو ایک جنس ہے جس کے تحت بہت سی قسمیں ہیں، اسی طرح موت کے تحت اقسام ہیں اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حیات حقیقی قبر میں نہیں ہے سننا دیکھنا اور دیگر حرکات مثل زندوں کے تو اس سے لازم نہیں آتا ہے۔ جو نا سمجھ قسم کے لوگ ہم پر ایک باطل اعتراض کرتے ہیں کہ جب تم قبر والوں کے سننے اور دیکھنے کے قائل نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم حیات کے تو بھی منکر ہو جواب یہ ہے کہ سننے اور دیکھنے کا تعلق حیات حقیقی سے ہے۔ اور وہ تو قبر والوں کیلئے ثابت نہیں ہے اور حیات کے ہم قائل ہیں لیکن برزخی عکسی حیات نہ کہ حقیقی حیات۔ باقی تفصیل سورۃ البقرۃ آیت 154، سورۃ زمر آیت 42 میں ان شاء اللہ

۔ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اس سے مراد حشر اور بعث کے بعد جزا و سزا کیلئے اللہ کی طرف پلٹنا ہے۔

سوال: جب خطاب کفار سے تھا جبکہ وہ بعث بعد الموت کے منکر تھے تو پھر يُحْيِيكُمْ سے کیسے خطاب بطور نعمت کیا؟

جواب: یہ بات گزر گئی ہے کہ اس آیت میں صرف انعامات کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات کا اظہار بھی ہے لہٰذا اول حیات ثانی حیات پر ظاہر دلیل ہے جس کا انکار عقل والوں کی شان نہیں ہے۔

فائدہ: فَأَحْيَاكُمْ میں "فا" اور بعد والی دو جگہوں میں "ثم" مذکور ہے وجہ یہ ہے کہ جب بچہ ماں کے رحم میں تیار ہوتا ہے تو چار مہینے کے بعد اس میں فوری روح ڈال دی جاتی تو اسلئے ف ذکر کیا اور جب پیدا ہوا تو زندگی پھر موت اور موت کے بعد حشر حساب جزا و سزا یہ تو متصل نہیں ہے، اس میں وقت درکار ہوتا ہے، اس لئے اس کیلئے "ثم" ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 29: اس آیت میں عام انعام ذکر ہے، جو انسان کی تخلیق کے بعد اس کی بقاء سے متعلق ہے، چونکہ انسان کی زندگی کی بقاء زمین کی نعمتوں سے وابستہ ہے اس لیے مَا فِي الْأَرْضِ ذکر کیا ہے، اور یہ بَعْثَ بَعْدَ الْمَوْتِ کیلئے دلیل ہے جو کہ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ کے ساتھ ذکر ہوئی ہے اور مستقل انعام ہے اور علت بھی ہے اس لئے اسکو بغیر عطف کے ذکر کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں، حصر پر دلالت کرتے ہیں اور دلیل کا حصر دعویٰ کے حصر پر دلالت کرتا ہے اور وہ عبادت کا حصر ہے صرف اللہ تعالیٰ کیلئے۔ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا چونکہ مخلوق سے فائدہ لینا اصل مقصد ہے تو "لکم" کو مقدم ذکر ہے کیا لغت عرب میں "لام" کئی معانی کیلئے آتا ہے جیسا کہ ملکیت، انتفاع، لام اجلیہ تو لام ملک کیلئے صحیح نہیں ہوتا ہے کیونکہ ملکیت کے ساتھ خلق مناسب نہیں ہے بلکہ اس کیلئے لفظ "جَعَلَ" زیادہ مناسب ہے کیونکہ دنیا کی چیزیں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی سب انسانوں کی ملکیت میں نہیں ہے، لہذا لام انتفاع کیلئے ہے اور لام اجلیہ بھی معنی کے قریب ہے اس لئے امام آلوسی، امام شربینی، امام نسفی وغیرہ نے لِاَجْلِكُمْ وَلِانْتِفَاعِكُمْ الفاظ لکھے ہیں یہ فائدے عام ہیں خواہ دنیوی ہو یا دینی، انفرادی ہو یا اجتماعی یا ذاتی فائدہ ہو یا کسی ذریعے سے حاصل ہو، دینی فائدے توحید باری تعالیٰ، آخرت کے تذکرے جنت اور جہنم کی یاد داشت وغیرہ یہ تمام موجودات، حیوانات، نباتات، جمادات، مائعات، ہوائیں، وغیرہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت، عظمت کے دلائل ہیں دنیا کی نعمتیں لذتیں، انتقامات، سختیاں، پریشانیاں، زہریلی چیزیں: سانپ، بچھو، وغیرہ۔ جنت وجہنم کیلئے بطور یاد داشت ہے، اسی طرح بہت سارے قدرت کے نمونے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مرنے کے بعد قیامت والی زندگی کی دلیل ہے اور اس کے ساتھ وہ سوال بھی ختم ہوا جو کہتے ہیں کہ زہریلی اور گندی چیزوں میں کیا فائدے ہیں تو جواب ہوا کہ بعض میں بالواسطہ دنیاوی فائدے ہیں، جبکہ اخروی فائدے تو سب میں ہیں لہذا عموم کا قول بہتر ہے۔ فِي الْاَرْضِ ان تمام چیزوں کیلئے "فی" آیا ہے جو زمین کے اندر یا اوپر ہے یعنی محل اور حال ظرف اور مظروف سب داخل ہیں۔ جَمِيْعًا یہ لفظ "ما" سے حال بن کر برائے تاکید بن رہا ہے جیسا کہ جاثیہ آیت 13۔ میں ہے گزشتہ عموم سے پتہ چلا کہ تمام چیزیں فائدے کیلئے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں اصل عبارت یوں ہے کہ اِعْتَقِدُوْا جَمِيْعًا مِّنْهُ تو یہ قول تکلف پر مبنی اور بلا دلیل ہے۔

سوال: یہ آیت تو فرقہ اباحیہ، متصوفہ، اشتراکیہ کی دلیل ہے کہ دنیا کی ہر چیز مباح وحلال ہے اور زن، زر، زمین سب مشترک ہیں؟۔ جواب 1: اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر چیز عام فائدے کیلئے ہے جیسا کہ گزر گیا ہے اور یہ فائدے دینی دنیاوی سب کو شامل ہے لیکن معنی عام کے ساتھ انتفاع ہر چیز کی اباحت کو مستلزم نہیں ہے۔ جواب 2: یہاں پر جمع بمقابل جمع ہے یعنی لَكُمْ اور جَمِيْعًا، لہذا عربوں کے عرف کا قاعدہ یہ ہے کہ جمع جب مقابل جمع آجائے تو یہ احاد کا احاد پر انقسام کا تقاضہ کرتا ہے اور ایک شخص کے ساتھ منفعت کی تخصیص شریعت سے معلوم ہوتی ہے اور ایسا نہیں کہ ہر چیز سے انتفاع ہر شخص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیلئے جائز ہو جائے۔ **سوال:** اس آیت سے پتہ چلا کہ اصل چیزوں میں اباحت ہے اس وجہ سے مبتدعین دلیل پکڑتے ہیں کہ جب شریعت نے کسی چیز سے منع نہ کیا ہو تو وہ بدعت نہیں ہو سکتی ہے بلکہ مباح ہے؟ **جواب:** اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے یا حرمت یا توقف ہے لیکن اصل کا معنی یہ ہے جب تک کسی چیز کے متعلق امر یا نہی یا حکمی شرعی ظاہر نہ ہوا ہو تو اصل کیا چیز ہوگی؟ تو مسلم الثبوت میں ہے کہ یہ اختلاف تو اس وقت تھا جب حکم شرعی نہیں آیا تھا اب تو نزول شریعت کے بعد مسئلہ واضح ہے لہذا حلال و حرام متعین ہے اگر مان لیا جائے کہ نزول شریعت کے باوجود بھی اصل یعنی اباحت درست ہے تو جواب امام شاطبی نے اس طرح دیا ہے کہ یہ بات تو امور عادیہ میں سے ہے نہ کہ عبادات میں اور اکثر بدعات تو عبادات میں مبتدعین نے ایجاد کیے ہیں۔ (الاعتصام صفحہ 301) اگر مان لیا جائے کہ عبادت میں بھی یہ قاعدہ جاری ہے تو اسکا جواب درمختار میں ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب تو تمام اشیاء کے بارے میں توقف کا ہے اور اباحت کی رائے معتزلہ کی ہے اور امام نسفی نے "مدارک" میں لکھا ہے کہ یہ قول معتزلہ، امام کرخی، امام رازی کا ہے اور امام قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ اقوال معتزلہ کے ہیں اور ہمارے نزدیک ہر چیز میں حکم شرعی موجود ہے اور جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو حصول علم تک اس میں توقف ہے۔ امام قرطبی نے ابن عربی سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حرمت یا حلت یا توقف کا تقاضہ کرتی ہو البتہ آیت کا مقصد دلیل وتنبیہ ہے اللہ تعالی کی توحید پر اور مبتدعین پر الزامی رد تو یہ ہے کہ ہر بدعت کا حکم شرعی توضیح حدیث میں صریح موجود ہے۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ (صحیح مسلم فی الصلوۃ حدیث 47-867) اور اگر بالفرض بدعت کا اباحت ثابت ہو جائے تو مباح سے مستحب بنانا یا واجب بنانا تو بالاجماع بدعت ہے۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ ثم عطف کیلئے لایا گیا ہے مگر تعقیب کے ساتھ ساتھ تراخی کے اور کبھی استبعاد کیلئے اور کبھی تعقیب ذکری کیلئے اور کبھی تفاوت بین الامرین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر استبعاد کے سوا دیگر معنوں کے احتمال ہیں جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

امام ابن جریر نے اسْتَوَىٰ کے پانچ معنے بیان کیے ہیں:

1: اول معنی جب انسان جوانی کو پہنچ جائے۔ 2: سیدھا ہونا۔ 3: کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا۔ 4: کسی چیز پر غلبہ حاصل کرنا۔ 5: ارتفاع علو یعنی بلند ہونا، پھر انہوں نے کہا ہے کہ یہاں تیسرا یا پانچواں معنی مراد ہے، امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ اسْتَوَىٰ کا معنی قصد کو متضمن ہے، امام بیہقی کا قول ہے کہ اسْتَوَىٰ کا معنی أَقْبَلَ متوجہ ہونا ہے امام بخاری نے ابوالعالیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے روایت کی ہے کہ اسْتَوٰی ارتفع یعنی بلند ہوا کے معنی میں ہے۔ امام ابن جزیر نے یہ قول ربیع بن انس سے نقل کیا ہے۔ اور فراء بغوی نے ”معالم التنزیل“ میں لکھا ہے کہ ابن عباس اور اکثر مفسرین نے کہا ہے یہ ارتفع کے معنی میں ہے اور اسی طرح یہ قول خلیل بن احمد سے ابن عبدالبر نے شرح موطا میں اور امام ذہبی نے ”کتاب العلم“ میں نقل کیا ہے، ان اقوال کی بنا پر یہ صفات الٰہی میں سے جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں آئی گی۔ انشاء اللہ۔ اس میں قوی راجح منہج سلف صالحین کا ہے۔ امام قرطبی نے یہاں امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ اسْتَوٰی مجہول نہیں ہے اور کیفیت معقول نہیں اور اس پر ایمان واجب ہے، اور اس کے بارے میں سوال بدعت ہے، اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ ابن عباس سے جو روایت کلبی کے حوالہ سے آئی ہے کہ اسْتَوٰی بمعنی صَعِدَ ہے۔ تو کلبی ضعیف ہے۔ اِلَى السَّمَآءِ ۔ سوال: جب آسمان موجود ہی نہیں تھا تو وہاں استوی کس طرح کیا؟ جواب 1: یہاں لغوی معنی مراد ہے یعنی اوپر کی سمت اور اس وجہ سے مفرد بھی ذکر کیا ہے۔ جواب 2: یا اس سے مراد آسمانوں کا مادہ ہے جیسا کہ سورۃ حم سجدہ آیت 11 میں مذکور ہے تو اس کو حکماً سماء کہا۔

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ. ھن ضمیر یا تو جنس کے اعتبار سے سماء کی طرف راجع ہے یا پھر سماء، سماءۃ کی جمع ہے اس لئے اسکی طرف جمع کی ضمیر راجع کیا ہے اور، تسویہ، سے مراد یہ ہے کہ سات (7) آسمان کا عدد پورا کرنا ہے، اونچ نیچ اور تفاوت کے بغیر، سبع، لفظ سبع واضح دلیل ہے کہ تعداد میں آسمان سات (7) ہی ہیں جنہوں نے 9 کا قول ذکر کیا ہے وہ غلط ہے۔ اور آسمان کی صفت لائی گئی ہے، طباقاً، اور، شداد، سورۃ ملک آیت 3۔ اسی طرح، طرائق، سورۃ مومنون آیت 17 یہ واضح دلیل ہے آسمانوں کے خاص اجسام ہیں۔ صرف ہواؤں مداروں سے عبارت نہیں ہے جیسا کہ اہل باطل کا قول ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند سورج تارے یہ آسمان ہیں، حالانکہ اللہ نے چاند سورج تاروں کا آسمانوں سے الگ ذکر کیا ہے۔ فائدہ، سوال: اس آیت اور حم سجدہ آیت 12,11,10,9 سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہوئی ہے۔ جبکہ سورۃ نازعات آیت 30۔ سورۃ انعام آیت 1 سے اور دیگر بہت سی آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آسمانوں کی خلقت پہلے ہے؟ جواب: حافظ ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ آسمانوں پر زمین کی تخلیق مقدم ہونے میں مجھے علماء کا اختلاف معلوم نہیں ہے، سوائے امام ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے، امام قرطبی نے تفسیر سورۃ نازعات میں اس میں توقف کیا ہے اور امام بخاری نے جامع الصحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آسمانوں کو اللہ تعالی نے زمین کے بعد بنایا ہے البتہ زمین کے (دَحٰوا) یعنی بچھانا، سنوارنا بعد میں ہوا ہے یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ بعض کا قول

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ بچھانا بھی آسمانوں سے مقدم ہوا ہے اور انہوں نے سورۃ نازعات میں بعد کا معنی مَعَ کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ سورۃ قلم آیت 13 اسی طرح قول امام قرطبی نے تفسیر سورۃ نازعات میں ذکر کیا ہے اکثر مفسرین کے قول کے مطابق پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی پیدائش اور اسکو برابر کیا ہے اور اس کے بعد زمینوں کو بچھایا ہے جیسا کہ ابن عباس کے قول سے ثابت ہوا ہے لیکن اس قول پر سوال یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کی پیدائش ذکر نہیں ہے بلکہ فی الارض کی تخلیق ذکر کیا ہے جو کہ حٰم سجدہ میں تفصیلاً مذکورہ ہے۔ جبکہ زمین بچھانے کے بغیر تو ما فی الارض کی پیدائش نہیں ہو سکتی ہے۔ اس سے تو وہ سوال لوٹ کر آتا ہے کہ زمین آسمانوں سے پہلے بچھائی بھی گئی ہے؟

جواب 1: اول یہ ہے کہ لفظ خلق، جعل، بارک، قدر، جو کہ حٰم سجدہ میں مذکور ہے سب کا معنی قدّر ہے، اور مراد یہ ہے کہ زمین پیدائش کے وقت چیزوں کا اندازہ یعنی تقدیر کیا اور دحو کے بعد تفصیلاً پیدا کیا۔ جواب 2: دوسرا جواب وہی ہے جو کہ گزر گیا ہے کہ بعد، مَعَ کے معنی میں ہے یا پھر بعدیۃ ذکری ہے اور اس قول کی بنا پر ثم یہاں اور حٰم سجدہ میں اپنے اصلی معنی پر ہے جنہوں نے قتادہ کے قول کو تسلیم کرتے ہوئے آسمانوں کو مقدم مانا ہے؛ وہ ان مقامات میں ثم کو تفاوت کیلئے مانتے ہیں تراخی کیلئے نہیں البتہ پہلے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ قول ضعیف ہے اور جمہور کے خلاف ہے مزید تفصیل سورۃ نازعات میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

فائدہ: قرآن مجید میں اللہ تعالی نے گنتی کے تمام معروف عدد ذکر کئے ہیں احاد میں سے: وَاحِدٌ، وَاحِدَةٌ، اِثْنَيْنِ، مَثْنٰى، ثُلٰثَ، ثَلٰثَةٌ، رُبٰعَ، اَرْبَعٌ، خمس، خمسة، ستة، سادس، سبع، ثمانية، تسع، عشر اور عشرات سے احدعشر، اثنا عشر، تسعة عشر، عشرون، ثلاثون، اربعون، سبعون، تسع وتسعون اور مأت سے مائة، مأتان، ثلثة مائة اور ألوف میں سے إلا خمسين الف، الفان، ثلثة الاف، خمسة الاف، خمسون الف، مائة الف، اور کسور سے نصف، ربع، ثمن، ثلث، ثلثان، سدس۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ اللہ تعالی کے علم کے ساتھ ان کے تصرفات ذکر کرنے کے بعد یہ بھی دلیل ہے دعویٰ توحید اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے اثبات کے لئے۔ تنبیہ: قرآن مجید میں قانون ہے کہ توحید کے اثبات اور قیامت کیلئے دو قسم کے دلائل ایک ساتھ ذکر ہوتے ہیں ایک قسم وہ ہے جو اللہ تعالی کے تصرف اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور دوسری قسم وہ جو اللہ تعالی کے علم پر دلالت کرتی ہے اور یہ اصل میں اللہ تعالی کی صفات کا خلاصہ اور استدلال کا مقصد ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ سورۃ طلاق آیت 12 میں مذکور ہیں اور اس قسم کے دلائل سورۃ انعام، یونس، رعد میں ان دو مضامین پر مشتمل ہے اور ان دونوں کے مابین ملازمہ ہے سورۃ الملک آیت 14 کی دلیل سے ثابت ہے، اور علیم صفت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کیلئے 130 مرتبہ جبکہ اعلم 49 مرتبہ، اور علام چار مرتبہ ذکر ہوئی ہے۔

فائدہ: یہ آیت دلیل ہے کہ علیم اور عالم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس معنی کے ساتھ کہ تمام چیزوں پر عالم ہے اور یہ اشیاء کے وجود سے قبل اور اشیاء کے وجود کے بعد ازلی اور قدیم صفت ہے۔ علم بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور معتزلہ کا یہ قول باطل ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بغیر علم کے عالم ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے یہ صفت ذکر کی ہے سورۃ نسا آیت 166، ھود آیت 14، اعراف آیت 7، رعد آیت 8 اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق آیتیں میری کتاب "تنشیط الاذھان" میں ملاحظہ کیجئے۔

تفسیر 30: یہاں سے چار آیتوں میں آدم علیہ السلام کی خلافت کے واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ خلافت کا واقعہ قرآن مجید میں صرف ایک بار ذکر ہوا ہے۔ ربط 1: پہلے انسان پیدا کر لے پھر اس کی حیات کیلئے چیزوں کا ذکر تھا اب ان چیزوں سے فائدے حاصل کرنے کیلئے انسان کی خلافت کا ذکر ہو رہا ہے۔ ربط 2: سورت کے شروع سے عظمت قرآن کا تذکرہ تھا پھر مقصد قرآن کا ذکر ہوا اب اس مقصد کے نفاذ کیلئے خلافت کا مسئلہ ذکر ہو رہا ہے۔ ربط 3: پہلے دو انعامات کا ذکر تھا تو حید کے ثبوت کے طور پر اب تیسرا انعام جو کہ آدم علیہ السلام کی خلافت اور تعلیم الاسماء کا ذکر ہو رہا ہے، جو کہ ان کی ساری اولاد پر احسان ہے۔ ربط 4: پہلے ذکر ہوا کہ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ وہ ہر چیز پر علیم ہے تو اب شرک فی العلم کی نفی کیلئے ملائکہ اور ابلیس اور آدم علیہ السلام کا حال ذکر کرتا ہے کہ ان کیلئے علم بکل شئی نہیں ہے۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ واؤ عطف کیلئے ہے آدم علیہ السلام کے استخلاف کے قصے کو زمین و آسمانوں کے پیدائش کے قصے پر عطف کیا ہے۔ إِذْ کے متعلق علماء لغت کا اتفاق ہے کہ إِذْ اور إِذَا توقیت وظرفیت کیلئے آتے ہیں إِذْ ماضی کیلئے اور إِذَا مستقبل کیلئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوتے ہیں إِذْ مستقبل کے ساتھ، اور إِذْ ماضی کے ساتھ مستقبل کا معنی بھی دیتا ہے قرآن مجید میں اکثر قصوں کی ابتدا میں إِذْ آیا ہے جبکہ إِذْ تو ظرف ہے اور ظرف تو ہمیشہ متعلق چاہتا ہے، ابو عبیدۃ اور امام بغوی نے فرمایا ہے کہ ایسے موقع پر إِذْ کلام میں زیادہ ہوتا ہے لیکن ان کے اس قول پر زجاج، نحاس اور دیگر مفسرین نے رد کیا ہے لہٰذا اس کے متعلق میں اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک اس کا متعلق مقدر ہوتا ہے یعنی: اُذْكُرْ۔ لیکن اس پر اعتراض ہے کہ اُذْكُرْ فعل متعدی ہے جو کہ مفعول بہ چاہتا ہے، جبکہ إِذْ تو ظرف ہے جو کہ مفعول فیہ ہو سکتا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب 1 : اصل عبارت اس طرح ہے۔ اُذْكُرِ الْوَا قِعَةَ اِذْ الخ۔ تو اِذْ ا واقع کے متعلق ہے۔ جواب 2: یہاں ظرفیت کا معنی اِذْ سے نکل چکا ہے اور مفعول بہ کی جگہ پر آیا ہے لہٰذا اُذْكُرْ عامل اس کیلئے کافی ہے جبکہ بعض علماء کا قول ہے کہ اسکا متعلق بعد میں کلام کے اندر ذکر ہوتا ہے اور اس مقام پر قالوا کے ساتھ متعلق ہے یعنی معنی اس طرح ہوگا۔ ملائکوں کے قول کا وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہی تھی لیکن متعلق سے قطع نظر بہتر بات یہ ہے کہ اِذْ تنبیہ کیلئے قصہ کے شروع میں آتا ہے۔ تنبیہ: اُذْكُرْ لفظ مقدر ہونے میں وہی معنی ہے، جو سورۃ مریم آیت 16، 41، 51، 54، 56 کا ہے یعنی اس واقعے کا بیان کرنا سننے والوں کی نصیحت کیلئے ہے اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نبی مکرم کو یہ واقعہ پہلے سے معلوم تھا۔ اب اسکو کہتے ہیں کہ یاد کرو بلکہ یہ تو بریلویوں کا قول ہے، جو نبی کو اس قول کے ذریعے عالم الغیب ثابت کرنا چاہتے ہیں اور یہ قول باطل اور جہالت پر بنا ہے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ کا کلام اور صفت قدیم ازلی ہے کبھی قول سے قرآن میں تعبیر ہوتی ہے کبھی قَالَ سے اور قول میں معنی اور الفاظ دونوں داخل ہیں، جن لوگوں نے کلام نفسی اور لفظی میں اختلاف کیا ہے کہ نفسی کو کلام اللہ اور لفظی کے کلام اللہ ہونے سے انکار کیا ہے وہ صریح لفظی اور معتزلہ کے نقش قدم پر ہیں، یہ نظریہ قرآن وسنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔ فائدہ: قرآن مجید میں اللہ کی طرف نسبت قَالَ کے لفظ کے ساتھ 61 مرتبہ اور قُلْنَا جمع کے ساتھ 24 مرتبہ ہوئی ہے۔ رَبُّكَ اس وصف کو ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ استخلاف خلیفہ بنانے کا مسئلہ ترتیب کے ساتھ متعلق ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ سے کلام مشورے کیلئے نہیں تھا کیونکہ اللہ مشوروں کا محتاج نہیں ہے بلکہ خبر دینے کیلئے تھا اور ملائکہ کا جواب اس مقصد کیلئے ہے کہ خلافت انسانی میں جو حکمتیں ہیں وہ ظاہر ہو جائیں اور ملائکہ کو انسانوں اور ملائکہ کا فرق معلوم ہو جائے، دوسرا یہ کہ آدم علیہ السلام کی عظمت و مرتبہ ظاہر ہو جائے۔ مَلٰٓئِكَة یہ اسم قرآن مجید میں مفرد 13 مرتبہ، تثنیہ دو مرتبہ اور جمع 73 مرتبہ ذکر ہوا ہے اور ملائکہ کے وجود ان صفات کے ساتھ جو قرآن وسنت میں مذکور ہیں ایمان لانا فرض ہے، اس کی تفصیل میں نے "تنشیط الاذہان" میں کی ہے۔ مَلٰٓئِكَة یہ مَلْاَكٌ جمع ہے الوکۃ سے لیا گیا ہے یعنی پیغام لانے والا یا پھر مَلَكَ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں قوت والا اس لفظ کے آخر میں تاء یا تو تانیث کیلئے ہے یا مبالغہ کیلئے ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہاں ملائکہ سے کل آسمانی و زمینی ملائکہ مراد ہیں اور تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ۔ جَعَلَ خَلَقَ کے معنی میں ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ جَعَلَ وہاں ذکر ہوتا ہے جہاں کچھ صفتی معنی موجود ہوں اور خلق تو اکثر صرف انشاء میں ذکر ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی معنی وصفی خلافت کا ذکر ہے۔ فِی الْاَرْضِ کسی حصہ کی تخصیص کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلیل نہیں ہے لہٰذا ساری زمین مراد ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان آسمان میں کوئی تصرف نہیں رکھتا ہے اور زمین میں بھی زندگی اور اسباب سکونت کیلئے ہیں۔ خَلِیْفَةً ۔ اسکا مصدر خلفا اور خلافت آتا ہے اسکا معنی ہے بعد میں آنا یا مؤخر ہونا یا کسی اور کی جگہ پر قائم ہونا اسکا استعمال سورۃ اعراف آیت 142، 150، 169۔ سورۃ مریم آیت 59۔ سورۃ زخرف آیت 60 میں ہوا ہے یہ فعیلة کے وزن پر ہے سمعانی کا قول ہے کہ خلیف اور خلیفۃ ایک جیسا ہے تاء مبالغے کیلئے ہے اور خلیف کی جمع خلفاء ہے۔ اعراف آیت 69، 74۔ سورۃ نمل آیت 62 اور خلیفۃ کی جمع خلائف آتی ہے۔ سورۃ انعام آیت 165۔ سورۃ یونس آیت 14، 73۔ سورۃ فاطر آیت 39۔ اور یہ وزن اکثر مبنی للفاعل آتا ہے۔ اور مبنی المفعول بھی آسکتا ہے (خلیفۃ) جانشین کے معنی میں ہے یہاں خلیفہ سے مراد عبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین کے قول کے مطابق آدم علیہ السلام ہیں اور انکی اولاد، جو بعد میں آنے والی ہیں باپ کی اس صفت میں تابع ہیں لیکن باپ کے ذکر کے بعد اولاد کے تذکرے کی ضرورت نہیں رہی، یہی وجہ ہے کے داؤد علیہ السلام کو سورۃ ص آیت 26، میں خلیفہ کہا گیا ہے، اور ایمان والوں کے ساتھ سورۃ نور آیت 55 میں وعدہ کیا گیا ہے، یہاں خلیفہ کا معنی معروف معنی ہے یعنی اللہ کے طرف سے خلیفہ احکام جاری کرنے کیلئے اور اوامر اور نواہی قائم کرنا، حدود اللہ جاری کرنا یعنی اقامت دین کا مکمل فریضہ سرانجام دینا اور اصل میں یہ تمام نبیوں کی ذمہ داری تھی چونکہ صحیح حدیث کے ساتھ آدم علیہ السلام کا اول نبی ہونا ثابت ہے اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ اپنی اولاد کیلئے رسول بھی تھے یا آدم علیہ السلام کو اسلئے خلیفہ کہا گیا ہے کہ زمین پر ملائکہ یا جنوں کے بعد آئے تھے۔ یہ قول امام ابن جوزی نے ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد قَوْمًا يَخْلُفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَقَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ ہے اور امام نسفی نے کہا ہے کہ مَنْ يَخْلُفُكُمْ أَوْ خَلْقًا يَخْلُفُكُمْ الخ کے معنی میں ہے اتو اس معنی پر لفظ خلیفۃ مفرد جنسی ہے اور اس قول کی تائید اس طرح ذکر کی گئی ہے کہ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ کے بعد اعتراض آدم علیہ السلام پر نہیں ہے بلکہ ان کی اولاد پر ہے اور اس کی تائید یہ ہے کہ تمام انسانوں کو خلفاء اور خلائف کہا گیا ہے۔ اعراف آیت 69، 74۔ نمل آیت 62۔ یونس آیت 15، 73۔ انعام آیت 65۔ اول معنی کے اعتبار سے خلیفۃ بمعنی حاکم شرعی (بادشاہ) ہے دوسری توجیہ کے اعتبار سے جنوں کے بعد آنے والا اور تیسری توجیہ کے اعتبار سے معنی ہوگا: وہ قوم ومخلوق جو ایک دوسرے کی نائب بن کر آتی ہے، لیکن جو لوگ معنی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نائب تو اس سے باطل معنی کا وھم ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نائب کے طرف احتیاج ہے اور حال یہ ہے کہ نائب وہ شخص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھتا ہے جس پر فنا آتی ہے یا کمزوری آتی ہے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ تو ان تمام حالات سے پاک ہے۔
سوال: اگر کوئی اعتراض کرے کہ بعض مفسرین نے خلیفۃ اللہ یا خلیفۃ من اللہ وعن اللہ لکھا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ من اللہ اور عن اللہ کا معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ مقرر کیا گیا ہو اور خلیفۃ اللہ کہنا تو اس کی تفصیل سورۃ ص میں ملاحظہ کریں، حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس مقصد کیلئے پیدا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو زمین میں نافذ کریں اس کی تنفیذ کیلئے زمین کی چیزوں سے استفادہ کریں اور بعد والے الفاظ اس کی دلیل ہیں فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ اور اس وجہ سے امام قرطبی نے مسئلہ خلافت اس مقام پر تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی ان سے یہ معنی نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسانیت زندگی گزارنے کیلئے ایک مکمل نظام کے محتاج ہے لیکن اس نظام کی اہلیت کافر مشرک میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو فسادی اور ظالم ہیں تو یہ معلوم ہوا کہ یہ کام مسلمانوں کا ہے اور نظام کیلئے صرف نازل شدہ وحی کا قانون کافی ہے کسی اور قانون میں جو کہ غیر منزل ہو بے انتہاء خرابیاں ہیں، پھر اس نظام کو زمین میں نافذ کرنے کیلئے تمکین فی الارض شرط ہے۔ سورۃ حج آیت 41 میں اسکا تذکرہ ہے اور تمکین کی بقاء کیلئے اس آیت میں امور ذکر کئے گئے ہیں اور تمکین کے حصول کیلئے جہاد لازم ہے اور تمکین کے حصول کے بعد خلیفہ کا چناؤ ضروری ہے، خلیفہ کے اوصاف اور اس کے چناؤ کا طریقہ امام قرطبی نے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس ترتیب کیلئے نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مکمل نمونہ ہے، مزید تفصیل کیلئے مقام مناسب نہیں ہے۔ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا، سوال: ملائکہ تو معصوم ہیں وہ اللہ پر اعتراض تو نہیں کر سکتے ہیں تو اس قول کی پھر کیا وجہ ہے؟ جواب: یہ سوال حکمت معلوم کرنے کیلئے ہے کہ جب معصوم مخلوق موجود ہے اور اسی کے باوجود ایسی قوم کو خلافت کیلئے منتخب کرتے ہو جن میں فساد موجود ہے، تو ان کو اس ترجیح دینا کا سبب کیا ہے جیسا کہ ایک استاذ ایک مقام میں کلام کے ایک توجیہ کو دوسرے توجیہات پر ترجیح دے تو شاگرد کیلئے حق ہے کہ مرجح کے بارے میں استاد سے سوال کریں تو معلوم ہو کہ یہ اعتراض اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے جیسا کہ حشویہ کہتے ہیں کہ ملائکہ اس اعتراض کیوجہ سے معصوم نہیں ہیں قرآن کریم کی آیاتوں کی وجہ سے جو فرشتوں کی عصمت کے بارے میں صریح حشویہ کا یہ قول مردود ہے۔ جیسا کہ سورۃ انبیاء آیت 27۔ سورۃ نحل آیت 49۔ سورۃ تحریم آیت 6۔ مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ فساد تو عام ہے مگر سب سے بڑا فساد کفر وشرک ہے جو کہ حقوق اللہ میں بڑا گناہ ہے اور حقوق العباد میں بڑا ظلم بے گناہ قتل ہے اس لئے ان دونوں کو بطور مثال ذکر کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ مشرک کافر اور ظالم خلافت کے حق دار نہیں ہو سکتے ہیں۔ یَسْفِكُ. لفظ سَفَكَ خاص طور پر خون کیلئے استعمال ہوتا ہے اور جب کہ صَبَّ، سَفَحَ فیض، عام ہے پانی آنسو کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

سوال: آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد تو ملائکہ نے دیکھی نہیں تھی تو انہوں نے کیوں کر یہ بات کہی کہ وہ فساد کریں گے کیا ان کے پاس علم الغیب تھا؟ جواب: ابوحیان نے "البحر المحیط" اور، تفسیر النهر الماد، میں ہے کہ ملائکہ علم الغیب نہیں جانتے ہیں، اور قول کی مفسرین نے تین توجیہات بیان کی ہیں۔ اول: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو خبر دی تھی جیسا کہ بعض مفسرین نے روایتیں لکھی ہیں۔ دوم: یہ ہے کہ انہوں نے غائب کو حاضر پر قیاس کیا تھا یعنی جنات پر اولاد آدم علیہ السلام کو قیاس کیا کیونکہ جنوں کو زمین پر سکونت دی گئی تھی تو انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان سے اختیارات سلب کیے تو ملائکہ نے دیکھا کہ دنیا کی چیزیں ظلم اور فساد کا سبب ہیں تو یہ چیزیں جب اولاد آدم کو دیے جائیں گے تو وہ بھی فساد کریں گے۔ سوم: یہ ہے کہ خلیفہ کی صفت سے انہوں نے استنباط کیا تھا، کہ خلیفہ کی ضرورت اس وقت ہوگی جب فساد اور ظلمتیں ہوں گی تو دلیل ہوا کہ اولاد آدم میں فساد ظلم ہوگا، اس قول کو امام قرطبی اور رازی نے ترجیح دی ہے، آخری دونوں توجیہات دلالت کرتی ہیں کہ قیاس اور استنباط عقل والوں کا کام ہے اور دلیل نہ ہونے کی صورت میں قیاس اور احتیاط پر عمل ہو سکتا ہے صحیح اور خطاء کا احتمال رہے گا البتہ صحیح اجتہاد و استنباط پر دو اجر ہیں اور خطاء پر ایک اجر ملنے کیلئے صحیح حدیث وارد ہے (صحیح بخاری کتاب الاعتصام رقم الحدیث 7352، صحیح مسلم فی الاقضیہ رقم 1716) اس مسئلہ پر تفصیلی بحث ابن قیم نے اعلام الموقعین میں کی ہے۔ سوال: ملائکہ نے اولاد آدم کی غیر موجودگی میں انکی برائی بیان کی ہے، جو کہ غیبت ہے اور ملائکہ تو معصوم ہے؟ جواب: غیبت اس کو کہا جاتا ہے جسمیں غائب شخص کی تحقیر ہو۔ اور جب غائب کے نقائص حفاظت دین کیلئے ہو تو وہ غیبت میں داخل نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اسماء الرجال میں راویوں کی جانچ پڑتال میں جرح ہوتی ہے اور مقصد دین حنیف کی حفاظت ہوتا ہے اسی طرح ملائکہ کا مقصد بنی آدم کا توہین نہیں تھا خلافت کی حکمت کے ساتھ ساتھ اس کے مانع کے وجود کے بارے میں اور خلافت کا مانع فساد اور ظلم ہے تو اس مانع کا ذکر بھی ضروری ہو گیا۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ امام رازی کے قول کے مطابق واؤ محذوف عبارت محذوف کیلئے علت ہے یعنی یہ سوال أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ اسکو تو ہم ہر عیب سے پاک مانتے ہیں۔ بقول نسفی یہ واؤ برائے حال ہے یعنی ایسے حال میں کہ ہم ظلم و زیادتی سے مبرا ہے پھر کیوں ظلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وفساد کرینگے انکو خلیفہ بناتے ہیں اور یہ سوال صرف مرجح معلوم کرنے کیلئے تھا جیسا کہ گزر گیا ہے۔

سوال: ملائک کا یہ قول اپنے لئے تزکیہ فخر اور تکبر ہے اور یہ تو جائز نہیں ہے؟ جواب 1: چونکہ ملائکہ مذکورہ عیوب سے پاک ہیں جیسا کہ انبیاء لہٰذا وہ اپنی پاکی بیان کر سکتے ہیں۔ جواب 2: انکا یہ قول تزکیہ کے طور پر نہیں ہے بلکہ ترجیح کی علت طلب کرنے کیلئے جانبین کے ذکر کے وقت حقیقت حال واضح کرنا مقصود ہے۔

فائدہ: حمد، تسبیح، وتقدیس میں فرق: اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہے۔ 1: صفات سلبیہ، یعنی ہر عیب (جو الوہیت کے منافی ہو) سے پاک ہونا اسکو تسبیح کہتے ہیں۔ 2: صفات ثبوتیہ، اسکی بھی دو قسمیں ہیں۔ 1: اکرام کی صفات۔ 2: صفات جلالی جو کے ذوالجلال والاکرام میں ذکر ہے، حمد میں اکرام کی صفات داخل ہیں، اور نقدس لک میں جلال کی صفات داخل ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام قرطبی اور امام ابن جوزی نے نُقَدِّسُ کے معنی نُعَظِّمُكَ وَنُكَبِّرُكَ کئے ہیں۔

دوسرا فرق: تسبیح صفات سے متعلق ہے اور تقدیس ذات سے متعلق ہے۔ تیسرا فرق: حمد وتسبیح دونوں عقیدہ اور ذکر کے ساتھ متعلق ہیں اور "نقدس لک" کا معنی یعنی اپنے آپکو تیرے خوف کی وجہ سے پاک رکھتے ہیں، یا تیری رضا کی خاطر پاک رکھتے ہیں، یہ امام ضحاک کا قول ہے اس قول کی بنا پر لام اجلیہ ہے، اور پہلے دو اقوال کی بنا پر لام تعدیت کی تاکید کیلئے ہے لہٰذا اس اعتبار سے تسبیح وتحمید بمقابل فساد ہے کیونکہ توحید شرک کا مقابل ہے اور تقدیس یسفک کے مقابل ہے، اس لئے کہ گناہ سے بچنا مقابل ظلم ہے۔ سوال: ملائک تو گناہوں سے معصوم عصمت بھی ساتھ ہیں تو وہ اپنے لئے پاکی کی نسبت کیوں بیان کرتے ہیں؟ جواب: بعض اوقات انسان کے ہاتھ میں ایک چیز نہیں ہوتی مگر تحدیث بالنعمت کے طور پر اسکی نسبت اپنی طرف کرتا ہے، جیسا کہ یہ نسبت۔ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ سورۃ النمل آیت 40 میں ایک قول کے مطابق یہ معجزہ ہے اور ایک کے مطابق کرامت ہے لیکن یہ دونوں بندوں کے اختیار میں نہیں ہے پھر بھی اپنی طرف اسکی نسبت کی ہے۔ فائدہ 2: قرآن وسنت میں اکثر حمد تسبیح کے ساتھ ذکر ہوتی ہے حرف با کے ساتھ کبھی عطف اور کبھی بغیر عطف کے، اشارہ ہے کہ تسبیح کے ساتھ حمد پڑھنی چاہیے یا ملابست کیلئے ہے اسکی ایک وجہ یہ ہے قرآن مجید میں تسبیح کا امر حمد کے ساتھ 7 مقامات پر آیا ہے۔ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ.

ملائک کی تسبیح حمد کے ساتھ قرآن مجید میں پانچ مرتبہ ذکر ہوئی ہے: سورۃ رعد آیت 13۔ سورۃ الانبیاء آیت 20۔ سورۃ زمر آیت 75۔ سورۃ مومن آیت 7۔ سورۃ شوریٰ آیت 5 حمد کے ساتھ ہر چیز کی تسبیح ایک مرتبہ مذکور ہے۔ سورۃ اسراء آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

44۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ تسبیح سے توحید کامل نہیں ہوتی ہے جب تک حمد بھی شامل نہ کی جائے یعنی صفات سلبیہ اور ثبوتیہ دونوں ایک ساتھ ماننا توحید ہے۔قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ یہ حکمت کے بارے میں انکے سوال کرنے کا جواب ہے اور یہ اجمالی جواب مَا لَا تَعْلَمُونَ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں جو تمہارے علم سے خارج ہیں اور یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے خواہ کسی کو معلوم ہو یا معلوم نہ ہو مگر عبدیت کی وجہ یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں ایمان اور عمل کیلئے حکمت معلوم کرنا ضروری نہیں ہے اسی وجہ سے کہ قرآن وسنت نے احکام شرعیہ کیلئے حکمتوں کے بیان کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے اگرچہ حکمتوں کا علم فوائد سے خالی نہیں ہے۔لفظ اعلم میں دو احتمال ہیں:1: یہ فعل متکلم کا صیغہ ہے۔2: یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور مَا لَا تَعْلَمُونَ کی طرف مضاف ہے مگر معنی تفضیلی مراد نہیں ہے اور مَا لَا تَعْلَمُونَ کی تفسیر آیت 33 میں مذکور ہے۔اور وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا میں اس کا ذکر حکمت کی طرف اشارہ ہے اور یہ دلیل ہے کہ ملائک کو علم کلی علم الغیب علم محیط نہیں ہے۔اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مَا لَا تَعْلَمُونَ سے مراد ما کان وما یکون وما ھو کائن ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾ "آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے (اور انکے فائدے بھی) پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا اور فرمایا خبر دو مجھے ان کے ناموں (اور فائدوں) کی اگر تم سچے ہو۔"[31] "کہا ملائکہ نے کہ تیرے لئے پاکی ہے (تم میں شرک سے) ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے، جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم وحکمت والا تو تو ہی ہے۔"[32] "اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو، جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو"[33]۔

تفسیر 31: اس آیت میں آدم علیہ السلام کی فضیلت ہو رہا ہے اور زمین کی خلافت کا سبب ذکر ہو رہا ہے اور اسکی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ معطوف ہے مقدر عبارت پر جو کہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر آدم علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ موجود ہے۔ وَعَلَّمَ تعلیم کی نسبت اللہ کی طرف قرآن مجید میں دو طریقوں پر ہے۔

پہلا طریقہ: انبیاء علیہم السلام کو بطریقہ وحی تعلیم دینا۔ دوم طریقہ: عام انسانوں کو تعلیم دینا جو کہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی کے ذریعہ اور مبلغین کے ذریعہ سے تو یہاں مراد بطریقہ وحی ہے یا علم کی استعداد اس میں پیدا کرنا ہے۔

سوال: تعلیم تو بطریقہ افادہ اور استفادہ ہوتی ہے اور وہ پہلے ایک لغت کے جاننے کا تقاضہ کرتا تو وہ علم جو آدم علیہ السلام کو سکھایا جارہا تھا وہ پہلے ایک لغت کو چاہتا ہے تو اس سے تو تسلسل لازم آتا ہے؟ جواب: اللہ تعالیٰ انبیاء کو جو تعلیم دیتے ہیں وہ مخلوق کی تعلیم سے مشابہ نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات تشبیہ سے پاک ہے تو نبیوں کو جو تعلیم دی ہے وہ یا تو وحی کے ذریعے سے یا پھر استعدادی قوت پیدا کرنے سے دی ہے تو یہ کسی بھی لغت کا علم پہلے سے نہیں چاہتا۔

آدم: تفسیر قاسمی والے نے لکھا ہے کہ آدم عبرانی لفظ ہے ادمہ عبرانی زبان میں مٹی کو کہا جاتا ہے اور اس لغت کا موافقت عربی کے ساتھ اس لفظ میں آیا ہے اور عربی میں أَدَمَةُ الْأَرْضِ وَأَدِيْمُهَا سے لیا گیا ہے زمین کی سطح کو کہا جاتا ہے یا پھر أُدْمَةٌ سے لیا گیا ہے جو سُمْرَةٌ یعنی (گندمی رنگ والے کو کہا جاتا ہے تو) آدم علیہ السلام کا نام رکھنا اس قول کے ساتھ یہ ہے کہ ترمذی میں روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کو زمین کی سطح کی ایک مٹی سے بنایا گیا ہے تو اسکی اولاد سخت طبیعت نرم طبیعت سفید (گورے) کالے درمیانے وغیرہ یعنی زمین کی رنگت اور فوائد انسانوں میں فائدوں والے بے فائدے والے مختلف طریقوں کے پائے جاتے ہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن صحیح کہا ہے اور امام حاکم نے بھی اسی طرح روایت ذکر کی ہے اور اس نے اسکی تصحیح کی ہے (ابوداؤد فی السنۃ حدیث 4693، سلسلۃ الصحیحہ 1630) آدم نام رکھنے کی وجہ دوسرے احتمال کے ساتھ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام تو گندمی رنگ والے یعنی سفید گورے تھے تو اس آیت میں اس نام کا ذکر ہوا ہے کہ یہ خلافت کے حقدار ہیں، جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو تعلیم دینا واضح دلیل ہے کہ وہ نبی مُكَلَّمٌ تھے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے (سلسلۃ الصحیحہ 2668)

فائدہ: قرآن کریم میں 27 نبیوں کے نام مذکور ہے:

(1) آدم (2) موسیٰ (3) ابراہیم (4) اسماعیل (5) اسحاق (6) یعقوب

(7) عیسیٰ (8) ہارون (9) داؤد (10) نوح (11) عمران (12) زکریا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(13) یحیٰی (14) ایوب (15) یونس (16) سلیمان (17) یوسف (18) الیاس
(19) الیسع (20) ھود (21) شعیب (22) صالح (23) لوط (24) ادریس
(25) ذوالکفل (26) عزیر (27) محمد، احمد ﷺ وسلامہ۔ لقمان اور ذوالقرنین کے نبی ہونے اور نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے البتہ اولیا تو یقیناً ہیں۔

الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اسماء اسم کی جمع ہے، عربی میں اسم کے مختلف اطلاقات ہیں۔ اسم بمقابل فعل اور حرف، اس معنی میں صفات کو شامل ہے۔ دوم: اسم صفت کے مقابل۔ سوم: اسم مسمّٰی کے معنی جیسا کہ زیدٌ قائم۔ چہارم: حروف سے مرکب جیسا کہ اسد ثلاثۂ حروف۔ پانچواں: اسم مسمّٰی کی تعبیر۔ چھٹا: بمعنی علم۔ ساتواں: اسم بمعنی وصف۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ یہاں اسماء سے مراد اسماء اجناس اور انواع ہیں (شخصی نام مراد نہیں ہے) اور اس کے فوائد کے ساتھ جیسا کہ انسان زمین، آسمان، چوپائے، سمندر، پہاڑ، گھوڑا، گدھا، اونٹ وغیرہ اور اسی طرح تمام لغات اور ملائکہ اور آلات جیسا کہ تھال اور چمچ وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک کے فائدے اور استعمال کا طریقہ بھی سکھایا گیا تھا، امام رازی نے بھی کہا ہے کہ اسماء سے مراد چیزوں کی صفات اور انکے خواص اور انکے فائدے ہیں کیونکہ صرف نام یاد کرنا مختلف لغات میں کوئی کمال نہیں جب تک ان چیزوں کے منافع سے خبر نہ ہو۔ كُلَّهَا اس سے مراد استغراق عرفی ہے جیسا کہ تَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ تورات کے صفت میں آیا ہے: سورۃ انعام آیت 154۔ سورۃ اعراف آیت 45۔ كُلِّ جَبَلٍ سورۃ بقرہ آیت 260۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ آل عمران آیت 93۔ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ۔ سورۃ اعراف آیت 86۔ سورۃ توبہ آیت 5۔ سورۃ یونس آیت 22۔ اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن میں استغراق حقیقی مراد نہیں ہے اور جو روایتیں مفسرین نے ذکر کی ہیں تو وہ بھی تمام جزئیات کے علم پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اجناس و انواع مراد ہیں جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، امام آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک ان چیزوں کا علم مراد ہے جو خلافت کے منصب کیلئے تقاضہ کرتی ہیں تو اس آیت سے بریلویوں کا استدلال کرنا آدم علیہ السلام کے علم کلی کیلئے باطل ہے۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ۔ هُمْ ضمیر مسمیات کی طرف راجع ہے جو کہ ،،الاسماء،، سے التزاماً معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسم مسمّٰی کے بغیر نہیں ہوتا اور اسی طرح اسماء کا عین علم ہے تو وہ مراد نہیں ہے۔

سوال: عَرَضَهُمْ کی جگہ عَرَضَهَا کیوں نہیں فرمایا؟ جواب: اگر ،،ھا،، کی ضمیر استعمال کرتے تو مراد صرف اسماء ہوتے جبکہ ایسا نہیں ہے اور جب مراد مسمیات ہے یعنی اشیاء تو اشیاء میں ذوالعقول اور غیر ذوالعقول دونوں ہیں لہٰذا شرافت کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے ذوالعقول کی رعایت کی گئی ہے۔ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ عرض کرنے کا طریقہ تھا کہ ایک چیز کو سامنے لایا گیا اور سوال ہوا ان سے کہ اسکا نام اور فائدہ بیان کرو۔ فَقَالَ. فا عرض کی تفصیل کرنے کیلئے ہے یا تعقیب کیلئے ہے اول عرض کے بنیاد پر بعینہ أَنۢبِـُٔونِي ہے دوم عرض کے بناء پر صرف چیزوں کو سامنے لاتا ہے۔ أَنۢبِـُٔونِي صیغہ امر اگرچہ حقیقتاً ایجاب کیلئے آتا ہے البتہ دیگر معنوں کیلئے بھی آتا ہے اصول فقہ میں اس کی تفصیل ہے اور وہ دیگر معانی کلام کے اسلوب اور قرینے سے معلوم ہوتے ہیں تو یہاں امر انکے عجز کے اظہار کیلئے ہے تا کہ اشارہ ہو جائے کہ تسبیح حمد اور تقدیس کے عبادات ہر چیز کے علم کو مستلزم نہیں ہے۔ فرق انباء اور تعلیم کے درمیان یہ ہے کہ تعلیم میں متعلم کو فائدہ دینا مقصود ہوتا ہے اور انباء عام ہے اکثر استعمال ایسی جگہوں پر ہوتا ہے جہاں متعلم کا افادہ مقصود نہ ہو جیسا کہ اس مقام پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حصول افادے کیلئے سوال نہیں کیا ہے ورنہ عَلِّمُونِي فرما دیتے اور ملائکہ میں کہاں یہ قوت ہے۔ بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اسماء سے مراد چیزوں کے نام اور انکے فوائد ہیں۔ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ اسکی جزا أَنۢبِـُٔونِي ہے جو کہ مقدر یعنی مخفی ہے۔ سوال: یہ ہے کہ اس میں ملائکہ کی صدق کی تعلیق أَنۢبِـُٔونِي کے ساتھ کیا ہے اور انباء تو ملائکہ کے قدرت اور علم سے باہر ہے۔ تو مشروط (یعنی جزاء) کے انتفاء کے ساتھ شرط کی انتفاء لازم آتی ہے تو یہ دلیل ہوا ملائکہ کے کذب پر اور حال یہ ہے کہ ملائکہ تو معصوم ہیں!؟۔ جواب: صدق جس طرح کذب کے مقابل آتا ہے اسی طرح خطاء کے مقابل بھی آتا ہے اور اس وقت صدق اصابت کے معنی میں ہوتا ہے اس لئے ابوحیان اور ابن جریر نے۔ إِن كُنتُمْ مُصِيبِينَ نقل کیا ہے اور دوسری تاویل صدق کا علم کے ساتھ کیا ہے یعنی صادقین کے معنی عالمین بالاسماء ہے۔

سوال: صدق، خطاء اور کذب تو متعلق ہے ایک کلام کے ساتھ کہ وہ خارج میں موجود ہو جبکہ ملائکہ کے اس مقام پر دو کلام ہیں۔ 1: أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ 2: وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور یہ دونوں سچے ہیں؟ جواب: علامہ آلوسی کا قول ہے کہ صدق جس طرح کلام کے منطوق کے ساتھ منسلک ہوتا ہے تو کبھی اس منطوق کے لازم کے ساتھ بھی منسلک ہوتا ہے۔ یعنی ملائکہ کے کلام سے التزاماً معلوم ہو رہا تھا کہ ہم خلافت کے حقدار ہیں تو صدق کی نسبت اس لازمی خبر کی طرف ہے۔ فائدہ: یہ علم کی فضیلت پر دلیل ہے اور اس بات پر کہ خلیفہ کیلئے علم شرط ہے اسی وجہ سے علامہ قرطبی نے (خلافت کے) شرط 2 اور 3 میں لکھا ہے کہ خلیفہ بننے کیلئے یہ اتفاقی شرط ہے کہ خلیفہ کیلئے اہلیت قضاء اور اہلیت قضاء یہ ہے کہ مجتہد ہو اور اسی طرح تدبیر فوج اور امور جنگ میں مظلوم کیلئے ظالم سے انتقام لینے میں اور اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح امور سیاسی کی انتظامی میں خوب ماہر ہو اور اس میں اشارہ ہوا کہ علم عبادت سے افضل ہے۔

تفسیر 32: اس آیت میں اپنے اقرار کے ساتھ سُبْحٰنَكَ۔ اس کلمے کو ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ ہم نے اعتراض اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا ہے اور نہ ہی اپنی بڑائی کی اور نہ اولادِ آدم کی تحقیر مقصود ہے، اور یہ کلمہ کلام کے شروع میں قصور کے اعتراف کیلئے ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے سورۃ اعراف آیت 143۔ اور یونس علیہ السلام نے سورۃ انبیاء آیت 87 میں توبہ کی شروع میں یہ کلمہ ذکر کیا ہے یہاں پر ابن جریر، قرطبی اس کی مراد یوں ذکر کی ہے۔ تَنْزِيْهًا لِلّٰهِ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ أَحَدٌ يَعْلَمُ الْغَيْبَ غَيْرُهُ یعنی اللہ تعالیٰ شرک فی العلم سے پاک ہے اس کے سوا کوئی اور عالم الغیب نہیں ہے اگر ہوتے تو ہمیں ہر چیز کا علم ہوتا گو کہ یہ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کیلئے ایک دعویٰ ہے، اور یہ الفاظ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ہے، امام قرطبی نے یہاں پر تفصیل سے لکھا ہے کہ ملائکہ، انبیاء، فضلاء کا ادب یہ ہے کہ جس مسئلہ کو نہیں جانتے ہیں تو لَا أَعْلَمُ وَلَا أَدْرِيْ کہہ دیں، اور جو اس کلمے کے استعمال کو ناگوار سمجھتے ہیں تو ریاست چاہتے اور انصاف سے دور ہوتے ہیں۔ اس مضمون پر انہوں نے روایات کافی ذکر کی ہیں تفسیر قرطبی میں اس کا مطالعہ کیجئے۔ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا یہ اِلَّا بِمَا شَآءَ کی طرح ہے جو اس سورۃ بقرہ آیت 255 میں ہے۔ اِلَّا بِمَا شَآءَ اور یہ ان لوگوں پر صریح رد ہے جو ملائکہ کیلئے علم کلی اور علم الغیب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ سوال: اگر کہا جائے کہ نفی میں علم ذاتی مراد ہے اور اثبات (استثناء) میں علم عطائی مراد ہے تو اس سے علم غیب کی نفی ملائکہ سے ثابت نہیں ہوتی؟ جواب ا: یہ ہے کہ یہ قیودات لگانا کلام الٰہی میں تحریف ہے اور جمہور علماء کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ علماء سلف سے یہ تقسیم (ذاتی اور عطائی) منقول نہیں ہے۔

جواب ۲: اگر استثناء میں مراد بھی علم بکل شیء ہو جائے تو کل کے استثناء کل سے ہوگی اور یہ تمام اہل عرب کے نزدیک باطل ہے۔ عَلَّمْتَنَا اس لفظ کی دلیل ہے کہ ملائکہ کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے ساتھ ہے اور بلا واسطہ ہے اللہ اور ملائکہ میں واسطہ نہیں ہے اور جاہلوں کی اس بات کی بھی تردید ہے کہ شیطان ملائکہ کا استاد تھا اسکی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ تمام آیتوں کے اختتام کے الفاظ آیت کے ساتھ ضرور مناسبت رکھتے ہیں اور یہاں پر بھی العلیم کی مناسبت لاعلم لنا کے ساتھ ہے یعنی کہ آپ ہر چیز پر عالم ہے اور اس طرح علم ہمیں نہیں ہے اور الحکیم الا ما علمتنا کے ساتھ مناسب ہے یعنی آپ نے جو ہم کو بعض علم دیا ہے تو یہ تیری حکمت کا تقاضہ ہے حَكِيْمٌ حکمت سے لیا گیا ہے اور حکمت کا معنی یہ ہے کہ اس کا ہر فعل حکمتوں اور فائدوں سے بھرا ہو یا حکم سے لیا گیا ہے یعنی کامل اور مناسب فیصلہ کرنے والا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام رازی کا قول ہے کہ حکیم کا معنی یہ ہے کہ اس کے کام پر کسی کا اعتراض بھی نہیں ہو سکتا اگر آدم علیہ السلام کو ناموں کا علم دیا ہے اور ملائکہ کو نہیں دیا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

تفسیر 33: ان ناموں کے متعلق آدم علیہ السلام کی علمیت کا تذکرہ اور ملائکہ کا ان کے متعلق بے خبری ذکر کرنے کے بعد اب آپ علیہ السلام کا ملائکہ کو ان اشیاء کے بارے میں خبر ذکر ہو رہی ہے، تاکہ انکو آدم علیہ السلام کی فضیلت معلوم ہو سکے، اور ان کی خلافت کی حکمت معلوم ہو جائے۔ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ یہاں پر انباء کا ذکر اس لئے ہوا کہ ملائکہ میں ان چیزوں سے فائدے حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہے لہذا صرف آدم علیہ السلام کا علمیت کا اظہار ہو جائے۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ قولی اور عملی انباء دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور عملی یہ ہے کہ ان کے سامنے بعض چیزوں سے فائدے حاصل کئے۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ یہاں لفظ اَلَمْ تنبیہ کیلئے ہے جس طرح اَلَمْ تَرَ اور استفہام انکاری نفی پر داخل ہوا ہے، برائے تقریر یعنی میں نے تجھے کہا تھا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفصیل ہے، جب دونوں جملوں کو جمع کر دیا جائے تو نتیجہ اس طرح آتا ہے لَا تَعْلَمُوْنَ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...الخ یہ ملائکہ سے نفی علم غیب پر صریح دلیل ہے، امام قرطبی نے یہاں پر صراحت کی ہے کہ غیب کا علم کسی کو حاصل نہیں ہے، سوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے انبیاء کو خبر دی ہے، لہذا نجومیوں کاہنوں وغیرہ کا دعوی علم الغیب بالکل جھوٹ ہے، غیب، مصدر ہے، مَا غَابَ فِی السَّمٰوٰتِ...الخ کے معنی میں۔ سوال: اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے تو اس کو غیب کیوں کہا؟

جواب: مراد یہ ہے کہ مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ وہ جو مخلوق سے غائب ہے۔

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ مَا تُبْدُوْنَ سے مراد یہ قول ہے اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ...الخ ابن عطیہ کا قول ہے کہ مَا تَكْتُمُوْنَ جمع بمعنی مفرد ہے، یعنی جب ابلیس ملائکہ میں آباد تھا اور وہ اپنے دل میں تکبر حسد اور معصیت چھپا کے رکھتا تھا لیکن بہتر یہ ہے کہ عمومیت مراد ہے ہر قسم کے ظاہر و باطن کو اللہ ہی جانتا ہے، امام شربینی نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ علم عبادت سے افضل ہے، معلم متعلم سے افضل ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اور اسطرح معلوم ہوا کہ ملائکہ کے علم میں اضافہ ہو سکتا ہے، فلاسفہ اختلاف کرتے ہیں کہ وہ ثابت ہے وہ انہیں عقول کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکے علم میں زیادتی نہیں آتی اور اسطرح یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ چیزوں پر انکے وجود سے پہلے بھی علم رکھتا ہے اور اسطرح اللہ تعالیٰ کی طرف تعلیم کی نسبت بھی درست ہے لیکن معلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ منقول نہیں ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ لغات اور زبانیں سب توقیفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سکھائی ہیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَٱسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝ وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ ٱلْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ فَأَزَلَّهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا ٱهْبِطُوا۟ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَٰعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ "اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو تو سجدہ کیا سب نے سوائے شیطان کے اس نے انکار اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں سے۔"[34] "اور جب ہم نے کہا اے آدم رہو تم اور تمھاری بیوی جنت میں اور کھاؤ دونوں اس میں سے فراوانی کے ساتھ جہاں سے چاہو اور قریب مت جانا اس درخت سے ورنہ ہو جاؤ گے گناہ گاروں میں سے۔"[35] "پھسلا دیا ان دونوں کو شیطان نے بوجہ اس درخت کے پس نکالا ان دونوں کو جس میں وہ دونوں تھے اور کہا ہم نے اتر جاؤ تمہارے بعض بعضوں کیلئے دشمن ہوں گے تمہارے لیے رہنے کی جگہ اور فائدہ ہوگا ایک وقت مقرر تک۔"[36]

تفسیر 34: ربط 1: یہ چوتھے عام انعام کا ذکر ہے اولاد آدم علیہ السلام پر کیونکہ والدین کا اکرام اکرام اولاد ہے یعنی آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ کروانا۔ ان کو جنت میں داخل کرنا ان کی خطاء معاف کر دینا، اور توبہ کیلئے کلمات سکھانا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کی ہدایت کا انتظام جاری کرنا خاتم النبیین تک تسلسل وحی کے ساتھ تو یہ انعامات دعویٰ توحید کیلئے دلائل ہیں جو کہ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ ہے۔ ربط 2: یہ ہے کہ پہلے ملائکہ سے علم غیب کی نفی ہوئی تو اب آدم علیہ السلام اور ابلیس سے علم غیب کی نفی ہو رہی ہیں اور یہ دونوں قسم کے لوگ عقل و علم میں ملائکہ کی طرح ہیں تو یہ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ کے ساتھ متعلق ہے۔ ربط 3: علم کی وجہ سے سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت اور اہلیت کا ذکر ہوا۔ اور فرشتوں پر آپ کی اہلیت ظاہر کی گئی تو اب خلیفہ کا حق ذکر ہو رہا ہے جو کہ ان کا اکرام اور انقیاد ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ سوال: پہلے واقعہ میں قَالَ رَبُّكَ اور یہاں قُلْنَا فرمایا؟ **جواب:** وہاں اِسْتِخْلَاف اور تعلیم کا ذکر ہوا تھا اور یہی لوگوں کیلئے اللہ کی طرف سے تربیت کے امور ہیں اور یہاں تعظیم اکرام اور امر کرنے کا ذکر ہے اور

www.KitaboSunnat.com

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کے امر کی عظمت ہے اسی وجہ سے جمع متکلم صیغے کے ساتھ ذکر ہوا۔ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اس سے مراد سب ملائکہ ہیں جو ظاہر کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے اور سورۃ حجر آیت 30 میں بھی ہے، یہ قول کتاب وسنت کے عام علماء کا ہے، امام قاسمی رحمہ اللہ نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جنہوں نے اس سے اختلاف کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے مراد زمین کے خاص ملائکہ ہیں تو وہ کذب اور بہتان کے ساتھ قرآن کو رد کرتے ہیں یعنی اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ فائدہ: علماء کا اختلاف ہے اس مسئلہ میں کہ آدم علیہ السلام کو خلافت پہلے دیا گیا ہے انہیں مسجود ملائکہ پہلے بنایا گیا حافظ ابن کثیر وغیرہ نے ترجیح دی ہے اس قول کو کہ سجدہ مقدم ہے استخلاف اور تعلیم الاسماء پر اور دلیل انہوں نے سورۃ حجر آیت 29 سے کی ہے، کیوں کہ وہاں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کہا گیا تھا انہیں سجدہ کرو گے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں واو ترتیب کیلئے نہیں ہے، دوسرا قول بعض علماء کا ہے کہ واقعہ استخلاف اور تعلیم الاسماء ملائکہ کے سجدے سے پہلے ہے اور یہ ظاہر قرآن کے موافق ہے اور سورۃ حجر میں سجود کا امر تعلیقا ہے تو حاصل یہ ہے کہ اول اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو خبر دی ہے کہ میں خلیفہ مٹی سے بناؤنگا اور وہ بشر ہوگا اور جب اسکو پیدا کروں تو اس کو سجدہ کرو پھر جب اسکو پیدا کیا اور تعلیم الاسماء سے نوازا تو پھر ملائکہ کو امر تنجیزی کیا کہ اب اس کو سجدہ کرو اور اس کی وجہ ربط 3 میں گزر گئی ہے۔

فائدہ 2: آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا واقعہ 7 سورتوں میں مذکور ہے (سورۃ بقرہ، سورۃ اعراف، سورۃ حجر، سورۃ اسراء، سورۃ کھف، سورۃ طٰہٰ، سورۃ صٓ) ہر سورت میں مختلف انداز کے ساتھ بیان ہوا ہے، اور ہر سورت میں یہ واقعہ الگ الگ مقصد کیلئے ذکر ہوا ہے، اس سورت میں مقصد انعامات کا ذکر ہے کہ اس کا ذکر پہلے ربط میں گزر گیا ہے اور ہر سورت میں الگ الگ مقصد تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے اور جب یہاں پر انعام کی عظمت مقصود ہے اس وجہ سے چار مرتبہ لفظ قُلْنَا ذکر کیا گیا۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ لغت میں سجدے کا معنی انحناء یعنی جھکنا، خضوع، عاجزی کرنا، اطاعت، انقیاد کرنا اور یہ معانی اہل لغت ابن منظور وغیرہ مفسرین میں امام قرطبی امام شربینی، وغیرہ نے بھی ذکر کئے ہیں، عرف میں سجدہ ماتھے کو زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں تعظیم کی خاطر ہو یا اکرام، سلام، اور عبادت کیلئے ہو، اور اصطلاح شریعت میں ماتھے کو زمین پر بنیت عبادت رکھنے کو کہا جاتا ہے اور یہ سارے معانی قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ فراء کا قول ہے کہ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ میں خضوع عاجزی کا معنی مراد ہے اور اس سورت آیت 58 میں انحناء (بصورت رکوع) انقیاد و اطاعت مراد ہے۔

سجدہ کی تین قسمیں ہیں: 1: بطور تحیہ و اکرام سر جھکانا۔ 2: سلام کے وقت تعظیم کے لئے زمین پر سر رکھنا، یہ دونوں طریقے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سابقہ امتوں میں جائز تھے فارس کے لوگوں میں یہ طریقے موجود تھے ہماری شریعت میں یہ طریقے منسوخ ہیں، مفسرین نے اس مقام پر صراحت سے لکھا ہے۔ علامہ شربینی نے فرمایا ہے: فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ بَطَلَ ذَالِكَ بِالسَّلَامِ وَالْكَلَامِ. خازن کا قول بھی اس کے مساوی ہے۔ امام نسفی حنفی نے لکھا ہے کہ: كَانَ سُجُوْدُ التَّحِيَّةِ جَائِزٌ فِيْمَا مَضَى ثُمَّ نُسِخَ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِسَلْمَانَ لَا يَنْبَغِيْ لِمَخْلُوْقٍ أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ مِنَ الْمَخْلُوْقِ. حافظ ابن کثیر نے اس طرح لکھا ہے: قَدْ كَانَ هٰذَا مَشْرُوْعًا فِي الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَلٰكِنَّهُ نُسِخَ فِيْ مِلَّتِنَا. اور اس نے معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے اسی طرح امام قرطبی نے بھی ذکر کیا ہے اور معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی گئی ہے (ابن ماجہ کتاب النکاح 1852، ابن حبان 4171، طبرانی 7294، سلسلۃ الصحیحہ 1203، زبیر علی زئی تخریج ابن کثیر)

اور قرطبی نے ص 294 ج 1 میں فرمایا ہے کہ مذکورہ منسوخ و ممنوع سجدہ جاہل، پیروں مریدوں، صوفیوں نے اپنا رکھا ہے جب اپنے بزرگوں کے پاس جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض تو ان کے قدموں پر سر رکھ کر سجدہ کرتے ہیں لہذا ان کے اعمال برباد ہیں۔ **سجدہ کا حکم:** سجدے کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے سلام کے وقت کسی بڑے کے سامنے سر جھکایا تو عند الفقہاء یہ عمل حرام ہے یا کم از کم اس کے قریب ہے اور بطور نیت تعظیم (بنیت عبادت نہیں) اگر کسی نے زمین پر سر رکھا تو بالاتفاق یہ عمل حرام، اور بعض فقہاء کرام نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے میں نے ،، التبیان فی تفسیر أم القرآن ،، میں اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے۔ **تیسری قسم:** عبادت کا سجدہ ہے جس میں سجدہ کرنے والے کا عقیدہ ہو کہ یہ میرا اقتدار معبود بندگی کا ہے یعنی فریادرس مختار کل، غیب دان، کاموں کا ذمہ دار اس عقیدہ پر جسکو سجدہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کے سوا تو وہ تمام امتوں اور آسمانی ادیان میں بالاتفاق شرک حقیقی ہے۔

سجدہ آدم کی تحقیق: اصلی حروف میں جب سجود کے معانی اور اقسام زیادہ ہیں اور اسی طرح حرف لام لِآدَمَ میں صلہ ہے اُسْجُدُوْا کا یا لام اجلیہ ہے یا لام إلی کے معنی میں ہے یا لام توقیت کے معنی میں ہے یہ چار احتمالات ہیں، ان سب کی تفصیل یہ ہے: اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ آدم علیہ السلام کو کیا گیا سجدہ بطور عبادت نہیں تھا کیونکہ یہ سجدہ بطور عبادت تمام شریعتوں میں شرک ہے، امام قرطبی نے ایسا ہی کہا ہے تو پہلا قول یہ ہے کہ یہ سجدہ معنی لغوی کے ساتھ بطور انحناء سر جھکانا تھا یعنی یہ تحیہ واکرام کے طریقے کے ساتھ تھا، یہ قول ابن أمباری نے فراء سے نقل کیا ہے کہ كَانَ تَحِيَّةً وَتَسْلِيْمًا لَا عِبَادَةً تحیہ سلام کیلئے تھا عبادت کیلئے نہیں تھا اس قول کو امام رازی نے ترجیح دی ہے اور خازن نے سب سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہتر قول قرار دیا ہے اور نسفی نے فرمایا ہے کہ یہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ انحناء تھا زمین پر پیشانی لگانے کے معنی میں نہیں تھا، اس معنی میں لام صلہ ہے مسجود کیلئے اور اس میں آدم علیہ السلام کا اکرام بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بھی ہوگئی، دوسرا قول یہ ہے کہ سجدہ انقیاد کے معنی میں ہے اور لام سجود کیلئے صلہ ہے امام قرطبی نے نقل کیا ہے کہ ایک قوم کے نزدیک یہ سجدہ تذلل اور انقیاد کے معنی میں ہے یہ قول روح المعانی میں بھی مذکور ہے اور اس کا معنی اور مقصد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی فضیلت کا اقرار کریں اور انکی ضرورت اور خدمت میں مصروف ہوجائیں اور امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے أُمِرُوْا بِالتَّذَلُّلِ لَهُ وَالْقِيَامِ بِمَصَالِحِهِ وَمَصَالِحِ أَوْلَادِهِ (مفردات القرآن ص:224) یہی وجہ ہے کہ بہت سارے ملائک اولاد آدم کی خدمت میں مصروف ہیں یعنی انکی حفاظت کرتے ہیں ان کے ساتھ دیتے ہیں انکی مدد کرتے ہیں اور انکے اعمال لکھتے ہیں اور یہ ملائک کچھ مخالفت بھی نہیں کرتے۔ تیسرا قول: یہ سجدہ عبادت تھا اور لام الی کے معنی میں ہے اور آدم علیہ السلام قبلے کے مانند ہوگئے اور عبادت کا سجدہ اللہ کیلئے ہے اور قبلے میں بھی شرافت اور فضیلت ہے یعنی جس طرح مسلمان کعبۃ اللہ کی جانب چہرہ کرکے سجدہ کرتے ہیں اسی طرح ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی طرف چہرہ کرکے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا تھا امام قرطبی نے اس قول کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور سجدہ یہاں پر شرعی معنی میں ہے لیکن علامہ قاسمی نے شیخ الاسلام سے نقل کیا ہے کہ علماء کا قول ہے کہ سجدہ آدم علیہ السلام کو ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس پر اجماع ہے ہر اس بندے کا جو یہ الفاظ سنتے ہیں۔

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اِلٰی اٰدَمَ نہیں کہا ہے، پھر شیخ الاسلام نے آخر میں یہ بات فرمائی ہے کہ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ یہ سجدہ سلام اور تحیہ کا ہے اور معتزلہ کا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام صرف قبلے کے مانند تھے۔ حاصل یہ ہے کہ سب اقوال میں پہلے قول راجح ہے اور یہی معنی یوسف علیہ السلام کے سجدے میں مراد ہے۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ملائکہ نے بغیر کسی چوں چرا ان کے اللہ تعالیٰ کے امر کو تسلیم کیا سوائے ابلیس کے، ملائکہ کی یہ شان سورۃ تحریم آیت 6 میں مذکور ہے، لفظ اِلَّآ استثنا کیلئے آتا ہے اور استثنا منقطع اور کبھی متصل اور کبھی منقطع ہوتا ہے، جمہور نحویوں کے نزدیک متصل اس وقت ہوتا ہے جب مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ایک ہی جنس سے ہو، اور منقطع اس وقت ہوتا ہے جب دونوں کی جنسیت میں فرق ہو صرف انکے ساتھ من وجہ مناسبت ہو تو وہم ختم کرنے کیلئے لفظ "اِلَّآ" کے ذریعہ ماقبل کے حکم سے اسکو جدا یعنی خارج کیا جاتا ہے، بعض نحویوں نے مستثنیٰ متصل میں جنسیت کو شرط نہیں کہا ہے بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ صرف جماعت سے حکم کا اخراج شرط ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِبْلِيْسَ اول اور ثالث قول کے مطابق استثنا متصل ہے اور قول ثانی کے مطابق منقطع ہے، إِبْلِيْسَ بقول خازن یہ صفتی نام ہے جو کہ ابلاس سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا، سریانی زبان میں اسکا نام عزازیل اور عبرانی میں حارث تھا اور شیطان بھی اسم صفتی ہے، ابلیس نام قرآن میں 11 مرتبہ مذکور ہے۔

فائدہ: ابلیس کی ذات کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ملائکہ کی جنس سے ہے یا جنوں میں سے ہے اور پھر جن میں بھی اختلاف ہے کہ آیا جن ملائکہ کا ایک قبیلہ ہے یا الگ جنس ہے اسمیں علماء کے اقوال ہیں۔ پہلا قول: امام قرطبی نے ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم، ابن جریج، ابن المسیب اور قتادہ، ابوالحسن وغیرہ جمہور اہل علم کا قول قرار دیا ہے کہ ابلیس ملائکہ کی جنس میں سے تھا، امام طبری نے بھی اس کو راجح کہا ہے نسفی نے علی رضی اللہ عنہ سے اس قول کو نقل کیا ہے، خازن نے بھی اصح قول قرار دیا ہے فراء بغوی نے فرمایا ہے کہ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے ان کی دلیل اس استثناء کا ظاہر ہے کہ یہ استثناء متصل ہے اور متصل مجانست چاہتا ہے انکی دوسری دلیل ہمیں معلوم نہیں ہے۔ دوسرا قول: ابن جریر نے نقل کیا ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن بصری، ابن زید اور قرطبی نے شہر بن حوشب وغیرہم سے کہ ابلیس جن کے جنس سے تھا ملائکہ نے ان کے ساتھ قتال کیا تو ابلیس نے ملائکہ میں شمولیت کی اور عبادت میں مشغول ہو گیا، ان علماء کی پہلی دلیل اس قول کے متعلق کتاب اللہ میں یہ آیتیں ہیں سورۃ کھف میں اللہ نے فرمایا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ آیت 50۔ سورۃ اعراف آیت 27۔ میں فرمایا قَبِيْلُهٗ اور کھف آیت 50۔ ذُرِّيَّتَهٗ ذکر ہوا ہے ان دلائل سے ثابت ہوا کہ یہ ملائکہ میں سے نہیں ہے کیونکہ ان میں سلسلہ نسب نہیں ہے جبکہ ابلیس کا تو سلسلہ نسب مذکورہ آیتوں میں ہے۔ تیسری دلیل: سورۃ سباء آیت 41۔ ملائکہ اور جنوں کے عبادت میں فرق ذکر ہوا ہے اور "بل" کا حرف استعمال کیا ہے۔ چوتھی دلیل: ملائکہ کو نور سے جنوں کو آگ سے اور انسانوں کو مٹی سے بنایا ہے اس کو بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ پانچویں دلیل: سورۃ تحریم آیت 6 میں مذکور ہے کہ ملائکہ نافرمانی نہیں کرتے ہیں جبکہ جنوں کی تو نافرمانی مشہور ہے۔ چھٹی دلیل: وہ حدیث جس میں جنوں کی خوراک اور جماع میں شرکت ذکر ہے جبکہ ملائکہ تو یہ عمل نہیں کرتے ہیں۔ تیسرا قول: ابلیس جنوں میں سے ہے لیکن جن ملائکہ کا ایک قبیلہ ہے اس قول کو قرطبی نے سعید ابن جبیر سے اور ابن عباس رضی اللہ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے پہلا قول اور تیسرا قول تاویلات پر مبنی ہے تو راجح قول دوسرا ہے کہ جن پر واضح دلائل موجود ہیں اور تاویلات کی ضرورت نہیں ہے، اول اور تیسرے قول میں صحابہ کرام اور تابعین سے جو اقوال مروی ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہل کتاب سے منقول ہیں اور اسرائیلی روایتیں ہیں اس لئے ابن کثیر نے کھف آیت 50 کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اور مزید تفصیل بھی ذکر کی ہے اور امام سیوطی نے "در منثور" ص 502 میں حسن سے روایت نقل کی ہے: قَاتَلَ اللهُ أَقْوَامًا يَزْعُمُوْنَ أَنَّ إِبْلِيْسَ كَانَ مِنْ مَلٰئِكَةِ اللهِ وَاللهُ يَقُوْلُ كَانَ مِنَ الْجِنِّ اور باقی رہا استثناء یہ استثناء منقطع ہے قرآن میں کئی مقامات پر یہ استثناء واقع ہے جیسا کہ امام قرطبی نے سورۃ نساء آیت 157۔ سورۃ مائدہ آیت 3 ذکر کیا ہے اور اس طرح سورۃ اعراف آیت 188۔ سورۃ غاشیہ آیت 23۔ ایک قول کی بنا پر سورۃ نمل آیت 65۔ میں بھی منقطع ہے۔ سوال: جب ابلیس ملائکہ کی جنس میں سے نہیں ہے تو استثنا کس طرح درست ہوگی؟

جواب: امام ابن جوزی نے اس سوال کا جواب اس طرح ذکر کیا ہے کہ ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا جو کہ سورۃ اعراف آیت 12 میں مذکور ہے لیکن جب اس نے سجدہ نہیں کیا تو ذلت کیلئے اسکو ان لوگوں میں ذکر کیا جو استثنا والے ہیں اور مامورین میں ذکر نہیں کیا گیا، اس کی مثال اس طرح ہے، کہ کوئی شخص أَمَرْتُ إِخْوَتِيْ فَأَطَاعُوْنِيْ إِلَّا عَبْدِيْ میں نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا انہوں نے میری بات مان لی سوائے میرے غلام کے، اس قول کو انہوں نے زجاج سے نقل کیا ہے۔ جواب 2: مفسر رحمانی نے تبصیر الرحمٰن میں لکھا ہے کہ ملائکہ کا ذکر سجدہ کرنے والوں میں ہوا جو کہ اعلیٰ تھے تو ادنیٰ تو بدرجہ اتم مامورین میں سے ہوگا۔ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اس سورت میں ابلیس کے چار گناہ مذکور ہیں: 1: سجدے سے اعراض۔ 2: تکبر۔ 3: کفر۔ 4: ابی اور سورۃ اعراف آیت 11 میں۔ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۔ مذکور ہے یعنی مخالفت سجدہ کرنے والوں کی جماعت سے لہٰذا یہ پانچواں جرم ہے۔ چھٹا جرم نص کے مقابلے میں قیاس پیش کیا سورۃ اعراف آیت 12 اور ساتواں جرم ساجدین کے ساتھی بننے سے انکار۔ سورۃ حجر آیت 31۔ آٹھواں جرم آدم علیہ السلام کی توہین، سورۃ حجر آیت 33۔ سورۃ اسراء آیت 61۔ سورۃ کھف آیت 50۔ نواں جرم رب کی کل نافرمانی کی۔ سورۃ طٰہٰ آیت 116۔ سورۃ ص آیت 76۔ ہر سورت میں اس کا جرم اور وہاں اس کی مناسبت ذکر ہے یہاں اختصار کیا ہے اور اہم اہم جرائم کا ذکر کیا ہے۔ أَبٰى یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کیلئے علت اور ایک سوال کا جواب ہے کہ اگر کہا جائے کہ اس وقت انہوں نے انکار کیا ہوگا ہوسکتا ہے بعد میں سجدہ کیا ہو؟ جواب: ہوا کہ أَبٰى انہوں نے تو سرے سے انکار کیا ہے۔ وَاسْتَكْبَرَ یہ معلول پر علت کو عطف کیا ہے اور ایک اشکال جو پیدا ہونے والا تھا اس کو ختم کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انکار انہوں نے اجتہادی غلطی سے کیا ہوگا یا شاید انہوں نے غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں سمجھا ہوگا تو جواب ہوا کہ اس نے تکبر سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انکار کیا ہے اور انکا انکار اللہ تعالیٰ پر اعتراض کی صورت میں ہے کہ اعلیٰ کو کیوں حکم کیا ہے کہ وہ ادنیٰ کو سجدہ کریں۔
تکبر: تکبر یہ ہے کہ انسان دوسرے کو اپنے سے حقیر سمجھے اور اس کے حکم ماننے سے انکار کرے صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 91 میں تکبر کی تعریف نبی اکرم ﷺ سے اس طرح منقول ہے کہ تکبر یہ نہیں ہے کہ بندہ خوبصورت لباس اور جوتے پسند کرتا ہو یہ تو جمال خوبصورتی ہے جو کہ اللہ کو پسند ہے البتہ تکبر یہ ہے کہ ضد وعناد کی وجہ سے حق سے اعراض کریں اور حق والوں کو حقیر جانے، ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جان بوجھ کر انکار کیا اور آدم علیہ السلام کو حقیر جانا، قرآن کریم میں تکبر دو مرتبہ جبکہ استکبار 42 مرتبہ استعمال ہے، تکبر شیطان کی صفت میں سورۃ اعراف آیت 13 اور کافروں کی صفت میں سورۃ اعراف آیت 126 ذکر ہے اور استکبار شیطان کی صفت میں 4 مرتبہ اور کفار کی صفات میں 31 مرتبہ مذکور ہے اور استکبار کی نفی مائدہ 82 میں اور اس امت کے صالحین کی الٓمٓ سجدہ آیت 15 میں ذکر ہے اور ملائکہ کی صفات میں اعراف آیت 206۔ نحل آیت 49 اور انبیاء آیت 19 میں مذکور ہے، اور متکبر اور متکبرین کا وصف کفار کے صفت میں 6 مرتبہ ذکر ہوا ہے اور متکبر صفت اللہ تعالیٰ کیلئے سورۃ حشر آیت 23 اور کبریاء جاثیہ آیت 37 میں ذکر ہے اور کبر کافروں کی صفت میں سورۃ مومن آیت 56 میں ذکر ہوا ہے تکبر اور استکبار میں فرق ہے: استکبار اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جب تکبر کرنے والا بڑائی کے حق سے کوسوں دور ہو پھر بھی بڑائی کا مرتکب ہو اس لئے یہ وصف ہمیشہ قباحت کیلئے استعمال ہوا ہے، جبکہ تکبر کبھی استحقاق کے ساتھ ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی صفت میں وارد ہے اور انکا حق ہے اور کبھی حق کے بغیر ہو تو یہ انسانوں کی بری صفت ہے، اور استکبار کی سزا قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیتوں میں وارد ہے، سورۃ نساء آیت 173۔ سورۃ اعراف آیت 36، 40۔ سورۃ مومن آیت 60۔ سورۃ احقاف آیت 20۔ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کان کے متعلق یہاں دو قول ہیں، اول: کان بمعنی صار یعنی ہو گیا (انتقال کیلئے آتا ہے) جیسا کہ سورۃ ھود آیت 43 میں ہے، اور یہ واضح دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے امر سے انکار کیا یا استکبار کیا تو وہ شخص کافر، مرتد ہو گیا۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ کان اپنے معنی پر ہے جو کہ ماضی کیلئے آتا ہے اور کبھی ہمیشگی کا معنی دیتا ہے اور کبھی نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں زمانہ ماضی اور مضارع سے قطع نظر ہمیشگی اور استمرار کیلئے آتا ہے کان جب اپنے معنی میں ہو تو پھر دو احتمال ہیں۔ 1: یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں یہ کفر کا اظہار کریگا اور اس کو مسئلہ موافات کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتبار خاتمے کا ہے لہذا اس کا خاتمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کفر پر ظاہر ہو گیا، 2: یہ ہے کہ ابلیس منافق تھا اور منافق کافروں میں سے ہوتے ہیں۔

سوال: جب یہ کافر تھا تو ملائکہ نے اپنی مجالس میں کیوں بٹھائے رکھا تھا؟ جواب 1: انجام تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے لہذا ملائکہ کو معلوم نہیں تھا۔ جواب 2: امام قاسمی نے نقل کیا ہے کہ وہ منافق تھا، ملائکہ چونکہ غیب کا علم نہیں جانتے جیسا نبی کریم ﷺ منافقین کے بارے میں علم نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے وہ ملائکہ کی جماعت میں رہتا تھا جیسا کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ صحابہ کرام کی جماعت میں رہتے تھے۔ فائدہ: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ منافق ہے یا بعد میں کافر ہوگا اسکے کے باوجود اس کو ملائکہ کی جماعت میں رکھا اور اسکو اس طرح عزت و اکرام دی جس طرح اکرام ملائکہ کا کیا تھا، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امور خارقہ، نا آشنا عمل اگر کسی سے ثابت ہو جائیں تو یہ ولایت کی دلیل نہیں ہے حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ سے دلیل لی ہے کہ کبھی امر خارق (نا آشنا عمل) غیر ولی سے بھی ثابت ہو سکتا ہے، جیسا کہ ابن صیاد کے بارے میں آیا ہے کہ غصے کی حالت میں اس کا بدن پھیل جاتا تھا یہاں تک کہ راستہ بند کر لیتے تھے، اور دجال کے متعلق بھی آیا ہے بہت ساری نا آشنا باتیں اور عمل اس سے ثابت ہونگے جبکہ وہ کافر ہوگا، اور حافظ ابن کثیر نے یونس بن عبید الاعلی مدنی کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے کہا تھا کہ لیث بن سعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو تم پانی پر چلتے دیکھو یا ہواؤں میں اڑتے دیکھو تو اس کی ولایت پر یقین نہیں کرنا بلکہ اس کے حال کو قرآن و سنت پر پیش کرو، امام شافعی نے فرمایا کہ لیث نے اس بات میں کچھ کمی کی یعنی امام شافعی مزید ایسے لوگوں کی تذلیل کے قائل ہیں، امام قرطبی کا قول ہے کہ اگر کسی ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کوئی نا آشنا کام صادر کریں اور وہ نبی نہیں ہے تو یہ اس کی ولایت کی دلیل نہیں ہے جبکہ بعض صوفیاء اور روافض اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہمارا علم کسی شخص کی ولایت پر یقینی نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو اور موت کے وقت کسی کے ایمان کی شہادت کون دے سکتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے کہ وہ کس حال میں رخصت ہوا ہے لہذا ایسی چیزوں کو دلیل بنا کر کرامت یا ولایت کا یقینی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اس سے ثابت ہوا کہ اس وقت جنوں میں کفار کی جماعت موجود تھی یا بعد میں کفر کرنے والے مراد ہیں۔

تفسیر 35: اس آیت میں دو امر اور ایک نہی ذکر ہو رہے ہیں اور یہ سب آدم علیہ السلام کیلئے انعام و اعزاز ہے پہلا انعام اُسْكُنْ یہ لفظ سُكْنٰى سے لیا گیا ہے سکون سے زندگی گزارنا مراد ہے، یہ سکون سے نہیں لیا گیا ہے کیونکہ سکون تو حرکت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف ہے اور بعد میں حَیْثُ شِئْتُمَا آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں چاہے جا سکتے ہیں، خازن کا قول ہے سکنیٰ کا امر استقرار کو مستلزم نہیں ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدم علیہ السلام کم وقت کے لئے جنت میں داخل کئے گئے تھے تا کہ جنت کے انعامات کا بالمشاہدہ لذت اور خبر حاصل کر لیں پھر استقرار کیلئے زمین میں اترے گا۔ امام قرطبی کا بھی یہ قول ہے، ''أَنْتَ'' اس وجہ سے ذکر کیا ہے تا کہ زَوْجُكَ کا عطف اسکن کے ضمیر پر صحیح ہو سکے وَزَوْجُكَ یہ واضح دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیوی پیدا کی سورۃ نساء آیت 1 میں اس کا تذکرہ آئے گا اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ بائیں پسلی سے ان کی خلقت ہوئی تھی جس کا نام حوا رکھا اور حافظ ابن کثیر نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ دخول جنت سے پہلے یہ پیدا ہوئی تھیں۔ اَلْجَنَّةَ اس جنت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ آسمان میں تھی جو کہ دار الثواب ہے یا یہ زمین میں تھی اور اس مسئلے میں ہر جانب سے دلائل امام ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب ''حادي الأرواح إلى جنة الأفراح'' میں ذکر کی ہیں لیکن اس میں بہتر قول یہ ہے کہ جو مشہور جنت ہے یہی مراد ہے۔ الف لام عہدی ہے اور معہود وہ جنت ہے جو مسلمانوں کے نزدیک دار الثواب ہے اور اسی طرح وہ نعمتیں جو سورۃ طٰہٰ آیت 118-119 میں مذکور ہے وہ بھی اسی جنت کے ساتھ خاص ہے۔ ابن کثیر۔ قرطبی۔ نسفی وغیرہ نے کہا ہے کہ جو کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین پر تھی تو یہ قول معتزلہ قدریہ کا ہے اور امام قرطبی نے اس مقام میں بعض سوال وجواب بھی ذکر کئے ہیں۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا یہ مزید ایک نعمت کا ذکر ہے جس میں دو وسعتوں کا ذکر ہے ایک رغداً اور دوسری حَيْثُ شِئْتُمَا ہے۔ سوال: انسان کو اول کھانے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ یہاں تو اول ''اسکن'' رہائش کا تذکرہ ہے؟ جواب: صرف کھانے (خوراک) کو تو پہلے احتیاج ہے لیکن خوراک رغداً کے وصف اور مثبت کے تعمیم کے ساتھ یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس کے لئے پہلے آرام گاہ میسر ہو پھر یہ فراوانی والی خوراک میسر ہوں۔ سوال: اُسْكُنْ میں خطاب صرف آدم علیہ السلام کو تھا اور زوج کو اس پر عطف کیا جبکہ كُلَا میں تثنیہ کے ساتھ دونوں کو خطاب ہوا ہے؟۔ جواب: رہائش میں بیوی خاوند کے تابع ہے رہا کھانا تو کھانے کی ضرورت ہر شخص کو ہے بغیر کسی کی تابعداری کے۔ رَغَدًا۔ امام قرطبی، امام خازن، امام شربینی نے لکھا ہے کہ زندگی ایسے گھر میں جو مبارک ہو مشقت اور تکلیف والا نہ ہو اور ایسا گھر جو وسیع ہو اور بہت مزے والا بغیر کسی مشقت والا ہو۔ حَيْثُ شِئْتُمَا مکان کی وسعت اور خوراکوں کے انواع کی طرف اشارہ ہے امام خازن کا قول ہے کہ مراد كَيْفَ أَيْنَ مَتَى شِئْتُمَا ہے یعنی مکان، زمان اور طریقہ کار میں وسعت مراد ہے یعنی کھاؤ جب جیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جہاں سے تمہاری مرضی ہو۔

فائدہ: ایسا سورۃ اعراف آیت 19 میں بھی ہے مگر دونوں آیتوں میں چند وجوہات کے ساتھ فرق ہے پہلا فرق یہ ہے کہ یہاں پر لفظ وَقُلْنَا آیا ہے جبکہ وہاں ایسا نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہاں پر وَكُلَا ہے واؤ کے ساتھ وہاں فَكُلَا ہے فاء کے ساتھ ہے۔ تیسرا فرق: یہاں رَغَدًا ہے جبکہ وہاں نہیں ہے تو پہلے فرق کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت بطور ذکر انعامات کے ہے تو اس کو اگلے آیت پر عطف کیا ہے اور ہر انعام مستقل ہے اس لئے اس کے ساتھ قُلْنَا مستقل ذکر کیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر وہ فعل کہ جس پر دوسرے فعل عطف ہوا اور پہلا فعل شرط جیسا ہو دوسرے فعل کیلئے تو دوسرے فعل پر فا داخل ہوتا ہے اور جس میں شرطیت کا معنی نہ ہو وہاں واؤ داخل ہوتا ہے تو یہاں پر اُسْكُنْ سے مراد سکنیٰ اور اُكُلْ کے لئے سکنیٰ شرط نہیں ہے کیونکہ بغیر سکنیٰ بھی اُكُلْ حاصل ہو سکتا ہے یعنی کھانے کیلئے رہائش لازم نہیں ہے اور سورۃ اعراف میں اسکن کے اندر دخول کا معنی مراد تھا اس لئے کہ وہ اخرج پر عطف ہے اور جنت میں دخول جنت کھانے کے لئے شرط ہے اور جب اس سورت میں اصل انعامات کا تذکرہ ہے اور سکنیٰ (رہائش) عظیم نعمت ہے اور وہاں سے طعام کا استعمال بھی اس قسم کی بڑی نعمتوں میں سے ہے اس وجہ سے اس سورۃ میں اُسْكُنْ سکنیٰ کے معنی میں تھا اور وَكُلَا میں ذکر ہوا اور تیسرے فرق کی وجہ ہے کہ اس سورت میں انعامات کا تذکرہ مقصود ہے تو اس مقام پر رَغَدًا مناسب ہے اور سورۃ اعراف میں چونکہ یہ مقصد نہیں ہے تو وہاں کلام مختصر کی ہے کیونکہ حَيْثُ شِئْتُمَا سے بھی اشارۃ رغداً کا معنی حاصل ہوتا ہے۔

سوال: وَلَا تَقْرَبَا (نہی) منع کرنا کوئی نعمت نہیں ہے تو کیوں ذکر کیا ہے؟ جواب: یہ نہی یعنی منع کرنا اس درخت کے کھانے سے مستقل نعمت ہے کیونکہ اس منع کی پیروی جنت اور اس کے مستقل لذتوں کے حصول کا سبب ہے جو کہ پہلے ذکر ہوئیں۔ سوال: مقصود تو درخت کے کھانے سے منع کرنا ہے تو یہاں قربت سے منع کیوں ذکر کیا ہے؟

جواب: ایسے مقام میں منع کرنے میں شدت مبالغہ مقصود ہوتا ہے اس وجہ سے اسباب سے منع کیا جاتا ہے، اور یہ بات تو اہل حق جانتے ہیں کہ اسباب سے رک جانے پر ارتکاب جرم سے یقیناً بندہ محفوظ ہوتا ہے، اور ایسے مقام پر سبب کا حکم وہی ہوتا ہے جو مسبب کا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے لِلْوَسَائِلِ حُكْمُ الْمَقَاصِدِ اور ایسی نہی سورۃ اسراء آیت 32، 34۔ سورۃ انعام آیت 152 میں مذکور ہے، اس کی تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مَنْ يَرْعَىٰ حَوْلَ الْحِمَىٰ يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ (صحیح مسلم 1599، ابوعوانہ 5472، ابن حبان 297، غایۃ المرام 20 صحیح ترغیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

للالبانی 1731) جو کسی کے چراگاہ کے اردگرد جانوروں کو چرائے گا تو قریب ہے کہ اس میں داخل ہو جائے۔

فائدہ: وَلَا تَقْرَبَا قاموس کے مصنف کے بقول را۔ کے زبر یا پیش میں فرق نہیں ہے لیکن ابن العربی، ابن مفلح اور شارح قاموس سید مرتضٰی کا قول ہے کہ را پر جب زبر آ جائے تو معنی اس وقت یہ ہوگا کہ یہ عمل مت کرو اور جب راء پر پیش آ جائے تو معنی یہ ہوگا اس عمل کے قریب مت جانا۔ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ هٰذِهِ اسم اشارہ میں دو احتمال ہیں۔

پہلا احتمال: یہ ہے کہ اس میں ذات کا تعیین مقصود ہے اور عربی کلام میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا۔ سورۃ یوسف آیت 65۔ دوسرا احتمال: یہ ہے کہ اس سے کسی چیز کی جنس کا تعیین مقصود ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سونا اور ریشم ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا کہ هٰذَانِ حَرَامَانِ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ (الثمر المستطاب للشیخ البانی فی بحث الاوانی) تو مراد اس سے ریشم اور سونے کا جنس تھا۔ الشَّجَرَةَ اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی پنڈلیاں اور شاخیں ہوں، اس درخت کے متعلق 6 اقوال مفسرین نے ذکر کیے ہیں، اور ابن جریر نے فرمایا ہے کہ ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے کہ یہ کونسا درخت تھا کیونکہ اس کے متعلق قرآن مجید اور کسی صحیح مرفوع حدیث سے اس کا تعیین ثابت نہیں ہے۔ اور پھر انہوں نے کہا ہے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے اگر کوئی انسان اس پر عالم ہو جائے تو فائدہ نہیں رہتا اور اگر اس سے جاہل رہ جائے تو بھی یہ جہالت اس کے لئے مضر نہیں ہے اور قرطبی، خازن، بیضاوی، ابن عطیہ وغیرہ نے بھی اس طرح ذکر کیا ہے۔

فائدہ: قرآن کریم میں درختوں کی 8 اقسام مذکور ہیں:

1: یہ درخت جس پر آدم علیہ السلام کا امتحان ہوا ہے۔ 2: شَجَرَةٌ اخضر سبز درخت۔ سورۃ یاسین آیت 80۔ 3: شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ سورۃ صافات آیت 62۔ 4: شَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (کھجور کا درخت) سورۃ ابراہیم آیت 24۔ 5: شَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ سورۃ ابراہیم آیت 26۔ 6: زَيْتُوْنَةٍ سورۃ نور آیت 35۔ 7: شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ سورۃ صافات آیت 146۔ 8: شَجَرَةِ الْبَيْعَةِ (کیکر کا درخت) سورۃ فتح آیت 18۔

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ سابقہ نہی میں شرط کا معنی تھا اس لئے فرمایا کہ اگر قصداً اس کے قریب گئے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے، امام آلوسی اور خازن نے بھی اس طرح ذکر کیا ہے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ یہ ظلم سے لیا گیا ہے لغت میں ظلم نقصان کو کہتے ہیں جیسا کہ سورۃ کہف آیت 33 اور اس سورت کے آیت 57 میں بھی ہے۔ ثواب کے نقصان کے لئے تو بہت مستعمل ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کبھی کبھی حد سے تجاوز میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ طٰہٰ آیت 112 میں مذکور ہے، عرف عام میں کسی چیز کو اس کے غیر مناسب جگہ پر رکھنے کو ظلم کہتے ہیں، اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت اور منع کیے گئے حکم کے ارتکاب کو ظلم کہتے ہیں۔اس سے قطع نظر کہ وہ بھول کر ہو یا قصداً یا خطاء ہو یا عمداً اس معنی میں ظلم کا اطلاق خطاء اجتہادی یا بھول کر مخالفت اور خلاف الاَولیٰ، گناہ صغیرہ، وکبیرہ، کفر شرک سب پر ہوتا ہے ہر مقام پر اس کے مناسب معنی بسبب قرینہ لیا جائے گا۔

فائدہ: <u>قرآن مجید میں ظلم کے بہت اسباب ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے جو بھی سبب پایا جائے تو اس پر ظلم کا اطلاق ہوگا:</u> اس کی تفصیل یہ ہے۔ 1: شرک کرنا، (سورۃ بقرۃ آیت :54) 2: حکم الٰہی تبدیل کرنا (بقرۃ، آیت :59) 3: مساجد میں ذکر الٰہی سے منع کرنا (سورۃ بقرۃ، آیت :114) 4: کسی کو ضرر دیکر زیادتی کرنا (سورۃ بقرۃ، آیت :231) 5: حق کا چھپانا (سورۃ بقرۃ: آیت :140) 6: حق سے بوجہ عناد انکار کرنا (سورۃ بقرۃ، آیت :150) 7: غیر اللہ سے ایسی محبت کرنا جو کہ اللہ کی محبت کے مساوی ہو۔ (سورۃ بقرۃ، آیت :165) 8: طلاق دینے میں حد سے تجاوز کرنا۔ (سورۃ بقرۃ، آیت :229) 9: غیر کے حکموں پر فیصلے کرنا۔ (سورۃ نساء، آیت :64۔ سورۃ مائدۃ، آیت :45) 10: ہجرت باوجود فرض ہونے کے ترک کرنا۔ (سورۃ نساء، آیت :97) 11: اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا۔ (سورۃ انعام، آیت :21) 12: فقراء و مساکین مالداروں کا لحاظ رکھنے کے لیے مجالس سے دور کرنا۔ (سورۃ انعام، آیت :52) 13: اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانا۔ (سورۃ انعام، آیت :158) 14: اجتہاداً یا بھول جانے سے خطاء ہو جانا۔ (سورۃ اعراف، آیت :23۔ انبیاء، آیت :87) 15: اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو منع کرنا۔ (سورۃ اعراف، آیت :44) 16: کافروں سے دوستی کرنا۔ (سورۃ توبہ، آیت :23) 17: حاجت روائی، مشکل کشائی کیلئے غیر اللہ کو پکارنا۔ (سورۃ یونس، آیت :106) 18: چوری کرنا۔ (سورۃ یوسف، آیت :75) 19: بے گناہ کو سزا دینا۔ (سورۃ یوسف، آیت :79) 20۔ قرآن سے اعراض کرنا۔ (سورۃ کہف، آیت :57) 21: رسول پر طعن و تشنیع کرنا۔ (انبیاء، آیت :3) 22۔ حرم مکہ میں بے دینی یعنی الحاد کرنا۔ (سورۃ حج آیت :25) 23: رسول کی راہ کو چھوڑنا۔ (سورۃ فرقان، آیت :27) 24: خواہش کی پیروی کرنا۔ (سورۃ روم، آیت :29) 25: دوسروں کا حق غصب کرنا۔ (سورۃ ص، آیت :24) 26: گناہوں سے توبہ نہ کرنا۔ (سورۃ الحجرات، آیت :11) یہ ظلم کے اسباب ہیں۔ اس میں بعض گناہ کبیرہ ہیں جبکہ بعض کفر و شرک۔ بعض خلاف الاولیٰ ہیں اور بعض اجتہادی یا نسیان کی خطاء ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 38: اس آیت میں چار جملے ہیں، پہلے میں درخت کھانے کا سبب ذکر ہے اور دوسرے میں اس کھانے کے اثر کا مرتب ہونا، تیسرے میں زمین پر اترنے کا حکم اور دشمنی کی حالت۔ چوتھے میں زمین میں رہنے کا طریقہ ذکر ہے۔ فَاَزَلَّهُمَا یہ زَلَّةٌ اور زَلَل سے لیا گیا ہے۔ جس کا معنی ہے بے اختیار کیچڑ میں پھسلنا۔ امام نسفی نے لکھا ہے کہ انبیاء کے عمل پر زلۃ کا اطلاق ہوسکتا ہے کیونکہ زلۃ اس کام کو کہتے ہیں جو بغیر حکم صدور کے ارادہ کے ہوجائے جیسا کہ ایک شخص کیچڑ میں جو رہا ہے اور اچانک دھنس جاتا ہے، اور شریعت میں گناہ اس فعل کو کہا جاتا ہے جو ارادے اور قصد کے ساتھ حکم شرعی کے خلاف کیا جائے۔ تو معلوم ہوا کہ زلۃ کو گناہ نہیں کہتے اور ازلال کا سبب منجانب شیطان ذکر ہے جیسا کہ سورۃ اعراف، آیت :20، 21۔ سورۃ طہ، آیت :120 میں ہے اور زلۃ کا سبب آدم علیہ السلام کی جانب ہے تو اول نسیان یعنی بھول ہے۔ جو سورۃ طہ، آیت :115 میں مذکور ہے۔ دوم: شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب شیطان نے قسم میں تاکید کی تو آدم علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کون جھوٹی قسمیں اٹھائے گا۔ اور امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الملل والنحل میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اس شخص سے زیادہ پاکدامن کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹی قسم کا تصور ہی نہیں رکھتا ہو۔ آدم علیہ السلام نے بھول کر پھل کھالیا اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا عزم کرتے ہوئے جیسا مقرب ملک ہوتا ہے اور جنت میں ہمیشہ رہنے کے عزم سے جبکہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی واجب تھی مگر خیر کی نیت سے اس نے تاویل کی نہی میں تاویل کی کہ یہ نہی تنزیہی ہے یا شجرہ میں تاویل کی کہ یہ شجرہ معینہ ہے اور اس نے دوسرے شجرہ سے کھایا مگر مقصد بھول گئے اگر ایسا کام کوئی اور مجتہد کر جائے تو ایک اجر کا حقدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ الشَّيْطٰنُ اس میں الف، لام عہدی ہے، مراد اس سے ابلیس ہے اور یہ لفظ شَطَنَ سے لیا گیا ہے، جس کا معنی دوری کے ہیں کیونکہ شیطان بھی رحمت الٰہی سے بہت دور ہے یا پھر شَاطَ، يَشِيْطُ سے بمعنی ھلک ہے۔ یا احْتَدَّ فِيْ غَضَبِهٖ یعنی ہلاک ہو یا اپنے غصہ میں تیز ہوگیا۔ شیطان ایمان والوں پر بہت غصہ ہوتا ہے اور انتہائی درجہ کی دشمنی، عداوت کرتا ہے لیکن ان اقوال میں اول قول بہتر ہے۔ (لسان العرب)

سوال: ابلیس جنت سے نکالا گیا تھا جیسا سورۃ اعراف، آیت 13، 18 میں مذکور ہے جبکہ آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو شیطان ان کو وسوسہ دینے میں کیسے کامیاب ہوا؟ جواب: یہ وسوسہ شیطان نے بالمشافہ ڈالا تھا، جیسا کہ سورۃ اعراف، آیت 20 اور طہ، آیت 120 سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام انہوں نے آمنے سامنے کیا تھا۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، عبید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء سے یہ قول منقول ہے۔ البتہ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ شیطان پر جنت میں باعزت رہنا ممنوع ہو گیا تھا ویسے داخل ہونا منع نہیں تھا۔ یہ قول علامہ شربینی نے نقل کیا ہے۔ 2۔قول ثانی یہ ہے جو قاری نے نقل کیا ہے کہ ان کو جنت کے دروازہ پر بلا کر ان سے یہ گفتگو کر لی۔

جواب 2: وسوسہ تو معنوی قوت ہے، جس کیلئے شیطان اور اس کی ذریت کے لئے حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ کتاب الاحکام، باب الشہادۃ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی ہے۔إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ "یقیناً شیطان انسان کے وجود میں خون کی چال چلتا ہے۔" (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الشھادۃ حدیث 7171 وصحیح مسلم) جواب 3: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سانپ کے منہ میں داخل ہو کر گیا جس کی وجہ سے ملائکہ کو پتہ نہیں چلا لیکن یہ قول اسرائیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے اس لیے امام بیضاوی، ابو حیان رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ جواب 4: شیخ القرآن غلام اللہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سورۃ اعراف، آیت 18-19-20 سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو رہنے (سکنیٰ) اور ابلیس کو (خروج) نکلنے کا حکم دے دیا تو اس وقت شیطان نے آدم علیہ السلام کو یہ وسوسہ ڈالا کیونکہ آیت 20 میں فاء داخل ہے جو بلا تاخیر متصل ہونے کی دلیل ہے۔ یہ قول تکلفات سے پاک ہے اور قول اول بھی اس کو شامل ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں بالمشافہ وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہے جو کہ جنت سے (خروج) نکلنے سے قبل کا ہے۔

عَنْهَا: ابوحیان رحمہ اللہ نے اس ضمیر سے متعلق چار احتمالات ذکر کیے ہیں:

1: عن سببیہ ہے اور یہ ضمیر شجرہ کی طرف راجع ہے۔ 2: جنت کی طرف راجع ہے۔ 3: اطاعت کی طرف راجع ہے جو دلالۃ ثابت ہوتی ہے۔ 4: جنت میں حروں اور لذت کے ساتھ خوشی سے رہنے کی طرف راجع ہے۔

فَأَخْرَجَهُمَا: یہ نسبت شیطان کی طرف مجازی ہے۔

مِمَّا كَانَا فِيهِ: اس میں تین احتمالات ہیں:

1: اطاعت سے عصیان کی طرف منتقل کیے گئے۔ 2: جنت کی راحتوں سے دنیا کی تکلیف کی طرف نکالے گئے۔ 3: بلند مرتبہ سے نیچے مرتبہ میں اتر آئے۔ **وَقُلْنَا اهْبِطُوا:** (اھباط) اتارنے کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے نہیں کی گئی ہے کہ یہ اتارنا نافرمانی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس شجرہ کے خوراک یعنی کھانے سے جو اثر مرتب ہوا ہے اس سے اتر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئے۔ تفصیل بعد میں ہو گی۔ ان شاء اللہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ خطاب آدم، حوا علیہما السلام اور ابلیس کو ہے یا آدم اور حواء اور انکی اولاد کو ہے کیونکہ اولاد بھی حکماً موجود تھی، یہ امام فراء رحمہ اللہ کا قول ہے جو اکثر علماء نے پسند کیا ہے کیونکہ ابلیس تو نکالا گیا تھا اور طہ، آیت 123 میں تثنیہ کے صیغہ سے خطاب ہے جو آدم علیہ السلام اور حوا کو ہے اور تو مفرد صیغہ کے ساتھ خطاب جو سورۃ اعراف، آیت 13 میں ہے اس سے مراد صرف ابلیس ہے۔ اِهْبَاطٌ حقیقتاً اوپر سے نیچے کی طرف اتارنے کو کہا جاتا ہے اس سے پتہ چلا کہ جنت اوپر آسمانوں پر ہے جو کہ دار الثواب ہے لہٰذا اس سے سب کو زمین پر اتار دیا۔ نکتہ، اسکن میں آدم علیہ السلام کا اکرام مقصود تھا اس لیے وہاں پر یا آدم حرف ندا کے ساتھ ذکر ہے جو کہ محبت کی دلیل ہے اور یہاں چونکہ احباط میں ظاہرا کوئی اکرام نہیں ہے اس لیے یہاں حرف ندا ذکر نہیں ہے۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ: امام مجاہد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ خطاب آدم و حوا علیہما السلام اور اولاد سب کو ہے تو مراد اس سے آپس میں قتل، دشمنی، حسد، بغض، دنیاوی و دینی اختلافات ایک دوسرے کو گمراہ کرنا وغیرہ ہیں۔ اور اگر اس خطاب میں ابلیس مع الاولاد اور آدم علیہ السلام اور حوا داخل ہو۔ امام زجاج رحمہ اللہ کے قول کی بناء پر تو پھر اس سے مراد شیطان اور اولاد شیطان کے دشمنی آدم علیہ السلام اور اولاد سے مراد ہے اور شیطان کی عداوت، دشمنی تو مومنوں کے ساتھ بہت سی آیتوں میں مذکور ہے۔ سورۃ بقرۃ، آیت 168، 208۔ انعام، آیت 142، اعراف، آیت 22، یوسف، آیت 5 کہف، آیت 50، طٰہٰ، آیت 117 مزید آیتیں بھی وارد ہیں اور انسانوں کے آپس میں دشمنی بھی بہت آیتوں میں مذکور ہے۔ سورۃ نساء، آیت 91، 101۔ انفال، آیت 60 و بہ، آیت 120، طہ، آیت 39، منافقون، آیت 4 تغابن، آیت 14 ممتحنہ، آیت 1، مائدۃ، آیت 14، 64، 82، 91

سوال: یہاں تو اعداء جمع لانا تو ظاہر کے ساتھ مناسب تھا تو واحد کا صیغہ کس مقصد کیلئے استعمال کیا ہے۔

جواب 1: لفظ "عدو" واحد، تثنیہ، جمع مذکر مؤنث سب کیلئے برابر ہے۔ بقول ابن فارس لغوی سورۃ کہف، آیت 50

جواب 2: لفظ بعض اور کل لفظی اعتبار سے مفرد ہے تو خبر بھی مفرد آتی ہے جیسا کہ سورۃ مریم، آیت 95 میں ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے تو خبر جمع آتی ہے۔ دیکھیے: نمل، آیت 87۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ: لکم خبر مقدم اور فی الارض اس کے متعلق ہے اور مستقر مبتدأ مؤخر ہے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مستقر ظرف ہے یعنی رہنے کی جگہ۔ امام سدی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ مصدر میمی ہے استقرار کے معنی میں ہے اور خبر مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زمین کی خلافت انسانوں کے ساتھ خاص ہے، ملائکہ کو تو حاجت نہیں اور جنوں سے یہ اختیار تو لیا گیا ہے اور فی الارض مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ انسانی زندگی کا گزران عادتاً زمین میں مختص ہے جیسا کہ سورۃ اعراف، آیت 10 و 25 میں ہے۔ خلاف عادت کبھی پانی میں کبھی خلا میں وقت گزرتا ہے مگر مستقل طور پر استقرار حاصل نہیں کرسکتا ہے۔ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ: زمین میں استقرار بغیر متاع یعنی دنیاوی ضروریات کے بغیر رہنا مشکل ہے اس لیے اس کو متصل ذکر کیا۔ بقول امام قرطبی رحمہ اللہ ہر وہ چیز جس کے ساتھ زندگی میں فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ "متاع" ہے۔ مثلاً: کھانا، پینا، گفتگو، شرعی محبت۔ بقول ابو حیان رحمہ اللہ منافع، وراثت، محرم مکان کو متاع کہتے ہیں۔ بقاعی نے نظم الدرر میں کہا ہے کہ عرب کی لغت میں متاع اس مردار چیز کو کہتے ہیں کہ مضطر آدمی اس کا محتاج ہو اور درندوں اور کتوں کی خوراک (کھانا) ہو، لہٰذا دنیا ایک مردار چیز ہے ضرورت کے طور پر استعمال کرنا چاہیے مقصد نہیں بنانا چاہیے۔ دنیا کی زندگی اور دیگر چیزوں پر اس لیے متاع کا اطلاق ہوتا ہے اور متاع لفظ کو بصورت نکرہ لانا بھی قلت اور فنا پر دلالت کرتا ہے

فائدہ: لفظ "متاع" قرآن مجید میں 34 مرتبہ مختلف مصداقات کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

1: دنیا کی تمام چیزوں کو متاع کہا گیا ہے۔ (سورۃ رعد، آیت 26۔ قصص، آیت 60)۔ 2: دنیوی زندگی کو متاع کہا ہے۔ (سورۃ مومن، آیت 39) 3: سات چیزوں کو۔ (سورۃ آل عمران، آیت 14) 4: دنیوی آگ۔ (سورۃ واقعہ، آیت 73) 5: پانی، گھاس، پہاڑ وغیرہ (سورۃ نازعات، آیت 33) 6: آٹھ چیزوں کو متاع کہا گیا ہے۔ (سورۃ عبس، آیت 32) 7: مسافر کا سامان۔ (سورۃ یوسف، آیت 65) 8: دنیاوی ملبوسات۔ (سورۃ نحل، آیت 80) 9: سمندری مچھلی وغیرہ۔ (سورۃ مائدہ، آیت 94) 10: مکان، دروازیں، پلنگ، تخت، سونا، چاندی یہ متاع ہے۔ (سورۃ زخرف، آیت 35) (11): مجاہدین کا سامان۔ (سورۃ نساء، آیت 102) 12: گھر کا سامان، لباس، خواتین کا لباس۔ (سورۃ بقرۃ، آیت 241۔ رعد، آیت 17) یہ تمام اشیاء اس مقام پر لفظ متاع میں داخل ہیں۔

اِلٰى حِيْنٍ: اس لفظ کے متعلق امام قرطبی رحمہ اللہ نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں

1: اگر مستقر سے مراد دنیا ہو تو پھر معنی ہوگا مرنے کا وقت۔ 2: اگر مراد قبر ہو تو پھر قبروں سے اٹھنے کا وقت۔ 3: موت کا مقررہ وقت پھر اس نے حین کے معانی ذکر کیے ہیں۔ مدت، ایک لمحہ، زمانے کا ٹکڑا زیادہ ہو یا کم، فنا کے وقت، سال، چھ مہینے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صبح وشام۔ صحیح بات یہ ہے کہ حین لفظ کیلئے کوئی خاص پیمانہ نہیں ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں لفظ حین 34 مرتبہ مستعمل ہوا ہے اور اس کے استعمال کے دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ انتہاء کیلئے استعمال ہوتا ہے جس پر الی، حتی، بعد داخل ہوتا ہے تو اس وقت غیر متعین کیلئے آتا ہے اور قرینہ سے اس کا تعین ہوتا ہے اس طرح وہ کہ "من الدھر" کے ساتھ اس کی تقیید ہوتی ہے۔

دوسرا طریقہ: اضافت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، سورۃ البقرۃ، آیت 177۔ سورۃ مائدہ، آیت 101 و 106۔ سورۃ ھود، آیت 5 اور کل آیتیں 18 ہیں تو وہاں مراد وہ ساعت ہے جس کی تحدید وتقیید مضاف الیہ کے ساتھ ہو چکی ہیں۔

فائدہ 2: امام قرطبی رحمہ اللہ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اس لفظ میں آدم علیہ السلام کیلئے بشارت ہے کہ دنیاوی زندگی عارضی ہے جنت کی طرف پھر واپسی ہے البتہ جنت کے حصول کیلئے بعد والی آیت میں قانون مذکور ہے۔

فَمَنْ تَبِعَ: اب اس قانون کا ذکر ہو رہا ہے اولاد آدم کیلئے جو جنت میں واپسی کا سبب ہے۔ اس لفظ میں دنیا کے فنا ہونے کی خبر ہے۔ امام ابوحیان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس لفظ میں قیامت کے آنے کا اشارہ ہے۔ اور پورے واقعہ میں اولاد آدم علیہ السلام کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو خواہ قصداً ہو یا تاولاً اور یہ بھی جان لو کہ بلند مرتبہ ہونے کے باوجود اللہ کے امر کی مخالفت سے نقصان ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذکر اس میں تین مباحث ہیں۔

پہلی بحث: وہ مقامات جس میں انبیاء گناہوں سے پاک ہیں اگرچہ بعض کا اس میں اختلاف ہے۔

مقام اول: مسائل اعتقادیہ۔ عقیدے کے مسائل کے متعلق قاضی عیاض نے (شفاء، جلد 2 صفحہ 81) میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس بارے میں اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام توحید الٰہی کو اور ایمان کے مسائل نہایت اعلیٰ درجہ یقین اور معرفت شک وتردد اور جہل کے حاصل ہے۔ اس عنوان میں انبیاء علیہم السلام کو کامل عصمت حاصل ہے۔ اور جلد 2 ص 93 میں فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ نبوت سے قبل بھی وہ کفر، شرک اور صفات الٰہی، معرفت الٰہی کے جہل سے معصوم تھے۔ (اس بارے میں مخالفین کے تمام دلائل کے تفصیلی جوابات دیئے ہیں)۔ ہم نے تفسیر میں مناسب مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے۔ فرقہ امامیہ شیعہ نے کہا ہے کہ انبیاء سے بطور تقیہ کفر کا اظہار جائز ہے مگر ان کا یہ قول باطل ہے۔

دوسرا مقام: یہ مقام انبیاء کی دعوت وتبلیغ کا ہے۔ قاضی عیاض اور نیشاپوری نے امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ دعوت وتبلیغ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انبیاء ہر قسم کی تحریف اور کذب بیانی سے مبرا ومنزہ ہیں خواہ عمداً، سہواً یا خطاء ہو۔ تفسیر نیشاپوری جلد 1 ص 277۔ شفاء جلد 2 صفحہ 105۔ قاضی عیاض نے ان سوالوں کے جوابات ذکر کئے جو اس بارے میں آئے ہیں ہم نے ان کو جا بجا ذکر کیا ہے اور یہ مسئلہ تو ضرور نبوت کے بعد والی زندگی سے متعلق ہے۔

تیسرا مقام: وہ اقوال، افعال اور خبریں جو امور دنیاوی یا وہ احوال جو اس کے نفس مبارک سے متعلق ہوں، اس کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء، جلد 2 صفحہ 117 میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ سلف صالحین کا اتفاق اور اجماع ہے اس بات پر کہ انبیاء علیہم السلام پاک ہیں کذب، خلاف واقعہ باتوں سے خواہ عمداً ہو یا سہواً یا خطاء اور حالات رضاء غصہ یا مزاح میں ہو صحت مندی یا بیماری میں ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر حال میں وہ قابل اطاعت ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو بغیر چوں وچراں کے قبول کیا اور کسی قسم کے تردد اور شک کو جگہ نہیں دی ہے۔ اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہوی مسائل یا ابراہیم علیہ السلام کے ثلاثہ کذبات والی روایت ہے اس باب کے تمام اعتراضات کے جوابات تفصیلی طور پر دیئے ہیں۔

چوتھا مقام: ان کی عصمت اعمال اور کاموں کے بارے میں ہے۔ قاضی عیاض نے شفاء جلد 2 صفحہ 125 پر جمہور اہل علم کا قول ذکر کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام (کبائر) بڑے گناہوں سے محفوظ ہیں۔ فقہاء محدثین اور متکلمین میں صغائر کے متعلق اختلاف ہے۔ ابو جعفر طبری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ صغائر ان سے سرزد ہو سکتے ہیں اور بعض علماء نے اس میں (توقف) خاموشی اختیار کی ہے۔ اکثر اہل علم محدثین فقہاء جو کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے ساتھی ہیں انہوں نے اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ انبیاء کبائر وصغائر سے نبوت سے پہلے اور بعد پاک ہوتے ہیں۔ حشویہ (فرقہ مبتدعین) کا قول ہے کہ انبیاء سے (کبائر) بڑے گناہ ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر معتزلہ تو ان کیلئے عمداً صغائر گناہ جائز قرار دیتے ہیں اور جبائی معتزلی نے کہا ہے کہ (صغائر وکبائر) چھوٹے، بڑے گناہ ان سے عمداً اور بطریقہ تاویل صادر ہونا جائز ہے۔ اہل تشیع کا مسلک یہ ہے کہ (صغائر وکبائر) بڑے چھوٹے عمداً، سہواً، تاویلاً، خطاء سب سے پاک ہے مگر تقیتاً کفر کرتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر دو کہ مقام 3 اور مقام 4 میں اختلاف ہے کہ انبیاء کرام کو جو گناہوں سے پاکدامنی نبوت سے پہلے بھی حاصل ہے یا صرف نبوت کے بعد حاصل ہے۔

پانچواں مقام: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء جلد 2 صفحہ 128 میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہل سنت اور معتزلہ کا قول ہے کہ نبوت سے پہلے انبیاء کیلئے (عصمت) پاکی حاصل نہیں ہے اور اکثر اہل سنت اور اہل تشیع کا مسلک تو قبل نبوت بھی انبیاء کی عصمت (پاکدامنی) کا ہے۔ قاضی عیاضی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان شاء اللہ یہ قول بہتر ہے کہ انبیاء نبوت سے پہلے بھی ہر قسم عیب وریب سے معصوم تھے۔ نیشاپوری نے اس قول کو مختار پسندیدہ قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے مرقاۃ جلد 1 صفحہ 127 میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور بعد صغائر وکبائر دونوں قسم کے گناہوں سے عمداً، سہواً پاک ہوتے ہیں۔ اور یہ بات محققین کے نزدیک حق ہے اور یہ بات صفحہ 69 شرح فقہ اکبر میں ہے اور یہ عبارت ابوالمنتھی کی شرح فقہ اکبر میں ہے، ابوشکور سالمی نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ تفسیر خازن، تفسیر سورۃ ضحیٰ میں اور علامہ شامی نے مجموعۃ الرسائل صفحہ 312 میں تحریر کیا ہے۔ (دوسری بحث) عصمت کے اثبات کیلئے دلائل کا تذکرہ اور ان میں سے بعض بعد النبوت کیلئے اور بعض قبل الموت کیلئے ہے اور یہ بھی دو اقسام پر ہے (۱) نقلی دلائل (۲) عقلی دلائل۔

دلائل نقلیہ کی تفصیل: دلیل 1: امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ میں لکھا ہے کہ یہ دلالت کرتا ہے کہ ملائکہ اور نبیوں میں سے کسی نے الذین انعم اللہ علیہم سے عمل میں اور نہ ہی عقیدہ میں اختلاف کیا ہے ورنہ وہ بھی غَيْرِ الْمَغْضُوبِ میں داخل ہوتے اور وہ بھی قابل اقتداء باقی نہیں رہتے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہوئی کہ یہ آیت عصمت انبیاء کی دلیل ہے۔ دلیل 2: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (سورۃ الاحزاب، آیت 30) اس آیت سے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ جن کا مرتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہو ان کا عذاب بھی بوقت نافرمانی دگنا ہوگا تو اگر نبی سے بفرض محال گناہ ہو جاتا تو اسے سزا عام امتی کے بنسبت دگنا دیا جاتا جبکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ دلیل 3: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (سورۃ الحجرات، آیت 6)

اس آیت سے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ نبی سے اگر معصیت ہو جائے تو فاسق شمار ہوگا جبکہ فاسق کی گواہی مردود ہے اور حال یہ ہے کہ انکی بات ماننا دنیا میں ساری امت پر فرض ہے اور قیامت میں بھی اپنی امتوں پر شہادت دیں گے۔

دلیل 4: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (سورۃ احزاب، آیت 57)

یہ آیت دلیل ہے کہ نبی کو تکلیف دینا سبب لعنت ہے اور اگر بالفرض گناہ کریں تو اس کو بطور زجر وسزا تکلیف دینا جائز ہو جائیگا۔ دلیل 5: أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ. فَاتَّبِعُوْنِيْ. وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ (سورۃ النور آیت 54

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

و محمد وغیرہ)۔ یہ آیتیں دلیل ہیں کہ نبی کے اقوال و افعال کی پیروی ہم پر فرض ہے اور وہ سبب ہدایت ہے بالفرض اگر وہ گناہ گار ہوتے تو اس میں بھی تابعداری فرض ہوتی جبکہ یہ باطل ہے۔ دلیل 6: أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (سورۃ بقرۃ، آیت 44)۔ بفرض محال اگر نبی سے گناہ صادر ہو جائے تو اس زجر کا مستحق ہو جائے گا اور یہ بھی باطل بات ہے۔ دلیل 7: إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (سورۃ الانبیاء، آیت 90)۔ الخیرات میں الف، لام استغراقی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہر اطاعت اور ہر قسم گناہ سے بچنے کو شامل ہے۔ دلیل 8: وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (سورۃ ص، آیت 47)۔ اصطفیٰ کا معنی چنا ہوا ہے جبکہ یہ صفت گناہ کے منافی ہے۔

دلیل 9: وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ * إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (سورۃ حجر، آیت 39، 40)

استدلال بالفرض اگر نبی گناہ کا ارتکاب کریں تو (اغواء) گمراہی میں داخل ہوگا اور مخلصین کی جماعت سے نکل جائے گا۔ حالانکہ دیگر نصوص و اجماع سے ثابت ہے کہ انبیاء مخلصین ہیں۔ دلیل 10: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (سبا، آیت 20)۔ استدلال اگر انبیاء بالفرض گناہ کے مرتکب ہو جائیں تو مومنین کی جماعت سے خارج شمار ہو جائیں گے جبکہ یہ باطل بات ہے۔ دلیل 11: أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورۃ مجادلۃ، آیت 22)۔ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (سورۃ مجادلۃ، آیت 19)

یعنی لوگوں کے دو گروہ ہیں ان میں گناہ والا شیطان کا گروہ ہے اگر بالفرض انبیاء گناہ گار ہوں تو حزب اللہ سے باہر ہو جائیں گے۔ جبکہ یہ باطل ہے۔ دلیل 12: إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (بقرۃ، آیت 124) امام (نبی) وہ ہوتا ہے کہ اس کے ہر عمل میں اقتداء کی جاتی ہے اور گناہ میں تو اقتداء ناجائز ہے۔ دلیل 13: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (بقرۃ، آیت 124) آلوسی، بیضاوی رحمہما اللہ لکھتے ہیں کہ عہد سے مراد نبوت کی امامت کا عہد ہے تو جس نے گناہ کیا ہو نبوت سے پہلے یا بعد میں تو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ دلیل 14: وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران، آیت 161)۔ غلول عام ہے خواہ مال میں ہو یا عمل میں یا قول ہر گناہ کو شامل ہے اور یہ رسول کی شان کے خلاف ہے۔ دلیل 15: لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ * كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (صف، آیت 2، 3)۔

استدلال: نبی سے اگر گناہ سرزد ہو جائے اور لوگوں کو گناہ سے منع کرتا ہے اس آیت کے زجر میں داخل ہو جائے گا اور یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز نہیں ہے۔

تنبیہ: مذکورہ دلائل میں بعض صراحتاً اور بعض التزاماً عصمت قبل النبوت پر دلالت کرتے ہیں بعد النبوت عصمت کے اثبات کیلئے تو تمام دلائل صریح ہیں۔

دلائل عقلیہ

دلیل 1: گناہ کا ارتکاب ایک خبیث اور قبیح کام ہے اور درجہ نبوت ہر قسم کی خباثتوں سے پاک ہے۔

دلیل 2: انبیاء علیہم السلام مقربین ملائکہ سے اکثر علماء کے نزدیک افضل ہے، جبکہ عام ملائکہ سے تو بالاتفاق افضل ہے ملائکہ تو تمام معصوم ہے پھر انبیاء کیوں معصوم نہیں ہونگے؟۔ دلیل 3: امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہم پر انبیاء کی اتباع لازم ہے۔ امر مطلق کے ساتھ تمام امور میں تو اگر ان کے لیے صغائر یا کبائر جائز ہوجائیں تو ہم پر گناہ کی اتباع لازم آئے گی اور یہ تو باطل ہے۔ دلیل 4: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاء میں نبوت سے قبل عصمت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ تو ممتنعات میں سے ہے کیونکہ نزول شریعت اور حدود شریعت کی تعیین کے بعد گناہ گنا جاتا ہے۔ حصول نبوت سے قبل دوسرے نبی کے مکلف ہونا یعنی پابندی ان پر لازم ہے یا نہیں اس میں علماء کے دو قول ہیں۔

قول اول: جمہور علماء کا ہے کہ سابقہ نبی کی شریعت کا مکلف نہیں ہے اس قول کے مطابق جب مکلف نہیں تو گناہ کیسے ثابت ہونگے۔ قول ثانی: بعض علماء کے مطابق مکلف ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مکلف متعین شریعت پر ہے یا غیر متعین کا یا تمام شریعتوں کا۔ آخری دو صورتیں نہیں ہوسکتی کیونکہ مجہول پر شریعت اور اسی طرح متضاد احکام پر پابندی تو ممتنع ہے اور اگر متعین شریعت پر مکلف ہو تو اس پر اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ سابقہ نبیوں کی دعوت تو عام نہیں تھی یہ خصوصیت تو صرف ہمارے آخری نبی ﷺ کو حاصل ہے تو یہ اس پر کس دلیل کے ساتھ مکلف ہو؟ صحیح قول یہ ہے کہ نبوت سے پہلے گناہ کی صفت کے ساتھ کوئی نبی متصف نہیں ہوسکتا۔

تیسری بحث: ان اعتراضات کے جوابات میں جو انبیاء کرام کی عصمت پر وارد کیئے گئے ہیں یہ اعتراضات دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے کہ جس میں آیتوں سے استدلال کیا گیا ہے۔ دوم قسم خارجی اعتراضات ہیں۔ پہلی قسم کہ جس میں استدلال ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام کے قصے پر شجرہ سے منع اور اس کی مخالفت۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قصے پر هٰذَا رَبِّي بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ. إِنِّي سَقِيمٌ. سیدنا نوح علیہ السلام کے قصے پر (سورۂ ہود) میں اور یوسف علیہ السلام کے قصے پر داؤد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علیہ السلام کے قصے پر جو سورۂ ص اور انبیاء میں ہے اور سیدنا یونس علیہ السلام کے قصے پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سورۂ قصص اور شعراء میں اور زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے پر جو متعلق ہے خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھ جو سورۂ احزاب میں مذکور ہے ان تمام اعتراضات کے تفصیلی جوابات موقع محل پر بیان ہونگے۔ ان شاء اللہ

یہاں سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ میں مخالفین کے دلائل پانچ شقوں پر مشتمل ہیں:

شق 1: سیدنا آدم علیہ السلام نے (نہی) منع کی مخالفت کی ہے۔ شق 2: ظالمین کے لفظ سے استدلال۔ شق 3: شیطانی وسوسہ قبول کرنا۔ شق 4: جنت سے (اخراج) نکل جانے کا حکم۔ شق 5: توبہ کرنا۔ بالترتیب جواب ملاحظہ ہو۔

شق 1 کا جواب: نہی کی مخالفت میں دو احتمال ہیں۔ پہلا: نہی تحریمی ہے یا تنزیہی ہے اگر نہی تنزیہی ہے تو اس کی مخالفت پر گناہ نہیں اگر تحریمی ہے تو یہ مخالفت کرنا، نسیاناً یا سہواً یا قصداً تھا، اگر بھول کر مخالفت کی تھی تو اس کو گناہ نہیں کہہ سکتے ہیں اور یہ مخالفت بھول کر کی تھی دلیل سورۂ طٰہٰ، آیت 115 کی دلیل اور حسامی، صفحہ 106 کے مطابق جو اصول مذکور ہے (فعل ناسی) بھول جانے والے کا فعل شارع کی طرف منسوب ہوتا ہے لہٰذا جنایت کا معنی ساقط ہوا اور فاعل معاف ہوا۔ بالفرض اگر نسیان بھول جانے سے ہو تو انہوں نے اجتہاد سے معلوم کیا کہ نہی تنزیہ کیلئے ہے یا منع خاص درخت ہے اس کے جنس سے منع نہیں ہوا ہے۔ یہ احتمالات نسفی نے شرح العقائد، ملا علی قاری نے فقہ اکبر اور دیگر مفسرین نے ذکر کیے ہیں۔

دوسری دلیل اور اس کا جواب: ظلم کے مصداقات پہلے گزر چکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اجتہادی غلطی یا خلاف اولیٰ پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہدایہ آخرین صفحہ 134 میں لکھا ہے کہ ظلم کا اطلاق مجتہد فیہ مسئلے میں ہوسکتا ہے اور اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی واضح ہوگیا کہ مجتہد کبھی مصیب اور کبھی خطا ہوسکتا ہے لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ لفظ ظلم سے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ انہوں نے گناہ کیا تھا بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ ہے اور نہی تحریم کیلئے ہے تو پھر جواب یہ ہوگا کہ نہی شریعت میں عمد اور مقصد کیساتھ مقید ہے جیسا کہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں لکھا ہے تو معنی یہ ہے کہ قصد اور ارادے کے ساتھ اس درخت سے مت کھاؤ اگر عمداً اس سے خوراک کیا تو گنہگار ہو جاؤ گے لیکن انہوں نے یہ کام بھول کر یا خطا کے ساتھ کیا تو ظالم نہیں ہوتے اس وجہ سے ظلم شرعی (گناہ) کے اطلاق میں قصد شرط ہے۔ جیسا کہ ہدایہ اولین صفحہ 373 میں مذکور ہے کہ "لَا ظُلْمَ إِلَّا عَنْ قَصْدٍ" ظلم شرعی یعنی گناہ نہیں مگر قصد سے اور آلوسی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایسا جواب کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ گناہ نبوت سے پہلے تھا کیونکہ یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسری دلیل کا جواب: شیطان کی وسوسوں اور بعض تدبیروں اور چالوں سے انبیاء کی عدم عصمت لازم نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ میرے ساتھ بھی قرین یعنی شیطان ہے لیکن (أسلمُ یا أسلَمَ) (صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین 2814) وہ میرا تابع ہوا ہے مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ صحیح بخاری (کتاب الصلوۃ حدیث 461) کی دوسری روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ کو رات کی نماز کے دوران شیطان نے آگ کے شعلے آگے لاکر تکلیف دینے کی کوشش کی لیکن نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اس پر قابو پالیا اور اس کے مکر سے اسکو بچالیا ہاں شیطان انبیاء کو گمراہ نہیں کر سکتا دوسری بات یہ ہے کہ یہاں شیطان کے وسوسے سے صرف زلت پسلانا ہوا اور پہلے گزر چکا ہے کہ زلت گناہ نہیں ہے۔ **چوتھی دلیل کا جواب:** (اخراج، اھباط) جنت سے نکال کر زمین پر اتار دینا گناہ کے سبب نہیں ہوا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا توبہ قبول کیا اور اس سے درگزر کا معاملہ کیا تو پھر جنت سے نکال دینے کے کیا معنیٰ ہے تو معلوم ہوا کہ اخراج اور اھباط ایک مرتب اثر ہے اس درخت کے کھانے پر اثر طبعی کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں ایسا اثر رکھا تھا کہ اس کے کھانے سے بندہ جنت میں نہیں رہ سکتا اور اس طرح ابو حیان نے "البحر المحیط" میں اور قرطبی نے تفسیر میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق کے قریب تر بات یہ ہے کہ اِهْبِطُوْا اَمر تعبدی ہے کیونکہ اس میں جنت کے بنسبت سخت مشقت ہے یعنی ایسے مکان کی طرف منتقل ہونا کہ اسمیں معیشت کے ساتھ مشقت لازم ہو تو اس کے ساتھ ان لوگوں کا قول باطل ہو جو اس تکلیف کو سزا قرار دیتے ہیں کیونکہ عبادت میں تشدید ثواب کے زیارت کا سبب ہے تو کیسے سزا ہو سکتی ہے نیز اس (اھباط، اخراج) جنت سے نکال کر زمین پر اتارنے میں ذریت آدم علیہ السلام کا بسنا اور ایک شرعی حکم کا ان کو پابند کرنا تھا تاکہ اس پر جنت یا جہنم کے قول کا فیصلہ مرتب ہو جائے۔ بعض علماء نے زہر کی مثال ذکر کی ہے کہ زہر پینے والا معاف ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ چاہے لیکن زہر کا اثر جو کہ موت یا مرض ہے وہ تو زائل نہیں ہوگا اسی طرح سیدنا آدم علیہ السلام کی مثال ہے۔

پانچویں دلیل کا جواب بعد میں ہوگا۔ إن شاء اللہ

دوسری قسم خارجی اعتراضات اور اس کے جوابات:

پہلا اعتراض: اگر قول مختار یہ ہو کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بعد گناہوں سے پاک ہیں تو یہ قول اہل تشیع کے مساوی ہے۔ **جواب 1:** اگر کسی مشرک یا مبتدع گروہ کے قول کے ساتھ اچھائی میں متابعت ہو جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ بہت سے مشرکین اللہ تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت کا عقیدہ رکھتے ہیں تو یہ متابعت درست ہے البتہ شرکیہ بدعیہ نظریات میں موافقت درست نہیں ہے۔

جواب 2: ان سے مشابہت نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک انبیاء سے تقیہ کے طور پر کفر جائز ہے جبکہ ہمارے نزدیک یہ عقیدہ کفریہ ہے۔ یہ تفصیل کتاب نبراس صفحہ 455 مؤلف (عبدالعزیز الفرہاوی) میں موجود ہے۔ دوسرا اعتراض اہل سنت کی بہت سی کتابوں میں مذکور ہے کہ گناہوں کا صدور انبیاء علیہم السلام سے جائز ہے جیسا کہ تفتازانی نے شرح العقائد نسفیہ میں لکھا ہے کہ اکثر نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ نبوت کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب سہواً یا خطاء اجتہادی سے ہوسکتا ہے۔ جَوَّزَهُ الْأَكْثَرُوْنَ اور صغائر بعد النبوت کے متعلق فرمایا ہے کہ تجوز عند الجمہور؟

جواب 1: ان دونوں مقام میں انہوں نے مختار مسلک چھوڑا ہے یعنی بہتر قول وہی ہے جو گزشتہ دلائل میں گزرا ہے۔

جواب 2: جواز اہل علم کی عرف میں صرف امکان کو کہا جاتا ہے خواہ واقع ہو یا نہیں۔ اہل تشیع اور معتزلہ کے ساتھ اختلاف امتناع اور امکان میں ہے کہ ان کا مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب منع ہے جبکہ اہل سنت صرف امکان کے قائل ہیں اور وقوع میں اختلاف نہیں ہے یعنی گناہ ان سے بالکل صادر نہیں ہوئے ہیں۔ تفصیل علامہ شامی کے مجموعۃ الرسائل رسالہ 14 رفع الاشتباہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض 3 کا جواب: قرآن مجید میں انبیاء کیلئے واضح الفاظ آئے ہیں یعنی عصیان، ذنب، توبہ، ظلم جب کہ تم لوگ ظاہری نصوص کو چھوڑتے ہو اور اس میں تاویلات کرتے ہو؟ جواب 1: ان مقامات میں جو معنی کیے گئے ہیں وہاں حقیقت چھوڑ کر مجازی معنی نہیں لیا گیا ہے بلکہ مشترک لفظ جس کے مختلف معنی ہیں ان میں سے وہ معنی لیا گیا ہے جو گناہ پر دلالت نہیں کرتا، اصطلاح میں اس کو تاویل کہتے ہیں لیکن یہ تاویل محمود ہے اور یہ بہت سارے مسائل میں جاری ہوتا ہے جس کے سلف صالحین قائل ہیں۔ جواب 2: تفتازانی نے شرح العقائد النسفیہ میں لکھا ہے کہ انبیاء سے جو اخبار آحاد منقول ہیں جو ظاہراً معصیت پر دلالت کر رہی ہوں تو وہ مردود ہیں اور اس کی مثالیں نبراس میں مذکور ہیں اور اس طرح تو قرآن میں نہیں ہے۔ بلکہ اخبار احاد صحیحہ بھی نہیں ہیں اور تواتر سے جو منقول ہو تو وہ ظاہری معنی سے پھیر دیئے گئے خواہ اس کی تاویل ہوسکتی ہو یا نہیں تو وہ ترک اولیٰ پر محمول ہوں گے تو یہ عبارت تاویل پر دلالت کرتی لیکن اہل علم سے منقول ہے کہ نبی کی عصمت کیلئے یا بری شخص کو بچانے کیلئے تاویل تو کیا جھوٹ بولنا بھی جائز ہے جیسا کہ محب اللہ بہاری نے مسلم الثبوت میں ذکر کیا ہے۔ الحمد للہ یہ بحث تکمیل تک پہنچ گئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ع

"پھر سیکھ لیے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمے تو رحم کیا ان پر بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے اور نہایت مہربان ہے۔" [37] "ہم نے کہا تم سب کے سب اترو یہاں سے پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہنچے پس جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہیں ہوگا کوئی خوف ان پر اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔" [38] "اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (دلوں سے) جھٹلایا ہماری آیتوں کو (زبان سے) تو یہی لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔" [39]

تفسیر 37: اس آیت میں آدم علیہ السلام پر مزید خاص انعامات کا ذکر ہے یعنی توبہ کیلئے کلمات کی تعلیم اور پھر اس کی قبولیت۔ فَتَلَقّٰۤى سورۂ اعراف کی ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ شجرہ کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف، آیت 22 میں آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو جب تنبیہ کی تو انہوں نے متصل یہ کلمات پڑھ لیے تو معلوم ہوا کہ فَتَلَقّٰۤى عطف ہے۔ فَاَزَلَّهُمَا پر اور درمیان میں فَاَخْرَجَهُمَا اور قُلْنَا اهْبِطُوْا اِلٰى حِيْنٍ۔ جملہ معترضہ ہے۔ نیشاپوری نے فرمایا ہے کہ تَلَقّٰى اصل میں ملاقات کے لئے آنے سامنے ہونے کو کہا جاتا ہے۔ پھر صرف سامنے آنے والی چیز کیلئے مستعمل ہے پھر تلقی لینے اور قبول کرنے کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ ابو حیان رحمہ اللہ کے قول کے مطابق مندرجہ ذیل معانی اس میں موجود ہے۔ لینا، قبول کرنا، فہم، فطانت، الہام، تعلیم، اس پر عمل اور استغفار اور اس طرح اس وحی میں استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کی طرف کی ہو رسول نے فہم کے ساتھ قبول کیا ہو جیسا کہ سورۂ نمل، آیت 6 میں ہے۔ یہاں پر بھی مقصد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے چند کلمات نازل ہوئے اور انہوں نے استغفار اور تضرع کرتے ہوئے قبول کیا اور اس پر عمل شروع کیا۔ اٰدَمُ: تَلَقّٰى میں چونکہ وحی کا معنیٰ موجود تھا اور وحی کا محل تو صرف آدم علیہ السلام تھے اور حوا ان کے تابع تھیں اسی وجہ سے تَلَقّٰى میں آدم علیہ السلام کی تخصیص فرمائی اور عمل میں حوا علیہا السلام کو ان کے ساتھ ذکر کیا جیسا کہ اعراف، آیت 23 میں ہے۔ مِنْ رَّبِّهٖ: یہ بھی دلیل ہے کہ یہ وحی تھی اور دوسرا فائدہ بعد میں مذکور ہے۔ كَلِمٰتٍ: یہ تَلَقّٰى کیلئے مفعول ہے۔ مفسرین نے ان الفاظ کی تعیین میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں لیکن صحیح مرفوع سند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں ہے البتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال موجود ہیں۔ اکثر صحابہ اور تابعین جیسا کہ سیدنا ابن عباس، حسن، ابن جبیر، مجاہد، ابن کعب، عطاء، قتادۃ، خالد بن معدان، عبید بن عمیر، ابن زید بن اسلم، ابوالعالیہ، ربیع بن انس ضحاک رحمہم اللہ سے روایات منقول ہیں کہ مراد اس سے وہ کلمات ہیں جو سورۃ اعراف آیت 23 میں مذکور ہیں اور یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے یعنی قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید سے ہے اور اس کے مقابل میں دوسری روایت صحیح مرفوع متصل سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو اس سے دوسری طرف عدول مناسب نہیں ہے۔

سوال: اس باب میں ایک مرفوع حدیث ہے، جس کا مضمون اس طرح ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے محمد ﷺ کی ذات کے وسیلہ سے دعا طلب کی تھی اور قبول ہو گئی تو اس سے وسیلہ بالذوات الفاضلہ بھی ثابت ہوا اور اس حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں اگر وہ نبی ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا تو اس سے اگر وہ نہ ہوتے تو ساری کائنات نہ ہوتی۔ (لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ) کا معنی بھی ثابت ہوا؟ جواب: ہر حدیث کا دارو مدار سند اور معنی پر ہوتا ہے، یہ روایت باعتبار سند ضعیف ہے، کنز العمال، جلد 2 صفحہ 359 میں ہے کہ اس کی سند کمزور ہے کیونکہ حماد بن عمر النصیبی نے سری سے انہوں نے خالد سے روایت کی ہے جبکہ وہ دونوں ضعیف ہیں نیز جلد 11 صفحہ 455 میں بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اسی طرح حیاۃ الانسان صفحہ 124 اور 129 میں فرمایا ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم راوی ہے اور وہ ایک ضعیف راوی ہے اور اسی طرح اس میں ایک رافضی راوی بھی موجود ہے اسی طرح معجم صغیر للطبرانی، جلد 2 صفحہ 182 میں بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے مستدرک کی تعلیق جلد 1 صفحہ 615 اور میزان الاعتدال جلد 3 صفحہ 246 میں اس روایت کو من گھڑت اور باطل قرار دیا ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایۃ والنہایۃ ج 1 صفحہ 75 میں اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں، امام ذہبی کی موافقت کی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے التوسل والوسیلہ صفحہ 69 اور فتاوی، صفحہ 151 جلد 1 صفحہ 254 میں اس پر تفصیلی جرح نقل کی ہے۔ اسی طرح حاکم نے مستدرک حاکم میں جلد 2 صفحہ 16-614 پر اس عنوان کی ایک اور روایت ذکر کی ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کو بھی من گھڑت قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ حدیث معنی کے اعتبار سے قرآن مجید کے بھی خلاف ہے، مثلاً: اس روایت میں دنیا کی تخلیق کا مقصد نبی کو ٹھہرایا ہے جبکہ پیدائش عالم کا مقصد وغایہ اثبات یعنی کائنات کے پیدا کرنے کا مقصد اظہار حق اور اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ سورۂ یونس، آیت 5۔ ذاریات، آیت 56 اور بہت سارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنوں اور انسانوں کیلئے غایۃ ہے۔ سورۂ اعراف، آیت 179 میں جہنم ذکر کیا ہے اور اسی طرح انسانوں کی تخلیق کا مقصد اعمال کا امتحان ہے۔ سورۂ یونس، آیت 14 مذکورہ آیتوں سے کائنات کی تخلیق کا مقصد اظہار حق، انسانوں کے اعمال کا امتحان وغیرہ ذکر کیا گیا ہے لہٰذا ذکر کردہ ضعیف روایت کتاب اللہ کے بھی خلاف ہے۔ باقی رہا حدیث (لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ) (قال البانی. هٰذَا بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ فِي شَيْءٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيْثِ الْبَتَّةَ وَكَمَا يَرْوِيْهِ بَعْضُ الْجُهَّالِ بِالسُّنَّةِ كَمَا نَبَّهَ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ. كِتَاب اَلتَّوَسُّلُ وَأَنْوَاعِهِ وَأَحْكَامِهِ. یہ روایت باطل ہے اس کی کوئی اصل حدیث کی کتابوں میں نہیں ہے البتہ بعض سنت سے جاہل لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام نے متنبہ کیا ہے) امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام صنعانی رحمہ اللہ نے من گھڑت (موضوع) قرار دیا ہے، اور اس طرح عبارت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ،، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع،، میں نقل کی ہے۔ اور موضوعات کبیر میں بھی صفحہ 59 پر نقل کیا گیا ہے۔ اس زمانہ کے بعض مفتیوں نے کچھ آثار جمع کر کے اس روایت کو صحیح کرنے کی کوششیں کیں ہیں مگر ان کی سعی لاحاصل ہے کیونکہ اس میں کوئی بھی اثر صحیح اور قابل التفات نہیں ہیں۔

سوال: سیوطی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے بحق محمد ﷺ اور سیدہ فاطمہ، حسن، حسین و علی رضی اللہ عنہم کا توسل کیا تھا؟۔ جواب: امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو بے سند ذکر کیا ہے اور بے سند روایت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

فَتَابَ عَلَيْهِ: اَصل میں تاب رَجَعَ کے معنی میں ہے تو توبہ کرنے والا بھی اپنی غلطی سے رجوع کرتا ہے اور اس پر ندامت کرتا ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے تو معنی یہ ہے کہ جب بندہ گناہ سے رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحمت سے رجوع کرتا ہے اور نتیجہ یا تو توبہ کی قبولیت کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی تخفیف آسانی لانے کی صورت میں ہوتی ہے۔ فائدہ: قرآن مجید میں توبہ کا مادہ 87 مرتبہ دس طریقوں پر استعمال ہوا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ اول طریقہ: صیغہ اَمر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف اور وہ فرضیت توبہ پر دلیل ہے اور اس ترتیب سے 7 مرتبہ مستعمل ہے جیسا کہ سورۂ نور، آیت 31 تحریم آیت 8۔ دوسرا طریقہ: مرد وزن کی صفت میں اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ التائبون ایک مرتبہ التائبات ایک مرتبہ اور التوابین ایک مرتبہ۔ تیسرا طریقہ: بندے کی طرف نسبت صیغہ فعل ماضی یا مضارع کے ساتھ 32 مرتبہ ہوا ہے۔ سورۂ مائدہ، آیت 39 نساء، آیت 17۔ چوتھا طریقہ: بندے کی طرف نسبت اضافت کے طریقے کے ساتھ یا اس سے صدور، آل عمران، آیت 90 توبہ آیت 104 شوریٰ، آیت 25۔ پانچواں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طریقہ: اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کی نسبت تواب وصف کے ساتھ 11 مرتبہ ہوا ہے اور فعل ماضی کے صیغہ کے ساتھ 10 مرتبہ ہوا ہے اور مضارع کے صیغہ کے ساتھ 10 مرتبہ ہوا ہے اور امر کے صیغے کے ساتھ طلب اور دعا کیلئے ایک مرتبہ۔ سورۃ بقرۃ، آیت 128۔ چھٹا طریقہ: توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں سیدنا آدم علیہ السلام کے۔ سورۃ بقرۃ، آیت 37 وطٰہٰ، آیت 122 خاتم النبیین علیہ السلام کے متعلق۔ سورۃ توبہ، آیت 117 ابراہیم سے متعلق۔ سورۃ بقرہ، آیت 128۔ ساتواں طریقہ: اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور دیگر مومنین کے بارے۔ سورۃ بقرہ، آیت 187 وتوبہ، آیت 117، 118 ومجادلہ، آیت 13 ومزمل، آیت 20 ونساء، آیت 26۔ 27 واحزاب، آیت 73۔ آٹھواں طریقہ: اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت بنی اسرائیل سے متعلق۔ سورۃ بقرہ، آیت 54 ومائدہ، آیت 71۔ نویں نسبت: اچھے آثار جو بندے کے توبہ قبول ہونے کے صورت پر مرتب ہوتے ہیں۔

1 قبولیت: سورۃ مائدہ، آیت 39۔ 2: مغفرت ورحمت۔ سورۃ انعام، آیت 54۔ 3: جنت میں داخلہ۔ سورۃ مریم، آیت 60۔ 4: گناہوں کی تبدیلی نیکیوں کے ساتھ۔ سورۃ فرقان، آیت 70۔ 5: فلاح وکامیابی۔ سورۃ قصص، آیت 67۔ 6: شبیہ سے گریز۔ سورۃ نساء، آیت 16۔ 7: معیت ایمان والوں کے ساتھ۔ سورۃ نساء، آیت 146۔ 8: ایمان لانے کی وجہ سے ان کا راستہ چھوڑ دینا۔ سورۃ توبہ، آیت 5۔ 9: دین میں بھائی چارہ۔ سورۃ توبہ، آیت 11۔ 10: متاع حسن کا حاصل ہونا۔ سورۃ ہود، آیت 3۔ 11: ضرورت کے مطابق بارشوں کا ہونا۔ سورۃ ہود، آیت 52۔ 12: اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہونا۔ سورۃ بقرہ، آیت 222۔ دسویں نسبت: اللہ تعالیٰ سے توبہ نہ کرنے اور توبہ کی عدم قبولیت کے برے آثار 1 ظلم۔ سورۃ حجرات، آیت 11 جہنم کا عذاب۔ سورۃ بروج، آیت 10۔ قبول نہ ہونا۔ سورۃ نساء، آیت 18 وآل عمران، آیت 90

فائدہ 2: جن آیتوں میں انبیاء سے متعلق توبہ مذکور ہے وہاں نبی کا (تعبد) بندگی، عاجزی وانکساری کا اظہار مراد ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے توبہ کا ذکر۔ سورۃ اعراف، آیت 143 میں ہے یا مراد اس سے آسانی پیدا کرنا اور درجات بلند کرنا ہے جیسا اس آیت میں اور توبہ کی آیت 117 میں اور یہ معنی سورۃ بقرہ، آیت 187 ونساء کی آیت 92 میں بھی مراد ہے کیونکہ ان آیتوں میں تو گناہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ ان مقامات سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو نبی کے گناہ کے اثبات کے قائل ہیں مگر ان کا استدلال درست نہیں کیونکہ توبہ سے گناہ لازم نہیں آتا۔

فائدہ 3: توبہ کیلئے علماء نے یہ شرائط ذکر کیں ہیں: 1: گناہوں پر دل میں ندامت۔ 2: زبان پر استغفار۔ 3: گناہ کا اقرار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا گناہ اور اس کے اسباب چھوڑنا۔ 4: متصل صالح عمل شروع کر دینا توبہ کرنے کی تاکید ہے۔ شربینی اور خازن نے اس کو نقل کیا ہے۔ ان شرائط کی تفصیل علامہ ابن قدامہ مقدسی نے مختصر ،منہاج القاصدین ،، صفحہ 285 میں ذکر کیا ہے۔ توبۃ نصوحا کی تشریح تحریم میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

سوال: عَلَيْهِ: کے جگہ میں علیھما کیوں نہیں فرمایا حالانکہ سورۃ اعراف میں توبہ کے کلمات دونوں کے مذکور ہیں؟۔

جواب 1: اکثر خواتین مردوں کے تابع ہوتی ہیں۔ جواب 2: اسکن میں امر مفرد ذکر تھا اس لیے یہاں پر بھی مفرد ذکر کیا گیا۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ : یہ من ربہ اور تابہ علیہ کیلئے علت ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو یہ کلمات سکھا دیے کیونکہ وہ تواب ہے اور ان کی توبہ کو قبول فرمایا کیونکہ وہ رحیم ہے۔ اسطرح اس میں دوسرے گناہ گاروں کیلئے تسلی اور توبہ کی طرف ترغیب ہے۔ التَّوَّابُ: مبالغہ کی وجہ اس صفت میں گناہ گاروں کی کثرت اور گناہوں کے کثرت ہے اور کثرت قبولیت توبہ ہے۔ الرَّحِيْمُ: اس مبالغہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہت ہی رحم کرنے والا ہے یعنی بار بار توبہ قبول کرتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ اس کو اپنا کوئی نفع حاصل کرنا مقصود ہے بلکہ رحیم صفت کی وجہ سے ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معافی اور توبہ کا طریقہ خود بتاتا ہے جیسا آدم علیہ السلام کو کلمات سکھا دیئے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ توبہ کے بعد رحمتیں اور نعمتیں بھی دیتا ہے اور گناہوں سے محافظت بھی کرتا ہے۔ تَوّاب ماضی کے ساتھ متعلق ہے اور رحیم مستقبل کے ساتھ ہے۔ فائدہ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (تائب) اللہ تعالیٰ کی صفت میں مذکور نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالی پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی کی ذات پر صرف ان ہی اسماء وصفات کا اطلاق درست ہے جو یا تو قرآن مجید میں یا پھر صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ جتنے بھی اسماء وصفات ہیں اگر چہ لغوی اعتبار سے جائز ہوں لیکن شرعاً جائز نہ ہو تو ان کو استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر 38: اهْبِطُوْا: چونکہ تکرار کے ساتھ استعمال ہوا ہے مفسرین کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول: اول حکم (اهْبِطُوْا) جنت سے آسمان پر اترنے کیلئے اور دوبارہ اهْبِطُوْا آسمان سے زمین پر اترنے کیلئے ہے۔ لیکن نیشاپوری رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ وہاں تو لفظ ہے (وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ) اور اس جگہ لفظ ہے (اهْبِطُوْا مِنْهَا) اس ترتیب میں تو سابقہ قول کی مخالفت آئے گی۔ دوسرا یہ کہ یہ ایک اشکال ختم کرنے کیلئے ہے اشکال یہ ہے کہ توبہ قبول ہونے کے بعد اب زمین پر اتارنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہو گا تو جواب ہوا کہ (اھباط) زمین پر اتر جانے کا حکم بطور سزا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے ورنہ توبہ قبول ہونے کے بعد اس حکم کو معطل کر دیتے لہٰذا یہ تو اس وعدے کو پورا کرنا ہے کہ (إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) ذکر ہوا تھا کہ زمین میں خلیفہ بناتا ہوں اس قول کو نیشاپوری نے پسند کیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ اھبطوا سے متعلق دو الگ الگ حکم ہیں ایک حکم تکوینی یعنی دنیا میں زندگی گزارنے کا انداز اور دشمنی کے ساتھ ساتھ زمین کے فائدے حاصل کرنے کا طریقہ اس کو مقدم ذکر کیا ہے۔ دوسرا: اھبطوا پر حکم شرعی اور اس کے ماننے اور انکار کرنے والوں کے احوال اور اس کو دوسرے اھباط کیساتھ ذکر کیا اور اس کو ہمارے اساتذہ کرام کی اصطلاح میں (إِعَادَة بَعدِ عَهد) کہتے ہیں۔ جَمِيعًا: یہ حال بنتا ہے۔ اِهْبِطُوا سے اور یہ حکم میں عمومیت چاہتا ہے مگر زمانہ وقت ایک ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا یہاں یہ بھی یہی ترتیب ہے کہ اھباط کا حکم عام ہے سیدنا آدم وحوا علیہما السلام شیطان سب اس میں داخل ہے۔ برابر بات ہے کہ ایک ساتھ اترے ہو یا الگ الگ ظاہر تو یہ ہے کہ الگ الگ اترے ہیں۔ ابوحیان رحمہ اللہ نے البحر المحیط میں اس مقام پر ان مفسرین پر رد کیا ہے جنھوں نے مقدر عبارت (هَبُوطًا جَمِيعًا) یا (هَابِطِينَ جَمِيعًا) یا (فَهبِطُوا جَمِيعًا) ذکر کیا ہے کیونکہ یہ سب تکلفات ہیں اور غیر مناسب کلام ہے۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى: خازن نے کہا ہے کہ اس میں بڑی نعمت کی طرف اشارہ ہے یعنی جنت سے تو اتر آئے مگر اس نعمت (ہدایت) کی بدولت جنت میں ہمیشہ کیلئے پلٹ جاؤ گے اور یہ خطاب سیدنا آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد کو ہے جیسا کہ سورۃ اعراف، آیت 35 میں ارشاد ہے۔ یا بنی آدم۔ مِنِّي: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت سے مراد وحی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء پر کتب کی صورت میں یا وحی متلو وغیر متلو کی شکل میں مذکور ہے جیسا کہ سورۃ اعراف، آیت 35 میں ذکر کیا ہے۔ یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے کہ یہاں ھدیٰ سے مراد وحی منزل ہے

سوال: إِمَّا: اصل میں ان۔ ما ہے۔ ان شک کیلئے آتا ہے اور (يَأْتِيَنَّكُمْ) میں نون تاکید تحقیق اور یقین کیلئے ہے تو ان دونوں کا جمع ایک جملہ میں کیسے صحیح ہے؟ جواب: تاکید تو حقیقت کے اعتبار سے ہے یعنی ہدایت کا آنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقینی ہے اور (إن) تو (منی) کی وجہ سے ہے یعنی انسانوں کو شک ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں تو ان کو اس ہدایت کا آنا اللہ کی طرف سے دلائل کے ساتھ یقینا ثابت ہو جائیگا۔ اس کو تیسیر الرحمن میں علامہ مھائمی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ فَمَن تَبِعَ هُدَايَ: ابوحیان رحمہ اللہ نے سجاوندی سے نقل کیا ہے کہ اس میں (فاء) تفصیل کیلئے ہے اور اس کے جزاء مقدر یعنی مخفی ہیں یعنی (فاتبعوہ) مَن: شرطیہ ہے (فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ) تک اس کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جزاء ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ (مَن) موصولہ ہو قرینہ کی وجہ سے جیسا کہ آنے والی آیت میں (الذین) اسم موصول ہے۔

(تَبِعَ) یہ لفظ ایمان، تقوی، عمل صالح سب کو شامل ہے۔ سورۃ اعراف، آیت 35 کے قرینہ کیساتھ اور اس میں اشارہ ہے کہ ایمان اور اعمال میں شریعت کی پیروی شرط ہے۔

سوال: ہدای کے بجائے "ہ" ضمیر لے آتے (فَمَن تَبِعَهُ)؟ جواب: هُدَیَ: کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہونے میں عظمت کی طرف اشارہ ہے نیز فتح العزیز میں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہدایت کی عمومیت کی طرف اشارہ ہے یعنی ایک ہدایت تو صراحتاً ہے جو (مِنّی هدی) میں مذکور ہے اور دوسری ہدایت اجماع اور قیاس شرعی ہے وہ اگرچہ صراحتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے مگر ہدایت الٰہی ہے تو هُدَایَ اس کو شامل ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: حزن اور خوف میں فرق ہے۔

1: خوف کا تعلق مستقبل سے ہے جبکہ زمانہ ماضی سے متعلق ہے۔ 2: دونوں کا تعلق مستقبل سے ہے مگر خوف کسی مطلوب چیز کے گم ہونے پر ہو جبکہ حزن کسی محبوب چیز کے فوت ہونے پر ہو۔ 3: خوف کا تعلق عذاب سے ہے جبکہ حزن کا تعلق اجر سے محرومی کا ہے۔ فرق 4: نیشاپوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ان تمام نعمتوں کی طرف اشارہ دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کیلئے تیار کیے ہیں کیونکہ خوف اس درد کو کہتے ہیں جس کے پہنچنے کی توقع ہو اور نفس اس کی وجہ سے بے چین ہو کیونکہ نفس اس حالات کو پسند کرنے سے گریزاں ہے۔ اور اس کے آنے سے گھبراتا ہے اس کیفیت کو ختم کرنے کیلئے امن لازم ہے اور حزن اس درد کو کہا جاتا ہے جو نفس کو پہنچتا ہے مطلوب کے ضائع ہونے یا محبوب کے فوت ہونے سے لہٰذا اس نفی سے حاصل معنی یہ نکل آتا ہے کہ جس پر خوف و حزن نہیں ہے اس نے تمام لذتوں اور تمام مقاصد کو حاصل کرلیا ہے۔ زوال خوف اور آفات سے بچنا مقدم ہوتا ہے حصول کامیابی کیلئے تو خوف کو حزن پر مقدم کیا۔ اور یہ دلیل ہے کہ صالحین پر موت کے وقت قبر میں، قبروں سے اٹھتے وقت، میدان حشر میں اور تقسیم اعمال اور پل صراط پر گزرتے وقت کوئی خوف نہیں ہوگا کیونکہ قانون یہ ہے کہ نکرہ جب سیاق نفی میں ہو تو عموم اور شمول چاہتا ہے اس کی دلیل سورۃ حم سجدہ، آیت 30 میں ہے

سوال: صالحین پر تو دشمنوں کا خوف و ہراس بہت رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی بہت پریشانیاں اور خوف آتے رہتے ہیں غم و مصائب لازم ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث ہے۔ أَشَدُّ الْبَلَايَا الْأَنْبِيَاءُ فَالْأَمْثَلُ وَالْأَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ بِقَدْرِ دِينِهِ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدنا ابراہیم (نبی کریم ﷺ کا بیٹا) کی وفات پر نبی کریم ﷺ غمگین ہو گئے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا یَا ابراھیمُ وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُوْنُوْن کہ تیری جدائی پر ہم غمگین ہو چکے ہیں (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1303، صحیح مسلم فی الفضائل حدیث 962، 2315، ابوداؤد فی الجنائز حدیث 3126 صحیح ترغیب 3402) اسی طرح سورۃ بقرہ، آیت 155 میں ارشاد ربانی ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ان تمام نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں، ولیوں پر بھی خوف اور حزن آیا ہے؟۔

جواب: اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ حال دنیا میں مراد نہیں ہے بلکہ آخرت میں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اکثر آیتوں میں اخروی ثواب کے بعد یہ جملہ ذکر ہوا ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ، آیت 62 و 112 و 262 و 274 و 277 اور اعراف، آیت 49 میں جنت میں داخل ہونے کے ساتھ یہ جملہ ذکر ہوا ہے اور سورۃ زخرف، آیت 68 میں اس کو الیوم کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور جو آیتیں مطلق ذکر ہوئی ہیں ان سب میں یہ قید مراد ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ دنیا میں بھی ہے کیونکہ وہ مومن جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قضاء پر راضی ہے تو اس کو کوئی بھی تکلیف اور مصیبت مکروہ دکھائی نہیں دیتی اور اس رضا کے ساتھ خوف اور حزن جمع نہیں ہوتا۔

سوال: خوف کے معنی کو جملہ اسمیہ اور حزن کے معنی کو جملہ فعلیہ کے ساتھ ذکر کرنے میں کیا راز ہے؟۔ جواب: دار دنیا میں اگر چہ خوف تھا مگر اس کو اعفوں (دار الخوف) نہیں کہا ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ خوف کی نفی سے مراد کامل و استمرار والی زندگی کا خوف ہے اور سورۃ فاطر، آیت 34 کے قرینے کے ساتھ انہوں نے دنیا کو دار الحزن کہا ہے اور وہ حزن قیامت میں کلی طور پر ختم ہوا کہ اس کا کوئی تجدد اور حدوث نہیں ہوگا۔ فائدہ: خوف کے ساتھ علیہم اور حزن کے ساتھ (ھم) ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ علی غلبہ اور احاطہ پر دلالت کرتا ہے یعنی قیامت میں خوف و ہیبت تو ہے مگر ان پر غلبہ نہیں کرے گا اور جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ معمولی خوف بھی ختم ہو کر زائل ہو جائے گا۔ اس نقطہ کو ابوحیان اور قرطبی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے اور (ھم) کو (یحزنون) کے ساتھ حصر اور تخصیص کیلئے ذکر کیا ہے یعنی صرف یہ لوگ حزن سے امن میں ہونگے اور لوگوں کو حزن نے گھیر رکھا ہوگا اور ان سے حزن کی نفی سورۃ انبیاء، آیت 103 میں مذکور ہے۔

تفسیر آیت 39: اس آیت میں منکرین کیلئے تخویف اخروی ہے آخرت کو خوف دلانا مقصود ہے اور (فَمَنْ تَبِعَ) کے مقابل ہے۔ اس کے دوسرے تعبیرات۔ سورۃ اعراف، آیت 36 و سورۃ طٰہٰ، آیت 124 میں ذکر ہے۔ کفر اور تکذیب میں فرق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1: کفر دل سے اور تکذیب زبان سے ہوتا ہے اور (بِآيَاتِنَا) تَنَازُعُ الْفِعْلَيْنِ کے طور پر دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔
2: کفر سے مراد کفر باللہ ہے جو کہ آیت 28 میں گزر چکا ہے اور تکذیب سے مراد آیتوں کا جھٹلانا ہے۔
سوال: فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ کے مقابل تو (وَمَن لَّمْ يَتَّبِعْ هُدَايَ) لانا چاہئے تھا؟ جواب: اتباع کی نفی تو عام ہے عدم اہلیت اور عدم استعداد اور غفلت کرنا اور اتباع کے قصداً چھوڑنے کو شامل ہے اور اول حالتوں میں عذاب نہیں ہے اور کفر تو صریح ہے اس میں عدم اہلیت اور غفلت کا احتمال نہیں ہے۔ سوال: کفر تو تکذیب کو بھی شامل ہے تو کفر کے بعد تکذیب کی کیا ضرورت تھی؟ ۔جواب: 1: کفر اور تکذیب کے فرقیں پہلے ذکر ہوئی لہٰذا معلوم ہو کہ دونوں کا ذکر کرنا ضروری ہے جواب:
2: جب کفر میں اقسام ہے نعمت کے کفر کو اور معصیت کے کفر کو بھی شامل ہے اور پہلی قسم پر تو یہ تخویف صادق نہیں ہے تو وکذبوا الخ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہاں کفر سے مراد شرک ہے اور یہ قول ابوحیان کا ہے۔ فائدہ: سورۂ اعراف، آیت 36 میں استکبار کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہاں پہلے سے ابلیس کے تکبر ذکر ہو چکا ہے تفصیلاً تو اس میں اشارہ ہے کہ اولاد آدم سے جو شیطانی صفات سے متصف ہوگا ان کیلئے عذاب ہے اور سورۂ طہٰ آیت 124 میں (وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ) ذکر ہے وجہ یہ ہے کہ وہاں آیت 100 میں اعراض کا ذکر تھا تو اسی مناسبت سے بعد میں بھی ذکر ہوا۔ بِآيَاتِنَا: یہ لفظ تمام آسمانی کتب آیات، معجزات انبیاء علیہم السلام اور قرآن مجید اور توحید کے عقلی دلائل کو شامل ہے۔ آیات: آیۃ کی جمع ہے لغت میں علامت کو اور اصطلاح شریعت میں قرآن کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو دیگر ٹکڑوں سے الگ ہو فاصلہ کے ساتھ (یعنی آیت کا آخری حصہ)

أُولَٰئِكَ: اس لفظ کو الذین کے بعد ذکر کیا ہے اشارہ کہ بعد والے حکم کیلئے سبب وہ اوصاف (کفر و تکذیب) ہے۔

أَصْحَابُ النَّارِ: پہلی آیت اور یہ آیت اختصار پر مشتمل ہے؟ یعنی ہر ایک میں ایک ایک جملہ محذوف ہے اصل صورت یوں بنتی ہے۔ (فَمَن تَبِعَ هُدَايَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ) اور دوسری آیت (وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَعَلَيْهِمُ الْخَوْفُ وَالْحُزْنُ وَهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ)

أصحاب، صاحب کی جمع ہے اور صحبت سے لیا گیا ہے اور صحبت صرف اقتران ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اگرچہ ایک حالت اور ایک زمان میں ہو اس لیے صحابی رسول کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو حالات ایمان میں اگرچہ تھوڑے ہی لمحات کیلئے ہوں اور پھر حالات ایمان میں خاتمہ ہوا ہو پھر اس لفظ کا اکثر اطلاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملازمت دوام اور معیت پر ہوتا ہے خواہ سکونت کے طریقے کے ساتھ ہو یا حفاظت کے ساتھ ہو۔ امام راغب رحمہ اللہ نے مفردات میں فرمایا ہے کہ صاحب ملازم کو کہتے ہیں خواہ انسان ہو یا حیوان زمان ہو یا مکان ہو اس لیے ان ملائکہ کو اصحاب النار کہا گیا ہے جو آگ جلانے، حفاظت کرنے چوکیداری پر معمور ہیں۔ سورۃ مدثر، آیت 36 کافروں کو بھی ہمیشہ جہنم میں رہنے جدا نہ ہونے کی وجہ سے اصحاب النار کہا گیا ہے اسی وجہ سے مؤمنین کیلئے اصحاب النار کا لفظ استعمال نہیں ہوتا اور لفظ اصحاب کبھی رہنے والوں کیلئے لزوم کے طریقے پر اگرچہ دوام نہ ہو جیسا کہ اصحاب مدین، اَصحاب الایکۃ، اَصحاب الحجر، اَصحاب الرس، اَصحاب القریہ، اَصحاب الکھف، کبھی متصف کے صفت خاص کیلئے آتا ہے جیسا کہ اَصحاب البیت، اَصحاب الاعراف، اَصحاب الصراط، اصحاب المیمنۃ، اَصحاب الیمین، اَصحاب المشئمۃ، اَصحاب الشمال، اَصحاب الاخدود، اَصحاب السفینۃ کبھی جنت والوں کے لیے 13 مرتبہ ذکر ہوا ہے اور جہنم والوں کیلئے 19 مرتبہ ذکر ہوا۔ اور جحیم کے ساتھ 6 مرتبہ ذکر ہے جبکہ سعیر کے ساتھ 2 مرتبہ۔ اور کبھی صرف ساتھی اور شریک فی الصفۃ کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ ذاریات، آیت 59 میں ہے۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ: اس (خلود) سے مراد خلود ابدی ہے اور لفظ (هُمْ) اور (فِيهَا) واضح دلیل ہے کہ جہنم اور اس میں رہنے والوں پر کبھی فنا نہیں آئے گی۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٤٠﴾ وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ "اے یعقوب علیہ السلام کے اولاد! یاد کرو (شکر کرنے کے ساتھ) میری نعمت جو میں نے انعام کیا ہے تم پر اور پورا کرو میرے عہد کو تو پورا کروں گا میں عہد تمھارے اور خاص مجھ سے ڈرو (احکام ماننے کے ساتھ)۔" [40] "اور تم ایمان لے آؤ اس پر جو میں نے نازل کیا تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے اور اس کے ساتھ تم پہلے انکار کرنے والے نہ بنو اور نہ بیچو تم میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر اور مجھ ہی سے ڈرو۔" [41] "اور حق کو (لوگوں کیلئے) باطل کے ساتھ خلط ملط مت کرو اور مت چھپاؤ حق کو اور حال یہ ہے کہ تم جانتے ہو۔" [42]

تفسیر 40: یہاں سے آیت 46 تک عام خطاب کے بعد خاص خطاب ہے جس میں 9 اوامر ہیں، یعنی: اُذْكُرُوا، أَوْفُوا، فَارْهَبُونِ، آمِنُوا، فَاتَّقُونِ، أَقِيمُوا الصَّلَاةَ، آتُوا الزَّكَاةَ، وَارْكَعُوا، وَاسْتَعِينُوا اور پانچ نواہی مذکور ہیں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی: لَا تَكُونُوٓا۟، لَا تَشْتَرُوا۟، لَا تَلْبِسُوا۟، لَا تَكْتُمُوا۟ اور وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ سے مراد لَا تَنسَوْا ہے۔ اس میں توحید، قرآن اور آخری رسول پر ایمان لانے کی دعوت ہے اور ان امور سے ڈراتا ہے جو دین کے لیے بگاڑ کا سبب ہیں اور ان امور پر عمل کیلئے ترغیب دیتا ہے جس سے خلافت اسلامیہ کو تقویت ملتی ہے اور سابقہ مضمون کے ساتھ ربط یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا استخلاف ذکر ہوا تو اب اولاد آدم علیہ السلام کا ذکر ہے جن کو خلافت حقہ سے نوازا گیا تھا یعنی بنی اسرائیل اور ساتھ میں ان امور کا تذکرہ ہے جن سے اسلامی خلافت کو قوت ملتی ہے، دوسرا ربط: پہلے توحید کی طرف عام دعوت تھی اب خاص بنی اسرائیل کو توحید کی دعوت دیتا ہے کیونکہ یہ مدنی سورتوں میں سے پہلی سورت ہے اور مدینہ میں یہود مخالفت کرنے والے تھے اس لیے ان کو آخری رسول کی رسالت قرآن و توحید کی دعوت دینا ضروری تھا۔ آیت 39 سے ربط یہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے کافروں کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی سے کفر کیا تھا اور قرآن کریم کی تکذیب کی تھی۔ يَـٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ: قرآن مجید میں اس طرز پر ندا چار مرتبہ آیا ہے، سورۃ بقرۃ، آیت 47، 122، طٰہٰ آیت 80، مائدہ آیت 73، صف آیت 6 میں آخری دونوں آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا خطاب ہے۔ اور بغیر نداء کے لفظ بنی اسرائیل 37 مرتبہ آیا ہے اور لفظ اسرائیل دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ بنی کا اطلاق عرف میں تمام اولاد پر ہوتا ہے خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، خواہ قریب اولاد ہو یا دور ہو۔ إِسْرَٰٓءِيلَ: اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول: یہ عبد اللہ کے معنی میں ہے، اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اسر عبرانی یا سریانی زبان میں عبد کو اور ایل اللہ کو کہتے ہیں جبکہ ابن خلدون نے برعکس ذکر کیا ہے کہ ایل "عبد کو اور "اسر" اللہ کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول: صفوۃ اللہ کو کہا جاتا ہے۔

تیسرا قول: اسر شدت کو کہا جاتا ہے تو معنی ہوگا شدۃ اللہ یعنی بدنی اور دینی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اس کو مضبوط کیا تھا۔

چوتھا قول: سہیلی سے منقول ہے کہ یہ أَسْرِى إِلَى اللَّهِ ہجرت کے معنی میں ہیں اس قول کے بناء پر یہ نام عربی اور عبرانی سے مرکب ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں مگر ان کو ابو حیان رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ان تمام اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یعقوب علیہ السلام کا صفتی (نسبتی) نام تھا۔

سوال: يَـٰبَنِىٓ یا بنی یعقوب کیوں نہیں فرمایا؟ جواب 1: بوقت نداء صفتی نام ذکر کرنے میں ادب ہوتا ہے۔

جواب 2: اس میں توحید فی العبادت (اُعْبُدُوا) قبول کرنے کیلئے تاکید اور ترغیب ہے کیونکہ مقصد ایسا ہو گیا یا بنی عبد اللہ یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد تمہارے والد نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تھی اور تمہیں بھی اس کی وصیت کی ہے جیسا کہ آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

133 میں ہے یعنی توحید تمہارے والد کا قدیم دین ہے لہذا تم اسے ضرور قبول کرو۔

اُذْكُرُوا: یہ ذِکر اور ذُکر سے لیا گیا ہے اکثر علماء کے نزدیک اس میں فرق نہیں ہے البتہ زبان سے ذکر مقابل انصات کے ہیں یعنی، چپ ہونا، اور دل سے ذکر کے مقابل (نسیان) بھول جانا آتا ہے۔ بقول کسائی رحمہ اللہ کے، ذِکر ذال کی کسر کے ساتھ زبان سے ذکر مراد ہے اور ذُکر ذال کی پیش کے ساتھ قلبی ذکر مراد ہے۔

فائدہ: [illegible] قرآن مجید میں 762 مرتبہ [illegible]

الاتقان میں امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذکر قرآن میں 20 معنوں پر آیا ہے۔

1۔ ذکر (لسان) زبانی، سورۂ بقرہ، آیت 200، 2۔ ذکر قلبی۔ سورۂ آل عمران، آیت 135، 3۔ حفظ۔ سورۂ بقرہ، آیت 63 4۔ اطاعت اور اس کا بدلہ۔ سورۂ بقرہ، آیت 152۔ 5۔ صلوات یعنی کل نمازیں۔ سورۂ بقرۃ، آیت 239۔ 6۔ وعظ و نصیحت۔ سورۂ اعراف، آیت 165۔ 7۔ خطاب وبیان۔ سورۂ اعراف، آیت 69۔ 8۔ بیان کرنا۔ سورۂ یوسف، آیت 42۔ 9۔ قرآن۔ سورۂ طٰہٰ، آیت 124۔ 10۔ تورات۔ سورۂ نحل، آیت 43۔ 11۔ خبر دینا۔ سورۂ کہف، آیت 83۔ 12۔ شرافت۔ سورۂ زخرف، آیت 44۔ 13۔ عیب جوئی۔ سورۂ انبیاء، آیت 36۔ 14۔ لوح محفوظ۔ سورۂ انبیاء، آیت 105۔ 15۔ ثنا پڑھنا۔ سورۂ احزاب، آیت 21۔ 16۔ وحی صافات۔ 3۔ 17۔ رسول کو ذکر کہا گیا ہے۔ سورۂ طلاق، آیت 10۔11۔ 18۔ صلوۃ (نماز)۔ سورۂ عنکبوت، آیت 45۔ 19۔ صلوۃ جمعہ اور خطبہ۔ سورۂ جمعہ، آیت 9۔ 20۔ صلوۃ عصر۔ سورۂ ص، آیت 32 میں کہتا ہوں کہ دو معنی اور بھی ہیں۔ 21۔ ذکر نسیان کے مقابل۔ سورۂ بقرہ، آیت 282۔ 22۔ ذکر شکر کے معنی میں۔ سورۂ بقرہ، آیت 40 یہاں ذکر شکر کے معنی میں ہے کیونکہ نعمت کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ زاد المسیر قرطبی وغیرہ نے بھی اس کو ذکر کہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ذکر بالقلب ہے یعنی اس سے غفلت مت کرو اس معنی کو قرطبی نے راجح قرار دیا ہے۔

نِعْمَتِيَ: یہ اسم جنس ہے مراد بے شمار انعامات ہیں چاہے وہ نعمتیں موجودہ بنی اسرائیل پر ہوں یا ان کے آباؤ اجداد پر ہو خواہ عام انعامات ہوں یا خاص، خاص نعمتوں کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔ انعامات کا اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انعامات صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اسی کے اختیار میں ہے لہذا شکر اسی کا ادا کرنا چاہیے اور اسی طرح اس اضافت میں ہے انعامات کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو نعمتیں یاد کرنے کا حکم تھا اور اس امت کو (فَاذْكُرُونِي) براہ راست صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم ہے وہ پہلے نعمت کو اور پھر صاحب نعمت یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ جبکہ یہ امت براہ راست منعم کو ابتداء سے یاد کرتے ہیں پھر نعمت پر نظر ڈالتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی اس امت کی فضیلت کی دلیل ہے۔ نیشاپوری رحمہ اللہ سے یہ بات منقول ہے کہ نعمتوں کے بندے بہت ہیں اور منعم کے بندے کم ہیں۔ **الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ**

سوال: نعمتی تو دلالت کر رہا تھا کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی ہیں تو التی انعمت لانے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: نعمتی میں نعمت کی ملکیت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اس لفظ میں اشارہ ہے کہ انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے یعنی نعمت اس کی ہے اور اس نے دی ہے لہٰذا شکر بھی صرف اور صرف اسی کا ادا کرنا چاہیے۔

عَلَيْكُمْ: علامہ شربینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس لفظ میں بھی شکر کی تاکید کی طرف اشارہ ہے کہ انسان میں فطری غیرت حسد اور بخل ہے لہٰذا جب اپنی نعمت کو دیکھے گا تو غیرت کی وجہ سے شکر ادا کرے گا۔ اور جب دوسروں کی نعمت کو دیکھے گا تو پھر حسد اور ناشکری کرے گا۔ فائدہ: نعمت کا شکر کرنا اور دل میں یاد رکھنا توحید فی العبادات کے ماننے سے کنایہ ہے کیونکہ اول اور سب سے بڑا شکر نعمتوں کا یہ ہے کہ ان نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور اس کی خوشنودی میں خرچ کیا جائے جیسا کہ شکر کی تحقیق میں تذکرہ آئے گا اور یہی اصل توحید ہے تو یہ (اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ) توحید کی دعوت کا ایک طریقہ ہے۔ جلی حروف کنز العمال جلد 2 صفحہ 357 میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور پھر متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ لوگ تو گزر گئے ہیں اب مراد تم ہو یعنی جب ایمان والے کوئی امر یا نہی سن لیں تو اپنی طرف توجہ کرنا چاہیے اور اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور اس طرح نہیں کہنا چاہیے کہ یہ آیتیں بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھیں۔ کیونکہ قرآن مجید کا حکم عام ہے کسی خاص طبقہ پر اس کو منطبق نہیں کرنا چاہیے۔ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي: یہ دعوت الی التوحید کا دوسرا طریقہ ہے۔ ایفاء: پورا کرنے کو کہتے ہیں۔ ناپ تول (میزان، کیل) اور وعدہ عہد میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عَهْدِي: ابوحیان نے آیت 27 میں عہد کے مندرجہ ذیل معانی ذکر کیے ہیں۔ وصیت، ضامن بن جانا، امر، التقاء، رویت، منزل وہ وعدہ جو جانبین سے ہو تو وہ بھی عہد ہے۔ بقول خازن عہد کسی چیز کی نگرانی اور حفاظت کو کہتے ہیں۔ نیشاپوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عہد کی نسبت معاہد اور معاہد دونوں کو ہوتا ہے۔ یہاں عہد سے مراد کیا ہے اس میں بہت اقوال ہیں۔ حسن نے فرمایا کہ عہد سے یہاں مراد وہ عہود ہیں جو سورۃ بقرۃ، آیت 63، 83، 84 میں، آل عمران، آیت 81، 187۔ مائدہ، آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

12۔ اعراف، آیت 156 و 172 میں ہیں۔ عہد اسم جنس ہے لہٰذا ان سب کو شامل ہے۔ زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مرادوہ عہد ہے جو تورات میں آخری نبی ﷺ سے متعلق لیا گیا تھا کہ تم اس کی پیروی کرو گے اور نیشاپوری رحمہ اللہ نے تورات کی فصل 9 سفر اول سے ایک عبارت نقل کی ہے کہ اس میں عہد اشارۃً ذکر ہے جس کا اشارۃً مذکورہ معنی بنتا ہے۔ تیسرا قول عہد سے فرائض کی ادائیگی سنت اور اخلاص کے ساتھ مراد ہے۔ چوتھا قول عبادات۔ پانچواں قول ظاہری آداب کی پاسداری کرنا۔ چھٹا قول عہد سے تمام اوامر ونواہی اور وصیتوں کی پابندی مراد ہے اس آخری قول کو قرطبی رحمہ اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ اور یہ قول سب اقوال کو شامل ہے۔ بِعَهْدِيْ: اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو کہ فاعل ہے کیونکہ یہ عہود اس کی جانب سے ہیں۔ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ: یہ اُوفوا امر کا جواب ہے اور شرط پر دلالت کرتا ہے یعنی اگر تم وفا کرو گے تو میں بھی وفا کروں گا اگر اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد کوئی پورا نہیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے وفا کا شکوہ یا مطالبہ نہیں کرسکتا یہاں عہد مفعول کی طرف مضاف ہے کیونکہ یہ عہد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ، آیت 12 میں ہے۔ زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہاں عہد سے مراد ضمان ہے یعنی میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہو بشرطیکہ میرے ساتھ کیے ہوئے عہد کی تم پاسداری کرو۔ ایک قول یہ ہے کہ وفا کرو گے تو قبولیت عمل اور جزا دینے پر وفا کروں گا۔

تنبیہ: وفاء مجرد اور متعدی دونوں طرح سے آتا ہے لیکن صیغہ ایفاء مبالغہ اور کمال کیلئے ہے۔

فائدہ: **مذکورہ آیتوں میں جو عہود مذکور ہے ان کا خلاصہ:**

1۔ کتاب اللہ پر عمل۔ 2۔ شرک سے اجتناب۔ 3۔ والدین کے حقوق۔ 4۔ ذوی القربیٰ اور یتیموں کے حقوق۔ 5۔ مساکین کے حقوق۔ 6۔ دعوت حق دینا۔ 7۔ نماز کی پابندی۔ 8۔ زکوٰۃ کی ادائیگی۔ 9۔ ناحق قتل سے اجتناب۔ 10۔ ایک دوسرے پر زیادتی سے اجتناب۔ 11۔ آخری نبی کی تصدیق۔ 12۔ لوگوں کو کتاب اللہ کی تشریح وتفسیر سکھانا۔ 13۔ نماز کا قیام، زکوٰۃ کا نظام بنانا۔ 14۔ تمام رسولوں اور ان کے ادیان پر ایمان اور ان کی مدد اور ان کے دین کی نصرت وتائید کرنا۔ 15۔ تقویٰ اختیار کرنا اور تمام آیتوں پر قوی ایمان۔ توحید ربوبیت ماننا اور یہ سب (اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ) میں داخل ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ (اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ) اپنے رب کی بندگی ضرور کرو کیونکہ تم نے اور تمہارے بڑوں نے بھی یہ عہد کیا تھا۔ یہ بنی اسرائیل کو توحید کی دعوت دینے کا دوسرا طریقہ ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس امت سے بھی یہ وعدہ مطلوب ہے جیسا کہ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ قرآن میں مذکور ہے۔ یہ بندوں کی طرف وفا اللہ تعالیٰ کی وفا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیلئے علامت ہے علت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ : اس جملہ میں (إِيَّاكَ نَعْبُدُ) سے زیادہ تاکیدات اور حصر ہے کیونکہ ایای کے بعد فعل ارھبوا مراد مقدر ہے کیونکہ فارھبوا إِيَّايَ میں عمل نہیں کرسکتا۔ (فاء) عمل سے مانع ہے۔ (فاء) اس میں امر کا جواب مقدر ہے جیسا کہ (تَنَبَّهُوا فَارْهَبُونَ) یا پھر شرط مقدر کے ساتھ ہے یعنی (إِنْ كُنتُمْ رَاهِبِينَ شَيْئًا فَارْهَبُونِي) تو تمام عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وَإِيَّايَ ارْهَبُوا وَإِنْ كُنتُمْ رَاهِبِينَ شَيْئًا فَارْهَبُونِي۔ اس میں جملہ تکرار ہے اور إِيَّايَ کو جملہ سے مقدم لایا گیا جو کہ تخصیص کیلئے ہے اور فَارْهَبُونِ آخر میں فاصلے کے رعایت کی وجہ سے یاء کو حذف کیا گیا ہے اور یہ وقف کی رعایت بھی ہے۔

فائدہ: رھبت کا مادہ قرآن مجید میں چھ طریقوں سے 12 مرتبہ آیا ہے۔ پہلا طریقہ: امر کے صیغہ کے ساتھ اس آیت اور سورۃ نحل، آیت 51 میں مذکور ہے۔ دوسرا طریقہ: انبیاء کی صفت میں مذکور ہے۔ سورۃ انبیاء آیت 90۔ تیسرا طریقہ: صالحین کی صفت میں۔ سورۃ اعراف، آ۔ 154، مائدہ، آیت 82۔ چوتھا طریقہ: احبار کے مقابل میں صفت ہے۔ سورۃ توبہ، آیت 31 و 34 ان چار مقامات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا مراد ہے۔ پانچواں طریقہ: بدعت کے طریقہ پر رھبت الٰہی۔ سورۃ حدید، آیت 27۔ چھٹا طریقہ: ظاہری اسباب کا اثر اسلحہ سانپ اور انسان سے خوف۔ سورۃ اعراف، آیت 116 و انفال، آیت 60 و حشر، آیت 13۔ فائدہ 2: رھبت، خوف، خشیت اور تقویٰ میں فرق۔ خوف عام ہے سب کو شامل ہے۔ رھبت خوف کو کہتے ہیں (حرز) یعنی بچنے کے ساتھ۔ اور تقویٰ خوف ہے مگر حزم (ہوشیاری) کے ساتھ۔ اس طرح رھبت دل کی صفت ہے اور تقویٰ صفت ظاہری اعمال میں ہے۔ اسطرح رہبانیت سابقہ کتب میں تھی اور تقویٰ قرآن کریم کی اصطلاح میں ہے اسطرح رھبت وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں واقع ہونے کا امکان ہو اور تقویٰ وہاں استعمال ہوتا ہے کہ امکا واقع ہونا یقینی ہو اور خشیت بھی دل کی صفت ہے مگر ڈرنے والی ذات کی عظمت بھی دل میں ہو۔ فائدہ 3: یہاں آیت کا وقف رھبت پر کیا ہے یہ عمل کے لیے تاکید اور رغبت ہے جو کہ اُذْكُرُوا. أَوْفُوا میں ہے تو ذکر صفت قلبیہ ہے اور اور عہد کا ایفاء تحرز (کیلئے) اپنے آپ کا بچانا نقض عہد سے) ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رھبت کا معنی ہے خوف کرو نزول عذاب سے جیسا کہ تمہارے بڑوں پر اترا تھا۔ دوسرا قول عہد شکنی سے ڈرو اور یہ توحید کی طرف دعوت کا تیسرا طریقہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 41: اس آیت میں دو اوامر اور دو نواہی ذکر کیا جا رہا ہیں۔ ربط: پہلی آیت میں توحید کی طرف دعوت تھی اس آیت میں دعوت ایمان بالقرآن والرسول ہے اور اس میں حائل رکاوٹوں کا ختم کرنا ہے۔ وَاٰمِنُوْا: بنی اسرائیل کے خطاب میں داخل ہے کیونکہ واو حرف عطف ہے اور آمنوا معطوف ہے اذکروا پر۔ بِمَآ اَنْزَلْتُ: اکثر اہل علم کے نزدیک اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ مصدقا اس کیلئے قرینہ ہے۔ بقول قتادہ مراد وہ کتاب اور رسول ہے جو تورات وانجیل میں لکھا ہوا تھا تو مستلزم ہوا ایمان بالرسول کو اور انزلت وصف کے ساتھ ذکر کیا تاکہ وحی غیر مطلوب یعنی حدیث کو بھی شامل ہو جائے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ: یا تو یہ انزلت کے ضمیر متکلم سے حال ہے یا ضمیر معنوی سے جو محذوف ہے اور اصل میں انزلتہ تھا۔ (لِمَا مَعَكُمْ) اس سے مراد تورات وانجیل ہے اور لفظ معکم دلالت کرتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت ان کے پاس یہ دونوں کتابیں موجود تھیں اگرچہ ان میں تحریف معنوی کیا کرتے تھے۔ (مصدق) یہ تصدیق سے لیا گیا ہے۔ تصدیق کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ: قرآن مجید میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تورات اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی اور یہ کتب اور انبیاء حق ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ، آیت 136 (آل عمران، آیت 84 میں ہے تو قرآن پر ایمان نے موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام اور تورات وانجیل کی حقانیت پر تاکید کی ہے اس معنی میں مصدق موکد یعنی تاکید کرنے والے کے معنی میں ہے۔

دوسرا طریقہ: تورات وانجیل میں آخری نبی کی آمد کی خبر اور بشارت تھی اور اسی طرح قرآن اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات کا ذکر تھا تو قرآن نازل ہونے سے تورات وانجیل کے بیان کردہ مسائل سچے ثابت ہوئے جیسا کہ سورۃ اعراف، آیت 157 میں ہے اور اس توجیہ سے مصدق کا معنی تورات وانجیل کے خبر کی تصدیق کرنے والا ہے۔ مذکورہ دونوں توجیہات کے ساتھ تصدیق اجمالی مراد ہوئی ہے اور یہ نیشاپوری نے لکھا ہے۔ تیسرا طریقہ: یہ کہ تورات وانجیل میں توحید اور اصول ایمان اور پانچ ارکان اور اصول محرمات جو تمام ادیان آسمانی میں یہ تمام ذکر تھے اور یہ قرآن کریم میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں بھی ذکر تھے یعنی موافقت ہے اور یہ معنی تفسیر خازن اور سراج منیر میں ہے۔

فائدہ 1: قرآن کی صفت میں تصدیق سورۃ یونس، آیت 37 و یوسف، آیت 111 میں مذکور ہے۔ مصدق قرآن کی صفت میں 11 مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں تین بار اور عیسیٰ علیہ السلام وانجیل کے صفت میں چار مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ فائدہ 2: تصدیق کے صلہ میں کبھی لام آتا ہے جیسا کہ مذکورہ آیتوں میں ہے تو اس وقت وہی معانی مراد ہیں جو ذکر ہو گئے ہیں اور کبھی اس کے صلہ میں (باء) آتا ہے جیسا کہ یحییٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے۔ سورۃ آل عمران، آیت 39 اور مریم علیہا السلام کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفت میں ذکر ہوا ہے۔ سورۂ مریم، آیت 12 نبی کریم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت میں۔ سورۂ زمر، آیت 33 میں مذکور ہے۔ ان مقامات میں توحید اور ایمان کے کلمات کا بیان کرنا مراد ہے اور سچائی کی گواہی بطریقہ دعوت وتبلیغ اور موافقت کرنے کے معنی کے ساتھ۔ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ: یہ جملہ اور اس کے بعد والے جملہ میں ان اُمور سے نہی مقصود ہے جو نواقض الایمان کیلئے سبب ہے یعنی ان تین اُمور سے اجتناب کرو تاکہ ایمان محفوظ ہو جائے۔ تو ایمان کے نواقض میں سے پہلا کفر کرنا ہے اس لیے اول اس سے نہی ذکر ہوگی۔

سوال: اول لفظ مفرد اور تَكُونُوا جمع کا صیغہ ہے ان میں موافقت کس طرح ہے۔ جواب کی کئی صورتیں ہیں پہلی وجہ، اس أَوَّلَ قَوْمٍ یا أَوَّلَ فَوْجٍ مقدر ہے دوسری وجہ کہ كُلُّ وَاحِدٍ کے اعتبار سے ہے

سوال: کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ انہیں کفر میں پہل کرنے سے منع کیا۔ اور حال یہ کہ ان سے پہلے مشرکین مکہ نے قرآن پر کفر کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انکو میں لیت سے منع کیا ہے تو کیا کفر میں تابعداری جائز ہے؟ جواب چند وجوہات کے ساتھ ہے جواب۔1: یہاں (مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ) لفظ مقدر ہے۔ جواب۔2: لفظ مثل مقدر ہے۔ جواب۔3: کفر عنادی مراد ہے۔ عنادی سے مراد علم اور معرفت کے بعد کفر ہے۔ جواب۔4: یہاں اولیت تا خیریت کے مقابل نہیں ہے بلکہ مراد کفر میں بغیر فکر وسوچ کے جلد بازی اولیت اور ابتداء ہے۔ جواب۔5: اولیت یہاں قید واقعی ہے یعنی اگر یہ علم کے باوجود کفر کے مرتکب ہو جائیں تو ان کے شاگرد مریدین متبعین بھی انکی وجہ سے کفر کرینگے تو یہ کفر کے امام بن جائیں گے۔ جواب۔6: سابقہ توجیہات اس وقت ہیں جب یہ ضمیر ما انزلت (قرآن) کی طرف راجع ہو لیکن ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر ما معکم کی طرف راجع ہو یعنی کفر کرنا قرآن پر تورات پر کفر کرنے کیلئے استلزام ہے اور تورات پر ان سے قبل کسی نے کفر نہیں کیا تھا۔ جواب۔7: اس توجیہ پر دوسرا احتمال یہ ہے کہ کفر سے مراد علم کے باوجود کتمان حق ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا: نواقض ایمان کے دوسرے سبب سے منع ہے جو کہ دنیا کو دین پر ترجیح دینا ہے۔

سوال: اشتری میں قانون یہ ہے کہ (باء) ثمن پر داخل ہوتا ہے مبیع پر نہیں لہذا یہ عبارت اس طرح ہونی چاہیے تھی۔ لَا تَشْتَرُوا آيَاتِي بِثَمَنٍ قَلِيلٍ یا لَا تَبِيعُوا آيَاتِي بِثَمَنٍ قَلِيلٍ

جواب۔1: یہاں اشتری استبدال کے معنی میں ہے اور استبدال میں قانون یہ ہے کہ جو چیز بندہ بیچتا ہے (باء) اس پر داخل ہوتا ہے۔ جواب۔2: اس میں ان کے برے عمل کی برائی بیان کرنے میں مبالغہ ہے کہ ان دنیا پرستوں نے دنیا کو اتنا بڑا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقصد جانا ہے کہ اس کیلئے آیتوں کو ذریعہ بنایا ہے۔

سوال: اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم یا کسی اور کتاب الٰہی کو بیچنا حرام ہے کیونکہ یہ تو آیتوں کے ساتھ قیمت حاصل کرنا ہے اور حال یہ ہے کہ اس جواز پر تو اصحت کا اتفاق ہے۔ جواب: آیات تو الفاظ اور معنی سمیت کلام اللہ ہے اور کلام اللہ تو مخلوق نہیں ہے اور نہ مال ہے تو وہ بیچنے اور خریدنے کا امکان بھی نہیں رہا جو بیچا خریدا جاتا ہے وہ کاغذ، گتا، جلد سازی، کتابت، طباعت وغیرہ ہے۔ اسی وجہ سے اس مقام میں مفسرین کے دو اقوال ہیں۔

مفسرین کے اقوال: پہلا قول: جن علماء کا قول ہے کہ آیات سے مراد تین آیات ہیں جو نازل شدہ ہیں تو بقول ان کے یہاں پر مضاف محذوف ہے تو بقول حسن بصری رحمہ اللہ بتغییر آیاتی یعنی دنیا حاصل کرنے کیلئے آیتوں میں تحریف اور تبدیلی کرتے ہیں اور بقول سدی بکتمان آیاتی، بعض علماء کے نزدیک بکفر آیاتی، بترک العمل بآیاتی۔ آیتوں پر عمل چھوڑنے کی وجہ سے اور ابوالعالیہ کے قول کے مطابق بتعلیم آیاتی یعنی درس و تدریس پر اجرت مراد ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت سے مراد اوامر و نواہی اور احکام الٰہی ہیں۔ مذکورہ اقوال ابوحیان، قرطبی، ابن کثیر رحمہم اللہ وغیرہ نے نقل کئے ہے۔ ثَمَنًا قَلِيلًا: ثمن مبیع کے قیمت کو کہتے ہیں۔ خواہ روپیہ، دینار ہو یا کوئی دوسرا مال ہو یہاں مطلق بدل مراد ہے، نقد، سامان، مرتبہ عزت، رشوت، سرداری وغیرہ۔ قلیلا: یہ تو کثیر کے مقابل آتا ہے لیکن قلت اور کثرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کمیت و مقدار، دوسرا صفت اور کیفیت۔ یہاں پر اول پہلی مراد نہیں ہے کیونکہ کم اور زیادہ کا مقدار معلوم نہیں ایک بندہ تو تھوڑی رقم زیادہ تصور کرتا ہے اور دوسرا بندہ لاکھوں کو کم کہتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ آیتوں کے مقابلے میں پوری کائنات کی کوئی قیمت نہیں تو معلوم ہوا کہ یہاں دوسری قسم قلت مراد ہے اور وہ ساری دنیا اور اس کے مزے، مرتبہ عزت وغیرہ جیسا سورۂ نساء آیت 77 و توبہ، آیت 38 میں مذکور ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساری دنیا اور اس کی مدت (عمر) اور زندگی ہے اور آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس فانی دنیا کے حصے یا وہ چیزیں جو وہ اپنے تابعداروں سے سالانہ لیتے تھے یعنی فصلیں جانوروں کے دودھ نقد رقم وغیرہ۔ بحر المحیط میں ہے کہ ثمن قلیل وہ ریاست ہے جو بندے کو اپنی قوم سے حاصل ہوتی ہے۔ دین پر ثمن قلیل کی اشتری سے منع اور اس عمل کے قباحت پر کثیر آیتوں میں تذکرہ ہے ان میں سے بعض بنی اسرائیل کے متعلق ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 174-79 و آل عمران، آیت 187 و مائدہ، آیت 44 اور بعض آیتیں عام ہیں جیسا کہ سورۂ آل عمران، آیت 77 و توبہ، آیت 9 و نحل، آیت 95 میں ہے یہ آیتیں الفاظ کے عموم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے اس امت کی عوام اور علماء سوء کو بھی شامل ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو بنی اسرائیل کی طرح عمل کرتے ہیں ان سب کو یہ آیت شامل ہے یہ قول عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ کنز العمال، جلد 2 صفحہ 357 و تفسیر فتح العزیز میں ہے کہ انہوں نے یہ آیتیں پڑھیں اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کی قوم تو گزر گئی ہے اب تو آیتیں تم سنتے ہو لہذا اب مراد تم ہی ہو۔

فائدہ: یہود کے مولویوں نے مختلف طریقوں سے دین فروشی کی تھی!!

پہلا طریقہ: انہوں نے آخری نبی کے صفتوں کو اور ان متعلق پیشگوئیوں کو جو تورات میں مذکور تھیں بدل ڈالا تاکہ ان کے مقلدین اس پر ایمان لا کر ان کو چھوڑ دیں ورنہ ان کی سرداری اور اقتدار ختم ہو جائے گا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر ان کے مقلدین نے اس نبی کی پیروی شروع کی تو جو آمدنی اور فوائد ان کو حاصل ہو رہے ہیں اپنے مقلدین سے وہ فوت ہو جائیں گے۔ تیسرا طریقہ: یہ کہ یہ لوگ کسی مالدار شخص کی رعایت کیلئے تورات کے بعض آیتوں اور احکامات میں تحریف یا تبدیلی یا کتمان کیا کرتے تھے اور اس کے عوض رشوت لیتے تھے۔ چوتھا طریقہ: تعلیم دین پر اجرت لیتے تھے حالانکہ ان کو اس عمل سے منع کیا گیا تھا جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابو العالیہ کا قول درج کیا ہے کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا کہ (يَا ابْنَ آدَمَ عَلِّمْ مَجَّانًا كَمَا عُلِّمْتَ مَجَّانًا) (ابن کثیر، البحر الوجیز) اے ابن آدم! بغیر اجرت کے تعلیم دو جیسا کہ تمہیں بغیر اجرت علم دیا گیا ہے۔" پانچواں طریقہ: یہ کہ دین حق کو چھوڑ دیں اور دنیا کے لالچ کی وجہ سے مرتد ہو جائے۔ یہ تمام طریقے ہماری اس امت کے بعض مولویوں اور عوام الناس میں بھی موجود ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے رشوت لی حق بدلنے یا باطل کرنے کیلئے یا اس چیز کو سیکھنے کے لیے جس سے رکنا اس کے لیے ضروری ہے۔ یا اجرت لے کر اس علم کے سیکھنے سے رک جائے جس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ سب اس آیت کے مقتضی میں آتے ہیں۔

اور قرطبی و ابن کثیر رحمہما اللہ نے ابو داؤد حدیث 3664 (مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (يَعْنِي رِيحَهَا) (صحیح ابو داؤد 3664، صحیح ابن ماجہ 204، ابن حبان 78، احمد 2/338، ابن ابی شیبہ، صحیح ترغیب 105، اس حدیث کو امام حاکم، ذہبی، البانی تینوں آئمہ رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے) جس نے اس علم کو حاصل کیا جس پر اللہ تعالیٰ کا رضا طلب کیا جاتا ہو اور وہ نہیں سیکھتا مگر حصول دنیا کیلئے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ پائے گا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہماری شریعت میں تعلیمی امور پر اجرت لینے کا مسئلہ اس میں پانچ مباحث ہیں:

پہلی بحث: جس میں اہل علم کا اتفاق ہے۔ یعنی وہ طاعت جس پر اجرت لینا بالاتفاق حرام ہے یا وہ طاعت جس پر اجرت لینا بالاتفاق جائز اور حلال ہے۔ وہ عبادت اور اطاعت جو معین اور فرض عین ہو جیسا کہ کسی علاقہ میں لوگ جاہل ہیں اور وہاں کسی عالم کی ضرورت ہے اس عالم کے علاوہ کوئی دین حق کے دعوت و تبلیغ کیلئے نہیں ہے اگر وہ یہ ذمہ داری انجام نہیں دیتا تو لوگ دین حنیف سے محروم ہونگے تو ایسے عالم پر اجرت لینا حرام ہے جیسا کہ ہر دور میں رسولوں کی ذمہ داری تھی۔ تفصیل کیلئے سورۃ انعام، آیت 90 و شعراء، آیت 109، 127، 145، 164، 180 میں ملاحظہ کیجیے۔

اور یہ آیتیں رسولوں کے ساتھ خاص ہیں اور اس طرح وہ عالم جو گزشتہ صفت سے متصف ہوں وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول گزر چکا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا (کل مالٍ یَتَعَیَّنُ عَلَی الْاَجِیْرِ اِقَامَتُہٗ) مذکورہ عبارت سے امام شافعی کا موقف ثابت ہوتا ہے کہ جو عمل فرض عین ہے اس پر اجرت لینا حرام ہے۔

متقدمین و متاخرین احناف اس میں متفق ہیں دیگر اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔

دوسرا مسئلہ دم کرنے کا ہے جو تلاوت بطور علاج معالجہ پڑھی جاتی ہے۔ مقصد اس میں اجر حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ علاج ہے تو اس پر باتفاق علماء اجرت لینا درست ہے۔ اس کی دلیل حدیث لدیغ ہے (جو کہ بعد میں ذکر ہوگی)۔ بنایہ شرح الہدایہ جلد 9 صفحہ 341 میں ہے رقیہ (دم) ایک علاج ہے اور اس پر اجرت لینا مباح (جائز) ہے اسی طرح شامی نے مجموعۃ الرسائل جلد 2 صفحہ 157 میں لکھا ہے کہ دم پر اجرت لینا جائز ہے خواہ قرآن کی تلاوت ہو کیونکہ نیت ثواب کی نہیں ہے بلکہ حکیم، ڈاکٹر کی طرح علاج مقصود ہے اور دلیل وہی حدیث لدیغ ہے۔ اسطرح مبسوط سرخسی جلد 2 صفحہ 158 میں بھی ہے۔ تیسرا وہ عمل جو مسلمان پر لازم نہیں بلکہ کافر بھی کر سکتا ہے تو اس پر اجرت لینا بالاتفاق جائز ہے اور اس کیلئے متقدمین اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عبارت میں یہ الفاظ ذکر ہیں (اَلطَّاعَاتُ الَّتِیْ لَا یَجُوْزُ اَدَاءُھَا مِنَ الْکَافِرِ لَا یَجُوْزُ عِنْدَنَا) اور اگر کافر سے وہ اعمال ادا ہونا درست ہو جیسا کہ رباط بنانا مسجد بنانا وغیرہ تو ایسے امور پر بھی اجرت لینا درست ہے اس کی تفصیل مذکورہ صفحہ پر شامی نے ذکر کیا ہے۔ **چوتھا:** وہ عمل جو کسی کو وقف کرنے کے لیے کیا جاتا ہو جیسا تلاوت قرآن مردوں کے ثواب کیلئے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اس پر اجرت لینا خواہ مشروط ہو یا معروف ہو اجرت حقیقی ہو یا مشبہ اجرت ہو حرام ہے دیگر اہل علم اور امام شافعی کے نزدیک تو بدنی عبادت کسی کو بخش دینا جائز نہیں ہے اور یہ بدعت ہے سورۃ نجم کی تفسیر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ کی تفصیل ہوگی۔ ان شاء اللہ

احناف کے نزدیک عبادت بدنی کا ثواب دوسروں کو منتقل کرنا درست ہے لیکن عبادت پر جب اجرت کا نیت کیا جائے تو اجرت لینے کی نیت سے آخرت کا اجر باطل ہو جائے گا ہے۔ سورۂ اسراء، آیت 18، شوریٰ، آیت 20 اب جب پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملے تو مردوں کو کیا بخشے گا؟؟۔ بلکہ دھوکا کرتے ہیں اس مسئلے کو شامی نے جلد 5 صفحہ 35 میں اور مجموعۃ الرسائل میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور صفحہ 168 میں مفصل رد ان مولویوں کا کیا ہے اور ان کی خرابیاں بیان کیں ہیں اور بدعت کا حکم اس پر لگایا ہے۔ جبکہ صفحہ 190 میں فرمایا ہے کہ فقہ کی کتابوں پر سخت رد کیا ہے جنہوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو (وَلَا تَشْتَرُوا) میں داخل کیا ہے۔ صفحہ 167، 168، 181 لینے دینے والے دونوں گناہ گار اور صفحہ 171، 180 اور اس طرح شرح عقیدۃ الطحاویۃ صفحہ 286۔ تفسیر روح المعانی سورۂ کہف کی آخری آیت کی تفسیر میں اور تفسیر فتح العزیز صفحہ 208 میں اور کتاب الزہد لابن المبارک صفحہ 508 اور مصنف عبد الرزاق صفحہ 481 میں مذکور ہے۔ پانچواں: قرآن پاک کے ختم پر تراویح میں اجرت لینا دینا دونوں ناجائز ہیں اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ السنن والمبتدعات صفحہ 160 اور قیام اللیل صفحہ 246 میں مذکور ہے۔ سبب اول یہ ہے کہ اس کیلئے وہ ضرورت نہیں جو تعلیم قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کیلئے اور امامت کیلئے ہے۔ دوم: یہ کیفیت سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ سوم: اس میں مقصد صرف آخرت کا اجر ہے اور دنیاوی نیت سے وہ اجر باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ چوتھے میں گزر چکا ہے۔ لہذا یہ پانچ مسائل اتفاقی ہیں۔

دوسری بحث: وہ مقام جس میں علماء کا اختلاف ہے:

بدر الدین عینی نے شرح بخاری، جلد 12 صفحہ 95 میں لکھا ہے کہ قرآن پر اجرت لینے میں علماء کا اختلاف ہے البتہ جن علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں: عطاء بن ابی رباح، ابو قلابہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور رحمہم اللہ جمیعا۔ امام زہری نے اجرت قرآن کو مکروہ قرار دیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور اس کے ساتھی قرآن پر اجرت لینے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اسی طرح اطاعت کے کاموں پر اجرت یعنی تعلیم القرآن، تعلیم الفقہ، آذان، وعظ ونصیحت، تدریس، حج وغزو وغیرہ اور اہل مدینہ امام مالک وغیرہ نے جواز کا حکم جاری کیا ہے، امام شافعی بھی جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، نصیر اور عصام، ابو النصر الفقیہ ابو اللیث رحمہم اللہ بھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصۂ کلام یہ ہے: کہ متقدمین احناف کے نزدیک وہ طاعات جو مسلمانوں پر خاص ہوں خواہ فرض عین ہوں یا نہ ہوں ان پر اجرت لینا منع ہے اور دیگر علماء اور ائمہ عظام کے نزدیک جائز ہے اس شرط پر کہ ادا کرنے والے پر فرض عین نہ ہو اس پر ہر فریق کے پاس دلائل ہیں بعد والی بحث میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔ اس اختلاف کو اور محل اختلاف صاحب ہدایہ، مبسوط سرخسی اور دیگر فقہاء احناف وشوافع نے بھی ذکر کیا ہے اور ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد 9 صفحہ 121 میں قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ تعلیم قرآن پر احناف علماء کے علاوہ سب اجرت کے قائل ہیں اور متاخرین احناف تعلیم قرآن وفقہ پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور بعد والوں نے امامت وعظ، آذان کو بھی شامل کیا ہے اور مبسوط سرخسی میں ہے کہ بلخ کے مشائخ نے یہ فتویٰ دیا ہے اور احناف کے فقہاء نے اس کیلئے وجہ یہ بتائی ہے کہ دینی مسائل میں کاہلی، سستی ہوئی ہے کیونکہ بیت المال سے بھی تنخواہیں نہیں ملتی ہیں تو اس طرح دینی امور پر اجرت منع کرنے سے نقصان ہونے کا خدشہ ہے۔ شامی رحمہ اللہ نے مجموعۃ الرسائل جلد 1 صفحہ 158 میں لکھا ہے کہ جو لوگ مردوں کیلئے ایصال ثواب اس پر قیاس کرتے ہیں وہ بحث غلطی پر ہیں اور ان کا یہ قیاس غلط ہے کیونکہ ختم کرنے کو اور ایصال ثواب مردوں کو بخشش کی ضرورت شرعی نہیں ہے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دلائل ممانعت جو اجرت کے متعلق ہے وہ ضعیف ہے اور ان پر کلام ہے جس کا تذکرہ بعد والی بحث میں آئے گا۔ لہٰذا دلائل صحیحہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

تیسری بحث: اس میں فریقین کے دلائل مذکور ہیں۔

احناف کے دلائل جن کے سبب سے تعلیم قرآن اور دیگر اطاعتوں پر اجرت کو ممنوع کہتے ہیں۔

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا) اسی حوالہ سے ابو العالیہ کی تفسیر گزر چکی ہے۔ شامی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت سے حرمت کا استدلال کیا ہے کہ ایصال ثواب کیلئے اجرت پر تلاوت حرام ہے۔ مجموعۃ الرسائل جلد 1 صفحہ 181 آیت اگرچہ یہود سے متعلق نازل ہوئی ہے مگر قانون یہ ہے کہ اعتبار عموم کا ہوتا ہے نہ کہ نزول واقعہ کا۔

دوسری دلیل: (إِقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ). (احمد 3/428، نصب الرایہ 4/136، ترمذی 2917 اس روایت کو شیخ البانی نے حسن کہا ہے، سلسلۃ الصحیحۃ 257)۔ قرآن مجید پڑھو اور اس کو کھانے کا ذریعہ مت بناؤ۔"

تیسری دلیل: ابوداؤد میں عبادہ بن صامت کی حدیث ہے جو کہ حدیث قوس سے (کمان) معروف ہے نبی کریم ﷺ نے اس کو فرمایا تھا کہ اگر تمہیں پسند ہو کہ آگ کے کنگن اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ میں پہنائے تو اس کو قبول کرو (صحیح ابوداؤد،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب کسب المعلم 3416 صحیح ابن ماجہ باب الاجر بتعلیم القرآن 2157)۔(یعنی قرآن کی تعلیم پر اجرت قبول نہیں کرنا)

چوتھی دلیل: امام بیہقی رحمہ اللہ نے بروایت بریدہ نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کی تلاوت پر لوگوں سے معاوضہ کھانا وغیرہ لیا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں صرف ہڈی ہوگی۔ پانچویں دلیل: ترمذی میں بروایت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پڑھواور اللہ تعالٰی سے مانگو تمہارے بعد لوگ آئیں گے وہ قرآن پڑھیں گے اور اس پر لوگوں سے مانگیں گے (ترمذی 2917، امام البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے سلسلۃ الصحیحۃ 257) ان روایتوں کو علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں جلد 12 صفحہ 95 اور علامہ زیلعی نے نصب الرایہ جلد 4 صفحہ 135 میں بھی ذکر کیا ہے۔

چھٹی دلیل: حدیث عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے کہ اس موذن کو مقرر کرو جو آذان پر اجرت نہیں لیتا ہو۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔(ابوداؤد 531، ابن ماجہ 714، ترمذی 209، نسائی 672، امام البانی نے اس کو صحیح کہا ہے ارواء الغلیل 1492)

ان علماء کے دلائل جو غیر معین اطاعتوں پر اجرت کے قائل ہیں:

پہلی دلیل: بخاری و مسلم میں مشہور حدیث ہے کہ صحابہ کرام کسی علاقہ میں گئے وہاں کے سردار کو بچھو یا سانپ نے ڈسا تو انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دم کرنے کا مطالبہ کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے شرط لگائی کہ جب تک عوض مقرر نہیں کرو گے دم نہیں کریں چنانچہ بکریوں کی ایک ریوڑ پر فیصلہ حضرت ابوسعید کے دم کے بعد اس کو شفاء ملی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بکریوں کا ریوڑ حاصل کیا بعد میں نبی کریم ﷺ کو خبر ملی تو انہوں نے فاتحہ سے دم کرنے پر اجرت لینے والے کو سراہا۔(صحیح بخاری 2276 صحیح مسلم 2201)

فائدہ 1: اس حدیث کی احناف نے تین توجیہات ذکر کی ہیں لیکن بہتر توجیہ یہ ہے کہ یہ دم ہے محض ثواب نہیں بلکہ دوائی ہے لہٰذا علماء کے اتفاق سے اس پر اجرت لینا درست ہے اور تعلیم قرآن اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔

دوسری دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ سابقہ مضمون میں گزر چکی ہے جس کے آخر میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ (صحیح بخاری کتاب الطب 5737) ”بہت ہی بہتر ہے جس پر تم معاوضہ حاصل کرو یعنی سحر (جادو) منتر کے بجائے قرآن پر معاوضہ بہت بہتر ہے۔ فائدہ 2: اس میں اجر کو ثواب اخروی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پر حمل کرنا کمزور تو جیہ ہے اور اس حدیث کے الفاظ رقیہ کے علاوہ عام ہیں۔ دوسرے طاعوتوں کو بھی شامل ہے۔ تیسری دلیل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو فرمایا تھا کہ یہ خاتون میں نے تجھے دی اس قرآن کے عوض جو تمہیں یاد ہے۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث 5121) فائدہ 3: اس حدیث میں مختلف توجیہات ہیں لیکن امام شافعی رحمہ اللہ و امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ (باء) عوض کیلئے ہے اور تعلیم قرآن کو نکاح کیلئے عوض مقرر کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پر اجرت عوض لینا جائز ہے۔ چوتھی دلیل: زیلعی نے بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے عمر فاروق سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے عاملین سے کہا تھا کہ تعلیم قرآن پر معلمین کو عطیات دو اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ وہ معلمین کو تنخواہ دیا کرتے تھے۔
(نصب الرایہ جلد 4 صفحہ 137 کتاب الاموال مصنف قاسم بن سلام صفحہ 261)

چوتھی بحث: دلائل کی تحقیق اور چھان بین کے متعلق:

وَلَا تَشْتَرُوْا: سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں ابوالعالیہ کا قول منقول ہے جو کہ حدیث مرفوع بھی نہیں ہے اور موقوف بھی نہیں جبکہ جانب جواز پر صحیح احادیث مرفوع و موقوف موجود ہیں اور دیگر روایات مجموعی طور پر جو مانعین کی جانب سے پیش کیے جاتے ہیں سب ضعیف ہیں قابل استدلال نہیں ہیں۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں جلد 1 صفحہ 245 میں لکھا ہے کہ اس آیت سے دینی امور اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے منع پر دلیل لی ہے اور بعض روایتیں بھی ذکر کیں ہیں لیکن وہ روایات سب کی سب ضعیف ہیں اور قابل استدلال نہیں ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ ان روایتوں میں بعض میں کلام ہے لیکن ایک دوسرے کیلئے تائید ہے اور خاص کر حدیث (قوس) کمان کیونکہ وہ صحیح ہے۔ پھر علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ مذکورہ روایتوں میں کوئی صحیح احادیث کے مقابل استدلال پکڑنے کیلئے نہیں ہے۔ ان روایتوں کو صحیح روایتوں کے مقابل نا قابل استدلال قرار دیا ہے۔ علامہ عینی جلد 12 صفحہ 96 یہ علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے تھی مگر انہوں نے حدیث (قوس) کو بغیر ثبوت کے صحیح قرار دیا۔ جبکہ علامہ زیلعی نے بیہقی کے حوالے سے نقل کیا کہ حدیث قوس کی سند میں عبادہ بن نسی ہے جس سے روایت کرنے میں اختلاف ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کے نزدیک اس روایت کا ظاہر متروک ہے کیونکہ اس میں ہدیہ کا لفظ ہے ہدیہ مشروطہ بھی نہ ہو تو اس کا قبول کرنا تو ایسے سخت وعید کیلئے سبب نہیں ہو سکتا جبکہ ہدیہ تو غیر مشروط لینے میں اس قسم کی وعید نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث ابن عباس اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کی وجہ سے یہ منسوخ ہوں کیونکہ ان میں اجرت کا جواز ذکر ہے۔ اور ابی بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کعب کی (قوس) کمان والی حدیث کو ابن جوزی رحمہ اللہ نے علل المتناھیہ فی الاحادیث الواھیہ جلد 1 صفحہ 75 میں ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ اس کی سند میں ابوعبیدہ اور عبدالرحمن بن سلیم دونوں ضعیف ہیں۔ اور عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مغیرہ بن زیاد راوی ضعیف ہیں جیسا کہ امام احمد نے اس کو منکر الحدیث، ضعیف الحدیث قرار دیا ہے لہٰذا یہ روایتیں کمزور ہونے کی وجہ سے صحیح احادیث کے مقابل جو کہ جواز پر دلالت کرتیں ہیں مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اس میں مغیرہ بن زیاد راوی ہے جس سے منکر روایتیں نقل ہوئی ہیں اور یہ ابی بن کعب کی روایت کے ساتھ بھی نقل ہے اور وہ منقطع ہے اس عنوان میں کوئی ایک ایسی حدیث نہیں ہے جس پر عمل واجب ہو اور مسند احمد والی روایت (اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا بِهٖ) پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں جرح کی ہے اور اس روایت میں (اِقْرَءُوْا . اِقْرَوٴ) دو عبارتیں منقول ہیں۔ ہمزہ کے زبر والی قرأت تو تلاوت قرآن کے متعلق ہے یعنی تلاوت قرآن پر اجرت مت لو لہٰذا یہ تو اتفاقی ناجائز ہے۔ دوسرا قرأت ہمزہ کے فتح کے ساتھ یعنی تعلیم قرآن پر اجرت لینا وغیرہ لیکن روایت ضعیف ہے لہٰذا صحیح حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

پانچویں اور چوتھی دلیل تو تلاوت قرآن پر اجرت سے متعلق ہے جو کہ منع ہے۔ چھٹی دلیل آذان پر اجرت کی ہے تعلیم قرآن کے متعلق نہیں ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ آذان پر اجرت مذکورہ حدیث کی وجہ سے مکروہ ہے۔

تنبیہ: گذشتہ تفصیل سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے درس و تدریس پر اجرت لینا جائز ہے نیز نیت اگر کتاب و سنت کی اشاعت کا ہو اور ضرورت کے تحت اجرت لینا ہو تو ان شاء اللہ اجر بھی ملے گا۔ اگر نیت میں فتور ہو تو دنیاوی اجرت حلال ہے البتہ آخرت کا اجر نہیں ملے گا۔ قاضی خان اور فتح القدیر میں ہے کہ ذکر پر اجرت اجر سے محرومی کا سبب ہے۔ تلاوت قرآن مجید۔ مردوں کے لیے ختم قرآن، تراویح وغیرہ تعلیم قرآن پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اس بحث کا تفسیر کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں ہے مگر ضرورت کیلئے ذکر کیا تا کہ افراط و تفریط معلوم ہو جائے اور صحیح عمل کا انتخاب آسان ہو جائے۔

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ: اس جملے کی تفسیر (وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ) میں گزر چکی ہے۔

فائدہ: گزشتہ آیت کا فاصلہ فارھبون پر ہوا اس آیت کا فاتقون پر ہوا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سابقہ کتب میں پرہیز گاری کی کیفیت کو رہبت و رہبانیت کہا کرتے تھے اور قرآن میں اس کو تقوی کہا گیا ہے لہٰذا دعوت قرآن سے قبل ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرف کا لفظ استعمال کیا گیا اور جب قرآن کی دعوت ان کو دی گئی (وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ) تو قرآن کے عرف میں مستعمل لفظ کو استعمال کیا گیا یعنی (وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ) دوسری وجہ یہ ہے کہ رہبت اکثر اوامر کے امتثال میں استعمال ہوتی ہے تو اول آیت میں اوامر تھے اور تقویٰ اکثر منہیات کے اجتناب میں استعمال ہوتا ہے تو اس آیت میں نواہی کا ذکر تھا۔

تفسیر 42: اس آیت میں مزید دو موانع ایمان بالقرآن سے نہی ہے جو کہ وہ تلبیس اور کتمان ہے۔ ربط، کفر اور آیتوں کو دنیا کے عوض میں بیچنا خود گمراہ ہونے کا سبب ہے جبکہ تلبیس و کتمان دوسروں کیلئے گمراہ کرنے کا سبب ہے یعنی یہاں پر دونوں اعمال سے روکنا مقصود ہے گمراہ ہونا اور گمراہ کرنا اور جب لوگوں میں عام طور پر دو قسم کے لوگ ہیں۔

1۔ ناقص مولوی اور طلبہ۔ 2۔ عوام الناس لہٰذا پہلے گروہ کیلئے تلبیس (خلط ملط کرنا) اور دوسرے گروہ کیلئے کتمان (حق چھپانا) سبب گمراہی ہے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ: لَبْسٌ سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے خلط ملط کرنا اگر لام کو پیش دے دی جائے لُبْسٌ لباس پہننے کا معنی ہوگا۔ (الْحَقَّ) آیت 26 کی تفسیر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے یہاں حق سے مراد ہے، جو دلیل شرعی سے ثابت ہو حلال و حرام کے مسائل ہوں یا عقائد اور اعمال ہوں۔ (الباطل) یہ مادہ قرآن مجید میں آٹھ معنوں پر مستعمل ہوا ہے۔

1۔ ثواب برباد کرنے کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ۔ سورۃ بقرہ، آیت 264 و محمد، آیت 33۔ 2۔ حرام طریقے جیسا کہ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ۔ سورۃ بقرہ، آیت 188۔ 3۔ عبث یعنی بے فائدہ جیسا کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا۔ سورۃ آل عمران، آیت 191۔ 4۔ اثر زائل کرنے کے معنی میں۔ سورۃ یونس، آیت 81۔ 5۔ ہر باطل معبود جیسا کہ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ۔ سورۃ نحل، آیت 72۔ 6۔ باطل شبہات جیسا کہ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ۔ سورۃ کہف، آیت 56۔ 7۔ حق کے مقابل جو بھی ہو وہ باطل ہے یعنی وہ چیز جو دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو خواہ عقائد یا اعمال میں ہو اس آیت میں یہ آخری معنی مراد ہے۔

مفسرین نے اس کے مختلف مصداقات ذکر کیے ہیں:

مثلاً حق، سچائی، باطل، جھوٹ، حق اسلام اور باطل یہودیت و نصرانیت، حق وہ جو کتاب اللہ میں ہے باطل یعنی تحریف و تبدیل، حق تورات باطل: نبی اکرم ﷺ کی صفات کو بدل دینا، حق: نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور باطل: یہ قید لگانا کہ یہ ہمارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاوہ اور لوگوں کی طرف مبعوث ہے۔ یہ تمام معانی اس میں داخل اور مراد ہیں باطل میں (باء) مع کے معنی میں ہے یعنی حق اور باطل کی کو خلط ملط مت کرو اور یہ عمل مختلف طریقوں سے انہوں نے کیا تھا۔

پہلا طریقہ: منزل میں اپنے پاس سے کوئی الفاظ بڑھا دینا اور آیت کے آخر یا شروع میں لگا دینا اور بشکل آیت ترتیب دینا۔ اور یہ طریقہ اہل تشیع کی کتب میں موجود ہے جیسا کہ کلینی کی کتاب کافی میں ہے کہ (فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا آلَ مُحَمَّدٍ حَقَّهُمْ قَوْلاً) الآیۃ مجلد 2 صفحہ 394 اور ج 2 صفحہ 380 میں ہے۔ (بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْ عَلِيٍّ۔ الآیۃ) اور فصل خطاب صفحہ 205 میں ہے (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْ عَلِيٍّ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ الآیۃ) اس قسم کی بہت سی مثالیں کتب التفسیر قمی اور فصل الخطاب میں موجود ہیں۔

دوسرا طریقہ: ایک کلمے کو دوسرے کلمے کے ساتھ تبدیل کرنا جو تلفظ میں ایک دوسرے کے قریب ہو۔ یہ بھی شیعہ کی کتب میں موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کیا ہے (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا) اہل تشیع نے (امت) کو (ائمہ) سے بدل ڈالا ہے، فصل الخطاب، صفحہ 213 اور ولتکن منکم امة أئمة سے بدلا ہے، صفحہ 217 پر (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ) کو انہوں نے (كُنْتُمْ خَيْرَ اَئِمَّةٍ) کر دیا ہے۔ فصل الخطاب صفحہ 217 اس قسم کی مثالیں ان کی کتب میں بہت ہیں۔ حدیث نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جزیہ کو مرزائیوں نے حرب بنا دیا ہے یہ سب تحریفات ہیں یا پھر (باء) سببیہ ہے معنی یہ ہے کہ لوگوں پر بسبب تاویلات اور شبہات حق کو خلط ملط مت کرو، تاویلات کی مثال یہ ہے کہ مشرکین رد شرک کی آیتوں کو بتوں کیلئے خاص کرتے ہیں یا عام آیتوں کی تخصیص یہود کے ساتھ کرتے ہیں اس طرح بعض لوگ صفات الٰہی میں تاویلات کرتے ہیں جیسا کہ جہمیہ ماتریدیہ اشاعرہ عرش پر استوی، ید، عرش، وجہ، ساق میں تاویلات کرتے رہتے ہیں۔ رفع الیدین قبل الرکوع و بعد الرکوع کیلئے صرف ہاتھ چھوڑنے کو رفع الیدین کہتے ہیں۔ رہی تلبیس شبہات باطلہ کے ساتھ اس کی مثالیں تو بہت زیادہ ہے جیسا کہ سبب نزول کے شبہ کے ساتھ عام آیتوں کی تخصیص کرتے ہیں یعنی نزول کی سبب سے آیت کی تخصیص کرتے ہیں اور حدیث آیت قرآنی پر یہ بہانہ بنا کر عمل نہیں کرتے کہ یہ آیت و حدیث منسوخ ہے جبکہ دلیل شرعی سے اس کی منسوخیت ثابت نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات پر مبنی آیتوں کے وہ معانی ترک کرنا جو سلف سے منقول ہوں یعنی بلا کیف، تشبیہ و تمثیل حقیقی معانی مراد ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے جسم ثابت ہونے کے خوف سے مجازی معانی مراد لینا یہ سب تلبیس کی صورتیں ہیں جو کہ مبتدعین انجام دے رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ : یہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کا طریقہ ہے جن کو حق معلوم نہیں اور علماء ان سے چھپا لیتے ہیں لہذا ان کو منع کیا گیا ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ 1۔ یہ (وَلَا تَلْبِسُوا) پر عطف ہے اور (لا) کے حکم میں داخل ہے اور جزم کے حالت میں ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان مقدرہ کے ساتھ حالت نصبی میں اور اس میں تلبیس اور کتمان کا جمع کرنا منع ہے اگر چہ ہر ایک کا الگ الگ بھی منع ہیں لیکن پہلا احتمال بہتر ہے کیونکہ اس میں منع ہر ایک سے مستقلاً ثابت ہے۔

سوال: جب (کتمان) یعنی حق چھپانا مستقل منع ہے اور حرام عمل ہے تو اس سے لام کو کیوں حذف کیا اور وَلَا تَلْبِسُوا میں لام کے حکم کے نیچے داخل کیا؟۔ **جواب:** اس میں اشارہ ہے کہ تلبیس کتمان حق کیلئے مستلزم ہے یعنی تلبیس کی وجہ سے خود بخود حق کا چھپانا ثابت ہوتا ہے اگر چہ اور طریقے بھی حق چھپانے کیلئے ہے لیکن اکثر اہل علم میں التباس کا طریقہ معروف ہے۔

(الحق) میں آخری نبی کی رسالت اور اس کی صفات جو تورات میں ذکر ہوئی ہیں داخل ہیں نیز دیگر مسائل اسلام اور عقائد دین وغیرہ۔ **تنبیہ:** یہ دلیل ہے کہ (کتمان) علم کا چھپانا کبیرہ گناہ ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے مذکور ہے۔ **پہلا طریقہ:** زجر اور منع کے ساتھ ذکر ہے۔ سورۂ آل عمران۔ آیت 71 و187، بقرہ، آیت 146۔ **دوسرا طریقہ:** زجر اور تخویف کے ساتھ ذکر ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 159۔ **تیسرا طریقہ:** منع مذکور ہے بعض حق چھپانے سے۔ سورۂ بقرہ آیت 228۔ **چوتھا طریقہ:** یہ نفاق کا عمل ہے۔ سورۂ نساء، آیت 37۔ **پانچواں طریقہ:** شہادت کے کتمان سے ممانعت (جب حق ہو)۔ سورۂ بقرہ، آیت 140 و 283۔ اور احادیث میں بہت زیادہ برائی بیان ہوئی ہے۔

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ : اس کے مفعول میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال تو یہ کہ لفظ حق اس کا مفعول ہے تو پھر خطاب ان علماء کو ہے جو حق جانتے ہوئے دنیا پرستی، عناد یا سستی کی وجہ سے چھپانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دوسرا احتمال یہ کہ اس کا مفعول تلبیس وکتمان ہے تو معنی یہ ہوا کہ تمہیں معلوم ہے کہ حق چھپانا یا باطل کے ساتھ غلط ملط کرنا گناہ ہے اور لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب ہے۔ مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ قید تخت مذمت کیلئے ہے کہ تم جانتے ہو ورنہ جہالت کی بنا پر لوگوں کو گمراہ کرنا بھی گناہ ہے مگر علم کے باوجود ایسا جرم کرنا زیادہ برا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ
تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾
الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ "اور نماز کی پابندی کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"[43] "کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر بھی عقل نہیں رکھتے۔"[44] "مدد طلب کرو تم، نماز اور صبر کے ذریعے بلاشبہ وہ یقینا بھاری ہے مگر (بھاری نہیں) عاجزی کرنے والوں پر۔"[45] "یہ (خشوع کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یقیناً اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔"[46]

تفسیر 43: اس آیت میں تین اوامر ہیں۔ ربط سابقہ آیتوں میں ایمانیات اور ان کی محافظت کا ذکر ہو گیا تو اب اعمال کا ذکر ہے تاکہ ایمان کی تکمیل و تاکید ہو جائے۔

پہلا امر: نماز کی اقامت کا حکم ہے جو کہ عبادت بدنی ہے، جس کی تفسیر آیت 3 میں گزر چکی ہے۔ دوسرا امر: زکوۃ کی ادائیگی کا ہے جو کہ مالی عبادت ہے اور یہ دلیل ہے نماز اور زکوۃ بنی اسرائیل کے دین میں بھی فرض تھی، لیکن یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں قرآن کریم پر ایمان لانے کی دعوت کے بعد اشارہ ہے کہ نماز اور زکوۃ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ادا کیا کرے۔ (آتُوا) یہ ایتاء سے لیا گیا ہے یہ صیغہ قرآن مجید میں مال دینے کے معنی میں اور دیگر امور معقولہ منزلہ ومحسوسہ میں مستعمل ہوا ہے۔ مال کے استعمال میں جیسا کہ۔ سورۂ بقرہ، آیت 172 اور امور محسوسہ۔ سورۂ اعراف، آیت 190 و نمل، آیت 36۔ اور امور معقولہ۔ سورۂ نساء، آیت 37 و محمد، آیت 17 اور امور منزلہ۔ سورۂ ہود، آیت 28 و مریم، آیت 30، بقرہ آیت 87 و اسراء، آیت 101 مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ "ایتاء" کا صیغہ صرف مال کے لیے خاص نہیں ہے جیسا کہ غلام محمد پرویز کے گروہ منکرین حدیث کے نظریہ ہے جو انہوں نے آیت سورۂ حشر (وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ) کے ضمن میں لکھا ہے اور اسطرح یہ صیغہ تملیک کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ بعض احناف کا نظریہ ہے کہ (ایتاء) تملیک پر دلالت کرتا ہے اور اباحت میں مستعمل ہے جیسا کہ سورۂ بقرۃ، آیت 177 تو یہ تخصیص کرنا بے دلیل ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ زکوۃ میں تملیک کی شرط لگانا ایتاء کو دلیل بنا کر صحیح نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الزَّكَاةَ: عربی زبان میں پاکی کو کہتے ہیں ظاہری ہو یا باطنی ہو۔ سورۂ کہف، آیت 81، مریم، آیت 13 اور شرعی معنی میں چار طریقوں سے آیا ہے۔

پہلا طریقہ: اَمر کے صیغہ کے ساتھ 9 مرتبہ ذکر ہوا ہے لہٰذا اس میں فرضیت زکوۃ ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا طریقہ: ایمان والوں کی صفات میں سے ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 177، 277 وغیرہ۔ تیسرا طریقہ: سابقہ امتوں پر اس کی فرضیت تھی جیسا کہ امت عیسیٰ علیہ السلام۔ سورۂ مریم، آیت 31۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ملت میں بھی تھی جیسا کہ سورۂ مریم، آیت 55 میں ہے اور ملت بنی اسرائیل میں مذکور ہے۔ سورۂ بینہ، آیت 5۔ تمام نبیوں کی ملتوں میں ذکر ہوا ہے کہ زکوۃ ادا کرنا ہے۔ سورۂ انبیاء، آیت 73، چوتھا طریقہ: اس میں زکوۃ کے 10 فائدوں کا ذکر ہے:

1۔ یہ صالح اعمال میں سے ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 177۔ 2۔ اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنے کا سبب ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 277۔ 3۔ یہ گناہوں سے نجات اور حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ سورۂ مائدہ، آیت 12۔ 4۔ یہ ان لوگوں کی صفات میں سے ہے جو دوست بنانے کے حقدار ہیں۔ سورۂ مائدہ، آیت 56۔ 5۔ یہ رحمت خاص کے حصول کا ذریعہ ہے۔ سورۂ اعراف، آیت 156۔ 6۔ یہ مال اور خون کی عصمت کا سبب ہے۔ سورۂ توبہ، آیت 5-11۔ 7۔ کامیابی کیلئے سبب ہے۔ سورۂ مومنون، آیت 4۔ 8۔ یہ مال میں اضافے کا سبب ہے۔ سورۂ روم، آیت 39۔ 9۔ یہ محسنین کی صفات میں سے ہے۔ سورۂ لقمان، آیت 4۔ 10۔ زکوۃ سے جان چرانا مشرکین کی صفت میں سے ہے۔ سورۂ حم سجدہ، آیت 7۔

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ: رکوع کا مادہ 7 طریقوں سے 13 مرتبہ مذکور ہے:

پہلا طریقہ: مومنین کو رکوع کرنے کا حکم ہوا ہے۔ سورۂ حج، آیت 77۔ دوسرا طریقہ: یہ مومنین کی صفات میں سے ہے۔ سورۂ توبہ، آیت 112۔ تیسرا طریقہ: مریم علیہا السلام کو رکوع کرنے کا حکم ہوا ہے۔ سورۂ آل عمران، آیت 43۔ چوتھا طریقہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت ہے۔ سورۂ فتح، آیت 29۔ پانچواں طریقہ: داؤد علیہ السلام کی صفت ہے۔ سورۂ ص، آیت 24۔ چھٹا طریقہ: بہت سے رکوع والوں کا بیت اللہ سے تعلق رہتا ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 125، حج، آیت 26۔ ساتواں طریقہ: منکرین رکوع اصل میں مشرکین ہیں۔

فائدہ: لغت میں سر اور کمر جھکانے کو اور نیچے ہونے اور انکساری کو رکوع کہا جاتا ہے اور اصطلاح شریعت میں سر کمر سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برابر کر کے عبادت کی نیت سے جھکانے کو رکوع کہتے ہیں۔ لہٰذا اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں مراد رکوع شرعی ہے۔

سوال: (اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ) ذکر ہو گیا اس میں رکوع داخل تھا دوبارہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟۔

جواب 1: یہود اور مشرکین رکوع کو برا خیال کرتے تھے تو اس کے اہتمام کیلئے مستقل امر ذکر کیا۔ جواب 2: بعض نے کہا ہے کہ یہود کے نماز میں رکوع نہیں تھا اس لیے الگ حکم ہوا مگر یہ قول ضعیف ہے اس وجہ سے کہ مریم کو رکوع کا حکم ہوا ہے۔ سورۂ آل عمران، آیت 43 میں جبکہ وہ بھی بنی اسرائیل میں سے تھی تو معلوم ہوا کہ رکوع ان کے دین میں تھا مگر انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔ جواب 3: بعض علماء کے قول کے مطابق رکوع سے مراد نماز ہے یعنی مراد اہم جزء ذکر کرنے سے کل ہے لیکن پھر اس لفظ کی تخصیص کیلئے وجہ وہی ہے جو پہلے جواب میں مذکور ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رکوع سے مراد لغوی معنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر جھکنا مراد ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مؤمنین کے ساتھ تمام اچھی صفات میں شریک ہو جائے۔ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ: مع کے معانی گزر چکے ہیں یہاں بعض مفسرین کے نزدیک زمان، مکان اور عمل کی معیت مراد ہے اور اس سے مراد با جماعت نماز ہے اور بعض علماء نے اس سے فرضیت جماعت کی دلیل لی ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ با جماعت نماز فرض کفائی ہے اور اس نے کہا ہے کہ یہ قول صحیح ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے تفسیر میں نماز کے احکام تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ (وہاں دیکھ لیں)۔

اور بعض علماء کے نزدیک معیت سے مراد اشتراک اور مشابہت ہے رکوع کے وصف میں اور نماز اور انقیاد شرعی میں اگرچہ جماعت نہ ہو یعنی جو لوگ رکوع کرتے ہیں نماز کی ادائیگی کرتے ہیں شریعت کی پیروی کرتے ہیں ان کے ساتھ اچھی صفات میں شریک ہو جاؤ یعنی تمام اچھی صفات اپنے اندر پیدا کرو۔

فائدہ 1: الرّٰكِعِيْنَ: عام ہے ان لوگوں کو شامل ہے جو ان صفات میں عقیدہ اور عمل میں مشترک ہیں مگر پہلا مصداق نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اس میں اشارہ ہے کہ نماز رکوع انقیاد میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے ساتھ معیت یعنی تابعداری اختیار کرو جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي) (رواہ ترمذی حدیث 2650، سلسلۃ الصحیحۃ حدیث 204، 1348 فی تخریج مشکوۃ حدیث 169) اور یہ صحیح مسلک ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز احادیث صحیحہ مرفوعہ یعنی نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے سیکھ لو جیسا کہ حدیث بخاری میں ہے صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 631، صحیح مسلم حدیث 674)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ: بعض تحریف معنوی کرنے والے اس جملہ کے ذیل میں کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں شامل ہو جاؤ اور جماعت کے ساتھ رہو یاد رکھو یہ تو کھلا تلبیس ہے کیونکہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی جماعت ہے لہذا جس جماعت کے افراد بھی سچائی کے ساتھ صحابہ کرام کے منہج پر قائم ہوں تو وہ اس میں شامل ہیں خواہ وہ کسی بھی نام سے معروف ہوں۔

تفسیر 44: اس آیت میں ان لوگوں کو سخت وعید ہے جو علم کے باوجود بے عملی کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں۔ سابقہ آیت سے ربط یعنی تعلق یہ ہے کہ اہل کتاب کا کہنا تھا کہ مذکورہ احکامات تو ہم مانتے ہیں ہمیں ان کے بیان کی کیا ضرورت ہے تو اس آیت میں ان کو جواب دیا گیا ہے کہ زبانی تو ان احکام کو تم مانتے ہو مگر تمہارے اعمال اس کے مخالف ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود کے علماء اپنے رشتہ داروں اور دوست واحباب کو جو محمد ﷺ پر ایمان لاتے تو دین اسلام پر ثابت رہنے کی تلقین کرتے مگر خود نہیں مانتے۔ اور اسی طرح گزشتہ نواہی اور اوامر کا لوگوں کو وعظ کرتے مگر خود عمل سے کورے ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو سخت وعید سنا رہا ہے لیکن یہ حکم اس امت کے بے عمل علماء کو بھی شامل ہے یعنی جو بھی عالم لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتا ہے اور خود قرآن وسنت پر عمل نہیں کرتا تو وہ مثل یہود کے علماء کے ہے اس پر مفسرین کا اتفاق ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس عنوان پر کثیر تعداد میں احادیث جمع کی ہیں۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ: (اَ) برائے استفہام تقریری وتوبیخی ہے اور (تأمرون) خاص صیغہ امر نہیں ہے بلکہ امر کرنے کی ترغیب دینے۔ دعوت دینے سب کو شامل ہے۔ (الناس) اس سے مراد عوام الناس ہے۔ (بِالْبِرِّ) یہ لفظ قرآن مجید میں 8 مرتبہ مذکور ہے امام راغب اصفہانی نے مفردات میں کہا ہے کہ (بر) خیر کے کاموں میں وسعت کو کہتے ہیں اور لغت عرب میں مطلق فراخی کیلئے مستعمل ہے لہذا یہ لفظ ہر نیکی، نماز، زکوٰۃ، اطاعت عمل شرعی ایمان قرآن اور رسول وغیرہ کو شامل ہے اور اس کی تفسیر قرآن مجید میں سورۃ بقرہ، آیت 177 میں دس 10 امور اور سورۃ بقرہ 189 میں ایک صفت کے ساتھ جبکہ سورۃ آل عمران، آیت 92 میں ایک وصف کے ساتھ مذکور ہے اور نیکی کے کاموں میں تعاون کا حکم اور نیک عمل کیلئے مشورہ کرنا۔ سورۃ مائدہ، آیت 2 و مجادلہ، آیت 9 میں مذکور ہے۔

وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ: نسیان (ن-س-ی) کا مادہ قرآن مجید میں 45 مرتبہ مذکور ہے۔ لغت میں نسیان بھول جانے کے معنی میں ہے یعنی ذکر اور حفظ کے مقابل ہے اور اس وصف سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ سورۃ مریم، آیت 64 و سورۃ طہ، آیت 52 کی دلیل کے ساتھ اور جن چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسیان بھول کی نسبت ہوئی ہے۔ سورۃ اعراف،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت 51وتوبہ،آیت 67وجاثیہ،آیت 34وبقرہ،آیت 106اس سے مراد چھوڑ دینا ہے اسطرح بندوں کی صفت میں یہ دو معنوں میں ہے۔1۔بے اختیار بھول جانے کے معنی میں جیسا کہ سورۂ کہف،آیت 61ویوسف،آیت 42وطٰہٰ،آیت 115اور یہ گناہ نہیں ہے۔

2۔قصداً چھوڑ دینا ہے،بہت سی آیتوں میں یہ آیا ہوا ہے اور یہ گناہ ہے اور اس آیت میں بھی یہ مراد ہے یعنی قصداً ترک کر دینا جوکہ معصیت ہے اور نسیان کی تعبیر اس لیے کی ہے کہ جولوگ ہمیشہ ترک کے عادی ہیں ان کے لیے اشارہ ہے کہ انہوں نے گویا کہ بھولا دیا ہے۔ اَنْفُسَكُمْ : یہ نفس کی جمع ہے قرآن مجید میں مفرد صیغہ کے ساتھ 140 مرتبہ معرفہ (النفس) اور نفوس 150 مرتبہ ذکر ہوا ہے اور اس کی مصداقات 12 ہیں۔

1۔نفس معنی،انسان کی ذات۔سورۂ بقرہ،آیت 48و233وغیرہ میں۔2۔آدم علیہ السلام کی ذات۔سورۂ نساء،آیت 1۔3۔انسان کا جسم۔سورۂ مائدہ،آیت 45۔4۔جنس کے معنی میں۔سورۂ اعراف،آیت 189وبقرہ،آیت 84وروم،آیت 21

5۔انسان میں موجود پوشیدہ طاقت جوکہ تین قسم پر ہے۔

1۔نفس امارۃ بالسوء(گناہ کا وسوسہ ڈالنے والا نفس)۔یوسف،آیت 53۔2۔نفس لوامہ(توبہ کرنے والا نفس)۔

3۔نفس مطمئنہ۔سورۂ فجر،آیت 27۔6۔دل کے معنی میں۔سورۂ یوسف،آیت 68ونساء،آیت 4۔

7۔اللہ تعالیٰ کی صفت۔سورۂ مائدہ،آیت 116وانعام،آیت 12۔8۔شہوت نفسانی۔یوسف،آیت 23۔

9۔روح کے معنی میں۔سورۂ توبہ،آیت 55وتکویر،آیت 7وزمر،آیت 42۔10۔بعض صفات کی نفس کی طرف نسبت جیسا کہ وسوسہ وغیرہ۔سورۂ ق،آیت 16۔11۔شح(حرص)کے معنی میں۔سورۂ حشر،آیت 9۔

12۔تسویل۔گناہوں کو مزین کرنے کے معنی میں۔سورۂ طٰہٰ،آیت 96۔

فائدہ:ہمزہ استفہامیہ اگرچہ تنبیہ کیلئے تَأْمُرُوْنَ النَّاسَ شروع میں داخل ہوا ہے لیکن اصل محل یعنی جگہ تو (تَنْسَوْنَ) ہے لہذا معنی یہ ہوا کہ اصل جرم بے عملی ہے ورنہ دعوت دینا تو گناہ نہیں تو معلوم ہوا داعی کا بے عمل ہونا ایک گناہ ہے اور جو نہ عمل کرتا ہے اور نہ ہی دعوت دیتا؟ وہ دوگنا جرم کرتا ہے؟۔ سوال: جب زجر اور متنبہ کرنے کا مقام (تَنْسَوْنَ) ہے تو کیوں ہمزہ کو تامرون پر داخل کیا ہے؟ جواب: (تَأْمُرُوْنَ) میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ نیکیوں کا علم رکھتے ہوئے بے عملی کا مظاہرہ کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں تو یہ ان کی مزید قباحت کی طرف اشارہ تو سبب زیادت قباحت کا امر بِالْبِرِّ سے اس وجہ سے اس کو پہلے ذکر کیا۔

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ : یہ جملہ بھی مزید قباحت کیلئے ہے۔

سوال: پہلے جملے تَاْمُرُوْنَ النَّاسَ میں ان کے علم کی طرف اشارہ تھا جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور (وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ) میں بھی ان کے علم کی طرف اشارہ ہے تو یہ تو تکرار رہا؟۔ جواب: وہاں عام علم کی طرف اشارہ ہے اور یہاں خاص علم مراد ہے یعنی ان کو معلوم ہے کہ اس شخص کا عذاب کیا ہوگا جو قول اور فعل میں تضاد کا مرتکب ہو اور اپنے قول کی مخالفت کرتے ہوئے نیکی چھوڑ کر برائی کرتا ہے ایسے لوگوں کی برائیاں تورات میں بھی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور اس میں اشارہ ہے ان علماء کی طرف جنہوں نے تورات کو ترک نہیں کیا اور ضد میں پختہ نہیں تھے اسی وجہ سے وہ نیکی کی دعوت اپنے دوست واحباب ورشتہ داروں اور مجالس والوں کو دیتے تھے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ : یہ ان کی مزید تذلیل بیان ہو رہی ہے کہ ایک انسان دوسروں کو بھلائی، اچھائی کی دعوت دیتا ہے اور خود اس کی مخالفت کرتا ہے یہ تضاد ہے، جو کہ عقل والوں کا کام نہیں ہے۔ عقل کا مادہ ممانعت کیلئے استعمال ہوتا ہے اور علم کیلئے بھی مستعمل ہے اور اس کا فعل عقل کے چلانے پر دلالت کرتی ہے اس مقام میں بہت توجیہات ہیں۔ یہاں پر پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہاں عقل منع کے معنی میں ہے اور مفعول مقدر ہے معنی یہ ہے کیا تم اپنے آپ کو ایسے قبیح حال سے نہیں منع نہیں کرتے ہو۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ قول نقل کیا ہے۔

دوسری توجیہ: عقل اپنے معنی پر ہے اور فعل مصدری معنی میں ہے جس کو مفعول کی ضرورت نہیں تو معنی یہ ہوا کہ کیا تمہاری عقل نہیں ہے۔ (تفسیر بیضاوی) تیسری توجیہ: عقل علم کے معنی میں ہے اور اس کا مفعول مقدر ہے اور مراد یہ ہے کہ کیا تم اس کی برائی جانتے نہیں ہو (مدارک) اس کو عقل چلانا کہا جاتا ہے۔

تفسیر 45: یہ گزشتہ اوامر اور نواہی پر عطف ہے لہذا یہ خطاب بھی بنی اسرائیل کو ہے سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ یہود نماز، زکوۃ وغیرہ احکامات کو مانتے تھے اس دلیل پر کہ یہ بر (نیکی) دوسرے لوگوں کو بیان کیا کرتے تھے لیکن خود ان کا عمل نہ کرنا سرداری کی لالچ، عوام الناس کے خوف اور مال کی وجہ سے ہے لہذا ان کو خطاب ہوا۔ وَاسْتَعِيْنُوْا : مذکورہ اوامر اور منہیات پر عمل کیلئے مدد حاصل کرو صبر کرنے پر یعنی خواہش نفسانی، مال، چودھراہٹ وغیرہ (خازن) یہاں پر استعانت سے مراد نماز اور صبر پر مدد مراد ہے یہاں دعا مراد نہیں ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ صبر اور نماز کے وسیلہ سے دعا مانگنا مطلوب ہے اگرچہ شریعت میں عمل صالح یعنی نماز وصبر کے ذریعے سے دعا طلب کرنا درست ہے مگر یہاں مراد نہیں ہے یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس خطاب میں مؤمنین بھی داخل ہیں تو مراد یہ ہے کہ اپنی مشکلات وضروریات مکمل کروانے کیلئے صبر ونماز کے ذریعے مدد طلب کرو اور یہ بھی مراد ہے کہ مصائب اور امتحانات میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مدد حاصل کرو۔ حق ظاہر کرنے پر دعوت دینے پر صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو۔ بِالصَّبْرِ: صبر کا مادہ قرآن مجید میں 103 مرتبہ مذکور ہے اور یہ دو قسم پر ہے ایک قسم صبر مذموم یعنی گناہ کے کاموں یا نامناسب حالات وکیفیات پر صبر کرتے رہنا یہ مذموم صبر ہے جو کہ پانچ آیتوں میں مذکور ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 175 وسورۂ فرقان، آیت 42 وسورۂ حم سجدہ، آیت 24 وسورۂ ص، آیت 6 وسورۂ طور، آیت 16۔

دوسری قسم صبر محمود یعنی وہ صبر جو قابل تعریف ہے اور یہ باقی آیاتوں میں ذکر ہے پھر اس صبر کی چار قسمیں ہیں:

(1)۔ مصائب پر صبر خواہ اختیاری ہو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے آگ پر صبر کیا یا غیر اختیاری ہو جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی گمشدگی پر کیا تھا۔ (2)۔ اطاعت اور عبادت پر صبر کرنا یعنی اس پر ثابت قدم رہنا اور مصائب ومشقت برداشت کرنا۔ (3)۔ گناہوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا یعنی اپنے نفس اور خواہشات کو قابو کرنا۔ (4)۔ دنیا کی لذتوں سے اجتناب کرنا جو آخرت کی لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہوں۔ یہ صبر مذکورہ بالا تمام اقسام کو شامل ہے جیسا کہ ابن کثیر، خازن رحمہما اللہ نے ذکر کیا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین جلد 2 صفحہ 152 میں لکھا ہے کہ صبر میں نفس کو فریاد سے اور ناراض ہونے سے روکے رکھنا اور زبان کو اللہ تعالیٰ کی شکایت سے بند کرنا ہے اور تمام جوڑوں کو پریشان ہونے سے روکنا وغیرہ اور انہوں نے فرمایا کہ صبر قرآن مجید میں مندرجہ ذیل 16 طریقوں پر آیا ہے۔ 1۔ صبر کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ سورۂ نساء، آیت 200۔ 2۔ ان اعمال سے منع کرنا جو صبر کی ضد ہوں، مثلاً (وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ) (لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ) (فَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا) ان کیلئے جلدی عذاب کا مطالبہ مت کرو، اپنے اعمال کو ضائع مت کرو، سستی اور غم مت کرو۔ یہ سب صبر کے مقابل چیزیں ہیں۔ 3۔ صابرین کی تعریف کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 177۔ 4۔ محبت الٰہی کا سبب ہے۔ (وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ)۔ سورۂ آل عمران، آیت 146۔ 5۔ اللہ تعالیٰ کا خاص (معیت) ساتھ کا نصیب ہو جانا۔ سورۂ بقرہ، آیت 153۔ 6۔ صبر میں خیر ہے۔ سورۂ نحل، آیت 126۔ 7۔ نیک اعمال کی بہترین جزا کا ہے۔ سورۂ نحل، آیت 96۔ 8۔ صابر کیلئے بے حساب اجر ہے۔ سورۂ نحل، آیت 96۔ 9۔ مطلق بشارت الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ سورۂ بقرہ، آیت 155۔ 10۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدد اور نصرت کے ساتھ۔ سورۂ آل عمران، آیت 125۔ 11۔ صبر کرنے والوں پر اولوالعزم ہونے کا حکم۔ سورۂ آل عمران، آیت 186۔ 12۔ ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر صبر کے ساتھ حاصل ہوتا۔ سورۂ حم سجدہ، آیت 35۔ 13۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے صبر والے کو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ سورۂ سبا آیت 19 و ابراہیم، آیت 5۔ 14۔ کامیابی کامرانی کا حصول اور عذاب سے نجات ابدی بسبب صبر حاصل ہوتا ہے۔ سورۂ رعد، آیت 26۔ 15۔ دینی امامت صبر سے حاصل ہوتی ہے۔ سورۂ سجدۃ، آیت 24۔ 16۔ مختلف آیتوں میں صبر کو مقامات ایمانیہ اور اسلامیہ کے ساتھ جمع کرنا یعنی ایمان، تقویٰ، توکل، شکر، عمل صالح اور رحمت اس کے ساتھ صبر ذکر کیا ہے۔ وَالصَّلٰوةِ

سوال: صبر تو عموم کے اعتبار سے صلوۃ کو بھی شامل ہے تو پھر صلوۃ کو الگ ذکر کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جواب: یہ زیادہ اہتمام کی وجہ سے نماز کو الگ ذکر کیا کیونکہ دین پر ثابت قدمی اور مصائب پر صبر کیلئے علاج و شفاء اسی نماز میں ہے تو اصولاً یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔ سورۂ ہود، آیت 114 و عنکبوت، آیت 45 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل بھی یہ ہیں کہ (إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى) دوسری روایۃ (فَزِعَ إِلَى الصَّلَاةِ) صحیح ابوداؤد (قال الباني اسناده حسن حدیث 1319. صحیح ابن حبان حدیث 1975)۔ یعنی کسی بے قراری و بے چینی سے نجات کیلئے نماز پڑھنے اور نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ جواب 2: صلاۃ دعا کے معنی میں ہے امام قرطبی رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ جواب 3: بقول مجاہد رحمہ اللہ صبر یہاں صوم یعنی روزہ کے معنی میں ہے۔ جواب 4: خازن اور مدارک رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ نماز کی تکلیفوں پر صبر مراد ہے۔

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ: إِنَّهَا کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے اس میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے آٹھ اقوال نقل کیے ہیں مگر بہتر قول یا تو پہلا ہے کہ مراد نماز ہے یا چھٹا قول ہے کہ ضمیر کا مرجع استعانت ہے جو کہ (اسْتَعِينُوا) کے ضمن میں مصدر ہے۔ (لَكَبِيرَةٌ) یہ کبیر علیہ سے لیا گیا ہے جو کہ بھاری، بوجھل کے معنی میں ہے یعنی نفس پر نماز اور صبر دونوں بھاری ہیں۔ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ: اس کلام میں مقصد صفت خشوع پیدا کرنے کی طرف ترغیب دینا ہے یعنی یہ صفت صبر اور صلوۃ کے آسان ہونے کیلئے سبب ہے تو معلوم ہوا کہ یہ صفت بہت ضروری ہے۔ (الْخٰشِعِينَ) خشوع سے لیا گیا ہے اور [illegible] میں 17 [illegible] ہے۔

1: انبیاء علیہم السلام کی صفت ہے۔ سورۂ انبیاء، آیت 90۔ 2: عام اوقات میں صالحین اور صالحات کی صفت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احزاب، آیت 35۔ 3: مومنین کی صفت حالتِ نماز میں ہے۔ مومنوں، آیت 2۔ 4: اہل کتاب میں صالحین کیلئے صفت ہے۔ آل عمران، آیت 199۔ 5: پرہیزگار علماء کرام کی قرآن سنتے وقت کی صفت۔ بنی اسرائیل، آیت 109۔ 6: قیامت کے دن مجرمین کی صفت۔ سورۂ شوریٰ، آیت 45۔ 7: ان کی آنکھوں کی صفت قیامت کے دن سورۂ قمر، آیت 7، قلم، آیت 43، معارج، آیت 44، نازعات، آیت 9۔ 8: ان کے چہروں کی صفت قیامت کے دن۔ سورۂ غاشیہ، آیت 2۔ 9: قیامت کے دن آوازوں کی صفت۔ سورۂ طٰہٰ، آیت 108۔ 10: زمین کی صفت۔ سورۂ حٰم سجدہ، آیت 39۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ لغت میں خشوع سکون تذلل اور عاجزی کو کہتے ہیں زمین کی سکون یہ ہے کہ وہ فصلوں کو روک لے یعنی بنجر بن جائے۔ سورۂ حٰم سجدہ، آیت 43۔ اور آنکھوں کی خشوع کی صفت یہ ہے کہ جرم کی وجہ سے قیامت کے دن سرنگوں ہونگے، نگاہیں نیچے کو جھکائے ہونے شرم کی وجہ سے۔ آواز کی خشوع آواز بند ہوجانا ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں دل کی وہ کیفیت ہے جس سے انسان کے جوڑوں اور نفس میں سکون اور تواضع پیدا ہوتا ہے (قرطبی) تو معلوم ہوا کہ خشوع اصل میں دل کی صفت ہے اور اس کا ثمرہ جوڑوں اعضاء پر نمودار ہوتا ہے، جس کو خضوع کہتے ہیں اور اس کا اثر زبان پر ظاہر ہو جائے جس کو تضرع کہا جاتا ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نفاق کے خشوع سے اجتناب کرو اور وہ یہ کہ ظاہری بدن پر عاجزی، انکساری ہو اور دل میں فسق و فجور ہو (مدارج السالکین)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے ثوری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ خشوع یہ نہیں کہ سوکھی روٹی کھائے اور (بے ہودے) کپڑے پہنے اور سر جھکائے چلے بلکہ خشوع تو یہ ہے کہ مالدار اور غریب کو حق میں مساوی سمجھ لے اور ہر فرض میں اللہ تعالیٰ کی عاجزی کریں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس مقام پر خاشعین کے چار معانی ذکر کیے ہیں۔ ما أنزل اللہ کی تصدیق کرنے والے۔ یقینی مومن اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے ڈرنے والے، تواضع کرنے والے یعنی جس میں مذکورہ صفات موجود ہوں تو ان پر صبر نماز اور ہر عبادت آسان ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اجر و ثواب کی امید اور رضا الٰہی چاہتے ہیں اور ترک کرنے پر وہ دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ صفات نہیں ہوتی ان پر عبادت اور مشکل ہوجاتی ہے۔

تفسیر 46 یہ خاشعین کیلئے صفت موضحہ ہے معنی یہ کہ خاشعین کے معنی کی وضاحت اس میں ہے یا صفت علت کے مقام میں ہے یعنی خشوع پیدا ہونے کا سبب قیامت کے دن اٹھنے پر یقین پیدا کرنا۔ اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ: یہاں ظن بہت مفسرین کے نزدیک یقین کے معنی میں ہے، اس لیے کہ بعد میں "أن" تاکید کیلئے آیا ہے لہذا یہ اس کیلئے قرینہ ہے۔ دوسری بات یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ایمان تو گمان سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یقین کے ساتھ خاص طور پر مسلک ہے۔ امام رازی اور نسفی رحمہما اللہ نے اس کو اپنے معنی پر محمول کیا ہے یعنی طمع توقع کے معنی ہیں لیکن یہ معنی اس وقت ہوگا جب (مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ) سے مراد اجر و ثواب کا حصول مراد لیا جائے گا۔ فائدہ: ابن جریر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اہل عرب کبھی یقین کو ظن (گمان) اور کبھی شک کو بھی ظن کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور یہ نام رکھنا ہے کسی چیز کا معنی مخالف پر جبکہ ابن جریر و ابن کثیر رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں ہر ظن علم ہے اور قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ظن اصل میں شک کو کہا جاتا ہے جس میں ایک جانب میلان ہو اور یقین کے جگہ میں واقع ہوتا ہے البتہ اس چیز کے متعلق جو حاضر اور محسوس نہ ہو اور ابن قیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین جلد 3 صفحہ 388 میں لکھا ہے کہ علم یقینی کو مشاہدے سے پہلے ظن کہا جاتا ہے اور یہ علم یقینی ہوتا ہے مگر خبر اور مشاہدہ میں فرق ضرور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ (لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ)

(مسند احمد جلد 215/1، اسنادہ صحیح)

فائدہ: ظن کا مادّہ قرآن مجید میں 69 مرتبہ مختلف طریقوں سے آیا ہے۔

1: غلط اور ناجائز گمان جو کہ کفار اور منافقین کی صفات میں 36 مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ 2: ظن، یقین اور علم کے مقابل آتا ہے جیسا کہ سورۃ جاثیہ، آیت 32 و نجم، آیت 28 و بقرہ، آیت 78 و نساء، آیت 158۔ 3: ظن (گمان) کے ساتھ حق ثابت نہیں ہوتا۔ سورۃ نجم، آیت 28 و یونس، آیت 36۔ 4: ظن سے اجتناب کا حکم۔ سورۃ حجرات، آیت 12۔ 5: ظن انبیاء اور مومنین کے صفت میں 11 مرتبہ مذکور ہے۔ سورۃ یوسف، آیت 42 و انبیاء، آیت 87 و ص، آیت 24 و الحاقۃ، آیت 20 و الجن، آیت 5 و 12 اور بھی آیتیں ہیں۔ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ: ملقو: لقاء سے لیا گیا ہے لقاء کا مادہ قرآن مجید میں 38 مرتبہ مذکور ہے اور اس کے مختلف وجوہ ہیں 1: التقاء، آمنا سامنا ہونا۔ سورۃ بقرہ، آیت 76 و آل عمران، آیت 119 اور بھی آیتیں اس عنوان میں ہیں۔ 2: جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار۔ سورۃ احزاب، آیت 44۔ 3: اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے حصول کیلئے ترغیب۔ سورۃ انعام، آیت 154 و رعد، آیت 2 و کہف، آیت 110 و عنکبوت، آیت 5۔ 4: یہ مومنین کی صفات میں سے ہے۔ سورۃ بقرہ، آیت 249 و ہود، آیت 29۔ 5: اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے انکار پر تنبیہ۔ سورۃ انعام، آیت 31 و یونس، آیت 45 و کہف، آیت 105 اور بھی آیتیں ہیں۔ 6: لقاء کی تعبیرات مندرجہ ذیل ہیں پہلی تعبیر لقاء اللہ و لقائنا گیارہ (11) مرتبہ دوسری تعبیر لقاء رب سے ملاقات آٹھ (8) مرتبہ، تیسری تعبیر۔ لِقَاءُ الْيَوْمِ الْآخِرِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَالْآخِرَتِ. 11 مرتبہ۔ چوتھی تعبیر۔ لقاء الحساب ایک مرتبہ تو معلوم ہوا کہ لقاء دیدار الٰہی مستعمل اور (بعث) قیامت کے دن حساب کیلئے اٹھنا اور (وقوف) اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کیلئے حاضر ہو کر کھڑا ہونا اور مرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس آیت میں بھی مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول: جزا و سزا کیلئے رب سے ملاقات مراد ہے (امام قرطبی) دوسرا قول: دیدار الٰہی روز قیامت مراد ہے (خازن)

تیسرا قول: رب تعالیٰ کی ثواب سے ملاقات (مدارک)

پہلا معنی مراد ہو تو (يَظُنُّونَ) یقین کے معنی میں ہوگا دوسرا یا تیسرا معنی مراد ہو تو (يَظُنُّونَ) توقع اور امید کے معنی میں ہوگا۔ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ: الیہ کی ضمیر رب یا جزا کی طرف راجع ہے اور اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ قیامت والے دن جزا کے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے یا اس سے مراد بعث اور جزاء کا عقیدہ ہے۔

فائدہ: اس آیت میں دو توجیہات ہیں پہلی یہ کہ یہ حال ان لوگوں کا ہے کہ جو ہر وقت خشوع کرتے ہیں اور یہ سبب دوام خشوع ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حال ان لوگوں کا ہے جو نماز میں خشوع کرتے ہیں تو یہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کا سبب ہے۔ نماز کے خشوع کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ایسے حالت میں جانیے گویا نماز میں اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھ رہا ہوں اور یہ خیال ہو کہ یہ میری آخری نماز ہے شاید دوسری نماز کا موقع نہ ملے اس صحیح حدیث کی طرح کہ (أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ) (صحیح بخاری کتاب الایمان 50، 4777، صحیح مسلم فی الایمان حدیث 9) اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اپنے خالق حقیقی کو دیکھ رہے ہو اگر تم نہیں دیکھ سکو تو یہ کیفیت اختیار کرو کہ تمہیں اللہ دیکھ رہا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿٤٩﴾

"اے اولاد یعقوب!! یاد کرو (شکر کرنے کے ساتھ) نعمت میری وہ جو تم پر کی ہے اور یقینی طور سے تمہیں فضیلت دی تمام مخلوق پر (تمہارے زمانے کے)"۔ [47] "اور ڈرو اس دن کے (عذاب) سے کہ دور نہیں کر سکے گا کوئی نفس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے (مجرم) نفس سے کچھ بھی عذاب اور نہ سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اس کے عوض لیا جائے گا اور نہ مدد کیے جائیں گے" [47] "اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور نہ سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اس کے عوض لیا جائے گا اور نہ مدد کیے جائیں گے" [48] "اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی" [49]

تفسیر 47: اس آیت سے 96 آیت تک اس حصے کا چوتھا باب ہے اس باب میں اول ان انعامات کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل پر اس وقت کیے گئے تھے جب انہوں نے صحیح خلافت قائم کر رکھی تھی اور پھر بنی اسرائیل کی ان خباثتوں کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں خلافت منتقل ہونے کا سبب بنے اور اس باب میں چھ خطابات ہیں۔ پہلا خطاب 62 تک ہے جو خاص خطاب ہے بنی اسرائیل کو اس خطاب میں آخرت کے خوف اور تیاری کیلئے ترغیب ہے پھر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان اور اس کی اتباع کی وجہ سے بنی اسرائیل پر خاص انعامات اور ناشکری کی وجہ سے دو عذاب اور آخر میں خطاب کا تتمہ ہے جس میں ایمان اور عمل صالح کی طرف ترغیب ہے اور آسمانی دین کا بے عمل وعدوں کو چھوڑ دینے کا حکم ہے تو اس آیت 47 میں بنی اسرائیل کو خاص خطاب ہے۔

سوال: ایسا خطاب تو پہلے گزر چکا ہے تو پھر دوبارہ لانے کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: وہاں خطاب اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل اور منہیات سے اجتناب کیلئے تھا اور یہاں خطاب میں نعمتوں کا تذکرہ ہے تاکہ یہ لوگ شکر بجا لائیں۔ دوسری بات یہ کہ وہاں پر نعمتوں کی وجہ سے ترغیب کا ذکر تھا اور یہاں پر ناشکری کی وجہ سے خوف دلانا مقصود ہے۔ تیسری بات یہ کہ وہاں پر موجود بنی اسرائیل کو نعمتوں پر نصیحت کرنا مقصود تھا تاکہ شکر کریں اور یہاں پر ان کو یاد کرانا مقصود ہے کہ تمہارے بڑوں پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کیے تھے اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ بڑوں پر احسان آئندہ نسلوں پر احسان کے مساوی ہے۔

اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ: تفسیر اس کی گزر چکی ہے البتہ نعمتوں کی تفصیل بعد میں مذکور ہے۔ **وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ**: اس میں بنی اسرائیل کی فضیلت کا ذکر ہے اور عام نعمتوں کے بعد خاص نعمت کا تذکرہ ہے کیونکہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بہت بڑی ہے اور یہاں اسباب فضیلت مراد ہیں یعنی رسولوں کو بھیجا اور بنی اسرائیل میں بڑی بڑی آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ ابن کثیر بحوالہ سورۃ مائدہ، آیت 20 ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس سے ملک اور پیغمبر اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منزل کتابیں مراد ہیں مگر یہ امت اس فضیلت میں ان کے ساتھ شریک ہے البتہ دیگر فضائل اس امت کے زیادہ ہے تو معلوم ہوا کہ العالمین سے مراد اس امت کے علاوہ اور امم ہیں۔ اس امت کی فضیلت تو آل عمران، آیت 110 میں اور سورۃ بقرہ، آیت 143 میں مذکور ہے۔ اس جملہ میں مقصود ترغیب دلاتا ہے اسباب فضیلت پر استقامت کیلئے جو کہ توحید اور آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانا ہے۔

تفسیر 48: ترغیب کے بعد اب اس آیت میں تخویف اخروی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان چار طریقوں سے جس کے ذریعے دنیا میں کامیابی ونجات حاصل ہوتی ہے آخرت میں نجات نہیں مل سکتی لہٰذا نجات کیلئے توحید وسنت کی اتباع کرتے ہوئے نعمتوں کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا: یہاں تقویٰ خوف وخشیت کے معنی میں ہے (یوما) مضاف کے حذف کے ساتھ مفعول بہ ہے یعنی عَذَابَ يَوْمٍ اور یوم سے مراد آخرت کا دن ہے اور یہ بعد میں آنے والی صفت کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا: یہ دنیاوی ذریعہ نجات کے پہلے طریقے کی نفی ہو رہی ہے جیسے ایک مجرم کو غیر مجرم نجات دلانے کیلئے مال یا نفسی ضمانت پیش کرتا ہے تو فرمایا کہ یہ طریقہ اس دن نا قابل قبول ہوگا۔ (لَّا تَجْزِىْ) جزء بمعنی قضا ہے کسی کا حق ادا کرنا مراد ہے۔ اور کفی (کفایت کرنے کے) معنی میں ہے۔ اغنی یعنی ہٹانے کے معنی میں ہے بعض اہل لغت نے فرق کیا ہے کہ جزئی (مجرد) قضاء کے معنی میں ہے (اور مزید فیہ) اجزی اغنا اور کفایت کے معنی میں ہے۔ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ: اول نفس غیر مجرم اور دوسرا مجرم مراد ہے اور لقمان، آیت 33 میں نفس کی مثال (وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ) باپ اور بیٹے کے ساتھ دیا ہے کیونکہ سارے لوگوں سے بڑھ کر ان کی محبت اور شفقت مثالی ہے۔ (شَيْـًٔا) یہ مفعول بہ ہے یعنی حقوق میں سے کوئی حق یا مفعول مطلق ہے یعنی کوئی حصہ قضا، اغنا اور کفایت ہے یعنی قیامت کے دن کوئی شخص دوسرے کی طرف سے کوئی حق ادا نہیں کر سکے گا اور کفایت ونیابت بھی نہیں کر سکتا، اور اس سے کوئی تکلیف اور مصیبت رفع دفع نہیں کر سکے گا۔ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ: یہ نجات کے دوسرے طریقہ سے نفی ہو رہی ہے۔ لفظ شفاعت قرآن مجید میں 11 مرتبہ مذکور ہے اور اس کا مادہ اس لفظ کے علاوہ 18 مرتبہ وارد ہے۔ (ش۔ف۔ع) جوڑے پر دلالت کرتا ہے لہٰذا شفاعت کسی کیلئے سفارش کرنا ہے تاکہ اس کو مصیبت سے بچا سکیں۔ اس میں بھی جوڑنے کا معنی ہے تو شفیع مددگار مصیبت سے بچانے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور قبولیت اصل میں کسی کام پر اثر مرتب کرنا ہے اور کبھی صحیح ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے (لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ) (صحیح مسلم، صحیح ابوعوانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1/235، ابن ماجہ 272 قال الالبانی صحیح) ''بغیر طہارت کے نماز صحیح نہیں ہوسکتی۔'' یہاں پر بھی صحیح ہونے کے معنی میں ہے یعنی شفاعت کافر کیلئے نہیں ہوگی لہٰذا جب ان کیلئے شفاعت ہی نہیں ہے تو قبولیت کہاں سے ہوسکتی ہے۔(مِنْهَا) ضمیر نفس اول کو راجع ہے جو کہ مؤمن وغیر مجرم ہے اور دوسرے نفس سے مراد کافر ہے۔

فائدہ 1: شفاعت کی نفی پانچ طریقوں سے کی گئی ہے۔ پہلا طریقہ: کافر کیلئے شفاعت سرے سے ثابت ہی نہیں۔ سورۃ اعراف، آیت 53 و شعراء، آیت 100 و انعام، آیت 51، 70، 94 و سجدہ، آیت 4 و غافر آیت 18 و روم آیت 13 و بقرہ آیت 254۔ دوسرا طریقہ: اغنا کی نفی۔ سورۃ یس آیت 23 و نجم آیت 26۔ تیسرا طریقہ: فائدے کی نفی۔ سورۃ بقرہ آیت 123 و مدثر آیت 48 و طٰہٰ آیت 109 و سبا آیت 23۔ چوتھا طریقہ: ملکیت کی نفی۔ مریم آیت 87۔ پانچواں طریقہ: قبولیت کی نفی۔ بقرہ آیت 48۔

فائدہ پانچ طریقوں سے شفاعت کا مسئلہ مذکور ہے:

پہلا طریقہ: بندوں کی آپس میں سفارش۔ سورۃ نساء، آیت 85۔ دوسرا طریقہ: پندرہ آیتوں میں شفاعت کی نفی استثناء کے بغیر۔ تیسرا طریقہ: سات آیتوں میں استثناء کے ساتھ نفی لفظ إلا کے ساتھ مذکور ہے مثلاً: إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ۔ یا بَعْدَ إِذْنِهِ۔ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا۔ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ۔ ان تمام میں مراد موحدین ہیں خواہ سفارش کرنے والا ہو یا جس کیلئے سفارش ہو رہی ہو۔ چوتھا طریقہ: شفاعت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ سورۃ زمر، آیت 44۔ پانچواں طریقہ: شفاعت والوں کو مقید کرنا شرک کرنے کے ساتھ یا شرک کے کاموں کے ساتھ۔ سورۃ روم، آیت 13 و انعام، آیت 94 و یونس، آیت 18 و زخرف، آیت 86۔

فائدہ: اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کبریٰ یا صغریٰ گناہ گاروں کیلئے صحیح اور حق ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس میں متواتر معنوی احادیث موجود ہیں اور امت کے سلف صالحین کا بھی اجماع ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی وہ آیتیں جس میں استثناء کی قید موجود ہے وہ بھی اس مسئلہ میں نص ہیں کیونکہ مستثنیٰ کیلئے مصداق ضروری ہے اور وہ موحدین ہیں۔ معتزلہ، خوارج، اباضیہ وغیرہ جتنے باطل فرقے ہیں وہ سب ایک قسم کے علاوہ باقی تمام اقسام شفاعت کے منکر ہیں۔ انہوں نے بطور دلیل عام آیتوں سے استدلال کیا ہے جن میں مطلق شفاعت کی نفی ہوئی ہے مگر وہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ (مقید) یعنی خاص آیتوں سے اندھے ہیں لہذا مذکورہ خاص آیتوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عام آیتوں میں نفی مراد ہے وہ شفاعت ہے جو مشرکین کیلئے بغیر اجازت شفاعت کرنا ہے۔ یہ مسئلہ شرح العقیدۃ الطحاویہ، شرح فقہ اکبر اور دیگر عقائد کی کتب میں موجود ہے۔

فائدہ 4: اقسام شفاعت:

ابن ابی العز نے شرح عقیدہ طحاویہ میں لکھا ہے کہ شفاعت کی آٹھ اقسام ہیں۔

پہلی شفاعت کبری ہے جو محمد ﷺ کیلئے خاص ہے جس کا مقصد ساری انسانیت کیلئے شفاعت ہے کہ لوگوں کا حساب شروع کیا جائے اور اس بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں۔ دوسری شفاعت: ان لوگوں کیلئے ہے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں ان کے جنت میں داخل ہونے کیلئے شفاعت ہوگی۔ تیسری شفاعت: ان ایمان والوں کیلئے جن پر جہنم میں داخل ہونے کا فیصلہ ہوا ہوگا ان کو جہنم سے بچانے کیلئے شفاعت کی جائے گی۔ چوتھی شفاعت: جنت میں درجات بلند کروانے کیلئے ہوگی جب مؤمنین جنت میں داخل ہوجائیں گے اس کے معتزلہ بھی قائل ہیں۔ پانچویں قسم: اس مقصد کیلئے ہوگی کہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل ہوجائیں۔ چھٹی قسم: شفاعت ابو طالب کیلئے ہے جو عذاب میں تخفیف کیلئے شفاعت کی جائے گی اور یہ کفار کی شفاعت سے خاص کیا گیا ہے۔ ساتویں قسم: تمام ایمان والوں کیلئے جنت میں داخل ہونے کیلئے ہوگی۔ آٹھویں قسم: ان مسلمانوں کیلئے شفاعت جو آگ میں داخل ہوئے ہونگے اور اعضاء سجود کے علاوہ سب جل گئے ہونگے۔ یہ تمام قسمیں صحیح احادیث میں ثابت ہیں۔ اس سے انکار کرنا جہالت، عناد اور بدعت اعتقادی ہے اور کبھی کبھی کفر تک بندے کو پہنچا دیتا ہے۔ فائدہ 5: مذکورہ شفاعت کی اقسام آخرت سے متعلق ہے اور رہا دنیا میں انبیاء، بزرگوں صالحین کی شفاعت کرنے کا عقیدہ رکھنا اور اس کو مسئلہ توسل بھی کہا جاتا ہے اور اس میں تفصیل ہے جو میں نے سورۃ مائدہ کی آیت (وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ) کے تحت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہاں مطالعہ کریں۔

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ: اس میں تیسری قسم کی نجات کی نفی ہے جو کہ جرمانہ اور فدیہ ادا کرنا ہے۔ جو مجرم بذات خود یا اس کی جانب سے کوئی اور ادا کریں۔ وَلَا يُؤْخَذُ: أخذ اکثر مالوں میں استعمال ہوتا ہے اور عدل بھی اسی قبیل سے ہے اور اسی وجہ سے یہاں أخذ ذکر کیا ہے۔ (مِنْهَا) ضمیر راجح قول یہ ہے کہ (ھا) ضمیر نفس اول کو راجع ہے البتہ دوسرے نفس کو راجع ہونے کا احتمال بھی ہے۔ عَدْلٌ: یہ مادہ قرآن مجید میں 28 مرتبہ مذکور ہے اور اصل میں عدل برابری کو کہا جاتا ہے۔ سورۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مائدہ، آیت 95 میں یہ لغوی معنی موجود ہے اور یہاں فدیہ یعنی جرمانہ مراد ہے جو جرم کے برابر ہو جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت 123 و آل عمران، آیت 91 و مائدہ، آیت 36 و انعام، آیت 70 میں ہے۔ قرآن مجید میں عدل اور معنوں میں بھی مذکور ہے مثلاً: 1۔ حق کی پوری ادائیگی۔ سورۂ بقرہ، آیت 282۔ 2۔ اپنے آپ کو گناہ کبیرہ سے بچانا اور صغیرہ پر دوام واصرار نہ کرنا۔ سورۂ مائدہ، آیت 95۔ 3۔ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ۔ سورۂ نساء، آیت 58۔ 4۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں برابری کرنا۔ سورۂ انعام، آیت 1۔ 5۔ سچ بولنا۔ سورۂ انعام، آیت 153۔ 6۔ فیصلہ اور عمل کرنا۔ سورۂ اعراف، آیت 159۔ 7۔ حق سے پھرنا۔ سورۂ نمل، آیت 60

فائدہ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے عِدْلٌ اور عَدْلٌ میں دو طریقوں سے فرق ذکر کیا ہے اول یہ ہے کہ عدل فدیہ کے معنی میں جب عین پر زبر ہو اور جب عین پر زیر ہو عِدْلٌ تو مثل اور مساوی کے معنی میں ہوتا ہے۔

دوم: عدل وہ چیز ہے جو دوسری چیز کے ساتھ قیمت اور قدر میں برابر ہو اگرچہ اس کی جنس میں سے نہ ہو اور عدل وہ ہے جو برابر ہو جنس اور شکل میں۔ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ: دنیا میں نجات حاصل کرنے کا یہ چوتھا طریقہ ہے جس کی نفی ہو رہی ہے یعنی مجرم کو چھڑانے کیلئے اس کے تابعدار شاگرد مرید دوست واحباب طاقت کے استعمال سے اسکو بچانا چاہتے ہیں لیکن آخرت میں ایسا نہیں ہو سکتا ہے (ھم) ضمیر دوسرے نفس کی طرف راجع ہے اس اعتبار سے کہ اس میں جمع کا معنی ہے۔

سوال: پہلے جملوں میں مفردات کا ذکر کیا ہے اور اس جملے میں ضمیر اور جمع کا صیغہ ہے؟۔ **جواب:** جزا، عدل، شفاعت کے وقت تو ایک بندہ بھی کافی ہے مگر مقام نصرت و مدد میں تو جمع غفیر کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے مناسب جمع ہے۔ نصرت کا مادہ قرآن مجید میں مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ 1۔ پہلا معنی غلبہ کیلئے اسباب پیدا کرنا خواہ ظاہری ہو یا روحانی۔ سورۂ آل عمران، آیت 123 و سورۂ نصر، آیت 1۔ 2۔ بچاؤ، کے معنی ملتا ہے جب اس کے بعد مِن کا حرف آجائے۔ سورۂ انبیاء، آیت 77۔ 3۔ ملکر تعاون کرنا اس کے گروہ میں شامل ہو کر۔ سورۂ اعراف، آیت 157 و حشر، آیت 12۔ 4۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، سورۂ محمد آیت 7-1۔ 5۔ غلبہ دینا۔ سورۂ بقرہ، آیت 250، 286 و آل عمران، آیت 126۔ 6۔ انتقام، بدلہ لینا۔ سورۂ قافر، آیت نمبر 51۔ 7۔ قوت اور طاقت کا استعمال کرنا۔

یہاں آخری معنی مراد ہے یعنی یہ لوگ کسی قسم کی قوت اور زور سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکیں گے اور خازن رحمہ اللہ نے یوں لکھا ہے (لَا يُمْنَعُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ) عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ امام قرطبی اور نسفی رحمہ اللہ نے مدد کا معنی لکھا ہے۔ ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کی مدد و نصرت کیلئے طیش میں نہیں آئے گا۔ کہ ان کو چھڑا سکے۔

تفسیر آیت 49: اس آیت میں پہلی خاص نعمت کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کے بڑوں پر اس وقت کی گئی تھی جب وہ عقیدۂ توحید اور اتباع موسیٰ علیہ السلام کی پابندی کر رہے تھے۔ وَإِذْ: یہ نِعْمَتِيَ پر عطف ہے جو کہ بطریقہ عطف خاص کو عام پر کیا گیا ہے اور اس میں (فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ) کی تفسیر ہے اس میں بنی اسرائیل کے موجود لوگوں کو خطاب ہے کیونکہ قانون یہ ہے کہ جن کے بڑوں پر نعمتیں ہوئیں وہ بعد والی نسلوں کیلئے بھی نعمتیں شمار ہوں گی۔ نَجَّيْنَاكُمْ: نجات یا نجوت سے لیا گیا ہے۔ بلند زمین کو کہا جاتا ہے اور عرف میں کسی تنگی سے فراخی کی طرف منتقلی کو نجات کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں نجات کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے ان صیغوں کے ساتھ، نَجَّا. نَجَّيْنَا. تُنَجِّي. يُنَجِّي. أَنْجَا. مُنَجُّوكَ اور نجات کیلئے دعا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ سورۂ یونس، آیت 86، شعراء، آیت 118، قصص، آیت 21، تحریم آیت 11 لہٰذا یہ دلیل ہے کہ نجات کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف جائز نہیں ہے صرف بطور مجازی تجارت کی طرف نسبت ہوئی ہے۔ سورۂ صف، آیت 10 میں اور بنی اسرائیل کو نجات ہجرت کرتے اور فرعونیوں کے ہلاکت سے ہوا ہے اس میں اشارہ ہے کہ ظالم بادشاہ سے نجات نعمت الٰہی ہے۔ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ: آل کسی شخص کی قوم، رشتہ دار، تابعدار اور مسلک والوں کو کہا جاتا ہے خواہ اولاد میں سے ہوں یا نہ ہو لہٰذا وہ لوگ جو توحید و سنت پر گامزن نہیں وہ محمد ﷺ کی آل میں سے نہیں ہیں اگرچہ وہ نسبی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ (قرطبی) ابن قیم رحمہ اللہ نے جلاء الأفہام میں لکھا ہے کہ آل کی اضافت قوم کے سردار کی طرف بھی ہوتی ہے۔ اشراف کیلئے بھی مستعمل ہے اور اضافت کے وقت آل میں مضاف الیہ اس کے حکم میں داخل ہوتا ہے۔ (أهل) یہ لفظ عام ہے گاؤں کی طرف اس کی اضافت ہوتی ہے جیسا کہ أهل قرية اور مضاف الیہ اس کے حکم میں داخل نہیں ہوتا۔ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فرعون کا بیٹا، بیٹی، بھائی والد، چچا یعنی قریبی خاندان کے لوگ نہیں تھے لہٰذا آل سے مراد تابعدار ہیں۔ فِرْعَوْنَ: صحیح بات یہ ہے یہ مصر کے ہر بادشاہ کا لقب تھا جیسا کہ قیصر رومیوں کے اور کسریٰ فارس والوں کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ اور اس کے نام سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ نے قابوس، ولید بن مصعب بن ریان لکھا ہے ابن کثیر رحمہ اللہ نے مصعب ذکر کیا ہے۔ بعض تاریخ والوں نے مرفتاح بن رعمیس ثانی ذکر کیا ہے۔ يَسُومُونَكُمْ: سوم سے لیا گیا ہے، ارادہ کے معنی میں ہے قریب ہونا اور تکلیف پہنچانا۔ سُوءَ الْعَذَابِ: ہر عذاب قبیح اور برا ہوتا ہے تو سوء کی اضافت میں اشارہ ہے أشد و أقبح یعنی بہت سخت عذاب۔ اس عذاب کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت شکلیں تھی۔ کسی کو غلام بنایا تو کسی کو زبردستی کاشت کاری پر لگایا، کوئی جنگلات سے پتھر لیکر آئے تو مٹی کے اینٹ بنائے اوراس کے علاوہ دیگر کام بھی ان سے کرواتے تھے۔ سورۃ مومنون، آیت 47 و شعراء، آیت 22 میں اس کا تذکرہ ہے۔ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ: یہ تفسیر ہے سوء العذاب کا بغیر واؤ عاطفہ کے اور بڑے عذاب کے ذکر کے ساتھ کیونکہ دیگر عذاب بھی تھے اس وجہ سے کہ سورۃ ابراہیم، آیت 6 میں واؤ عاطفہ مذکور ہے وہاں دیگر عذاب کی طرف اشارہ ہے اور سورۃ قصص، آیت 4 میں بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کیلئے ذبح کرنا ذکر کیا ہے۔ (یُذَبِّحُوْنَ) باء کی تشدید مبالغہ کیلئے ہے کثرت ذبح، کثرت مذبوحین پر دال ہے۔ (اَبْنَآءَكُمْ) پیدائش کے وقت نسل ختم کرنے کیلئے تاکہ کوئی ایک فرد بلوغت کو نہ پہنچ سکے۔

وَيَسْتَحْيُوْنَ: یہ دوسرا عذاب ہے اس میں تین احتمالات ہیں۔

1۔ یہ کہ استحیاء حیات سے ہے معنی یہ کہ لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے جوکہ ایک فتنہ ہیں کہ لڑکیاں زیادہ اور لڑکے کم ہوں اور حدیث میں بھی ہے کہ قرب قیامت عورتیں زیادہ ہوجائے گی اور مرد کم ہونگے یہاں تک کہ 50 عورتوں کا ایک مرد نگران ہوگا۔ (بخاری و مسلم)۔ 2۔ حیاء سے لیا گیا ہے اس طرح صیغہ سورۃ ابراہیم، آیت 53 میں ہے تو مراد عورتوں سے بے حیائی کے کام کرواتے تھے اور ان کی بے عزتی کرتے تھے۔ 3۔ حیا مقصور سے لیا گیا ہے یعنی عورت کی شرمگاہ کو کہتے ہیں یعنی عورتوں کی شرمگاہوں کو چیک کرتے تھے کہ انہوں نے کوئی اولاد تو نہیں جنی ہے۔

نِسَآءَكُمْ: بنات اس لیے نہیں فرمایا کہ پہلے معنی کے اعتبار سے جب لڑکیاں چھوڑ دیتے تو نساء بن جاتیں اور دوسرے، تیسرے احتمال پر تو لفظ نساء ہی مناسب تھا۔ فائدہ: اس خاص عذاب دینے کا کیا سبب تھا۔ اس میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول: ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ طٰہٰ کی تفسیر حدیث الفتون میں ذکر کیا ہے وہ یہ کہ بنی اسرائیل آپس میں نبیوں سے نقل کیے ہوئے قول کا تذکرہ کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو فرعونیوں کیلئے سبب ہلاکت اور ان کی حکومت کو ختم کا سبب بنے گا اور بنی اسرائیل کی حکومت قائم ہوگی۔ فرعون جب بادشاہ بنا تو اس نے ان کی بات کو اس لیے تسلیم یعنی سچ جانا کہ یہ نبوت کے گھرانوں کے لوگ ہیں جھوٹ نہیں بولتے۔ دوسرا قول: ابن کثیر، خازن اور قرطبی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے آگ نکلی اور مصر میں قبطیوں کے گھروں میں داخل ہوکر جلا دیا اور بنی اسرائیل کے گھرانیں بچ گئے۔ تعبیر والوں نے فرعون کو بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو تیری حکومت کو ختم کرے گا۔ تیسرا قول: کاہنوں نے فرعون کو بنی اسرائیل میں ایک نوجوان پیدا ہونے کا بتایا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلی توجیہ میں حدیث کی تصدیق اور نبوت کی خبر کی تصدیق ہے اور دوسری توجیہ میں فرعون کے خواب کی تصدیق ہے جو کہ کافر کا خواب ہیں اور کافر کا خواب بھی کبھی کبھی سچ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے دور میں بادشاہ کا خواب سچا ثابت ہوا تھا۔ باقی تیسری توجیہ میں کاہنوں کی تصدیق ہوتی ہے اور حدیث میں ہے کہ کاہنوں کی تصدیق کفر ہے لہذا یہ توجیہ غلط ہے البتہ اگر یوں کہا جائے کہ فرعون نے خواب کی تعبیر کاہنوں نے اس طرح کی تھیں تو پھر بھی کوئی جواز بن جائے گا۔ بعض مفسرین نے اسی طرح توجیہ کی ہے۔

وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ: یہ مادہ اصل لغت میں حقیقت ظاہر کرنے اور امتحان کیلئے آتا ہے اور امتحان سے بھی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور امتحان کبھی نعمتوں کے دینے پر کرتا ہے کہ بندہ شکر بجالاتا ہے یا نہیں اور مصیبتوں کے لانے سے آزماتا ہے تاکہ اس کا صبر معلوم کریں۔ پہلا معنی میں حقیقت معلوم کرنا ہے جیسا کہ سورۃ یونس، آیت 30 و کہف، آیت 7 و ملک، آیت 2 میں مذکور ہے اور مطلق امتحان کے معنی کے ساتھ خواہ خیر کے ساتھ ہو یا شر کے ساتھ جیسا سورۃ اعراف، آیت 168 و قلم، آیت 17 میں ذکر ہے اور مصائب کے امتحان کے بارہ میں سورۃ بقرہ، آیت 155 اور امتحان نعمتوں کے دینے پر سورۃ انفال، آیت 17، فجر آیت 15 میں ہے اور احکام شرعیہ کے امتحان کے معنی کے ساتھ جیسا کہ سورۃ مائدہ، آیت 48 و 94 و بقرہ، آیت 124 میں مذکور ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں پر امتحان کے معنی کے ساتھ (مصائب) ہے اور (ذٰلِکُم) عذاب کی طرف اشارہ ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک نعمت کے معنی کے ساتھ ہے (ذٰلِکُم) میں اشارہ نجات دینے کی طرف ہے۔ آخری توجیہ صحیح ہے کیونکہ یہ مقام نعمتوں کی تعداد کا ہے۔

مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ: اس لفظ میں اشارہ ہے کہ ہر خیر اور شر کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے کا عقیدہ رکھو۔

فائدہ: ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بلی، بیلو مجرد شر میں استعمال ہوتا ہے اور (أبلا، یبلی) مزید فیہ خیر میں استعمال ہوتا ہے اور یہ قاعدہ اکثریہ ہے۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٠﴾ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾ "اور جب ہم نے چیر دیا تمھارے (بچانے) کے لئے سمندر، بچا دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے تمھیں اور غرق کر دیا ہم نے (سب) فرعونیوں کو اور تم دیکھ رہے تھے۔"[50]" (اور یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے وعدہ کیا چالیس راتوں کا پھر موسیٰ کے (طور پر) جانے کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے۔"[51] "لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا، تاکہ تم شکر کرو۔"[52]" اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔"[53]

تفسیر 50 اس آیت میں دوسری خاص نعمت کا ذکر ہے یعنی فرعونیوں کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات اور اس میں فرعونیوں کے مظالم کا نتیجہ ہے اور اس میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی ہجرت کا تذکرہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے۔ وَإِذْ فَرَقْنَا: فرق اصل میں جدائی، تفریق کو کہتے ہیں یہاں پانی کے مابین الگ الگ حصے بنانا مراد ہے کہ اس کے ہر حصے کو فرق کہتے ہیں جیسا کہ شعراء، آیت 67 میں ہے اس واقعہ کی تفصیل سورۂ اعراف، آیت 136 اور 138 و یونس، آیت 90 و طٰہٰ آیت 77 و 78 و شعراء، آیت 52 سے آیت 66 تک ذکر ہے۔ بِكُمُ: (باء) لام کے معنی میں ہے یا با سببیہ ہے اور مضاف مقدر ہے (بِسَبَبِ إِنْجَائِكُمْ أَوْ دُخُولِكُمْ) الْبَحْرَ: یہ لفظ قرآن مجید میں مفرد 33 مرتبہ اور تثنیہ پانچ مرتبہ اور جمع تین مرتبہ مذکور ہے۔ مفرد جنس کے اعتبار سے ہے جیسا کہ اس سورت کی آیت 164 میں مذکور ہے اور بھی آیتیں ہیں اور کبھی الف لام عہدی کے ساتھ ایک معین چیز اور ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور تثنیہ دو سمندر کی اقسام کی وجہ سے ہے جیسا کہ سورۂ فاطر، آیت 12 و فرقان، آیت 53 اور جمع سمندر کی مختلف شاخوں کی وجہ سے ہیں اور اس آیت میں جس سمندر کا ذکر ہے یہ بحر قلزوم کے نام سے معروف ہے اور اس وقت بحر احمر سے معروف ہے۔ فَأَنْجَيْنَاكُمْ: یہ عاشورہ کا دن تھا جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے (صحیح بخاری حدیث 2004 و صحیح مسلم حدیث 1131) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے دریافت کیا کہ تم دس تاریخ کو کیوں روزے کا اہتمام کرتے ہو انہوں نے جواب میں کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی نجات اور فرعون کی لشکر سمیت غرق ہونے کی خوشی میں یہ روزہ رکھتے ہیں۔ اور مشرکین مکہ بھی ان کی اقتداء اور ملت ابراہیم کی وجہ سے اس روزہ کا اہتمام کرتے تھے اور مسلمان بھی قول راجح کے مطابق اس روزہ کو رمضان کی فرضیت سے پہلے فرض مانتے تھے البتہ رمضان کی فرضیت کے بعد دس عاشورہ کے ساتھ نو تاریخ کے دن کا روزہ رکھنا اب اسلام میں سنت کی پیروی ہے۔ دس عاشورہ کی فرضیت ختم ہو گئی ہے اور نو تاریخ کا روزہ مخالفت یہود کی وجہ سے ہے۔ البقرة پہلی آیت میں نجینا اور اس میں أَنْجَيْنَا باب افعال کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ پہلے نجات میں طویل زمانہ گزر گیا تھا اور دوسری (انجاء) نجات میں تو بنی اسرائیل ایک ساتھ سمندر سے پار ہو گئے۔ اور باب تفعیل میں تدریج پر دلالت ہے یعنی آہستہ آہستہ سے کام کرنا اور باب افعال ایک بار کام کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ: سوال: بعض صوفیوں ملحدین نے دعویٰ کیا ہے کہ فرعون غرق نہیں ہوا ہے اور اس کا ایمان قبول ہو گیا ہے ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آل فرعون میں آل کا غرق ہونا ثابت ہے کیونکہ مضاف مضاف الیہ کے حکم میں داخل نہیں ہوتا لہٰذا آل مضاف ہے جو غرق ہوا ہے اور فرعون مضاف الیہ ہے جو غرق ہونے والوں میں داخل نہیں ہے۔ دوسری دلیل سورۂ یونس کی آیت 92 میں ہے کہ (فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ) لہٰذا معلوم ہوا کہ فرعون نجات والوں میں سے ہے؟۔ جواب: فرعون کی نجات کا عقیدہ قرآن مجید کی صریح آیتوں کے مخالف ہے جن آیتوں میں فرعون کی ہلاکت مذکور ہے وہ یہ ہے بنی اسرائیل کی آیت 103 اور یونس کی آیت 90 اور ذاریات کی آیت 40 اور نازعات کی آیت 25۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے جلاء الافہام میں لکھا ہے کہ جہاں لفظ آل مضاف ذکر ہو تو مضاف الیہ مضاف کے حکم میں داخل ہوتا ہے البتہ تفسیر (فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ) سورۂ یونس میں آئے گی۔ ان شاء اللہ وہاں ثابت ہوگا کہ فرعون کو نجات نہیں ملی تھی۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: اس سے مراد آنکھوں سے ان کے غرق ہونے کو دیکھنا ہے یا پھر یہ کنایہ ہے کہ تمہارے سامنے وہ غرق ہو گئے دونوں توجیہات میں ایک نعمت کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارا دشمن تمہاری آنکھوں کے سامنے تباہ کیا گیا جو کہ نعمت اور خوشی کا سبب ہے۔

تفسیر 51: اس آیت میں تیسری خاص نعمت ذکر کرنے کیلئے تمہید ہے جو بعد والی آیت میں مذکور ہے البتہ اس آیت میں بنی اسرائیل کا جرم ذکر کرتا ہے اور وہ بچھڑے کی عبادت کرنا ہے جو کہ شرک ہے۔ وٰعَدْنَا سوال: یہ باب مفاعلہ سے ہے دونوں جانب سے صدور چاہتا ہے مگر یہاں تو وعدے کا صدور تو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہے؟۔

جواب 1: کبھی صیغہ مزید مجرد کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ (عَاقَبْتُ اللِّصَّ) میں نے چور کا تعاقب کیا۔ یہاں پر دوسری قرأت مجرد بھی (وَعَدْنَا) آئی ہے۔ جواب 2: اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ امر کے طریقہ پر ہے جو بذریعہ وحی ہوا تھا اور موسیٰ علیہ السلام میقات پر گئے تھے اس امر کی تکمیل کیلئے اس کو مواعدہ کہا گیا ہے۔

مُوسٰی: اس لفظ کا تذکرہ قرآن مجید میں 136 مرتبہ ہوا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے کہ موسیٰ بن عمران بن یصھر بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔ موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب ابراہیم علیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

السلام پر جا پہنچا ہے۔ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً: سورۃ اعراف، آیت 142 میں اس کی تفصیل ہے یہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں (لیلۃ) کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اسلامی (قمری) حساب میں رات پہلے آتی ہے اور دن بعد میں اربعین کے لفظ سے پہلے لفظ اتمام یا انقضاء مقدر ہے۔

سوال: سورۃ اعراف سے معلوم ہوتا ہے کہ اول 30 راتوں کا وعدہ ہوا تھا پھر اس میں 10 راتوں کو بڑھا دیا گیا اور یہاں: 40 راتوں کا ذکر ہے؟ جواب: سورۃ اعراف میں واقعہ تفصیل سے ذکر کرنا مقصود ہے اس لیے وہاں دس اور تیس کو الگ الگ ذکر کیا ہے اور یہاں تو صرف نعمتوں کو ذکر کرنا مقصود ہے اس لیے یہاں اجمالی طور پر بطور نعمت اس واقعے کو ذکر کیا ہے لہذا یہاں مجموعی طور پر چالیس 40 راتوں کا تذکرہ ہے۔ مفسرین کے قول کے مطابق ان دنوں میں موسیٰ علیہ السلام پر روزہ رکھنا بھی شرعی امر تھا۔ مگر صوفیوں کا اس واقعہ سے چلے کی دلیل لینا یا وصال یعنی مسلسل روزہ رکھنے کی دلیل لینا بھی درست نہیں کیونکہ وصال سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (متفق علیہ) اور موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کتاب اللہ کے حصول کیلئے گزارے تھے نہ کے کسی اور مقصد کیلئے اور اس میں قیاس بھی شرعاً صحیح نہیں ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ: اتخاذ اس مقام پر استعمال ہوتا ہے کہ حقیقت کسی چیز کا اور ہو اور اس کی صفت کو بدلا جائے اس مقام پر بھی سونے کا بچھڑا بنا کر اس کو گائے کا بچہ تصور کیا گیا تھا اور اسی طرح عجل مخلوق ہے اور انہوں نے اس کو معبود بنا لیا۔ یہاں پر اتخاذ کے معنی میں دو احتمالات ہیں پہلا احتمال یہ کہ بناوٹ کے معنی میں ہے یعنی سونے کے زیورات سے بچھڑے کا شکل بنایا تھا، اور دوسرا احتمال یہ کہ یہاں پر مفعول ثانی مقدر ہے جو کہ (إِلٰهًا) ہے یعنی (اتَّخَذُوا الْعِجْلَ إِلٰهًا)۔ یعنی بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ سورۃ اعراف، آیت 148 میں اتخاذ دو مرتبہ مذکور ہے اور یہاں دوسرا احتمال راجح ہے۔ سوال: بنی اسرائیل تو ہوشیار تھے انہوں نے عقل کے باوجود کس طرح بچھڑے کو إلٰہ کہا؟

جواب 1: دنیا کے کاموں میں جتنا بھی ہوشیار ہو قرآن نے مشرک کو بے عقل قرار دیا ہے۔ جواب 2: یہود میں حلول کا عقیدہ پہلے سے موجود تھا انہوں نے یونانیوں سے لیا تھا۔ عقیدہ حلول یہ ہے کہ جس طرح پانی دودھ میں حل کیا جائے تو پانی کو دودھ کہا جاتا ہے اسی طرح یہود اللہ تعالیٰ سے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوق میں حلول کرتا ہے اور مزید یہ کہ مخلوق کو الٰہ بنائے تھے ان کو صفات الٰہی دیتے تھے اور بنی اسرائیل میں یہ طریقہ فرعون کی قوم قبطیوں سے منتقل ہوا تھا کیونکہ وہ گائے، بیل، بچھڑے کی عبادت کرتے تھے اور ان کی اصطلاح میں اس کو حاثور کہتے تھے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے سورۃ طٰہٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ بچھڑے کی عبادت اس طرح کرتے تھے کہ اس کے اردگرد گھومتے، رقص کرتے یہ طریقہ ہندوؤں میں بھی ہے رقص کے ساتھ عبادت کرنا اور صوفیاء ملحدین بھی اس طریقہ سے عرس کے موقعہ پر ناچ، رقص کے ساتھ جھوم کر یہود سے مشابہت کرتے ہوئے رسمی عبادت کرتے ہیں۔ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ: لفظ ظلم کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے کیونکہ عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مشرکین اس حق کو غیر اللہ کو دیتے ہیں جو کہ سراسر ظلم ہے۔

تفسیر 52: اس آیت میں اس نعمت کا ذکر ہے جس کیلئے پہلی آیت میں تمہید گزر چکی ہے یعنی بچھڑے کی عبادت۔ شرک جیسے جرم کو توبہ کی وجہ سے معاف کرنا ہے۔

سوال: شرک تو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا جیسا کہ سورۃ نساء آیت 48-114 میں مذکور ہے لہذا ان کو کیونکر معاف کیا؟

جواب: ان کو توبہ کا حکم اور قبولیت توبہ بعد والی آیت 54 میں مذکور ہے اور توبہ کے الفاظ سورۃ اعراف، آیت 149 میں مذکور ہیں۔ عَفَوْنَا: یہ اضداد میں سے ہے جس کا معنی مٹا دینا، جب گناہ کے ساتھ اس کا ذکر ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے اور زیادہ کرنے کے معنی میں ہے سورۃ بقرۃ، آیت 219 اور عفو اور مغفرت میں فرق دو طریقوں سے ہے۔ پہلا فرق: امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عفو کا معنی گناہ کو مٹا دینا خواہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہو یا بعد میں اسی طرح اگر گناہ کے بعد سزا معاف ہو جائے تو اس کو بھی عفو کہتے ہیں اور مغفرت گناہ کی اس معافی کو کہتے ہیں جس میں سزا نہ ہو۔ دوسرا فرق: بقاعی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر نظم الدرر میں ذکر کیا کہ عفو یہ ہے کہ گناہ کی سزا تو معاف ہو جائے مگر اس کا تذکرہ معاف نہ ہو جبکہ مغفرت یہ ہے کہ گناہ بھی معاف ہو جائے اور گناہ کا ذکر بھی ختم ہو جائے۔ تیسرا فرق: یہ کہ عفو گناہ کو اعمال نامہ سے ختم کیا جائے اور مغفرت یہ ہے کہ گناہ کو مخلوق سے چھپایا جائے۔

مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ: ذلک بچھڑے کی عبادت کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: ثم تو تاخیر کیلئے ہے اور (مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ) بھی تاخیر پر دلالت کرتا ہے تو تکرار کی کیا وجہ ہے؟ جواب: دو چیزیں ہیں ایک بچھڑے کی عبادت دوم توبہ کرنا اور عفو کرنا ان دونوں چیزوں کے بعد ہے۔ دوسری بات یہ کہ ایک گناہ کا عمل اور دوسرا گناہ کا زمانہ ہے تو ان دونوں سے موخر کرنا مراد ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: لعل یہاں طلب کیلئے ہے جیسا کہ آیت 21 میں گزر چکا ہے یعنی نعمت کا ذکر شکر طلب کرنے کیلئے ہے شکر کا مادہ قرآن میں 73 مرتبہ وارد ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں چھ (6) مرتبہ آیا ہے اور اللہ کی نسبت شکر کا معنی یہ ہے کہ نعمت کو ظاہر کرنا ہے اور شکر کرنے والوں کے شکر کو قبول کرنا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور انسانوں کو ناشکری کرنے پر 12 مرتبہ تنبیہ کی گئی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے ،، مدارج السالکین ،، میں فرمایا ہے کہ لغت میں شکر ظاہر ہونے کو کہتے ہیں جیسا کہ کھانے کا اثر بدن پر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث یا جوج وما جوج مسلم میں ہے کہ ان کے گوشت سے جانور اور پرندے سیراب ہوجائیں گے۔

شریعت کی اصطلاح میں اس کی بہت تعبیرات ہیں جس کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں وہاں پر تفصیل دیکھیں۔ بقاعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے شکر بمعنی برکت باطنی کو ظاہر کرنا ہے (نظم الدرر)۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شکر بندے کا یہ ہے کہ زبان سے ثناء کا اظہار کریں اور دل میں محبت اعلیٰ طریقہ پر ہو اور بدن پر اطاعت ظاہر کریں یہ ہے اللہ تعالیٰ کا شکر۔ اور شکر کیلئے پانچ قواعد ہیں: 1۔ عاجزی کرنا اس کے سامنے جو شکر کا حقدار ہو۔ 2۔ اس کے ساتھ محبت کرنا۔ 3۔ اس کی نعمت کا اقرار کرنا۔ 4۔ اس کی ثناء بیان کرنا۔ 5۔ اور جہاں نعمت دینے والا ناراض ہو وہاں نعمت استعمال نہ کرنا۔

تو معلوم ہوا کہ شکر ادا کرنے کے دو ارکان ہیں۔ پہلا رکن: اس نعمت کی نسبت منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اور یہ درجہ توحید اور ترک شرک کا ہے۔ دوسرا رکن: نعمت کو ان جگہوں میں خرچ کرنا جہاں منعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی خوشی ہو اور یہ درجہ سنت کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا سنت پر معلوم ہوسکتی ہے تو معلوم ہوا کہ ہر کفر و شرک اور بدعت اور اس کے علاوہ اور گناہ یہ سب ناشکری ہے اور شکر کے مقابلے میں قرآن و سنت اور عرف میں کفران، ناشکری ذکر ہوتا ہے۔

تفسیر 53: اس آیت میں بنی اسرائیل پر چوتھی خاص نعمت کا ذکر ہے ان کو تورات دی نیز پہلی نعمت سے مناسبت یہ ہے کہ شرک سے بچنے کیلئے کتاب اللہ کا ہونا ضروری ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اب بڑی کتاب کی ضرورت پیش آئی جبکہ ابھی تک بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے چل رہے تھے۔ بچھڑے کی عبادت کے زمانہ میں میقات اول میں موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی تھی۔ الْكِتٰبَ: اس سے مراد تورات ہے جیسا کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے البتہ تورات کی بعض صفات اور دینے کا طریقہ سورۂ اعراف، آیت 145، 154 میں مذکور ہے۔ وَالْفُرْقَانَ: یہ فرق سے مبالغے کا صیغہ ہے مراد جدا کرنے والا خوب جدا کرنے کے ساتھ۔ یہاں پر مفسرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ کہ واؤ برائے عطف ہے یعنی صفت کو صفت پر عطف کیا ہے اور موصوف ایک ہے یعنی الفرقان بھی تورات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ الفرقان سے مراد معجزات ہیں اور کتاب سے مراد تورات ہے۔ جو سبب فرق ہے حق اور باطل کے درمیان جس میں سے کچھ کا ذکر ہوا اور کچھ کا بعد ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ: الفرقان قرآن مجید میں 7 مرتبہ پانچ مصداقات کے ساتھ وارد ہوا ہے

1۔ قرآن کے معنی میں۔ سورۃ فرقان، آیت 1۔ 2۔ تورات کے معنی میں۔ سورۃ انبیاء، آیت 48۔ 3۔ فتح اور نصرت کے معنی میں۔ سورۃ انفال، آیت 29و41۔ 4۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ 5۔ دیگر کتب اور صحائف منزلہ۔ سورۃ آل عمران، آیت 4۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ تورات دینے میں مقصد ہدایت کی طلب تھی جبکہ تورات کی صفت بھی ہدایت تھی۔ سورۃ مائدہ، آیت 44 و اسراء، آیت 2 ہر کتاب جو منزل من اللہ ہوا پنے دور میں اس امت کیلئے ہدایت ہوتی ہے لہٰذا بنی اسرائیل جب تورات پر عمل پیرا تھے تو ہدایت پر تھے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ "جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے آپ کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی، یقیناً وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔" [54] "اور (تم یہ بھی یاد کرو) جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ اے موسیٰ ہرگز ہم ایمان نہیں لاتے آپ پر جب تک ہم دیکھ نہ لیں اللہ تعالیٰ کو واضح تو آ پکڑا تمہیں (آسمانی) بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے۔" [55] "پھر زندہ کیا ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد تاکہ تم شکر کرو۔" [56]

تفسیر 54: اس آیت میں پانچویں نعمت کا ذکر ہے جو کہ بنی اسرائیل پر خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے کی تھی اور وہ گناہ سے درگزر کرنا تھا اور گناہ معاف کرنے کے ساتھ سزا بھی معاف کی اور پہلی آیت سے مناسبت یہ ہے کہ کتاب اللہ اس گناہ سے توبہ کا سبب بنا۔ پھر سزا میں تخفیف یعنی آسانی کا سبب بنا۔ لِقَوْمِهٖ: لام برائے خطاب ہے۔ قوم۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ (امرا) کی جمع ہے اور یہ لفظ کے بغیر جمع آیا ہے مردوں، عورتوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔ انبیاء کے واقعات میں (یا قوم) کا خطاب مرد و زن دونوں کیلئے ہوتا ہے کبھی صرف مردوں کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حجرات،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت 11 میں ہے۔ (قوم) عرف میں وہ لوگ جن کی نسبت کسی بڑے شخص کی طرف ہو خواہ وہ نسبت دنیوی ہو یا دینی اور کیونکہ ان لوگوں کا نظام اس سردار کی وجہ سے ہوتا ہے اگرچہ وہ قوم کے افراد میں سے نہ ہو جیسا کہ لوط علیہ السلام ان قوم کے فرد نہیں تھے لیکن پھر بھی اس لے یا قوم خطاب کیا ہے۔ اس مقام پر ان لوگوں کو خطاب ہے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ: ہر وہ شخص جو گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ اپنا اجر و ثواب ضائع کرکے جہنم کا حقدار بن جاتا ہے اور یہ اپنے اوپر ظلم ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہر وہ انسان جس کے عمل کی برائی اس کو پہنچے جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھ برا کیا ہے۔ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ: (باء) سببیت کیلئے ہے اور اتخاذ کیلئے ایک مفعول مقدر ہے جو کہ لفظ (اِلٰهاً) ہے اور یہ دلیل ہے کہ (اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ) کا خطاب صرف بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کیلئے ہے۔ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ: یہ آیت دلیل ہے کہ مرتد کو توبہ کی دعوت دینا جائز ہے اور اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں جن کو کتاب الارتداد میں فقہاء نے لکھا ہے۔ (بَارِئِكُمْ) یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک صفتی نام ہے جو قرآن مجید میں 3 مرتبہ ذکر ہوا ہے اور یہ (برء) سے لیا گیا ہے جو پاکی اور جدائی کے معنی میں ہے تو (باریٔ) وہ ذات جو پاک صاف مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور جو زیادہ تناسب اور اعتدال سے ہو اور شکلوں صفتوں اور اخلاقیات میں ایک دوسرے سے الگ الگ ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں خالق اور مصور سے زیادہ معنی موجود ہے اور اس اسم کو یہاں توبہ کے ساتھ بطور استدلال یا ترغیب ذکر کیا ہے یعنی وہ ذات جس نے تمہیں جدا جدا اور خوبصورت شکلیں دیں ہیں اس کی معصیت سے توبہ کرنا لازم ہے۔ تفسیر مدارک میں کہا ہے کہ اس آیت میں ان کو ڈانٹ (تنبیہ) ہے یعنی وہ ذات جس نے انسان کو بہترین صورت اور صفات سے نوازا ہے پھر اسی خوبصورت شکل وصفات کے باوجود گائے کو پوجتے ہیں جو کہ ان کے مقابل بدشکل اور غیر عاقل، غبی حیوان ہے لہٰذا یہ نہایت ظلم ہے۔ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ: مفسرین کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ توبہ زبان اور دل سے تھا اور قتل سے اس کی تکمیل ہوئی تھی جیسا کہ ہماری امت میں رجم اور قصاص میں حد زنا و قتل توبہ کیلئے سبب تکمیل ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے دین میں تھا کہ شرک اور ارتداد کے مرتکبین قتل کیے جائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ (فَاقْتُلُوْٓا) توبہ کیلئے تفسیر ہے اور (تُوْبُوْٓا) توبہ کے عزم کرنے کے معنی میں ہے تو اس قول کی بناء پر نفس کا قتل بنی اسرائیل کے دین میں عین توبہ تھا۔ (اَنْفُسَكُمْ) اس سے مراد اپنی جانیں ہیں البتہ (فَاقْتُلُوْٓا) سے مراد اپنے آپ کو قتل کے حوالے کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اس قول کی بناء پر یہ خطاب قتل کرنے والے مومنین کو ہے یا مراد (اَنْفُسَكُمْ) سے ہم جنس ہے یعنی وہ افراد بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی ہے تو اس قول کی بنا پر (فَاقْتُلُوْا) میں خاص ان افراد کو خطاب ہے جو غیر مجرم ہیں یعنی جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی۔ وہ ان افراد کو قتل کریں جو بچھڑے کی عبادت کرنے والے تھے یا (فَاقْتُلُوْا) خطاب مجرموں کو ہے اور یہ اَنْفُسَكُمْ سے مراد ہے لیکن (فَاقْتُلُوْا) سے مراد (تقاتل) ہے یعنی مجرم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ : اس جملہ میں توبہ کرنے کیلئے قتل کو ترغیب ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ مجرم کو سزا دینے میں بہت سے فائدے ہیں اگرچہ بہت سے انسانوں کو وہ فائدے نظر نہیں آتے البتہ اللہ تعالیٰ کو وہ فائدے معلوم ہیں۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ : اس سے قبل عبارت مقدر ہے یعنی (تُبْتُمْ وَقَتَلْتُمْ أَنْفُسَكُمْ) یعنی تم نے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل کیا یا اپنے آپ کو قتل کیلئے حوالے کیا لہٰذا اس کی تفریع کرتے ہوئے فرمایا کہ (فَتَابَ عَلَيْكُمْ) تمہاری توبہ قبول ہو گئی ہے مالک نے درگزر کر لیا ہے۔

سوال: جب بچھڑے کی عبادت کرنے والے قتل کیے گئے تو ان کو فَتَابَ عَلَيْكُمْ خطاب کیا فائدہ دیتا ہے؟

جواب 1 : پہلے خطابات اور انعامات میں یہ طریقہ گزر چکا ہے کہ والدین کے انعامات میں اولاد شامل ہوتے ہیں اور یہ اولاد کیلئے بطور نعمت ہے۔ جواب 2: یہاں پر توبہ تخفیف کے معنی میں ہے جیسا کہ سورۂ نساء، آیت 92 و توبہ، آیت 117 میں مذکور ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مسئلہ آسان کیا ان میں سے بعض کو قتل کروایا اور بعض کیلئے حکم منسوخ کر دیا یعنی کچھ افراد قتل کیے گئے اور باقی کیلئے حکم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی دعا کی وجہ سے منسوخ ہوا۔

سوال: آیت 52 میں توبہ عفو کے معنی میں گزر چکی ہے دوبارہ ذکر کرنا تو تکرار ہے؟ جواب 1: یہ سوال دلالت کرتا ہے کہ یہاں تاب سے مراد عذاب میں تخفیف یعنی سزا میں کمی ہے جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں گزر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نعمت کو تخفیف عذاب کا نام دیا گیا ہے۔ جواب 2: پہلے صرف گناہ کا عفو کا ذکر ہوا ہے جبکہ اس آیت میں توبہ اور معافی کا طریقہ ذکر ہوا ہے۔ تنبیہ: مفسرین نے اس مقام پر موقوف روایات کا ذکر کیا ہے جس میں بنی اسرائیل کے ستر ہزار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(70000) افراد کے قتل کا ذکر ہے۔ تفسیر مراغی میں ہے کہ جب تعداد کے بارے میں ہمارے پاس قطعی نص نہیں ہے تو ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ تو اسرائیلی روایات ہیں جو اپنی قوم کی برکات ثابت کرنے کیلئے بڑھا چڑھا کر تعداد بیان کرتے ہیں اس میں ان کا کم عرصہ میں زیادہ تعداد ثابت کرنا مقصود ہے جیسا کہ انہوں نے تحریف شدہ تورات کتاب العدد میں لکھا ہے کہ یعقوب علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام تک بقول ابن خلدون رحمہ اللہ چار نسلیں یعنی پشتیں گزری ہیں۔ درمیان میں فرعون نے ان کے بہت سارے بچوں کو قتل کیا تھا تو اتنے کم عرصہ میں کیسے ان کے ستر ہزار لوگ مرتے رہے اور پیدا ہوتے رہے اور طاعون پر بھی مرے تو معلوم ہوا کہ یہ روایات صرف بنی اسرائیل کے مبالغہ آمیزی پر مبنی ہیں جس میں اپنی نسل کی برکات ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ : اس طرح پہلے گزر چکا ہے تواب میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کا طریقہ خود بتاتے ہیں اور توبہ کے بعد اپنی رحمتوں، نعمتوں کو ان پر جاری کرتے ہے۔

تفسیر 55: اس آیت میں انکے شرک اور توبہ ذکر کرنے کے بعد انکے ایک اور جرم عمل پر زجر اور عقوبت ذکر ہو رہا ہے اور یہ چھٹی نعمت کیلئے تمہید بھی ہے جو کہ مرنے کے بعد دوبارہ حیات ہے جو بعد والی آیت میں مذکور ہے۔ وَإِذْ : یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ مستقل واقعہ ہے جو بچھڑے کی عبادت کے بعد واقع ہوا ہے جس کی کچھ تفصیل سورۃ اعراف: آیت 155 میں مذکور ہے۔ اس واقعہ کی ترتیب میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ بچھڑے کی عبادت کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کی ترغیب دی تو توبہ کی کیفیت کیلئے ان سے ستر سردار منتخب کیے اور دوسرا میقات کیلئے لیکر گئے جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خصوصی اور عمومی وحی کی تو انہوں نے ان سرداروں کو کلام الٰہی سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کیلئے قتل کا حکم دیدیا ہے جیسا کہ آیت گزر چکی ہے تو انہوں نے اس حکم کو ماننے اور تصدیق بالغیب کرنے سے انکار کر دیا اور رویت کا مطالبہ کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب میقات اولیٰ سے موسیٰ علیہ السلام تورات لیکر واپس ہوئے اور قوم کی توبہ قبول ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات کے اوامر اور نواہی بیان کرنا شروع کیے تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سامنے ظاہر ہو کر کہہ دے تو ہم مان لیں گے ورنہ نہیں۔ پہلے قول کی بنا پر جو کہ مشہور ہے یہ ستر (70) لوگوں کا قول ہے اور دوسرے قول کی بنا پر یہ سارے بنی اسرائیل کا قول ہے صرف مخلصین اس سے مستثنیٰ ہیں لیکن سورۃ اعراف کی تائید سے پہلا قول راجح ہے۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ : ایمان کے صلہ میں جب لام آجائے تو لغوی تصدیق اور پختگی مراد ہوتی ہے لہذا یہ نفی تصدیق لغوی کا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ (لَكَ) میں معنی ہے (لِأَجْلِ قَوْلِكَ) یعنی تیرے قول کی وجہ سے۔ تو یہ ایمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرعی کی نفی ہے۔ تنبیہ: اس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل یا وہ ستر افراد اس قول سے مرتد ہو گئے تھے اس لیے ان کے لیے موت کی سزا مقرر ہوئی لیکن ان کی توبہ کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے موت کی سزا معاف ہو گئی۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ ان کا ایمان سے انکار کا مقصد نہیں تھا مگر جہالت اور اپنے مطالبہ کی تاکید کیلئے یہ جملہ استعمال کیا تھا لہذا مرتد نہیں ہونے البتہ ان کو سزا اللہ و رسول کے خلاف آداب گفتگو کی وجہ سے ہوئی۔ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً: یہ ان کے قول کی انتہا یعنی غایہ ہے۔ (جَهْرَةً) ظاہر کو کہا جاتا ہے مراد (عَيَانًا) آمنے سامنے بے نظروں کے سامنے۔ یہ قید اس لیے لگا دی کہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ نری سے مراد رؤیت علمی نہیں ہے بلکہ آنکھوں کی رؤیت مراد ہے۔ فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ: لفظ (اخذت) کہا (نزلت) نہیں کہا وجہ یہ ہے کہ (اخذت) میں ہلاکت کا یقینی معنی پایا جاتا ہے جبکہ نزلت میں یقینی معنی ہلاکت کیلئے نہیں۔ (الصّٰعِقَةُ) صعق کی تحقیق گزر چکی ہے۔ علامہ خازن رحمہ اللہ نے اس بارے میں اقوال نقل کیے ہیں۔ 1۔ موت۔ 2۔ ان پر آگ برسے اور ان کو جلایا یعنی بجلی نے ان کو جلا دیا۔ 3۔ لوط، شعیب اور صالح علیہم السلام کی قوموں کی طرح (صَيْحَةٌ) چیخ کا عذاب ان پر نازل ہوئے۔ 4۔ ملائکہ کی بہت بڑی تعداد کے آنے کی آواز سن کر یا ان کو دیکھ کر خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو کر مر گئے۔ سورۃ اعراف، آیت 155 میں اس کو رجفہ کہا گیا یعنی زمین کا زلزلہ یا دلوں کا خوف مراد ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: تفسیر مدارک میں ہے کہ نزول آگ یعنی صاعقہ کو دیکھ رہے تھے یا ایک دوسرے کو مرتے ہوئے دیکھ رہے تھے (تفسیر خازن) یا موت کے آثار آنے والی نسلوں میں دیکھنا مراد ہے۔

تنبیہ: معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا و آخرت میں قطعی طور پر نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اس مطالبہ پر تو ان پر صاعقہ اتارا گیا تھا؟۔

جواب: ان پر عذاب کا نزول اس قول (لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ) کی وجہ سے تھا جو کہا تھا لہذا یہ مرتد ہونے کا جملہ ہے یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کسی محبت کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے یہ مطالبہ بداخلاقی کرتے ہوئے اللہ اور رسول کے قول کی توہین بھی کی تھی۔ (تفسیر خازن)

تفسیر 56: اس آیت میں بعث زندگی جوان کو دی گئی مرنے کے بعد اس کا ذکر ہے۔ (بعث) اصل میں زندہ کرنے اور بھیجنے کے معنی میں ہے۔ یہاں پر پہلا معنی مراد ہے یعنی ارواح ڈال کر ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا۔ اور یہاں پر موت کا حقیقی معنی مراد ہے جو لوگ یہاں پر موت کی تاویل بے ہوشی یا جہل سے کرتے ہیں تو یہ سلف صالحین کی تفسیر کے خلاف ہے اور امکان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے باوجود حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لیتا ہے اور یہ دونوں باطل ہیں اور سورۃ اعراف میں اہلاک کا لفظ بھی صریح ہے ان کی موت پر۔ فائدہ 1: تفسیر ماوردی میں ہے کہ جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پا لیتے ہیں ان سے متعلق علماء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اب یہ دینی امور پر مکلف نہیں ہے بلکہ ان کا ایمان ایک اضطراری کیفیت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا دینی امور پر مکلف ہونا باقی ہے اس لیے کہ دنیا میں کوئی بھی صاحب عقل و شعور عبادت کے بغیر مہمل نہیں ہو سکتا اور یہ صحیح قول ہے۔ فائدہ 2: اس آیت میں عقوبت یعنی سزا کی موت ہے موت موجل نہیں ہے اور اس موت کے بعد والی زندگی خارق العادت ہے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور یہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور اللہ تعالیٰ کا اس دعا کو قبولیت بخشنا تھا۔ اس کا تذکرہ سورۃ اعراف میں ہے اور اس سورت میں اس قسم کے پانچ واقعات مذکور ہیں۔ پہلا واقعہ تو یہ ہے۔ دوسرا آیت 73۔ تیسرا آیت 243۔ چوتھا آیت 259۔ پانچواں آیت 260 میں ہے اور یہ سب خرق عادت واقعات ہیں۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بتاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ امور عادیہ پر قادر ہے اسی طرح امور غیر عادیہ پر قادر ہے اور جس طرح ایمان لانا ان آیتوں پر فرض اور لازم ہے جن آیتوں میں قیامت کا ثبوت ہے اسی طرح ان آیتوں پر ایمان لازم ہے جن آیتوں میں اس قسم کی خارق العادت واقعات ہیں اور یہی آیتیں اس قسم کے واقعات پر ایمان لانے کیلئے دلیل ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: جیسا کہ توبہ کی قبولیت شرک سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جو کہ آیت 52 میں گزر چکی ہے تو اسی طرح کہ مرتد ہونے کے بعد قبولیت توبہ بھی عظیم نعمت ہے۔ اس وجہ سے آیت 52 اور اس آیت میں شکر کا ذکر ہوا اور لفظ شکر تمام اطاعتوں کو شامل ہے۔ (لباب للدمشقی)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿57﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ "اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور بھیج دیے تمہارے لئے ترنجبین اور بٹیر (کہا ہم نے) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔"[57] "اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے حطہ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔"[58]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 57: اس آیت میں ساتویں نعمت کا ذکر ہے اور وہ دو قسم کا ہے ایک قسم رہائش کے لئے مکان ہے دوسری قسم بغیر تکلیف کے طعام ہے اور مشروب ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں ہجرت کر کے میدان تیہ میں وارد ہوئے تو رہائش کیلئے کوئی ٹھکانہ جو کہ دھوپ اور گرمی سے پناہ گاہ بن سکے نہیں تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے بادل کو سایہ بنا دیا اور کھانے پینے کیلئے (من اور سلویٰ) کا انتظام کیا۔

وَظَلَّلْنَا: واؤ حرف عطف ہے ایک واقعے کو دوسرے واقعہ پر عطف کیا ہے اور پہلی آیت سے ربط یہ ہے کہ اس میں زندگی کی نعمت کا تذکرہ تھا اور اس آیت میں بقاء زندگی کا ذکر ہے اور اس نعمت کا ذکر سورۃ اعراف، آیت 160 اور سورۃ طٰہٰ، آیت 80 میں مذکور ہے۔ سوال: گزشتہ نعمتوں کو (اذ) کے ساتھ ذکر کیا تھا اور اس میں اذ کو ذکر نہیں کیا ہے؟

جواب: گزشتہ ہر نعمت یا تو حیات دنیاوی ہے یا روحانی ہے تو وہ عظیم نعمت ہے اور یہ تو کھانا پینا اور سایہ ہے جو عارضی نعمت ہے۔ (واللہ اعلم) وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ: اس میں اشارہ ہے کہ اس بادل میں فائدہ صرف سایہ کرنا تھا بارش وغیرہ مقصود نہیں تھی۔ الْغَمَامَ: اس سفید بادل کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سورج کی تپش اور تیز روشنی کم ہو جائے اور اندھیرا نہ ہو اور گرمی بھی نہ ہو عام لغت میں ڈھانپنے کو کہا جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے وَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ (صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال حدیث 1906)۔ حدیث کی اس مثال میں مقصد صرف غمام کا لغوی معنی مقصود ہے۔ غمام کی نعمت کی وجہ سے تعمیرات اور خیموں وغیرہ کی تکلیف سے بچ گئے اور گرمی سے بچاؤ کے سامان کے محتاج بھی نہیں ہوئے۔ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ: یہاں راجح قول یہ ہے کہ (انزال) پیدا کرنے کے معنی میں ہے یعنی آسمانی تدابیر سے خرق عادت کے طور پر بغیر ظاہری اسباب یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دی تھی۔ سورۃ اعراف، آیت 26 حدیث 25 یعنی زمین کے ظاہری اسباب اس میں شامل نہیں ہے۔ الْمَنَّ: اس کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول: ترنجبین۔ دوسرا قول: میٹھا شربت۔ تیسرا قول: شہد۔ چوتھا قول: چیونگم کی طرح

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اقوال ایک دوسرے کے قریب ہیں یعنی ہر وہ طعام و مشروب بغیر انسانی محنت و مشقت کے اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا تھا تو (منّ) جب اس کو بغیر کسی اور چیز سے ملائے کھایا جائے تو کھانے کا فائدہ یعنی (حلوہ)۔ رات کے برف کی طرح پتوں اور پتھروں پر لگتا تھا اور میٹھا تھا۔ پانی میں ملاتے تو شربت بن جاتا کسی چیز سے مکس کرتے تو اور چیز بن جاتی۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ بخاری کی حدیث سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری حدیث 4478 اور صحیح مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث 160 میں ہے کہ کھمبی مَنّ میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کیلئے شفاء ہے یعنی کھمبی مثل من کی بے بیج ڈالیں اور مشقت پیدا ہوتی ہے اور انسان اسے استعمال کرتے ہیں مذکورہ حدیث کی تشریح میں اور اقوال بھی ہیں۔

وَالسَّلْوٰى : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ بٹیر کی طرح پرندہ ہے اور ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ پرندہ ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ملک ہند کا پرندہ ہے جو چڑیا سے جسم میں بڑا ہوتا ہے یعنی بٹیر جس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اور صحت کیلئے مفید ہے اور ایسی ملکوں میں ہوتا ہے جہاں گندم اور جو کی فصلیں کاشت ہوتی ہیں۔ لیکن میدان تیہ میں ان کا پیدا ہونا خلاف عادت تھا اور بنی اسرائیل کیلئے ان کو آسان کیا گیا جتنا وہ ضرورت مند ہوتے اتنا پکڑ کر استعمال کر لیتے تھے اور بعض کا کہنا ہے یہ بٹیر بھونے ہوئے آتے تھے اور ان کا استدلال لفظ سلوٰی سے ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ سلوٰی بھونے کا جمع نہیں بلکہ پرندے کا نام ہے۔ سوال: کھانے میں ترتیب یہ ہونا چاہیے تھی کہ پہلے گوشت پھر میٹھا یعنی حلوہ وغیرہ یہاں پر من کو سلوٰی پر کیوں مقدم کیا؟۔ جواب: جیسا کہ ان دونوں چیزوں کی پیدائش خلاف عادت تھی اس کی ترتیب بھی خلاف عادت ہے اور یہ مثل جنتیوں کے کھانے کی ہے جیسا کہ سورۂ واقعہ، آیت 20،21 میں ذکر ہے۔ فاکہہ (پھل) پہلے ذکر ہے گوشت کھانے کے لئے بعد میں ذکر ہے۔ جواب 2: میٹھی چیز کا اوپر سے آنا بہت خلاف واقع ہے جبکہ پرندے تو عادتاً اوپر سے ہی آتے ہیں اس من وجہ مناسبت سے اول من ذکر کیا اور سلوٰی بعد میں مذکور ہے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ : كُلُوْا سے پہلے قُلْنَا کا لفظ مقدر ہے جو کہ قرآن کی دیگر مقامات میں ہے مثلاً: سورۂ رعد، آیت 23 وزمر، آیت 3 وآل عمران، آیت 106 كُلُوْا امر اباحت کیلئے ہے اور اس کے ساتھ جب طیبات کی قید مراد ہو تو پھر امر وجوب کیلئے ہوتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ مہمان کے سامنے کھانا رکھنا کافی نہیں ہے بلکہ ان کو چاہیے کہ میزبان کے حکم کا انتظار کریں۔ (تفسیر بحر المحیط) مِنْ طَيِّبٰتِ : مِن برائے تبعیض ہے راجح قول کے مطابق جیسا کہ ابو حیان نے کہا ہے کہ طیبات سے مراد صرف (من وسلوٰی) ہو یا عام طیبات ہوں کیونکہ سب تو ایک انسان نہیں کھا سکتا ہے۔ طَيِّبٰتِ : یہ طَيِّب یا طَيِّبَة کی جمع ہے اس کا مادہ قرآن میں پانچ معنوں کے ساتھ 50 مرتبہ آیا ہے۔

پہلا معنی حلال کا ہے۔ سورۂ نساء، آیت 3۔ دوسرا معنی: طبیعت کی خوشی کا ہے۔ سورۂ نساء، آیت 4 وزمر، آیت 73۔
تیسرا معنی: پاک ہونے کا ہے نساء آیت 2۔ چوتھا معنی: مزیدار اور لذیذ۔ سورۂ احقاف، آیت 20۔ پانچواں معنی: فائدے والا۔ سورۂ ابراہیم، آیت 24۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور طیبات (پاکی) قرآن مجید میں تیرہ چیزوں کی صفت بن کر آیا ہے

(1) انسان (2) مال (3) بلد (4) قول (5) کلام اور کلمہ (6) حلال

(7) صعیدہ (8) ذریت (9) مساکن (10) ریح (11) شجرہ (12) حیاۃ

(13) تحیہ (سلام)

اور حلال کی صفت میں مقام اُکل میں چھ آیتوں میں مذکور ہے اور مرزوق کی صفت میں طیبات سولہ (16) مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ تنبیہ: طیب جب حلال کی صفت میں آجائے تو اس کے متعلق مفسرین کا پہلا قول یہ ہے کہ طیب حلال کے معنی میں ہوتا ہے اور حلال کیلئے تاکید ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حلال اور طیب کے معنی میں فرق ہے اور اس کا ذکر برائے تاسیس یعنی تقیید ہے فرق یہ ہے کہ 1۔ حلال عام ہے خواہ عارضی طور پر نجس ناپاک ہو یا پاک ہو اور طیب خاص ہے پاک کے معنی میں ہے جس میں کسی قسم کی گندگی نہ ہو۔ 2۔ حلال وہ ہے جس کی حرمت پر دلیل نہ ہو اور طیب وہ ہے جس میں غذائیت اور نشوونما بھی ہو لہٰذا جو چیز پاک ہو مگر اس میں غذائیت اور بدن کی نشوونما نہیں ہو تو وہ حلال نہیں ہے جیسا کہ پتھر، کوئلہ وغیرہ۔ 3۔ حلال مباح کو کہا جاتا ہے اور طیب وہ ہے جس کی مقدار صفت اور کیفیت اور حصول وغیرہ میں کسی قسم کا شک نہ ہو لفظ حلال کے بغیر جب طیب ذکر ہو تو وہ حلال پاک لذیذ اور مزہ دینے کے معنی میں ہے۔

مَا رَزَقْنٰكُمْ: اس مقام پر ما موصولہ، موصوفہ، مصدریہ تینوں احتمالات صحیح ہیں۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا: اس سے قبل ولا تطغوا فیہ مقدر ہے۔ جس کیلئے سورۂ طٰہٰ آیت 81 قرینہ ہے اور اسی طرح لفظ (طَغَوْا یا ظَلَمُوْا) مقدر ہے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کو ذخیرہ کرنے اور ناشکری سے منع کیا گیا تھا مگر انہوں نے ذخیرہ کیا جس سے بدبو پیدا ہوگئی اور کیڑے پڑ گئے جلدی ذائقہ بدلنے لگا اس ناشکری سے (من) اور (سلوی) کا نزول کم ہوا۔ جب یہ وہم ہوا کہ یہ لوگ اس مخالفت کے ساتھ اللہ اور رسول کو نقصان دے سکتے ہیں تو جواب ہوا کہ (وَمَا ظَلَمُوْنَا) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کا کچھ بھی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا نقصان کر چکے تھے یہاں ظلم بمعنی نقصان ہے۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ: لکن یہاں پر استدراک کیلئے ہے یعنی انہوں نے کسی کا اور کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ (كَانُوْا) میں ان کے ظلم کی عادت کی طرف اشارہ ہے (اَنْفُسَهُمْ) اس میں مفعول کو مقدم کیا ہے اور اس میں مقصد ظلم کو ان کے ساتھ منحصر کرنا ہے۔ يَظْلِمُوْنَ: اولاً: یہ ظلم اس لیے ہے کہ ہر ظلم کرنے والا اپنا اجر و ثواب گھٹا دیتا ہے جو کہ اپنا نقصان ہے اور عذاب الٰہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو مول لینا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ ان سے نعمت کم ہوئی اور صحیح حدیث میں ہے کہ اگر بنی اسرائیل کی خیانت نہ ہوتی تو گوشت میں بدبو پیدا نہ ہوتی۔ (لَوْ لَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ) (صحیح بخاری حدیث 3330، صحیح مسلم 1470)
خلاصہ: مفہوم یہ ہے کہ اگر بنی اسرائیل (من وسلویٰ) کو ذخیرہ نہ کرتے اور وہ بدبودار نہ ہوتا تو اب بھی گوشت نہ سڑتا اور نہ بدبودار ہوتا ان کے طعام میں بدبو ان کے ظلم وسرکشی سے پیدا ہوا جبکہ ہمارے طعام میں بطور عبرت بدبو پیدا ہوتی ہے۔

تفسیر 58: یہ ان اوامر میں سے ہے جس کا حکم بنی اسرائیل کو سیدنا موسیٰ کی زندگی میں میدان تیہ میں دیا گیا تھا۔ اور انہوں نے اس کے سامنے سے انکار کیا تھا۔ اور انہوں نے چالیس سال بعد یوشع علیہ السلام کی زندگی میں جہاد کیا اور ارض مقدس میں داخل ہو گئے ان کو چار اوامر ہوئے تھے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ان کو ڈانٹ ہو رہی ہے۔ بیت المقدس میں جانے سے اور جہاد سے انکار کرنے پر جس کا موسیٰ علیہ السلام کی حیات ہی میں انہوں نے انکار کیا تھا اور بعد میں ان کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کے بعد زجر اور تخویف دیتی ہے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلمات کو بدل دیا تھا۔ تنبیہ: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بھی انعام کا ذکر ہے (اللباب) مگر اس کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس پہلی آیت میں تمہید کا ذکر ہے اور بعد والی آیت میں عذاب اور اس کے اسباب مذکور ہیں لہٰذا یہ بنی اسرائیل پر پہلے عذاب کا ذکر ہے انعامات کے درمیان میں اور یہ اوامر موسیٰ علیہ السلام کی وحی سے ذکر ہوئے تھے جس کا نزول میدان تیہ میں ہوا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کو سابقہ واقعہ پر عطف کرتے ہوئے فرمایا کہ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ اس آیت میں چار اوامر ہیں پہلے دو اوامر میں نعمتوں کا ذکر ہے اور بعد والی دو میں ان کا ذکر ہے جس پر وہ بطور عبادت مکلف ہو گئے تھے پھر دو بشارتوں کا ذکر ہے جو ان اوامر پر مرتب ہوتے ہیں۔ (هٰذِهِ الْقَرْيَةَ) قریہ قریٰ سے لیا گیا ہے قریہ جمع کو کہا جاتا ہے عرف میں اس آبادی کو کہا جاتا ہے جس میں لوگ اکٹھے رہتے ہوں۔ خواہ گاؤں ہو یا شہر ہو البتہ قریہ کا زیادہ تر اطلاق گاؤں پر ہی ہوتا ہے کبھی کبھی شہر پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس بستی سے متعلق مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ یہ بیت المقدس ہے، اریحا، رملہ، شام، اردن، فلسطین، تدمر، ایلیا، بلقاء یا مصر ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ بیت المقدس ہے۔ جب یہ لوگ میدان تیہ میں آباد تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بیت المقدس کا جہاد فرض کیا لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت 22 میں مذکور ہے ان کو بطور عذاب میدان تیہ میں 40 سال رکھا گیا اور اس دوران موسیٰ وہارون علیہما السلام فوت ہو گئے اور یوشع علیہ السلام کو نبوت ملی۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے جہاد کا خطاب کیا اور جہاد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تیاری کر کے جہاد ہی کے ذریعے بیت المقدس کو فتح کیا اور فتح ہونے کے بعد اس ملک کے متعلق چار خطاب ہوئے لیکن انہوں نے اس کو تبدیل کیا جس کی وجہ سے ان پر عذاب مسلط کیا گیا۔ پہلا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت اس بستی میں جانے پر مکلف کئے گئے تھے اور چالیس سال کے بعد یوشع علیہ السلام کی دعوت پر اس بستی میں جو بیت المقدس میں تھی جانے کے آداب کے ساتھ مکلف کئے گئے تھے۔

فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا: اس کو (فاء) کے ساتھ ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ دخول اصلی مقصد نہیں ہے بلکہ اصلی مقصد وہاں فراوانی کے ساتھ کھانا ہے۔ (حَيْثُ شِئْتُمْ) میں وسعت مکانی کی طرف اشارہ ہے اور (رَغَدًا) میں فراوانی طعام کی طرف اشارہ ہے۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا: یہ امر تعبدی ہے مستدرک میں حدیث 3040 تفسیر سورۃ بقرہ آیت 58) امام حاکم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے کہ یہ دروازہ چھوٹا نیچے یعنی ڈھلان میں تھا اور قبلہ کی جانب تھا لہذا کھڑے ہو کر وہ بغیر سر جھکائے داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ (الْبَابَ) یہ دروازہ اس وقت باب حطہ کے نام سے معروف ہے۔ (قرطبی) بعض کے نزدیک باب التوبہ یا باب القبہ یعنی وہ قبہ جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھتے تھے اور بعض نے باب المسجد کہا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اس وقت مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی اور مسجد میں داخل ہونا مقصود نہیں تھا البتہ بعد میں تعمیر کی گئی اور اس کا ایک دروازے کا نام باب الحطہ رکھا گیا اس وجہ سے اس کو مجازاً باب المسجد کہا گیا ہے۔ (سُجَّدًا) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد انحناء (جھکنا) یا تواضع کے معنی میں ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق داخل ہونے کے بعد شکر کے لئے سجدہ شرعی تھا، مگر اس قول پر امام رازی رحمہ اللہ نے رد کیا ہے۔ وَقُولُوا حِطَّةٌ: یہ بھی امر تعبدی ہے اور تفسیر (لباب) میں ہے کہ یہ واؤ برائے حال ہے یعنی داخل ہو جاؤ اس حال میں کہ سجدہ کرنے والے ہو اور بوقت دخول حطہ کا ورد کرتے ہوئے داخل ہو۔ (حِطَّةٌ) میں دو قرأت ہیں پہلی قرأت (رفع) پیش کے ساتھ ہے تو سوال یہ ہے کہ حطہ مفرد ہے اور قُولُوا کیلئے مقولہ جملہ چاہیے؟۔

جواب: یہ ہے کہ لفظ مَسْئَلَتُنَا یا أَمْرُنَا حِطَّةٌ مقدر ہے لہذا یہ جملہ اسمیہ ہے جس کا مبتدأ حذف ہوا ہے۔ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اصل میں زبر تھی لیکن عدول کرتے ہوئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ بن گیا (ثبات) کے فائدے کیلئے۔ دوسری قرأت حطۃً زبر کے ساتھ ہے تفسیر ابو حیان میں دیگر توجیہات کا تذکرہ ہوا ہے اور اس قول کے بنا پر عکرمہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس کا معنی (لا إله إلا الله) ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ استغفار کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معنی میں ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری حدیث 4479 کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ صرف اس پر متفق تھے کہ حِطَّةٌ کہہ دیتے۔ یہ لفظ اگرچہ عربی زبان کا ہے مگر یہ عبرانی زبان میں عربی زبان کے مترادف ہے اور اس سے مقصد کہ اپنے گناہوں کا اقرار تھا اور ندامت اور تضرع اور مسکنت ظاہر کرنے کیلئے۔ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ : یہ آخری دو امروں کا جواب ہے (وَادْخُلُوا قُولُوا) اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس کے حکموں کو ماننا مغفرت اور گناہوں کو معاف کرنے کا سبب ہے۔ اس امت کیلئے بھی یہ طریقہ قرآن مجید میں مذکور ہے، مثلاً سورۂ ہود، آیت 114، عنکبوت، آیت 45 وغیرہ اور اس باب میں احادیث تو بہت زیادہ ہیں۔

خَطٰيٰا: جمع تکسیر ہے، خطیۃ کیلئے اور خطاء کا مادہ قرآن مجید میں 22 مرتبہ ہوا ہے اور کبھی تو قصداً چھوڑ لے کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ سورۂ نساء، آیت 92 و سورۂ احزاب، آیت 5 میں ہے اور کبھی گناہ صغیرہ یا خلاف اولیٰ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ سورۂ شعراء، آیت 81 میں وارد ہے۔ کبھی شرک اور کفر کے ماسوا کبیرہ گناہ کیلئے آتا ہے جیسا کہ سورۂ اسراء، آیت 31 و یوسف، آیت 91، 97۔ کبھی کفر شرک اور دیگر کبیرہ گناہوں کیلئے آتا ہے جیسا کہ سورۂ قصص کی آیت 8 اور سورۂ بقرہ کی آیت 81 اور سورۂ نوح کی آیت 25۔ عام اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہاں مراد صغیرہ گناہ ہیں۔

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ : یہ جملہ معطوفہ ہے جو "قُولُوا حِطَّةٌ" پر عطف ہے البتہ "نَّغْفِرْ" پر عطف نہیں ہے۔

سوال: ترتیب کے اعتبار سے تو اس کا عطف "نَّغْفِرْ" پر ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا تو اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: اس کو ایک مستقل وعدے کی صورت میں ذکر کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے وعدے اضافی ملنے کی اُمید ہے وہ انسانی کاوش سے نہیں مل سکتا ہے بلکہ بندے کے اعمال سے کئی گنا زیادہ اجر اللہ تعالیٰ کے وعدے میں ہے۔ الْمُحْسِنِيْنَ۔ مُحْسِن کی جمع ہے وہ لوگ جن کے اعمال توحید و سنت اور اخلاص پر مبنی ہوں، بقول امام قرطبی، محسن وہ ہے جس نے عقیدہ توحید سیکھ لیا ہو اور نفس کی سیاست کو مزین کیا ہو اور فرائض کی ادائیگی پر توجہ دی اور دیگر مسلمان اس کے شر سے محفوظ ہوں، اور حدیث جبریل میں محسن کا تعارف ان لفظوں میں کیا گیا ہے، أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث 50، صحیح مسلم کتاب الایمان 8) اس میں اخلاص کی طرف اشارہ ہے۔ اس جملے میں بہت ساری توجیہات ہیں، پہلی توجیہ یہ ہے کہ جنہوں نے ان میں سے من اور سلویٰ میں خیانت یا دیگر گناہ کئے ہیں تو انکو معافی مل جائے گی اور جنہوں نے خیانت نہیں کی اور دیگر گناہوں سے بھی اجتناب کیا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انکو زیادہ اجر دیا جائے گا۔ دوسری توجیہ یا محسن وہ ہے کہ جو اس کے بعد کے نیک اعمال کی پابندی کرینگے تو ان کے درجات بڑھا دینگے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ان اعمال کی وجہ سے محسنین کے احسان میں اضافہ ہوگا۔

فائدہ: اس طرح سورۃ اعراف آیت 161 میں ہے مگر بعض وجوہات کی بنا پر دونوں میں فرق ہے۔

پہلا فرق: یہاں پر "وَإِذْ قُلْنَا" ہے اور سورۃ اعراف میں "وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ" آیا ہے۔

دوسرا فرق: یہاں پر "ادْخُلُوا" جبکہ وہاں پر "اسْكُنُوا" مذکور ہے۔

تیسرا فرق: یہاں "فَكُلُوا" جبکہ وہاں "وَكُلُوا" آیا ہے۔

چوتھا فرق: یہاں "وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ" سے مقدم ہے اور وہاں سورۃ اعراف میں مؤخر ہے۔

پانچواں فرق: یہاں "خَطَايَا" جبکہ وہاں سورۃ اعراف میں "خَطِيْئَاتٌ" ذکر ہے۔ چھٹا فرق یہاں پر "رَغَدًا" ہے اور وہاں نہیں ہے۔ ساتواں فرق: یہاں پر "وَسَنَزِيْدُ" واؤ عاطفہ مذکورہ ہے وہاں بغیر عطف ذکر ہے۔

ان وجوہات کی حکمتیں بالترتیب یہ ہیں: 1: چونکہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے بقرہ اول سورت ہے اعراف سے اس لیے اول مقام میں قائل کی تصریح مناسب اور ضروری ہے تاکہ کسی اور کا وہم باقی نہ رہے جبکہ اعراف تو بعد والی سورت ہے لہذا اس میں مجہول کا صیغہ استعمال کرنے سے کوئی وہم پیدا نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سورت میں انعامات کا ذکر ہے دوسرے انعامات کی طرح اسلئے "وَإِذْ قُلْنَا" سے مصدر کیا ہے اور من وجہ عقوبت کا ذکر ہے اسلئے اعراف میں "وَإِذَا قِيلَ" سے ذکر ہوا۔ دوسرے فرق کی وجہ دخول مقدم ہے سکون پر تو سورۃ بقرہ مقدم ہے اسلئے اسمیں دخول ذکر ہوا اور سورۃ اعراف موخر ہے اسلئے اسمیں سکون ذکر ہوا۔ تیسرے فرق کی وجہ یہ ہے کہ ہر فعل میں جب شرط کا معنی ہو تو معطوف پر "فَا" داخل ہوگی لہذا یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ لذیذ کھانے اس شرط پر دینگے جب اس گاؤں بستی میں داخل ہونگے لہذا جواب میں "فَا" کا ذکر ہے اور اعراف میں رہائش اختیار کرنے کا ذکر ہے لہذا (سکنی) کے ساتھ کھانا لازم نہیں ہے اس لئے اس کو واؤ کے ساتھ عطف کیا ہے۔ چوتھے فرق کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مقدم ہے سورۃ اعراف سے ترتیب کے اعتبار سے اور سجدہ اہم امر ہے لہذا اہم کام کو اس سورت میں مقدم ذکر کیا ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک قسم وہ جنھوں نے گناہ نہیں کیئے تھے لہذا ان کی توجہ اول عبادت کی طرف ہوتی ہے اور عبادت کے بعد توبہ اور استغفار کرتے ہیں تو بقرۃ میں ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنھوں نے گناہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا ارتکاب کیا ہے تو ایسے لوگوں کی توجہ اول توبہ کی طرف اور پھر عبادت کی طرف ہوتی ہے لہذا اس قسم کے لوگوں کا ذکر اعراف میں کیا گیا ہے۔ پانچویں فرق کی وجہ یہ ہے کہ: "خَطٰیٰا" جمع کثرت جبکہ "خَطِیْئٰتِ" جمع قلت ہے اور "قُلْنَا" لفظ کے ساتھ کثرت بہت ہی مناسب تھا اور چونکہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف نسبت نہیں کی ہے لہذا اس کے ساتھ قلت مناسب ہے۔ چھٹے فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی وجہ بھی یہاں ہے: لفظ "قُلْنَا" فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کی لہذا یہاں "رَغَدًا" مناسب تھا اور اعراف میں یہ نسبت نہیں ہے تو وہاں "رَغَدًا" کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ساتویں فرق کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ مغفرت اور زیادت ایک جزاء ہے مجموعہ فعلین کیلئے یعنی دروازہ میں داخل ہونا اور حطۃ کا لفظ زبان سے کہنا یہ اور واؤ جمع کیلئے ہے اور اعراف میں دو جزاؤں کی تقسیم ہے دونوں فعلوں پر یعنی "نَغْفِرْ لَكُمْ" متعلق ہے "حِطَّةٌ" کے ساتھ اور "وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ" متعلق ہے "اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا" کے ساتھ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحِكَمِ كِتَابِهٖ) اللہ تعالیٰ ہی اپنی کتاب کی حکمت کو جانتا ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

"پھر ان ظالموں نے اس بات کو بدل ڈالا جو ان سے کہی گئی تھی ہم نے ان ظالموں پر فسق اور نافرمانیوں کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا" [59] "اور جب موسیٰ علیہ السلام نے پانی طلب کیا اپنی قوم کیلئے تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو جس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہا) کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد مت کرتے پھرو" [60]

تفسیر 59: اس آیت میں تخویف دنیاوی عذاب کے ذکر کے ساتھ جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا اور اس عذاب کا سبب اور علت کا ذکر ہے یعنی عذاب رجز ہے اور اس کا سبب اللہ تعالیٰ کے امر کو تبدیل کرنا ہے، اور انکو جس چیز نے تبدیلی پر ابھارا تھا وہ ان کا ظلم تھا، تبدیلی کا معنیٰ کسی چیز کی صفت کو ایسا بدلنا ہے کہ اس چیز کی ذات برقرار ہو مگر صرف صفت تبدیل ہو اور ابدال عین چیز کے زائل ہونے کا تقاضہ کرتا ہے اور تعبیر میں بھی ذات کو زائل کیا جاتا ہے اور یہ دونوں ذکر ہوتے ہیں سورۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونس 15 میں اور اسی طرح تبدیل اور ابدال ایک چیز کو دوسرے کی جگہ لینا ہے جبکہ تغییر بغیر کسی چیز کو لاتے بدلنا ہے۔

سوال: یہاں پر بدل اور لفظ غیر کو اکٹھا کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: جب انہوں نے "حِطَّةٌ" کے بدلے میں "حَبَّةٌ" کے کا لفظ بولا تھا تو دونوں میں "طاء" اور "باء" کا فرق ہے تو یہ وصف بدلنے میں آتا ہے اور جب "حِطَّةٌ" اور "حَبَّةٌ" دونوں لفظاً اور معنی ایک دوسرے سے غیر ہیں تو اس میں ذاتی تبدیلی لازم ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے اس میں لفظ غیر کو استعمال کیا گیا ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: یہ تنبیہ ہے کہ تبدیل کا سبب انکا ظلم تھا لیکن پھر اس میں اختلاف ہے کہ مطلق ظلم مراد ہے پھر تو مراد یہ ہوگا کے وہ سب ظالم ہیں مختلف مظالم کی وجہ سے یا تبدیل کرنے کا ظلم مراد ہے تو ایسی صورت میں اشارہ ہے کہ ظلمو بعض لوگ تھے اور دیگر ان کے اشراف اور بڑے تھے۔ یہ آخری قول راجح ہے سورۃ اعراف 162 کی وجہ سے کیونکہ اس میں لفظ "منھم" موجود ہے قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ: سوال: ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ "حِطَّةٌ" کے علاوہ انہوں نے کوئی اور لفظ بدلا تھا؟ جواب 1: یہاں پر بدل استبدل کے معنی میں ہے اور غیر قولا کی صفت ہے۔ جواب 2: بدل اپنے معنی پر ہے اور غیر مفعول ہے مقدر فعل کیلئے یعنی أَخَذُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ. اور اس معنی پر بدل اور غیر کے لانے میں الگ الگ فائدے نظر آتے ہیں۔ اس قول میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں البتہ ابوحیان نے تفسیر میں لکھا ہے کہ جب صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4478 میں "حَبَّةٌ فِيْ شَعِيْرَةٍ" یا "حَبَّةٌ شَعْرَةٍ" صحیح مسئلہ ثابت ہو تو دیگر اقوال کو چھوڑ دینا واجب ہے۔ یا پھر اس کو حمل کریں گے تعبیری اختلاف پر جیسا امام طبری کی روایت میں "حنطة" ثابت ہے یہ تعبیری اختلاف ہے معنی ایک ہے یا جیسا کہ بعض نے نقل کیا ہے عبرانی زبان کے جملوں میں "هَطاً سِمْعَاثَا أَزْبَةٌ مَزْبَا" یعنی گندم کے دانے لال اور سوراخ والے جس میں کالا دھاگہ ہو۔ یہ زبانوں کا اختلاف ہے البتہ تعبیر وہی صحیح ہے جو صحیح مرفوع حدیث میں آئی ہے کہ انہوں نے "حِطَّةٌ" کی جگہ "حَبَّةٌ فِيْ شَعِيْرَةٍ" کہا اور سجدہ کرنے کے بجائے سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور یہ واضح دلیل ہے کہ وہ خاص مکلف تھے سجدہ کرنے اور حطة کا لفظ پڑھنے کے اور سر جھکا کر سجدے کرنے کی نیت پر یہ عمل ان پر لازم تھا۔

سوال: انہوں نے تو قول اور فعل دونوں میں تبدیلی کا ارتکاب کیا تھا مگر ذکر تو صرف قول کا ہوا ہے؟

جواب 1: امام قرطبی نے لکھا ہے کہ قول کا مرتبہ فعل کے مرتبے سے کم ہے تو جب قول کے تبدیلی پر عذاب کا نزول ہو رہا ہے تو اس سے بڑا گناہ جو کہ فعل ہے اس پر کیوں عذاب نہیں آئے گا۔ جواب 2: قول سے مراد "حِطَّةٌ" کا لفظ نہیں ہے بلکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کا امر مراد ہے وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ لہذا یہ امر قول وفعل دونوں کو شامل ہے۔

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔ اس مقام پر "ھم" ضمیر کی بجائے اسم ظاہر "الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" ان کے ظلم کی تاکید کی وجہ ذکر کی ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے دو ظلم کیے تھے ایک ظلم قول میں اور دوسرا ظلم فعل میں تھا۔ رجزاً۔ راء زیر کے ساتھ، گندگی اور عذاب کو کہتے ہیں اور راء کو پیش کے ساتھ معبود من دون اللہ کو کہا جاتا ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ رجس اور رجز ہم معنی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ سین زاء سے خفیف ہے لہذا معلوم ہوا کہ رجز میں گندگی بنسبت رجس کے زیادہ ہے اس لئے یہ سخت عذاب میں استعمال ہوتا ہے۔ مِّنَ السَّمَآءِ ۔ اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ اس عذاب سے مراد طاعون کی بیماری تھی اور (صحیح بخاری کتاب الطب حدیث 5728، 3473، احمد 206/5، صحیح مسلم کتاب السلام باب للطاعون حدیث 2218) میں ہے کہ طاعون رجز عذاب ہے سابقہ لوگوں کو اس کے ذریعے عذاب دیا گیا تھا۔ مِّنَ السَّمَآءِ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کے اسباب زمین میں نہیں تھے بلکہ آسمانی تھے یا پھر لفظ مقدر کو حذف کیا گیا ہے یعنی آسمان سے اس کی تقدیر کی گئی تھی۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۔ فسق کے معنی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفر یا گناہ کبیرہ کے وجہ سے نکل جانا ظلم کے بعد فسق اسلئے ذکر کیا کہ ظلم کا اطلاق کبھی گناہ صغیرہ پر بھی ہوتا ہے اور فسق گناہ کبیرہ کے ساتھ خاص ہے لہذا معلوم ہوا کہ انکا ظلم فسق یعنی کبیرہ گناہ تھا۔ فائدہ: یہ آیت دلیل ہے کہ قول شرعی کو بدلنا فسق ظلم اور عذاب الٰہی کا سبب ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس میں اشارہ ہے دین میں زیادتی اور شریعت میں بدعت ایجاد کرنا بہت بڑی بات اور سخت خطرے کا سبب ہے، کیونکہ جب ایک کلمہ میں تبدیلی عذاب کا سبب ہے تو کیا گمان کرینگے ان لوگوں کے بارے میں جو صفات الٰہی تبدیل کرتے ہیں، امام قرطبی، ابو حفص دمشقی، امام رازی اور جصاص نے کہا ہے کہ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ تبدیلی اور کلمات شرعیہ کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے جس کی تفصیل یہ ہے: اگر تعبد خاص الفاظ اور کلمات کے ساتھ ہوا ہو تو ان کو تبدیل کرنا ناجائز ہے۔ اگر تعبد اس کے معنی اور مراد پر واقع ہو تو پھر اس لفظ کے ساتھ بدلنا جائز ہے جو اس معنی کو ادا کرتا ہو اور مقصد میں تبدیلی نہ آتی ہو، ہماری شریعت میں اس کی مثال نماز میں قرآن کی تلاوت اور قرأت ہے اور تکبیر تحریمہ، تعوذ، تسمیہ وغیرہ لہذا فارسی زبان میں تلاوت یا تکبیر کے بجائے کوئی اور تلفظ یا تعوذ و تسمیہ کی جگہ اور الفاظ استعمال کرنا درست نہیں کیونکہ اس آیت سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اور براء بن عازب کی حدیث میں ہے (صحیح بخاری حدیث 247، صحیح مسلم حدیث 2710-5952) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعاء سکھائی ان لفظوں کے ساتھ: وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أَرْسَلْتَ لیکن جب انھوں نے آپ کے سامنے اس دعا کو بِرَسُوْلِكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ پڑھ لیا تو نبی اکرم ﷺ نے تنبیہ فرمادی اور فرمایا کہ جو میں نے الفاظ بتادیے وہی پڑھو، حالانکہ رسول میں بنسبت نبی کے مدح وتعریف زیادہ ہے، اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے صلوٰۃ یعنی درود کے شرعی الفاظ بدل دیے ہیں درود تاج وغیرہ لکھی یا اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں اس آیت وحدیث کی رو سے یہ بدعت سیئہ ہے اور سخت ممنوع ہے۔

سوال: امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ فارسی زبان میں قراءت قرآن تکبیر تسمیہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے اور نماز بھی صحیح اور درست ہے؟ جواب 1: بقول ملا خسرو اور صاحب توضیح وتلویح نے کہا ہے کہ امام صاحب نے اس سے رجوع کیا تھا اور اس قول کی بنا پر ان سے منقول تھا کہ قرآن مخلوق ہے مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مراجعے کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس قول سے رجوع کیا تھا جیسا کہ امام ذہبی نے کتاب العلو میں نقل کیا ہے۔ جواب 2: علامہ عبدالحی نے رسالہ ''اعلام النفائس'' میں کہا ہے کہ امام صاحب کا قول صرف نماز کے جواز کا ہے اگرچہ بالاتفاق بدعت سیئہ ہے اور بدعت سے اجتناب شرعاً واجب ہے۔ دوسرے کا مثال (تعبیر بالمعنی) اور اس کیلئے روایت بالمعنی کی مثال زیادہ مفید ہے، محدثین نے باوجود اختلاف کے روایت بالمعنی کو شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اگرچہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ جہت ہی بہتر اور سب اجر ہیں اس تفصیل کیلئے تفسیر قرطبی کی طرف مراجعہ کیجئے۔ تنبیہ: اس طرح آیت اعراف 162 میں ہے مگر چار وجوہات کی بنا پر دونوں آیتوں میں فرق ہے، اس فرق میں حکمتیں یہ ہیں:

1: یہاں پر'' مِنْهُمْ ''نہیں ہے جبکہ سورۃ اعراف میں ہے۔ 2: یہاں پر'' فَأَنْزَلْنَا '' ہے جبکہ وہاں پر'' فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ '' ہے۔ 3: یہاں پر'' عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا '' ہے جبکہ وہاں صرف'' عَلَيْهِمْ '' ہے۔ 4: یہاں'' بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ '' جبکہ وہاں'' يَظْلِمُوْنَ '' ہے۔ اس میں حکمتیں ہیں سورۃ اعراف آیت 149 میں فرقوں کا ذکر ہے جبکہ اس مقام میں فرقوں کا ذکر نہیں ہے اسلئے وہاں'' مِنْهُمْ '' کا لفظ آیت 162 میں تبعیض کیلئے مذکور ہے اور اس میں ایک فریق کے طرف اشارہ ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ: لفظ انزال دلالت کرتا ہے پہلی بار کسی چیز کے پیدا کرنے پر جبکہ لفظ ارسال کسی چیز کی کثرت اور غلبہ پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا البقرہ اول ہے تو اس میں انزال کا لفظ مناسب ہے اور اعراف بعد میں ہے تو اس کی مناسبت سے لفظ ارسال ذکر کیا۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ: اس مقام پر اسم ظاہر'' اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا '' ذکر کیا ہے کیونکہ نعمتوں کی کثرت کے باوجود مقابلہ میں بنی اسرائیل کی ناشکری بہت زیادہ تھی جو اس سورت میں مذکور تھی لہٰذا بجائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیر کے اسم ظاہر کو تاکید کیلئے ذکر کیا ہے جبکہ اعراف میں ایسا نہیں ہے۔ چوتھے فرق کی حکمت یہ ہے کہ: بقرة میں ظلم کے لفظ کو دو مرتبہ ذکر کیا ہے تو ظلم پر تفریع فوق تھا اور اعراف میں پہلے ایک بار ظلم ذکر کیا ہے اور دوسری بار لفظ ظلم کو بطور تاکید ذکر کیا ہے اس سے اشارہ کرنا مقصود تھا کہ انہوں نے دو قسم کے ظلم کئے ہیں جسکا ذکر پہلے گزر گیا ہے باوجود اس کے کہ اعراف میں اختصار مقصد تھا اسلئے فسق جو کہ ایک صفت تھی اسکو صراحت سے ذکر نہیں کیا۔

تفسیر 60: اس آیت میں آٹھواں انعام ذکر ہے جو دنیاوی بھی ہے اور دینی بھی ہے دنیاوی اس اعتبار سے ہے کہ میدان تیہ میں پانی کے بغیر حیات مشکل تھی اور دینی اس اعتبار سے ہے کہ یہ معجزہ توحید ثابت کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کیلئے واضح دلیل ہے، یہ اعجاز 6 طریقوں سے ہے۔ 1: معجزانہ طور پر پانی کا ظاہر ہونا۔ 2: چھوٹے پتھر سے زیادہ پانی کا پھوٹنا۔ 3: بقدر ضرورت پانی کا نکلنا۔ 4: لاٹھی مارتے وقت پانی کا نکلنا۔ 5: خاص لاٹھی مارتے وقت پانی کا جاری ہونا۔ 6: ضرورت ختم ہونے پر پانی کا رک جانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کامل علم وقدرت پر دلیل ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام خود بھی ان کاموں سے عاجز تھے اسلئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور ان کی دعا قبول ہوئی اور عام مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بھی میدان تیہ میں جب انھوں نے من اور سلوی استعمال کیا تو پانی کی ضرورت پیش آئی لہذا موسیٰ علیہ السلام سے قوم نے پانی طلب کیا جیسا کہ سورۃ اعراف 160 میں ہوا ہے۔ وَإِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے طلب کیا اور فرمایا '' وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ '' اور اس میں اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو وسیلہ بنایا جو کہ حیات بھی تھے اور ان کے ساتھ موجود بھی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قحط سالی کی وجہ سے عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کو استسقاء کیلئے توسل بنایا گیا تھا، نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہے اور یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ بارش کی ضرورت کے وقت سنت کے مطابق استسقاء کیلئے نکل جانا چاہئے۔

فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ: یہ مارنے کا عمل موسیٰ علیہ السلام کے اختیار میں تھا مگر لاٹھی کے ساتھ پتھر مارنے کا حکم اللہ تعالیٰ کا تھا ظاہراً یہ وہی لاٹھی ہے جس نے اژدھا بن کر جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں جو بظاہر سانپ تھے سب کو اس نے نگل لیا تھا۔ الْحَجَرَ۔ اس پتھر کے متعلق مفسر ابوحیان نے ''البحر المحیط'' میں 14 اقوال نقل کئے ہیں جس میں ایک قول یہ ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جو موسیٰ علیہ السلام سے کپڑے لے کر بنی اسرائیل کے سامنے گیا تھا البتہ قرآن کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ غیر معین پتھر ہے اس میں الف لام جنسی ہے۔ تفسیر ماجدی والے نے انگریز سیاحوں سے نقل کیا ہے کہ یہ پتھر اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی موجود ہے جو کہ تقریباً دس پندرہ فٹ لمبا ہے اور آگے کی طرف اس میں جھکاؤ ہے اور راستہ میں سفسفه کے قریب مقام (دَلِیْجاً) کی وسیع وادی میں موجود ہے۔ فَانْفَجَرَتْ ۔ سے پہلے لفظ ضَرَبَ مقدر ہے سورۃ اعراف آیت 161 میں لفظ" فَانْبَجَسَتْ" ہے بعض علماء کا قول ہے کہ "انفجار" اور "انبجاس" کا معنی ایک ہے مگر اکثر علماء نے دو طریقوں سے اس میں فرق ذکر کیا ہے۔ پہلا فرق: یہ ہے کہ انبجاس سے مراد ہے تھوڑے تھوڑے پانی کا نکل آنا جبکہ انفجار سے مراد پانی کا کثرت سے جاری ہونا ہے۔ فرق ثانی: انبجاس سخت جگہ سے پانی جاری ہونا اور انفجار نرم جگہ سے پانی کا جاری ہونا اس سورت میں بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر مقصود تھا اسلئے یہاں پر انفجار مناسب تھا جو یہاں ذکر ہوا۔

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ ۔ مِنْهُ کی ضمیر حجر کی طرف راجع ہے آیت 74 میں اس کی مثال موجود ہے۔ بنی اسرائیل قوم میں بارہ قبیلے تھے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 160 میں ہے ان کی تعداد کے حساب سے بارہ چشمے بنائے گئے اور اس میں مقصد نظم وضبط ہے تاکہ انکے آپس میں اختلافات اور جھگڑے پیدا نہ ہو جائیں۔

عَیْناً: اس لفظ کو عرب مختلف چیزوں پر بولتے تھے جیسا کہ "تفسیر اللباب" میں مندرجہ ذیل معانی ہیں: یعنی آنکھ، پانی کا چشمہ، گھٹنا، سورج، سونا، قبلہ کی جانب کا بادل، پانچ چھ دن برسنے والی موسلا دھار بارش، سفر کے کھانے کا برتن جس میں سوراخ ہو۔ خَلَقَ قرآن مجید میں یہ لفظ 18 مرتبہ پانچ معنوں کے ساتھ آیا ہے۔

1: انسان کی آنکھ۔ سورۃ مائدہ آیت 45۔ 2: پانی کا چشمہ۔ سورۃ کہف آیت 86۔ 3: اللہ تعالیٰ کی صفت۔ سورۃ طٰہٰ آیت 39۔ 4: جنت کا چشمہ۔ سورۃ الدھر آیت 6۔ 5: خالص یقین۔ سورۃ تکاثر 7۔

سوال: اسم عدد کی تمیز تو ابہام دور کرنے کیلئے ہوتی ہے جبکہ لفظ مشترک ذکر کرنے سے تو ابہام دور نہیں ہوتا؟

جواب: قرینہ موجود ہے کہ یہاں پر مراد پانی کا چشمہ ہے جو کہ لفظ اِسْتَسْقٰی۔ مَشْرَبَهُمْ فَانْفَجَرَتْ ۔ ہے

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ: اس جملہ مستانفہ میں ایک سوال کا جواب مقصود ہے یعنی اگر کوئی سوال کریں کہ بارہ قبیلے والوں کیلئے الگ پانی کا انتظام تو ہو گیا مگر غلطی سے کوئی قبیلہ کسی اور کے چشمہ پر چلا جائے تو؟

جواب ہوا کہ" قَدْ عَلِمَ "یعنی ہر ایک کو اپنا مشرب معلوم ہوا تھا، یہاں پر عَلِمَ عَرَفَ کے معنی میں ہے۔ كُلُّ أُنَاسٍ ۔ أُنَاس سے مراد سبط (خاندان) ہے یہ جمع یا اسم جمع ہے اور اس مادہ سے اس کا مفرد نہیں آتا ہے۔ كُلُّ أُنَاسٍ ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے پانی طلب کیا تھا۔ مَشْرَبَهُمْ: هُمْ جمع کی ضمیر کے معنی کے اعتبار سے راجع کیا ہے کیونکہ کل مضاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے نکرہ کی طرف جبکہ ایسے وقت میں معنی کا رعایت لازم ہے۔ لفظ " مَّشۡرَبَهُمۡ " میں عَیۡنَ کے مقصد کی طرف اشارہ ہے جو کہ شُرب یعنی پینا ہے۔ کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ: قُلۡنَا کا لفظ اس سے پہلے مقدر ہے اور یہ امر اباحت کیلئے ہے اور ضد سے منع مراد ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس کی تحریم سرکشی اور ناقدری مت کرو۔ رِزۡقِ اللّٰهِ۔ یہ لفظ کھانے پینے من سلوٰی سب کو شامل ہے۔

سوال: یہاں رزق کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں کی گئی ہے جبکہ رزق تو سب اللہ تعالیٰ کے طرف سے ہے؟

جواب: اشارہ ہے کہ یہ رزق بغیر کسی مشقت کے حاصل ہوا ہے اور اسباب ظاہری نہیں ہے، اور اس طعام کی شرافت و عظمت کی طرف اشارہ ہے اور اشارہ ہے کہ اس کی نسبت معجزے کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہ کرنا بلکہ اس کی نسبت اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ سوال: معتزلہ نے اس سے دلیل حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کہ رزق صرف حلال کو ہی کہا جاتا ہے، کیونکہ امر کا کم درجہ اباحت کا ہے لہذا معلوم ہوا کہ مرزوق حرام نہیں ہوسکتا ہے؟ جواب: گزشتہ قرینہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس سے مراد عام رزق نہیں ہے بلکہ من سلوٰی اور پتھر سے جاری ہونے والا پانی ہے۔ وَلَا تَعۡثَوۡا فِي الۡاَرۡضِ۔ جب ان کے لئے کھانے پینے کی وسعت ذکر کی جو مکان، مقدار، وقت کے ساتھ مقید نہیں ہیں تو اکثر ایسے بے حساب کھانے پینے سے قوت شھوانیہ غضبیہ سبعیہ (درندہ صفت) پیدا ہوتی ہیں جو فساد کا سبب بنتی ہے لہٰذا اس جملہ میں فساد کرنے سے منع فرمایا۔ وَلَا تَعۡثَوۡا۔ یہ لفظ عثی یا عیث سے لیا گیا ہے دونوں کا معنی ایک ہے یعنی سخت فساد کرنا بعض کے نزدیک دونوں میں فرق ہے۔ عیث فساد محسوسہ اور عثی فساد حکمی کو کہا جاتا ہے یہاں پر عثی سے مراد عام ہے ذخیرہ کرنا ناشکری کرنا اور دیگر برے اعمال کرنا۔ فِي الۡاَرۡضِ۔ مراد اس سے صرف انکی زمین تھی لیکن بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد ساری زمین ہے کیونکہ انسانوں کے گناھوں سے قحط سالی پیدا ہوتی ہے جو تمام عالم کیلئے سبب فساد ہے۔ مُفۡسِدِيۡنَ۔ یہ حال مؤکدہ ہے یعنی حال کا معنی ذوالحال کے عامل "لَا تَعۡثَوۡا" میں موجود ہے تو مراد اس سے فساد میں تمادی یعنی فساد کو طول کرنے کو منع کیا گیا ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تجرید کے معنی پر محمول ہے یعنی "لَا تَعۡثَوۡا" سے "لَا تَسِيۡرُوۡا" یا "لَا تَسۡعَوۡا" ہے تو مفسدین حال متقیدہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حال مقید بھی ہو اور "لَا تَعۡثَوۡا" کا معنی بھی دے یعنی فساد کبھی شرعی طریقہ سے ہوتا ہے جیسا کفار کا قتل اور انکی عمارتوں، آبادیوں کو مسمار کرنا وغیرہ لہذا لغوی معنی کے اعتبار سے یہ بھی فساد کہلائے گا تو مفسد کی قید اسلئے لگائی کہ فساد کی نیت سے فساد کرنا منع ہے جبکہ جہاد و قتال کی نیت سے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز ہے۔ فائدہ: مفسر ابوحیان نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ مختلف قسموں کے کھانے نعمتیں وغیرہ استعمال کرنے اور ان سے لذتیں لینا جائز ہے بشرطیکہ حلال ہوں۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ فَٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ ٱلَّذِى هُوَ أَدْنَىٰ بِٱلَّذِى هُوَ خَيْرٌ ۚ ٱهْبِطُوا۟ مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلذِّلَّةُ وَٱلْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا۟ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾ "اور جب تم نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام ہرگز ہم سے ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکے گا تو اپنے رب سے دعا کیجئے کہ نکال دے ہمارے لئے وہ چیزیں جس کو زمین اگاتی ہے ، اس کی سبزی ، ککڑی ، گیہوں ، مسور اور پیاز کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) کیا تم بہتر سمجھتے ہوں ان چیزوں کو جو ادنیٰ ہیں اس چیز کے بدلے میں جو بہتر ہے تو اترجاؤ کسی شہر میں وہاں تمہیں چاہت کے مطابق سب چیزیں ملیں گی ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کی گئی اور اللہ کا غضب لیکر وہ لوٹے یہ اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر کفر کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ اسلئے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد (شرعی) سے نکلنے والے تھے۔" [61]

تفسیر 61: اس آیت میں بنی اسرائیل پر آنے والے دوسرے عذاب کا ذکر ہے اور عذاب کیلئے سبب کا ذکر ہے اور پھر عذاب کو دوام دینے کیلئے اور اسباب کا تذکرہ ہے عام مفسرین کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ سوال معصیت تھا جس کے چار دلائل ہیں پہلی دلیل ان کا یہ قول ہے کہ "لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ" انہوں نے من وسلویٰ کو حقارت کی نظر سے دیکھا تھا جبکہ وہ اللہ کی طرف سے خاص نعمت تھی اور نعمت کو حقیر تصور کرنا گناہ ہے۔ دوسری دلیل موسیٰ علیہ سلام کا یہ قول "أَتَسْتَبْدِلُونَ" اور یہ استفہام انکاری ہے جو برائے (زجر) ڈانٹ ہے اور نبی کی ڈانٹ اس عمل کے معصیت ہونے کی دلیل ہے۔ تیسری دلیل "ٱلَّذِى هُوَ أَدْنَىٰ بِٱلَّذِى هُوَ خَيْرٌ" یہ بھی دلیل ہے کہ خیر والی چیز کو ادنیٰ پر تبدیل کرنا گناہ ہے۔ چوتھی دلیل "ٱهْبِطُوا۟ مِصْرًا" ہے۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلذِّلَّةُ . ان کو "ٱهْبِطُوا۟" کا حکم ہونا ان پر من وسلویٰ بند کرنے کی دلیل تھی اور یہ حکم ان کی ذلت اور مسکنت کا سبب بنا اور جو مزید اسباب بعد میں ذکر ہوئے ہیں وہ عذاب میں طول دینے کے لئے ہیں نزول قرآن کے وقت تک یہ قول بہتر ہے امام رازی اور ابوحیان اور صاحب اللباب دمشقی نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلائل دینے کی کوشش کی ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ قول گناہ نہیں تھا میں کہتا ہوں کہ ان کے دلائل پہلے قول کے آخری دلیلے کے مقابلے میں کچھ وزن نہیں رکھتے۔ اس آیت کا ماقبل آیت سے ربط تضاد کے طریقے پر ہے یعنی وہاں ان کے خیر کی دعا کا ذکر تھا جسکو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت دیدی بطور اظہار معجزہ موسیٰ علیہ السلام اور اس آیت میں ان کی دعاء غیر کا ذکر ہے جس میں شر کا معنی موجود ہے اور وہ نعمت سے نفرت ہے جو ان کی ذلت کا سبب بنا۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ

سوال: من اور سلویٰ تو دو طعام ہیں پھر ان کو طعام واحد کیوں کہا؟

جواب: اس میں مفسر ابوحیان نے 9 توجیہات ذکر کی ہیں۔ ان اقوال میں بہتر قول یہ ہے کہ یہ وہ طعام ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے ایک ہی حالت پر ہے۔ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی حیات اور حاضر ہونے میں ان کی دعاء کو وسیلہ بنانا ہے جو کہ درست ہے۔ رَبَّكَ۔ اشارہ ہے موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت اور ان کی مناجات کی طرف اور رسالت وکلام کی طرف اور یہ قبولیت دعا کیلئے سبب ہے۔ يُخْرِجْ لَنَا۔ یہ مجزوم ہے، جواب امر یا لام مقدر (مخفی) کی وجہ سے یعنی (لِيُخْرِجْ)۔ مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ۔ من تبعیضیہ ہے اور مفعول موصوف مقدر ہے جو کہ "مَا كُولاً بَعْضَ مَا تُنْبِتُ الْأَرْضُ" زمین کی طرف نباتات اگانے کی نسبت اسناد مجازی ہے کیونکہ تمام اہل کتاب کا یہ عقیدہ ہے کہ نباتات اگانے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس فعل کا فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ایسے کلام کو حسن اسلوب کہتے ہیں۔ مِنْ بَقْلِهَا۔ یہ بدل ہے پہلے مما سے حرف جر کے اعادہ کے ساتھ۔ بقل ان تمام سبزیوں کو کہتے ہیں جن کا تنا (پنڈلی) نہ ہو اور عادۃً اس کو لوگ کھاتے ہوں تمام سبزیاں ساگ سلاد چکنی وغیرہ کو شامل ہے۔ وَقِثَّائِهَا۔ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے کیونکہ یہ بھی سبزی میں داخل ہے یہ نام کھیرے اور ککڑی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ وَفُومِهَا۔ اس میں تین روایات ہیں۔ لہسن۔ گندم۔ اور تمام دانے غلے،، امام دمشقی نے چند وجوہات کے بناء پر اول قول یعنی لہسن کو ترجیح دی ہے۔ سبب اول: یہ ہے کہ ایک قرأت میں "وَثُومِهَا" آیا ہے جبکہ قرأت تفسیر کے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ سبب ثانی یہ ہے کہ گندم تو اعلیٰ غلہ ہے جبکہ اس کو ادنیٰ کہا گیا ہے۔ سبب ثالث: یہ ہے کہ لہسن کا مناسبت بقل، عدس، بصل کے ساتھ ہے مگر گندم کی ان کے ساتھ مناسبت نہیں کیونکہ وہ سبزی میں شمار نہیں ہے۔ وَعَدَسِهَا۔ یہ دال کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ وَبَصَلِهَا۔ یہ دلیل ہے کہ لہسن اور پیاز بنی اسرائیل کیلئے حلال تھے ہماری اُمت کے علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک بغیر پکائے ہر حال میں لہسن اور پیاز کا کھانا منع ہے جبکہ اکثر علماء ہر حال میں ممانعت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور عام لوگوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیلئے نماز اور مسجد میں داخل ہوتے وقت یا عام اجتماعات میں شرکت کے وقت درست نہیں سمجھتے اور دیگر اوقات میں استعمال درست سمجھتے ہیں۔

فائدہ: امام آلوسی اور ابوحیان نے ان اشیاء کی وجوہ ترتیب اس طرح ذکر کیا ہے کہ بقل میں صفت گرمائش، ٹھنڈک، رطوبت، چکناہٹ، خشکی چاروں صفات جمع ہیں، یعنی ان میں سے بعض ٹھنڈا رطب ہے بعض گرم خشک ہے بعض گرم رطب ہے۔ قِثَّاءِ۔ ٹھنڈا رطب ہے۔ ثُوْمِ۔ گرم خشک ہے۔ عَدَسِ۔ ٹھنڈا خشک ہے۔ بَصَلِ گرم رطب ہے اور جب پیاز کو پکایا جائے تو ٹھنڈا رطب ہے اور جب یہ آپس میں مل جائیں تو ایک کے وصف کا غلبہ دوسرے پر آجاتا ہے یہ انسانوں کی طبیعتوں کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی بعض انسانوں کی طبیعت میں گرمی بعض میں ٹھنڈک بعض میں رطوبت اور بعض میں خشکی زیادہ ہوتی ہے تو ماہر اطباء ہر مریض کے لئے اس کی صحت کے لئے مناسب طعام تجویز کرتے ہیں۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی ھمزہ استفہام توبیخی ہے، امام ابن کثیر نے لکھا ہے اس بات میں ان کو سخت ڈانٹ ہے کہ انہوں نے نعمت کی تبدیلی کا مطالبہ کیا ہے اور یہ ان کی معصیت کی دلیل ہے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انکا یہ مطالبہ بطور تکبر اور حرص تھا اسلئے موسیٰ علیہ سلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء طلب نہیں کی اور استبدال میں قاعدہ یہ ہے کہ مفعول اس میں مطلوب ہے جو کہ اَلَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی ہے۔ اور جو انہوں نے ترک کیا ہے اس پر یعنی متروک پر باء داخل ہے جو کہ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ہے۔ ادنیٰ میں تین اقوال ہیں:۔ 1: یہ "دُنُوٌّ" سے لیا گیا ہے قربت کے معنی میں ہے اور یہ پانچ چیزیں قریب ملنے والی تھیں یہ قیمت میں سستا ہونے سے کنایہ ہے۔ 2: یہ دناءت سے لیا گیا ہے جسکا معنی ہے رذیل، حقیر وغیرہ۔ 3: یہ "دون" سے لیا گیا ہے جسکا معنی کم یعنی قیمت، مرتبہ، حیثیت میں کم۔ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ یعنی من اور سلوٰی۔ امام قرطبی اور ابوحیان نے افضلیت کے 6 اسباب بیان کئے ہیں۔ پہلا سبب ان پانچ چیزوں کے مقابل من وسلوٰی کا قیمت بہت ہی زیادہ ہے۔ 2: دوم یہ ہے کہ من اور سلوٰی کھانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نعمت ہے جس کے کھانے سے شکر ادا ہوگا جبکہ یہ صفت ان پانچ چیزوں میں نہیں ہے۔ 3: تیسرا سبب یہ ہے کہ من اور سلوٰی یقیناً لذت حلاوت میں ان پانچ چیزوں سے افضل ہے۔ 4: من اور سلوٰی بغیر مشقت حاصل ہونے والی نعمت تھی اور مذکورہ چیزیں تو زمینداری، کاشتکاری اور دیگر تکلیفوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ 5: من اور سلوٰی کے حلال اور طیب ہونے میں کوئی شبہ نہیں جبکہ ان پانچ چیزوں کے حصول کا طریقہ زمینداری اور تجارت ہے جن میں شبہات ہو سکتے ہیں۔ 6: من اور سلوٰی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں صحت کیلئے طبی فوائد ہیں وہ ان چیزوں میں نہیں ہیں ۔ اِهْبِطُوْا ۔ امام قرطبی نے کہا یہ امر تعجیز اور تذلیل کیلئے ہے جو کہ بطور سزا ہے اور سزا ان کے گناہ گار ہونے کی دلیل ہے۔ مِصْرًا ۔ یہ نکرہ ہے جس سے مراد شہروں میں سے ایک شہر ہے جو غیر متعین ہے اور حسن وغیرہ کی قراءت میں ''مِصْرَ'' بغیر تنوین ہے جس سے مراد مصر کے فرعون ہے، مفسرین کے درمیان اس سے اختلاف پیدا ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ میدان تیہ سے واپس مصر میں آئے ہیں اور اکثر مفسرین کا قول ہے بنی سرائیل پھر فرعون کے مصر میں لوٹ کر نہیں آئے ہاں سیدنا داؤد علیہ السلام کے زمانے میں آئے تھے اور یہ قول بہتر ہے، مصر لغت میں حد کو کہتے ہیں لہذا مصر کو بھی اس لئے یہ نام دیا گیا کہ اس کے حدود متعین تھے۔ فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ اس میں شرط مقدر ہے یعنی إِنْ تَهْبِطُوْا فَإِنَّ لَكُمْ اگر شہر میں اتر گئے تو تب زمینداری کی چیزیں تمہاری چاہت کے مطابق حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔ فائدہ: اس آیت سے مصر کی تعریف معلوم ہوئی اس شہر کو کہتے ہیں جس میں ضروریات زندگی آسانی سے حاصل ہوتی ہیں، وجہ یہ ہے کہ جہاں سبزی دال گندم وغیرہ ملتی ہے وہاں زمینداری کا سامان بھی ملتا ہے اور زمینداری کے ساتھ لوہاری، ترکھان، برتنی کے کام وغیرہ لازم ہیں اور جانوروں کی چیزیں بھی ہوتی ہیں لہذا ان ضروریات کیلئے بازار میں خرید و فروخت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مصر کی یہ تعریف منصوص ہے بجائے اس تعریف کی جو فقہ کی کتب میں ذکر ہے۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۔ اس سے قبل عبارت مقدر ہے یعنی یہ لوگ ایک شہر میں چلے گئے اور وہاں پر زمینداری شروع کی اور دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر دین سے غافل ہو گئے تو یہ ان کی ذلت اور مسکینی کا سبب بنا۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ضرب کے صلہ میں علی آیا ہے تو یہ الزام احاطے اور شمول کے معنی میں ہے یا پھر الصاق (متصل) کے معنی میں ہے یا ضرب علی السکۃ سے لیا گیا ہے یعنی جس طرح لوہے تانبے سونا چاندی پر کسی چیز کی مہر لگا دی جائے تو وہ اس کے ساتھ پیوست ہو جاتی ہے اسی طرح ان پر ذلت مسکینی چپٹ کر لازم اور مستقل ہو گئی تھی۔

ذلت اور مسکنت میں فرق: 1: ذلت باطنی امر ہے یعنی فقر و حرص نفس میں پیدا ہونا مالداری کے باوجود نفسانی طور پر ذلیل و خوار حریص ہونا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ کائنات میں یہود سے بڑھ کر حریص و ذلیل کوئی نہیں ہے۔ اور مسکنت امر ظاہری ہے یعنی یہ ان کی عادت ہے کہ پرانے کپڑے جوتے وغیرہ استعمال کرتے ہیں تا کہ غربت ظاہر کرے۔ دوسری وجہ ذلت سے مراد ان پر خراج اور جزیہ لگانا ہے اور مسکنت ان کی مومنین کے سامنے عاجزی اور ذلت ہے لیکن بعض مفسرین نے اس تفسیر سے انکار کیا ہے کیونکہ اُس وقت اور اب بھی مسلمانوں کی طرف سے ان پر خراج و جزیہ مقرر نہیں ہوا ہے البتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفسر ابو حیان نے لکھا ہے کہ یہ معجزہ کے طور پر مستقبل کی خبر ہے جو قرآن میں نازل ہے یعنی غلبہ اسلام کے زمانہ میں آئندہ ایسا ہوگا۔

سوال: اس وقت دنیا میں یہودیوں کی مالداری مشہور ہے تو اس آیت کا کیا معنی ہے؟

جواب 1: گزشتہ توجیہات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ذلت اور مسکنت مالی قلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کے بھونڈے اور گرے ہوئے اخلاق کی وجہ سے ہے۔ جواب 2: تفسیر ماجدی میں یہ بات انہوں نے تحقیق سے ثابت کی ہے کہ مالداری ان کے ایک خاص طبقے میں ہے عوام تو ان کی مفلس ہے کیونکہ انکا نظام سرمایہ دارانہ ہے جس میں عوام مفلس اور ذلیل ہوتی ہے۔ فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ زمینداری ذلت کا سبب ہے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کسی کے پاس زمینداری کا سامان دیکھا تو فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جس گھر میں یہ سامان داخل ہوجائے تو اللہ تعالی اس گھر میں ذلت داخل کرتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الزراعۃ حدیث 2321) امام بخاری نے اس مقام پر یہ بات بتائی ہے کہ ذلت و رسوائی زمینداری میں اس وقت ہے کہ لوگ اسی میں مشغول ہوجائیں اور دینی امور یعنی قتال جہاد اور دیگر امور دینی چھوڑ کر صرف اسی میں مگن رہے ورنہ اللہ تعالی اور رسول اکرم ﷺ نے تو زمینداری کی طرف ترغیب دی ہے البتہ یہ بات مشاہدات سے ثابت ہے کہ اکثر لوگ اس کی وجہ سے آخرت فراموش کرجاتے ہیں۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔ یہ ذلت اور مسکنت سے عذاب میں مزید ترقی ہے، ذلت و مسکنت کیلئے سبب پچھلے ذکر کیے ہوئے گناہ تھے اور غضب کیلئے مزید اسباب ہیں جو آئندہ ذکر ہونگے۔ بَآءُوْ اسکا معنی ہے "رجعوا" باء مصاحبت کیلئے ہے تو معنی یہ ہوگا کہ وہ اس حال میں لوٹے کہ غضب ان کے ساتھ پلٹنے میں شامل تھا، اور ان کے حالات بدلنے کی طرف اشارہ ہے یا بَآءُوْ۔ اِسْتَحَقُّوْا کے معنی میں ہے یعنی وہ اللہ تعالی کے غضب کے مستحق بن گئے۔ باء یبوء خیر میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ. سورۃ یونس آیت 93۔ سورۃ عنکبوت 58 اور شر میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ آیت 29 اور سورۃ بقرۃ آیت 90 اور حدیث میں۔ اَبُوْءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ (ابن حبان حدیث 933 طبرانی 7179، احمد 23014)

بِغَضَبٍ مراد وہ بلائیں اور عذاب ہیں جو وقتاً فوقتاً ان پر نازل ہوتے رہے اور غضب میں اشارہ ہے کہ وہ خلافت اور رسالت سے محروم ہوگئے جو بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوگئے۔ مِّنَ اللّٰهِ اس میں عذاب کی عظمت کی طرف اشارہ ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یہ دلیل ہے کہ پہلے وہ لوگ جن پر دنیا میں اللہ کا غضب ہوا ہے یہود ہیں۔

فائدہ: ایسے آل عمران آیت 112۔ سورۃ اعراف آیت 152۔ سورۃ مجادلہ آیت 20 میں بھی ہے البتہ آل عمران میں ذلت غضب مسکنت کا ذکر ہے وہاں ترتیب میں فرق کی حکمت بیان ہوگی ان شاء اللہ، اعراف میں ذلت اور غضب کا ذکر ہے (عجل) بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے اور مجادلہ میں اللہ اور رسول کے مخالفت کی وجہ سے ذلت کا ذکر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ تفسیر ابوحیان نے اٰیٰتِ اللہ میں پانچ وجوہ ذکر کی ہیں: 1- موسیٰ علیہ سلام کے 9 معجزات۔ 2: تورات۔ 3: تورات کی بعض آیات یعنی جن آیتوں میں محمد ﷺ کی صفات مذکور ہیں۔ 4: قرآن مجید۔ 5: وہ کل آیتیں جو نبیوں پر نازل ہوئی ہیں۔ بقرہ 85 کے قرینے سے پتہ چلتا ہے کہ مراد تورات کی وہ آیتیں مقصود ہیں جن میں توحید الٰہی اور خاتم النبیین کی تصدیق ہے۔ ان میں یہ انکار مستمر ہوا اسلئے لفظ "كَانُوْا" استعمال ہوا۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ ہے استمرار کے ساتھ ذلت مسکنت اور غضب الٰہی کی طرف اور ان کا اللہ تعالیٰ کی آیاتوں کا انکار سورۃ آل عمران آیت 112,98,70,21۔ بقرۃ آیت 90 میں مذکور ہے۔ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ان کا پہلا جرم تو اللہ تعالیٰ کے حق میں انہوں نے کیا جن کا ذکر ہو گیا تو اب مخلوق میں بڑے درجات والوں کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ انبیاء کرام ہیں اور اول جرم دوسرے جرم کیلئے سبب بنتا ہے یعنی انبیاء آیتوں کو بیان کرتے تو ان کو یہ لوگ قتل کرتے تھے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی ایسا جرم جسکی سزا قتل ہے مثلاً حد شرعی یعنی شادی شدہ زانی۔ قاتل۔ ارتداد یعنی مسلمان کفر کا ارتکاب کرے، مذکورہ جرائم میں سے جو جرم ثابت ہو جائے، لہذا انبیاء کرام کو انھوں نے بے قصور قتل کیا ہے۔

سوال: بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ حال ہے جبکہ حال تو قید احترازی ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ انبیاء کو مذکورہ جرائم کی وجہ سے بھی قتل بھی کیا جا سکتا ہے جبکہ انبیاء تو بالاتفاق مذکورہ گناہوں سے پاک ہیں تو پھر بغیر الحق کا کیا معنی ہے؟

جواب 1: یہ حال مقیدہ نہیں بلکہ حال مؤکدہ ہے یعنی نبی کا قتل ہر حال میں منع ہے اور جب بغیر حق ہو تو یہ بنی اسرائیل کے مزید تشنیع وقباحت کیلئے ہے۔ جواب 2: حق سے مراد وہ ہے جو تمہارے نزدیک حق ہو یعنی حق شرعی تو ان پر ثابت نہیں مگر جو جو تمہارے نزدیک حق ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو قتل کرتے ہو وہ بھی ان انبیاء سے ثابت نہیں جسکو بہانہ بنا کر تم قتل کرو۔ جواب 3: بغیر الحق میں باء سببیہ ہے اور غیر بمعنی امر مغایر ہے اور امر مغایر تو باطل ہوتا ہے یعنی حق کے سوا تو باطل ہوتا ہے لہذا انکا قتل باطل تھا۔ دوسرا معنی یہ کہ وہ باطل کی تردید کرنے والے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ: یہودیوں کے ہاتھوں انبیاء کو قتل کرنے کی بحث۔ بعد کے زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے یہودیوں کو خوش کرنے کیلئے اس بات سے انکار کیا ہے کہ یہود نے انبیاء کو قتل کیا ہے ایسے لوگوں پر امام آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں سخت رد کیا ہے اور انکو ملحدین قرار دیا ہے اور ان کے پاس قرآن و سنت میں کوئی دلیل صراحتاً و اشارتاً نہیں ہے۔ البتہ انہوں نے سورۃ مؤمن آیت 51۔ اور صافات آیت 172 سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کا نصرت کا وعدہ کر چکا ہے لہٰذا ان کو قتل سے بچاتا ہے اور ایک عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ انبیاء کا قتل تو اہانت اور تذلیل ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو اہانت سے محفوظ کیا ہے۔ مگر یہ دلائل ان کیلئے مفید نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے شہید ہونے پر واضح آیتیں بیان کی ہیں ملاحظہ ہو۔ آل عمران آیت 21, 181, 182, 112۔ بقرۃ آیت 87۔ سورۃ مائدہ آیت 70۔ سورۃ نساء 155۔ ان آیتوں میں کافروں کے ہاتھوں سے نبیوں کے قتل کا واضح ثبوت موجود ہے، اس موضوع پر کثرت سے احادیث بھی ہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس کو ہوگا جن کو نبیوں نے قتل کیا ہو یا انھوں نے نبیوں کو قتل کیا ہو (مسند احمد ج ا ص ۷ ۰ ۴ سلسلۃ الصحیحۃ 281 ابن کثیر مع التخریج) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی عورت نے زہر بکری کے گوشت میں ملا کر فتح خیبر کے موقع پر کھلایا تھا اور ہر سال اس زہر کا اثر نبی پر ہوتا تھا یہاں تک کے اسی سے انتقال فرما گئے (صحیح بخاری حدیث 4428-2998) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اسی زہر سے فوت ہوئے ہیں (فتح الباری) یہ قتل بھی اگرچہ کسی آلہ سے کم نہیں ہے مگر قتل کے حکم میں داخل ہے۔ تیسری حدیث امام ابن کثیر اور امام سیوطی نے تفسیر آل عمران اپنی تفسیروں میں ایک روایت نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے 300 انبیاء علیہم السلام کو صبح کے وقت قتل کیا تھا اور عصر کے بعد اپنے بازاروں کو کھول دیا جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہیں ہے یہ روایت موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے۔ چوتھی حدیث:

مِنْهُمْ مَنْ يُمْشَطُ بِأَمْشَاطٍ مِنَ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عَظْمِهِ فَمَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ (معجم ابن عساکر حدیث 1050، 1354) بعض سابقہ امتوں میں لوگوں کو دین سے پھیرنے کیلئے سخت ترین سزائیں دی گئیں یہاں تک کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت اور ہڈیوں کو جدا کیا گیا مگر وہ دین سے نہیں پھرے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ان سے مراد انبیاء کرام اور ان کے تعبید ار ہیں ذکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے قتل کو مستدرک حاکم نے ص 591 (تاریخ متقدمین حدیث 4151) میں ذکر کیا ہے، اس پر محدثین فقہاء اور مورخین نے اجماع کیا ہے اور ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا ہے، صحابہ کرام نبی اکرم کے قتل پر بہت خوف زدہ ہوئے تھے جو کہ بہت ساری روایتوں میں مذکور ہے اور اکثر مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں بطور مثال ارمیاء، اشعیاء، یحییٰ وزکریا علیھم السلام نبیوں کے قتل کا تذکرہ کیا ہے۔ سوال: منکرین کا کہنا ہے کہ سخت مارنا یا قتل کا ارادہ مراد ہوسکتا ہے؟

جواب: اس بات پر اصول فقہ اور عقائد کے علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن وسنت کے ظاہر کو بغیر کسی صریح دلیل کے چھوڑنا جائز نہیں ہے (ابانہ) 68 شرح عقائد النسفیہ 119 اور یہ بھی اصولیوں کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ حقیقت کا امکان جب تک موجود ہوتو مجاز کی طرف جانا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں منکرین کے پاس سوائے اوہام اور یہودیوں کی خوشنودی کے علاوہ کوئی صحیح صریح دلیل نہیں ہے جس کی وجہ سے قرآن کے ظاہر کو چھوڑا جائے۔ ان کے اوہام کے جوابات۔ وہم اول: نبی کا قتل دشمنوں کے ہاتوں اہانت ہے؟۔ جواب: تفسیر۔ قرطبی۔ ماوردی۔ ثعالبی۔ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ انبیاء کا قتل شہادت فی سبیل اللہ ہے اور شہادت کرامت ہے اور درجات کی بلندی ہے۔

دوسرا وہم: اللہ تعالیٰ نے ان سے نصرت کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ صافات آیت 172۔ سورۃ غافر آیت 51۔

جواب 1: غلبہ سے مراد حجت ہے یا قاتلین سے ان کا قصاص لینا کیونکہ سورۃ غافر میں تو مراد مؤمنین ہیں جبکہ بہت سارے مؤمنین شہید کئے گئے ہیں لہذا نصرت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ شہادت اور قتل سے بالکل بچ جائیں گے۔

جواب 2: مفسر امام قاسمی اور امام آلوسی نے لکھا ہے کہ نصرت کا وعدہ رسولوں کے ساتھ تھا اور قتل تو انبیاء ہوئے ہیں لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بقرہ آیت 87 میں بنی اسرائیل کے رسولوں کا ذکر ہے اور اس میں ﴿فَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ یعنی ایک گروہ کو تم نے قتل کیا ہے لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک ایسا کوئی رسول نہیں آیا جو صاحب کتاب ہو لہذا معلوم ہوا کہ نئی شریعت کے ساتھ کوئی رسول ان میں نہیں آیا بلکہ ان نبیوں کی وحی اور تبلیغ کی وجہ سے کہا گیا۔ جواب 3: یہ جواب بہتر ہے کہ ان کی حفاظت بوقت قتال تھی جبکہ ان کو قتال و جنگ میں نہیں بلکہ تبلیغ کے وقت شہید کیا گیا۔ تنبیہ: یہ مسئلہ فتاوی لجنۃ العلماء السعودیہ ج 3 ص 251 میں تفصیلاً مذکور ہے اور اس میں انہوں نے منکرین اور تاویل کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے اور ان کی تاویلات کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں الحاد اور قرآن کے ساتھ کھیل قرار دیا ہے اور ان لوگوں کو یہودیوں کے ہم نام قرار دیا ہے۔ ﴿ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾. ذالک میں دو احتمال ہیں۔ احتمال 1: ان میں پہلے حد سے تجاوز اور نافرمانی پیدا ہوگئی پھر اس کے سبب سے ان میں نبیوں کا قتل اور کفر کا ارتکاب آیا اور یہ بات معروف ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بنتا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ذَٰلِكَ" میں اشارہ ذلت مسکنت اور غضب کی طرف جیسا کہ اول ذالک سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہوا ہے اور یہ بطور تاکید ہے۔ تو حاصل یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ذلت اور غضب کیلئے چار اسباب ہیں۔ کفر، قتل، عصیان۔ اور اعتداء لیکن اول دو خاص ہے اور آخر والے دونوں عام ہے۔ بِمَا عَصَوْا۔ عصیان کا مادہ قرآن مجید میں 32 مرتبہ 7 معنوں میں مذکور ہے: 1: لغوی معنی ہے کسی انسان کے حکم کی نافرمانی۔ سورۃ طٰہٰ آیت 93۔ سورۃ کہف آیت 69۔ 2: اللہ تعالیٰ کے حکم کا نسیان یعنی بھول کر مخالفت کرنا جو گناہ نہیں ہیں۔ سورۃ طٰہٰ آیت 121۔ 3: نبی کریم کی اتباع کی مخالفت۔ سورۃ ابراھیم آیت 36۔ 4: رسول کا انکار۔ سورۃ مزمل آیت 16۔ 5: اجتہادی غلطی سے رسول کے حکم سے اعراض۔ آل عمران آیت 152۔ 6: گناہ صغیرہ۔ سورۃ حجرات آیت 8۔ 7: کفر شرک اور دیگر گناہ یہ تو بہت ہی آیتوں میں وارد ہے اس آیت میں یہ عام معنی مراد ہے اور مفسرین نے یہاں پر تین معنوں کی تخصیص کی ہے۔ 1: ہمیشہ نبیوں کے مخالفت اور ان کا قتل۔ 2: عہد شکنی۔ 3 نبیوں کا انکار اور یہ تمام نافرمانیاں ان میں جمع تھیں۔ وَّكَانُوا يَعْتَدُوْنَ۔ اعتداء کا معنی مقررہ حد سے تجاوز ہے خواہ دنیاوی امور میں ہو یا اخروی میں۔ سورۃ بقرۃ آیت 194,178۔ اور شرعی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی حدود سے تجاوز کرنا۔ اعتداء، کفر، شرک۔ بدعات اور دیگر گناہوں کو شامل ہے یہاں پر بھی یہ معنی مراد ہے اور یہودی کی اعتداء کی ایک مثال بقرۃ آیت 65 میں مذکور ہے۔ عام کافر مشرک کے صفت میں توبہ آیت 10 میں ہے اس زیادتی کا جو اثر نکلتا ہے قرآن مجید میں وہ چار ہے۔ لا یحب اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے محرومی۔ سورۃ بقرہ آیت 190۔ ظلم۔ بقرہ آیت 229۔ سورۃ طلاق آیت 1۔ جہنم میں دخول۔ سورۃ نساء آیت 14۔ دل پر مہر۔ سورۃ یونس آیت 74۔ یہاں پر اعتداء اور عصیان کا فرق یہ ہے کہ عصیان سے فسق و فجور کے کام مراد ہیں اور اعتداء سے بدعات مراد ہیں یا عصیان حقوق اللہ میں اور اعتداء بندوں کے حقوق میں مستعمل ہے۔

فائدہ: اعتداء کے ساتھ "کان" ذکر ہوا ہے، جبکہ کفر اور قتل کے ساتھ صیغہ مضارع اور عصیان کو ماضی صیغہ سے لایا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ عصیان اُن میں موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے (صغائر) چھوٹے گناہوں کی صورت میں موجود تھے اور کفر، قتل، اعتداء موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بعد ان میں شروع ہوا اور ان تینوں اَفعال کے ساتھ "کان" ذکر ہوا ہے، جو دلالت کرتا ہے کہ ان میں یہ افعال استمرار کے ساتھ ایک مستقل عادت کی صورت میں جاری تھے یعنی ان کاموں کو ہمیشہ کرتے رہے اور انکو خوبصورت بھی لگتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ
خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ "یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے یہودی ہوں نصاری یا صابئی ہوں جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ پر قیامت کے دن پر اور عمل صالح اختیار کرے ان کیلئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ اور ان پر کسی قسم کا غم و خوف نہیں ہوگا۔" [62] "اور تم سے جب ہم نے وعدہ لیا اور طور پہاڑ کو تمہارے اوپر لا کھڑا کیا (اور کہا) ہم نے تمہیں جو دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھام لو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تا کہ تم (گناہوں یا عذاب سے) بچ سکو۔" [63] "لیکن تم اس کے بعد پھر گئے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان (اٹھانے) والے ہو جاتے۔" [64]

تفسیر 62: ربط: سابقہ آیت میں ان کے گناہوں کا ذکر اور ان پر عذاب کا ذکر ہوا۔ تو اب گناہوں کی معافی اور عذاب سے نجات کا طریقہ ذکر ہوگا، اسی طرح یہ لوگ گناہوں کے باوجود سیدنا موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی نسبت پر فخر کرتے تھے اور اسی نسبت کو سبب نجات سمجھتے تھے تو اس وہم کی بھی تردید کی گئی، یہ آیت اس خطاب کی تکمیل کے طور پر ہے جس میں پہلے ایمان اور عمل صالح کی طرف دعوت ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا. اس آیت کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں:۔ اول قول: یہ ہے کہ آمَنُوا سے مراد منافقین ہیں کیونکہ انہوں نے صرف زبانی دعوے کو کافی سمجھ لیا ہے اور اس کیلئے قرینہ یہ ہے کہ بعد میں یہودیوں کا ذکر ہوا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد صحیح مؤمنین ہیں۔ وہ مومن جو اللہ اور آخری رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور بعد میں "وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ" سے مؤمنین مراد ہیں کیونکہ "مَنْ آمَنَ" اس توجیہ کے مطابق "الَّذِينَ هَادُوا" سے بدل ہے۔ وَالَّذِينَ هَادُوا هاد کے دو معنے ہیں:۔ ایک معنی توجہ کرنا ہے۔ جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 156 میں ہے تو وہاں وہ یہودی مراد ہیں جو بچھڑے کی عبادت سے تائب ہو گئے تھے۔ دوسرا معنی "تَهَوَّدَ" ہے یعنی انہوں نے یہودیت کو اپنا لیا ہے اس میں انکا ہے ایک دادا کی طرف نسبت ہے جس کا نام یہوذا ابن یعقوب علیہ السلام تھا لیکن عربی زبان میں ذال کو دال سے بدل دیا ہے (امام قرطبی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: یہود تو 12 خاندانوں کی نسل ہے تو صرف ایک یہودا کی نسل کی طرف خاص نسبت کیوں کی گئی؟

جواب: علامہ قاسمی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہود جب 70 سال کے بعد وطن واپس لوٹ آئے تو یہودا کے علاوہ باقی نسلیں ختم ہو گئی تھیں۔ **سوال:** یہاں پر "وَالَّذِيْنَ هَادُوْا" کیوں ذکر نہیں کیا ہے؟ **جواب:** یہودیوں نے اپنی دینداری کا دعویٰ صرف اس نام کے ساتھ مختص کیا تھا کہ: إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ۔ حالانکہ ان میں کفریات اور شرکیات بعد میں واقع ہو گئے تھے اور ان کو کبیرہ گناہوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور اس آیت میں ان کے باطل دعووں پر رد ہے۔ **وَالنَّصٰرٰى** ۔ یہ نصرانی کی جمع ہے اور نصران یا ناصرہ کی طرف منسوب ہے اور یہ ایک بستی کا نام ہے جو بیت المقدس سے شمال میں واقع ہے اور فلسطین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے جو 70 کلومیٹر دور تھا اور اس گاؤں میں عیسٰی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور اس میں بستے رہے لہٰذا جو ان کی تابعداری کرتے انکو نصرانی کہتے اور حدیث میں بھی لفظ نصرانی استعمال ہوا ہے لہٰذا انکو عیسائی نہیں کہنا چاہیے اور انہوں نے تو عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت بھی ترک کی ہے، جن علماء نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت کی وجہ سے نصاریٰ کہتے ہیں، تو یہ توجیہ ضعیف ہے۔ **وَالصّٰبِـِٕيْنَ** ۔ یہ لفظ صبا سے لیا گیا ہے جسکا معنی مائل ہونے کا ہے اور صابی عرف میں اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کریں، قرآن کی اصطلاح میں صابئین وہ لوگ ہیں جو مومنین، یہود، نصاریٰ کے علاوہ ہیں جن کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں: قول 1: یہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم تھی جو تاروں کی پرستار تھی۔ روم کے صابئین 7 ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور ہند کے صابئین ثوابت تاروں کی عبادت کرتے تھے بعد میں انہوں نے ہر ستارے کے نام بت بنا ڈالے اور انکو ہیکل کے نام سے پکارتے اور عبادت کرتے تھے رفتہ رفتہ ان میں الگ الگ دھڑے بن گئے۔ لھذا مجاھد، عطاء، حسن بصری، اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ بے دین لوگ ہیں۔ اور ابو العالیہ، ربیع بن یونس وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ اہل کتاب ہیں کیونکہ زبور پڑھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ نے ان پر اہل کتاب کا حکم نکاح اور ذبیحہ کے مسائل میں لگایا ہے، ابن جریر نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ زیاد کو جب یہ خبر ملی کہ صابئین تو نماز پڑھتے اور کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو انہوں نے جزیہ ساقط کیا لیکن بعد میں اطلاع ملی کہ وہ ملائک کی عبادت کرتے ہیں تو انہوں نے پھر سے ان پر جزیہ مقرر کیا، اس طرح قول ابو جعفر رازی سے بھی منقول ہے: ابن ابی حاتم نے ابو الزناد سے نقل کیا ہے کہ یہ ایسی قوم تھی جو عراق کے باسی تھی تمام نبیوں کو مانتے تھے سال میں 30 روزے رکھتے تھے اور یمن کو کعبہ تصور کرتے یعنی پانچ نمازوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں یمن کی طرف متوجہ ہوتی تھی۔ خلیل نے کہا ہے کہ یہ لوگ نوح علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے امام قرطبی کا قول ہے کہ یہ لوگ لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے مگر ستاروں میں تاثیر کا عقیدہ رکھتے تھے یعنی عالم کی تدبیر ان تاروں سے ہوتی ہے۔ قتادہ اور کلبی کا قول ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کے درمیان ایک قوم ہے جو سر کے بالوں کو صرف درمیان سے مونڈتے تھے اور عضو تناسل بدن سے الگ یعنی کاٹتے تھے اور انکا قبلہ (مہب الجنوب) یعنی قطب کا تارا انکی عبادت کا مرکز تھا۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا کوئی متعین دین نہیں تھا البتہ قرآن مجید کے نزول کے وقت عراق شام میں آباد تھے اور توحید و سنت کا عقیدہ رکھتے تھے البتہ اپنے آپکو النصاریٰ کی علیہ السلام کہتے تھے اور زبور پڑھتے تھے چونکہ زبور فضائل کی کتاب تھی احکام عقائد کے مسائل اس میں نہیں تھے اس وجہ سے وہ خاص احکام کے پابند نہیں تھے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح دعویٰ کرتے تھے لیکن حقیقت حال یہی تھی کہ عمل انکا احکام الٰہی پر نہیں تھا۔ اسلئے یہاں ان پر رد کیا گیا کہ نسبت پر نجات نہیں ہیں، قرآن مجید میں انکا ذکر سورۃ مائدہ آیت 69 اور سورۃ حج آیت 17۔ اور اس مقام پر فرق کا ذکر بھی موجود ہے۔ سوال: اس مقام اور مائدہ میں چار گروہ کا ذکر ہے اور حج میں 6 گروہ کا تذکرہ ہے؟

جواب: اس مقام اور مائدہ میں ان گروہ کا ذکر ہے جنکا دعویٰ ہے کہ ہمارے پاس کتاب اور سماوی دین ہے اور باوجود اس دعویٰ کے ان میں کفر و شرک بھی موجود ہے لہذا انکو بتایا جاتا ہے کہ صرف دعویٰ نجات کیلئے کافی نہیں جبکہ سورۃ حج میں بڑی بڑی جماعتوں کا تذکرہ مقصود ہے اسلئے وہاں 6 گروہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا یہ "اِنَّ" کیلئے خبر ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" اور "مَنْ اٰمَنَ" میں ایک ہی معنی ہے جبکہ اسم اور خبر کے معنی میں فرق ہوتا ہے؟ جواب 1: یہ بات ذکر ہوگئی کہ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے مراد ایمان کا دعویٰ کرنے والے منافقین ہیں اور "اٰمَنُوْا" میں مراد ایمان شرعی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مذکورہ چار گروہ ایمان کے دعوے پر نجات نہیں پائیں گے جب تک شرعی ایمان قبول نہیں کرینگے اور اس خبر میں "مِنْهُمْ" مقدر ہے۔ جواب 2: یہ "اِنَّ" کی خبر نہیں بلکہ "اَلَّذِيْنَ هَادُوْا" سے بدل ہے اور انّ کی خبر بعد میں ہے یعنی فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ۔۔ الخ۔ اور اس قول پر بنا ہے کہ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" میں خالص مومنین مراد ہیں اور اَلَّذِيْنَ هَادُوْا ...الخ دو قسمیں مراد ہیں ایک وہ جو صحیح ایمان والے نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ جو صحیح ایمان والے ہیں تو یہاں مراد دوسرے گروہ والے ہیں، یعنی یہودی ہوں، نصرانی ہوں یا صابئین ہوں تو جو بھی صحیح ایمان لے آتے ہیں تو انکے لئے فرمان ربانی ہے فَلَهُمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَجْرُهُمْ ...الخ۔ سوال: ان دو ایمانیات سے تو بندہ کامل مومن نہیں ہو سکتا ہے یعنی ایمان باللہ و بالآخرۃ جب تک ملائکہ، کتب، تقدیر وغیرہ پر ایمان نہیں لائیں کیونکہ یہود و نصاریٰ بھی تو اس ایمان کے قائل تھے یعنی اللہ اور آخرت کے ایمان لانے پر؟ جواب: یہاں ایمان سے مراد ایمان قرآنی شرعی ہے یعنی جس ایمان کی طرف قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے اور دو ایمانیات کی طرف دعوت سے مراد دو طرف کو اشارہ ہے جس میں کل ایمانیات داخل ہے یعنی یہود و نصاریٰ اور صابئین کو قرآن اور آخری رسول پر شرعی طریقے پر ایمان لانے کی دعوت ہے کیونکہ نزول قرآن کے بعد یہودیت وغیرہ منسوخ ہو گیا ہے۔ نیز اس قول کی ضرورت نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت سورۃ آل عمران آیت 19، 85 کی وجہ سے منسوخ ہوا ہے بلکہ ایمان باللہ و بالآخرۃ مکمل دین اسلام سے تعبیر ہے۔

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ آخری توجیہ کے مطابق یہ "اِنَّ" کیلئے خبر ہے اور جب وہ اسم جو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الخ شرط کیلئے متضمن ہے تو اسکے خبر میں "فا" ذکر کی ہے۔ وَلَا خَوْفٌ۔ غم اور خوف سے مبرا ہونا کنایہ ہے کہ بغیر عذاب و سزا اولاً جنت میں داخل ہونگے مزید تفسیر اس کی گزر گئی ہے۔ فائدہ: مفسر ابو حیان نے قشیری سے نقل کیا ہے کہ جب اصل ایک ہو اور راستوں میں اختلاف ہو تو یہ قبولیت کیلئے رکاوٹ نہیں ہیں لہذا جنہوں نے صحیح ایمان بنایا اور حقوق اللہ کی پابندی کر لی تو مختلف ناموں سے کام کرنے پر کوئی نقصان نہیں ہے بشرطیکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

تفسیر 63: اس آیت سے دوسرا خطاب آیت 82 تک ہے اور اس میں دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں بنی اسرائیل کے تین بڑی خباثتوں کا ذکر ہے۔ 1: کتاب اللہ کے متعلق وعدہ کیا اس کو انہوں نے توڑ ڈالا۔ 2: اللہ تعالیٰ کے احکام میں حیلہ بازی کرنا۔ 3: دنیا کیلئے قتل کرنا اور پاک عورتوں اور مردوں پر تہمت لگانا۔ اور پانچ خباثتیں انکے بعد والوں کی مذکور ہیں۔ 1: معنوی تحریفات کرنا۔ 2: منافقت کرنا۔ 3: تقلید کرنا۔ 4: لفظی تحریفات کرنا۔ 5: برے اعمال کے باوجود جنت کے دعوے کرنا۔ آخر میں اس بحث کا تکمیل تخویف اخروی اور بشارت پر کی ہے۔

تنبیہ: اس مقام سے آیت 96 تک تقریباً بنی اسرائیل کی پچاس 50 خباثتوں کا تذکرہ ہے اور یہ وہ بری خصلتیں تھیں جس کی وجہ سے خلافت اسلامی اور رسالت جیسی نعمتوں کا بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف انتقال ہوا۔

ربط 1: جب انکے کبائر یعنی بڑے گناہوں کا ذکر ہوا تو انہوں نے انکار کیا یعنی قتل، کفر، عصیان، اعتداء وغیرہ تو اب ان خباثتوں کی تفصیل مختلف واقعات کی صورت میں بیان ہو رہی ہے جس سے وہ انکار نہیں کر پائیں گے اور درمیان میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ بطور جملہ معترضہ مذکور ہے۔ ربط 2: گزشتہ آیت میں اللہ و رسول پر ایمان اور عمل صالح کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ کام تو ہم بھی کرتے ہیں لہذا ہماری نجات بھی یقینی ہے تو اب انکی تردید کیلئے ان خباثث کا ذکر ہے جن کی موجودگی میں نجات نہیں ہو سکتی ہے بلکہ ان کو اختیار کرنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ ۔ جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ میں تورات پر عمل کرنے میں سستی شروع کی اور اس کے احکامات سے اعراض کیا تو طور پہاڑ کو اللہ تعالیٰ نے ان پر جبرائیل کے ذریعے اٹھایا اور موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تورات کو مضبوطی سے تھام لو ورنہ اس پہاڑ کو تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ گرا دیگا اور تم سب کے سب دب کر ہلاک ہو جاؤ گے انہوں نے اقرار کیا کہ ہم مکمل کتاب پر عمل کریں گے۔ اس میثاق کی تفصیل **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ** ۔ میں ذکر ہوئی ہے۔ اور اس میثاق کی تفسیر دیگر طریقوں یعنی ہر انسان میں عقل کی تخلیق، یا توحید کا عہد یا **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** وغیرہ سے کرنا درست نہیں ہے، البتہ تورات میں ان عہود کا ذکر موجود تھا۔

سوال: میثاق مفرد ہے تو جمع کی طرف کیوں مضاف ہوا ہے؟ جواب 1: کل واحد کی تاویل کے ساتھ مراد ہے جیسا کہ **يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا** سورۃ غافر آیت 67 میں آیا ہے۔ جواب 2: میثاق حقیقت میں ایک ہے لہذا اگر جمع ذکر کرتے تو تغایر کا احتمال میثاق سے پیدا ہو جاتا۔ **وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** سورۃ اعراف آیت 171 میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ لغت میں ہر سبز پہاڑ کو طور کہتے ہیں، مورخین نے لکھا ہے کہ غا سینا جزیرہ میں کئے سبز پہاڑ ہیں ہر ایک کو طور کہا جاتا ہے البتہ جس پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام نے میقات کی ہے اس کو جبل سنا کہا جاتا ہے، اور یہ طور یا تو موسیٰ علیہ السلام کی میقات والا ہے یا پھر جس کے قریب بنی اسرائیل رہتے تھے، رفع قرآن مجید میں 29 مرتبہ مذکور ہے جس میں سے 12 مقامات پر رفع اکرام عزت اور مرتبہ کے معنی میں ہے 17 مقامات پر رفع حقیقی معنوں میں ہے یعنی اٹھانا اور یہاں پر بھی یہی معنی مقصود ہے یعنی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اٹھا کر ان کے سروں پر سائبان کی مانند کھڑا کرنا مراد ہے۔ **فوقکم** مرتبہ

قرآن مجید میں 41 مرتبہ 9 معنوں میں مذکور ہے

1: جسم یا صفت میں زیادتی، سورۃ بقرۃ آیت 26۔ 2: حجت یعنی دلائل میں غلبہ۔ سورہ آل عمران آیت 55۔ 3: زائد برائے تاکید۔ سورۃ نساء آیت 11۔ 4: آسمانی انعامات۔ سورۃ مائدہ آیت 66۔ 5: اللہ تعالیٰ کیلئے فوقیت حقیقی معنی میں ہے بلا تشبیہ و تمثیل۔ سورۃ انعام آیت 18۔ 6: عقل و مال کی زیادتی۔ سورۃ انعام آیت 165۔ 7: علی کے معنی میں یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوپر ہونا۔ سورۃ انفال آیت 12۔8: فوقیت زمین پر۔ سورۃ ابراہیم آیت 26۔9: عذاب میں ترقی زیادتی۔ سورۃ نحل آیت 88۔ اس مقام پر اور معنی مراد نہیں ہو سکتا ہے بلکہ رفع حقیقی مراد ہے کیونکہ اس آیت اور اعراف میں رفع، فوق، نتق، ظلۃ، واقع یہ الفاظ واضح دلیل ہیں کہ حقیقی معنوں میں پہاڑ کو ان پر اٹھایا جو ان کے سروں پر مثل چھتری سائبان تھا گویا کہ ان پر گرنے والا تھا، یہود بھی اس معنی کی تاکید کرتے ہیں شرح تالمود جو تورات کی شرح ہے اس میں رفع حقیقی مراد ہے، دوسری کتاب جیوش انسائکلو پیڈیا ج 4 ص 321 انہوں نے بھی یہ حقیقی معنی مراد لیا ہے بحوالہ تفسیر ماجدی۔ جو مفسرین یہاں پر حقیقی معنی سے اعراض کر کے تاویلات کرتے ہیں اور حقیقت چھوڑ کر مجاز کی طرف جاتے ہیں اگر ان تاویلات کے ذریعے معجزہ سے انکار ہو تو یہ تو منکرین حدیث کے قدم پر ہے اور عقیدتاً بدعتی ہے اور مواہب الرحمٰن میں ہے کہ یہ منکرین حدیث کا قول ہے۔ سوال: پہاڑ اٹھا کر ایمان لانے پر مجبور کرنا تو جبری ایمان ہے اور جبری ایمان تو مقبول نہیں کیونکہ لا اکراہ فی الدین کے بھی خلاف ہے؟ جواب: حضرت نواب صدیق حسن خان نے فتح البیان میں قفال کا قول نقل کیا ہے کہ یہ اجبار اور الجاء نہیں ہے بلکہ اکراہ ہے جبر اور اکراہ میں فرق یہ ہے کہ جبر میں اختیار باقی نہیں ہوتا ہے جبکہ اکراہ میں انسان سوچ فکر کر کے صحیح سمت کو اختیار کر لیتا ہے اور ایسے وقت میں ہمارے دین میں بھی ایمان مقبول ہوتا ہے جیسے حالت نزع (غرغرہ) کے وقت ایمان مقبول نہیں ہے کسی انسان پر تلوار سونتی جائی اور اس سے ایمان لانے کا مطالبہ کیا جائے تو یہ ایمان مقبول ہے اس بارے میں صحیح حدیث موجود ہے اور سورۃ نساء آیت 94 میں یہ ثابت ہے نیز ہمارے دین میں حدود کے خوف سے لوگ اطاعت کرتے اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں تو یہ بھی اجر ثواب کا باعث ہے اور لا اکراہ فی الدین کے منافی نہیں ہے جسکی تفسیر آئندہ آئے گی ان شاء اللہ۔ خُذُوا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ۔ یہ میثاق کی تفصیل ہے اور قُلْنَا مقدر ہے۔ قوۃ سے اخلاص، کوشش، استطاعت اور اخذ سے مراد عمل یا اپنے ہاتھ سے پکڑنے کے معنی میں ہے جو کتاب کے آداب میں سے ہے کہ ہاتھ سے مضبوطی سے تھامے رکھے اور مَآ اٰتَيْنٰكُمْ سے مراد تورات ہے۔ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ۔ ذکر عام ہے زبان سے تلاوت سے درس و تدریس سے اور اس کے معانوں میں سوچ، فکر، تدبر سے اور الفاظ و معانی میں غور و فکر مراد ہے اور عمل کا درجہ پہلا اور اہم ہے تو اس کو مقدم کیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ عذاب سے بچ جانا اور پرہیزگار ہونا منہیات سے رک جانا مراد ہے، اشارہ ہے کہ قرآن مجید کا درس و تدریس تقوی کے حصول کا سبب ہے مذکورہ تمام معنوں کے اعتبار سے مراد حصولِ تقوی ہے۔ امام قرطبی کا قول ہے کہ اللہ تعالی کی کتب کا مقصد عمل اور تلاوت ہے صرف تلاوت اور ترتیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مراد نہیں بلکہ صرف تلاوت کرنا تو قرآن کو پس پشت ڈالنا ہے قرآن کریم میں تدبر و فکر کرنا لازم اور واجب ہے لیکن ہم نے اس حکم کو نظر انداز کیا ہے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ نے کیا تھا۔ موطاء میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج فقہاء بہت ہیں اور قراء کم ہیں قرآن کی حدود کی حفاظت ہو سکتی ہے اور حروف ضائع ہو گئے ہیں (مراد ضائع ہونے سے اہتمام کی کمی ہے) اور مانگنے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں نمازیں طویل اور خطبات مختصر پڑھتے ہیں اور خواہشات پر عمل کو مقدم کرتے ہیں اور بعد والے زمانہ میں فقہاء کم اور قاری زیادہ ہوں گے حروف کی حفاظت والے زیادہ اور حدود برباد کرنے والے زیادہ ہوں گے اور مانگنے والے زیادہ دینے والے کم ہوں گے نمازیں مختصر اور خطبات طویل ہوں گے عمل پر خواہشات کو مقدم کریں گے یعنی خواہش کی اتباع میں فرائض ترک کر دیں گے، میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے کا یہ عالم ہے کہ حفظ کے مدارس زیادہ اور فہم قرآن کا انتظام نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو بہت کم ہے نمازیں مختصر اور خطبات طویل پڑھتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

تفسیر 64: اس آیت میں ان کے ایک خبیث عمل کا ذکر ہے جو کہ (تولی) حق سے روگردانی ہے اور وہ کئی اور قبیح اعمال کو متضمن ہے، قاسمی نے قفال سے نقل کیا ہے اور ابو حیان نے بھی ذکر کیا جن کا ذکر تورات میں بھی ہے، جیسا کہ کلمات میں تحریف، کتاب اللہ پر عمل ترک کرنا، نبیوں کا قتل، آیتوں پر کفر، موسیٰ علیہ السلام کو مختلف اذیتیں دینا، اور دیگر بہت ساری بداعمالیاں جو ان کے اگلے پچھلے لوگوں میں موجود تھیں۔ سوال: تولی، عہد شکنی سے قبل عہد میثاق تو ثابت نہیں پھر عہد شکنی کا کیا معنی ہے؟ جواب: اس سورت میں آیت 93 میں "قَالُوْا سَمِعْنَا" لفظ سے قبولیت عہد مذکور ہے جبکہ لفظ "عَصَيْنَا" میں تولی کا ذکر ہے اور اس اعراض کا سبب بھی لفظ "أُشْرِبُوْا" میں وارد ہے۔ سوال: ثم اور من بعد دونوں لفظ تاخیر پر دلالت کرتے ہیں اور یہ تو تکرار ہے؟ جواب: ثم میں قبولیت کے بعد اعراض کا ذکر ہے جبکہ من بعد ذلک میں تاخیر زمانہ مراد ہے یعنی انہوں نے اعراض قبولیت کے تھوڑے عرصہ بعد کیا تھا یا پھر من بعد ذلک اشارہ ہے میثاق کے توثیق اور طور پہاڑ کو اٹھایا جانا۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ. اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ 1: فضل سے مراد اسلام اور رحمت سے مراد قرآن ہے۔ 2: فضل قبولیت توبہ ہے اور رحمت سے مراد گناہ سے عفو اور درگزر ہے۔ 3: فضل سے مراد توبہ کی توفیق ہے اور رحمت سے مراد اس کی قبولیت ہے۔ 4: فضل سے بعثت الرسول اور رحمت سے مراد اس کا زمانہ پا لینا ہے۔ اول و چہارم قول میں مقصود خطاب موجودہ بنی اسرائیل سے ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے یعنی اللہ تعالیٰ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارادہ تھا کہ ان کی طرف آخری رسول کو بھیجوں گا اس لئے ان پر دنیاوی عذاب نازل نہیں کیا۔ اور دوسرے تیسرے قول کے مطابق سابقہ بنی اسرائیل مراد تھے جن کو اللہ تعالی نے توبہ کی توفیق دی اور ان کی توبہ کو قبولیت بخشی اگرچہ گناہ اور توبہ تکرار کے ساتھ کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کو مہلک عذاب سے بچایا تھا۔

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ. یہاں پر خسران سے دنیاوی استیصالی عذاب مراد ہے جس عذاب سے قوم کی نسلیں ختم ہوتی ہیں یا پھر مراد آخرت میں جہنم میں خلود ان افراد کیلئے ہے جنہوں نے ظاہری کفر شرک نہیں کیا تھا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ "یقینا تم ان لوگوں کے بارے میں جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تو ہم نے ان کو کہا کہ ذلیل ہو کر بندر بن جاؤ۔"[65] "اس قصے کو ہم نے موجودہ لوگوں کیلئے عبرت بنا دیا اور ان لوگوں کیلئے جو بعد میں آنے والے تھے اور وعظ و نصیحت اور تنبیہ ہے اس امت کے پرہیزگاروں کے لئے۔"[66]

تفسیر 65: ربط 1: گزشتہ آیت میں ان کی وعدہ شکنی کی صراحت ذکر کی تھی تو اب اس آیت میں حیلہ بازی کرتے ہوئے عہد شکنی کا عمل ذکر ہو رہا ہے اس میں ان کے مخفی گناہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حیلہ باز ارادہ گناہ کا کرتا ہے مگر لوگوں سے بچنے کیلئے حیلہ کا سہارا لیتا ہے یہ نقض میثاق کا دوسرا طریقہ ہے جو ان کی دوسری پشت کے بڑوں نے اپنا لیا تھا۔ ربط 2: پہلی آیت میں فضل و رحمت کا ذکر ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ اس واقعہ کے بعد ان پر کوئی عذاب نہیں آیا ہے؟

جواب: اس آیت میں ہو رہا ہے۔ ربط 3: پہلی آیت میں ان کے بڑوں کی اولی خباثت کا ذکر ہوا تو اب اس آیت میں ایک قسم کی حیلہ بازی کا ذکر ہو رہا ہے جس کے ذریعے انہوں نے حرام کو حلال کرنے کی مذموم کوشش کی تھی، اور اس واقعے کا تفصیلی ذکر سورۃ اعراف آیت 163 میں مذکور ہے اور یہ واقعہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا اور مجرمین کی اس بستی کا نام ایلہ تھا موجودہ وقت میں اسے عقبہ داؤد کہا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ موسی علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو ہفتہ میں ایک دن عبادت کیلئے خاص کرنے کا حکم دیا البتہ اللہ تعالی نے ان کے لئے جمعہ کا انتخاب کیا تو انہوں نے پہلے انتخاب میں اختلاف کیا اکثریت نے اور اللہ کے انتخاب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا سورۃ نحل آیت 124 میں اس کی تفسیر آئی گی۔ لہذا ہفتہ والے دن ان پر دنیاوی تمام کام حرام کئے گئے شکار، تجارت وغیرہ ان کا اس حکم پر عمل پیرا ہونا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واقعہ تک جاری تھا اگرچہ ان میں دیگر فسق و فجور میں کثرت سے آ گئے تھے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 163 میں یَفْسُقُوْنَ ذکر ہوا ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ابتلاء (آزمائش) کا ان پر ارادہ کیا تھا جسکی تفصیل سورۃ اعراف میں وارد ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان میں ایک گروہ نے حیلے سے ہفتے کو شکار شروع کیا۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ علم اور معرفت میں فرق یہ ہے کہ معرفت کا تعلق ذات سے ہوتا ہے، جبکہ علم کا تعلق حالات سے ہوتا ہے اس اعتبار سے اول احتمال یہ ہے کہ الذین مفعول ہے اور علم معرفت کے معنی میں ہے قرآن مجید میں علم معرفت کے معنی میں کثرت سے واقع ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ علم اپنے حق پر ہے اور مضاف مقدر ہے یعنی اَحْوَالَ الَّذِیْنَ ... الخ۔

سوال: اس قصہ کے شروع میں لفظ اذ ذکر نہیں ہے جیسا کہ باقی قصص میں وارد ہے بلکہ یہاں علمتم اور اعراف میں وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ ... الخ مذکور ہے؟ جواب: اس واقعہ کو بنی اسرائیل چھپاتے تھے کیونکہ اس میں ان کی بڑی بدنامی تھی کہ انہوں نے اپنے پیٹ کیلئے حکم ربانی کی خلاف ورزی کی ہے اسلئے بطور تاکید فرمایا گیا کہ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ یقینا تم جانتے ہو اور وَاسْئَلْهُمْ۔ میں ان سے دریافت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ الزامی طور پر سوال ہے جو کہ عَلِمْتُمْ کے منافی نہیں ہے۔ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ: اعتداء سے مراد شکار کیلئے حیلہ ہے، اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ 1انہوں نے سمندر کے کنارہ پر چھوٹی چھوٹی نہریں (گڑھے) کھدوا دیں تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اتوار والے دن انکو پکڑ لیتے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جمعہ والے دن کنڈے کانٹے سمندر میں ڈالتے ہفتے کے دن مچھلیاں پھنس جاتی اور اتوار کے دن پانی سے نکال لیتے، اگرچہ جمعہ والے دن کنڈے کانٹے یا گڑھے کھودنا منع تو نہیں تھا مگر ان کی نیتوں میں ہفتہ والے دن مچھلیوں کو پکڑنا تھا جو کہ حرام تھا یعنی ہفتہ والے دن ہر قسم کے حیلوں سے مچھلیوں کو شکار کرنا حرام تھا لہٰذا اس دن کی بے احترامی کو یہاں پر اعتداء اور اعراف میں عدوان کہا گیا ہے۔ فِي السَّبْتِ۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ 1: انہوں نے ہفتے والے دن حد سے تجاوز کی۔ 2: فِي حُكْمِ السَّبْتِ۔ مراد ہے یعنی انہوں نے ہفتہ کی دن عظمت و احترام کا پاس نہیں رکھا اور یہ دونوں احتمال درست ہیں، ان سے اگر سوال کیا جاتا ہے کہ تم لوگوں نے ہفتہ والے دن کی تعظیم نہیں کی تو وہ جواب دیتے کہ ہم کو ایسے شغل سے منع کیا گیا ہے جو ہمیں عبادت سے غافل کریں جبکہ اس طریقہ کار سے ہماری عبادت میں خلل نہیں پڑتا ہے نیز انکا کہنا تھا اسی طرح یہ بھی کہتے کہ ہفتے کے دن پانی سے مچھلیاں نکالنا حرام ہے جبکہ ہم تو ایسا نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنا تو ہمارے لئے حرام ہے، لیکن انکی یہ تاویل باطل تھی جس کی وجہ بنا کر انہوں نے حیلہ باری کی جوان کیلئے مو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب عذاب بنا۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ: فَقُلْنَا میں اشارہ ہے کہ یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اسلئے اس کے مقابلہ کی تاب کوئی نہیں رکھتا تھا۔ كُونُوا یہ امر برائے تسخیر و تعجیز ہے اس میں (مامور) کو کسی قسم کا قدرت و اختیار نہیں ہوتا صرف اشارہ ہوتا ہے فوراً عذاب کے نزول کی طرف۔ قِرَدَةً۔ بقول امام ابن کثیر بندر انسان کے ساتھ حیوانوں میں سب سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں انسان نہیں ہے اسی طرح انہوں نے جو طریقہ حکم الٰہی سے مخالفت کا اختیار کیا تھا بظاہر مخالف نہیں تھا مگر حقیقت میں مخالف تھا اور جزا تو عمل کی جنس سے ہوتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے بندروں سے مشابہ کئے اور بندر حیوانوں میں سب سے زیادہ حیلہ کرنے پر مشہور ہے۔ اسلئے اس کی مشابہت حیلہ بازوں کے ساتھ زیادہ مناسب تھی۔ خَاسِئِينَ خبر ثانی ہے "كُونُوا" کیلئے یا پھر "كُونُوا" کے اسم سے حال ہے اور قِرَدَةً کیلئے صفت بھی ہو سکتا ہے۔ خساء دور کرنے، دھتکارنے کیلئے کتوں حیوانوں بندروں اور جو انسان ان کے مشابہ ہو جائیں استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ مؤمنون آیت 108 میں اس وصف کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں نے ان سے نفرت شروع کی اور دھتکارنے لگے یا پھر مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے۔ تفسیر کے تمام راویوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یہ مسخ صوری حقیقی تھا اور مجاہد سے جو منقول ہے کہ یہ معنوی مسخ یعنی دلوں کی خرابی اور بگاڑ تھا تو یہ قول درست نہیں اس قول کو سنداً جید قرار دیتے ہوئے غریب یعنی ظاہر کے خلاف ہے اور پھر کثیر ائمہ تفسیر کے اقوال نقل کئے ہیں کہ یہ مسخ حقیقی تھا اور پھر ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان اقوال کو اس لئے نقل کیا کہ قول مجاہد ان تمام اقوال کے مخالف اور قرآن کے ظاہر سے بھی متصادم ہے لہذا وہ صحیح قول نہیں ہے، مواھب الرحمٰن کے مفسر نے لکھا ہے کہ یہ ایک راوی کا وہم ہے اور اس امت میں مسخ کے متعلق بہت ساری روایتیں امام ابن قیم نے اغاثۃ اللھفان ج 1 ص 359 پر ابن ابی الدنیا کی کتاب "ذم الملاہی" سے نقل کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ مسخ دو گروہ میں ہوگا۔ 1: وہ مولوی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولتے ہیں اور دین کو بدلتے ہیں۔ 2: گناہ کا اظہار کرنے والے فساق جو حرام کے ارتکاب پر اظہار کرینگے امام قرطبی نے مسخ شدہ قوموں کے متعلق تفصیل ذکر کی ہے کہ وہ باقی رہیں گے یا نہیں اور صحیح بخاری حدیث 3849 میں بندروں کے رجم والی روایت کا جواب بھی ذکر کیا ہے وہاں تفصیل کیلئے مراجع کیجئے۔

سوال: یہ لوگ تو مسخ ہو گئے تھے اور انکا عقل فہم تو باقی نہیں رہا تو وہ عذاب کیسے محسوس کرینگے؟

جواب: مسخ ہونے سے ان کی صرف شکلیں بدل گئی تھیں انسانی کلام اور افعال پر قادر نہیں تھے باقی یہ تو جانتے تھے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے جرم پر ہمیں عذاب مل رہا ہے۔ (اللباب للدمشقی)

تفسیر 66: اس آیت میں گذشتہ آیت میں مذکور عذاب کا فائدہ وحکمت بیان ہو رہا ہے۔ فَجَعَلْنٰهَا۔ مسخ شدہ قوم یا واقعہ امت یا عقوبت یا پھر اس قصہ کی طرف ضمیر راجع ہے۔ نَكَالًا۔ نکل اصل میں منع کے معنی میں ہے۔ لہذا انکال اس عذاب کو کہا جاتا ہے جو عمل کرنے والے کو گناہ سے روک لے یا دیگر لوگوں کو اس قسم جرم کے ارتکاب سے منع کرے یا اور لوگوں کو اس سے ڈرائیں، اسکو عبرت ناک سزا کہا جاتا ہے جیسا کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کو عبرتناک سزا کہا گیا ہے۔ سورۃ مائدہ آیت 38 میں ہے۔ لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا ابن عطیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس میں ضمیر (ہا) راجع ہے سزا و عقوبت کے طرف یعنی یہ سزا ہے گزشتہ گناہوں کا۔ وَمَا خَلْفَهَا وہ گناہ جو اس کی بعد ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر (ہا)، گاؤں بستی کے طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے، کہ ان لوگوں کیلئے عبرت ہے جو اس بستی میں آباد موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے یا مراد وہ بستیاں گاؤں جو اس عذاب والی بستی کی قریب تھے اور ان تمام بستیوں سے بنی اسرائیل ہی مراد ہے کہ جس نے بھی ہفتہ کی تعظیم نہیں کی تو ان کی سزا یہ ہے۔ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ موعظ وعظ سے مصدر میمی ہے اصل میں زجر تعبیہ خوف منع کرنے کو کہا جاتا ہے اور یہ کبھی تذکیر نصیحت کو بھی کہا جاتا ہے یہاں پر پہلا معنی مراد۔ لِّلْمُتَّقِينَ۔ لام برائے انتفاع ہے اور متقین سے مراد آخری امت ہے کیونکہ یہ صفت اس امت کا خاصہ ہے۔ جو کہ آسمانی کتب میں مذکور ہے جبکہ سابقہ امتوں کیلئے ربانیوں و رہبان القاب مشہور تھے ابن کثیر رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے زجاج رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس قصے میں آخری امت کو تنبیہ دینا مقصود ہے، کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے حیلہ سازی کا ارتکاب کیا تھا، ابن کثیر نے اس ضمن میں سند کے ساتھ اس روایت کا تذکرہ کیا ہے۔ لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللهِ بِأَدْنَى الْحِيَلِ. (امام ابن قیم و ابن تیمیہ نے حسن کہا ہے تہذیب السنن 103/5، سلسلۃ الصحیحہ 608 البانی نے جید کہا ہے) وہ کام مت کرو جو یہودیوں نے کئے ہیں۔ ورنہ تم بھی معمولی حیلوں سے حرام چیزوں کو حلال کرو گے۔

سوال: بنی اسرائیل کیلئے نَكَالًا اور اس امت کیلئے موعظہ وجہ کیا ہے؟ **جواب:** نکال اس مقام پر استعمال ہوتا ہے جہاں پر مطلق منع ہو اور موعظہ اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں اس عمل کے مثل سے منع مقصود ہو، بنی اسرائیل کو ہفتے والے دن کی بے حرمتی سے منع کیا گیا تھا اور اس امت کو ان جیسے حیلہ بازی سے منع کیا گیا ہے کہ حرام چیز کو اپنے لئے حیلہ سازی سے حلال نہ کرو جبکہ ہمارے لئے ہفتے والے دن میں شکار منع نہیں ہے، لہذا ان کیلئے موعظہ کا لفظ زیادہ مناسب تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احکام شرعیہ میں حیلے کی بحث: اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کا حیلہ بازی اعتداء وعدوان اور سبب عذاب تھا تو معلوم ہوا کہ یہ حیلہ حرام تھا، امام آلوسی نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کر کے دین میں حیلوں کو حرام قرار دیا ہے اس مناسبت سے مناسب ہے کہ اس مضمون کو ذرا تفصیلاً لکھا جائے۔ اس مضمون میں 6 ابحاث ہیں۔ **پہلی بحث: معنی** میں ہے اکثر اہل لغت نے لفظ حیلہ کو واوی کہا ہے یعنی حَوْلٌ سے لیا گیا ہے۔ واؤ کو یائی سے بدل دیا ہے، بدل جانے یا منتقل ہونے کو کہتے ہیں جبکہ عرف میں مَا يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى حَالَةٍ خَفِيَّةٍ جس کے ذریعے کسی آسان کام کا سہارا لیا جائے. مفردات امام راغب ج 1 ص 132۔ یا مَا يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى الْمَقْصُودِ بِطَرِيْقٍ خَفِيٍّ۔ جس کے ذریعے کسی مقصود تک پہنچا جانے کسی مخفی طریقے سے۔ عمدۃ القاری ج 12 ص 108۔ یہ دوسری تعریف بہتر ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ اکثر اس لفظ کا استعمال خباثت کے کاموں میں ہوتا ہے یعنی دھوکا وغیرہ البتہ کبھی حکمت میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ نساء آیت 98 میں ہے، پہلی تعریف کے مطابق اسکو خداع اور مخادعہ بھی کہا جاتا ہے امام بخاری نے "کتاب الحیل" میں چھٹا باب باب ما ینھی من الخداع قائم کیا ہے اور دوسرے تعریف کے مناسبت سے اس کو مخرج کہا جاتا ہے یعنی تکلیف مصیبت سے نکلنے کا راستہ۔

دوسری بحث اقسام حیل: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ دونوں نے یہ بات تحریر کی ہے کہ امام بخاری نے پہلے مطلق حیلوں کا ذکر کیا ہے اور بعد میں فِي تَرْكِ الْحِيَلِ ذکر کیا ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ بعض حیلے کرنے سے اگر انسان گناہوں سے فرار اختیار کرے اور حرام سے بچ جائے تو اس قسم کے حیلے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو مستحب ہے البتہ ابطال حق کیلئے حیلہ بازی کرنا گناہ وعدوان ہے۔ اور امام نسفی نے امام محمد بن حسن سے الکافی میں نقل کیا ہے کہ: لَيْسَ مِنْ أَخْلَاقِ الْمُؤْمِنِيْنَ الْفِرَارُ مِنْ أَحْكَامِ اللهِ تَعَالَى بِالْحِيَلِ الْمُوْصِلَةِ إِلَى إِبْطَالِ الْحَقِّ یہ بات ایمان والوں کے اخلاق میں سے نہیں ہے کہ احکام الٰہی سے کنی کتراتے ہوئے راہ فرار اختیار کریں اور ایسے حیلوں کا سہارا لیں جو حق کو باطل ثابت کرنے کا ذریعہ ہیں اور علامہ سرخسی نے المبسوط ج 3 ص 210 میں کہا ہے کہ وہ کام جس پر انسان حرام سے بچ سکتا ہے اور حلال تک رسائی حاصل کرتا ہے تو یہ حسن ہے البتہ حیلہ اس مقصد کیلئے کرنا کہ حق کو باطل کریں یا باطل کو مزین کریں یا حق میں شبہ داخل کرنے کیلئے حیلہ کریں تو یہ مکروہ ہے اور فتاوی ھندیہ کتاب الحیل ج 6 ص 390 میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء احناف کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ حیلہ جو حق کو باطل میں تبدیل کرے یا حق میں شبہات پیدا کرے یا باطل کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حسین خوبصورت کر دکھائے تو وہ مکروہ ہے اور ہر وہ حیلہ جو حرام سے بچنے کا سبب ہو اور حلال تک رسائی کیلئے ذریعہ ہو تو وہ جائز ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ج 12 ص 342 میں لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک سبب کے اعتبار سے حیلہ کی کئی قسمیں ہیں لہذا جس حیلے سے بندہ رسائی حاصل کرتا ہو حق کے ابطال اور باطل کے اثبات کے لئے تو یہ حرام ہے اور اگر رسائی کرتا ہو حیلے کے ذریعے سے اثبات حق یا باطل کو مٹانے کیلئے تو یہ واجب یا مستحب ہے اور اگر جائز طریقہ سے مکروہ سے بچ جانے تک رسائی کرے تو یہ مستحب یا مباح ہے نیز اگر مستحب کو ترک کرنے کیلئے رسائی کرے تو یہ مکروہ ہے اور" اغاثۃ اللھفان ج 2 ص 67 میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حیلوں کی مختلف اقسام ہیں۔ **پہلی قسم:** تو وہ حیلہ جو خفیہ راستہ یعنی چور دروازہ ہے جس کے ذریعہ حرام تک رسائی ہوتی ہے تو وہ باتفاق العلماء ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ لوگوں کے مال تک رسائی کیلئے مروجہ اسقاط جو مالدار لوگ فدیہ لیتے ہیں یہ کامل مثال ہے اس میں ایک قسم تو واضح ہے جس میں حیلہ کرنے والے کا مقصد شر اور ظلم ہے۔ **دوسری قسم:** وہ ہے کہ بظاہر تو وہ حیلہ کرنے والا خیر کا نام استعمال کرتا ہے مگر مخفی طور پر ظلم و سرکشی کا ارادہ کرتا ہے یہ بلاشک گناہ کبیرہ ہے۔ **تیسری قسم:** وہ ہے کہ فی نفسہ وہ چیز مباح جائز ہو مگر نیت حرام سے وہ حرام ہو جاتی ہو جیسا کہ سفر تو جائز کام ہے مگر ڈاکہ زنی چور کیلئے حرام بن جاتا ہے۔

چوتھی قسم: حیلہ کرنے والا حیلہ کے ذریعے حق تک پہنچنے کا قصد کرنے یا باطل کو مٹانے کا لیکن طریقہ غیر شرعیہ اختیار کرتا ہے جو کہ حرام ہے یعنی جھوٹی قسم کھانا یا حق کے اثبات کیلئے جھوٹی شہادت دینا یہ بھی حرام ہے۔ **پانچویں قسم:** ایک جائز شرعی ذریعے کو واسطہ بنا کر اس کے ذریعے حرام کو حلال کرنا یا واجب کو ساقط کرنا یہ بھی بالاتفاق حرام ہے حیلہ اسقاط بھی اسی میں داخل ہے اور حیلہ اسقاط زکوۃ یا شفعہ کیلئے حیلہ کرنا وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ شیخ رشید احمد گنگوہی صاحب نے "لامع الدراری ج 1 ص 218۔ میں لکھا ہے کہ اگر حیلہ کسی کا حق کے حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی مسلمان کے حق کو زندہ کرنے کیلئے یا اس سے ظلم ہٹانا مقصود ہو یہ جائز ہے البتہ مسلمان کو ہلاکت میں ڈالنے یا حق کے ابطال کیلئے حیلہ ناجائز ہے۔

تیسری بحث علماء کے اختلاف سے متعلق: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ احناف سے حیلوں کے جواز کا قول معروف ہے اس بارے میں امام ابو یوسف کی طرف ایک کتاب منسوب ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے اور دیگر بہت سارے آئمہ کرام سے وہ حیلے مراد ہیں جو حق کے قصد کیلئے ہو عام حیلے مراد نہیں ہیں، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک تمام حیلے حرام ہیں اور ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہیں مگر مطلق حرام یا جواز کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قول درست نہیں بلکہ تفصیل اس میں بہتر ہے اور تمام کے نزدیک تقسیم ثابت ہے۔ امام بخاری نے "کتاب الحیل" کے ابواب میں اہل کوفہ (احناف) پر رد کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات میں احناف حیلوں کے قائل ہیں اگرچہ احناف اس کو مخارج کہتے ہوئے جوابات دیتے ہیں، امام سرخسی نے المبسوط ج 3 ص 209 میں لکھا ہے کہ الحیل فی الأحکام المخرجۃ لمن الاٰثام جائزۃ عند جمھور العلماء۔ ان احکام میں جمہور احناف کے نزدیک حیلے جائز ہیں جو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال سے نکالے گئے ہیں البتہ انہوں نے ابوسلیمان رحمہ اللہ جوزجانی کا قول نقل کیا ہے کہ جس میں امام محمد کی طرف منسوب کتاب (الحیل) کی نفی کی گئی ہے مگر امام محمد کی طرف منسوب اس کتاب کے متعلق ابوحفص کے قول کو ترجیح حاصل ہے جس نے امام محمد کی طرف کتاب کی منسوبیت کو درست قرار دیا ہے اور جواہر المضیہ کے مصنف نے ابوسلیمان جوزجانی کے قول کو ترجیح دی ہے، 2 / 208 البتہ فتاوی ہندیہ میں امام یوسف اور امام محمد کا اختلاف ذکر کیا ہے حیلہ اسقاط زکوۃ و شفعہ کے متعلق۔ امام محمد نے اس کو مکروہ اور ابویوسف نے جواز کا فتوی دیا ہے مگر احناف کے مشائخ نے امام محمد کے قول پر عمل کیا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

چوتھی بحث اہل جواز کے دلائل اور ان کے جوابات:

دلیل 1: سورۃ نساء 98 اس آیت سے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ضعیف لوگوں کے عذر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے آپکو بچانے کیلئے کوئی حیلہ نہیں پاتے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے ساتھ رہنے سے بچنے کیلئے حیلہ کرنا جائز ہے اور یہ مثال حرام سے اجتناب کیلئے حیلے کا ہے اور یہ اچھا کام ہے۔

جواب: اس میں اس حیلے کا ذکر ہے جس میں اتفاق ہے اور ایک قسم کا حیلہ ثابت کرنے سے سب ثابت نہیں ہوتے ہیں۔

دلیل 2: سیدنا ایوب علیہ السلام کا قصہ سورۃ ص 44 میں ذکر ہے اس کا جواب سورۃ ص کی تفسیر میں مذکور ہے اور یہ سیدنا ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے دوسرا یہ کہ اس واقعہ میں ایک مظلوم کو ظلم سے بچانا ہے اس پر دوسرے حیلوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ نیز ان کی ملت میں قسم توڑنے کا کفارہ ثابت نہیں تھا جبکہ ہمارے دین میں قسم توڑنے کا کفارہ ہے لہذا ہمیں اس قسم کے حیلوں کی ضرورت نہیں ہے۔ **تنبیہ** حیلہ اسقاط اس پر قیاس کرنا بہت ہی غلط ہے کیونکہ اس میں تو زیادہ چیز کو کم کیا گیا ہے اور حیلہ اسقاط میں تو کم چیز کو زیادہ کرنا ہوتا ہے۔

دلیل 3: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ردی کھجور قیمتاً فروخت کرو پھر اس رقم سے اچھی کھجور خریدلو یہ سود سے بچنے کیلئے حیلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا۔(صحیح بخاری حدیث 2312 صحیح مسلم 1594) یہ تو واضح تجارت ہے ایک تجارت دوسرے کیلئے ذریعہ ہے اور یہ دو الگ الگ تجارتیں ہیں جو اتفاقی صورت عمل ہے۔ دلیل 4 سنت نبوی سے یہ بات ثابت ہے کہ جھوٹ سے اجتناب کیلئے معاریض توریہ ایسے الفاظ کہہ دے جو حقیقت کے مخالف ہو اس کو حیلہ فی الاقوال کہا جاتا ہے۔ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کے متعلق بہت روایتیں جمع کیں ہیں۔

جواب: ان معاریض توریہ اور غیر شرعی افعال میں بہت فرق ہے۔

دلیل 5 یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد ربانی ہے کہ (كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ) یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنے کیلئے اس کی بوری میں پیمانہ کا برتن رکھ کر اس کو ایک تدبیر سے ایک سال کیلئے قید کر لیا جس کو اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمایا جس کا دوسرا نام حیلہ ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے إغاثة اللهفان 2/ 2102 میں اس کا تفصیلی جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس واقعہ پر ہمارے لیے عمل جائز نہیں کیونکہ دین محمد ﷺ میں اس قسم کے کام جائز نہیں ہیں کہ بھائی کو گرفتار کرنے کیلئے (اس کو رکھنے کیلئے) بھائی پر چوری کی تہمت لگانا اور بھائی کی وجہ سے والد کو پریشان کرنا۔ دوسرے ملک کے قانون پر عمل کرنا جب مذکورہ امور ہماری شریعت میں جائز ہوتو پھر اس پر قیاس کرنا جائز ہوگا۔ لیکن جب یہ ساری کی ساری چیزیں ہماری شریعت میں ممنوع ہے تو پھر اس پر کس طرح قیاس کرنا درست ہوگا، یعنی جب مقیس علیہ جائز نہیں تو اس پر قیاس کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ بلکہ یہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ اس میں دو سبب ظاہر ہیں۔

1۔ (كِدْنَا) اس میں نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو کی ہے جو کہ وحی پر مبنی ہے جبکہ دیگر حیلے تو وحی پر مبنی نہیں۔ 2۔ (لِيُوسُفَ) اس میں لام تخصیص کیلئے ہے یعنی یہ تدبیر سیدنا یوسف علیہ السلام کیلئے خاص ہے۔

پانچویں بحث: حیلوں کی قباحت اور اس سے ممانعت کے دلائل: ان حیلوں سے مراد مثلاً واجبات ساقط کرنے، حرام حلال کرنے، مظلوم سے ظالم اور ظالم سے مظلوم بنانے والے حیلے ہیں نیز حق سے باطل اور باطل سے حق بنانے کیلئے کیے جاتے ہیں۔ دلیل 1 (يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا) سورۃ بقرہ 9۔ مخادعہ یعنی حیلہ ہے جس میں ظاہراً خیر جبکہ باطن میں ارادہ شر کا ہو اور یہ وصف منافقین کا ہے ایک شخص عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا کہنے لگا کہ میرے چچا نے بیوی کو تین طلاقیں دیں ہیں کیا کوئی دوسرا شخص اس کیلئے حلالہ کی نیت سے عارضی طور پر نکاح کرسکتا ہے۔ تو انہوں نے جواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے خداع (دھوکہ) کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اس جیسا معاملہ کرے گا۔ إغاثة اللهفان 1/356 میں شریک بن عبداللہ کا قول ہے کتاب الحیل حقیقت میں کتاب المخادعہ ہے۔ دلیل 2 حیلہ تو شریعت کے خلاف استہزاء اور کھیل ہے اور یہ اہل نفاق کا وطیرہ ہے۔ سورۂ بقرہ 14 سورۂ توبہ 65۔ مطلب یہ ہے کہ احکام وافعال شرعیہ تو شرعی حقائق ومقاصد کیلئے وضع کئے گئے ہیں اب ایک انسان ان کو مقصد شرعی سے اٹھا کر دوسرے مقاصد کیلئے استعمال کرنے لگتا ہے تو یہ دین کے ساتھ کھیل کھیلنے کے مترادف ہے۔ اس کی مثال سنن نسائی میں محمود بن لبید کی روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو یکجا تین طلاقیں دے کر بیوی کو فارغ کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ یہ خبر سن کر غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ میں تمہارے درمیان ابھی موجود ہوں اور کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ دلیل 3 سورۂ قلم میں باغ والوں کا قصہ ذکر کیا ہے انہوں نے مسکینوں کی حق تلفی کرنے کیلئے حیلہ کیا تھا کہ صبح سویرے خاموشی سے چلیں گے تاکہ مسکینوں کو خبر نہ ہو اور باغ کو سنبھال لیں گے جس کی تفصیل سورۂ قلم 17 تا 33 میں موجود ہے اور یہ حیلہ ان کیلئے سبب عذاب اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے اور افسوس کا سبب بنا حیلہ اسقاط بھی اصل میں مسکین لوگوں کیلئے ہے مالدار مولویوں کو دینا مقصد نہیں ہے۔ دلیل 4: اصحاب السبت کا قصہ سورۂ بقرہ 65 اور سورۂ اعراف 163 میں ہے کہ ان کو ہفتہ والے دن شکار سے منع کیا گیا لیکن انہوں نے حیلہ کرتے ہوئے کونڈی کو جمعہ والے دن پانی میں ڈال دیتے اور مچھلیاں جال میں ہفتے والے دن آجاتی اور وہ اتوار کو ہفتہ کی پھنسی ہوئی مچھلیاں نکال لیتے اور یہ حرام حیلہ تھا جس پر غضب الٰہی نازل ہوا اور ان کے چہرے مسخ کر دیئے گئے جرم کیا تھا اس کی مناسبت سے ان کو سزا ملی۔ دلیل 5۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث (إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) (صحیح بخاری 1) سے حیلوں پر رد کیا ہے کیونکہ حیلہ کرنے والے کی نیت میں خرابی ہوتی ہے بظاہر وہ صحیح کام کرتے ہیں مگر حقیقت میں ارادہ اس کا کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے کونڈے کو جمعہ والے دن پانی میں ڈالا مگر نیت میں ہفتہ والے دن کا شکار پھنسانا تھا۔ دلیل 6۔ الْمُتَبَايِعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَفْتَرِقَا إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ. وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ (احمد، ترمذی 1246، ابو داؤد 3457، نسائی 4466، مسلم مختصر 945، الصحیحۃ البانی 798)

خرید وفروخت کرنے والے دونوں کو اختیار ہے سودا قبول کرنا یا رد کرنے کا جب تک دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں البتہ خیار کی شرط ہو تو پھر حلال نہیں ہے جدا ہونا سودے کے خوف سے یعنی الگ ہونا تو گناہ نہیں مگر جب سودا کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے جدا ہوتا ہے تو نیت کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ دلیل 7۔ لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُوْدُ فَتَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِأَدْنَى الْحِيَلِ (سلسلۃ الضعیفۃ 608 میں شیخ البانی نے جید جبکہ شیخ ابن تیمیہ و ابن قیم نے حسن کہا ہے تہذیب السنن 103/5، مجموعۃ الفتاوی 29/29، تخریج ابن کثیر 204/1) یہودیوں کے قدم پر مت چلو کہ معمولی حیلوں سے حرام چیزوں کو حلال کرو۔ دلیل 8۔ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کو کھایا۔ (صحیح بخاری کتاب البیوع حدیث 3460، صحیح مسلم فی المساقات حدیث 1207) اختصار کی وجہ سے مزید دلائل سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

حیلوں کی بعض برائیاں: امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حیلہ کرنے والے نقص سنت یعنی سنت کے مقابلے کیلئے حیلے کرتے ہیں۔ 1/ 369۔ إغاثة اللهفان

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کسی نے بتایا کہ ایک عورت اپنے شوہر سے جدائی چاہتی ہے تو حیلہ گر مولوی نے اسے طریقہ بتایا کہ کفر کرلو نکاح ختم ہوجائے گا۔ امام صاحب نے فرمایا ایسا فتوی دینے والا اور اس فتوے پر راضی ہونے والا اور اس کی تعلیم دینے والے سب کافر ہیں۔ نضر بن شمیل سے نقل کیا گیا ہے کہ کتاب الحیل کے کل 320 مسائل ہیں اور یہ سب کفر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حیلے نہیں سکھائے اور نہ ہی اس پر ترغیب دی ہے بلکہ مکر، خداع، نفاق اور مشابہت یہود سے حیلوں میں منع کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو حیلے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ تو شارع علیہ السلام سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ شارع علیہ السلام تو حرام تک رسائی کے راستوں کو مسدود (بند) کرتا ہے۔ جبکہ حیلہ گر تو حرام تک رسائی کیلئے راستے تلاش کرتے ہیں۔

چھٹی بحث: جو حیلہ مروجہ اسقاط [redacted] مروجہ اسقاط یہ ہے کہ ایک انسان انتقال کر جائے اور اس کے ذمے فرائض اور واجبات شرعی باقی ہو جبکہ اس کا مال ان امور کے فدیہ دینے کے لئے کافی نہ ہو تو اس کے بعض اولیاء قرض اٹھا لیتے ہیں فدیہ پورا کرنے کے لئے (جامع الرموز) جبکہ بعض نے کہا ہے کہ اسقاط یہ ہے کہ کامل قرآن کو لیا جائے اگر مردے کی ملکیت ہو یا کسی اور نے دیا ہو تو اس قرآن کو بھی فدیہ میں دیا جائے (نور الھدیٰ) اور پھر کسی مسکین کو دیا جائے اور اسے یہ کہا جائے کہ اس کو فدیہ میں قبول کرے۔ اور اگر ایک مرتبہ فرائض اور واجبات کے لئے یہ فدیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پورا نہ ہوجائے تو پھر یہ مسکین یہ مال واپس کردے مالک کو۔اور مالک اسی مسکین کو یا کسی دوسرے مسکین کو اسی طریقے پر دوبارہ دے دے، یا مالک اس پہلے مسکین کو ہی وکیل کردے کسی دوسرے مسکین کو بخشنے کے لئے۔

اور مروجہ اسقاط میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مالک آخری مسکین سے (یعنی جس کو آخر میں فدیہ دیا گیا ہو) مال واپس لیکر اور عام لوگوں میں چاہے ان میں مسکین اور فقیر ہوں یا مالدار ہوں ان پر درجات کے فرق سے تقسیم کردے (یعنی غریب کو زیادہ مالدار کو کم) اور اس کے لئے پھر لوگوں کو اردگرد ایک دائرے کی شکل میں بٹھادیا جاتا ہے۔

یہ حیلہ اسقاط کی وہ صورت ہے جس کو متاخرین فقہاء احناف کی کتابوں میں لکھا گیا ہے اور اسی کو جواز بنا کر مبتدعین ہر مردے کی نماز جنازہ کے بعد یہ عمل کرتے ہیں اور اس کو ایسا لازم سمجھتے ہیں کہ نہ کرنے والوں پر ملامت کی جاتی ہے اور جو نہ کرے انہیں وہابی (اور طرح طرح کے القابات) کہا جاتا ہے۔اس مروجہ حیلہ کی بے دلیل ہونے اور بدعت ہونے کی مختلف دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: اس کا ثبوت قرآن میں ہے اور نہ ہی حدیث میں۔قرون ثلاثہ جو کہ خیر کے ادوار تھے اس کا ذکر نہیں اور ائمہ کرام سے بھی ثابت نہیں ہے اس لیے یہ یقیناً بدعت قبیحہ ہے۔

دوسری دلیل: جو دلائل قرآن وسنت کے گزر گئے وہ تمام دلائل اس حیلے پر رد کررہے ہیں بشرطیکہ انصاف کی نظروں سے ان کو دیکھا جائے۔

تیسری دلیل: جو دلیلیں حیلہ اسقاط کے جواز میں ذکر ہوگئے اس میں یہ حیلہ ہرگز داخل نہیں ہے۔

چوتھا سبب: فقہ حنفی کی جن کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے انہوں نے کسی معتبر کتاب یا حدیث کا حوالہ نہیں دیا لہذا فقہ کی کتاب میں صرف ذکر ہونا ثبوت نہیں ہے۔فتاوی شامی 1/ 568 میں لکھا ہے کہ کسی مسئلہ کا مستحب ہونا کسی چیز پر حکم شرعی لگانا ہے لہذا شرعی حکم کیلئے دلیل بھی شرعی چاہیے۔نیز جن کتب میں حیلہ کا یہ مسئلہ ذکر ہے وہ احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔مثلاً قنیہ کا مصنف معتزلی تھا۔فیض الباری 2/ 394، مجموعۃ الرسائل، صفحہ:180۔جامع الرموز کا مصنف ولال تھا فقہ حنفی کی کتابوں کا مصنف نہیں تھا۔السعایہ 2/ 253، شامی نے رسم المفتی میں لکھا ہے کہ در المختار پر فتوی نہیں دیا جاسکتا۔

اور نور الہدیٰ کے مصنف کا تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اہل سنت میں سے ہے یا روافض اور یہ کتاب بھی متداول نہیں۔

پانچویں دلیل: یہ ہے کہ بعد میں بہت سارے اہل علم نے حیلوں کی قباحتیں بیان کی ہیں۔رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسقاط مروجہ محض لغو بے ہودہ حیلہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ 1 / 126) خیر القرون میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ 1 /103 نیز فرمایا کہ حیلہ مروجہ تو علماء نے مسکینوں کیلئے وضع کیا تھا اب تو یہ ملاؤں کے چند ٹکوں کے حصول کیلئے مقرر ہوا ہے حق تعالیٰ تو نیتوں کو جانتا ہے۔ ورثہ کی نیت مفلس کیلئے خالص ہو تو عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور دنیا حاصل کرنے کا حیلہ ہے۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند نے 7 /183، 7 /82 میں رد لکھا ہے۔ مفتی کفایت اللہ نے دلیل الخیرات ص: 30 میں رد لکھا ہے۔ عبدالحیٔ صاحب نے نفع المفتی والسائل میں ص: 79 میں لکھا ہے کہ یہ حیلہ دیانتاً ثابت نہیں ہے۔ اور امیر الحاج نے مدخل میں اس کا رد لکھا ہے یہ الفاظ اس سے منقول ہیں۔

هُوَ لَا يُؤَخِّرُوْنَهُ بَعْدَ تَجْهِيْزِهٖ لِغَيْرِ ضَرُوْرَةٍ شَرْعِيَّةٍ بَلْ لِلْبِدْعَةِ وَالرَّغْبَةِ فِيْ حُطَامِ الدُّنْيَا (259/3)

یہ لوگ بغیر ضرورت شرعیہ کے مردے کو لیجانے میں تاخیر کرتے ہیں بلکہ دنیا جیسی ذلیل چیز اور بدعت کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ ساتواں دلیل: یہ ہے کہ حیلہ گر مولوی ورثاء کو قرض دینے کی ترغیب دیتے ہیں کہ مردے کیلئے اگرچہ قرض لیکر دیدے حالانکہ یہ حدیث کی صریح مخالفت کیونکہ نبی اکرم ﷺ قرض دار کا جنازہ نہیں پڑھایا کرتے جب تک کوئی صحابی قرض اپنے ذمہ نہیں لیتے (صحیح بخاری حدیث 2289) اور یہ تو مردے کو قرض دار بنانے کے درپے ہیں۔

آٹھواں سبب: اس میں قرآن مجید کی بھی بے حرمتی ہو رہی ہے اور یہ تو خصوصاً دھوکہ ہے کہ بازار میں قرآن مجید کی قیمت 100 روپیہ ہے اور حیلہ گر اس کی قیمت۔۔۔۔۔۔؟

نویں دلیل: جو حیلہ اسقاط اس وقت مروج ہے یہ تو اس حیلہ کے خلاف ہے جو کتابوں میں تحریر ہے کیونکہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ اس میں شرط ہے کہ نیت حیلہ کی نہیں ہوگی بلکہ مسکین کیلئے ملکیت کا قصد کرنا ہوگا۔ (مجموعۃ الرسائل 1 / 225)

جبکہ انہوں نے تو اس کا نام ہی حیلہ رکھا ہے ابھی تو یہ لوگ جنازہ پڑھانے کے متصل حیلہ اسقاط کا دائرہ بناتے ہیں اور مردے کو دفنانے کا انحصار و انتظار اسی پر ہوتا ہے اور مولوی حلقہ باندھ کر مسکینوں کا سہارا لیکر یتیموں اور مالداروں کا فرق کیے بغیر ایک دوسرے کو مال فدیہ کرتے رہتے ہیں اور یہ تمام طریقے خلاف شریعت ہیں۔ **تنبیہ** وہ لوگوں پر قرآن کو پھرانے کے لئے دلیل بیان کرتے ہیں، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بحوالہ ابو اللیث سمرقندی اور وہ اس کو کتاب الفتوح للواقدی سے نقل کرتے ہیں گزارش یہ ہے کہ ابو اللیث کے نام سے بہت افراد گزر چکے ہیں لہٰذا یہ تعین مشکل ہے اور اس کتاب وفتاویٰ کا وجود دنیا میں نہیں ہے نیز سند کے اعتبار سے بھی یہ اثر بے اصل ہے کیونکہ عباس بن سفیان مجہول اور ابن علیہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمرقندی کی ملاقات ثابت نہیں اور واقدی کی تو اکثر کتب جھوٹ پر مبنی ہے اور امام احمد، بخاری، ابن مبارک، ابن نمیر، ابن معین، نسائی اور امام شافعی رحمہم اللہ سب نے ان کے ضعیف ہونے کا کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب 9/364) ابن صلاح نے مقدمہ میں صفحہ 100 پر لکھا ہے کہ آج اگر کوئی روایت پیش کرتا ہے اور محدثین کی کتب میں وہ نہیں پائی جاتی تو نا قابل اعتماد ہوگا اس روایت کے جھوٹی ہونے پر اور بھی دلائل ہیں۔ ہمارا دین حنیف، سہل اور واضح ہے اور بے دلیل باتوں کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حنیف پر قائم رکھے اور ہر قسم کی خرافات و بدعات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿69﴾ "اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں" [67] "انہوں نے کہا اے موسیٰ دعا کیجئے اپنے رب سے کہ بیان کر دیں ہمیں کہ اس گائے کی کیا عمر ہے، فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ گائے نہ تو بالکل بوڑھی ہو اور نہ جوان ہو، بلکہ درمیانی عمر کی ہو، اب جو تمہیں حکم دیا گیا ہے بجالاؤ۔" [68] "وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے وہ گائے زرد رنگ کی ہو، چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہو۔" [69]

تفسیر 67: اس آیت اور قصہ میں بنی اسرائیل کے جرموں کی ایک اور خباثت کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم اپنی ذات سے ساقط کرنا ہے پہلے حرام تک رسائی کیلئے حیلہ کا ذکر تھا اب واجب کو ساقط کرنے کیلئے حیلے بہانے تلاش کرنا ہے اس کا ذکر حیلوں کے بیان میں گزر چکا ہے۔ حرام تک رسائی کیلئے حیلہ کرنا بہت قبیح عمل ہے بنسبت واجب ساقط کرنے کیلئے حیلہ بازی کرنے کے لہٰذا اس وجہ سے اس حیلہ کو مقدم کیا ہے اور اس کو (وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ) پر عطف کیا ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ذکر ہے تو یہ بھی ان کے عصیان اور اعتداء کی قسموں میں سے ہے۔ نقض عہد جو قرآن کے متعلق تھا اب ان کے عناد پر مبنی سوالات، اور نبی کی طرف استہزاء کی نسبت جو کہ جہل ہے اور حکم الٰہی سے ٹال مٹول کر کے جان چھڑانے کی کوششوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ: آیت نمبر 54 میں یٰقَوْمِ فرمایا تھا اور یہاں پر ایسا خطاب نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ وہاں پر ان کو شرک کا مرتکب ہونے کے بعد توبہ کی دعوت دی جاتی ہے جو سخت زجر کا موقع ہے جبکہ یہاں پر تو صرف ایک حکم ہے عقیدہ پختہ کرنے کیلئے لہٰذا کوئی وعید و زجر نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً: لفظ (اِنَّ) اور اللہ تعالیٰ کے اسم ذات پر تصریح اور امر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بہت تاکید ہے گائے ذبح کرنے کی فرضیت پر۔ اَنْ تَذْبَحُوْا: معلوم ہوا کہ بقرہ اور اس جیسے جانوروں میں ذبح کرنا سنت ہے اور اونٹوں میں نحر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا سنت ہے۔ بَقَرَةً: اس کو بقرہ اس لیے کہا گیا کہ یہ فصل کیلئے زمین کو جوتی ہے۔ اکثر مفسرین نے بقرہ گائے کو قرار دیا ہے یعنی مؤنث اور ثور بیل کو کہا جاتا ہے یعنی مذکر جبکہ بعض مفسرین کا قول ہے کہ بقرہ اسم جنس ہے مذکر مؤنث دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ان کے نزدیک بقرہ بیل پر اس مقام میں بولا گیا ہے کیونکہ فَارِضٌ بِكْرٌ عَوَانٌ بعد میں بقر مذکر کیلئے مستعمل ہے۔ لیکن قول اول والے جواب دیتے ہیں کہ یہ صفات مؤنث ہیں جیسا کہ حامل حائض ہے اور بقر اسم جنس ہے میرے نزدیک، دوسرا قول بہتر ہے کیونکہ انہوں نے عبادت عجل بچھڑے کا کی تھی جو کہ مذکر تھا۔

سوال: دیگر حیوانوں کو ترک کر کے گائے کو کیوں ذبح کرنے کیلئے خاص منتخب کیا اور اس امر الٰہی کیلئے کونسی چیز سبب بنی؟

جواب: امام ماوردی رحمہ اللہ سے امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس طرح نقل کیا ہے کہ بقرہ عجل کی جنس میں سے ہے اور بنی اسرائیل نے اس کی عبادت کی تھی، اور مصر میں بھی لوگ تقلیداً گائے کی پوجا کرتے تھے اور اس کو مقدس جانور تصور کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بقرہ ذبح کرنے کا حکم دیا تا کہ مسلمانوں کی توحید مضبوط ہو جائے اور گائے کی تعظیم دلوں سے نکل جائے اور اس کی حقارت ظاہر ہو جائے۔ تفسیر مدارک اور بدائع التفسیر میں لکھا ہے کہ بتانا یہ مقصود تھا کہ جب ایک جانور بیل چلانے، رہٹ چلانے یعنی کنویں سے پانی نکالنے وغیرہ کی تذلیل سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا ہے تو وہ الٰہ بنانے کا حقدار نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ بقرہ کا ذبیحہ برائے اہانت ہے (لِيُهَوِّنَ عِنْدَهُمْ) تا کہ ان کے نزدیک اس کی تذلیل ہو جائے۔ (تفسیر قرطبی) نیز واقعہ قتل اس کیلئے اصل سبب نہیں ہے۔ اس بات کے دلائل یہ ہیں۔

پہلی دلیل: اس واقعہ کو (اِذْ) کے ساتھ شروع کیا ہے۔ اور یہ حرف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ مستقل واقعہ ہے۔

دوسری دلیل: اس واقعہ کو قتل پر مقدم کیا ہے جو بظاہر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ مؤخر ہے۔ تیسری دلیل: اگر گائے ذبح کرنے کا سبب واقعہ قتل ہوتا تو پھر ان کو ٹال مٹول کے بجائے فوری ذبح کرنا چاہیے تھا تا کہ قاتل گرفتار ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ چوتھی دلیل: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ یہ لوگ چالیس سال تک گائے تلاش کرتے رہے، اور چالیس سال کے بعد ذبح کیا تو سوال یہ ہے کہ مردے کو اتنا طویل عرصہ کس طرح سنبھال کے رکھا تھا؟ پانچویں دلیل: گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے مارنے پر مردہ اگر زندہ ہو جائے تو لوگوں کے دلوں میں گائے کی عظمت اور محبت پیدا ہو جائے ایسا نہ ہو کہ پھر سے اس کی عبادت شروع کریں۔

سوال: اس قصے کو (ذبح بقرہ سبب بنا تھا قتل کے لیے) تو ابو العالیہ، عبیدہ اور اسدی رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے؟؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان روایتوں کو بنی اسرائیل کی کتب سے لیا گیا ہے۔لہٰذا ہم ان روایتوں کی تصدیق وتکذیب نہیں کریں گے البتہ اعتماد صرف ان دلائل پر کریں گے جو قرآن مجید اور سنت صحیحہ سے ثابت ہوں۔جبکہ مذکورہ موقف قرآن مجید وسنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

سوال: (اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا) اس قصے پر واضح دلیل ہے؟؟ جواب: اس کی توجیہ۔اور اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ضمائر اس بقرے کی طرف راجع ہے۔اور اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ نے ایک اور توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ گائے ذبح ہونے کا حکم پہلے ہے اور جب انہوں نے گائے ذبح کی تو قتل کا واقعہ پیش آیا۔تو کہا گیا کہ (اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا) اس میں اعتراض وجواب بعد میں ذکر ہوگا۔ان شاء اللہ۔قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا: یہ مَهْزُوًّا کے معنیٰ یعنی مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی 'مَهْزُوًّا'، یا پھر حمل مبالغہ ہے، اور سبب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت موجود تھی جیسا کہ (وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا ان کے گمان میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیں گے اس لیے انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ یہ کلام از روئے مذاق کرتے ہیں۔

فائدہ: اس کلام پر وہ کافر ہوئے یا نہیں اس کے متعلق دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ان کا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ صحیح نہیں تھا جو ان کے کلام سے ظاہر ہے ان کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ موسیٰ علیہ السلام گائے ذبح کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سچائی سے نہیں کرتا ہے یہ اشارہ ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو خیانت کی نسبت کرتے تھے۔جبکہ یہ کفر ہے۔امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس زمانے میں اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے متعلق ایسی بات کرے تو وہ قطعی کافر ہوجائے گا۔دوسرا قول یہ ہے کہ دو وجوہات کی بناء کفر نہیں ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کلام تکذیب کی وجہ سے نہیں بلکہ جہالت اور سخت طبیعتوں کی وجہ سے کیا تھا،

دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے استفہام کی بناء پر کلام کیا تھا تحقیق کے طور پر نہیں اس لیے کفر نہیں ہے۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ: موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب میں کئی تاکیدات ہیں۔استہزاء سے تعوذ باللہ ضروری ہے اور اس عمل کو جہالت قرار دیا تو یہاں جہالت اسم ہے جو کہ سبب ہے اور استہزاء مسبب ہے تو سبب سے تعوذ مانگنا یعنی کسی چیز کے سبب سے پناہ مسبب کی پناہ مستلزم ہے۔(جہل) کا معنیٰ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے مفردات میں اس طرح کیا ہے کہ کسی کام کو اس کے طریقے کے خلاف کرنا۔یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے کام کی نسبت کرنا جس کا امر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے نہیں دیا ہوا ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی شان سے غافل اور جاہل ہوتا ہے۔

یا جہل سے مراد یہ ہے کہ دین کا مذاق اڑانے کو سبب عذاب نہیں مانتے ہیں۔ مفسر ابو حیان رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہل کی دو قسمیں ہیں: بسیط اور مرکب پھر بسیط کی دو قسمیں ہیں ایک عام ہے جو کسی چیز کا علم نہیں رکھتا ہو۔ دوسری قسم خاص ہے یعنی بعض باتوں کا علم نہیں رکھتا ہو۔ اور مرکب تو جہل الجہل ہے لہٰذا جہل عام اور مرکب نبی کی صفت کیا عام شخص جس کو بعض چیزوں کا علم اس کی صفت بھی نہیں ہوسکتی ہے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کی پناہ طلب کرنا بطور ادب ہے ورنہ اس کے متعلق تو جہالت تصور کرنا ہی محال ہے نیز موسیٰ علیہ السلام کی پناہ تو جہل خاص سے تھی جس کا ذکر گزر گیا ہے۔

فائدہ: جہل کا مادہ نو (9) اسباب کے ساتھ قرآن مجید میں 24 مرتبہ مذکور ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں مذاق کرنا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ 2۔ حقیقت سے بے خبری، سورۃ البقرۃ 273۔ 3۔ ہر قسم کا گناہ جہالت ہے، سورۃ النساء: 17۔ 4۔ مشرکین سے مشابہت، سورۃ اعراف 138۔ 5۔ فقراء و مساکین کا مذاق اڑانا، سورۃ ہود 29۔ 6۔ غیر عورتوں کی جانب میلان کرنا، سورۃ یوسف 33۔ 7۔ مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنا، سورۃ نمل 55۔ 8۔ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کرنا، سورۃ احزاب 72۔ 9۔ غیر اللہ کی عبادت کا حکم کرنا، سورۃ زمر 64

تفسیر آیت 68: جب وہ جان گئے کہ یہ حکم قطعی اور یقینی ہے تو اب جان چھڑانے اور حکم واجبی ساقط و منسوخ کروانے کیلئے سوالات شروع کیے اور یہ واجب ساقط کرنے کیلئے حیلہ تھا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ: یہ دلیل ہے کہ حاضر شخص کی دعا کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا جائز ہے۔ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ: ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے موقوف روایت نقل کی ہے، جبکہ ابن جریج نے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل کو کسی بھی گائے کو ذبح کرنے کا حکم تھا اگر معمولی گائے کو ذبح کر لیتے تو کافی ہوجاتا اپنے اوپر سختی کر لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ مَا هِيَ: اس میں حقیقت ماھی: سے کسی چیز کی حقیقت کو معلوم کیا جاتا ہے لیکن گائے کی حقیقت تو وہ جانتے تھے لہٰذا انہوں نے عمر سے معلوم کرنی چاہی ہوگی کیونکہ اصل تفاوت عمر میں ہوتا ہے اور عمر حکم بدل جاتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حکم شرعی میں تعجب نے ان کو ایسا بے وقوف بنایا کہ كَيْفَ اور أَيُّ کے بجائے انہوں (مَا هِيَ) لفظ استعمال کیا گویا کہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہوگئے ہیں۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ: اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت صراحتاً اس مقصد کیلئے ہے کہ ان پر حکم الٰہی کی تاکید واضح ہوسکے۔ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ: جب صفت کی نفی کرنا مقصود ہو تو حرف لام کو تکرار کے ساتھ لایا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(فَارِضٌ) فرض سے لیا گیا ہے یعنی قطع الگ کیا ہوا لہٰذا عمر کی وجہ سے یہ بھی ریوڑ سے منقطع ہوتی ہے یا مراد یہ ہے کہ بہت سالوں کو قطع کیا ہے یعنی عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے یا فرض وسعت کے معنٰی میں ہے اور فارض زیادہ بچے پیدا کرنے سے پیٹ میں وسعت پیدا ہوئی ہو تو اس معنٰی سے فارض بہت بوڑھی کو کہا جاتا ہے۔(وَلَا بِكْرٌ) انسانوں اور حیوانوں میں اس جوان کو کہا جاتا ہے جو بالغ تو ہو مگر شادی شدہ نہ ہو یعنی اس کو حمل نہیں ہوا ہو یا کرہ ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے (اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ) (صحیح بخاری کتاب اخبار الاحاد حدیث نمبر 7260، طبرانی 5190، مسند شافعی 254، ترمذی حدیث 1698 نسائی حدیث 1433) بالغ جب بالغہ سے زنا کرے تو ایک سال جلاوطنی اور 100 کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے بھی معالم التنزیل میں یہی معنٰی کیا ہے لہٰذا جنہوں نے بچھڑی کا معنٰی کیا وہ غلط ہے۔

عَوَانٌ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عوان وہ گائے ہے جس کے ایک دو بچے پیدا ہوں یعنی درمیانی عمر والی۔ بَيْنَ ذَٰلِكَ: سوال: بین تو تثنیہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جبکہ ذَٰلِكَ مفرد ہے؟۔

جواب 1: ذَٰلِكَ اسم اشارہ ہے فارض اور بکر کی طرف ،،ماذکر،، کی تاویل میں ہو کر۔ جواب 2: مفسر ابو حیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر معطوف مقدر ہے ذلک وھذا۔ سوال: عوان اور بین کا تو مقصد ایک ہی ہے تو تکرار پھر کس لئے؟

جواب: عوان اس لیے ذکر کیا کہ جب فارض اور بکر نہیں ہے تو شاید نابالغ ہو تو جواب ہوا کہ عوان یعنی فارض و بکر کے درمیان ہے پھر بھی وہم پیدا ہو رہا تھا کہ بکر یا فارض میں سے کسی کے قریب ہو تو اس کا وہم بَيْنَ ذَٰلِكَ سے ختم ہوا یعنی بالکل درمیان میں۔ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ: مراد گائے ذبح کرنا ہے تُؤْمَرُونَ میں اور فَافْعَلُوا میں امر تجدید اور تاکید کیلئے ہے لہٰذا اس میں اشارہ ہے کہ یہ امر واجبی ہے سوالات کرنے سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔ مَا تُؤْمَرُونَ: میں (مَا) موصولہ یا مصدریہ ہے یعنی (فَافْعَلُوا أَمْرَكُمْ) اور امر مفعول کے معنٰی میں ہے۔

تفسیر 69: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا: یہ بھی ان کا تعنت اور سوالوں میں طوالت پیدا کرنا ہے تاکہ حکم ساقط یا منسوخ ہو جائے ورنہ ذبح کرنے کیلئے رنگ کی کوئی شرط نہیں ہوتی لہٰذا یہ سوال تو بنسبت پہلے سوال کے زیادہ بے فائدہ ہے لیکن اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ مصر والے گائے کے تقدس کے باوجود قربانی میں بالکل سفید گائے کو ذبح کرتے تھے جس پر کوئی کالا بال نہ ہو اس وجہ سے انہوں نے یہ سوالات کئے یہ تفسیر ماجدی میں مذکور ہے۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ: صَفْرَاءُ اکثر مفسرین کے نزدیک زرد مستعمر ادہے بلکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ سے نقل کیا گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ سینگ اور کھر بھی زرد ہوں البتہ حسن کے ایک قول میں کالا مراد ہے لیکن قرطبی رحمہ اللہ اور بغوی نے اس کا رد کیا ہے۔
اور چند وجوہات کی بناء پر پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ (صَفْرَآءُ) کالے کے معنی میں مجاز اور شاذ ہے سوائے اونٹوں کے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فاقع زرد کیلئے صفت ہے کالے کیلئے تو (حالک) آتا ہے۔ فَاقِعٌ انتہائی تیز زرد کو کہا جاتا ہے۔ لَوْنُهَا: میں تین احتمالات ہیں۔ 1۔ فاقع اسم فاعل ہے، لَوْنُهَا اس کا فاعل ہے دونوں مجموعہ صفراء یا بقرہ کیلئے صفت ہے۔ 2۔ فاقع خبر مقدم ہے جبکہ لَوْنُهَا مبتدا مؤخر ہے بصریوں کے نزدیک یہ صحیح ترکیب ہے۔ 3۔ لَوْنُهَا مبتدا (تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ) خبر ہے اور لون سے مراد صفرہ مؤنث ہے اس لیے تَسُرُّ میں (ت) ضمیر مؤنث ذکر کی گئی ان تینوں احتمالات میں پہلا احتمال بہتر ہے۔

سوال: فاقع جب صفراء کی صفت ہے تو مؤنث کیوں نہیں ہے؟ ۔ جواب: یہ فاعل مذکر کو رفع دینے والی ہے اس کو فاعل کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے جیسا کہ عرب کا قول ہے۔ جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ حَسَنٌ أَبُوْهَا

سوال: صفراء کیلئے فاقع صفت کافی تھی تو لَوْنُهَا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ۔ جواب: اس میں بہت تاکید ہے اول گائے کے وصف صفرۃ کے ساتھ ذکر کیا پھر اس وصف کو لُوْنٌ کیلئے ذکر کیا اور لُوْنٌ سے مراد زرد رنگ ہے۔

تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ: یہ بقرۃ کیلئے صفت ہے۔ جو صفرۃ کی صفت سے موصوف ہے۔ سرور نفع حاصل ہونے کے وقت جو لذت اور خوشی دل میں پیدا ہوتی ہے اس کو سرور کہتے ہیں۔ اس سرور کیلئے سبب حواس ظاہری ہوتے ہیں یہاں نظر مراد ہے۔

فائدہ 1۔ فاقع کو اسم ذکر کیا اور تَسُرُّ کو فعل ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ یہ رنگ تو اس میں ہمیشہ رہے گا اور سرور تو بار بار پیدا ہونے والا ہے اور صیغہ فعل اور اسم فاعل میں یہ فرق ہے۔ فائدہ 2: (النّٰظِرِيْنَ) الف لام اور جمع سے اشارہ ہے کہ اکیلا شخص ہو یا زیادہ لوگوں کا دیکھنا ہو مگر ان کی نظر گائے پر لگی ہوئی ہو گی یا نظر دل کی مراد ہو یا سوچ فکر کرنا قدرت الٰہی میں بھی مراد ہو سکتا ہے جو کہ دلی سکون ہے۔ فائدہ 3: مفسرین نے لکھا ہے کہ سیدنا ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہم زرد رنگ کو ترغیب دیتے تھے اور جوتے بھی زرد رنگ کے بناتے اور کہا کرتے تھے کہ زرد سے دلی خوشی ملتی ہے اور غم دور ہوتا ہے اور ابن زبیر اور یحیٰی بن ابی کثیر کالے جوتوں سے منع کرتے تھے کہ یہ انسان کو غمگین کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ
يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ
فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝

انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کیجیے کہ بتلائے ہمیں کیا صفت ہے اس کی (عمل کی) یہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور بے شک ہم اگر اللہ تعالیٰ چاہے اپنے مقصد تک پہنچنے والے ہیں۔" [70] "آپ نے فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی زمین میں ہل چلانے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی ہو، وہ تندرست اور بے داغ ہو۔ انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے، لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی۔" [71] "جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔" [72]

تفسیر [70]: اس آیت میں ان کا تیسرا سوال مذکور ہے جو پہلے والے سے بھی زیادہ بے معنی ہے کیونکہ قربانی صدقہ وغیرہ کے جانور کیلئے یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ ہل چلانے والا یا کھیتی باڑی کرنے والا یا پانی نکالنے والا ہو۔ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ: جواب سے پتا چلتا ہے کہ یہاں سوال مَا هِيَ میں اس کے کام کے متعلق ہے۔ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا: یہ جملہ انہوں نے بطور عذر ذکر کیا ہے کہ تیسری مرتبہ نوبت کیوں پیدا ہوئی یعنی صفراء اور عوان تو بہت ہیں اب کام کے حوالہ سے ہمیں یقین کر کے بتایا جائے۔ جو کہ ایک خاص قسم کی تخصیص ہے۔ البقر اسم جنس ہے یا پھر بقرۃ کی جمع ہے۔ مقام تشابہ میں جنس کا ذکر اس لیے کیا کہ بہت چیزوں میں مشابہت واقع ہو سکتی ہے بعض مفسرین نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یہ مذکر یعنی بیل تھا اور جہاں ضمائر (ۃ) آئے ہیں وہاں مراد وحدت ہے اور ظاہری لفظ کے اعتبار سے ضمائر مذکور ہیں۔ یہ اختلاف گزر چکا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تشابہ کی وجہ یہ ہے کہ گایوں کے چہرے ایک دوسرے کے ساتھ بہت ملتے جلتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ میں فتنوں کی مثال وجوہ بقرۃ کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ مسند احمد حدیث 23175-23221 وجوہ البقر کی سند کو سعد بن نسیر راوی کی وجہ سے تخریج مسند احمد میں شیخ حمزۃ احمد الدین نے ضعیف کہا ہے باقی مجموعی طور پر حدیث صحیح ہے۔ تَشَابَهَ عَلَيْنَا: امام بقاعی نے کہا ہے کہ ہر وہ جمع جس کے الفاظ مفرد سے کم ہوں اس کو عرب مذکر بناتے ہیں۔ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ: ان شاء اللہ میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کم ہو گئی انابت ان میں پیدا ہوئی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ اگر یہ لوگ ان شاء اللہ نہ پڑھتے تو قیامت تک ان کو یہ گائے نہ ملتی اور نہ ہی ان کے لئے تسلی بخش واضح ہوتی۔ اور اس روایت کو عباد بن منصور راوی کی وجہ سے بہت سے محققین نے ضعیف کہا ہے (تخریج ابن کثیر) ان شاء اللہ کی بہت برکات ہیں اور یہ اصل میں مُهْتَدُوْنَ سے متعلق ہے مگر تاکید کیلئے اس کو مقدم کیا ہے۔ مُهْتَدُوْنَ سے یا تو گائے تک رسائی مراد ہے یا پھر ذبح کرنے کی حکمت تک رسائی مراد ہے۔ اور ہر دو معنوں میں زمانہ مستقبل میں تعلیق کے لئے ہے۔ اور امام قفال سے منقول ہے کہ اهتداء سے مراد ہدایت پر ہونا ہے صفات طلب کرنے کے ساتھ اور ان شاء اللہ نفس برکت کیلئے ہے یعنی ان سوالات کی وجہ سے گمراہی میں واقع نہیں ہوئے۔

تفسیر 71: اس آیت میں آخری مطالبے کا جواب ہے۔ لَّا ذَلُوْلٌ: یہاں پر لام غیر کے معنی میں ہے اور بقرة کی صفت ہے یعنی بقرة غير مذللة یعنی یہ مثل جنگلی گائے جس سے کوئی کام نہیں لیا گیا ہو۔ تُثِيْرُ الْأَرْضَ: یہ ذلول کی صفت ہے اور لا کے ساتھ منفی ہے یعنی ہل چلانے والی نہیں ہو۔ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ: یہ بھی ذلول کی صفت ہے اور لام سابقہ نفی کیلئے تاکید ہے یعنی اس گائے سے کھیتوں کے پانی پلانے کا کام بھی نہیں لیا گیا ہو۔ لہذا بہت اہتمام کے ساتھ اس کو پالا گیا ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گائے سے ہل چلانے اور کھیتوں کیلئے پانی کنوؤں سے نکال کر پلانے ان دو کاموں کے علاوہ کوئی کام لینا درست نہیں ہے۔ ان پر خود سواری کرنا یا سامان لاد دینا درست نہیں جیسا کہ (صحیح بخاری حدیث نمبر 3663 باب لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا) میں وارد ہے کہ سابقہ امتوں میں ایک شخص گائے پر سوار تھا اس نے مڑ کر مالک سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔ تفسیر ماجدی میں ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان و پاکستان میں ہل چلانے کا کام مذکر بیل سے لیا جاتا ہے لیکن دوسرے ممالک میں مؤنث گائے سے بھی یہ کام لیا جاتا ہے اور یہ جائز ہے۔ تُثِيْرُ الْأَرْضَ: امام قرطبی و ابوحیان نے ایک احتمال یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد سینگوں کے ساتھ زمین کو کھودنا اور یہ ذلول کیلئے بیان ہے یعنی غیر مذللہ ہونے کی وجہ سے مست ہو جس کی وجہ سے زمین کو سینگ مارتی ہو اور عام طور پر صحت مند اور مست بیل گائے کا یہ طریقہ ہے۔ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ: لَا ذَلُوْلٌ پر عطف ہے۔ مُسَلَّمَةٌ: یہ بھی گائے کی صفت ہے یعنی عیبوں سے پاک ہو اندھی لنگڑی نہیں ہر نقصان سے پاک ہو یا پھر لَا ذَلُوْلٌ کیلئے تاکید ہے یعنی کاموں سے محفوظ رکھی گئی ہو۔ لَا شِيَةَ فِيْهَا: یہ بھی گائے کی صفت ہے بطور تاکید یعنی ذَلُوْلٌ اور مُسَلَّمَةٌ کیلئے یعنی مراد یہ ہے کہ کام نہ کرنے کی وجہ سے ہر قسم کے داغ سے پاک ہو کیونکہ اس نے کوئی کام نہیں کیا ہو۔ یا مستقل صفت سببیہ ہے اور تاکید ہے صَفْرَآءُ فَاقِعٌ کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی زرد رنگ کے علاوہ کوئی رنگ داغ دھبہ اس میں نہیں ہو۔ شِيَةَ : اصل میں وشی ہے اس واؤ کو حذف کیا جاتا ہے جو عام رنگوں کے خلاف ہو خواہ چمڑے یا کپڑے پر ہو قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ : یہاں حق مطابق کے معنی میں ہے کیونکہ سابقہ بیان بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے الحق سے مراد واضح کامل بیان ہے جس سے کل اشکالات ختم ہو گئے اس بیان کے بعد سوال کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی یہ قول بھی ان شاء اللہ کی برکت ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ حق سے مراد مقابل باطل ہے لہٰذا انہوں نے سابقہ اقوال کو باطل کہا جس کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے مگر یہ قول ضعیف ہے۔

فَذَبَحُوهَا : اس میں ایجاز ہے یعنی انہوں نے طلب کیا اور حصول کے بعد ذبح کیا۔ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ : [illegible] گائے ذبح کرنا ہے (كَادَ) اثبات کے مقام میں مقاربت کیلئے آتا ہے یعنی کام کے قریب گیا ہے مگر ابھی کیا نہیں ہے تو معنی اس میں لازم ہوتا ہے اور نفی کے مقام میں مقاربت نفی کیلئے ہے مگر مقاربت نفی ثبوت فعل کیلئے لازم نہیں بلکہ [illegible] کیلئے مستلزم ہے لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ (كَادَ) نفی و اثبات میں اور دوسرے فعلوں کی طرح ہے بعض اہل عرب کا قول ہے۔ (كَادَ) اثبات میں نفی پر اور نفی میں اثبات پر دلالت کرتا ہے اور ان کی دلیل یہ آیت ہے کہ (فَذَبَحُوهَا) قرینہ ہے (كَادَ) اثبات فعل ذبح میں وارد ہے اگر اس طرح نہیں مانا جائے تو تعارض کلام اللہ میں آجائے گا کیونکہ (فَذَبَحُوهَا) دلالت کرتا ہے فعل ذبح پر اور (وَمَا كَادُوا) نفی پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ اس سے دلیل لینا درست نہیں ہوتا۔ (وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ) بیان کامل سے پہلے ہے اور ذبح کا وقت بیان کامل کے بعد ہے لہٰذا جب وقت و زمانہ الگ ہے تو تعارض کی گنجائش نہیں رہتی۔ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ : گائے ذبح نہ کرنے کی وجہ زیادہ سوالات تھے [illegible] اسی طرح ان کے دلوں میں گائے کا تقدس تھا۔ کسی نے گائے کی قیمت کو سبب قرار دیا ہے مگر امام ابن کثیر نے [illegible] روایت [illegible] کسی نے یہ وجہ قرار دی ہے۔ کہ قاتل ظاہر ہونے میں شرمندگی ہوگی مگر [illegible] لہٰذا پہلی بات درست ہے۔

گائے کے اس قصے میں فوائد و مسائل:

فائدہ ۱ ۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرک سے تائب ہونے والا قدیم ہو یا جدید مسلمان عوام پر اس طرح [illegible] ہونی چاہیے کہ باطل معبود کی محبت ان کے سینوں سے مکمل خارج ہو جائے اور عقیدہ توحید میں پختگی آجائے جیسے [illegible] ان برتنوں سے جن میں شراب کا استعمال ہو رہا تھا اجتناب کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکم دیا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتداء میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا صحیح مسلم حدیث 1977 (حاکم 1/374، احمد 2/337، ابن حبان 3178، ابو داؤد مع التہذیب 977) میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لہٰذا اب زیارت کیلئے جایا کرو۔ فائدہ 2۔ گائے دنیا میں وہ قدیم معبود ہے جس کی ہر زمانہ میں عبادت اور تعظیم کی گئی ہے اور کی جارہی ہے۔ مثلاً زرتشتی فرقہ، مصر والوں نے، بنی اسرائیل، بدھ مذہب، ہندو وغیرہ۔ اس معبود باطل کی تعظیم و تقدس ختم کرنے کیلئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا خاص طور پر یہودیوں پر جو مدینۃ الرسول کے گرد و نواح میں آباد تھے اور ان کے بڑوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ فائدہ 3۔ اس گائے کی کل 12 صفات مذکور ہیں جن میں سے 6 ثبوتی اور 6 سلبی ہیں۔ اور یہ صفات اس بچھڑے میں موجود تھیں جس کی بنی اسرائیل نے عبادت کی تھی اور سامری نے سونے سے بنایا تھا۔ درمیانی عمر والی، داغ دھبہ سے پاک، سونے سے بنائی گئی، نیز زرد رنگ والی ہو یعنی زیور سونے سے بنایا جائے تو وہی بچھڑے والا تیز رنگ سامنے آتا ہے اور انسان کو تعجب میں ڈالتا ہے۔ اس میں خاص کر یہود کا اشارۃً رد ہوا ہے کہ ان کے اکابر نے ایسے ہی بچھڑے کی عبادت کی ہے لہٰذا اس کے ذبح کرنے پر ان کے دلوں سے محبت نکال دینا مقصود ہے اس لیے ایسی ہی گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا اور قرآن مجید نے ان کے اس شرکیہ محبت کی خبر دی ہے۔ (وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ)۔ فائدہ 4۔ آیت 67 میں ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کا استہزاء کرنا جہالت ہے اور ممنوع ہے اور سبب عذاب ہے اگرچہ مزاح اور استہزاء میں فرق ہے۔ فائدہ 5۔ اس واقعہ میں دلیل ہے کہ استہزاء گناہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پناہ مانگی۔ فائدہ 6۔ موسیٰ علیہ السلام کا تعوذ پڑھنا دلیل ہے کہ توحید فی الاستعاذہ یہ قدیم کلام ہے نیز نوح علیہ السلام کے متعلق بھی سورۃ ہود 47 میں مذکور ہے۔ فائدہ 7۔ آیت نمبر 68 سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی امر وجوب کیلئے ہوتا ہے اور کبھی کبھی وجوب کے بغیر مجاز کیلئے آتا ہے۔ چاہے صیغہ امر کے ذریعے سے ہو جیسے: (فَافْعَلُوا) میں یا امر یا امر کی تعبیر سے ہو۔ فائدہ 8۔ اللباب کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس قصے میں دلیل ہے کہ مشکل حکم کے ذریعے آسان حکم منسوخ ہو سکتا ہے اگرچہ اس میں اختلاف ہے اکثر علماء کہتے ہیں کہ عقلاً جائز اور شرعاً واقع ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے انکار کیا ہے اسی طرح عمل سے پہلے حکم منسوخ ہونے میں اور کسی عمل پر قادر ہونے سے پہلے منسوخ ہونے میں بھی اختلاف ہے اکثر علماء و فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ بعض اہل سنت اور معتزلہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نزدیک جائز نہیں ہے اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے دین میں منسوخیت کی دلیل ہے اور یہودیوں کا رد ہے کیونکہ انہوں نے نسخ سے انکار کیا ہے۔ فائدہ 9۔ امام ابن کثیر، قرطبی اور صاحب اللباب نے کہا ہے کہ یہ قصہ دلیل ہے کہ جانور کا ضبط صفات کے ذکر کیساتھ ہوتا ہے۔ تو اس میں سَلَم جائز ہے۔ یہ امام مالک، اوزاعی، لیث و شافعی، بخاری رحمہم اللہ کا قول ہے اور انہوں نے مزید دلائل نقل کیے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ، ثوری رحمہما اللہ کے نزدیک سلم حیوانوں میں جائز نہیں البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف ہے۔

فائدہ 10۔ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کونیہ پر بحث

اہل سنت نے استدلال کیا ہے اس قول سے (وَإِنَّآ إِن شَآءَ ٱللَّهُ لَمُهْتَدُونَ) کہ تمام حوادث اللہ تعالیٰ کے امر سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا امر و ارادہ الگ ہوتا ہے اور معتزلہ و کرامیہ کہتے ہیں کہ ارادہ اللہ تعالیٰ کا حادث ہے اور یہ شرط کے طور پر واقع ہوتا ہے اور شرط تو وہ فعل ہے جو مستقبل میں ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہدایت کا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ متعلق ہونا (وَإِنَّآ إِن شَآءَ ٱللَّهُ لَمُهْتَدُونَ) میں ہدایت کا ارادے کیساتھ متعلق ہونے کے اعتبار سے ہے اور تعلق حادث اور امر اعتباری ہے اور صفات الٰہی کے حادث ہونے کے لیے تعلق کا حدوث مستلزم نہیں ہے۔ نیز ذات الٰہی کے ساتھ حادثات کا قیام لازم نہیں ہے۔ غور و فکر کرنے سے اس قصے سے بہت سارے مسائل و فوائد مستنبط ہو سکتے ہیں۔

تنبیہ: جب یہ قصہ اتنے فوائد پر مشتمل ہے اور اہم مسئلہ اس میں توحید اور تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو اس سورۃ کو بقرۃ نام سے مسمیٰ کیا گیا ہے۔ یعنی کل کو اس جزء سے مسمیٰ کیا ہے جو اس کل میں ممتاز ہو۔

تفسیر 72: اس آیت میں بنی اسرائیل کے مرداروں کی تیسری خباثت مذکور ہے کسی بے گناہ کو قتل کر کے الزام کسی اور پر لگانا سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ یہ حیلے کی ایک اور صورت ہے یعنی حرام فعل کے ذریعے کسی دنیاوی مقصد تک رسائی جیسے قتل کے ذریعے میراث کا حصول یا پھر اس مقتول کی بیٹی یا زمین ہتھیانا۔ اس تدارک (اپنی دفاع کرنے کے) حیلے سے خود کو قتل سے بچانا حرام حصول کرنے کے لئے یہ ایسا حیلہ کرنا بھی حرام اور خباثت ہے وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا: لفظ (إِذْ) سے پتا چلتا ہے کہ یہ مستقل واقعہ ہے اور اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ حقیقت میں یہ قصہ گائے ذبح کرنے سے پہلے کا ہے۔ اور واؤ برائے ترتیب نہیں ہے اور واقعہ میں تقدیم و تاخیر بہت سارے فائدوں کی وجہ سے ہوئی ہے تاکہ الگ فائدے دونوں واقعات پر مرتب ہو جائیں۔ اسرائیلی روایات کے مطابق وہ مقتول گائے کے گوشت کے ایک ٹکڑے پر مارنے سے زندہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا تھا صرف چند لمحات کیلئے لیکن یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ روایات تمام سند کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ تک نہیں پہنچتی ہیں لہٰذا ضعیف روایتوں کی بناء پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ واقعہ قتل مقدم ہے واقعہ ذبح سے مفسر ابو حیان نے البحر المحیط میں لکھا ہے کہ گائے کے ذبح کرنے کے مقدم ہونے پر اسرائیلی روایات کے علاوہ کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ تفسیر قرطبی اور تفسیر فتح العزیز میں ہے کہ گائے ذبح کرنے کا واقعہ اپنے مقاصد کیلئے مقدم تھا مگر اتفاقاً گائے ذبح ہونے کے بعد قتل کا واقعہ پیش آیا تو اس کی ایک بوٹی مقتول کو ماری گئی جس سے وقتی طور پر وہ زندہ ہوا۔ اس توجیہ پر اکثر اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں سوائے اس کے کہ گائے کی بوٹی میں بدعقیدہ لوگوں کیلئے گائے کا اکرام ثابت ہوتا ہے جس کا جواب آئندہ آیت کی تشریح میں آئے گا۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ: اس قتل کے متعلق دو معروف اقوال ہیں:

1۔ ایک شخص کی خوبصورت بیٹی تھی اور بھتیجا اس سے رشتہ طلب کر رہا تھا مگر چچا دینے پر راضی نہیں تھا لہٰذا بھتیجے نے چچا کو اس رشتہ کیلئے قتل کیا۔ 2۔ چچا مالدار تھا اور اس کا کوئی اور وارث نہیں تھا سوائے اس بھتیجے کے لہٰذا اس فقیر بھتیجے نے مالدار چچا کو وراثت کیلئے قتل کر کے کسی اور کے دروازے میں ڈال دیا۔ (تفسیر قرطبی) مفسرین کے ایک قول کے مطابق بھتیجے نے چچا کو اس کی بیوی کی وجہ سے قتل کیا تھا جو کہ حسین تھی نیز ایک حدیث سے بیٹی یا بیوی کیلئے قتل کا اشارہ ملتا ہے۔ (صحیح مسلم حدیث 2742، فی الدعوات الکبریٰ للنسائی 9269۔ باب العشر ۃ، مشکوٰۃ کتاب النکاح) ملا علی قاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ اس میں اشارہ تو اس واقعے کی طرف ہے مگر صراحت نہیں ہے صرف احتمال ہے۔

نَفْسًا: نفس قرآن مجید میں مفرد اور جمع نفوس۔ النفس آٹھ معنوں پر 213 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

1۔ شخص کے معنی میں جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کی صفت، سورۃ آل عمران 28 میں مذکور ہے مگر تاویل تشبیہ، تحریف، تمثیل کے بغیر حقیقی معنی مراد ہے۔ 3۔ جسم کے معنی میں ہے، سورۃ نحل 72، سورۃ اعراف 189۔ 4۔ گناہوں کی جانب مائل کرنے والا نفس امارۃ (اَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ)، سورۃ یوسف 53۔ 5۔ نفس لوامۃ، سورۃ قیامۃ 2۔ 6۔ نفس مُطْمَئِنَّةٌ، سورۃ فجر 27۔ 7۔ دل کے معنی میں مذکور ہے، سورۃ یوسف 68۔ 8۔ روح کے معنی میں، سورۃ تکویر 7، سورۃ آل عمران 185 فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا: یہ لفظ درء سے لیا گیا ہے، ہٹانے، دفع کرنے کے معنی میں ہے، سورۃ آل عمران 168، سورۃ نور 8، سورۃ رعد 22 یہاں باب تفاعل سے ہے۔ جس میں جانبین کی طرف سے عمل ہوتا ہے یعنی ایک قتل کو اپنی ذات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ہٹانے کی کوشش میں ہے تو دوسرا بھی الزام قتل سے دفاع میں کوشش کرتا ہے لہٰذا اس سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ (فِيهَا) ضمیر نفس یا مصدر قتلۃ کی طرف راجع ہے۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ: اخراج اظہار کے معنٰی میں ہے مُخْرِجٌ میں اشارہ ہے کہ اس طرح نکالتا ہے تاکہ لوگ دیکھ لیں جبکہ مُظْهِرٌ میں یہ فائدہ نہیں تھا اور مخرج اسم فاعل میں بنسبت فعل کے معنٰی استقبالی ہیں اور اسم کے لانے میں دلالت مقصود ہے۔ ثبوت اور استمرار کیلئے نیز اگر (مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ) میں اگر واقعہ مقتول مراد لیا جائے تو پھر اسم فاعل صرف ثبوت کیلئے ہے اور فعل اس لیے نہیں لایا کہ تجدد کی ضرورت نہیں ہے اور مراد اگر عموم لیا جائے تو جو کہ قیامت کے دن ہوگا جیسا کہ سورۂ طارق 9 میں ہے تو پھر اسم فاعل استمرار کیلئے ہے اور (مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ) میں یہ قتیل بھی داخل ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٧٤﴾ أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ "سو ہم نے کہا اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مارو (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور دکھلاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقلمند ہو جاؤ۔"[73] "پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور یقیناً پتھروں میں سے بعض وہ ہیں کہ لازمی طور پر ان سے نہریں بہہ پڑتی ہیں اور یقیناً بعض ایسے ہیں کہ لازمی طور پر وہ پھٹ جاتے ہیں اور یقیناً ان میں سے بعض وہ ہیں کہ وہ لازمی طور پر اللہ کے ڈر کی وجہ سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے بے پروا نہیں ہے۔"[74] "(مسلمانو) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں، حالانکہ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر، عقل و علم والے ہوتے ہوئے، پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔"[75]

تفسیر 73: اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا اظہار ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنی قوم کو خبر دی تھی۔ فَقُلْنَا بعد والے امر میں چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا کوئی اختیار نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے صراحتاً نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اِضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا: ہ ضمیر بالاتفاق نفس کی طرف راجع ہے اور زمخشری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ شخص اور انسان کی تاویل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہے یا (مَا) کی طرف راجع ہے جو (مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ) میں ہے اور اس سے مراد بھی مقتول ہے۔ بِبَعْضِهَا: اگر دونوں قصوں میں تقدیم وتاخیر تسلیم کی جائے تو پھر مشہور قول کی بناء پر گائے کی طرف ضمیر راجع ہے۔ یا تقدیم وتاخیر نہیں ہے۔ (بقول امام قرطبی وشاہ عبد العزیز دہلوی رحمہا اللہ) سوال: اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر گائے کے ٹکڑے سے مردہ زندہ ہو جائے تو گائے کی کرامت ثابت ہو جائے گی اور ان کے باطل عقیدہ کی پختگی ہو جائے گی؟۔

جواب: مشہور روایات کی بناء پر گائے کا ذبح نہیں ہوا تھا اور مردے کو گائے کے ٹکڑے سے مارنے کا حکم ہوا تھا تو اس پر یقیناً بدعقیدہ کے عقیدہ میں مزید خرابی آئے گی اور بدعتی بھی استدلال کرتے ہیں کہ میت کیلئے بطور خیرات گائے ذبح کرلی جائے لیکن دوسری توجیہ پر یہ لازم نہیں آتا ہے کیونکہ اول گائے ذبح کی گئی تاکہ ان کے عقیدے سے شکوک وشبہات ومحبت نکل جائے پھر اس کے گوشت کے ٹکڑے سے مردے کو زندہ کیا گیا تو یہ نبی کا معجزہ ہے جس کو دیکھ کر موحد شخص نبی کی رسالت پر اور پختہ یقین کر لیتا ہے اور معجزہ و کرامت پردہ وشک میں نہیں پڑتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ مردے کو بغیر گوشت مارنے کے بھی زندہ کر سکتا تھا تو اس ضرب میں کیا حکمت تھی؟

جواب: اس طریقے میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر کامل حجت ہے اگر ایسا نہیں ہوتا تو بعض ملحدین موسیٰ علیہ السلام پر یہ شبہ کر لیتے کہ انہوں نے جادو سے زندہ کیا ہوگا کیونکہ اس وقت مصر میں جادو کا بڑا رواج چلا تھا۔ (بِبَعْضِهَا) کی ضمیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ نفس کی طرف راجع ہو کیونکہ نفس اصل میں مؤنث ہے جیسا کہ (فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا) میں ضمیر (ها) نفس کی طرف راجع ہے۔ یعنی مار ڈالو اس نفس کو اس کے بعض ٹکڑے پر یعنی ہاتھ وغیرہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ مشہور قول کے مطابق گائے کی بوٹی مارنے سے مردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو اسی طرح اس کی اپنی بوٹیے بھی زندہ کر سکتا ہے۔ جبکہ قول مقابل میں کوئی ٹھوس ثبوت اسرائیلی روایات کے علاوہ نہیں ہے تو اس احتمال پر عمل جائز ہے کیونکہ عربیت کے بھی خلاف نہیں ہے۔

اس طرح دونوں قصوں کا استقلال بھی مکمل معلوم ہوتا ہے اور اس طرح گائے کی کرامت کے بارے میں کوئی وہم بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارے مشائخ نے اس توجیہ کو اختیار کیا ہے اور ہم بھی اس کو راجح قرار دیتے ہیں۔

بِبَعْضِهَا: اس ٹکڑے میں مختلف اقوال ہیں لیکن قرآن وحدیث میں جب تعیین نہیں ہے اور تعیین میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے تو ہم کسی ایک قول پر فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى: اس سے قبل عبارت مقدر ہے یعنی (بِبَعْضِهَا فحيى) انہوں نے ایک ٹکڑے پر مارا تو زندہ ہوا اور اپنا قاتل جو کہ اس کا بھتیجا تھا بتا دیا اور تورات کے قانون کے مطابق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث سے محروم ہوا اور ہماری شریعت میں بھی یہی قانون ہے کہ وارث قتل کی وجہ سے میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام شافعی، امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک قتل عمد سے مال کی میراث اور دیت دونوں سے محروم ہوگا اور قتل خطاء سے دیت سے محروم ہوگا اور وراثت سے محروم نہیں ہوگا البتہ امام ابوحنیفہ، امام شعبی، شریح وغیرہم رحمہم اللہ کے نزدیک قتل عمداً ہو یا خطا دونوں سے محروم ہوگا جو کہ غلط ہے۔ كَذٰلِكَ: اس میں کاف برائے تشبیہ ہے اور ذٰلِكَ میں اشارہ ہے اس مرنے والے کے زندہ کرنے کو اور بعد میں (يُحْيِ) سے مشبہ ذکر کرتا ہے تو یہ حیات اخروی کی دلیل ہے یعنی ایک جز کی حیات پر جو قادر ہے وہ کل جنس کی حیات پر بھی قادر ہے اور اس میں بعد والے بنی اسرائیل کا رد ہے جو بعث بعد الموت کے متعلق شک وشبہ کے شکار تھے اور اختلاف کرتے تھے بعض کا خیال تھا کہ روح کو نیا روپ دیا جائے گا جبکہ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ تمام اجزاء کے ساتھ اس بدن کو زندہ کرنا مشکل ہے لہٰذا اس اختلاف کو اس واقعہ کے ذریعے سے ختم کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا کہ جس حال پر انسان مرجاتا ہے اسی حال پر اللہ تعالیٰ اٹھانے پر قادر ہے۔ یہاں پر (يُحْيِ اللّٰهُ) سے مراد بالاتفاق حیات اخروی ہے۔ الْمَوْتٰى: میت کی جمع ہے (یا) کی شد سے ہو یا تخفیف سے ہو یہ عام ہے جو فوت ہو گئے ہیں یا بعد میں فوت ہوں گے۔

تنبیہ: اس سورت میں یہ دوسرا واقعہ ہے جس میں انسان کو خرق عادت کے طور پر دنیا میں زندہ کیا گیا ہے۔ البتہ پہلا واقعہ جو 56 میں گزر گیا ہے عارضی موت اور زندگی اصلی تھی اور اس واقعہ میں موت اصلی اور زندگی عارضی ہے۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ: یہ تاکید ہے اخروی زندگی کے ثبوت کیلئے اور صرف یہ نہیں بلکہ اور دلائل بھی ہیں جو عقلی اور محسوس ہیں اور (يُرِيْكُمْ) میں آنکھوں سے دیکھنا اور دل کی بصیرت دونوں کو شامل ہے۔ اٰيٰتِهٖ: جمع اس لیے ذکر کیا کہ قیامت کے اثبات پر دلائل بہت ہیں جن کو میں نے اصول تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ (اٰيٰتِهٖ) سے مراد یہی ایک واقعہ ہے مگر یہ بہت سارے دلائل اور فوائد پر مشتمل ہے اس لیے اس کو جمع ذکر کیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ: یہ آیتوں کے دیکھنے کا فائدہ ہے کہ آیتوں کا مقصد تعقل ہے اور یہاں عقل لغوی معنیٰ میں ہے یعنی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے منع ہو جائیں۔ یا علم کے معنیٰ میں ہے یعنی اس بات کو قدرت الٰہی کی شان تصور کرو کہ وہ اٹھانے پر قادر ہے یا فکر وتدبر کے معنیٰ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور وفکر کرو اور عقل کو استعمال کرو۔

تفسیر 74: اس آیت میں زجر ہے اور اکابر سے اصاغر کی طرف خباثتوں کے انتقال کا سبب ذکر ہے اور خباثتوں کے زیادہ ہونے کا سبب جو کہ دل کی سختی ہے۔ (ثُمَّ) استبعاد (دوری) کیلئے ہے اور (مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ) تاخیر زمانہ کیلئے ہے لہٰذا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تکرار نہیں ہے۔ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ : قست سخت اور خشک ہونے کو کہتے ہیں اور یہاں پر انابت کا نہ ہونا مراد ہے اور آیت اللہ پر یقین کرنے سے خالی ہونا ہے (امام قرطبی) مفسر ابو حیان رحمہا اللہ نے فرمایا ہے کہ عبرت و نصیحت سے دل کی غفلت مراد ہے۔ مفسر زجاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ خضوع و خشوع سے دل کا خالی ہونا مراد ہے۔ یہ لفظ اس مقام کے علاوہ پانچ مرتبہ مذکور ہے۔ سورۃ انعام 43، سورۃ حدید 16 سورۃ مائدہ 13 سورۃ حج 53، سورۃ زمر 22۔ قُلُوْبُكُمْ : یہ خطاب ان بنی اسرائیل کو ہو رہا ہے جو نزول قرآن مجید کے وقت موجود تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان ورثاء کو خطاب ہو جو ثبوت قتل کے باوجود قتل سے انکار پر مصر تھے۔ لیکن ان اقوال میں پہلا قول بہتر ہے۔ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ : لفظ بعد تو مہلت پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ من (ابتداء غایۃ کیلئے ہے) اتصال پر دلالت کرتا ہے لہٰذا تاخیر تو ہے مگر مہلت نہیں ہے۔ ذٰلِكَ : ماقبل کی طرف اشارہ ہے تاویل مذکور یعنی اللہ تعالیٰ سے خاص انعامات اور عذاب اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور بنی اسرائیل کے اور دیگر انبیاء کے مواعظ وغیرہ آخری نبی کے زمانے تک۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ : پہلے پتھر کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ پتھر میں ظاہراً کوئی نرمی نہیں ہوتی جبکہ لوہا آگ سے نرم کیا جا سکتا ہے۔ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً : اشد جیش کے ساتھ نقل ہے تو کاف کے محل پر معطوف ہے كَالْحِجَارَةِ پر اصل میں اس طرح ہے۔ (اَوْ هِيَ اَشَدُّ قَسْوَةً) یعنی یہ دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ (اَوْ) میں سات اقوال ہیں۔

1۔ واؤ کے معنی میں ہے۔ 2۔ بل کے معنی میں ہے۔ 3۔ ابہام کیلئے ہے۔ 4۔ اباحت کیلئے ہے۔ 5۔ شک کیلئے ہے۔ 6۔ تخییر کیلئے ہے۔ 7۔ تنویع کیلئے ہے۔ امام ابو حیان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آخری احتمال بہتر ہے یعنی ان کے سخت دل دو قسم کے ہیں کچھ سخت اور زیادہ سخت۔ بل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے جو مابعد کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے یعنی پتھر میں نرمی کی اقسام ہیں جبکہ ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ سوال: اَشَدُّ قَسْوَةً کے بجائے اقسی کیوں نہیں فرمایا؟

جواب 1 : فعل تعجب اور اسم تفضیل کا صیغہ امور خلقیہ اور عیوب سے نہیں آتا ہے تو اس سے اقسی نہیں بنتا ہے (اللباب)

جواب 2 : لفظ اشد، قسوۃ، کی زیادتی میں صریح دلالت کرنے والا ہے اور زیادہ سخت ہونے کی تین وجوہ ہیں پہلا سبب یہ کہ پتھر میں شعور پیدا ہو جائے (بالفرض) تو قبول کرتا ہے جیسا کہ سورۂ حشر 21 میں ہے۔ دوسرا سبب: پتھر میں حکم الٰہی کو رد کرنے یا روک لینے کیلئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے جبکہ ان کے دلوں میں اثر قبول کرنے سے رکاوٹ ہے۔ تیسرا سبب: پتھروں سے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ان کے دل بالکل بے فائدے ہیں۔ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ : اس میں ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلوں پر پتھروں کو فضیلت دی گئی ہے (واؤ) إِذْ کے معنی میں ہے اور (أَشَدُّ قَسْوَةً) کیلئے علت ہے۔ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ: تفجر اور انہار دونوں کثرت پر دلالت کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کیلئے یہ مثال بالکل واضح تھی کہ پتھر سے چشموں کی نہریں جاری ہوتی ہیں جس پتھر کو موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی سے مارا تھا بطور معجزہ جس سے بارہ (12) چشمے جاری ہوئے تھے اور صحراؤں، پہاڑوں میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ: اس میں پتھر کا پھٹنا اور پانی کا نکل آنا دونوں مذکور ہیں۔ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ: میں تھوڑا پانی نکل آنے کی جانب اشارہ ہے اور اس کی مثال سورہ حشر 21 میں موجود ہے اور زلزلوں میں اس کے نمونے سامنے آجاتے ہیں بڑے بڑے پتھر پھٹ کر ان میں سے پانی نکل آتا ہے۔ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ: یہ ہبوط حقیقی مراد ہے یعنی پہاڑوں میں یہ حقیقت واقع ہوئی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کے دور میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے رؤیت کا مطالبہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں پہاڑ پر تجلی ہوگی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ: یہ تینوں کے ساتھ متعلق ہے یعنی تفجر، انشقاق، اور ہبوط امام مجاہد کا قول ہے کہ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خشیت رکھی ہے اور یہ واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں معرفت اور شعور ڈالا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق مسجد نبوی میں کھجور کے تنے کا رونا، نبی کریم ﷺ کو پتھر کا سلام پیش کرنا (صحیح مسلم 2277 ترمذی حدیث 3624)، احد اور ثبیر پہاڑوں کی حرکت (صحیح بخاری مناقب عثمان حدیث 3697)۔

سورہ بنی اسرائیل آیت 44 میں کل کائنات کی تسبیح پڑھنے کا ذکر ہے۔ سورہ حج آیت 18 میں پہاڑوں کا سجدہ کرنا مذکور ہے۔ سورۃ احزاب 72 میں پہاڑوں پر امانت پیش کرنا مذکور ہے ان میں تاویلات کی ضرورت نہیں ہے سلف صالحین کے نزدیک یہ تمام حقیقت پر مبنی ہیں البتہ معتزلہ اور ابن حزم نے اس کا انکار کیا ہے اور امام دمشقی نے اللباب میں فرمایا ہے کہ اس انکار پر ان کے پاس کوئی دلیل سوائے عقل کے نہیں ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے ان دونوں اقوال میں درج ذیل محاکمہ اور تشریح ذکر کی ہے۔ معرفت کی مختلف اقسام ہیں مثلاً: پہلا معرفت تام ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے دوم معرفت متزایدہ ہے یہ انسانوں کی صفت ہے سوم حیوانات کی معرفت ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے فائدے اور نقصانات اکثر جانتے ہیں۔ چہارم معرفت نباتات کی ہے جو حیوانوں کی معرفت سے کم ہے۔ پنجم عناصر کی معرفت ہے (آگ، ہوا، پانی، مٹی وغیرہ) ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے مسخر کیا ہوا ہے یعنی پتھر نیچے جانے پر آگ اوپر جانے پر مسخر ہے۔ اور یہ غیر اختیاری تسخیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے لہٰذا اس بناء پر جمادات میں معرفت ہے مگر انسانوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معرفت کی طرح نہیں ہے۔ البتہ اس معرفت کے ذریعے سے تسبیح خشیت اور دیگر آثار اس میں پیدا ہوتے ہیں۔

فائدہ: جب پتھروں کے تین حالات ذکر ہوگئے تو وہ دل جو پتھروں کی طرح سخت ہیں قرآن کریم، مواعظ دینی سننے ان میں بھی فرق کے ساتھ تین درجات پیدا ہوتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ ان میں خشیت پیدا ہوجائے تو پہلا درجہ آنسو بہانا ہے۔ دوسرا درجہ صرف آنکھوں کا نم ہونا ہے۔ تیسرا درجہ دل میں صرف خوف آجائے مگر آنسو نہیں بہے اگر قرآن مجید سننے کے بعد مذکورہ صفات کسی میں پیدا نہیں ہوتی ہیں تو وہ لوگ (أشد قسوۃ) ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ذکر الٰہی کے سوا زیادہ گفتگو مت کرو کیونکہ اس سے دل سخت ہوتا ہے اور سخت دل والا شخص اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہوتا ہے۔ (ترمذی کتاب الزھد 2419، موطا 986 زبیر علی زئی نے حسن کہا ہے جبکہ شیخ البانی اور دیگر محققین نے اس کو ضعیف کہا ہے سلسلۃ الضعیفۃ 920 ضعیف ترغیب 1063 وابن کثیر مع التخریج)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں۔ 1۔ دل کا سخت ہونا، 2۔ آنکھوں کا خشک ہوجانا۔ 3۔ طویل امیدیں 4۔ دنیا کی حرص (امام البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے، جامع الصغیر 758) (نوٹ: صحیح روایتوں سے مذکورہ کیفیتوں کی مذمت ثابت ہے)۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: ایسے جملے میں تہدید اور توبیخ مراد ہوتی ہے جب مخالفت کرنے والوں کا ذکر بیان کے بعد واقع ہو تو عدم غفلت میں عذاب دینے سے کنایہ ہوتا ہے اور کبھی اس قسم کا جملہ بشارت اور تسلی کیلئے ہوتا ہے جب مؤمنوں کی بحث کے بعد ذکر کیا جائے۔

تفسیر 75: ربط: گزشتہ آیت میں قساوت قلب یعنی ان کی سنگدلی کا ذکر ہوا تو اب ان بنی اسرائیل کی پانچ خباثتوں کا ذکر ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور یہ دلوں کی سختی پر مرتب خبیث آثار ہیں۔ اور یہ پانچ گروہ ہیں۔

1۔ تحریف (معنوی) کرنے والے علماء 2۔ منافقین 3۔ مقلدین جو کہ عوام ہیں۔

4۔ تحریف (لفظی) کرنے والے علماء 5۔ باطل عقیدہ اختیار کرلے کے باوجود جنت کو اپنے فرقے کیلئے مخصوص قرار دینا۔ اس آیت میں فریق اول کا ذکر ہے۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ: یہ خطاب ایمان والوں کو ہے اور ھمزہ استفہام انکاری ہے یعنی ان سے امید مت رکھو۔ (طمع) یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے نفس کے مضبوط تعلق کو کہا جاتا ہے اور اس میں (رجا) سے زیادہ قوی معنی ہے۔ اور طمع کا مادہ قرآن مجید میں 12 مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اکثر کام کے اسباب میں استعمال ہوتا ہے لیکن اسباب پر وثوق اور اعتماد نہیں ہوتا ہے البتہ رغبت میں شدت ہوئی ہے۔ اور رجا کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں اسباب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں اور ان اسباب پر نظر ہو اور حصول مقصد کے لئے رغبت بھی ہو۔ تمنا وہاں استعمال ہوتی ہے جہاں حصول مقصد کیلئے مناسب اسباب موجود نہیں ہوں اور پھر بھی حصول کی آرزو ہو اور (فَتَطۡمَعُوۡنَ) میں (فا) عطف اور تفریع کیلئے ہے مقدر عبارت پر یعنی (أَتَدۡعُوۡنَهُمۡ إِلَى الۡحَقِّ فَتَطۡمَعُوۡنَ)

دلوں کی سختی کے بعد ان میں خباثت پیدا ہوگئی لہذا ان سے ایمان لانے کی طمع بہت بعید ہے۔

أَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ: اس میں لام اجلیہ ہے اور ایمان سے مراد ایمان شرعی ہے یعنی لِأَجۡلِ دَعۡوَتِكُمۡ یا مراد ایمان لغوی ہے اور لام اپنے معنٰی پر ہے یعنی وہ تمہاری بات کو مان لیں گے اور تمہارے اوپر اعتماد کر لیں گے۔ وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ: فریق سے مراد ان کے علماء ہیں اور اس جملہ میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: کلام اللہ سے مراد وہ کلام ہے جو طور پر انہوں نے سنا تھا اور کَانَ گزرے ہوئے زمانہ کیلئے ہے یعنی وہ ستر (70) افراد اور ان کی اولاد جن کو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنایا تھا اور سننے کے بعد انہوں نے اس میں تحریف کی تھی۔ خود کلام سننے کے قول پر امام قرطبی رحمہ اللہ نے رد کیا ہے اور اس ضمن میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو باطل قرار دیا ہے البتہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام سنا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کلام سے مراد تورات ہے اور (کَانَ) نفس وجود کے ارتباط کیلئے ہے اور فریق سے مراد یہود کے علماء ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور يَسۡمَعُوۡنَ سے مراد یہ ہے کہ کوئی سائل اگر تورات کی عبارت ان کو پیش کرتا تو یہ مولوی اس میں تحریف وتاویل باطل کر لیتے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کلام اللہ سے مراد قرآن مجید ہے یعنی اگر کوئی شخص ان علماء کو کوئی آیت سنا دیتا تو یہ علماء اس آیت میں تحریف کرتے تھے لیکن یہ قول ضعیف ہے جلی حروف میں فائدہ: سمع کلام اللہ کا وصف سننا دلیل ہے کہ حروف اور الفاظ بھی کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور یہی کلام لفظی ہے جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ مسموع وہ لفظ ہے جو کلام اللہ پر دلالت کرتا ہے ان کا یہ قول باطل ہے ایسا وصف سورۂ توبہ 6 میں بھی موجود ہے۔ ہاں لکھنا، سننا، پڑھنا یہ مخلوق کی صفات ہیں اور مقروء، مسموع، مکتوب یعنی پڑھا گیا لکھا گیا، سنا جانے والا اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن ہے۔

ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ: تحریف بدلنے کو کہا جاتا ہے یہ دو قسم کی ہوتی ہے لفظی یعنی الفاظ بدل کر اس کی جگہ دوسرے کلمات و الفاظ رکھنا اس سے تحریف معنوی لازم آتی ہے اس کی دلیل سورۂ مائدہ 41 میں (مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ) الفاظ سے ثابت ہے۔

دوسری قسم معنوی تحریف ہے جو کسی حکم اور معنٰی کو اپنی رائے اور بے علمی سے تبدیل کریں یہ معنٰی سورۂ نساء 46 اور سورۂ مائدہ

www.KitaboSunnat.com

13 میں ہے اس باب میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہود لفظی تحریف کرتے تھے یا نہیں؟؟ تو اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ معنوی تحریف تو ان میں مستقل تھی تو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تحریف لفظی ان میں نہیں تھی اور لفظی تحریف نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حکم رجم کو ہاتھ سے چھپایا تھا۔

اسی طرح انہوں نے عربی زبان میں تورات کا معنیٰ تبدیل کیا تھا نیز یہ بھی دلیل ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تورات لیکر آؤ اور پڑھ کر دکھاؤ اگر سچے ہو۔ (فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ) سورۃ آل عمران 93 اس سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس تورات اصلی حالت میں موجود تھی ورنہ اللہ تعالیٰ ان سے مطالبہ ہی نہیں کرتا۔ جبکہ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ یہودیوں نے دونوں قسم کی تحریف کی ہے گزشتہ آیتوں کی عمومیت سے بھی ثابت ہے اور آئندہ آیت 79 میں بھی ہے اور ان کی موجودہ کتابوں میں یہ اقرار ان کا موجود ہے۔ یرمیاہ نبی نے اپنی قوم سے اس طرح خطاب کیا ہے کہ تم لوگوں نے اس زندہ رب کی باتیں بگاڑی ہیں جو فوجوں کا مالک ہے۔ (بحوالہ یرمیاہ صفحہ 23 اور 37)

تفسیر ماجدی میں یہود کے اکابر کا تحریف لفظی پر اقرار موجود ہے بلکہ وہ تنزیل لفظی کے قائل نہیں تھے۔

دونوں اقوال کا محاکمہ اس طرح ہے کہ تحریف لفظی ان میں کم تھی یہی وجہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت کچھ اصل نسخے انکے پاس موجود تھے جبکہ تحریف معنوی ان میں کثرت سے تھی اس آیت میں یہی مراد ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (يَتَأَوَّلُونَهُ عَلَى غَيْرِ تَأْوِيلِهِ) بدل تاویل کرتے تھے۔ امام فراء رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ احکام کو تبدیل کرتے تھے۔ (معالم التنزیل) امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اپنی خواہشات سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیتے تھے۔

فائدہ: تاویل و تحریف کی بحث میں نے "تشحیذ الاذہان" میں لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث حسن نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بغیر علم قرآن مجید میں کلام کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے اپنی رائے سے کلام کیا تو اس نے اپنے لیے جہنم میں ٹھکانا بنالیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کلام کیا اگرچہ وہ کلام صحیح ہو پھر بھی اس نے خطا کا ارتکاب کیا۔ (مگر یہ روایت ضعیف ہے) امام خازن رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے صفحہ نمبر 5 میں لکھا ہے کہ قول بالرای رائے کے دو مصداقات ہیں۔ پہلا مصداق یہ ہے کہ علم کے باوجود اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرتے ہوئے قرآن میں کلام کرتا ہے جیسا کہ باطنیہ، خوارج، روافض اور دیگر اہل بدعت بعض آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے اپنی بدعت کو ثابت کرنے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناکام سعی کرتے ہیں جبکہ یہ بات جانتے ہیں کہ آیت سے مراد یہ نہیں ہے مگر عوام کو دھوکا دیتے ہیں اپنے بعض دنیاوی اغراض ومقاصد کے حصول کیلئے۔

دوسرا مصداق یہ ہے کہ وہ لوگ جو قرآن مجید میں بغیر علم کے کلام کرتے ہیں یعنی کسی آیت میں مختلف توجیہات سلف سے ثابت ہوں اور اور ایسی توجیہ کی جائے جو اصول عربی کے خلاف اور صرف ونحو کے قواعد کے خلاف اور سلف صالحین سے متصادم ہو۔ جیسا کہ اس زمانہ کے بعض مفسرین نے توجیہ آیت سورۃ بقرۃ 29-214 تقطیع (یعنی کاٹنا) کے ساتھ کی ہے یا (رُقِيِّكَ) معنی کتابچہ کیا ہے (صَرَّةٍ) کا معنی دریچے کی (سَوْاٰتُهُمَا) کا معنی عیوب کیا ہے اگر یہ معانی بالفرض صحیح بھی ہوں تب بھی گناہ ہے۔ سوم: تاویل یعنی کسی آیت کو ایسے معنی پر استنباط کے ساتھ محمول کرنا جو ماقبل اور مابعد کے ساتھ مناسب ہو اور قرآن مجید اور احادیث صحیح کے خلاف بھی نہ ہو تو اس حدیث کا مصداق نہیں ہے اور یہ جائز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آیتوں سے استنباط کیا ہے اور ایسا ہی تابعین نے۔

مِنۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ: عَقَلُوْا سے صحیح کلام اور سمجھداری مراد ہے۔ (يَعْلَمُوْنَ) سے گناہ کی سمجھ اور اس کے وبال کا شعور مراد ہے یعنی جاننے کے باوجود ایسا معنی کرتے ہیں جیسا کہ تحریف کا پہلا مصداق جس کا ذکر ہو گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ تحریف گناہ ہے یعنی ان کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس زمانے کا مولوی جب اعراض کرتے ہوئے حق کو ٹھکراتا ہے تو یہ بھی ہدایت کے راستہ سے بہت دور جا پہنچتا ہے کیونکہ اس کا علم بھی اس کو اس گناہ سے نہیں روکتا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡٓا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝ اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۝ وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ۝ ''اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔'' [76] ''کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہر داری کو جانتا ہے۔'' [77] ''ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں۔'' [78]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 76: اس آیت میں فریق ثانی منافقین کی خباثت کا ذکر ہے اور ان کا معاملہ تحریف اور عناد کرنے والے علماء کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو حرف عطف کے ساتھ ذکر کیا۔ وَإِذَا لَقُوا : لَقُوا میں ضمیر یہودیوں کی طرف راجع ہے لیکن ایک فریق کے اعتبار سے جو ان میں اہل نفاق ہیں۔ کلام عرب میں یہ بات کثرت سے ثابت ہے کہ ذکر جمع ہوتا ہے مگر اس سے مراد مخصوص افراد ہوتے ہیں۔ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ : اول بعض سے مراد یہود کے منافقین اور دوسرے بعض سے مراد ان کے تحریف کرنے والے اور عنادی علماء ہیں۔ آیت نمبر 14 میں (إِذَا خَلَوْا) مذکور تھا جبکہ یہاں پر خَلَا مذکور ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں منافقین مراد ہیں جو خزرج اور اوس قبیلے والے ہیں اور وہ یہودیوں کے قبیلے سے نہیں ہیں جبکہ یہاں یہود کے منافقین مراد ہیں اس لیے اس کی تعبیر میں فرق ہے۔

قَالُوٓا أَتُحَدِّثُونَهُم : یہ قول بطور تعجب ہے جو دینی علماء کی جانب سے مذکورہ منافقین کو جو بوقت ملاقات مؤمنین کو تورات کی بعض باتیں بیان کرتے ہوئے (آمَنَّا) کہتے یعنی ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ (أَتُحَدِّثُونَهُم) تحدیث حدیث سے لیا گیا ہے اور حدیث ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جو منقول ہو۔ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ : فتح کے معنی میں بہت سے اقوال ہیں۔ 1۔ حکم فرمانا اور خصوصی طور پر بیان کرنا۔ (امام قفال)۔ 2۔ تمہارا اپنی کتاب میں فیصلہ کرنا کہ یہ نبی حق ہے ان کی باتیں سچی ہیں۔ (کلبی) 3۔ بیان کرنے کے معنی میں ہے۔ (کسائی)۔ 4۔ کتاب میں نازل کرنے کے معنی میں ہے۔ (واقدی)۔ 5۔ احسان کرنے کے معنی میں ہے۔ (ابوعبیدہ و اخفش)۔ 6۔ عذاب بھیجنے کا فیصلہ۔ (قرطبی)

ان تمام معنوں میں احتمالات ہیں مگر قول اول اور ثانی زیادہ مناسب ہیں مراد یہ ہے کہ تورات میں آخری نبی کی سچائی اور ان کی صفات وعلامات مذکور تھیں اور بنی اسرائیل کے اکابر پر نافرمانیوں کی وجہ سے عذابوں کا سلسلہ جاری ہوا تھا۔

لِيُحَآجُّوكُم بِهِ : یہ لام سببیہ کیلئے آیا ہے اور کئی معنوں میں ہے۔ اور (أَتُحَدِّثُونَهُم) کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی تمہاری گفتگو اور بیان ہمارے خلاف ایمان والوں کے لیے روزِ قیامت حجت بن جائے گی۔ لِيُحَآجُّوكُم : حجت سے لیا گیا ہے اور باب مفاعلہ مغالبہ کیلئے ہے اور اس میں جانبین سے عمل ہوتا ہے اور دونوں جانب سے حجت پیش کی جاتی ہے البتہ کافروں کی طرف سے کوئی حجت نہیں مگر ان کے بے دلیل جھگڑے کو مجازاً حجت کہا گیا ہے یعنی ان کا مقصد یہ تھا کہ مومنین تمہاری بتائی ہوئی باتوں کو تمہارے خلاف حجت ودلیل بنالیں گے اور ایسا کرنے سے وہ تمہارے اوپر غالب آجائیں گے۔ عِندَ رَبِّكُمْ : اس میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد کتاب اور اللہ تعالیٰ کا دین ہے کتاب اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مراد فیصلہ ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہے۔ دوسرا قول: عِنْدَ رَسُوْلِ رَبِّكُمْ : مراد ہے رسول کے ہاں کیونکہ رسول کے ہاں کا حکم بھی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ (مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ)۔ تیسرا قول: عِنْدَ رَبِّكُمْ سے مراد آخرت ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ : ظاہر قول یہ ہے کہ یہ بھی معاندین علماء کا قول ہے جو انہوں نے منافقین یہود سے کلام کیا اور یہ بھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدمقابل کے سامنے ایسی بات کہنا جس میں خود ملامت ہو جائے بے عقل لوگوں کا عمل ہے اس لیے ان کے عنادی مولویوں نے ان کو تنبیہ کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایمان والوں کو ہوا ہے اور (أَفَتَطْمَعُوْنَ) سے متعلق ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

تفسیر آیت 77: یہ اللہ تعالیٰ کا خطاب بطور وعید ہے ان علماء یہود کو جو عنادی ہیں اور منافقین عوام کو بھی کیونکہ علماء نے صفات نبوی چھپانے کی کوشش کی اور منافقین کو بھی یہی سمجھاتے رہے کہ ان صفات کو مسلمانوں کے سامنے مت بیان کرے لہٰذا چھپانے والے مولویوں اور منافقین کو یہ معلوم نہیں کہ وہ ذات تو ہر ظاہر اور چھپی ہوئی چیزوں سے باخبر ہے۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ : یہ ضمیر علماء معاندین اور منافقین دونوں کی طرف راجع ہے۔ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ : یہ الفاظ عام ہیں ہر ظاہر اور چھپی ہوئی چیز کو شامل ہیں البتہ حق اور کفر کو چھپانا اور منافقت کے طور پر ایمان کو ظاہر کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کلیات و جزئیات سب کو شامل ہے اور اس میں منطقیوں کا رد ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کا علم نہیں رکھتا ہے۔

تفسیر 78: معاندین علماء اور منافقین کے بعد اب یہود عوام کا تذکرہ ہو رہا ہے جنہوں نے بے دلیل باتوں میں مولویوں کی تقلید کی تھی یہ ابو العالیہ اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ (البحر المحیط) سوال: (أُمِّيُّوْنَ) سورۂ جمعہ آیت نمبر 2 میں ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن کو کوئی کتاب نہیں دی گئی تھی اور وہ یہودیوں میں سے نہیں تھے تو پھر (مِنْهُمْ) کیوں کہا گیا ہے۔

جواب: یہاں أُمِّيُّوْنَ خاص معنیٰ میں استعمال نہیں ہے کہ بے کتاب لوگ ہیں وہ بلکہ اہل کتاب میں وہ لوگ جو ان پڑھ اور بے تعلیم تھے ایسے لوگ تو یہودیوں میں بہت زیادہ تھے جیسا کہ یہ عام ان پڑھ لوگوں کو کہا گیا جو اہل کتاب یہود میں سے تھے یا اس امت کے بے علم لوگ بھی مراد ہیں۔ أُمِّيُّوْنَ : اُمّی کی جمع ہے اس نام کا سبب یہ ہے کہ ہر انسان جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے ان پڑھ ہوتا ہے لکھنا، پڑھنا نہیں جانتا ہے اس لئے ان پڑھ کہا جاتا ہے اور عام انسانوں میں یہ صفت قبیح ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کی صفت میں یہ خوبی ہے۔ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ : یہ جملہ امیون کیلئے صفت موضحہ ہے اور الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے جس میں تورات بھی داخل ہے اور اصطلاح الکتاب الفاظ اور معانی سے مرکب کو کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ اِلَّآ اَمَانِيَّ: اِلَّا میں دو احتمالات ہیں۔ استثناء متصل اور منقطع لٰكِنْ کے معنٰی میں ہے۔ (اَمَانِيَّ) میں دو اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ اُمنیۃ کی جمع ہے اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی انسان نفس میں آرزو کرتا ہے مگر اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے تو اس سے ان کے وہ کذب پر مبنی مسائل مراد ہیں کہ جو ان کے مولیوں نے ان کو بتائے تھے اور معاندین علماء نے اپنے پاس سے بنائے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ 111، سورۂ نساء 123 میں ہے۔ لہٰذا اس قول کے اعتبار سے استثناء منقطع ہے اور (اِلَّا) لٰكِنْ کے معنٰی میں ہے کیونکہ وہ جھوٹ تو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ عامی وہ ہوتا ہے جو لکھنے پڑھنے اور معانی پر بالکل قادر نہیں ہوتا اور مولویوں کی بے دلیل باتوں کی تقلید کر رہا ہوتا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ امانی (اُمنیۃ) کی جمع ہے اور تمنّی سے لیا گیا ہے اور اس کا معنٰی قرأ اور تلا ہے یہ معنٰی سورۂ حج 52 میں مراد ہے اور اللباب کے مصنف نے اس کو اکثر اہل علم کا قول قرار دیتے ہوئے قول مختار کہا ہے تو اس اعتبار سے استثناء متصل اور امانی کا معنٰی الفاظ پڑھنے کا ہے۔ اس میں (اُمِّيُّوْنَ) کی دوسری قسم کی طرف اشارہ ہے جو الفاظ پڑھتا تو جانتے ہیں مگر تفسیر نہیں جانتے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانہ میں جو لوگ تجوید اور حفظ قرآن تو کر لیتے ہیں مگر تفسیر نہیں جانتے یہ لوگ بھی اَن پڑھ لوگوں میں شمار ہیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ دور حاضر میں اسی پر لوگ اکتفاء کرتے ہیں اور تفسیر فہم قرآن مجید کا اہتمام نہیں کرتے ہیں اور یہ طرز عمل بدعات، فسادات اور گمراہیوں کا ذریعہ ہے۔ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ: ظن کی تحقیق تو آیت نمبر 46 میں گزر چکی ہے۔ اس مقام میں اِنْ (مَا) نافیہ کے معنٰی میں ہے اور اس جملہ میں تاکید ہے ان کی بے علمی کی یعنی (لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ) ان کے پاس ظن کے علاوہ کچھ نہیں ہے جبکہ اصطلاح شریعت میں گمان علم نہیں ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس مقام پر ظن جھوٹ کے معنٰی میں ہے کیونکہ ان کا اپنی باتوں پر علم نہیں بلکہ اپنے مولویوں کی باتوں کی تقلید کرتے ہیں جو کچھ ان کے مولویوں نے پڑھا ہے۔ تفسیر سراج المنیر میں ہے کہ (ظن) اس رائے اور اعتقاد کو کہا جاتا ہے جس پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہوا گرچہ اس پر چلنے والا یقین کرتا ہے جیسا کہ مقلد کا عقیدہ یا شبہات کی وجہ سے حق سے اعراض کرنے والا۔ يَظُنُّوْنَ: کو اسم فاعل کے بجائے فعل مضارع کے صیغہ سے ذکر کیا ہے اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان کے شکوک نئے نئے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ان کے متذبذب عقیدہ کی دلیل ہے۔

امام ابو حیان رحمہ اللہ نے البحر المحیط میں لکھا ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1۔ علوم کسبی امور ہیں۔ 2۔ تقلید باطل چیز ہے۔ 3۔ جو کسی گمراہ کرنے والے کے شبہات سے گمراہ ہو جائے تو وہ قابل مذمت ہے۔ 4۔ ظن کے ساتھ اکتفاء اصول میں درست نہیں ہے۔ 5۔ بغیر دلیل کے قول باطل ہے چاہے وہ قول کسی کا بھی ہو۔ 6۔ جس قول و عمل کا وجود اور عدم برابر ہو تو دلیل نقلی کے بغیر اس کے کسی ایک جانب کو اختیار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی صاحب فکر ان آیتوں میں غور کر لے تو اس امت میں ان تمام فرقوں کو اس آیت میں پا لے گا۔ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ جو دوسری توجیہ کے مطابق وہم کا جواب ہے یعنی جب کہا گیا کہ ان لوگ فقط تلاوت کو ہی جانتے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے تو معلوم یہ ہوا کہ اعمال اور عقائد میں ان کا مسلک کیا ہو گا تو جواب ہوا کہ فقط ظن یعنی گمان، سورۂ نجم 27، سورۂ یونس 36 میں جیسا کہ مذکور ہے۔

پہلی توجیہ کی بناء پر امانی اور ظن کی پیروی میں فرق یہ ہے کہ اعمال اور فرعات میں خواہشات اور جھوٹ کے پیروکار ہیں اور عقائد میں ظنیات کے تابع ہیں جبکہ یہ دونوں باطل طریقے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ "سو ان لوگوں کے لئے "ہلاکت ہے" جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ہلاکت اور افسوس ہے۔"[79] "یہ لوگ کہتے ہیں ہم تو چند روز جہنم میں رہیں گے، ان سے کہو کہ تمہارے پاس اللہ کا کوئی پروانہ ہے اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا بلکہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔"[80] "یقیناً جس نے برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔"[81]

تفسیر 79: اس آیت میں چوتھے فریق یہودیوں کا ذکر ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو گمراہی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ (افتراء) باندھتے ہیں تاکہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھائیں اور یہ لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحریف لفظی بھی کرتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ابن ابی حاتم اور سیوطی رحمہما اللہ نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے کہ جو نبی ﷺ کی صفات تورات میں تھی۔ (حُسْنُ الْوَجْهِ. حُسْنُ الشَّعْرِ. أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ. رُبْعَةُ الْقَامَةِ) تو انہوں نے اس کی جگہ پر لکھا ہے (أَزْرَقُ سَبِطُ الشَّعْرِ) تو وہ عوام کو دکھاتے کہ جو صفات نبی کریم ﷺ کی تورات میں ہیں وہ اس نبی میں نہیں اس طرح وہ لوگوں کو ایمان لانے سے منع کرتے۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس حدیث نمبر 5908-3547 صحیح مسلم فی المناقب حدیث نمبر 2347، ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر 3665 وقال الترمذی حسن صحیح احمد حدیث نمبر 17097۔

دوسرا طریقہ: تحریف لفظی الکا یہ تھا کہ عبارت اپنی طرف سے بناتے اور ساتھ میں لکھ لیتے قال اللہ تعالیٰ یا قال رسول اللہ ﷺ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایسی تحریف نبی ﷺ کی امت میں موضوع روایتوں کی صورت میں موجود ہے۔ اگرچہ ہماری امت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے اہل علم پیدا کیے ہیں کہ انہوں نے ان احادیث موضوعہ کو صحیح احادیث سے بالکل جدا کیا ہے اور واضح کیا ہے۔ فَوَيْلٌ: پہلے لفظ امانی کے لئے (ف) تفریع ہے۔ امانی سے مراد متاخری مولویوں کے جھوٹے مسئلے تھے۔ اَی: لوگ جن کے پیچھے تھے تو اس آیت میں امانی کو اپنی کتابوں میں لکھنے والے مولویوں کو سخت زجر اور تخویف ہے اور وہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے جب کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں تھے۔

وَيْلٌ: یہ مبتدا نکرہ ہے اس لیے کہ یہ بددعا ہے اور دعاؤں میں جائز ہے کہ مبتدا نکرہ ہو۔ امام ابن کثیر اور صاحب اللباب رحمہما اللہ نے اس کے معنی میں بہت اقوال اور الفاظ ذکر کیے ہیں۔

1۔ عذاب کی مشقت۔ (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما) 2۔ بادشاہ وغیرہ کی شدت۔ (امام خلیل) 3۔ ویل اس شخص کیلئے کہا جاتا ہے جو ہلاکت میں پڑا ہوا ہو اور ویح اس کیلئے جو ہلاکت کے قریب ہو۔ (امام سیبویہ) 4۔ ویل تفجع (فریاد) ہے اور ویح ترحم ہے۔ (امام اصمعی) ویل حزن کے معنی میں ہے جو اصل میں (وے) تھا اور عرب والوں نے استعمال میں اس کے ساتھ (لام) ملا دیا۔ (امام فراء)

اسی طرح ویل کے ہم معنی الفاظ یہ ہیں ویح ویس ویش، ویہ، ویب، ویک عول اور ور درمیان میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔

اور (ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3164، امام البانی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے) حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی کا نام ہے۔ کافر جہنم میں چالیس سال تک نیچے جائیں گے پھر بھی اس کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکیں گے۔ (امام ابن کثیر رحمہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اس حدیث کو اس سند کیساتھ مرفوع منکر کہا ہے) اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ میں ویل ایک پہاڑ کا نام ہے یہ بھی غریب ضعیف حدیث ہے۔

ابوحیان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لفظ (الویل) کی تفسیر میں نبی ﷺ سے صحیح حدیث ثابت ہو جائے تو اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ (لیکن ثابت نہیں ہے) یہ لفظ عرب والوں نے اپنے کلام میں نزول قرآن سے پہلے استعمال کیا ہے لیکن گڑھے یا آگ کے پہاڑ کیلئے ویل استعمال نہیں کیا ہے تو معلوم ہوا کہ صحیح وہی ہے جو اہل لغت سے منقول ہے اگرچہ کہ اس میں بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن مقصد میں ایک دوسرے کے متقارب ہیں۔

يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ : لفظ (بِأَيْدِيهِمْ) میں تین فائدے ہیں۔

پہلا یہ کہ مجاز کے وہم کا دفع کیا یعنی کتابت کبھی کنایہ ہوتی ہے دوسروں کو لکھوانے سے تو یہ وہم بھی دفع ہوا۔

دوسرا یہ کہ اس میں تصریح ہے ان کے جرم پر کہ یہ کام انہوں نے خود کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ ابن السراج سے منقول ہے کہ یہ کنایہ ہے کہ انہوں نے یہ اپنی طرف سے بنایا ہے یعنی نازل نہیں کیا گیا ہے۔ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ : پہلے فعلی افتراء ذکر ہوا اب قولی افتراء کا ذکر ہے اور یہ قول ان کا امیوں کو دھوکا دینے کیلئے ہے۔ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا : اشتراء کی تفسیر آیت نمبر 41 میں گزر گئی ہے (بہ) ضمیر ہذا کی طرف راجع ہے اور (ثَمَنًا) عام ہے نقد پیسے یا اشرفی ہو یا اگر رشوتیں یا کھانا ہو یا دنیا کا اور سامان ہو یا دنیا کی عزت اور اقتدار ہو (قَلِيلًا) اس کے حقیر ہونے کے دلائل بہت ہیں۔

1۔ فانی ہے۔　　2۔ حرام ہے۔　　3۔ کم ہے

آخرت کے اجر کی نسبت اور اس جملے میں ان کی ذلت، حقارت، بدبختی کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ثمن قلیل پر آخرت کے اجر عظیم کو ضائع کیا خود بھی گمراہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہیں اللہ تعالی پر جھوٹ باندھتے ہیں اور یہ سب کچھ دنیا کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ : مِنْ اجلیہ ہے یا مصدریہ ہے یعنی جھوٹ لکھنا سبب عذاب ہے۔ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ : کسب کا لفظ تو تمام گناہوں کو شامل ہے لیکن یہاں مراد اس سے تحریف کیساتھ مال حاصل کرنا ہے۔ صاحب اللباب نے کہا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ مال کا باطل طریقوں کیساتھ لینا حرام ہے اگرچہ جانبین کی رضا کیساتھ ہو۔ فائدہ 1۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس آیت اور ما قبل آیت کیساتھ تبدیلی اور تغییر دین اور یا دلی کرنے سے شرع میں تحذیر اور خوف دلانا مراد ہے تو جس نے تبدیلی کی یا بدعت فی الدین پیدا کی ہے تو وہ شخص اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وعید اور سزا میں داخل ہے اور یہ اس زمانہ میں بہت واقع ہوا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ فائدہ 2۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے صواعق مرسلہ میں بحوالہ بدائع تفسیر سے لکھا ہے کہ یہ لوگ ہماری امت میں بھی موجود ہیں تو بعض ان میں سے وہ لوگ ہیں کہ آیتیں اور احادیث جو ان کے اقوال کے مخالف ہیں اس کو لوگ چھپاتے ہیں اور بعض وہ لوگ ہیں کہ اپنے مذاہب اور خواہشات کے اثبات کیلئے احادیث موضوعہ بناتے ہیں اور نسبت اللہ اور رسول کی طرف کرتے ہیں۔

فائدہ 3۔ اس آیت میں لفظ ویل تین مرتبہ ذکر ہوا ہے اس لیے کہ ان کے گناہ بھی تین ذکر ہیں۔ پہلے (ویل) کا سبب اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا اور دوسرے (ویل) کا سبب کتاب میں جھوٹ بنانا اور لکھنا ہے اور تیسرے (ویل) کا سبب دنیاوی مال ومتاع کو دین کے بدلہ لینا ہے۔ فائدہ 4۔ امام راغب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ (كَتَبَتْ) صیغہ فعل ماضی اور (يَكْسِبُوْنَ) کو صیغہ مستقبل کیساتھ ذکر کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کتابت تو ایک مرتبہ ہوئی ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی بنیاد رکھ لی ہے تو بعد کے زمانے میں جو بھی ان کی تقلید کریں گے گمراہ ہوں گے۔ اور گمراہ کرنے کا گناہ پہلے بندوں پر ہوگا جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (صحیح مسلم حدیث 2060، صحیح ترمذی صحیح ابوداود 2675، صحیح ابن ماجہ 203 صحیح ترغیب 1222)

جس نے کوئی گناہ کا کام ایجاد کیا تو اس کا وبال اس پر ہوگا اور قیامت تک عمل کرنے والوں کے وبال میں بھی شریک گزشتہ ہوگا۔

تفسیر 80: اس آیت میں ان کی پانچویں خباثت کا ذکر ہے اور یہ اقوال ان کے ایک فریق کے ہیں کہ گزشتہ آیت میں ان کے تین اعمال ذکر ہوئے تو اس آیت میں انکا چوتھا (قول) ذکر ہو رہا ہے تو (قَالُوْا) میں ضمیر ہے (لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ) کی طرف راجع ہے۔ (تفسیر البحر المحیط) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو مذکورہ خباثتوں کے باوجود جنت کو اپنے لئے خاص کرتے ہیں اور جہنم میں بالکل نہ جانے یا کچھ دنوں کے لئے جانے کا یقین رکھتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ: اس میں تاکید کیلئے (لن) اور لفظ (مَسّ) کو ذکر کیا ہے یعنی دخول اور پورا پہنچنا آگ کا تو در کنار بلکہ آگ ہمیں چھو بھی نہیں سکتی۔ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً: اصل میں ان کا یہ استثناء بطور تعلیق ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے 2/7 میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے (نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ) یعنی ہمیں اللہ کبھی بھی عذاب نہیں دے گا اور اگر بالفرض عذاب دے گا بھی تو چند دن ہوں گے۔ لفظ (ایام) تین سے دس تک خاص نہیں بلکہ یہ دس سے زیادہ کیلئے بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں لفظ (ایام) ستائیس (27) مرتبہ مذکور ہے اور اس میں آٹھ جگہ عموم کیلئے ہے یعنی تین سے اوپر جتنا بھی عدد ہو اور باقی جگہوں میں تین اور چھ اور چار اور آٹھ میں استعمال ہوتا ہے تو یہاں ایک قول پر چالیس دن ہے (جو کہ بچھڑے کی عبادت کا عرصہ ہے)

اور دوسرا قول سات دن ہیں (یہ لوگ کہتے ہیں کہ ساری دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے تو ایک ہزار سال کے بدلے میں ایک دن ہم پر عذاب ہوگا) مَّعۡدُودَةٗ: اس عدد کو کہتے ہیں جو گنتی میں آئے اگرچہ عدد کی تعیین نہ ہو اور یہ کم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری میں اس کو (یَسِیرًا) کہا ہے۔ اور یہ اس حدیث میں ہے جس میں نبی ﷺ کیلئے ایک یہودیہ کا بکری کے گوشت میں زہر ملانے کا ذکر ہے۔ اور آخر میں نبی ﷺ نے اس سے پوچھا (مَنْ أَهْلُ النَّارِ) تو اس نے کہا (نَكُونُ فِيهَا يَسِيرًا ثُمَّ تَخْلُفُونَا فِيهَا) ''آگ والے کون ہیں تو اس نے کہا ہم اس میں چند دن رہیں گے اور پھر ہمارے بعد تم اس میں رہو گے۔ (صحیح بخاری کتاب الجزیۃ والموادعۃ حدیث 3169)۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے الفاظ میں تخصیص سات (7) یا چالیس کی نہیں ہے بلکہ مطلق ہیں تو بہتر توجیہ اس آیت میں یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے لیے جہنم کا عذاب کم دن کا مانتے تھے اور وہ بھی گمان اور خیالی طور پر اور اس کے بعد جنت میں جانے کا دعویٰ کرتے اور حال یہ ہے کہ کفر اور شرک اور دیگر کبیرہ گناہ کرتے ہیں لیکن اس کو عذاب کا سبب نہیں سمجھتے تھے تو اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ جنت کا دعویٰ اور جہنم سے نجات کا بھی دعویٰ کرتے ہیں تو اسی وجہ سے بعد میں لفظ عہد کیساتھ ان سے توحید کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ان کے اس قول کی مثال ہماری امت میں ان لوگوں کی ہے۔ جو شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے۔ انبیاء، اولیاء کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب اور اموال میں متصرف ٹھہراتے ہیں اور غیر اللہ کو غائبانہ حاجات اور مشکلات میں مدد کیلئے پکارتے ہیں اور ان کو سجدے کرتے ہیں اور ان کے نام پر ذبیحہ اور نذریں مانتے ہیں اور پھر بھی جنت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور احتمال ہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے چند دن اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم میں داخل کرے گا اور پھر نکال دے گا اور کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے تو ان سے بھی یہی مطالبہ ہے۔ (جو بعد میں ذکر ہو رہا ہے) کیا تم میں توحید کا عقیدہ ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر کیوں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

فائدہ: اور اسی طرح سورۂ آل عمران 24 میں بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ وہاں پر معدودات جمع کیساتھ ذکر ہوا ہے اور یہاں پر معدودۃ مفرد ذکر ہے۔ قانون عربیت کے لحاظ سے دونوں جائز ہیں اس لیے کہ ایام جمع ہے تو صفت کا جمع ہونا جائز ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن مفرد بھی جائز ہے۔ جماعت کی تاویل میں اور دوسرا یہ کہ رضی نے کہا ہے کہ جمع قلت مفرد کے حکم میں ہوتا ہے تو صفت کا صیغہ مفرد کیساتھ بھی جائز ہے لیکن اس آیت میں یہودیوں کے بڑے مولویوں کا ذکر ہے تو انہوں نے مدت کم کرنے کیلئے لفظ مفرد کا ذکر کیا ہے۔ اور سورۃ آل عمران میں چھوٹے مولویوں کا ذکر ہے تو ان کے ان بڑے مولویوں کے عذاب کی نسبت زیادہ ہیں تو انہوں نے لفظ جمع ذکر کیا ہے۔

قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ: یہ رد ہے ان کے قول کا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ کا رد کا حاصل یہ ہے کہ ایسی بات تو وہ کر سکتا ہے جس کے پاس غیب کا علم ہو اس کا ذریعہ صرف وحی الٰہی ہے لیکن تمہارے پاس وحی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ (بدائع التفسیر) اور اس جملے میں دو اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ عہد سے مراد صرف عذاب سے نجات کا وعدہ ہے جو وحی سے ثابت ہے اور دوسرا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابوحیان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام فراء رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ عہد سے مراد توحید ہے اور اتخاذ سے مراد قبول کرنا ہے یعنی تم نے توحید کا عقیدہ حاصل کیا ہے اور ایمان لائے ہو۔ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا: توحید کو عہد الٰہی کہا جاتا ہے اس لیے کہ تمام نازل شدہ کتابوں اور تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی میں وہ موجود ہے اور ساتھ میں یہ وعدہ تھا کہ یہ وعدہ دخول جنت کا سبب ہے۔ فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ: امام زمخشری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں شرط مقدر ہے۔ إِنِ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ: اور ابن عطیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہے۔ دو متضاد باتوں کے درمیان ہے جو کہ نمبر 1 عہد ہے۔ 2 اللہ پر جھوٹ ہے۔ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ: أَمْ اپنے معنیٰ پہ ہے یعنی استفہام میں تردد لیکن بعد کی تقریر ہے جیسا کہ اس قول میں (وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ) سورۃ سبا 24 اس میں بھی استفہام کیساتھ بعد والی جانب متعین ہے یا (أَمْ) بَلْ کے معنیٰ کیساتھ ہے اور اس کو (أَمْ) منقطعہ کہا جاتا ہے قول کے بعد جب عَلَىٰ کا ذکر ہو تو افتراء کو کہا جاتا ہے (مَا لَا تَعْلَمُونَ) اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی إِنَّهُ مِنَ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اس چیز کی نسبت جائز ہے جو دلیل کے ساتھ معلوم ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو جس چیز پر اللہ کی طرف سے دلیل (وحی) نہیں ہے تو اس کی نسبت اللہ کی طرف کرنا اس کو (تَقُولُ عَلَى اللَّهِ) اللہ پر جھوٹ بولنا کہا جاتا ہے اور تمام مشرکوں اور مبتدعین کا یہی طریقہ رہا ہے۔

تفسیر 81: ان دونوں آیتوں میں ماقبل خطاب کا تکملہ ہے جو کہ خوف اور بشارت اخروی پر مبنی ہے تو اس آیت میں تخویف اخروی ہے اور ان کے اس قول (لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ) کا رد ہے۔ پہلے رد تھا دلیل طلب کرنے کا اور اس میں رد ہے ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرک کی دعوت کے باطل ہونے کا۔ بَلٰی : اس کو حرف ایجاب کہا جاتا ہے۔ جس طرح نعم، اجل، ای، وغیرہ لیکن بلی، خاص ہے اس جگہ کے ساتھ جہاں پہلے نفی استفہام کے ساتھ ہو۔ اور اگر نفی کے ساتھ استفہام نہ ہو تو پھر اس چیز کی ایجاب کی پہلے نفی ہوئی ہو تو یہاں پر بھی معنی یہ ہے کہ ہاں کیوں نہیں تمہیں تو آگ ہمیشہ کیلئے جلائے گی۔

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً : مَنْ موصولہ ہے اور تعمیم کیلئے ہے کتابی اور غیر کتابی مرد اور عورت سب کو شامل ہے۔ (كَسَبَ) یہ دلیل ہے کہ انسان اپنے اعمال کا (كَاسِبٌ) (کرنے والا ہے) خالق نہیں ہے۔ اللہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کی طاقت دی ہے۔ (سَيِّئَةً) شرک کے معنی میں ہے۔ (سیدنا ابن عباس ومجاہد) یعنی جو عمل کرے تمہارے عملوں کی طرح اور کفر کرے تمہارے کفر کی طرح (اے یہودیو)۔ امام ابن کثیر اور امام عطاء رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔
سورۂ نمل 90 کے قرینے سے اور دوسرا اس وجہ سے کہ نازل ہے یہودیوں کے بارے میں اگرچہ اس کا حکم عام ہے۔

وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ : اس جملے کے ذریعے سے ایک وہم کو ختم کرنا مقصود ہے یعنی جو ایک مرتبہ شرک کرے اور پھر توبہ کرے تو وہ بھی (كَسَبَ سَيِّئَةً) میں داخل ہے تو جواب ہوا کہ جہنم میں ہمیشگی کی شرط گناہوں کا احاطہ ہے۔ امام وکیع سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ احاطہ سے مراد یہ ہے کہ شرک پر مر جائے اور توبہ نہ کرے (خَطِيْٓـئَتُهٗ) سے مراد شرک، کفر سمیت عام کبیرہ گناہ ہیں۔ سیئہ اور خطیئہ کا فرق یہ ہے کہ اس برے عمل پر سیئہ کا اطلاق ہوتا ہے جو مقصود بالذات ہو تو شرک کرنا مشرک کا مقصود اور محبوب ہوتا ہے اور اس برے عمل پر اکثر خَطِيْٓـئَتُهٗ کا اطلاق ہوتا ہے جو مقصود بالواسطہ ہو جیسا کہ اور گناہ کبیرہ جو کفر اور شرک سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور سیئہ کیساتھ کسب ذکر کیا ہے اور کسب فائدے کے حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے تو مشرک بھی اپنے لیے شرک کو فائدہ مند سمجھتا ہے یا اس کو تہکم کے طریقے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : اس طرح پہلے گزر چکا ہے جب لفظ (مَنْ) جمع کے معنی میں ہے اسی وجہ سے (أُولٰٓئِكَ) جمع لایا ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہنم میں ہمیشگی کیساتھ دخول کے دو سبب ہیں۔
ایک کفر و شرک اور جبکہ دوسرا اسی حالت میں بغیر صحیح توبہ کے مر جانا (تو اسی لیے جمع لایا ہے) تو اگر شرک سے توبہ کی ہو یا شرک نہ ہو اور باقی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کئے ہوں تو وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ اور دیگر گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو سزا دے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ
اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ
حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿83﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا
مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾ ''اور جو

لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔'' [82] ''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح قرابتداروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہا کرنا، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔'' [83] ''اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں خون نہ بہانا (قتل نہ کرنا) اور آپس والوں کو جلاوطن مت کرنا، پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس کے شاہد ہے۔'' [84]

تفسیر 82: اس آیت میں بشارت ہے جس طرح کہ پہلی آیت میں گنہگار کافر مشرک کامل کا ذکر تھا اسی طرح اس آیت میں کامل مومن کا ذکر ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں پر ایمان کیساتھ عمل صالح ذکر کیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: مومنوں کی جانب میں لفظ (الَّذِیْنَ)۔ ان کے اکرام اور شرافت پر دلالت کرتا ہے (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ)۔

سوال: جب عمل صالح ایمان میں داخل ہے تو بعد میں عطف کے ذریعے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟۔ جواب 1۔ ایمان میں اگرچہ تمام اعمال صالحہ داخل ہیں لیکن لفظ (اٰمَنُوْا) کا فعل وہم پیدا کرتا ہے کہ صرف ایمان کا ایک عمل کیا ہو باقی نہ کیے ہوں تو اس وہم کو دفع کرنے کیلئے (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) کو اس پر عطف کیا۔ جواب 2۔ (اٰمَنُوْا) زمانہ ماضی میں ایمان اور عمل کا فائدہ دیتا ہے تو (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) مستقبل میں موت تک دوام کا فائدہ دیتا ہے۔ (خازن)

اٰمَنُوْا كَسَبَ سَیِّئَةً کے مقابلے میں ہے اور (وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ کے مقابلے میں ہے تو دونوں کا تقابل پورا ہوا۔

تفسیر 83: اس آیت سے 86 تک بنی اسرائیل سے تیسرا خطاب ہے اور اس میں یہودیوں کی خباثتوں کا ذکر ہے۔ (خصوصا جو مدینہ کے قریب تھے) اس میں سابقہ مضمون کی مزید احکام سے انکار اور اسی طرح منہیات اور ان خباثتوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں چار احکام سے انکار اور اسی طرح جن امور سے منع کیا گیا تھا اس کا ارتکاب ذکر ہوگا۔ اور اس کا تعلق یا تو عقائد اور اعمال سے ہے یا پھر حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے۔ جن چار احکام سے انہوں نے روگردانی کی تھی وہ یہ ہیں۔ (1) خاص لوگوں کے ساتھ احسان کرو (2) عام لوگوں سے اچھی بات کہو (3) نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ اور جن چار امور سے منع کیا گیا تھا وہ یہ ہیں (1) شرک فی العبادت مت کرو (2) لوگوں کا خون مت بہاؤ (3) لوگوں کو ملک بدر مت کرو (4) اور ظالموں سے تعاون مت کرو۔ اور آخر خطاب میں سبب اعراض اور تخویف اخروی ذکر کرنے کیساتھ تکملہ ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ: یہ میثاق ان کی زندگی میں لیا گیا ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی زبانی یا پھر یہ میثاق تورات میں مذکور ہے۔ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللهَ: اس جملے کے محل اعراب میں سات (7) اقوال ہیں۔

پہلا قول: یہ میثاق کی تفسیر ہے اور اس کا محل اعراب نہیں ہے۔ دوسرا قول: یہ تقدیری عبارت کے ساتھ ماقبل سے حال ہے اصل میں مقدر من التوحید۔ تیسرا قول: مُلْتَزِمِيْنَ الْإِقَامَةَ عَلَى التَّوْحِيْدِ۔ چوتھا قول: (قُلْنَا لَهُمْ) مقدر ہے۔ پانچواں قول: حرف جر مقدر ہے یعنی (عَلٰى أَلَّا تَعْبُدُوْا)۔ چھٹا قول: (أَنْ) مقدر ہے۔ ساتواں قول: نفی تاکید کیلئے بمعنی نہی ہے۔ (تفسیر ابوحیان وتفسیر اللباب)۔ (إِلَّا اللهَ) استثنیٰ مفرغ ہے یعنی جلد مقصد تک پہنچانے کیلئے مفعول برائے عموم مقدر ہے۔ یعنی (لَا تَعْبُدُوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللهَ) اس میں اصل إِيَّانَا چاہیے تھا مگر متکلم سے غائب کی طرف عدول کیا گیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تصریح میں بہت زیادہ عظمت ہے اور دیگر صفات پر بھی دلالت کرتا ہے اور یہ میثاق اللہ تعالیٰ کے علم اور وحدانیت کو اور ہر قسم کے شرک سے براءت اسی طرح توحید کی ہر ضد کو شامل ہے اور اس عبادت کا علم و کیفیت جو کہ علم رسالت میں منحصر ہے۔ (لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللهَ) یہ سب علوم کو مستلزم ہے۔ (تفسیر اللباب)

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا: اس میں إِحْسَانًا سے پہلے أَحْسِنُوْا مقدر ہے اور إِحْسَانًا تاکید کیلئے مفعول مطلق ہے یا لفظ وَصَّيْنَا مقدر ہے جیسا کہ سورۃ لقمان آیت نمبر 14 میں ہے۔ امام خازن نے کہا ہے کہ احسان سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا گفتگو اور خدمت میں تواضع سے پیش آنا ان کا ہر حکم ماننا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ ہو ضرورت کے مطابق ان پر خرچ کرنا ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہنا ان کی حیات اور خصوصا وفات کے بعد ان کے دوستوں سے اچھا سلوک اور صلہ رحمی کرنا اور ان کو نرم لہجے سے دین کی دعوت دینا وغیرہ ان میں سے بعض سورۃ بنی اسرائیل 23 اور 24 میں مذکور ہیں۔ فائدہ: والدین کے ساتھ احسان کو توحید باری تعالیٰ کے ساتھ قرآن مجید میں متصل ذکر کیا گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔سورۂ نساء: 36 اور سورۂ اسراء: 23، سورۂ لقمان: 14۔ اس کی چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کی اول نشوونما اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو دوسری نشوونما والدین کی تربیت سے ہے۔ (تفسیر قرطبی) دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا ہے اور والدین بھی بغیر کسی لالچ وبدلہ کے اولاد کی تربیت میں مصروف عمل رہتے ہیں ان سے کوئی بدلہ نہیں مانگتے ہیں۔

تیسری وجہ اللہ تعالیٰ بندے کی نافرمانی کے باوجود ان سے انعام ورحمت کو نہیں روکتا ہے اور یہی کیفیت اللہ تعالیٰ نے والدین میں پیدا کی ہے کہ نافرمان اور باغی اولاد پر رحم وکرم کرتے ہیں۔ چوتھی وجہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عبادات وطاعات میں خیر وبرکت ڈالتا اور بربادی سے بچاتا ہے اسی طرح والدین اولاد کے مال وغیرہ بڑھانے کی کوششیں کرتے ہیں اور نقصان سے بچاتے رہتے ہیں۔ (تفسیر اللباب) پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور والدین کے حقوق میں فرق بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق توحید کے ساتھ عبادت ہے اور والدین کا حق عبادت نہیں بلکہ احسان ہے یعنی سب سے زیادہ انعام کرنے والے والدین ہیں مگر پھر بھی بندگی کے حقدار نہیں ہیں تو کسی اور کی بندگی کیسے ہو سکتی ہے؟۔

وَذِي الْقُرْبَىٰ : قُرْبٰی قرابۃ کے معنی میں مصدر ہے ان کو والدین کے بعد اس لیے ذکر کیا ہے کہ قرابتیں والدین کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں یعنی وہ لوگ جو ماں یا باپ کے ذریعے سے قریبی بن گئے ہیں اس میں ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام سب داخل ہو گئے۔ (وَذِي الْقُرْبَىٰ) کو مفرد ذکر کیا کیونکہ مراد جنس ہے دوسری بات یہ ہے کہ اضافت مصدر کی طرف ہوئی ہے تو تمام قرابت والوں کو شامل ہے۔ وَالْيَتَامَىٰ : یتیم کی جمع ہے مراد وہ بچہ ہے جس کا والد فوت ہوا ہو اور یہ بچہ نابالغ ہو اور علامہ ماوردی نے اس بچہ کو بھی شامل کیا ہے جس کی والدہ فوت ہو گئی ہو۔ تین وجوہات سے یتیموں کی رعایت ضروری ہے۔ کم سن ہونا والدین کا نہ ہونا اور ایسے وارثوں کا نہ ہونا جو ان کی اصلاح وتربیت کرنے والے ہوں جبکہ یہ خود اپنی اصلاح یا ضرورت پوری کرنے سے قاصر ہو۔ وَالْمَسَاكِينِ : مسکین کی جمع ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسکین فقیر سے زیادہ محتاج ہوتا ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے برعکس فقیر مسکین سے زیادہ محتاج ہے لیکن اس فرق کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کلام میں دونوں اکٹھے ذکر ہوئے ہوں اور جب الگ الگ ذکر ہوں تو پھر اس میں فرق کا لحاظ نہیں ہوگا البتہ مسکین ہر ایک درجہ میں یتیم سے ادنیٰ نہیں ہے کیونکہ یہ خود کسب کمائی کر سکتا ہے اور اپنی حاجات کی اصلاح وغیرہ بھی خود کر سکتا ہے۔ فائدہ: ذَوِي الْقُرْبَىٰ کو مفرد اور يَتَامَىٰ وَمَسَاكِين کو جمع ذکر کیا ہے اس میں اس بات کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرف اشارہ ہے کہ قرابت جب ایک جانب میں ہو تو اس میں احسان وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے برخلاف یتیموں، مسکینوں کے اور ذوی القربی کو اس مقام پر (با) کے بغیر ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ سورۂ نسآء، 36 میں (با) کے ساتھ مذکور ہے وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں عہد بنی اسرائیل کا ذکر ہے جو حقوق والدین کے علاوہ دیگر حقوق نہیں جانتے تھے۔ تو اس وجہ سے ذوی القربی کے حقوق کو والدین کے حقوق میں تاکید کیلئے داخل کیا اور سورۂ نسآء میں خطاب اس امت کے لوگوں کو ہے جو ان تمام حقوق کو الگ الگ جانتے ہیں نیز اس آیت میں چار کے سوا اور حقوق ذکر نہیں ہیں جبکہ سورۂ نسآء میں مزید حقوق کا ذکر ہے کیونکہ اس سورت میں بنیادی مضمون میثاق کا ذکر ہے تو اس کے ساتھ اہل حقوق کا اختصار مناسب ہے اور سورۂ نسآء میں حقوق کی تفصیل مقصود ہے اس لیے وہاں تمام اہل حقوق کا ذکر ہے۔ **وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا** : حُسْناً مصدر ہے اور حَسَناً صفت کے معنی میں ہے۔ دنیا کی خوبصورتی میں مبالغہ آرائی کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے احسان کا ذکر ہوا جو کہ اکثر اعمال میں مستعمل ہوتا ہے تو اب اقوال کے حسن کا تذکرہ ہو رہا ہے اور اقوال میں حسن پیدا کرنا۔ اعمال میں حسن پیدا کرنے سے آسان ہے اس لیے عام طور پر الناس فرمایا ہے اور (حُسْناً) کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں: 1۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنا اور اس کی دعوت دینا۔ 2۔ سچ کی گواہی دینا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (ابن جریج) 3۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا۔ 4۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ نرم لہجے سے گفتگو کرنا اور خوبصورت جواب دینا۔ بہتر قول یہ ہے کہ مذکورہ تمام اقوال کو شامل ہے کیونکہ الفاظ میں عمومیت ہے اور حُسْناً سے مراد بغیر مداہنت کے دعوت دینا ہے مگر نرم لہجے اور خندہ پیشانی سے ہر اچھے اور برے کو خواہ اہل بدعت میں سے ہو یا اہل سنت میں سے ہو۔ سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اسی طرح حکم دیا گیا تھا۔ سورۂ طٰہٰ 44 میں اور اس زمانہ کے داعی ان دونوں نبیوں سے افضل نہیں ہیں اور اس وقت کا فاسق فرعون سے زیادہ خبیث نہیں ہے جب ان دونوں کو میدان دعوت میں نرمی کا حکم ہے تو یقیناً اس زمانے کے داعیوں کو بھی نرمی اختیار کرنا لازمی ہے اس آیت میں یہود ونصاریٰ داخل ہیں اور اس امت کے موحدین تو بدرجہ اتم اس میں داخل ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

تفسیر فتح العزیز میں ہے کہ بعض جاہل اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی کو ایسی بات کی دعوت نہیں دینی چاہیے جس سے وہ ناراض ہو اگرچہ وہ حق ہو مگر ان کا یہ خیال باطل ہے۔ حسنا سے مراد وہ قول ہے جو مخلوق کے بجائے اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور یہ بھی معنوی اعتبار سے میثاق میں داخل تھا یعنی (لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ) **وَأَنْ تَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا** ۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احکام بنی اسرائیل پر واجب تھے اور ہماری اس امت پر بھی سورۂ نساء کی آیت سے واجب ہے اور یہ جہاد وقتال کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مراحل ہیں نیز اس کو منسوخ نہیں کہا جائے گا البتہ جنہوں نے منسوخ تصور کیا ہے وہ ایک تاویل کی بناء پر ہے جس میں انہوں نے حسنا کو قتال کے مقابل لیا ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ: اس سے صلوۃ وزکوۃ مراد ہے جن کا حکم تورات میں ان کو دیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ عبادات تمام آسمانی ادیان میں فرض کی گئی تھیں البتہ کیفیات ومقدار میں فرق تھا۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ: اس کے مخاطب وہ بنی اسرائیل ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اگرچہ اس میں ان کے بعض دیگر اکابر بھی داخل ہیں۔ (إِلَّا قَلِيلًا) اس سے مراد ان کے وہ بزرگ اکابر ہیں جو اپنے صحیح دین اور وعدوں پر پختہ پابند تھے اور وہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لا تھے ان کے علاوہ باقی بڑوں اور ان کی آنے والی نسلوں نے ان کی مخالفت کی تھی یعنی توحید کو شرک سے احسان کو ظلم سے بدل ڈالا اور دعوت حق کو بالکل فراموش کر گئے تھے نماز وزکوۃ کو برباد کیا تھا۔

وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ: تولی اور اعراض میں فرق ہے اور وہ اس طرح ہے کہ تولی بدن کے ذریعے سے ہوتا ہے جبکہ اعراض دل سے ہوتا ہے۔ (قرطبی) تولی حق سے گمراہی کی طرف واپس پلٹنا ہے جبکہ اعراض حق راستے کی مخالفت کو کہا جاتا ہے۔ (تفسیر البحر المحیط) اور اسی طرح ان دونوں کے متعلقین میں بھی فرق ہے۔ مثلاً: تولی وعدہ کی خلاف ورزی ہے جبکہ اعراض تو آخری نبی پر ایمان لانے سے منہ پھیر دینا ہے۔ تولی گزرے ہوئے زمانے میں اور اعراض حال اور استقبال کے زمانے میں۔

تفسیر 84: اس آیت میں ان کے دو وعدوں کا ذکر ہے جو تورات میں مذکور تھے اور انہوں نے ان وعدوں پر ایمان لایا تھا۔ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ: یہ نفی بمعنی نہی ہے۔ سوال: کوئی انسان اپنے آپ کو قتل نہیں کرتا ہے تو پھر نہی کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اپنے آپ کو اس فساد سے نکال کر امن میں لانے کے لئے قتل کرنا درست اور صحیح ہے یہ عقیدہ ہندوؤں میں موجود ہے۔ (قرطبی، اللباب) اور بعض لوگ جہالت کی وجہ سے دنیاوی مصائب سے تنگ آ کر اپنے آپ کو قتل کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے لیکن دوسرے کے قتل کو اپنے قتل کے مترادف قرار دیا ہے ملت قوم نسب ایک ہونے کی وجہ سے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اپنے قتل کے اسباب پیدا کرنا مراد ہے یعنی (محصن) شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب کریں یا بے گناہ کو قتل کریں یا پھر اسلام سے مرتد ہو جائیں تو اس کی وجہ سے قتل کیا جائے تو یہ قتل سببی ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے لڑنا جن سے لڑنے کی طاقت ہی نہ ہو تو یہ بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصل میں اپنے آپ کو قتل کرنا ہے تو یہ بھی قتل ہی ہے یہ لفظ ان سب کو شامل ہے۔ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ : اس میں بھی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مراد انفس ہم جنس ہیں اور دِيَارِكُمْ سے مراد دِيَارِهِمْ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اخراج سے مراد کسی اور کو نکالنا اپنے نکالے جانے کا سبب ہوگا جب وہ ان پر غلبہ حاصل کریں گے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گھروں سے نکل جانے سے مراد خلاف سنت نکل جانا ہے یعنی جیسا کہ صوفی گھروں سے نکل جاتے ہیں گھروں میں واپس ہی نہیں آتے، صحراؤں میں بسیرا اختیار کر لیتے ہیں، گوشت نہیں کھاتے، شادی نہیں کرتے اور ان تمام امور کو اجر وثواب سمجھتے ہیں۔ اس کے متعلق مفسر امام قرطبی رحمہ اللہ نے بغیر سند کے ایک روایت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ روایت کسی معتبر کتاب میں سنداً موجود نہیں ہے (البتہ وہ روایت جس میں تین صحابہ کرام کے اعمال کا تذکرہ آیا ہے کہ ایک نے شادی نہ کرنے کا عزم کیا تھا دوسرے نے ساری رات عبادت اور تیسرے نے مستقل روزوں کے رکھنے کا عزم کیا تھا مگر تینوں کو نبی کریم ﷺ نے منع فرماتے ہوئے ان کے اس عمل کو خلاف سنت قرار دیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث 5063، صحیح مسلم حدیث 1020)۔ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ : اقرار سے مراد عہد کو زبان سے قبول کرنا ہے یا مراد یہ ہے کہ سابقہ بنی اسرائیل سے یہ وعدہ لیا گیا تھا اور بعد والوں نے بھی اس کا اقرار کر لیا۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ : اس سے مراد شہادت علمی ہے یا مراد یہ ہے کہ تم اقرار کرتے ہو اور شہادت دیتے ہو اپنے اکابر کے اس اقرار اور میثاق کو قبول کر لینے کا جو انہوں نے اپنے دور میں کیا تھا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى
اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿85﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾ "پھر تم اے لوگوں قتل کرنے لگے ایک دوسرے کو اور نکالنے لگے ایک جماعت ان کے گھروں سے اور مدد کرنے لگے تم ایک دوسرے کے ساتھ ان کے مقابلے میں گناہ کے ذریعے ظلم کرتے ہوئے اور اگر جاتے وہ تمہارے پاس قیدی بن کر تو جرمانہ دیتے ہو تم ان کی (خلاصی) کے لئے جبکہ حرام ہے تمہارے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کا نکالنا، کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو تم میں سے جو بھی ایسا کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت میں سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔" [85] "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، نہ تو ہلکا ہوگا ان سے عذاب اور نہ ہی مدد کی جائے گی۔" [86]

تفسیر 85: اس میں تین طریقوں سے بنی اسرائیل کا اس وعدے سے انحراف کا ذکر ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے قتل کا ارتکاب کیا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کو گھروں سے نکالا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس جرم پر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ اور یہ بھی تَوَلَّيْتُمْ (منہ موڑنے) کی طرح ہے جو سابقہ آیت میں گزر چکا ہے البتہ اس آیت میں اکثر اوامر کا ذکر تھا اور اوامر کے خلاف کرنے کو تولی اور اعراض کہا جاتا ہے جبکہ اس آیت میں منہیات سے مخالفت کرنا مذکور ہے اور وہ منہیات کے ارتکاب کے ساتھ ہوتا ہے۔

تنبیہ: اس آیت میں نزول قرآن کے وقت موجود بنی اسرائیل سے خطاب ہے اور تفصیل اس کی کچھ یوں ہے کہ مدینہ منورہ میں دو قبیلے آباد تھے۔ اوس اور خزرج زمانہ جاہلیت سے ان کی بیچ دشمنی چل رہی تھی۔ جبکہ مدینہ منورہ کے اردگرد یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ (۱) بنو نضیر (۲) بنو قریظہ (۳) بنو قینقاع

اور ان کے درمیان بھی دشمنی تھی تو بنو نضیر والوں نے خزرج سے اتحاد کیا جبکہ بنو قریظہ والوں نے اوس سے اتحاد کر لیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بنو قینقاع خزرج والوں کے اور بنو نضیر بنو قریظہ والے دونوں اوس قبیلے کے اتحادی تھے۔ (واللہ اعلم)

جب اوس اور خزرج کے بیچ جنگ چھڑتی تو یہودیوں کے قبیلے بھی اپنے اپنے حلیف کی مدد کیلئے سرگرم ہوتے یعنی اول قول کی بناء پر بنو نضیر خزرج والوں کے اور بنو قریظہ والوں کی مدد کرتے اس غارت گری میں ایک دوسرے کے افراد کو قتل بھی کرتے اور گھروں سے بھی نکالتے تھے تو ایسی صورت میں اوس اور خزرج والے یہودیوں کے قبیلوں پر اعتراض کرتے کہ ہم تو عوام الناس ہیں مگر تم تو اہل کتاب ہو تمہاری کتاب میں قتل اور گھروں سے بے دخل کرنا تو حرام قرار دیا گیا ہے تم کیوں ایسا کرتے ہو تو وہ جواب دیتے کہ یہ گروہ بندی اور تعصب کی وجہ سے کرتے ہیں جب وہ دوسرا اعتراض کرتے کہ جب تمہاری قید میں اہل کتاب یعنی دشمن آجاتے ہیں تو تم ان کا فدیہ دیکر کیوں چھڑاتے ہو تو وہ جواب دیتے کہ یہ تو ہماری کتاب میں موجود ہے اس پر ہم عمل کرتے ہیں تو اس آیت میں بطور تنبیہ و توبیخ انکا تفصیلی حال ذکر ہوا ہے۔

ثُمَّ أَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ: اس کے اعراب میں توجیہات ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1۔ "أَنْتُمْ" مبتدا اور "هٰؤُلَاءِ" خبر ہے جبکہ (تَقْتُلُوْنَ) حال ہے۔ 2۔ بقول ابن عطیہ: أَنْتُمْ خبر مقدم ہے اور هٰؤُلَاءِ مبتدا موخر ہے اور (تَقْتُلُوْنَ) حال ہے۔ صاحب اللباب نے اس توجیہ کو فاسد قرار دیا ہے۔ 3۔ "أَنْتُمْ" مبتدا ہے اور "هٰؤُلَاءِ" منادیٰ ہے مگر حرف ندا مخاطبین کی تذلیل کیلئے حذف ہوا ہے اور (تَقْتُلُوْنَ) خبر ہے۔ امام قرطبی نے نحاس سے اور صاحب اللباب نے جمہور بصریوں سے اس توجیہ کا ضعف نقل کیا ہے۔ 4۔ "أَنْتُمْ" مبتدا ہے اور "هٰؤُلَاءِ" بطور تخصیص منصوب ہے اور اعنی اس میں مقدر ہے۔ (ابن کسان) مگر صاحب اللباب نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ کیوں کے اسم اشارہ اور نکرہ میں تخصیص نہیں ہوتی ہے۔ 5۔ أَنْتُمْ مبتدا اور هٰؤُلَاءِ خبر ہے معنی یہ کہ تم وہی کم عقل لوگ ہو اور (تَقْتُلُوْنَ) جملہ مستانفہ ہے جو ان کی حماقت کا بیان ہے اس توجیہ کو زمخشری رحمہ اللہ نے سورۂ آل عمران میں ذکر کیا ہے۔ (اس کے علاوہ اور بھی توجیہات ہیں ان میں اول اور آخری توجیہ بہتر ہے)

تَقْتُلُوْنَ أَنْفُسَكُمْ: یہ میثاق سے عہد شکنی کا ذکر ہے جو گزری ہوئی آیت میں ذکر تھا۔ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ: اس سے مراد دوسرے میثاق کی مخالفت ہے اس سے معلوم ہوا کہ سابقہ آیت میں أَنْفُسَكُمْ اور دِيَارِكُمْ سے مراد ہم جنس ہیں۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ: یہ جملہ حال ہے۔ تَقْتُلُوْنَ وَتُخْرِجُوْنَ کی ضمیر سے۔ تظاہر ظہر سے لیا گیا ہے امداد کے وقت ہر ایک دوسرے کی پشت مضبوط کرنا یہاں باب تفاعل ہے یعنی تم ایک دوسرے کے مقابلے میں فریق مخالف کی مدد کرتے ہو۔ اگرچہ اس کا ذکر میثاق کی جانب میں ظاہراً نہیں ہوا ہے مگر یہ نقض میثاق میں داخل ہے مگر یہ بات تو واضح ہے کہ قتل اور گھروں سے نکالنا تو گناہ ہے تو لازمی نتیجہ یہ ہوا اس عمل سے ایک دوسرے کے ساتھ امداد کرنا بھی حرام ہے۔ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ: اثم اصل میں گناہ کو کہا جاتا ہے جس کا عامل ملامت و مذمت کا مستحق ہو یعنی وہ عمل جس سے فطرت سلیم نفرت کرے۔ الْعُدْوَانِ: حد شرعی سے تجاوز کو عدوان کہا جاتا ہے ان دونوں میں تین وجوہات سے فرق ہے۔ 1۔ اثم حقوق اللہ میں گناہ ہے اور عدوان حقوق العباد میں گناہ ہے یعنی ظلم وغیرہ۔ 2۔ اثم فسق و فجور ہے اور عدوان بدعت کا گناہ ہے۔ 3۔ پہلی آیت میں جن مواثیق کا ذکر ہے ان کی مخالفت کو اثم جبکہ دوسری آیت میں جن مواثیق کا ذکر ہے ان کی مخالفت کو عدوان کہا جاتا ہے۔ فائدہ: سورۂ مائدۃ 2 میں (وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ) آیا ہے یعنی یہاں پر (با) اور وہاں پر (علیٰ) ذکر ہے تو (با) میں اشارہ ہے کہ قتل اور گھروں سے نکالنے میں تعاون بذات خود گناہ ہے جیسا کہ وہ دونوں عمل فی نفسہٖ گناہ اور ظلم ہیں۔ اور لفظ علیٰ میں اشارہ ہے کہ کسی کی اس طرح مدد کرنا کہ وہ ظلم و زیادتی پر ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی قدرت اور طاقت پالے یعنی کسی کو ظلم کے اسباب مہیا کرنا اگر چہ خود اس عمل میں شریک نہ ہو پھر بھی گناہ ہے۔ لہٰذا (تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ) تظاہر سے عام ہے۔ اسطرح قرآن مجید کی اصطلاح میں شر ظاہر میں مدد کرنے کیلئے مختص ہے جیسا سورۂ قصص 48 اور سورۂ تحریم 4 اور تعاون میں خیر وشر دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَى تُفَادُوهُمْ یہ ان کے دوسرے عمل کا ذکر ہے جو انہوں نے نیکی کا عمل شرکی نیت سے کیا تھا یعنی آپس کی جنگوں لڑائیوں میں مخالف فریق کے افراد کو قیدی بنا کر پھر ان کیلئے فدیہ جمع کر لیتے اور ان کو چھڑا لیتے یعنی اوس قبیلے کے لوگ بنو قریظہ کے لوگوں کی دوستی کی وجہ سے بنو نضیر کے افراد قید کر لیتے تو بنو قریظہ والے فدیہ جمع کر کے اوس قبیلے کو دے دیتے۔ اور وہ قیدی ان سے چھڑا لیتے اور نیت فاسدہ یہ تھی کہ قیدی چھڑانے کیلئے فدیہ زیادہ جمع کر لیتے اور تھوڑا اوسے دیتے اور باقی ان کے بڑے آپس میں تقسیم کر لیتے تو یہ خیانت تھی لیکن اگر ان سے کوئی پوچھتا کہ تم تو ان کو قتل کرتے ہو اور گھروں سے بھی نکالتے ہو اور جب قید ہو جائیں تو پھر فدیہ ادا کرنے سے کیوں چھوڑ دیتے ہو تو یہ لوگ دھوکا دینے کیلئے کہتے کہ اس فدیہ کا تو تورات میں حکم مذکور ہے لہٰذا ہم کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں۔ أُسَارَى: جمع أسرى کی ہے اور وہ جمع اسیر کی ہے تو أسارى جمع الجمع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اساری جمع أسیر کی ہے۔

تُفَادُوهُمْ: دشمن کے ہاتھ سے قیدی چھڑانے کیلئے فدیہ دینا۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ: هُوَ ضمیر شان اور مبتدا ہے اور مُحَرَّمٌ خبر مقدم ہے اور (إِخْرَاجُهُمْ) مبتدا موخر ہے اور یہی جملہ خبر ہے۔ هُوَ کیلئے یا هُوَ ضمیر اخراج کی طرف راجع ہے اور إِخْرَاجُهُمْ اس کی تفسیر ہے یا هُوَ ضمیر امر کی طرف راجع ہے اور إِخْرَاجُهُمْ اس سے بدل ہے۔

سوال: قتل اور اخراج اور تظاھر تمام حرام ہیں تو اخراج کی تخصیص کیوں کی؟۔

جواب 1۔ قتل کی نسبت میں یہ خفیف تھا تو وہم آرہا تھا کہ یہ حرام نہیں ہوگا صرف مکروہ ہوگا تو وہم کو ختم کرنے کیلئے اس کی تصریح ہوئی۔ جواب 2۔ قتل سے تو انسان ختم ہو جاتا ہے لیکن اخراج سے ذلیل اور شرمندہ ہوتا ہے اور ذلت ہمیشہ تک جاری رہتی ہے تو اس اعتبار سے قتل کی بنسبت گھروں سے نکالنا زیادہ سخت رسوا کن ہے۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ: ایمان سے مراد قیدی کو فدیہ کے ذریعے سے آزاد کرنا ہے اور کفر سے مراد قتل کرنا اور گھروں سے نکالنا اور ناجائز تعاون کرنا ہے۔ سوال: قتل اور اخراج وغیرہ تو اعمال ہیں اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک معصیت کی وجہ سے انسان کافر نہیں ہوتا۔ جواب 1۔ میثاق کے وجوب سے انہوں نے انکار کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا، اور تورات میں اس کے واجب ہونے پر تصریح ہے تو فرض کے انکار سے کفر حقیقی لازم آتا ہے۔ **جواب 2**۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر میں کہا ہے کہ یہ ایمان عملی اور کفر عملی ہے یہاں پر ایمان اعتقادی ہے کہ جس کے مقابل کفر اعتقادی ہوتا ہے وہ مراد نہیں ہے۔ دوسری توجیہ: ان جملوں میں یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جبکہ دونوں کی تصدیق تورات میں ذکر ہے اور یہ ایمان اعتقادی اور کفر اعتقادی ہے۔

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا : یہ تخویف اور عقوبت پر تفریع ہے ان کے گزشتہ طریقے پر (ما) نافیہ ہے اور جزاء مبتدا ہے (اِلَّا خِزْيٌ) استثناء مفرغ ہے اور خبر ہے مبتدا کا یا (مَا) استفہامیہ مبتدا ہے اور جزاء خبر ہے اور (اِلَّا خِزْيٌ) بدل ہے جزاء سے (جَزَآءُ) مطلق بدلے کو کہا جاتا ہے اگرچہ خیر ہو یا شر ہو۔ (خِزْيٌ) حقارت ورسوائی، ذلت اور غضب کو کہا جاتا ہے اسی طرح خِزْيٌ بے حیائی اور شرمندگی کو بھی کہا جاتا ہے اسی طرح مصیبت کے بڑھ جانے کو بھی کہتے ہیں۔ (خِزْيٌ) عام ہے ہر قسم کی ذلت اور توہین کو شامل ہے تو ہی تفسیر کا مدینہ سے جلا وطن کرنا اور پھر خیبر سے اور قتل بنو قریظہ والوں کا اور ان کو قید کرنا اور بعضوں پر نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جزیہ مقرر کرنا۔ (خِزْيٌ) رسوائی میں یہ سب داخل ہیں۔ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ** : یہ اخروی تخویف ہے۔

سوال: دہری کافر کا عذاب تو ان یہودیوں سے زیادہ سخت ہے؟۔ جواب: یہاں پر اشد سے دنیاوی عذاب مراد ہے۔ جیسا کہ سورۃ **حٰم السجدۃ** 16 میں ہے۔ سوال: (يُرَدُّوْنَ) رد سے ماخوذ ہے اور رد تو کہا جاتا ہے پہلی حالت کی طرف واپسی یہاں تو دونوں حالتوں میں فرق ہے؟۔ جواب: یہاں پر رد نفس صیرورت کے معنیٰ میں ہے معنیٰ واپسی کا مراد نہیں ہے یا یہ کہ دنیا میں بھی یہ لوگ ایک قسم کے عذاب میں ہیں اور آخرت میں دوسرے قسم کے عذاب میں ہونگے لیکن جنس عذاب ایک ہے۔ **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** : مقصد اس میں زجر اور توبیخ ہے۔

تفسیر 86: اس آیت میں گزشتہ خطاب پر زجر اور تخویف اخروی کی وعید ہے اور اس میں گزری ہوئی قباحتوں کے سبب کا ذکر ہے کہ دنیا کو آخرت کے بدلے میں پسند کرتے ہیں اور یہ بہت بڑی بیماری ہے۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ : تخفیف کے بہت سارے طریقے ہیں۔ 1: آسانیاں۔ 2: ختم کرنا۔ 3: کم کرنا۔ 4۔ (تخفیف) اوقات میں سے کسی ایک وقت میں آسانی پیدا کرنا اور یہاں پر تمام طریقوں کی نفی کی گئی ہے کیونکہ یہاں تخفیف کی ماہیت کی نفی ہے۔ جو کہ تمام صورتوں کیلئے مستلزم ہے۔ سوال: حدیث صحیح میں ہے کہ ابو طالب کے لئے آسان عذاب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوگا کہ پاؤں میں آگ کے دو جوتے ہوں گے۔ اور اس سے اس کا دماغ ابل رہا ہوگا؟۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار حدیث 3885-6564) جواب: (الْعَذَابُ) میں الف لام عہدی ہیں یعنی جو عذاب کافر کیلئے ابتداء سے مقرر ہوا تو اس میں کسی قسم کی تخفیف نہیں ہو سکے گی۔ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ: نصرت سے مراد عذاب سے بچانا ہے۔ یا غلب دینا ہے عذاب دینے والے پر اور صیغہ مجہول کیساتھ نفی میں اشارہ ہے کہ یہ نصرت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے بھی نہیں ہے ان کے معبودوں اور باقی دوستوں کی طرف سے بھی نہیں ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ "اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ان کے بعد ہم نے پے در پے اور رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کو مضبوط کیا لیکن جب بھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تم نے عجب سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔" [87] "یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل علم سے بھرے ہوئے ہیں۔ بلکہ لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے، بہت کم ان میں سے ایمان لاتے ہیں۔" [88] "اور جب آئی ان کی پاس (قرآن) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق کرنے والی ان کی کتابوں کی جو ان کے پاس ہیں، اور اس سے پہلے یہ لوگ خبر دیتے تھے (آخری نبی کی بعثت) کی ان لوگوں کو جو (اُمّی) کافر تھے پھر جب آئے ان کے پاس وہ جس کو انہوں نے پہچانا تو انکار کیا اس کا تو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر۔" [89]

تفسیر 87: اس آیت سے 88 تک دو آیتوں میں بنی اسرائیل کے خطابات میں سے چوتھا خطاب ہے۔ اس خطاب میں ان کی مزید خباثتوں کا ذکر ہے یعنی نبیوں کی تکذیب اور قتل مذکور ہے اس لیے اس کے شروع میں (وَلَقَدْ) الفاظ قسم لائے۔ ربط: پہلی آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ پہلے آپس کے قتل کا ذکر تھا تو اب اس میں پیغمبروں کے قتل ذکر ہو رہا ہے اسی طرح پہلے مواثیق (وعدے) ذکر کیے کہ انہوں نے خواہش کی اتباع کی وجہ سے اس کو چھوڑا تھا تو اب ذکر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اویان کے ہمیشہ خواہشات کے خلاف ہوتے ہیں۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ :اس سے مراد تورات ہے اور اس سورۃ کی آیت نمبر 53 میں بطور انعام کے ذکر کیا۔ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ :قَفَّيْنَا : قفاء سے ماخوذ ہے اور قفء سر کے آخری حصے کو کہا جاتا ہے اور تقفیہ ایک چیز کو دوسری چیز کے پیچھے لانا ہے۔

سوال: (قَفَّيْنَا) اور (مِنْ بَعْدِهِ) دونوں بعد میں ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو پھر ایک پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟؟۔

جواب: (مِنْ بَعْدِهِ) دلالت کرتا ہے زمانے کے مؤخر ہونے پر اور (قَفَّيْنَا) دلالت کرتا ہے تورات کی اتباع پر یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تک جتنے انبیاء بنی اسرائیل میں آئے ہیں تو وہ تورات کے تابع تھے تورات کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے اور سب موسیٰ علیہ السلام کے دین کی تجدید کرتے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ ہر زمانے میں بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے دین اور تورات کے خلاف کرتے رہے باوجود اس کے کہ دعویٰ موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان کا کرتے اور اس کی تشریح سورۃ مائدۃ 44 میں ہے۔ سوال: معلوم ہوا کہ ان انبیاء کی مستقل کتاب اور شریعت نہیں تھی تو انہیں رسل کیوں کہا گیا؟ جواب: یہاں پر رُسُلِ دعوت پہنچانے اور تبلیغ کرنے کے اعتبار سے کہا گیا ہے یعنی حقیقتاً رسول نہیں تھے ان کو مجازاً رسل کہا ہے اور سورۃ مائدہ 44 میں ان کو النَّبِيُّونَ کہا ہے۔ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ : اشارہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو نئی شریعت اور کتاب دی گئی اور اس کے بعض احکام تورات کے خلاف تھے تو بنی اسرائیل اس کی بہت مخالفت کرتے تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت معجزے دیئے اور روح القدس سے تائید کی تاکہ یہ لوگ تصدیق کرلیں۔ عیسیٰ: صحیح قول یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے اور یہ معرب ہے اور اصل اس کی یسوع یا یشوع ہے اور وہ سریانی میں مخلص کے معنیٰ میں ہے اور (مریم) سریانی میں خادمہ کے معنیٰ میں ہے یا عابدہ کے معنیٰ میں ہے۔

فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ہمیشہ ماں کی طرف کی گئی ہے اگرچہ یہ آداب شرعیہ اور عرف دونوں کے خلاف ہے۔ شرعی آداب سورۃ احزاب 5 میں (ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ) میں مذکور ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

الْبَيِّنَاتِ: جمع بینۃ کی ہے ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو خود واضح ہو اور دوسری چیز کو بھی واضح کرے تو اس کا وحی اور عقلی دلائل اور معجزات پر اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات مراد ہیں جو سورۃ آل عمران 49 اور سورۃ مائدہ 110 میں مذکور ہیں۔ (تفسیر قرطبی) وَأَيَّدْنَاهُ: یہ اید سے ماخوذ ہے قوت کے معنیٰ میں ہے۔ بِرُوحِ الْقُدُسِ :امام راغب نے کہا ہے کہ روح اصل میں اس جزء کو کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ حیوان کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور مجاہد نے کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ القدس اور قدوس اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی عظمت کی وجہ سے ہے اور روح القدس اکثر اہل علم کے نزدیک جبرائیل علیہ السلام ہیں (صحیح بخاری حدیث 453، 3040، 5800، ابوداؤد 5015) جیسا کہ سورہ نحل 102 میں یہ معنی ہے اور سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ وَجِبْرِيْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْنَا وَرُوْحُ الْقُدُسِ لَيْسَ بِهٖ كَفَاءٌ۔ ہمارے درمیان ایک پاک روح القدس ہے جس پر کوئی پوشیدگی نہیں۔

اور اس کو روح اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ وحی لاتے ہیں اور وحی دلوں کی زندگی کا سبب ہے اور نحاس رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس وجہ سے اس کو روح کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو پیدا کیا ہے والد اور والدہ کی ولادت کے بغیر اور بعض نے کہا ہے کہ روح القدس انجیل ہے جیسا کہ قرآن کو کہا گیا ہے۔ سورہ نحل 2 میں اس وجہ سے کہ اللہ کی کتاب سبب ہوتی ہے دلوں کی حیات کیلئے اور بعض نے کہا ہے کہ روح القدس وہ اسم اعظم تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے ذریعے سے مردوں کو زندہ کرتے لیکن ان تمام اقوال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور جبرائیل کی تائید تو تمام انبیاء کے ساتھ تھی لیکن عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ خصوصی تائیدات ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کی بشارت اس کی والدہ کو دی تھی۔ دوسری جبرائیل کے نفخ کیساتھ پیدا ہوا، تیسری یہ کہ تمام حالات میں اس کی تربیت کی ہے۔ چوتھی وہ جہاں جاتے ان کے ساتھ چلتے۔ پانچویں: ان کے ساتھ آسمان تک چڑھے تھے۔ (تفسیر البحر المحیط لابن حیان) أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ: یہ زجر کا مقام ہے اور ان کی قباحت کا بیان ہے۔ ہمزہ استفہامیہ (توبیخ، ذلت اور ڈانٹ) کیلئے ہے۔ (بِمَا لَا تَهْوٰۤى أَنْفُسُكُمْ) تَهْوٰى: هَوٰى سے لیا گیا ہے۔ ھوٰی اصل میں میلان کو کہا جاتا ہے تو (ھوٰی) خواہش پرستی میں بھی حق سے پھرنا ہوتا ہے اور جہنم میں گرنا ہے اور اسی وجہ سے ھوٰی کا اکثر استعمال ناحق اور بے فائدہ چیز میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی ھوی خیر کے مقام میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ ابراہیم 32 میں اور صحیح مسلم کی حدیث میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں (عمر رضی اللہ عنہ کا قول)

فَهَوِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ وَلَمْ يَهْوَ مَا قُلْتُ

میرے قول کے بجائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان ہوا۔

اور دوسری صحیح حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ: وَاللّٰهِ مَا أَرٰى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ" (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4788 صحیح مسلم 1464) قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں نے تیرے رب کو نہیں دیکھا مگر وہ تیری خواہش پورا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ اور جب بری خواہش نفس سے پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کی اسناد نفس کی طرف کی گئی۔ **اَسْتَكْبَرْتُمْ** : یہ ھمزہ (توبیخ) ذانٹ وارد ہونے کی جگہ ہے۔ استکبار تکبر کرنے کے معنی میں ہے اور یہ استکبار انکا اطاعت رسول سے تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو حقیر اور منصب رسالت سے دور سمجھتے تھے۔ **فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ** : یعنی انبیاء کی تکذیب اور قتل علامت تکبر ہے قتل پر تکذیب کو مقدم کیا ہے اس لیے کہ یہ استکبار کیوجہ سے پہلا فعل تھا اور تکذیب سبب ہے قتل کرنے کیلئے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تکذیب مقتول اور غیر مقتول دونوں میں مشترک تھی۔ **وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ** : یعنی جن کو قتل کرنے کی طاقت رکھتے تھے تو ان کو قتل کرتے اور جن کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو ان کی صرف تکذیب کرتے اور قتل کو صیغہ مضارع سے ذکر کیا ہے اور یہ اس عمل کی قباحت میں مبالغہ پیدا کرنے کیلئے بطور حکایت ماضی ذکر کیا ہے۔ یا ان کے اس ارادے کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے قتل کے بارے انہوں نے کیا تھا لہذا فعل مضارع کے ساتھ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قتل وغارت گیری ان کی عادات میں سے ہے نیز یہ واضح دلیل ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا تھا۔

فائدہ 1 : بِمَا لَا تَهْوٰى میں اشارہ ہے کہ انبیاء کا دین ہمیشہ لوگوں کی خواہشات کے خلاف ہوتا ہے اور دین کے خلاف ہر خواہش بدعت ہوتی ہے اور اس کی پیروی حرام ہے۔ فائدہ 2 - اسی طرح سورۃ مائدہ کی آیت 70 میں بھی مذکور ہے لیکن دونوں آیتوں میں چار وجوہات سے فرق ہے۔ 1- یہاں پر موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اور تقفیہ (ایک نبی کا دوسرے نبی کے بعد آنا) اور باقی رسولوں کا ذکر ہے جبکہ سورۃ مائدۃ میں پختہ وعدہ لینے اور ارسال رُسُل کا ذکر ہے۔ 2- دوسری وجہ یہاں پر (**أَفَكُلَّمَا**) ھمزہ اور (فا) کے ساتھ ہے اور سورۃ مائدہ میں یہ دونوں نہیں ہیں۔ 3- تیسری وجہ یہاں پر (**جَآءَكُمْ**) ہے اور سورۃ مائدہ میں (**جَآءَهُمْ**) ہے۔ 4- چوتھی وجہ یہاں (**فَفَرِيْقًا**) ہے اور وہاں صرف (**فَرِيْقًا**) اضافی (فا) نہیں ہے۔ پہلی وجہ کہ پہلے بہت مواثیق یعنی وعدوں کا ذکر ہوا ہے تو اب مزید ضرورت نہیں تھی بلکہ کتاب دینے کی نعمت ذکر کی اور اس سورت میں ان کی قباحتوں کا ذکر کرنا مقصود تھا تو بطور الزام حجت رسولوں کا پے درپے بھیجنا ذکر کیا کہ یہی رسول ایک دوسرے کے پیچھے آتے تھے ایک دین اور ایک کتاب کی طرف دعوت دیتے تھے لیکن بنی اسرائیل نے ان کی تکذیب کی جبکہ سورۃ مائدۃ میں مواثیق پہلے نہیں تھے۔ زجر اور الزام حجت بھی مقصود نہیں تھا جیسا کہ اس سورت میں ہے اسی وجہ سے وہاں میثاق لینا اور صرف ارسال رسل ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہاں پر مقصود زجر و توبیخ ہے اسی وجہ سے ھمزہ اور فا جملے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اول میں لایا ہے اور سورۂ مائدہ میں یہ مقصد نہیں تھا۔ تیسری وجہ یہاں پر پہلی 7 آیتوں میں موجودہ بنی اسرائیل کو خطابات تھے اسی وجہ سے اس آیت میں بھی (جَآءَهُمْ) ذکر کیا ہے اور سورۂ مائدہ میں پہلے سے بنی اسرائیل کے میثاق کا ذکر تھا تو اس کے لیے غائب کی ضمیر ضروری ہے۔ چوتھی وجہ یہاں پر (اسْتَكْبَرْتُمْ) ذکر ہوا تو اس کی تفصیل کے لیے مابعد میں فاء کا حرف ضروری تھا اور سورۂ مائدہ میں (اسْتَكْبَرْتُمْ) ذکر نہیں ہے تو فائے تفصیلیہ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

تفسیر 88: اس آیت میں بھی زجر ہے اور یہ تکذیب کے طریقے کا ذکر ہے کہ پہلی آیت میں كَذَّبْتُمْ ذکر تھا یعنی تکذیب ایسے طریقے سے کی ہے۔ (وَقَالُوا) میں ضمیر انہیں مکذبین کی طرف راجع ہے۔ قُلُوبُنَا غُلْفٌ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہاں پر دو قراءت ہیں ایک لام کے سکون کیساتھ ہے۔ (اَغْلَف) کی جمع ہے غلف اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ پردے نے اس پر احاطہ کیا ہو اور اسی وجہ سے بغیر ختنے والے پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے تو مقصد منکرین کا یہ ہے کہ ہمارے دل علم سے اور باتوں کی تمیز سے پردے میں ہیں جیسا کہ سورۂ حٰم سجدہ 5 میں ہے اور یہ قول بطور مدافعت ہے یعنی انبیاء کے معجزات اور بینات کے مقابلے سے یہ لوگ عاجز تھے تو اپنے نفس کو انسانیت سے نکال کر حیوانیت میں داخل کیا یا یہ قول پوشیدہ استفہام کے طور پر ہے استفہام انکاری یعنی ہمارے دل اور ہماری سوچ قوی ہیں ہم پوری سوچ کیساتھ تمہاری باتوں سے انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر اللباب) دوسری قراءت (غُلُفٌ) میں لام کے ضمہ کیساتھ ہے اور وہ غلاف کی جمع ہے غلاف برتن کو کہا جاتا ہے اور یہ ضحاک اور ابن عطیہ رحمہا اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس معنی کیساتھ کہ ہمارے دل علم کے برتن ہیں (بھرے ہوئے ہیں علم سے) محمد ﷺ کے علم کے محتاج نہیں ہیں اور اس سے زیادہ جانتے ہیں اور اس معنی کی تائید سورۂ غافر 83 میں ہے۔

سوال: اس قراءت (لام کے سکون) میں تو یہ معنی مناسب نہیں ہے؟۔ جواب: یہاں پر حذف ضمہ کیساتھ تخفیف کی گئی ہے یا پیش کو سکون کیساتھ بدلنا ہے۔ سوال: ابن عطیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جمع (فُعُل کے وزن میں) شعری ضرورت کے بغیر پیش سکون کیساتھ نہیں بدلتا ہے اور شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ قول رد کیا ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے؟۔ جواب: ابوحیان رحمہ اللہ نے ابن مالک سے نقل کیا ہے کہ بغیر ضرورت (شعری) کے بھی جائز ہے جیسا کہ حمر میں حُمر جائز ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلے قول کی تائید کیلئے حدیث ذکر کی ہے کہ دل چار قسم کے ہیں ایک قسم (قَلْبٌ أَغْلَفُ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ قَلْبُ الْكَافِرِ) تحقیق الایمان لابن تیمیہ ص 106 ضعیف مرفو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عماواصح موقوفا لیکن یہ پہلے قول کی ترجیح پر دلالت کرتا ہے دوسرے قول کے بطلان پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

بَلْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ : یہ بل اضراب کیلئے ہے ان کے قول کا رد ہے یعنی دلوں کی نسبت پردے یا علم کے برتن کی طرف غلط اور بے دلیل ہے ہاں حق کے قبول نہ کرنے کا سبب لعنت الٰہیہ ہے اور لعنت کا سبب ان کا کفر ہے اور اس طرح سورۃ نساء 155 میں آیا ہے (لَعَن) اصل میں (بُعْد) دوری کو کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں اللہ کی طرف سے رحمت خاصہ سے محروم ہونا اور مخلوق کی طرف سے دعائے شر کو کہا جاتا ہے یہ بات برابر ہے کہ لفظ لعنت سے دعا کریں یا باقی الفاظ کیساتھ بددعا کریں۔ فائدہ: قرآن میں لعنت کا مادہ اکتالیس (41) مرتبہ ذکر ہوا ہے نسبت اور عدم نسبت کے اعتبار سے چار طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ: اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا یہ چوبیس (24) آیتوں میں ہے۔ دوسرا طریقہ: مخلوق کی طرف نسبت کرنا چار مقامات میں ہے۔ سورۃ اعراف 38، سورۃ عنکبوت 25، سورۃ بقرۃ 159، سورہ احزاب 68۔ تیسرا طریقہ: مطلق لعنت اور یہ آٹھ مرتبہ ہے۔ چوتھا طریقہ: یہ تین مقامات میں صیغہ مجہول کیساتھ ہے (بعض آیتوں میں تکرار کیساتھ ہے) اور لعنت کے اسباب ان آیتوں میں بیس (20) مذکور ہے۔

پہلا سبب: کفر ہے۔ سورۃ بقرۃ 88، سورۃ احزاب 64۔ دوسرا سبب: قرآن سے اعراض، سورۃ نساء 47۔

تیسرا سبب: نقض میثاق (وعدہ توڑنا) سورۃ مائدۃ 13۔ چوتھا سبب: مؤمن کا بے گناہ قتل۔ سورۃ نساء 93۔

پانچواں سبب: جبت اور طاغوت پر عقیدہ۔ سورۃ نساء 52۔ چھٹا سبب: منافقت کرنا، سورۃ توبہ: 68۔

ساتواں سبب: اللہ اور رسول کو ایذاء دینا، سورۃ احزاب 57۔ آٹھواں سبب: نفاق اور شرک اور اللہ تعالیٰ پر ظن سوء (بدگمانی)، سورۃ فتح 6۔ نواں سبب: بدعقیدہ لوگوں کا اپنے گمراہ اکابر کی پیروی کرنا، سورۃ عنکبوت 25۔

دسواں سبب: (کتمان) حق کو چھپانا، سورۃ بقرۃ 159۔ گیارھواں سبب: گمراہی میں اکابر کی تقلید کرنا، سورۃ احزاب 68۔ بارھواں سبب: عصیان، اعتداء اور نہی عن المنکر ترک کرنا، سورۃ مآئدۃ: 78۔ تیرھواں سبب: اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کرنا، سورۃ مآئدۃ 64۔ چودھواں سبب: پاکدامن عورتوں پر بہتان باندھنا، سورۃ نور 23۔

پندرھواں سبب: کذب (جھوٹ بولنا)، سورۃ آل عمران: 61۔ سولہواں سبب: ظلم، سورۃ اعراف، 44۔

سترھواں سبب: نقض عہد (وعدہ توڑنا) قَطْعُ الْوَصْلِ اور فَسَادٌ فِي الْأَرْضِ، سورہ رعد 25۔ اٹھارھواں سبب: دل کا مرض اور جھوٹ پروپیگنڈا کرنا، سورۃ احزاب 61۔ انیسواں سبب: یہ قول کہ (قُلُوبُنَا غُلْفٌ)، سورۃ بقرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

88۔ بیسواں سبب: موت تک توبہ نہ کرنا، سورۂ بقرۃ 161، فائدہ: سورۂ نسآء 155 میں طبع ذکر کیا ہے اور یہاں پر لعنت، لعنت تو بنسبت طبع کے بہت سخت ہے تو یہ مقام بہت زجر کا ہے اس مناسبت سے یہاں پر سخت لفظ (لعنت) ذکر کیا گیا ہے۔

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ: اس جملے کے اعراب اور معنیٰ میں بہت اقوال ہیں۔

پہلا قول: قَلِيلًا صفت ہے پوشیدہ (إِيمَانًا) کی یعنی کم ایمان لاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور بعض رسولوں کو نہیں مانتے ہیں۔ دوسرا قول: یہ صفت ہے پوشیدہ (زَمَانًا) کی یعنی کم وقت میں ایمان لاتے ہیں جیسا کہ سورۂ آل عمران 72 میں۔ تیسرا قول: اس میں حرف جر پوشیدہ ہے یعنی تھوڑی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں یہ پہلے قول جیسا ہے۔

چوتھا قول: یہ حال ہے جَمِيعًا قَلِيلًا تقدیری عبارت کے ساتھ یعنی کم لوگ ان میں ایمان لاتے ہیں اور یہ سورۃ نسآء آیت 155 کی طرح ہے۔ پانچواں قول: (ما) نافیہ ہے یعنی کم بھی ایمان نہیں لاتے اور نہ زیادہ۔ چھٹا قول: قلت بمعنیٰ نفی یعنی نہ ہونے کے معنیٰ میں ہے لیکن اس پر ابوحیان نے اعتراض کیا ہے لیکن مفسر زمخشری رحمہ اللہ نے یہ قول مفسر واقدی سے نقل کیا ہے۔ (اللباب) اور پہلے اقوال کی بناء پر حرف (ما) زائد ہے کمی کرنے میں مبالغے کیلئے یا قلت کی تاکید کیلئے ہے۔

تفسیر 89: اس آیت سے 91 تک پانچواں خطاب ہے بنی اسرائیل کے خطابات میں سے اور اس میں ان کی قباحتوں میں ترقی کا ذکر ہے اس لیے کہ پہلے خطاب میں تکذیب اور گزشتہ انبیاء کے قتل کا ذکر تھا تو اب ذکر ہو رہا ہے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کے باوجود ان کے علم اور معرفت کے اور اس کا تعلق تنبیہات کے ساتھ ہے۔ اس آیت میں زجر اور توبیخ ذکر ہو رہی ہے بنی اسرائیل کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اور ان کے آنے کا یقین رکھتے تھے لیکن جب آیا تو انکار کر بیٹھے۔

وَلَمَّا: یہ قصے کا قصے پر عطف ہے یعنی پہلے ان رسولوں کا ذکر جو تورات وانجیل کی دعوت دے رہے تھے تو بنی اسرائیل نے ان کو جھٹلایا اب قرآن پاک کی دعوت دینے والے رسول کا ذکر ہو رہا ہے انہیں بھی جھٹلایا جَآءَهُمْ كِتَٰبٌ آنے کی نسبت کتاب کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ یہ لوگ مدینہ کے قریب رہتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی تھی اور قرآن کی دعوت مدینہ میں شروع کی تھی۔ مِّنْ عِندِ اللَّهِ: کائن یا منزل مقدر ہونے کیساتھ کتاب کی صفت ہے۔

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ: یہ کتاب کی دوسری صفت ہے اور جب ہونا اور نازل ہونا اللہ کی طرف سے اَوّل صفت ہے اور دوسری صفت کیلئے سبب ہے اسی وجہ سے مِّنْ عِندِ اللَّهِ کو پہلے لایا گیا ہے اور مُصَدِّقٌ ہونے کا معنیٰ 41 نمبر آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ وَكَانُوا مِن قَبْلُ: یہ عطف ہے جَآءَهُمْ پر یا جملہ حالیہ ہے۔ (مِن قَبْلُ) قبل کا مضاف إِلَيْه

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدر ہے اور اس کے بدلے میں لام پر پیش لگایا گیا ہے یعنی رسول اور کتاب کے آنے سے پہلے يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : خبر طلب کرتے تھے (اس نبی کے بارے میں) اُمیین کافروں سے یا خبر دیتے تھے امیوں کافروں کو یا فتح اور مدد طلب کرتے تھے۔ کافروں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے۔ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بارے میں اور اس طرح بھی کہا گیا ہے کہ فتح اور مدد طلب کرتے تھے اللہ تعالیٰ سے اس نبی کے حق میں کافروں کے مقابلے میں۔ یہ معانی مفسرین نے لکھے ہیں اور وَلَمَّا جَآءَهُمْ : کی جزا پوشیدہ ہے یعنی (كَذَّبُوْا بِهٖ وَاسْتَهَانُوْا بِمَجِيْئِهٖ) اس کی تکذیب کی اور اس کے آنے کو حقیر سمجھا۔ (البحر المحیط) فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا : امام فراء رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ پہلے (لَمَّا) کے جواب کیلئے دوسرا (لَمَّا) ہے (فا) جزائیہ کے سبب کی وجہ سے (مَا عَرَفُوْا) (ما) کا لفظ۔ امام سیبویہ کے نزدیک عام ہے ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کو شامل ہے تو یہاں پر (ما) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور اس کی معرفت کی دلیل یہ ہے کہ نبی کے آنے سے پہلے ان کی مدد (فتح) طلب کرتے تھے اور استفتاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات کی وجہ سے تھا جو تورات اور انجیل میں مذکور تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی باقی علامات کے ساتھ ساتھ مدد کے لازم ہونے کی حقیقت کو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر میں 1 / 325 میں دس عقلی طریقوں سے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل وہاں دیکھیں۔

كَفَرُوْا بِهٖ : یہ کفر حسدی اور عنادی ہے اور حسد اور عناد کی وجہ سے کہا کہ یہ وہ رسول نہیں ہے جن کی صفات تورات میں تھیں۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ : جب انہوں نے توہین کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا تو ان کی سزا کو بھی لعنت کے ساتھ ذکر کیا اور لعنت کی اضافت زیادہ تاکید کی وجہ سے اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ : اسم ظاہر کی بجائے ضمیر ذکر کی ان کے کفر اور لعنت کے سبب کے اظہار کیلئے تاکہ الْكٰفِرِيْنَ میں جاہل اہل کتاب کافر دونوں داخل ہو جائیں۔

تنبیہ: اس آیت سے بدعتیوں نے توسل بالذوات کے اثبات کیلئے دلیل لی ہے اور اس کو استدلال بالقرآن کہتے ہیں استدلال کا طریقہ ان کا اس طرح ہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان پر دشمنوں (مشرکین عرب) کی طرف سے جنگ میں سختی آتی تو یہ لوگ کہتے:

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ نَعْتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ

اے اللہ ہماری مدد اس آخری نبی کے ذریعے سے کر دے جن کی صفات کو ہم (تورات میں پاتے ہیں)۔

اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب ان کے لئے مشرکین عرب کیساتھ جنگ کرنا بھاری ہو جاتا تو یہ لوگ تورات کو باہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکال لیتے اور اس جگہ پر ہاتھ رکھ لیتے کہ جس جگہ پر نبی ﷺ کا نام ذکر ہوتا اور یہ لوگ کہتے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِيْ وَعَدْتَّنَا أَنْ تَبْعَثَهُ لِيْ آخِرِ الزَّمَانِ أَنْ تَنْصُرَنَا الْيَوْمَ عَلٰى عَدُوِّنَا

اے اللہ! اس نبی ﷺ کے ذریعے سے ہماری مدد فرما جس کا تو نے ہمارے ساتھ آخری زمانے میں بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ (قرطبی، روح المعانی) تو ان دونوں (بالنبی اور بحق نبیک) سے نبی کریم ﷺ کی ذات پر توسل ثابت ہوا اور باقی صالحین کی ذوات اس پر قیاس کی گئی ہیں۔ جواب بہت ساری وجوہات سے یہ استدلال غلط ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ بالنبی لفظ میں احتمالات ہیں۔ پہلا احتمال بمجیئ النبی دوسرا احتمال بخروج النبی۔ تیسرا احتمال: بحق النبی ﷺ اور جب احتمالات دلیل میں آجائیں تو اس سے استدلال صحیح نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے پہلا احتمال ذکر کیا ہے۔ (يَسْتَنْصِرُوْنَ بِمَجِيْئِهٖ ﷺ) یعنی مدد طلب کرتے تھے آخری نبی ﷺ کے آنے کے ساتھ۔ دوسرا احتمال سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کیساتھ ذکر کیا ہے۔ (يَسْتَنْصِرُوْنَ بِخُرُوْجِ مُحَمَّدٍ ﷺ) مدد مانگتے تھے محمد ﷺ کے آنے یعنی بھیجنے پر۔ مراد یہ ہے کہ اے اللہ اس نبی کو بھیج دے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد عبارت واضح دلیل ہے کہ ان کا مطلب اس نبی کا آنا اور بعثت تھا اس کی ذات نہیں تھی وہ عبارت یہ ہے اَللّٰهُمَّ ابْعَثْ هٰذَا النَّبِيَّ الَّذِيْ نَجِدُهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَنَا (ابن کثیر) اے اللہ اس نبی کو بھیج دے جس کو ہم اپنے پاس لکھا ہوا پا رہے ہیں۔ قَدْ أَظَلَّ زَمَانُ نَبِيٍّ يَخْرُجُ بِتَصْدِيْقِ مَا قُلْنَا فَنَقْتُلُكُمْ مَعَهٗ قَتْلَ عَادٍ وَإِرَمَ (تفسیر سراج المنیر، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر الخازن، تفسیر مدارک) اس آخری نبی کا زمانہ قریب آچکا ہے جو ہمارے کہنے کے مطابق آئیں گے اور اس کے ساتھ مل کر ہم تمہیں ارم اور عادیوں کی طرح قتل کریں گے۔ اور ان کا (بِحَقِّ نَبِيٍّ) کے لفظ سے استدلال بھی کئی وجوہات سے باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ روایت سدی کی ہے اور سدی ضعیف اور کذاب ہے تفسیر کی روایت اور حدیث دونوں میں۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ تو یہودیوں کا عمل ہے اور یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی شریعت ہے اور ہم تک منتقل ہوئی اور سابقہ لوگوں کی شریعت ہمارے لیے حجت ہے۔ جواب: یہ عمل ان کا شرعی طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کا یہ عمل بطور مدح منقول نہیں ہے صرف ایک خبر کے طور پر اطلاع دی گئی ہے اور مقصد اس میں زجر اور توبیخ ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مسئلہ نبی کریم ﷺ کے حق میں وسیلہ کا ہے اور فقہ حنفی میں بحق الانبیاء کے الفاظ سے دعا مانگنا مکروہ تحریمی ہے۔ تو یہ دلیل ہے کہ یہودیوں کے اس فعل سے استدلال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح نہیں ہے۔ یہ جوابات تو اس بات پر مبنی ہیں کہ (یَسْتَفْتِحُوْنَ) سے مراد مدد مانگنا لیا جائے۔ حالانکہ یہ تفسیر متعین نہیں ہے اس لیے کہ اس میں مفسرین کے دیگر اقوال بھی مذکور ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے (یَسْتَفْتِحُوْنَ) کے معنی میں ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ (یَسْتَفْتِحُوْنَ) فتح سے ماخوذ ہے اور فتح علم کے معنی میں ہے جیسا کہ 76 میں گزر چکا ہے اور (سین) اس میں طلب کیلئے ہے اور (عَلٰی) عِندَ کے معنی تو معنی تو یہ ہوا کہ مشرکین عرب سے آخری نبی ﷺ کی پیدائش کے بارے میں علم اور خبر طلب کرتے تھے۔ (راغب، روح المعانی، اللباب)

اور اس کی تائید تمیم داری کی حدیث ہے جو دجال کے بارے میں ہے کہ دجال نے عربوں سے ملاقات کے وقت آخری نبی ﷺ کے بارے میں پوچھا تھا۔ (صحیح مسلم حدیث 2942، ترمذی حدیث 2253، ابوداؤد حدیث 4326، ابن ماجہ رقم الحدیث 4074) اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ فتح علم اور خبر کے معنی میں ہے لیکن (سین) طلب کیلئے نہیں ہے اور (عَلٰی) اپنے معنی پر ہے تو معنی یہ لوگ ان پڑھ (اُمِّیِّیْنَ) مشرکین کو آخری نبی کے بارے میں خبر دیتے تھے۔ اور اس کی تائید مفسرین کی پہلی روایت ہے کہ:

قَدْ أَظَلَّ زَمَانُ نَبِيٍّ يَخْرُجُ بِتَصْدِيقِ مَا قُلْنَا فَنَقْتُلُكُمْ مَعَهُ قَتْلَ عَادٍ وَإِرَمَ

اس آخری نبی کا زمانہ قریب آچکا ہے جو ہمارے کہنے کے مطابق آئے گا اور ان کے ساتھ مل کر ہم تمہیں ارم اور عادیوں کی طرح قتل کریں گے۔ اور اسی طرح راہب کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ کے اس سفر کے بارے میں جو نبوت سے پہلے اپنے چچا اور باقی قافلے والوں کیساتھ کیا تھا اور راہب کا ان کو خبر دینا کہ ان میں آخری نبی کی علامات ہیں لہٰذا ان کو شام کی طرف نہیں لیکر جانا وہاں یہودی ہیں اور وہ ان کے دشمن ہیں (ترمذی 3620، اس حدیث کو شیخ البانی نے بلال کے ذکر کے ماسوا صحیح کیا ہے فقہ السیر 79 دفاع عن الحدیث النبوی 72، 62 مشکوۃ رقم الحدیث 5861 کتاب الفضائل والشمائل)

تو جب (یَسْتَفْتِحُوْنَ) کی تفسیر میں اس طرح کے اقوال اور احتمالات ہیں تو ان احتمالات کے ہوتے ہوئے استدلال توسل کے اثبات کیلئے کس طرح درست ہو سکتا ہے؟۔ اور اگر یہ سب کچھ بالفرض صحیح مان لیا جائے تو بھی اس سے قرآن یا حدیث مرفوع کے اعتبار سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ تو مفسرین کے اقوال سے استدلال ہے جو کہ صرف حدیث موقوف ضعیف ہیں اور اس مسئلے کی باقی تفصیل سورۂ مائدہ میں ملاحظہ کیجیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا
نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ
مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ
ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾ "بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا وہ انکا کفر کرنا ہے، اس کتاب کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ ضد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس پر چاہے نازل فرمادیتے ہیں اس کے باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور خاص کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔" [90] "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں، جبکہ یہ حق ہے تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو ان کے ساتھ ہیں۔ آپ کہہ دیجئے: کیوں تم نے قتل کیا انبیاء کو اگر تم تورات پر ایمان لانے والے ہو؟" [91] "تمہارے پاس تو موسیٰ یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑے کو معبود بنایا تم ہو ہی ظالم۔" [92]

تفسیر 90: یہ چوتھے اور پانچویں خطاب کا تکملہ ہے بطور زجر اور وہ کفر کے ساتھ سرکشی تھی اور پہلے کے ساتھ ربط یہ ہے کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کا کفر ثابت ہوئے تو وہم پیدا ہوا کہ علم کے باوجود کفر کیوں کرتے ہیں تو اس آیت میں ان کے کفر کی وجہ ذکر ہو رہا ہے کہ وہ (باغی) سرکش ہیں۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ : بِئْسَ فعل ذم ہے اور بِئْسَ (نِعْمَ) میں اصل چار لغات جائز ہیں۔

1. بَئِسَ. نَعِمَ 2. بِئِسَ. نِعِمَ 3. بَأْسَ. نَعْمَ 4. بِئْسَ. نِعْمَ

لیکن یہ آخری تعبیر کو لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ یہ فعل ماضی کے معنی سے نکل جائے اور صرف مصدر کے معنی ذم یا مدح پر مبالغۃً دلالت کرے اور امام فراء رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بِئْسَمَا مرکب ایک لفظ ہے اور جمہور نحویوں نے کہا ہے کہ (مَا) اس سے اصل میں الگ ہے صرف لکھنے میں ایک ساتھ ہے اور (مَا شَيْئًا) کے معنی کیساتھ بِئْسَ کی نسبت میں تمیز ہے اور (اشْتَرَوْا) کا جملہ (مَا) کیلئے صفت ہے۔ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ : یہ بِئْسَ کا فاعل ہے یا فاعل بِئْسَ کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدر ہے اور (اَنْ يَّكْفُرُوْا) اس سے بدل ہے اور اس کومخصوص بالذم کہا جاتا ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی (بِئْسَ الشَّيْءِ شَيْئًا اَنْ يَّكْفُرُوْا) بری چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات پر ضد وعناد کی وجہ سے کفر کرنا ہے۔

(اشْتَرَوْا) اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ اپنے معنیٰ پر ہے اور اس سے مراد اپنے آپ کو نقصان یا عذاب سے بچانا ہے معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے نفسوں کو اس کے ذریعے سے بچاتے ہیں۔

سوال: کفر تو عذاب سے بچنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ جواب: مراد اس سے ان کے گمان میں بچنا ہے نہ کہ حقیقت میں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا ہے جو کہ ان کے گمان کے برعکس ہے یعنی بِئْسَمَا میں آخر تک۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بِئْسَمَا بِيْعَ کے معنیٰ میں ہے اور (اَنْفُسَهُمْ) سے مراد ان کے ثواب کا حصہ ہے (تفسیر سراج المنیر، تفسیر الخازن) لہٰذا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے اس کے بدلے اپنے ثواب کا حصہ بیچا ہے یا اس کے ذریعے سے اپنے نفسوں کو تباہ کیا ہے۔ (بَغْيًا) یہ مفعول لہ جو کہ يَكْفُرُوْا کیلئے علت ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے بغی اصل لغت میں فساد کو کہا جاتا ہے یا طلب کو کہا جاتا ہے یہاں پر مفسرین نے معنیٰ حسد، ظلم اور بے مناسب چیز کو طلب کرنے کا کیا ہے اور قرآن مجید میں اس کا مادہ پانچ معانی کے ساتھ چھیانوے (96) مرتبہ آیا ہے۔

پہلا معنیٰ حسد اور عناد، سورۂ بقرۃ 90، 213 دوسرا معنیٰ ظلم اور زیادتی کے معنیٰ میں۔ سورۂ صٓ 22، سورۂ یونس 23۔ تیسرا طلب کرنے کے معنیٰ میں۔ سورۂ انعام 164، سورۂ اعراف 140۔ چوتھا: بدکاری کرنے کے معنیٰ میں، سورۂ مریم 20، سورۂ نور 33۔ پانچواں: امکان اور جواز کے معنیٰ میں، سورۂ مریم 92، سورۂ یٰسٓ 40

یہاں (بَغْيًا) کی قید کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ کفر کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم کفر جہلی جبکہ دوسری قسم کفر بغی حسدی، یہ دوسری صفت آل ظلم کی ہے۔ اور یہ علت ہے کفر اور اختلاف کیلئے۔ سورۂ بقرۃ 213، سورۂ آل عمران 19، سورۂ شوریٰ 14، سورۂ جاثیہ 12 میں مذکور ہے۔ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ: یہاں پر لام مقدر ہے یعنی (لِاَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ) یہ (بَغْيًا) کی علت ہے۔ مِنْ فَضْلِهٖ: مِنْ تبعیض کیلئے ہے اور فضل سے مراد وحی اور نبوت ہے۔ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ: مَنْ سے مراد محمد ﷺ ہیں یعنی یہودی نبی کریم ﷺ کیساتھ حسد کرتے تھے اس وجہ سے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے بلکہ خالص عربی تھے اور یہ انکا قومی تعصب ہے جو ان کے کفر کا سبب بنا اور آیت میں احتمال ہے کہ فضل کو عام معنیٰ میں لیا جائے اور (مَنْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَشَاءُ) بھی عام ہو جائے یعنی جس پر بھی اللہ تعالیٰ نے ایک دینی فضل کیا ہو اور باقی لوگ اس کے ساتھ حسد اور تعصب کریں تو یہ اختلاف اور کفر کا سبب بن جاتا ہے حالانکہ فضل اور رحمت اللہ کی مشیت میں سے ہے اور وہ خود تقسیم کرتا ہے۔ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ: علی کا لفظ مع کے معنی یا بعد کے معنی میں ہے اور اس غضب کے تکرار میں مفسرین کے اقوال ہیں۔

پہلا قول: اس میں دو مرتبہ غضب مراد ہے اور اس کے دو سبب ہیں اور امام حسن بصری اور امام شعبی وغیرہ رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ پہلا سبب عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور دوسرا محمد ﷺ کی تکذیب ہے اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ پہلا سبب تورات کا انکار ہے اور دوسرا محمد ﷺ کا انکار ہے یا پہلے غضب کا سبب بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ پر کفر اور دوسرا سبب بغی اور حسد کرنا ہے۔ دوسرا قول: عطاء اور ابو عبید رحمہما اللہ کا ہے کہ یہاں دو مرتبہ غضب مراد نہیں ہے بلکہ غضب کی بہت ہی اقسام ہے دو سے مراد ہیں زیادہ اسباب کے ہونے کی وجہ سے جو پہلے اقوال میں ذکر ہوئے ہیں۔ تیسرا قول: ابو مسلم رحمہ اللہ کا ہے کہ غضب اصل میں ایک ہے لیکن اس کی عظمت کی تاکید کیلئے لایا گیا ہے۔

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ: اَلْكَافِرِينَ عذاب کے لئے واضح علت ہے اور لام تخصیص کیلئے ہے یعنی عذاب اہانت کی صفت میں کافروں پر خاص ہے اور اہانت، ذلیل کرنا، رسوا کرنا اور شرمندہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔

سوال: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جہنم کا عذاب کافروں کیلئے خاص ہے اور خوارج استدلال کرتے ہیں گنہگار مومن کیلئے بھی عذاب ہے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی کافر ہیں اور مرجئہ کا استدلال ہے کہ مومن کیلئے کچھ عذاب نہیں ہے اگرچہ گناہ کرتا ہو؟۔

جواب: آیت میں مُّهِينٌ کے وصف کا اعتبار ہے یعنی مطلق عذاب کافروں کے ساتھ خاص نہیں ہے گنہگار مومن بھی اللہ کی مشیت کے ساتھ عذاب والا ہو سکتا ہے اور عذاب جب اہانت کی صفت کے ساتھ ہو تو یہی عذاب ہمیشہ ہے اور کافروں کیلئے خاص ہے اور جو مومن کیلئے عذاب ہے تو وہ ان کو گناہوں کے میل سے پاک کرنے کیلئے ہے لہٰذا وہ اہانت کیلئے نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الصارم المسلول کے صفحہ نمبر 52 میں لکھا ہے کہ اہانت اور تذلیل وغیرہ کا وصف جب عذاب کے ساتھ ذکر ہو جائے تو یہ کافروں کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور اس میں نو (9) آیتیں عذاب مھین کے بارے میں ذکر کی ہیں۔ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ ان کے کفر کا سبب بغی اور حسد ہے اور وہ تکبر سے پیدا ہوتا ہے تو متکبر کے لیے اہانت کے ساتھ عذاب دنیا و آخرت دونوں میں مناسب ہے۔

تفسیر 91: اس آیت میں مناظرہ کے طور پر دوسرا زجر ہے۔ جب انہوں نے دعویٰ کیا (بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ) تو ان پر دو حجتیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قائم کی گئیں۔ پہلی حجت (وَيَكْفُرُوْنَ. وَهُوَ الْحَقُّ) الخ اور دوسری حجت بطور نقض میثاق ہے۔ (قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ أَنْبِيَآءَ اللهِ) اور اس آیت میں ان کی سرکشی پر دلیل ہے اور اس کے باوجود بھی کفر کرنے میں لگے ہوئے ہیں، تو اس کی وجہ سرکشی اور حسد کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آمِنُوْا بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ :(مَا) کے لفظ سے مراد عموم ہے تمام ما انزل اللہ اس میں داخل ہیں چاہے قرآن ہو یا باقی نازل شدہ کتابیں ہوں۔ بعض اہل عربیت نے یہاں سے دلیل لی ہے کہ (ما) کا کلمہ عموم کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف عموم کیلئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ خصوص کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا :ان کا جواب تخصیص کے ساتھ ہے یعنی صرف تورات پر ہم ایمان رکھتے ہیں حالانکہ تورات کی تخصیص کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ : یہ جملہ مستانفہ یا جملہ حالیہ ہے اور اس جملے میں ان کا تورات کے ماسوا کتب کا انکار مذکور ہے۔ (وَرَآءَهٗ) یہ اضداد میں سے ہے یعنی کبھی بعد کے معنی اور کبھی پہلے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ کہف 79 اور سورۂ دھر 27 میں ہے اور امام فرا رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر (سوی یعنی علاوہ) کے ساتھ کی ہے۔ جیسا کہ سورۂ مومنون 7 اور سورۂ معارج 31 میں ہے۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر بعد کے ساتھ کی ہے کہ وہ پہلا معنی ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ :اس میں حجت کا پہلا الزام ہے طریقہ یہ ہے کہ اگر تم تورات پر اس وجہ سے ایمان لاتے ہو کہ حق ہے تو اسی طرح قرآن بھی حق اور مصدق ہے اور حق جہاں بھی ہو جس کے پاس بھی ہو تو اس پر ایمان لانا فرض ہے اور لفظ (يَكْفُرُوْنَ) میں (لطیف) باریک اشارہ ہے کہ ان کا تورات پر ایمان حقانیت کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ لوگ دونوں حق چیزوں میں فرق کرتے ہیں کہ ایک پر ایمان لاتے ہیں اور دوسرے پر نہیں لاتے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنی کتاب حقانیت کی وجہ سے بھی نہیں مانتے۔ اور نہ ہی قرآن کو مانتے ہیں تو یہ لوگ صریح کافر ہیں۔ (اور یہ بطور الزام ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر میں ذکر کیا ہے) پھر کہا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ جو ایک حق پر ایمان لاتے ہیں اور دوسرے حق پر تعصب کی وجہ سے ایمان نہیں رکھتے تو یہ کافر ہیں اور معلوم ہوا کہ اس زمانے میں بہت سارے لوگ اس طرح ہیں کہ جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ ایمان سے مبرا ہیں۔ (ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ) قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ أَنْبِيَآءَ اللهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ : یہ بطور نقض ان پر دوسری حجت ہے۔ اور یہ بھی دو طریقوں پر مشتمل ہے۔ پہلا یہ کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا قتل حرام اور کفر ہے اور تم لوگوں نے تو بہت سے انبیاء قتل کیے ہیں جیسا کہ اس سورت کی آیت نمبر 61 اور 87 میں گزر چکا ہے۔ تو یہ دلیل ہے کہ تم تورات پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہو۔ دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل میں بہت سارے انبیاء تھے جو تورات کی طرف دعوت دیتے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے لیکن تم نے ان کو قتل کیا ہے اس وجہ سے کہ ان کی دعوت تمہاری خواہش کے خلاف تھی تو یہ واضح دلیل ہے کہ تم تورات پر ایمان نہیں رکھتے تو حاصل یہ ہے کہ تمہارا ایمان بالتورات اور انبیاء کے قتل میں تناقض ہے اور دو تناقض جمع نہیں ہو سکتے تو قتل کو تمہاری طرف سے دیکھ کر معلوم ہوا کہ تورات پر تمہارا ایمان نہیں ہے۔ فائدہ: وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے قتل کا انکار کرتے ہیں اور اس کی تاویلیں کرتے ہیں تو وہ اس آیت سے یہودیوں کا کفر کس طرح ثابت کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول انکار حدیث کی طرح ہے جیسا کہ پہلے بحث گزر چکی ہے یا تو وہ جہل کے اندھیروں میں بھٹکتے ہیں۔ سوال: یہاں قتل کا صیغہ مستقبل کے ساتھ لایا ہے اور ساتھ ہی من قبل بھی ذکر کیا گیا ہے یہ تو ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ جواب 1۔ کبھی مستقبل ماضی کے معنی میں حکایت کے طور پر لایا جاتا ہے۔ جواب 2۔ یہاں مراد موجودہ بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ تم اپنے بڑوں کے اس قدم پر جو قتل انبیاء تھا اس کے ساتھ راضی ہوتے ہو۔ (تفسیر اللباب) جواب 3۔ جو صفت لازم یا عادت کے طور پر کیا جاتا ہو اگرچہ وہ ماضی میں ہو لیکن اس سے مضارع کے ساتھ تعبیر ہوتی ہے۔ (ابن عطیہ، ابوحیان)

تفسیر 92: اس آیت سے چھٹا خطاب شروع ہے اور اس کا مکمل مباحثہ 96 تک ہے اس خطاب میں ماقبل سے ترقی کرتے ہوئے مزید ان کی دو خباثتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلی خباثت: بچھڑے کی عبادت ہے جو کہ توحید کے مقابلہ میں شرک ہے۔ دوسری خباثت: اس بچھڑے کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اعراض کرنا ہے۔

پہلے کے ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہم نے دلیل سے ان لوگوں کا قتل کیا اور ان کی تکذیب کی تھی کیونکہ ان کی نبوت ہم پر ثابت نہیں ہوئی تھی اور ہم تو دلیل کی اتباع کرتے ہیں تو حاصل جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ قول باطل ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بہت ساری دلیلوں کے باوجود تم نے بچھڑے کی عبادت کی تو معلوم ہوا کہ تم خواہش کے تابع ہو دلیل کے نہیں۔ بِالْبَيِّنَاتِ (با) ملابست اور مصاحبت کی ہے یا سببیت کی ہے اور بینات سے مراد وہ 9 معجزات ہیں کہ ان کی تعداد سورۂ اسراء 101 میں اور تفصیل سورۂ اعراف 107-108-130-135 میں مذکور ہے یا عام مراد ہے یعنی فلق البحر، اغراق فرعون، تظلیل الغمام، انزال من وسلویٰ، انفجار الماء من الحجر اور باقی دلائل توحید کے اثبات کیلئے ہیں۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ. ثُمَّ مذمت کی تشدید کیلئے ہے اور (مِنْ بَعْدِهٖ) تاخیر کیلئے ہے یا (ثُمَّ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمانے کی تاخیر کیلئے ہے تاکہ فکر کرنے والے اس میں غور وخوض کریں۔(مِنۢ بَعۡدِهٖ) سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا میقات پہ چلے جانا ہے۔وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ سوال: یہی الفاظ 51 میں بھی گزر چکے ہے تو تکرار کی حکمت کیا ہے؟؟۔

جواب: وہاں پر انعام کرنے کیلئے (عفو) درگزر کیلئے ذکر کیا تھا ان کے نادم ہونے کے بعد اور یہاں پر ان کی خباثت کے بیان کیلئے ہے (دونوں میں فرق ہے)۔دوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں پر بنی اسرائیل کے حالات کی تفصیل کیلئے ذکر ہوا تھا اور یہاں پر مقصود آخری نبی ﷺ کو تسلی ہے یعنی واضح دلائل کے باوجود بھی جب موجودہ یہودی آپ کی تکذیب کریں تو آپ ان کی پرواہ نہ کرے کیوں کہ ان کے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تھی۔ بینات کے باوجود انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا تھا اور (جَآءَكُمْ) خطاب موجودہ یہودیوں کو ہے اس لیے کہ یہ لوگ اپنے بڑوں کے اس عمل پر راضی تھے۔

وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ "جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر پہاڑ کو کھڑا کر دیا اور کہہ دیا کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھا مو اور سنو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی تھی بسبب ان کے کفر کے ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے، اگر تم مومن ہو" [93]

تفسیر 93: اس میں ان کی خباثتوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ سے اعراض کیا اور اعراض کا سبب یہاں لایا کہ وہ بچھڑے کی محبت ہے اسی طرح 63 میں گزر چکا ہے پہلے تین جملوں کی شرح وہاں ملاحظہ کیجیے۔وَاسْمَعُوا: اس سے مراد قبولیت کا سماع ہے جیسا کہ اس قول میں ہے (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ) قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حمد کو جو اللہ کی حمد بیان کرے۔قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا: سوال 1: سَمِعَ اگر قبولیت کے معنٰی میں ہو تو عصینا کا ضد ہے تو یہ ضدین ہو گئے اور اگر صرف سننے کے معنٰی میں ہو تو پھر مراد صرف سننے کا اقرار ہے قبولیت کے بغیر اور اسی طرح عَصَيْنَا کہنے سے اللہ تعالیٰ کا عذاب (طور کا گرنا) تو ختم نہیں ہو سکتا ہے؟۔ سوال 2: پہاڑ کے اٹھانے کے وقت تو بہت خوف تھا تو اس میں کس طرح یہ لوگ عَصَيْنَا کہہ سکتے تھے؟ ان سوالات کے جوابات بہت طریقوں کے ساتھ ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ (قَالُوا) میں نسبت تمام بنی اسرائیل کی طرف تھی لیکن ان کے دو گروہ تھے ایک ان کے بڑے۔ دوسرا ان کے بعد آنے والے لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے تو بڑوں نے سَمِعْنَا کہا تو اس کی وجہ سے طور ان کے سروں سے اٹھا دیا گیا اور چھوٹوں نے طور کے ہٹانے کے بعد عَصَيْنَا کہا اور اسی نکتے کی وجہ سے (قَالُوا) کہا ہے (قُلْتُمْ) نہیں کہا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حاضرین اس وقت دو گروہ میں بٹ گئے تھے ایک گروہ نے (سَمِعْنَا) کہا اور دوسرے گروہ نے (عَصَيْنَا) کہا لیکن بعضوں کی قبولیت کی وجہ سے سب سے عذاب ٹل گیا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ سب نے زبان سے سَمِعْنَا کہا اور عَصَيْنَا زبان حال سے کہا۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت سب نے سمعنا کہا تھا اور جب بعد میں عمل کا وقت شروع ہوا تو سب نے عَصَيْنَا کہا اس سورت کی آیت 64 میں دلالت ہے کہ انہوں نے پہلے وقت میں قبولیت اختیار کی تھی اور بعد میں (تولی) منہ پھیر لیا تھا تو اس میں تائید ہے کہ بعد کا جواب درست ہے۔ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ: یہ (قَالُوا سَمِعْنَا) پر عطف ہے علت کا عطف معلول پر ہے یعنی جاننے اور عذاب کے نمونے اور عہد کے یاد ہونے کے باوجود انہوں نے کیوں نافرمانی کی ہے۔ تو علت ذکر کی (وَأُشْرِبُوا) قول کے ذریعے سے اور یہ صیغہ مجہول ذکر کیا گیا اگرچہ اس شراب کا فاعل اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اس کے اسباب بہت تھے جیسا کہ سامری، شیاطین الجن، شیاطین الانس، اسی وجہ سے مجہول کا صیغہ مناسب تھا۔ فصحاء عرب کے نزدیک إِشْرَابٌ کے دو معانی ہیں۔ پہلا معنٰی پلانا، سیراب کرنا پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ پہلا زمین کو پانی دینا اور پانی کے ذریعے سے سیراب کرنا تو اس سے پودے پیدا ہوتے ہیں تو اسی طرح ان کے دل بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے سیر ہو چکے تھے تو اس سے بہت خباثت اور قباحت پیدا ہوئی تھی اور دوسرا نشے کی چیزوں کا پلانا ہے جیسا کہ نشہ کرنے والی شراب کسی کو پلائی جائے تو اسکا ہوش وحواس اڑ جاتا ہے اور ایسے بے عقل ہو جاتا ہے کہ حرام، حلال ماں اور بہن کی تمیز نہیں کر سکتا ہے تو اسی طرح بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں ایسے گھس چکی تھی کہ عقل اور حق کی معرفت ان سے نکل گئی پھر شرک اور توحید میں فرق بھی نہیں کر سکے۔ اشراب کا دوسرا معنٰی۔ ایک رنگ کیساتھ دوسرا رنگ خلط ملط کرنا جیسا کہ عرب کہتے ہیں (ثَوْبٌ مُشْرَبٌ بِحُمْرَةٍ) کپڑے میں سرخ رنگ پورا ملایا گیا ہے کہ کپڑے کے تمام اجزا میں داخل ہو چکا ہے۔ اسی طرح بچھڑے کی محبت نے ان کے دلوں کو ایسا رنگ دیا ہے کہ کسی اور کے رنگ کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ (تفسیر فتح العزیز) اور اسی وجہ سے (اَکَل) کے ساتھ اس کی تعبیر نہیں کی گئی ہے کیونکہ خوراک وجود کے ہر حصے میں سرایت نہیں کر سکتی ہے۔ (فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ)

سوال: اشراب تو پانی یا رنگ میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور عجل تو حیوان ہے اس کے ساتھ اشراب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مناسب نہیں ہے؟۔ جواب: یہاں پر مضاف پوشیدہ ہے یعنی (حُبُّ الْعِجْلِ) لیکن بہت مبالغے کی وجہ سے عجل کو مشروب قرار دیا گیا ہے۔ تنبیہ: یہاں پر امام ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے واقعہ ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا وہ بچھڑا ٹکڑے ٹکڑے کیا اور سمندر میں پھینکا تو انہوں نے وہ پانی پیا تو بعض لوگوں (عجل کیساتھ محبت کرنے والے) کے ہونٹوں پر چاندی کے ذرات کے آثار ظاہر ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ اس واقعے کے متعلق لکھتے ہیں کہ ٹکڑے کرنا اور سمندر میں پھینکنا تو قرآن سے ثابت ہے لیکن لوگوں کا پینا وغیرہ قرآن کے اس لفظ (فِيْ قُلُوْبِهِمُ) کے خلاف ہے۔

بِكُفْرِهِمْ: (با) سببیہ ہے یعنی ان کا کفر اس اشراب کا سبب ہے اور کفر سے مراد تشبیہ کا عقیدہ ہے (تفسیر مدارک) یہ مجسمہ اور حلولیہ تھے تو ان کو بچھڑے کا یہ جسم خوبصورت لگا تو ان کے دلوں میں اس کا عقیدہ الوہیت داخل ہوا۔ (تفسیر سراج المنیر) قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيْمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: یہ دوسری دلیل ہے ان کے اس قول کے (باطل ہونے) کی (نُؤْمِنُ بِمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا) یعنی تورات میں تو عجل کی عبادت نہیں ہے تو اگر تمہارا تورات پر ایمان ہے تو پھر کیوں اس قسم کے برے کام کرتے ہو؟ تو معلوم ہوا کہ تم میں ایمان نہیں ہے۔

سوال: ایمان تو خود کسی کو حکم یا منع نہیں کر سکتا یہاں پر ایمان کی طرف امر کی نسبت کیوں ہوئی ہے؟

جواب: ایمان تو اعمال صالحہ کا باعث اور سبب بنتا ہے تو سببیت کیوجہ سے امر کے مشابہہ کر دیا گیا ہے جیسا کہ صلوٰۃ شرعیہ کو سببیت کیوجہ سے ناہی قرار دیا گیا ہے۔ (إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ)

سوال: ایمان تو بہت شریف چیز ہے تو اس کی طرف امر قبیح کی نسبت کیوں کی گئی ہے؟ جواب: اس کو تہکم کہا جاتا ہے یعنی ان کا استہزاء کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے اس کے بعد ان کا ایمان شک کیساتھ ذکر کیا گیا (اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ) یعنی ان کا ایمان نہیں ہے اسی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔ سوال: امر قبیح کی نسبت ایمان کی طرف کرنا اگرچہ تھکم ہے لیکن اس تعبیر کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تمام کلام پہلے قُلُوْبُنَا غُلْفٌ کیساتھ متعلق ہے یعنی اگر کوئی وہم کرے کہ ان کا یہ قول تصلب فی الدین پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ دین میں بہت مضبوط ہیں تو بعد والے کلام میں اس وہم کا جواب ہوا کہ یہ تو تعصب فی الدین ہے اور وہ تو باطل ہے اور اس کے تین بڑے دلائل ذکر کیے۔

پہلی: (يَسْتَفْتِحُوْنَ) یعنی یہ لوگ اس نبی کو مبارک سمجھتے تھے اور اس کے ذریعے سے فتح مانگتے تھے لیکن جب وہ نبی بنی اسماعیل علیہ السلام میں سے پیدا ہوا تو قومی تعصب کیوجہ یہ لوگ انکار کر بیٹھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری: یہ کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ تورات کے علاوہ دوسری کتاب نہیں مانتے اگرچہ وہ دوسری بھی حق ہو تو یہ ان کا دینی تعصب ہے۔ تیسری: یہ کہ ان کے بڑوں نے تورات کے بارہ میں بہت سی ہدایات پر اصرار کیا تھا اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو بھی قتل کر دیتے تھے تو اس کو تَصَلُّبٌ فِي الدِّيْنِ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ تو نفسانی تعصب ہے تو آخر میں کہا کہ یہ تعصبات ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایمان والے نہیں ہیں۔

فائدہ 93: یہیں اور اس میں چار طریقوں سے فرق ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ وہاں پر (وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ) کہا ہے اور یہاں پر (وَاسْمَعُوْا) ہے۔ دوسرا طریقہ وہاں پر (ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ) کہا ہے اور یہاں پر (قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا) کہا ہے اس کی بعض حکمتیں یہ ہیں۔ پہلے طریقے کی حکمت یہ ہے کہ احکام الٰہیہ جو کتاب میں ہیں ان کا مقصد ذکر ہے (درس و تدریس اور بیان) اور سننا اس کا ذریعہ ہے تو اس آیت میں ان کے بہت سارے خباثت کی طرف اشارہ تھا کہ انہوں نے اصل سے منہ پھیرا ہے اور اس آیت میں ذکر کیا تھا ترتیب: ذکر کرنا بھی مقصود ہے اور ترتیب میں سمع ذکر سے پہلے ہے۔ دوسرے طریقے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کی آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں تو اس آیت میں میثاق کا مضمون ذکر کیا تھا لیکن ان کی قبولیت ذکر نہیں کی تھی تو اس آیت میں (قَالُوْا سَمِعْنَا) اور وہاں پر (تَوَلَّيْتُمْ) ذکر ہوا اور دوسرا یہ کہ تولی لفظ عَصَيْنَا کیا تھا عصیان تھا اور جب اس آیت میں مقصد عصیان کی علت کا بیان تھا تو معلول (عِصْيَان) کو پہلے ذکر کیا اور پھر علت ذکر کی (أُشْرِبُوْا) کے ذریعے (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحُكْمِ كِتَابِهِ)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ ”کہہ دیجئے ان سے اگر ہو آخرت کا گھر تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکیلے (خالص) دیگر مخلوق کے علاوہ تو مانگ لو موت اگر ہو تم سچے۔“[94] ”اور نہیں مانگیں گے یہ لوگ موت کبھی بھی بسبب ان اعمال کی وجہ سے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“[95] ”اور آپ ضرور پائیں گے انہیں بہت زیادہ حریص لوگوں میں سے دنیا کی زندگی پر اور ان لوگوں میں سے بھی جنہوں نے شرک کیا ہے ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے، گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔“[96]

تفسیر 94: یہ ماقبل کے خطابات کا تکملہ ہے اعلان مباہلہ کیساتھ۔ اور ان کے سوال کا جواب ہے اگر یہ لوگ کہیں کہ ہم تَصَلُّبْ فِي الدِّيْنِ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ہمارے دین کے علاوہ باقی تمام ادیان باطل ہیں اور حق دین صرف ہمارا دین ہے تو ان آیتوں میں اس وہم کی تردید کی۔ یہ خطاب ان کے دعووں پر مبنی ہے جو سورۃ بقرۃ آیت 80 اور 111 اور سورۃ مائدۃ کی آیت 18 میں مذکور ہیں اس وجہ سے کہ ان دعووں کیساتھ یہ بات لازم ہے کہ یہ لوگ جنت کو اپنے لیے خالص سمجھتے ہیں اور دوسروں کیلئے اس میں حصہ نہیں مانتے۔ (كَانَتْ) کی خبر خَالِصَةً ہے اور عِنْدَ اللّٰهِ اس کے ساتھ متعلق ہے یا (لَكُمْ) خبر ہے یا عِنْدَ اللّٰهِ خبر ہے۔ (عِنْدَ اللّٰهِ) اس سے مراد درجے کے اعتبار سے قربت ہے۔ خَالِصَةً۔ سَالِمَةً کے معنیٰ میں ہے کہ دوسرے کی شرکت سے پاک ہو یا خَاصَّةً کے معنیٰ میں ہے۔

مِنْ دُوْنِ النَّاسِ: یہ خَالِصَةً کا بیان ہے۔ اَلنَّاسِ: سے مراد عام لوگ ہیں اور بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور محمد ﷺ کی امت بھی مراد ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ: تمنی دل میں ایک چیز کی طلب کو کہتے ہیں اور کبھی زبان سے ظاہر ہوتی ہے اور یہاں پر مراد زبان سے سوال کرنا ہے یہ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ مفسر صاحب اللباب نے کہا ہے کہ تمنی عرب کی لغت میں صرف قول کیساتھ معلوم ہوتا ہے۔ مفسر قاسمی نے کہا ہے کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

یہاں پر تمنی سے مراد موت کی طلب پر تلفظ کرنا ہے صرف دل میں تمنا اور طلب کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ یہ مقام حجت قائم کرنے کا ہے اور وہ تو زبان کیساتھ تلفظ کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے (إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ)۔ جنت کے دعوے اور اس کی خصوصیت میں سچے ہو۔ اس مقام میں مفسرین کی دو توجیہات ہیں۔

پہلی توجیہ: تو تفسیروں میں مشہور ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر تم جنت کے دعوے میں سچے ہو تو اپنے لیے موت مانگو اس لیے کہ جو چیز انسان کو محبوب ہوتی ہے تو اس کا ذریعہ بھی اس کو محبوب ہوتا ہے اگر چہ (فی نفسہ) کڑوا (ناپسندیدہ) ہوتا ہے تو جنت میں پہنچنے کیلئے موت کو طلب کریں۔ دوسری توجیہہ: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے پسند فرمایا ہے بلکہ متعین کیا ہے کہ یہ مباہلہ ہے اور موت کی تمنی سے مراد جھوٹے کیلئے موت کا سوال کرنا ہے یعنی تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہم ضرور حق پر ہیں اور اسی وجہ سے جنت ہمارے لیے حق ہے تو حق کے اثبات کیلئے تو پہلے محاجہ (یعنی دلائل) پیش کرنا ضروری ہے تو یہاں تک معلوم ہوا کہ تمہارے پاس حقانیت کی کوئی دلیل نہیں ہے صرف تعصب ہے تو اب مباہلے کیلئے تیار ہو جاؤ اور مباہلے کی تفسیر سورۃ آل عمران آیت 61 میں ان شاء اللہ آئے گی۔ اور اسی طرح آیت سورۃ جمعہ کی آیت 6 میں بھی ہے اور امام ابن کثیر اور امام ابن قیم رحمہما اللہ نے پہلی توجیہہ پر اعتراضات ذکر کیے ہیں۔

پہلا اعتراض: کہ جنتی ہونا موت کے طلب کو مستلزم نہیں اس لیے کہ بہت سارے انبیاء اور صالحین گزر چکے ہیں جو اہل جنت ہیں حالانکہ انہوں نے موت کی طلب نہیں کی ہے بلکہ عمر کا زیادہ طویل ہونا خیر کی زیادت اور درجات کی بلندی کا سبب ہے جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے۔ خَيْرُكُمْ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ "تم میں سے بہتر وہی ہے کہ جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھا ہو۔ (صحیح مسلم حدیث 2270 ترمذی کتاب الزھد حدیث 2336، احمد، دارمی، مشکوۃ، حسن صحیح)

اور جن مفسرین نے علی، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور باقی لوگوں کے واقعات ذکر کیے ہیں تو اس میں موت کی طلب زبان سے کرنا ان سے منقول نہیں ہے صرف ان کی موت سے محبت کرنا نقل کی گئی ہے۔

دوسرا اعتراض: اگر اسی طرح ملازمہ ہو تو ہو سکتا تھا کہ وہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہتے کہ تم جنتی ہو تو تم کیوں موت نہیں مانگتے ہو؟ اور یہ اعتراض دوسری توجیہہ پر لازم نہیں آتا ہے کیونکہ مباہلے کے وقت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جھوٹوں کیلئے موت کی دعا مانگی ہے۔ (ترمذی حدیث 2330، احمد، دارمی، مشکوۃ، حسن صحیح)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسرا اعتراض: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ (لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهِ) (متفق علیہ سلسلۃ الصحیحۃ 578) کوئی بھی تم میں سے موت کی تمنی نہ کرے اور نہ موت کیلئے دعا کرے۔ تو جب نبی ﷺ اس سے منع کر رہے ہیں تو پھر ان کو اس کا حکم کس طرح کر سکتے ہیں یا یہ اعتراضات دوسری توجیہ پر لازم نہیں آتے ہیں اور مباہلے کو تمنی کہا ہے اس لئے کہ مباہلے میں ہر ایک فریق دوسرے کی ہلاکت کے طلب کا مُتَمَنِّي ہوتا ہے لیکن یہودیوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کیا تھا جیسا کہ نصاریٰ نے بھی کیا تھا اور اس انکار کیلئے بعد میں دو وجہیں ذکر کی گئی ہیں۔

تفسیر 95: اس میں دلیل قطعی ہے کہ یہ لوگ موت کی طلب آنے والے وقت میں کبھی بھی نہیں کریں گے۔ (لَن) اور (أَبَدًا) دونوں الفاظ مستقبل کے زمانے میں نفی کی تاکید کیلئے ہیں۔ (بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ) اس سے مراد ان کے وہ اعمال ہیں جو جہنم لے جانے کا ذریعہ، آخری نبی سے انکار کرنا اور کتاب اللہ میں تحریف کرنا اور باقی بہت سارے (نافرمانیاں) جو یہ لوگ جانتے تھے۔ (أَيْدِيهِمْ) اس سے مراد ان کی نفس ہیں لیکن اکثر کام انسان اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے تو اس وجہ سے اکثر نسبت اس کی طرف ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ حج آیت 10 اور سورۃ انفال کی آیت 51، سورۃ شوریٰ کی آیت 38 اور ایک قول یہاں پر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ تحریف ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کی ہے جیسا کہ آیت 79 میں گزر چکا ہے اور (بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ) کے لفظ میں اشارہ ہے کہ اگر یہ لوگ یا کوئی اور دنیا کی مصیبتوں اور بیماریوں سے تنگ ہو جائیں اور اپنے لیے موت مانگیں تو موت کی تمنا کرنا اگرچہ وہ جنت کے دعوے کی وجہ سے نہ ہو تو بھی جائز نہیں ہے۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ: اس میں زجر ہے اور یہ دلیل ہے کہ جنت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے لوگ ظالم ہیں۔ اسی طرح یہ جملہ علت ہے (وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا) کی نفی کیلئے یعنی یہ غیب کی اطلاع اللہ کی طرف سے ہے اور یہ یقینی اور راجح ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ ان کی حالت کو جاننے والا ہے۔ فائدہ 1: اگر سوال کیا جائے کہ ان کی تمنا نہ کرنے پر کیا دلیل ہے؟

جواب یہ ہے کہ ابھی تک کسی اہل کتاب یا غیر اہل کتاب سے موت کی تمنا ثابت نہیں ہے۔ کہ اس نے موت کا سوال کیا ہو پھر اگر سوال کیا جائے کہ تمنا تو دل کا عمل ہے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دل میں تمنا کی ہو تو جواب پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہاں پر تمنا زبان کیساتھ سوال کرنے کے معنی میں ہے اور انہوں نے یہ سوال زبان سے کبھی نہیں کیا ہے۔

فائدہ 2: اس میں نبی ﷺ کے (صدق) سچائی کی دلیل ہے کہ انہوں نے یہ غیب کی خبر دی تھی کہ (وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا) اور ابھی تک یہ خبر سچی ہے تو معلوم ہوا کہ خبر اللہ کی طرف سے ہے اور نبی ﷺ کو وحی کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہے تو معلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ یہ حق نہیں ہے۔ فائدہ 3: اس طرح آیت سورۂ جمعہ 6 میں بھی آئی ہے لیکن دونوں آیتوں میں دو طریقوں سے فرق ہے۔ پہلا طریقہ: یہاں پر (اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ) کہا ہے اور وہاں پر (اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ) ہے۔ دوسرا طریقہ: یہاں پر (وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ) ہے اور وہاں پر (وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ) ذکر ہے تو پہلے فرق کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی آیت 80 اور 111 میں جنت کا دعویٰ ذکر ہے تو اس کی مناسبت سے اس آیت میں بھی (الدَّارُ الْاٰخِرَةُ) (جنت) ذکر کیا گیا اور سورۂ جمعہ میں جب ان کی تشبیہ گدھے سے دی تو انہوں نے کہا کہ ہم اولیاء اللہ ہیں اور گدھوں سے ہماری تشبیہ ہماری توہین ہے تو وہاں پر اولیاء اللہ ذکر کیا گیا۔ دوسرے فرق کی وجہ یہ ہے کہ جنت کا دعویٰ کرنا بڑا دعویٰ ہے اس لیے کہ جنت کا حاصل کرنا تو انتہائی سعادت کا درجہ ہے اور ولایت کا دعویٰ اس سے کم ہے اس لیے کہ ولایت تو جنت کیلئے ذریعہ ہے تو جب اس سورت میں ان کا بڑا دعویٰ ذکر کیا تو اس کی تردید بہت تاکید کیساتھ کی۔ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ۔ اور جب سورۂ جمعہ میں ادنیٰ دعویٰ ذکر تھا اس کے رد میں صرف نفی (لَا) کیساتھ اکتفا کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

تفسیر 96: یہ ان کے انکار کی دوسری وجہ ہے اس میں بھی لام اور نون تاکید کیلئے ہیں اور خطاب نبی ﷺ اور ہر اس شخص کو ہے جو خطاب کا اہل ہو (وَلَتَجِدَنَّهُمْ) یہاں پر وجد علم کے معنی میں ہے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ (هُمْ) پہلا مفعول ہے اور (اَحْرَصَ) دوسرا ہے اور احتمال ہے کہ لقی (پانے کیلئے) کے معنی میں ہو تو پھر ایک مفعول کو متعدی ہوگا جو (هُمْ) ہے اور (اَحْرَصَ) حال ہے۔ اَحْرَصَ النَّاسِ اس میں مِنْ پوشیدہ ہے اور احرص اسم تفضیل ہے ان کے زیادہ حریص ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (النَّاسِ) میں الف لام جنس کیلئے ہے اس لیے کہ ہر انسان طبعاً دنیا کی زندگی پر حرص کرتا ہے یا الف لام عہدی ہے اور مراد منکرین بعث بعد الموت یعنی قیامت کے منکر ہیں۔ عَلٰي حَيٰوةٍ: نکرہ زندگی کی ایک قسم پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حیاۃ طویلہ ہے۔ (تفسیر سراج المنیر) وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا یہ عطف ہے (اَحْرَصَ النَّاسِ) کے معنی پر یعنی (وَاَحْرَصَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) یا اَحْرَصَ پر عطف ہے بَلْ اَحْرَصَ کی تقدیر کے ساتھ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مبتدا سے پہلے خبر ہے اس کے بعد قوم مقدر ہے وہ اس کا مبتدا ہوگا اور الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا سے مراد مجوس ہیں یا مشرکین عرب ہیں یا وہ کافر جو بعث بعد الموت پر عقیدہ نہیں رکھتے اور زمخشری نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو عزیر ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے ہیں تو یہ خاص کا عطف عام پر ہوا۔ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ یہ استئناف ہے یہودیوں کے زیادہ حرص کے بیان کیلئے یا قوم کی تقدیر کیساتھ مبتدا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: أَلْفَ سَنَةٍ (ہزار سال) کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ جواب: یہ مجوسیوں کی عادت ہے سلام کرتے وقت وہ کہتے ہیں کہ ہزار سال جیو تمہاری ہزار فیروز اور مہر جان عمر ہو۔ اور یہودیوں نے بھی یہ عادت مجوسیوں سے سیکھی تھی یَوَدُّ تمنا کرنے کے معنی میں ہے اور (لَوْ يُعَمَّرُ) میں لَوْ تمنا کیلئے ہے مصدریہ ہے اور اس کے جواب یا جزاء کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سوال: یہودی مشرکین سے کیوں زیادہ حریص ہیں؟ جواب: (الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) جزا اور سزا کا عقیدہ نہیں رکھتے تو دنیا کی زندگی زیادہ لمبی نہیں مانگتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سزا کا کچھ خوف نہیں ہے اور یہودی تو بعث بعد الموت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی زندگی گزر جائے تو جانے کیسا تھا ہی ہمارے لیے سزا ہے اسی وجہ سے وہ لوگ دنیاوی زندگی طویل مانگتے ہیں۔ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ هُوَ کی ضمیر احد کی طرف راجع ہے یا ضمیر شان ہے اور (اَنْ يُّعَمَّرَ) اس کا بدل ہے یا تفسیر (عمر دیئے) کی طرف راجع ہے جو يُعَمَّرُ میں مصدر ہے یعنی عمر دیا جانا چاہے کم ہو یا زیادہ ہو۔ (ایمان اور عمل صالح کے بغیر) کچھ فائدہ نہیں دیتا اور عذاب سے بچا نہیں سکتے ہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اس میں تحدید اور زجر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے عذاب سے کوئی چھپ نہیں سکتا ہے۔ (بَصِيْرٌ) اللہ کی صفت ہے حقیقت پر محمول ہے مخلوق کی تشبیہ اور تمثیل کے بغیر اور تاویل اور تحریف کے بغیر اور جس نے یہ کہا کہ (بَصِيْرٌ عَلِيْمٌ) کے معنی میں ہے تو اس کا یہ قول فاسد ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ ”(اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ جو جبرائیل کا دشمن ہو۔ یقیناً یہ لاتے ہیں آپ کے دل پر قرآن اللہ کے حکم سے جو کہ تصدیق کرنے والے ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اور راستہ بتلانے والا ہے اور خوشخبری ہے مومنین کے لیے۔“[97] ”(تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ کا اور ان کے ملائکہ اور رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو، ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔“[98]

تفسیر 97: اس آیت سے لیکر آیت 176 تک اس سورۃ کا دوسرا حصہ ہے۔ اور اس حصے میں ان نوشبہات کے جوابات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق کیے گئے تھے پہلے بنی اسرائیل کے وہ خباثت تھے جو توحید کے عقیدے سے متعلق تھے اب ان کے ان خبائث کا ذکر ہو رہا ہے جو رسالت کے انکار کرنے سے متعلق ہیں اور اس حصے میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چار باب ہیں۔ پہلا باب آیت 97 سے 123 تک ہے اس میں بنی اسرائیل کے پانچ شبہات کے جوابات ہیں پھر پانچ زجر ہیں۔ (وہ بھی ان کے خبائث ہیں) پھر دو شبہات کے جواب ہیں پھر پانچ امور ہیں جن کا رسالت کیساتھ تعلق ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ پہلا شبہ جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ یہ آخری نبی پر وحی لاتا ہے اور یہ ہمارا دشمن ہے تو اس وجہ سے ہم نہیں مانتے ہیں۔ دوسرا شبہ سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ یہ تو ساحر تھا تو آپ اس کو کیوں نبی کہتے ہیں اور اگر نبی ہو تو پھر تو سحر جائز ہے تو پھر آپ کیوں سحر کو کفر کہتے ہیں۔ تیسرا شبہ: ہاروت اور ماروت کے بارے میں کہ یہ ملائکہ تھے اور لوگوں کو سحر سکھاتے تھے تو معلوم ہوا کہ سحر جائز ہے تو پھر آپ کیوں اس کو کفر کہتے ہیں۔ چوتھا شبہ کہ لفظ راعنا جائز ہے اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی تک یہ لفظ استعمال کرتے تھے تو جائز لفظ سے کیوں منع کیا گیا ہے۔ پانچواں شبہ: کبھی ایک حکم دیا جاتا ہے اور کل اس کے خلاف دوسرا حکم کرتے ہیں تو آپ خود ایسی بات میں متردد ہیں لہذا آپ نبی نہیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو ایسا تردد نہیں آسکتا تو معلوم ہوا کہ یہ آپ کا کلام ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہے پھر پانچ زجر ہیں ان کے پانچ اقوال اور پانچ کاموں پر۔

پہلا زجر: رسول پر اعتراضات کرنے پر ہے۔ دوسرا: لوگوں کو حسد کی وجہ سے دین سے پھیرنا۔ تیسرا: اپنے لیے جنت کا دعویٰ کرنا۔ چوتھا: ایک دوسرے کی کتاب (حق) سے انکار کرنا۔ پانچواں: اللہ تعالیٰ کی مساجد سے توحید والوں کو منع کرنا۔ چھٹا شبہ: اللہ تعالیٰ کی طرف ولد کی نسبت کرنے کے بارے میں ہے۔ ساتواں شبہ: اپنے لیے وحی اور نبوت کی خواہش کرنا۔ پھر پانچ امور رسالت کے متعلق ہیں: پہلا: رسول اللہ ﷺ کا صدق اور انہیں تسلی دینا۔ دوسرا: یہود و نصاریٰ کیساتھ اتحاد کرنا ممکن نہیں ہے۔ تیسرا: مومن کتابیوں سے دلیل نقلی۔ چوتھا: ترغیب۔ پانچواں: تخویف اخروی۔ ہر شبہے کا ذکر اور اس کا جواب اور زجر کی تفصیل تفسیر میں آئے گی۔ ربط: اس آیت 97 ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پہلے ذکر ہوا کہ یہ لوگ تعصب اور ضد کی وجہ سے تورات کے علاوہ دوسری کتاب نہیں مانتے تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہم قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ یہ ہمارا دشمن جبرائیل لیکر آیا ہے تو اس کا جواب ذکر ہوا قُلْ مَنْ كَانَ سے۔ اس طرح (بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ) میں ان کے برے اعمال کی طرف اشارہ تھا تو اب ان کے برے اعمال کی تفصیل پہلا ہو رہا ہے ان کے برے اعمال میں سے پہلا یہ ہے کہ یہ لوگ جبرائیل سے دشمنی کی وجہ سے قرآن کریم اور رسول کا انکار کرتے ہیں۔ تو اس آیت میں پہلے شبہے کا جواب جو جبرائیل کے بارے میں تھا۔ تفسیر اس کی یہ ہے کہ امام ابن جریر اور ابن کثیر رحمہا اللہ نے کہا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ یہودیوں کے رد میں نازل ہوئی ہے وہ نبی ﷺ سے کہتے ہیں کہ آپ کی طرف وحی جبرائیل لاتا ہے وہ آپ کا دوست ہے لیکن ہمارا دشمن ہے اگر میکائیل یہ وحی لاتا تو ہم ایمان لاتے لیکن اس قول کے سبب میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے اس کا سبب یہود اور نبی ﷺ کا مناظرہ قرار دیا ہے اور وہ روایات امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے جمع کی ہیں۔ جن میں یہودیوں کے تین سوالات کا ذکر ہے اور بعض میں چار کا اور بعض میں پانچ سوالات کا ذکر ہے اور جس روایت میں تین سوالات کا ذکر ہے وہ امام بخاری نے ذکر کی ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4480) اس میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جبرائیل تو یہودیوں کا دشمن ہے تو نبی نے اس آیت کی تلاوت کی (احمد 1/273، ابوداؤد طیالسی 1731، سلسلۃ صحیحہ 7/1516) (تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ نزول کا سبب نہیں ہے) اور جن روایات میں چار اور پانچ سوالات کا ذکر ہے تو اس میں صراحت ہے کہ یہ آیات اسی وقت میں نازل ہوئی تھیں ان کی سندوں میں اگرچہ ضعف ہے لیکن ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کے نزول کا سبب عمر رضی اللہ عنہ اور یہودیوں کا مناظرہ ذکر کیا ہے لیکن ان روایات کی سند میں انقطاع ہے شعبی اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان اور قتادہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان۔ اور ان تمام روایات میں مجموعی طور پر ذکر ہے کہ انہوں نے کہا کہ جبرائیل اس وجہ سے ہمارا دشمن ہے کہ وہ ایسا (فرشتہ) ہے کہ سختی اور قتل کے احکام لاتا ہے اور جنگیں اور عذاب لاتا ہے وہ تنگی اور قحط لانے والا ہے۔ اور امام رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ان کی دشمنی کا سبب یہ ہے کہ جب سورۂ نحل آیت 102 اور سورۂ شعراء کی آیت 193 انہوں نے سنی تھی کہ اس میں قرآن کے انزال کی نسبت روح القدس اور روح الامین کی طرف ہے اور یہودی اقرار کرتے تھے کہ یہ صفات تو جبرائیل کی تھیں تو انہوں نے اعتراض کر لیا کہ یہ ہمارا دشمن ہے اس وجہ سے کہ وحی کا تعلق تو بنی اسرائیل سے ہے اور جبرائیل آخری وحی بنی اسماعیل میں لے آئے اور اس توجیہ کیساتھ اس آیت کا ربط بھی (إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ) کیساتھ یہ ہے کہ جیسے یہ لوگ اپنے لیے جنت خاص کرتے تھے تو اسی طرح یہ لوگ اپنے لیے نبوت کی وحی بھی خاص کرتے تھے تو آخری بات کی وجہ سے انہوں نے جبرائیل علیہ السلام کیساتھ دشمنی کا اظہار کیا ہے۔ (اور اس شبہے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کا کذب اور بطلان ثابت ہو جائے تو اس نبی کی نبوت کا دعویٰ بھی باطل ہو جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک صحیح حدیث ہو لیکن باطل پرست انسان اس کی سند پر (غلط) اعتراض کرے اور یہ طریقہ اہل تشیع کا ہے کہ وہ لوگ دین اسلام کی سند کو برا کہتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں یا کہتے ہیں کہ جبرائیل سے وحی میں غلطی ہوئی کہ علی رضی اللہ عنہ کے بجائے محمد ﷺ پر وحی لائے ہیں ان شیعوں کو غرابیہ کہا جاتا ہے) تو اس شبہے کا جواب اس قول (قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ) سے ہوا۔ جواب کا خلاصہ آنے والی آیتوں میں یہ ہے کہ جبرائیل یہ وحی اللہ تعالیٰ کے اذن کیساتھ لائے ہیں اور وحی (قرآن) میں پہلی کتابوں کی تصدیق اور موافقت ہے اس میں ہدایت اور بشارت ہے اور جبرائیل علیہ السلام کیساتھ دشمنی اللہ تعالیٰ اور تمام رسولوں اور ملائکہ کیساتھ دشمنی کا سبب ہے اور کفر کا سبب ہے اور یہ وحی آیات بینات ہیں اور اس سے کفر کرنا کمال فسق ہے اور یہ اعتراض کرنے والے عہد و توڑنے والے ہیں اور بے ایمان ہیں اور اس نبی کے آنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب پیچھے پھینک دی ہے اور امیوں کی طرح ہو گئے اور سحر اور منتر کی پیروی شروع کی ہے۔ ان تمام آیات میں ان کے جوابات اور خباثتیں مذکور ہیں۔ لِجِبْرِيلَ: صاحب اللباب نے اس لفظ میں تیرہ قراءتیں ذکر کی ہیں۔ امام بخاری نے تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ جبر اور میک اور عبدیت پر دلالت کرتے ہیں اور (ایل) اللہ کے معنی میں ہے اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ (جبر) عبد اور (میک) عبد کے معنی میں ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جبر اور میک اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جیسا کہ رحمن اور رحیم ہیں اور (ایل) عبد کے معنی میں ہے اور یہ عجمی (عبرانی) زبان ہے اس میں مضاف الیہ مضاف سے پہلے لایا جاتا ہے۔ ابن خلدون نے اسی طرح کہا ہے (واللہ اعلم)۔ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ

سوال: یہاں پر تو شرط اور جزاء کی مناسبت نہیں ہے؟

جواب: جزا اصل میں پوشیدہ ہے اور اس پوشیدہ جزاء پر یہ دلالت کرتا ہے اور اس میں بہت سارے اقوال ہیں۔

1: اس کی دشمنی کے جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ 2: اپنے غصے میں مر جائے۔

3: انصاف کے کپڑے کو گلے سے اتار دیا۔ 4: ما انزل اللہ پر کفر کر لیا۔

5: وہ میرا دشمن ہے اور میں اس کا دشمن ہوں (اس قسم کے الفاظ جزا کیلئے پوشیدہ ہے)۔

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ: إِنَّهُ کی ضمیر کا مرجع اور نزول کا فاعل جبرائیل ہے (عَلَىٰ قَلْبِكَ) عَلَىٰ استعلا پر دلالت کرتا ہے یعنی قرآن غالب ہے آپ کے دل پر اوپر کی طرف سے آتا ہے اور آپ کے دل پر احاطہ کیا ہے۔ اور (قَلْبِكَ) میں علم اور عقل کے محل کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ انزال صرف زبان پر نہیں ہے بلکہ دل پر ہے اور جو علم دل میں ہوتا ہے تو وہ مضبوط علم ہوتا ہے۔ اس طرح اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے وحی کا محل و مرکز دل ہوتا ہے اور ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی وجہ سے ان کا خواب دیکھنا بھی وحی ہوتا ہے۔ (یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے) (صحیح بخاری حدیث 6587-6593)
اور اسی طرح سورۂ شعراء آیت 194 میں ہے۔ بِإِذْنِ اللَّهِ اذن کے بہت سارے معانی ہیں (بعد میں ان شاء اللہ ذکر ہوں گے) لیکن یہاں امر کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ سورۂ مریم آیت 64 میں ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے علم اور اختیار اور تسہیل کے معنیٰ میں ہو تو یہ اصل جواب ہے کہ جبرائیل اگر وحی میں سختی اور عذاب لاتا ہے اور اگر خیر لاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے امر سے لاتا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ داخل نہیں کرتا تو یہ اس کے ساتھ دشمنی کا سبب نہیں ہو سکتا ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ: نَزَّلَهُ کے مفعول کا حال ہے یا اس کے فاعل کا۔ اور اس میں ایک وہم کو ختم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کبھی سند کے راوی معتمد ہوتے ہیں لیکن حدیث کے متن میں نقص ہوتا ہے اسی وجہ سے محدثین نے کہا ہے کہ سند کی صحت متن کی صحت کو مستلزم نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ قرآن میں بھی کچھ نقصانات ہوں تو اس کا جواب ہوا کہ قرآن میں کوئی عیب نہیں ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا: مُصَدِّقًا یعنی پہلی کتابوں میں اس قرآن کے آنے کا ذکر ہوا ہے تو اس کا نزول اس بات کی تصدیق ہے جو پہلی کتابوں میں ذکر ہوا ہے اسی طرح اس قرآن کا مضمون پہلی کتابوں کے مضامین کے موافق ہے تو یہ قرآن کریم کے کمال صدق کی دلیل ہے۔ دوسری وجہ: هُدًى یہ مصدر هَادِيٌ کے معنیٰ میں ہے۔ مبالغے کی وجہ سے مصدر لایا گیا یعنی یہ قرآن مکمل ہدایت ہے۔ خطا کا نقصان گمراہی کی باتیں اور بے دلیل باتیں اس میں نہیں ہیں۔
تیسری وجہ: بُشْرَىٰ: یہ مصدر بھی فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی مُبَشِّرٌ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے سننے کی وجہ سے مومن ہر وقت دل میں خوشی اور اطمینان محسوس کرتا ہے اور ظاہری چہرے پر بھی خوشی کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ مومن پر کسی قسم کا بوجھ نہیں بنتا ہے یعنی صرف بشارت کی آیتیں مراد نہیں ہیں۔ لِلْمُؤْمِنِينَ یہ هُدًى اور بُشْرَىٰ دونوں کے ساتھ متعلق ہے اور مومنین کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ قرآن سے ہدایت اور بشارت کا فائدہ انہی کو حاصل ہوتا ہے۔
تفسیر 98: اس میں ان کا دوسرا رد ہے یعنی جبرائیل سے دشمنی اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ اور تمام رسولوں کی دشمنی کا موجب ہے اور یہ کفر کی علامت ہے۔ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ: اللہ تعالیٰ کا دشمن اس کی ہر مخالفت اور نافرمانی کرنے والا ہے اور قرآن مجید میں ذکر ہے کہ ہر کافر اللہ کا دشمن ہے جیسا کہ سورۂ توبہ آیت 114 میں ہے اور اسی طرح قرآن سے منع کرنے والا جیسا کہ سورۂ حم سجدہ کی آیت 28 میں اور فرعون جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت 39۔ وَمَلَائِكَتِهِ ملائکہ کیساتھ دشمنی ان سے انکار کرنا ہے یا ان کی ایسی صفات ذکر کرنا جو قرآن اور سنت سے ثابت نہ ہوں یا ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینا یا اس وجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے دشمنی کرنا کہ وہ کیوں آخری نبی محمد ﷺ پر وحی لائے ہیں۔ وَرُسُلِهٖ رسول سے ہر مخالفت کرنے والا اور ان کی ایسی صفات بیان کرنا جو ان کی شان کے مخالف ہوں تو یہ رسول کے ساتھ دشمنی کرنا ہے اور قرآن مجید میں ذکر ہے کہ شیاطین انس وجن انبیاء کے دشمن ہیں جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت 113 میں ہے اور ہر مجرم اس کا دشمن ہے جیسا کہ سورۂ فرقان کی آیت 31 میں ہے۔ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ سوال: یہ دونوں تو ملائکہ میں داخل تھے تو انہیں الگ کیوں ذکر کیا؟

جواب: کئی وجوہات کی بنا پر انہیں الگ ذکر کیا گیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہودیوں کے ساتھ بحث جبرائیل کی دشمنی کے بارے میں اور میکائیل سے دوستی کے بارے میں تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ان دونوں کی شرافت اور فضیلت کی طرف اشارہ ہے باقی تمام ملائکہ پر۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جبرائیل روح اللہ اور اللہ تعالیٰ کے امین ہیں وحی پر اور میکائیل فتح اور رحمت کے خزانوں پر امین ہیں۔ (ابن قیم)

فائدہ: جب رسولوں کیساتھ دشمنی وحی کے نزول کے سبب سے ہے اور وحی کا نزول ملائکہ کے نزول کے سبب سے ہے اور ملائکہ کا نزول اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے تو پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا پھر ملائکہ کا پھر رسولوں کا۔ اور اس میں واو (اَوْ) کے معنیٰ میں ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی دشمنی بھی کفر ہے فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ یہ مَنْ کیلئے جزا ہے اور اسم ظاہر (كٰفِرِيْنَ کو) ضمیر کی جگہ میں رکھا ہے یا جزا پوشیدہ ہے (فَاِنَّهٗ كَافِرٌ)

تنبیہ: عداوت کو قرآن میں چودہ مصداقات کیساتھ ذکر کیا ہے۔ پہلا: مطلق دشمنی انسانوں اور شیطان کے درمیان جیسا کہ سورۂ بقرۃ آیت 36 میں ہے۔ دوسرا: ملائکہ کیساتھ عداوت جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

تیسرا: اللہ تعالیٰ کی کافروں کیساتھ عداوت جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ چوتھا: شیطان کی انسان کیساتھ عداوت، جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت 168 میں ہے۔ پانچواں: مؤمنین کے ساتھ اہل کتاب کی عداوت، جیسا کہ سورۂ نساء، آیت 45: میں چھٹا: حربی کافر کی عداوت، جیسا کہ سورۂ نساء، آیت 92: میں ہے۔ ساتواں: انبیاء کیساتھ عداوت جیسا کہ سورۂ انعام، آیت: 113 میں ہے۔ آٹھواں: کافر کی عداوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ، جیسا کہ سورۂ توبہ، آیت 114 میں ہے۔

نواں: فرعون اللہ کا دشمن ہے، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ، آیت 39: میں ہے۔ دسواں: ہر نبی کا فر کا دشمن ہے، جیسا کہ سورۂ قصص، آیت 8 میں ہے۔ گیارہواں: معبودان باطلہ قیامت کے دن مشرکین کے دشمن ہوں گے، جیسا کہ سورۂ احقاف، آیت 6 میں ہے۔ بارہواں: آخرت کے دن دوستوں کی عداوت اخرویہ، جیسا کہ سورۂ زخرف، آیت 67 میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیرھواں: ہر منافق مؤمن کا دشمن ہے، جیسا کہ سورۃ منافقون، آیت 4 میں ہے۔

چودھواں: بعض اولاد اور بیویاں دشمن ہیں، جیسا کہ سورۃ تغابن، آیت 14 میں مذکور ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ "اور تحقیق کے ساتھ نازل کیے ہیں ہم نے آپ کی طرف آیات واضح (مضمون والی) اور انکار نہیں کرتے ہیں ان کے مگر نافرمان لوگ۔" [99] "اور جب بھی وعدہ کرے یہ تو توڑ دیتی ہے ایک جماعت ان میں سے بلکہ بہت سارے ان میں ایمان نہیں لاتے ہیں۔" [100] "اور جب آئے ان کی پاس کوئی رسول اللہ کے طرف سے جو کہ تصدیق کرنے والے ہو ان کتابوں کی جو ان کے پاس ہیں تو پھینکا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی کتاب اللہ تعالیٰ کی اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا یہ نہیں جانتے ہیں۔" [101]

تفسیر 99: یہ بھی گزشتہ جواب سے متعلق ہے یعنی جبرائیل کے واسطے سے آیات بینات نازل ہوئی ہیں تو جب آیات بینات نہیں دیکھتے ہیں اور صرف جبرائیل کیساتھ دشمنی کے عذر سے قرآن سے انکار کرتے ہیں تو یہ لوگ بہت سرکش ہیں۔

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اس سے مراد قرآن کریم کی آیتیں ہیں اصول دین کے ذکر میں اور حرام اور حلال کے احکام ہیں اور حدود میں واضح ہیں اور اس میں تحدی کی آیات اور سابقے اور آخری نبی کریم ﷺ کے باقی معجزات بھی داخل ہیں۔ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فسق جب مستعمل ہو جائے گناہوں کی ہر قسم میں تو اس نوع کی بڑی قسم مراد ہوتی ہے یعنی جب مسلمانوں کے معاصی میں فسق ذکر ہو جائے تو اس سے مراد کبائر گناہ ہیں اور جب کفر میں ذکر ہو تو اس سے آخری درجے کا کفر مراد ہے جس نے کفر کی حالت میں حد سے تجاوز کیا ہو یعنی کفر میں ضد، عناد اور سرکشی کرنے والے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مکمل نکل چکا ہوتا ہے۔

تفسیر آیت 100: یہ بھی عداوت جبرائیل سے متعلق ہے یعنی جو جبرائیل کیساتھ دشمنی کرتا ہے تو گزشتہ خباثت کے باوجود یہ لوگ عہد توڑتے ہیں اور بے ایمان بھی ہیں تو یہ بھی انہی منکرین کو زجر ہے۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا یہ ہمزہ استفہامی زجر کیلئے ہے کبھی 'واؤ' پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اور کبھی 'فاء' پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ کی آیت 50 میں اور کبھی 'ثم' پر جیسا کہ سورۃ یونس، آیت 51 میں ہے۔ امام زمخشری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ واو عطف کا ہے، پوشیدہ معطوف پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلالت کرتا ہے یعنی کیا یہ لوگ کفر کرتے ہیں آیات بینات پر اور وعدے بھی توڑتے ہیں اور عٰہَدُ ا سے مراد اللہ تعالیٰ کا ہر وہ حکم ہے جو تورات میں موجود تھا اور انہوں نے اس عہد کی مخالفت کی ہے جیسا کہ اس سورت کی آیت 63، 69، 83، 84 میں گزر چکا ہے اور باقی سورتوں میں بھی ذکر ہوگا۔ نَّبَذَهٗ۔ نبذ اصل میں کسی چیز کو نفرت کیساتھ پھینک دینا ہے اور کبھی کبھی مطلقاً چھوڑنے کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اشارہ ہے کہ ان سب نے وعدوں کو نہیں توڑا بلکہ بعضوں نے اس عہد کی دفائی کی ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اس میں ایک وہم کا رد ہے کہ فریق سے مراد کم لوگ ہیں؟ تو اس کے ساتھ وہم دور کر لیا کہ یہ فریق بہت لوگ ہیں اور (لَا يُؤْمِنُوْنَ) سے مراد نبذ میں ترقی ہے یعنی ان کی وعدہ خلافی عدم ایمان کے مرتبے میں ہے یا اس میں دو قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہے پہلے وہ ہیں کہ جنہوں نے عہد کو مانا ہے لیکن بعد میں اس کو توڑا ہے یہ ایک فریق ہے اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بالکل عہد نہیں مانتے۔ اور یہ کثرت سے ہیں جو عہد سے حسد، عناد اور تورات کے عہود میں تحریف کرنے کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

تفسیر 101: اس میں بھی زجر ہے اور پہلے پر عطف ہے یعنی جبرائیل کی دشمنی نے ان کو بڑے کفر تک پہنچایا جو آخری رسول پر کفر ہے اور کتاب اللہ کو گرانا ہے۔ ربط: پہلی آیت میں عہود الہیہ کا نبذ ذکر ہوا تو اس آیت میں اس کتاب کا نبذ ذکر ہو رہا ہے، جو ان عہود پر مشتمل تھا۔ رَسُوْلٌ تنکیر تعظیم کیلئے ہے۔ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اس میں بھی رسول کی تعظیم ہے لیکن پہلے رسول میں تفخیم ذاتی تھا اور اس میں تفخیم اضافی ہے۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ اس میں تفخیم علمی ہے۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ فریق میں اشارہ ہے کہ بعض اہل کتاب ایمان لائے تھے جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ لفظ قباحت کے مقابل میں اکثر ذکر ہوتا ہے اور (اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتَابَ) یہ مدح کے مقام میں ذکر ہوتا ہے۔ (اُوْتُوا الْكِتٰبَ) سے ان کے علماء مدرسین مراد ہیں یا وہ سب لوگ جو کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں چاہے علم رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔

كِتٰبَ اللّٰهِ: اس میں مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تورات ہے۔ اور دو وجوہات سے یہ افضل قول ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نبذ کا لفظ اس جگہ ذکر ہوتا ہے کہ ایک چیز پہلے سے کسی کے پاس ہو اور پھر اس کو گرا دیا جائے۔ دوسری وجہ فریق بعض کے انکار پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قرآن سے تو سب نے انکار نہیں کیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: تورات تو انہوں نے گرائی نہیں بلکہ اس کا درس وتدریس کرتے ہیں؟

جواب 1: جب قرآن ایمانیات میں تورات کیساتھ موافق تھا تو قرآن کا گرانا تورات کے گرانے کو مستلزم ہوا۔

جواب 2: امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کتاب تو یہ لوگ پڑھتے ہیں لیکن عمل اس پر نہیں کرتے ہیں اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر چہ انہوں نے اپنی کتاب کو ریشم میں لپیٹا ہے اور سونے اور چاندی سے مزین وخوبصورت کیا ہے لیکن اس کا حلال، حلال نہیں سمجھتے اور حرام کو حرام نہیں سمجھتے تو یہ نبذ ہے۔ (امام قرطبی، تفسیر ابو حیان)

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ یہ اعراض کرنے سے کنایہ ہے اور یہ تشبیہ ہے کہ ایک چیز کو پیچھے ایسا گرادیا جائے کہ پھر اس کو دیکھنے کے لئے گردن موڑنی پڑے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ کتاب اللہ سے اعراض کرنا تنزل اور پستی کا موجب ہے۔ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اس میں ان اہل علم کی تشبیہ بے علم امیین کیساتھ دی گئی ہے۔ اور اس کا مفعول مخفی ہے یعنی علم نہیں رکھتے کہ یہ کتاب اللہ ہے یا یہ کہ یہ نبی صادق ہے یا یہ کہ اس کتاب پر عمل کرنا فرض ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ "اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (جن وانس) سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہیں کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور وہ چیز جو دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا بابل شہر میں جو کہ ھاروت اور ماروت ہیں وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر مت کریں (جادو کرنے کے ذریعے) پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈالی جاتی ہے اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نہ نفع پہنچا سکے، اور یہ لوگ یقینی طور پر جان چکے تھے کہ جس نے کیا جادو کو تو اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔" [102]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 102: اس آیت میں دوسرا زجر اور ان کی دوسری خباثت کا ذکر ہے اور رسالت کے بارے میں کیے گئے شبہات میں سے دوسرے کا جواب ہے ہم آپ کو اس لئے نبی نہیں مانتے ہیں کہ آپ اپنی کتاب میں سلیمان علیہ السلام کو نبی کہتے ہیں جب کہ وہ جادوگر تھا اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ سحر کو کفر کہتے ہیں حالانکہ یہ تو سلیمان علیہ السلام کا عمل تھا تو نبی کے علم اور عمل کو کفر کہتے ہو اس وجہ سے ہم آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اور اس شبے کا سبب یہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام کے دور میں جادو کا چرچا ہو گیا تھا۔ انس وجن شیاطین نے اس کے عملیات شروع کیے تھے جب سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا تو انہوں نے شیاطین کو پابند اور قید کر لیا اور سحر کی تمام کتابوں کو ضبط کر لیا اور اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیا تو اس وقت سحر کا چرچا ختم ہو گیا لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو شیاطین نے ان کتابوں کو نکال لیا اور اس سے لوگوں کو دھوکا دیا کہ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی سحر کے ذریعے سے چلتی تھی اور ثبوت کیلئے لوگوں سے کہا کہ اس کے تخت کے نیچے سحر کی کتابیں تھیں جب انہوں نے وہ نکالیں تو پھر یہودیوں میں سحر کا چرچا شروع ہوا اور انہوں نے تورات کو چھوڑ دیا۔

جواب کا خلاصہ: یہ ہے کہ تم نے سلیمان علیہ السلام پر افتراء کیا ہے اس نے سحر نہیں کیا تھا بلکہ سحر پر پابندی لگائی تھی اور سحر کی کتابوں کو بند کیا تھا یعنی وہ حق نبی اور بادشاہ تھے ان کی بادشاہی معجزانہ تھی اور وہ سحر سے پاک تھے کیونکہ سحر کفر ہے اور انبیاء علیہم السلام تمام گناہوں سے اور خاص طور پر کفر سے تو مکمل طور پر پاک ہوتے ہیں اور قاضی رحمہ اللہ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ پہلے یہودیوں (شیطانوں) نے مشہور کیا تھا کہ سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں مرتد ہوئے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور اس کے لیے عبادت خانے بنائے تھے یہ تورات کے (محرف) گیارہویں فصل سفر الملوک کے تیسرے باب میں ہے۔ تو جب اہل کتاب کے بعد والے عاقلوں نے اس افتراء کو دیکھ لیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری مقدس کتابوں میں تمام باتیں الہامی نہیں ہیں بلکہ بعض باتیں ان میں اہل تاریخ کے طریقے پر لکھی گئی ہیں۔ (اظہار الحق شیخ رحمہ اللہ) میں کہتا ہوں: کہ یہودیوں کے یہ دعوے اس امت میں بھی آئے ہیں اس امت کے جادوگر و تعویذ گر اور ٹونے ٹوٹکے والوں نے بھی ..نقش سلیمانی.. کے نام سے ایک کتاب چھاپی ہے جس میں بہت سے الفاظ شرکیہ، کفریہ اور مہملہ ہیں یعنی یہ لوگ بھی سلیمان علیہ السلام پر شرک اور سحر کی تہمت باندھتے ہیں۔ وَاتَّبَعُوْا ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو گزشتہ آیت میں (نَبَذَ) کا فاعل تھا اس سے مراد درس وتدریس اور سحر پر عمل کرنے میں پیروی مراد ہے اور تفسیر طبری میں ہے کہ اتباع سے مراد فضیلت دینا ہے اس لیے کہ جو بھی کسی چیز کی پیروی کرتے ہیں اس کو فضیلت دیتے ہیں۔ مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلاوت سے ہے یعنی شیاطین پڑھتے تھے یا (تِلْوٌ) سے ہے یعنی شیاطین اس کی پیروی کرتے تھے۔ یا (تکذیب) کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کے بعد (عَلٰی) آیا ہے یعنی شیاطین کا جھوٹ بولنا ہے۔ (راغب) الشَّیٰطِیْنُ: اس میں مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد انسی و جنی دونوں شیاطین ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف انسی شیاطین ہیں کیونکہ جنات انسانوں کو عادتاً پڑھانے اور تعلیم دینے کا کام نہیں کر سکتے بلکہ انسان آپس میں ایک دوسرے کو تعلیم وتعلم سے آراستہ کرتے ہیں۔ اس قول کو امام قاسمی رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے عوفی کی روایت سے (مَا تَتْلُوْا) سے مراد ڈھول باجے کے آلات اور کھیلنا اور اس طرح ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ کے ذکر سے منع کرے اور دیگر روایتوں میں اس سے مراد سحر ہے اس لیے بعد والا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ: (عَلٰی) اپنے معنی پر ہے اور تَتْلُوْ جھوٹ بنانے کے معنی میں ہے یعنی سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی پر جھوٹ بولنا ہے (کہ یہ سحر سے چلتی تھی) یا مضاف مقدر ہے (عَلٰی عَهْدِ مُلْكِ سُلَیْمٰنَ) سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کے زمانے میں یا عَلٰی (فِیْ) کے معنی میں ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے پہلی توجیہ کو پسند کیا ہے یا (عَلٰی) مقابلے کے معنی میں ہے اور (مُلْك) سے مراد شرع اور نبوت یعنی یہ لوگ سحر کیساتھ اس کی شرع اور نبوت کا مقابلہ کرتے تھے۔ (امام قرطبی) اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ سحر اس زمانے سے پہلے بھی موجود تھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اور صالح علیہ السلام کے زمانے میں سورۂ شعراء کی آیت 153 اور شعیب علیہ السلام کے زمانے میں سورۂ شعراء آیت 185 میں ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ یہ جواب میں صراحت ہے اور تمام کفریات سے خاص کر سحر سے سلیمان علیہ السلام کی پاکی بیان کرنا ہے۔ سوال: انہوں نے تو اس کی طرف سحر کی نسبت کی تھی کفر کی نسبت تو نہیں کی تھی؟

جواب 1: اس قسم کا سحر کفر تھا اس وجہ سے اس پر کفر کا اطلاق کیا۔ جواب 2: پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے سلیمان علیہ السلام کی طرف سحر کیساتھ کفر اور شرک کی نسبت بھی کی تھی۔ اس وجہ سے عام لفظ (کفر) کی نفی کر لی گئی۔

وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا شیطانوں نے جادو کے استعمال اور اس کے لکھنے اور ترتیب دینے میں کفر کیا تھا۔ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ضمیر شیاطین کی طرف راجع ہے اور یہ جملہ حالیہ ہے یا (لٰكِنَّ) کیلئے دوسری خبر ہے یا استئناف ہے اس میں ان کے کفر کا مقصد بیان ہوا ہے کہ سحر کی تعلیم لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سحر کے مسئلے کے بارے میں مباحث:

پہلی بحث: سحر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے بارے میں ہے۔ دوسری بحث: سحر کی اقسام کے بارے میں ہے۔
تیسری بحث: سحر کے احکام کے بارے میں ہے۔ چوتھی بحث: سحر کی حقیقت اور اس کی تاثیر کے بارے میں ہے۔

پہلی بحث کی تفصیل: سحر کا مادہ (س ح ر) قرآن میں تریسٹھ (63) مرتبہ ذکر ہوا ہے، چھ معنوں میں استعمال ہوا ہے:
1: حق سے پھیرنے کے معنی میں سورۂ مؤمنون، آیت 89۔ 2: جادو کے معنی میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں انتالیس (39) مرتبہ آیا ہے۔ 3: جادو کے معنی میں قرآن کریم کے بارے میں منکرین کی طرف سے تیرہ (13) مرتبہ ذکر ہوا ہے۔
4: منکرین کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام پر ساحر ہونے کا الزام سورۂ شعراء، آیت 153، 185 اور سورۂ ذاریات، آیت 52 میں۔ 5: سحری کے وقت کے معنی میں، سورۂ قمر، آیت 34، سورۂ آل عمران، آیت 17، سورۂ الذاریات، آیت 18۔ 6: جھوٹ کے معنی میں سورۂ ہود، آیت 7۔

جبکہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے نو (9) معانی ذکر کیے ہیں:
پہلا معنی خداع (دھوکا دینا) دوسرا معنی پھیپھڑا (انسان کا ایک عضو) اس کی وجہ سے انسان کھانے پینے کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ یہ معنی لفظ سحر کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ تیسرا معنی خفا (چھپانا) چوتھا معنی: صرف (پھیرنا) پانچواں معنی: مائل کرنا۔ چھٹا معنی: طریقہ یا وہ کلام جو باریک ہو۔ ساتواں معنی: جھوٹ کو مزین کرنا۔ آٹھواں معنی: چیزوں کو خیالات میں بدلنا۔ نواں معنی: حلق کا ایک طرف۔ دسواں معنی: غذا کھانا۔ گیارہواں معنی: سحری کا وقت۔ (آخری دو معانی راغب کی مفردات میں مذکور ہیں)

سحر کی اقسام کے بارے میں دوسری بحث: شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تفسیر فتح العزیز میں اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ سے سحر کی بہت سی اقسام نقل کی ہیں:
پہلی قسم: ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کلدانیین اور کشدانیین کا سحر جو تاروں کو مخاطب کرنے کے طور پر تھا اور وہ سحر بابلی سے مشہور ہے جو ہاروت، ماروت سے لیا گیا تھا، اور اس باب میں امام رازی کی کتاب ہے (كِتَابُ السِّرِّ الْمَكْتُوْمِ فِيْ مُخَاطَبَةِ الشَّمْسِ وَالنُّجُوْمِ) اس کتاب کی وجہ سے بعض اہل علم نے ان کی طرف کفر کی نسبت کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ انھوں نے اس سے توبہ کی تھی اور بعض نے کہا کہ انھوں نے یہ اعتقاد کے طور پر نہیں لکھی ہے۔ (واللہ اعلم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری قسم: اصحاب الاوھام اور نفوس قویہ کا سحر، اور اس کو سحر تعلیق الوھم کہا جاتا ہے اور امام ابن کثیر نے دو اقسام کی طرف اس کی تقسیم کی ہے۔ پہلی: کرامات کے طور پر نفوس کے احوال اور اس کو سحر نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن وہ کرامت والے کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ دوسری: فساد کرنے والوں کے احوال جیسا کہ دجال اور وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اس کو استدراج کہا جاتا ہے۔

تیسری قسم: جنات سے (استعانت) مدد طلب کرنا اور یہ کم اعمال اور آسان اعمال کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ دم کرنا اور دھونی دینا اور اس کو عزائم اور عمل تسخیر کہا جاتا ہے ان جنات میں سے بعض مؤمن ہوتے ہیں اور بعض کافر ہوتے ہیں ایمان والے اکثر اچھے کاموں میں مدد کرتے ہیں اور کافر برے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ چوتھی قسم: خیالات اور نظر بندی کا سحر اور مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا سحر یہی تھا۔ پانچویں قسم: سحر جو چھپے ہوئے آلات کے استعمال کے ذریعے سے ہو جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پارے سے بھری تھیں اور دھوپ میں ڈالی تھیں تو وہ ہلتی تھیں۔ چھٹی قسم: سحر نیرنج ہے جو بعض دواؤں کے کھانے اور پینے سے ہوتا ہے اور اس کے ساتھ عوام کو دھوکا دیتے ہیں جس طرح کہ بعض منتر کرنے والے ایک قسم کی دوائی اپنے اوپر لگاتے ہیں اور پھر آگ ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں اور جلتے نہیں۔ ساتویں قسم: دلوں کو جوڑنے کا سحر جیسا کہ ایک انسان اسم اعظم کے علم کا دعویٰ کرتا ہے اور جنات کی تسخیر کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا انسان بیوقوف ہوتا ہے تو اس دعوے کی وجہ سے اس کے دل میں پہلے انسان سے خوف اور رعب پیدا ہو جاتا ہے یا اس کے ساتھ محبت اور عقیدت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کو حتبلہ کہا جاتا ہے۔ آٹھویں قسم: چغلی کے ذریعے سے جادو کرنا ایسے باریک طریقے سے کہ دو مومنوں کے درمیان جدائی ڈالی جائے۔ نویں قسم: ہاتھوں کی صفائی اور چالاکی کا جادو ہے اس کے ذریعے سے لوگوں کو تعجب میں ڈالیں اور اس سحر کو شعبدہ بازی کہا جاتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ اس میں بعض اقسام سحر میں لغوی معنیٰ کی مناسبت سے داخل کیے گئے ہیں اس لئے کہ اس میں پوشیدگی اور باریکی کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے کہا ہے کہ یہودیوں کا سحر اکثر ارواح شیطانیہ کی استعانت (مدد طلب کرنے) کے ذریعے ہوتا ہے اور اس کے ناموں کو ذکر کرنا اور مہمل کلمات کا پڑھنا اور ایسی تصویریں جو خوفناک ہوں یا مائل کرنے والی ہوں۔

تیسری بحث سحر کے احکامات کے بارے میں: اقسام کے اختلاف کے اعتبار سے اس کے احکامات میں بھی اختلاف ہے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بعض کفر اور شرک ہیں اور بعض ان میں سے حرام ہیں۔ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس کے احکام اس طرح تفصیل سے بیان کیے ہیں کہ پہلی قسم (سحر بابلی) جو خالص کفر اور شرک ہے اس وجہ سے کہ اس میں پہلی شرط دل کی باتوں پر ارواح کے علم کا عقیدہ رکھنا ہے۔ دوسرا ان کی ہر چیز پر کامل قدرت کا عقیدہ رکھنا، تیسرا ان کا شرکیہ کلمات سے دعا مانگنا جیسا کہ قمر کی دعا میں کہتے ہیں۔ أَيُّهَا الْمَلِكُ الْكَرِيمُ وَالسَّيِّدُ الرَّحِيمُ وَمُرْسِلُ الرَّحْمَةِ وَمُنْزِلُ النِّعْمَةِ

ترجمہ: 1۔ اے مہربان رحم و کرم کرنے والے شفیق سردار رحمت کو بھیجنے والے نعمت کو اتارنے والے، 2۔'' اور اسی طرح عطارد کی دعا میں کہتے ہیں کہ كُلُّ مَا حَصَلَ لِي مِنَ الْخَيْرِ فَهُوَ مِنْكَ وَكُلُّ مَا يَنْدَفِعُ مِنَ الشَّرِّ مِنِّي فَهُوَ مِنْكَ اور اس طرح کہتے ہیں أَيُّهَا السَّيِّدُ الْفَاضِلُ النَّاطِقُ الْعَالِمُ بِخَفِيَّاتِ الْأُمُورِ الْمُطَّلِعُ عَلَى السَّرَائِرِ: '' اے باریکیوں کا خفیہ علم رکھنے والے سردار۔ اور یہ تمام عقائد اور دعائیں صریح کفر اور شرک ہیں۔ اور دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مقصد جائز اور صحیح ہو جیسے ظالم اور کافروں کی ہلاکت تو یہ جائز ہے اور اگر اس میں مقصد غیر شرعی ہو جیسے بیوی اور شوہر کو جدا کرنا یا بے گناہ کی ہلاکت تو یہ حرام ہے۔ اور تیسری قسم میں بھی صریح کفر لازم آتا ہے اس لیے کہ اس قسم کے سحر میں پیروں کا اپنے بڑوں کیلئے عاجزی اور تضرع کرنا لازم آتا ہے اور ان کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز کی جاتی ہے اور حاضر ہونے کی جگہ میں عطریات استعمال کی جاتی ہیں اور یہ کام شرکیہ ہیں۔ اور چوتھی قسم کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ معجزے کے مقابلے میں ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعونیوں کا سحر تو یہ کفر ہے۔ یا اولیاء اللہ کے مقابلے میں ہو یا کسی کو دھوکا دینا اور اس کا مال حاصل کرنا اس سے مقصود ہو تو یہ حرام ہے اور اگر اس میں پیروں کی طرف عاجزی اختیار کرنا یا بڑے پیروں کے ناموں کو بہت تعظیم کیساتھ ذکر کرنا ہو تو پھر یہ کفر ہے۔ پانچویں قسم تو کفر اور حرام نہیں ہے مگر اس وقت کہ جس کے ذریعے سے فاسد مقصد کا ارادہ کیا جائے۔ چھٹی قسم کہ اس میں فاسد مقصد کا ارادہ ہو یعنی لوگوں کو دھوکا دینا ہو اور لہو ولعب ہو تو حرام ہے۔ ساتویں قسم یہ بھی شیاطین کی ارواح کے ناموں کو ذکر کرنا اس کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے ان کے لیے نذر و نیاز کرنا اور قربانیاں پیش کرنا اور غالباً خبیث کاموں کا کرنا جیسا کہ ان میں سے بعض پیشاب کا استعمال کرتے ہیں یا زنا کے نطفے سے تعویذ لکھتے ہیں اور اس کے ذریعے سے تسخیر اور تفریق پیدا کرتے ہیں اور یہ تمام کفر اور شرک ہے۔ اور آٹھویں قسم چغلی کھانا اور دو بندوں کے درمیان ناراضی اور دشمنی پیدا کرنا یہ تو گناہ کبیرہ ہے۔ اور نویں قسم یہ بھی شرک اور کفر ہے کیونکہ شیاطین کی ارواح سے استعانت کفر ہے اور اگر مہمل الفاظ کیساتھ دم کرنا ہو اور برا عقیدہ اس میں شامل نہ ہو تو یہ بھی گناہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اور سحر کے تعلم اور تعلیم میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ مطلقاً کفر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حرام ہے
16/26 اور تعلیم سے مراد لوگوں کو گمراہ کرنے کی تعلیم مراد ہے اور بعد والا دوسرا قول معتبر ہے کہ یہ حرام ہے اور جب اس کو حلال اور جائز سمجھے تو (وہ اقسام جس میں شرک اور کفر ہے) تو یہ کفر اور شرک اور ارتداد ہے اور اس پر مرتد کے احکامات جاری کیے جائیں گے۔

چوتھی بحث سحر کی حقیقت اور اس کی تاثیر کے بارے میں: اگر حقیقت سے مراد معنی اور ماہیت ہو تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جمہور اہل علم نے کہا ہے کہ سحر امر خارق للعادات ہے (عادت سے نا آشنا) جو شریر لوگوں کے خاص اعمال کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر حقیقت سے مراد تحقق، وجود ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے معتزلہ کے نزدیک سحر صرف تخیل اور وہمی چیز ہے یہ تحقق وجود نہیں رکھتا ہے اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے۔

يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى اور لبید بن اعصم یہودی کا نبی ﷺ پر سحر کے بارے میں بھی (صحیح بخاری کتاب الطب حدیث 5763 صحیح مسلم کتاب السلام حدیث 2189) تخیل آیا ہے اور اہل سنت والجماعت نے کہا ہے کہ سحر کی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے استعمال کے وقت وہی چیز (اثر) پیدا کرتا ہے جس کو اللہ چاہے اور تاثیر کے اثبات کی دلیل اس آیت میں ہے۔ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ۔ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ یہ تمام آیتیں سحر کی تاثیر کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور سورۃ طٰہٰ کی آیت میں اور لبید والی حدیث میں جو تخیل کا ذکر ہے تو اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ خیالی تاثیر انبیاء کے لیے خاص ہے ان کے لیے عقلی تاثیر نہیں ہوتی ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ پہلے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ بھی سحر کی ایک قسم ہے اس کی تفصیل امام قرطبی نے ذکر کی ہے۔ سوال: جب یہ حرام ہے تو پھر اثر کیوں کرتا ہے؟ جواب: حرام ہونا تشریعی حکم ہے اور اثر کرنا تکوینی امر ہے جیسا کہ ایک انسان حرام چیز کھاتا ہے اس سے سیر تو ہو جاتا ہے لیکن وہ حلال نہیں ہوتی ہے۔

وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ اس میں یہودیوں کے تیسرے شبہے کا جواب ہے جب پہلے یہ کہا گیا کہ سحر کفر ہے تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ سحر تو ملائکہ (ہاروت اور ماروت) کے واسطے سے نازل ہوا ہے اور جو اللہ کی طرف سے نازل ہو تو وہ شرعاً جائز ہوتا ہے اور یہ نبی اس کو کفر کہتا ہے تو یہ حق نبی نہیں ہو سکتا جو نازل شدہ علم کی مخالفت کرتا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ملائکہ نہیں تھے بلکہ یہ عام آدمی یا شیاطین تھے (جیسا کہ اس زمانے میں بعض مشرکین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور بدعتی کسی برے شخص کے کلام سے دلیل لیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نیک آدمی تھا اس کی بات کو دلیل سمجھتے ہیں) یا یہ کہ ملائکہ ہیں اور سحر کیساتھ یہ نازل ہوئے ہیں لیکن لوگوں کی آزمائش اور لوگوں کو سحر اور معجزے کی تمیز کرانے کیلئے۔ لیکن ان لوگوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا اور وہ سحر یہودیوں میں مشہور ہوا اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

فائدہ: اس آیت میں بہت احتمالات ہیں اور مفسرین نے وہ سب یا بعض ذکر کئے ہیں تفصیل یہ ہے۔

پہلی قسم: لفظ "مَا" اور اس کے عطف کے بارے میں کچھ احتمالات ہیں۔ (ما) موصولہ ہے یا نافیہ اگر موصولہ ہو تو (مَا تَتْلُوْا) پر معطوف ہے یا السحر پر اگر پہلے پر معطوف ہو تو پھر معنی یہ ہے کہ ان یہودیوں نے اس کی پیروی کی جو شیاطین پڑھ کر سناتے تھے اسی طرح اس کی پیروی کی جو دو ملائکہ پر نازل ہوئی اور اگر السحر پر معطوف ہے تو پھر معنی یہ ہوا کہ یہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور اسی طرح ان باتوں کی تعلیم دیتے تھے جو دو فرشتوں پر نازل ہوئیں۔

سوال: عطف تو مغایرت کا تقاضا کرتا ہے تو جب پہلا سحر تھا تو دوسرا کیا تھا؟ جواب: عطف کیلئے مغایرت من وجہ بھی کافی ہوتا ہے یعنی پہلے ایک قسم کا سحر تھا اور دوسرا دوسری قسم کا سحر تھا دوسرے کو اگرچہ آیت میں سحر نہیں کہا گیا لیکن تفریق بین الزوجین کی نسبت سے اور حصر کی وجہ سے دلالت کرتا ہے کہ یہ سحر ہے اس طرح مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ منزل بھی سحر تھا اور (ما) کو نافیہ مانا جائے تو پھر مَا کَفَرَ سُلَیْمَانُ پر معطوف ہوگا اور قرطبی نے یہ قول صحیح اور بہتر قرار دیا ہے اور اس میں یہودیوں کا رد ہے کہ وہ سحر بابلی کی نسبت دو ملائکہ جبرائیل اور میکائیل کی طرف کرتے تھے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی نفی کر دی اس توجیہ کا تو امام آلوسی رحمہ اللہ نے سخت رد کیا ہے۔ دوسری قسم: انزل میں دو احتمالات ہیں۔ 1۔ انزل حقیقی معنی میں ہے یعنی وحی کے طور پر آسمان سے نازل ہونا۔ 2۔ انزل تعلیم دینے کے معنی میں جیسا کہ انزال کی نسبت امت کی طرف ہوتی ہے۔ (سورۂ آل عمران، آیت: 84) اس میں پہلا احتمال بہتر ہے۔

اور تیسری قسم ملکین کے مصداق میں تین احتمالات ہیں: 1۔ اس سے مراد ملائکہ ہیں ہاروت اور ماروت ان کے نام تھے۔ 2۔ اس سے مراد (ما) نافیہ کے احتمال کیساتھ جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ 3۔ اس سے مراد دو زمیندار بدمعاش قسم کے آدمی تھے اور لوگوں کے گمان کے مطابق ان کی صلاحیت کی وجہ سے ان کو ملکین کہا جاتا تھا یا دوسری قراءت کے مطابق ملکین سے مراد (بڑے سردار یا بادشاہ) لام کی زیر کے ساتھ ہے۔ اور یہ توجیہ اس اعتبار سے ہے جب انزال تعلیم کے معنی میں ہو اور پہلا اور دوسرا احتمال (ما) موصولہ پر مبنی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چوتھی قسم: لفظ ہاروت اور ماروت کے بارے میں بھی تین احتمالات ہیں:

1: یہ ملکین سے بدل ہے اور ہاروت، ماروت ملائکہ کے نام ہیں۔ 2: ملکین سے بدل ہے جو دو آدمیوں کے معنی میں ہے اور یہ آدمیوں یا بادشاہوں کے نام تھے۔ 3: الشَّیٰطِیْنَ سے بدل ہے (وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا) میں یہ شیاطین کے نام ہیں اور تثنیہ کا ابدال جمع سے جائز ہے تو پہلے دونوں احتمالات (ما) موصولہ پر مبنی ہیں اور آخری احتمال (ما) نافیہ پر مبنی ہے اور عبارت میں تقدیم اور تاخیر ہے یعنی (وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَیْنِ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ) اور پانچویں قسم کے احتمالات (وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ) میں ہے اس میں بھی تین احتمالات ہیں۔

1: (وَمَا یُعَلِّمٰنِ) (یَقُوْلَاۤ) کی ضمیر ملکین کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ہاروت اور ماروت تو معنی یہ ہوا کہ یہ ملائکہ سحر کی تعلیم کسی کو نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ پہلے نصیحت کے طور پر کہہ دیتے تھے کہ ہم اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش کے لئے آتے ہیں۔ تو سحر پر عمل کرنے سے یا اس پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کفر نہ کرنا یعنی سحر اور کفر سے مکمل منع کرتے تھے۔ سوال: ملائکہ کی شان سے تو سحر کی تعلیم بہت دور ہے؟

جواب: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے الشفاء میں کہا ہے کہ یہ تعلیم (انذار) کی تھی۔ یعنی تعلیم دینے کے ساتھ لوگوں کو اس کے عقیدے اور اس پر عمل کرنے سے ڈراتے تھے اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تعلیم ملکین کی طرف سے تھی لیکن انذار کے طور پر تھی سننے والوں کے نزدیک تعلم کے طور پر تھی جیسا کہ ایک فقیہ کہے کہ جس نے ایک روپے کے بدلے دو روپے لیے تو اس نے سود کا ارتکاب کیا لیکن سننے والا اس طرح سن لے اور اس پر عمل شروع کرے تو اس میں استاد کا گناہ نہیں ہے سننے والے کا گناہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ تثنیہ کی ضمیریں ہاروت اور ماروت کی طرف راجع ہیں اور یہ بدمعاش قسم کے آدمیوں کے نام تھے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ ضمائر ہاروت اور ماروت کی طرف راجع ہیں اور یہ شیاطین کے نام تھے اور ان دونوں احتمالات میں پھر (اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ) میں دو احتمالات ہیں پہلا یہ کہ (مَفْتُوْنُوْنَ) کے معنی میں ہے یعنی ہم پر بہت زیادہ آزمائش اور تجربے کیے گئے ہیں تو (فَلَا تَكْفُرْ) کا معنی یہ ہوا کہ ہمارے عمل کی تاثیر سے انکار مت کرنا تو یہ سحر کی تعلیم کی طرف ترغیب ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ استفہام کے طور پر ہے کہ کیا ہم فتنے اور گمراہی میں مبتلا کیے گئے ہیں تو (فَلَا تَكْفُرْ) یعنی ہماری طرح کفر نہ کرنا یہ استفہام زجری تھا اس میں مقصد سحر کی تعلیم کیلئے ترغیب بلیغ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ اس میں دو احتمالات ہیں:

پہلا یہ کہ یہ (وَاتَّبَعُوا) پر عطف ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مستقل کلام ہے اور لفظ (هم) مقدر ہے یعنی (فَهُمْ يَتَعَلَّمُونَ) (مِنْهُمَا) کی ضمیر یا ملکین کی طرف راجع ہے یا ہاروت اور ماروت کی طرف یا سحر کی دونوں قسموں کی طرف راجع ہے۔

جو السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ: میں ذکر ہے تعلم سیکھنے کو کہا جاتا ہے اور اس میں استاد کا اختیار نہیں ہوتا تو ان لوگوں کو اس کام میں ملائکہ پر اعتراض نہیں ہے۔ مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ سحر کی عملیات بہت سارے کاموں کیلئے ہیں لیکن ان میں سے سب سے بدتر میاں بیوی کے درمیان تفریق ہے جو بہت سارے مفاسد کا موجب ہے اور اسی طرح مسلم کی حدیث میں ہے (لمبی حدیث ہے) کہ ابلیس اس شیطان سے بہت محبت کرتا ہے جو شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالتا ہے اور اس تفریق میں دو توجیہات ہیں۔ پہلی توجیہ: تفریق عرفی، تکوینی یعنی یہ لوگ سحر کا ایسے عمل کر لیتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان بغض، نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے تو شوہر بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ دوسری توجیہ: تفریق شرعی یعنی سحر کے عمل سے عورت یا مرد کافر بن جاتے ہیں اور میاں بیوی میں جو بھی کافر ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ اس جملے میں دو مقصد ہیں:

پہلا مقصد: تو سوال کا جواب ہے کہ جب پہلے جملے میں ثابت ہو گیا کہ سحر کے ذریعے سے تفریق ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ سحر بذات خود تاثیر کرتا ہے۔ دوسرا مقصد: اس میں مؤمنوں کو تسلی ہے کہ جب یہود سحر کے ذریعے سے جدائی پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ صحابہ اور نبی ﷺ کے درمیان یا صحابہ کا اپنے آپس میں جدائی پیدا کر لیں اسی طرح باقی مؤحدین کے خلاف سحر کریں اور ان میں بھی دشمنی اختلاف اور نفرت پیدا ہو جائے یا وہ ہلاک ہو جائیں تو اس وہم کو دور کر لیا کہ سحر کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے (اور اللہ کے حکم کے بغیر کسی ساحر کو ضرر نہیں پہنچا سکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو ساحر کے فساد سے بچائے گا۔ ہاں اس سے بچنے کیلئے شریعت میں مختلف طریقے بتائے گئے ہیں۔

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ سوال: اذن تو رضا پر دلالت کرتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ سحر پر راضی ہے؟ جواب: لفظ اذن قرآن میں پچیس مرتبہ ذکر ہوا ہے اور اس کے آٹھ معانی ہیں۔ 1: نصرت اور مدد کے معنی میں سورۃ بقرۃ، آیت 249۔ 2: اجازت دینے کے معنی میں سورۃ بقرۃ، آیت 255۔ 3: قدرت اور اختیار کے معنی میں سورۃ آل عمران، آیت 49۔ 4: تقدیر الٰہی کے معنی میں سورۃ آل عمران، آیت 166۔ 5: رضا کے معنی میں سورۃ نساء، آیت 25۔ 6: اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو تابع کرنے کے معنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سورۂ سباء، آیت 12-7: امر تشریعی کے معنی میں سورۂ حشر، آیت 5-8: امر تکوینی کے معنی میں جو اس آیت میں ہے اور اس سے تخلیہ کے ساتھ تعبیر ہوتا ہے۔ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ اس جملے میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے یعنی سحر کی تعلیم کے علاوہ یہ لوگ اور بھی مضر اور بے فائدہ علم سیکھتے ہیں (هُمْ) کی ضمیر میں اشارہ ہے کہ جو چیز صرف ان کو ضرر دیتی ہے اور باقی کسی کو ضرر نہیں دیتی ہے یا اوروں کو نفع دیتی اور ان کو نفع نہیں دیتی ہے تو اس کا سیکھنا اہل فراست کا کام نہیں ہے جبکہ یہ لوگ اس طرح کرتے تھے۔ (تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ ہر علم فی نفسہ خود برا نہیں ہے لیکن تین وجوہات سے مذموم بن جاتا ہے۔) پہلی وجہ جس کے نقصانات زیادہ اور فائدے کم ہوں جیسا کہ سحر اور نجوم کا علم اس کی وجہ سے اکثر انسانوں کی نظر اور توجہ اللہ تعالیٰ سے ہٹ جاتی ہے اور شرک کے قریب ہو جاتی ہے اسی طرح فلسفے اور سائنس کا علم کہ ان کے جاننے والے اکثر صرف اسباب جانتے ہیں اور اسباب کا مالک جو کہ اللہ تعالیٰ ہے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ دوسری وجہ: بعض علوم اس طرح ہوتے ہیں کہ جو انسان کے استعداد سے باہر ہوتے ہیں تو عدم استعداد کی وجہ سے وہ انسان کی گمراہی کا سبب بن جاتے ہیں جیسے علم تاریخ، مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم (ان کی جنگیں اور ان کے اختلاف) اور علم تصوف، اور تقدیر کے مسئلے میں بحثیں۔ تیسری وجہ: علوم شرعیہ میں بے جا تعمق کرنا اور اس میں افراط و تفریط کرنا جیسا کہ علم عقیدہ اور توحید میں فلسفوں کو دخل دینا اور علم فقہ میں حیلوں کو فتاویٰ کے وقت روایات نادرہ کی طرف توجہ کرنا اور علم تاریخ اور انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں یہودیوں کے جھوٹے قصے اور روافض اور شیعوں کی روایات کو خلط ملط کرنا اور اسی پر توجہ دینا تو ایسے علموں میں فائدہ کم ہوتا ہے اور نقصانات زیادہ ہوتے ہیں ایسا اشتغال گویا یہودیوں سے مشابہت کرنا ہے۔

تنبیہ: اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین اور مؤرخین نے ہاروت اور ماروت کا قصہ ذکر کیا ہے کہ ان کو اللہ نے زمین پر اتارا اور ان کو سحر کی تعلیم دی انسانوں کی شکل دی، شہوات بھی ان کو مہیا کی تھی تو یہ لوگ زہرا نامی عورت پر عاشق ہو گئے اور اس نے ان کے مطلب کو پورا کرنے کیلئے شرط رکھی کہ یا تو بت کی عبادت کرو گے یا شراب پیو گے یا ایک نفس کو قتل کرو گے تو انہوں نے اس کی شرط مان لی اور شراب پی لی تو نشے میں بت کو سجدہ بھی کر لیا آدمی کو بھی قتل کر گئے اور پھر اس کے ساتھ زنا بھی کر لیا اور اس حال میں اس نے ان سے اسم اعظم سیکھ لیا جس کی وجہ سے اس سے زہرہ ستارہ رہ بن گیا آسمان جا پہنچا اور ہاروت اور ماروت کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے عذاب کا اختیار دے دیا تو انہوں نے دنیاوی عذاب کو پسند کر لیا تو پھر بابل کے کنویں میں اوندھے منہ بالوں سے لٹکا دیئے گئے اور اس حالت میں بھی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملاقات کے بارے میں امام حاکم ،بیہقی ، ابن منذر نے بھی اوزاعی سے روایات نقل کی ہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں اور یہی قصہ اور روایات امام احمد ، ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور تفسیر خازن وغیرہ نے بھی ذکر کیے ہیں۔ امام آلوسی نے روح المعانی میں کہا ہے کہ اس کی مختلف سندیں ہیں تقریبا بیس (20) سے زیادہ ہیں لیکن تحقیق کرنے والے مفسرین نے اس قصے کو رد کیا ہے۔ (امام البانی نے اس کو منکر کہا ہے ،ضعیف ترغیب 1416، احمد 2/134، ابن حبان 6186، مسند بزار 2938، ابن حزم نے اس قصے کو باطل و مردود قرار دیا ہے۔)

1:۔ قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ اس قصے میں کچھ بھی ضعیف یا صحیح سند سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے

۔2:۔ ابوحیان نے البحر المحیط میں لکھا ہے کہ اس پورے قصے سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔

3:۔ خازن نے لکھا ہے کہ یہ خبریں یہودیوں سے نقل کی گئی ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ پر ان کی افترائیں مشہور ہیں۔ 4:۔ امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حق کے قریب بات یہ ہے کہ یہ روایت ابن عمر کی ہے انھوں نے کعب الاحبار سے نقل کی ہے اور کعب نے بنی اسرائیل کی کتابوں سے نقل کی ہے۔ (امام بخاری نے کہا ہے کہ کعب کی روایات میں جھوٹ زیادہ نقل ہوا ہے) اور اس بارے میں صحیح حدیث مرفوع متصل الاسناد جو نبی ﷺ تک پہنچی ہو نہیں آئی ہے یعنی روایات ہیں لیکن کچھ مرفوع نہیں ہیں اور کچھ مرفوع ہیں لیکن صحیح نہیں ہیں اور کچھ مرفوع صحیح ہیں لیکن ان کی سندیں منقطع ہیں

۔5:۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ روایات فاسد ، مردود ، غیر مقبول ہیں اور شہاب نے عراقی سے صراحت نقل کی ہے کہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ یہ ملائکہ ہیں اور ان (ذکر کئے ہوئے) گناہوں میں زہرہ کیساتھ ان کو بھی عذاب دیا جاتا ہے تو یہ شخص کافر ہے اور امام رازی ، قرطبی ، خازن اور صاحب فتح العزیز وغیرہ مفسرین نے اس قصے کے فی نفسہٖ باطل ہونے کیلئے چھ وجہیں ذکر کی ہیں۔ پہلی وجہ: تمام ملائکہ کی عصمت اجماع اور نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔ سورۃ انبیاء آیت :27، سورۃ مریم، آیت :6 (اور باقی آیتیں جن میں ملائکہ کی صفات کا ذکر ہے) تو ان نصوص کے مقابلے میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے۔ دوسری وجہ: جب یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہیں تو اس وقت ان کو فرصت کیسے ملتی ہے کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیں۔ تیسری وجہ: عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہے کہ بدکار عورت اسم اعظم کے ذریعے سے آسمان پہ چلی جائے اور اس سے روشنی والا ستارہ بن جائے۔ چوتھی وجہ: تاریخ اور سابقہ کتابوں میں ثابت ہوا ہے کہ سات تاروں میں سے زہرہ بڑا تارہ ہے جو آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ پانچویں وجہ: اس قصے میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

سے کہا میں تم کو شہوت دوں تو تم سے ضرور گناہ ہوں گے انہوں نے کہا ہم سے پھر بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور تجہیل کرلی۔ چھٹی وجہ: قرآن کریم کے ظاہری نصوص اس قصے کی کسی بھی حصے پر دلالت نہیں کرتے ہیں اور قرآن کریم کی تفسیر میں ایسی مرویات کی کوئی حاجت محسوس نہیں ہوتی۔

سوال: امام ابن حجر نے المسدد فی الذب عن المسند میں اور امام سیوطی نے ہاروت، ماروت کے اس قصے کی روایات کی تصحیح کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی بہت ساری سندیں ہیں تو یہ دلیل ہے کہ اس کی صحت اور اصل موجود ہے؟

جواب 1: امام ابن کثیر رحمہ اللہ سے تو پہلے نقل ہوگیا کہ اس میں حدیث صحیح مرفوع اور متصل الاسناد نہیں ہے ہر سند پر عدم صحت یا عدم رفع یا انقطاع کا اعتراض ہے اور قرآن کریم کے صریح نصوص سے بھی یہ روایتیں مخالف ہیں۔ جواب 2: امام آلوسی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر سندیں صحیح بھی ہوں لیکن روایت باطل ہے ان وجوہات کے اعتبار سے جو پہلے ذکر ہوچکی ہیں۔ اور ایک روایت جو بذات خود باطل ہے وہ سند کی صحت کیساتھ منافات نہیں رکھتی ہے یعنی ایک واقعہ اسرائیلی ہے لیکن سند اس کی صحیح نقل ہے تو اس سند کی وجہ سے اس واقعے پر صحت اور یقین حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اور جن مفسرین نے اس کی تاویلات ذکر کی ہیں اور اس واقعے کو رموز اور اشارات پر حمل کیا ہے تو ان کا یہ طریقہ بھی فاسد ہے اس وجہ سے کہ اولاً تو رموز اور اشارات تفسیر کے مقام سے خارج ہیں، دوسرا یہ کہ جب قصہ بھی صحیح نہیں ہے تو اس سے رموز اور اشارات نکالنا بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ جو بیج خراب ہوتا ہے تو اس سے اچھا پودا کس طرح نکل سکتا ہے۔ (هذا ما عندي والله اعلم بالصواب) فائدہ: فِتْنَةٌ: کا لفظ اور اس کا مادہ قرآن میں ساٹھ (60) مرتبہ ذکر ہوا ہے اور لفظ (فِتْنَةٌ) تیس (30) مرتبہ آیا ہے اور اس کے بہت سے معانی ہیں ان میں سے بعض امام سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان فی علوم القرآن 2/150 میں ذکر کیے ہیں۔ پہلا: شرک کے معنی میں۔ (سورۂ انفال، آیت: 39) دوسرا: اضلال (گمراہ کرنے کے) معنی میں۔ (سورۂ آل عمران، آیت: 7) تیسرا: قتل کے معنی میں (سورۂ نساء، آیت: 101) چوتھا: حق سے پھرنے کے معنی میں۔ (سورۂ مائدۃ، آیت 49) پانچواں: گمراہی کے معنی میں (سورۂ مائدۃ، آیت: 41) چھٹا: عذر اور بہانے کے معنی میں (سورۂ انعام، آیت: 23) ساتواں: قضاء کے معنی میں۔ (سورۂ اعراف، آیت 155) آٹھواں: گناہ کے معنی میں۔ (سورۂ توبۃ، آیت: 49) نواں: مرض کے معنی میں۔ (سورۂ توبۃ، آیت: 126) دسواں: عبرت کے معنی میں۔ (سورۂ یونس، آیت: 85) گیارہواں: امتحان کے معنی میں۔ (سورۂ نور، آیت 63) عذاب کے معنی میں۔ (سورۂ

www.KitaboSunnat.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عنکبوت، آیت 3) تیرہواں: جلانے کے معنی میں۔ (سورۃ الذاریات، آیت 13)

چودھواں: جنون کے معنی میں۔ (سورۃ قلم، آیت: 6) (یہ امام سیوطی نے ذکر کیے ہیں)

پندرھواں: بدعت کے معنی میں۔ (سورۃ نور، آیت 63)

سولھواں: دین سے زبردستی یا دھوکے کیساتھ پھرنے کے معنی میں۔ (سورۃ بقرۃ، آیت :191)

سترھواں: فساد اور شرارت کرنے کے معنی میں (سورۃ توبہ، آیت 47) تو یہاں پر فتنہ باقی لوگوں کیلئے امتحان کے معنی میں ہے۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰاهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ: یعنی ان نقصان دہ علوم میں ان کی یہ مشغولیت نا سمجھی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ نامور علماء تھے اور جانتے بھی تھے کہ اس کے ذریعے سے آخرت کا ثواب ضائع ہوتا ہے اور انہیں معلوم تھا کہ یہ باطل علوم ہیں۔ اِشْتَرٰاهُ: میں ضمیر سحر کی طرف راجع ہے یا (مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ) کی طرف راجع ہے۔ اور اشتراء سے مراد اس کی طلب اور محبت ہے۔ خَلَاقٍ: مطلق حصے کو کہا جاتا ہے لیکن اکثر خیر کے حصے میں استعمال ہوتا ہے اور دنیا کے حصے کے معنی میں یہ سورۃ توبہ کی آیت :69 میں ہے اور آخرت کے حصے کے معنی میں بھی ہے یہ سورۃ بقرۃ کی آیت :200 اور سورۂ آل عمران، آیت 77 میں ہے۔

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: یہ جملہ (لَقَدْ عَلِمُوْا) پر معطوف ہے (لَمَنِ اشْتَرٰاهُ) پر معطوف نہیں ہے اور اس کے ذریعے سے دو سوال ختم ہوگئے۔

پہلا سوال: (لَبِئْسَ مَا شَرَوْا) جملہ انشائیہ ہے تو یہ جملہ خبریہ پر کس طرح عطف ہوا جو کہ (لَمَنِ اشْتَرٰاهُ) ہے؟

حاصل جواب یہ ہے کہ (لَقَدْ عَلِمُوْا) پر عطف ہے اور وہ لام قسمیہ کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے۔

دوسرا سوال: (لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ) کا (وَلَقَدْ عَلِمُوْا) کے منافی اس لیے کہ (لَقَدْ عَلِمُوْا) میں ان کے لیے علم کا اثبات ہے اور (لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ) میں علم کی نفی ہے؟

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اثبات ایک علم کا ہے جو (لَمَنِ اشْتَرٰاهُ) کا مضمون ہے اور نفی دوسرے علم کی ہے جو برا علم تھا اپنی جانوں، عمروں اور مالوں کو ان بے فائدہ علوم میں صرف کرتا ہے۔

سوال: (لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ) ان کے علم کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور (لَقَدْ عَلِمُوْا) ان کے علم کے اثبات پر دلالت کرتا ہے؟۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب 1: پہلے گزر چکا ہے کہ اثبات ایک علم کا ہے اور نفی دوسرے علم کی ہے تو ان میں منافات نہیں رہی۔

جواب 2: (وَلَقَدْ عَلِمُوْا) میں علم اجمالی یا علم حصولی کا اثبات ہے اور (لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ) میں علم تفصیلی یا علم مشاہدہ کی نفی ہے۔ جواب 3: (لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ) میں علم کی نفی ترک عمل کے اعتبار سے ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"اور اگر یہ ایمان لیکر آتے اور خود کو بچاتے (شرک اور جادو سے) تو یہ بہتر ہوتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر یہ جانتے" [103] "اے ایمان والو! مت کہو لفظ "راعنا" اور کہو "انظرنا" اور سن لو قبول کرنے کے ساتھ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔" [104] "نہیں چاہتے ہیں کافر اہل کتاب میں سے اور نہ ہی مشرکین کہ نازل کیا جائے تم پر بہتر چیز تمھارے رب کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خاص کرتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔" [105]

تفسیر 103: اس آیت میں دو شرطوں کیساتھ پچھلے گناہوں سے توبہ کی طرف ترغیب ہے۔ پہلی شرط ایمان حقیقی ہے اس میں قرآن اور آخری نبی ﷺ پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ دوسری شرط: تقویٰ ہے کہ اس میں اپنے آپ کو ہر کفر اور شرک سحر اور بے فائدہ علوم سے بچانا ہے۔ لَمَثُوْبَةٌ: لام ابتدائیہ ہے اور شرط کا جواب پوشیدہ ہے (لَاُثِيْبُوْا) اور جملہ اسمیہ کو جملہ فعلیہ کی جگہ پر اثبات اور استقرار کے فائدے کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔ مَثُوْبَةٌ: مصدر ہے مفعولۃ کے وزن پر ہے ثواب اور خیر کی جزا کے معنیٰ میں (خَيْرٌ) یہ تفضیل کا صیغہ نہیں ہے بلکہ فقط خیر کے بیان کیلئے ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: کی جزا پوشیدہ (لَاٰمَنُوْا) ہے۔

تفسیر 104: سابقہ آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ یہودی مومنوں میں سحر اور غلط علوم پھیلاتے ہیں تو اسی طرح یہ لوگوں میں برے کلمات بھی پھیلاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ایمان سحر سے روکتا ہے تو اسی طرح (رَاعِنَا) سے بھی منع کرتا ہے اور اس میں ظاہر کے اعتبار سے مومنوں کو خطاب ہے لیکن اصل مقصد یہودیوں کو زجر ہے اور ان کے شبہے کے جواب کی طرف اشارہ ہے یہ اس کی تفصیل ہے کہ جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہودی نبی ﷺ کی مجلس میں آنے لگے تو نبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی گفتگو کے دوران میں ان میں سے ایک شخص آواز دیتا (راعنا) ظاہری معنی تو یہ ہے کہ باتوں میں ہمارا لحاظ رکھنا یعنی ہمیں سمجھانے کی کوشش کرو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس لفظ میں ان کی نقل شروع کر لی اس لحاظ سے کہ یہ اہل علم ہیں اور یہ خیال کرنے لگے کہ ان کے اس کلمے میں شاید زیادہ ادب ہو یہ کلمہ کہہ دیتے اور ان کا بھی مقصود ظاہری معنی تھا، لیکن یہودی خباثت کی وجہ سے یہ لفظ استعمال کیا کرتے تھے اور ان کی نیت میں باطل معنی مراد تھا (جو بعد میں ذکر ہوگا) تو جب یہودیوں نے صحابہ سے یہ کلمہ سن لیا تو کہنے لگے کہ ہم تو محمد ﷺ کو چھپ کر گالی دیتے ہیں اور یہ لوگ ظاہر میں گالیاں دیتے ہیں اور آپس میں ہنسی مزاق کرنے لگے، تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کی مراد کو سمجھ گئے اور وہ ان کے محاورے کو سمجھتے تھے تو اس نے یہودیوں سے کہا اگر میں نے یہ کلمہ تم میں سے کسی یہودی سے سن لیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا تو انھوں نے کہا کہ یہ کلمہ تو تمہارے ساتھی بھی استعمال کرتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (اللباب) اور مومنوں کو اس کے استعمال سے منع کیا اگر چہ مومنوں کی نیت صحیح تھی تاکہ یہودی اس سے منع ہو جائیں اس لیے کہ ان کی نیت باطل تھی اور ان کے کہنے کی دلیل سورہ نساء، آیت 46 میں ہے تو اس منع کرنے کے بعد یہودی کہا کرتے تھے کہ یہ نبی اور صحابہ رضی اللہ عنہم بہت تعصب اور حسد کرتے ہیں کیونکہ جب یہ لوگ ایک کلمہ استعمال کرتے ہیں تو وہ جائز ہوتا ہے لیکن جب ہم اس کا استعمال کرتے ہیں تو پھر ہماری ضد کی وجہ سے منع کر دیتے ہیں۔

جواب کا خلاصہ: یہ ہے کہ جب صاف واضح کلمہ (اُنْظُرْنَا) ہے تو اس کا استعمال کرنا چاہیے کیوں کہ جو لوگ بھی یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں اور اس سے باطل معنیٰ مراد لیتے ہیں تو یہ کافر ہیں اور دردناک عذاب کے مستحق ہیں تو یہ منع ضد اور عناد کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کفر سے بچنے کی وجہ سے ہے۔

رَاعِنَا کا باطل معنیٰ: اس کی بہت سی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: مشہور یہ ہے کہ رَاعِنَا رَعُوْنَت سے لیا گیا ہے اور عربی لغت میں رَعُوْنَت کم عقلی کو کہا جاتا ہے اور سریانی زبان میں بھی یہی معنی ہے الف کو آخر میں ندا (آواز) کیلئے بڑھاتے تھے۔ اور اللہ کے نبی ﷺ کو بے وقوف (کم عقل) کہنا یہ نبی ﷺ کی توہین اور کفر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کا اس سے ارادہ بھیڑ، بکریوں کے چرواہے کا تھا اور مطلب ان کا یہ تھا کہ آپ صرف بھیڑ، بکریوں اور اونٹوں کے راعی ہیں اور یہ اہل حجاز کی عادت تھی۔ (اور صحیح حدیث میں ہے کہ ہر نبی نے بھیڑ، بکریاں چرائی ہیں اور ہمارے نبی ﷺ بھی نبوت سے پہلے مکے والوں کے لیے قراریط (غلے کی مقدار)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر بکریاں چرایا کرتے تھے)۔(صحیح بخاری کتاب الاجارۃ رقم الحدیث 2262، ابن ماجہ کتاب التجارات رقم الحدیث 2149، صحیح ابن حبان حدیث 5121) یعنی آپ کی مناسبت انسانوں کی تربیت سے نہیں ہے اور یہ بھی نبی کی بے ادبی اور کفر ہے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ (رَاعِنَا) رعایت سے امر ہے اور رعایت سے ان کی مراد حفاظت کرنا تھی یعنی آپ (تکلیفوں اور مصیبتوں میں) ہمارے نگہبان اور حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور یہ صفت اللہ کے لیے خاص ہے نبی کیلئے یہ صفت ثابت کرنا شرک ہے (اگرچہ ان کا یہ عقیدہ ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں نہیں تھا لیکن یہ لوگ چاہتے تھے کہ شرک کا یہ مشکوک کلمہ صحابہ میں شائع ہوجائے تو ان میں شرک چھپ کر پھیل جائے گا اور اس بناء پر اس کلمے کو پھیلانا شرک اور کفر ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ (رَاعِنَا) باب مفاعلہ سے ہے اور مفاعلہ دونوں جانب سے صدور چاہتا ہے یعنی ہم آپ کی رعایت کرتے ہیں تو آپ بھی ہماری رعایت کریں۔ تو یہ لوگ اس لفظ میں نبی کریم ﷺ پر اپنے احسانات جتلاتے تھے اور اس کے ساتھ اپنی برابری کا دعویٰ کرتے تھے۔ (اللباب) اور یہ بھی نبی کی بے ادبی ہے۔ **پانچویں وجہ** مصر کی بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ پہلے زمانے میں اہل مصر کے بہت معبود تھے ان کی عبادت کرتے تھے اور گائے کی عبادت کرتے تھے جس کو حاثور کہتے تھے اور سورج، چاند، تاروں وغیرہ کی عبادتیں کیا کرتے تھے لیکن ان کے نزدیک سورج معبود اکبر تھا اس کو (آمِنْ رَاعِ یَا رَاعِ) کہتے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مصر کا بادشاہ بھی وہی بنتا ہے اور جس میں سورج کا ظل (سایہ) ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو فاراع کہتے پھر یہ فرعون کے لفظ تک منتقل ہوا تو راع یہودیوں کے پہلے مصری اصطلاح میں معبود کو کہا جاتا تھا تو یہ لوگ راعنا کلمہ کو مسلمانوں میں اس وجہ سے عام کر رہے تھے تاکہ یہ مسلمان اپنے نبی ﷺ کو معبود اکبر کہیں اور شرک میں مبتلا ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کلمے کے کہنے سے منع کر دیا اور فرمایا۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا) راعنا کا کلمہ صریح نص کیساتھ حرام ہے اور دلالت النص کے طور پر اس منع میں ہر وہ کلمہ داخل ہے جس سے شرک اور کفر کا وہم پیدا ہوتا ہے یعنی اس کا صحیح معنی بھی موجود اور متعارف اور اس کا دوسرا معنی باطل تو ایسے کلمے کا استعمال کرنا حرام ہے اور اس طرح تعبیر فتاوی شامی جلد :5، صفحہ :253 میں ذکر ہوئی ہے مُجَرَّدُ إِيهَامِ الْمَعْنَى الْمُحَالِ كَافٍ فِي الْمَنْعِ عَنِ التَّلَفُّظِ بِهَذَا الْكَلَامِ وَإِنِ احْتَمَلَ مَعْنًى صَحِيحًا

باطل معنی کا وہم اس کلام کے پڑھنے سے منع کرنے کیلئے کافی ہے اگرچہ اس میں صحیح معنی کا احتمال بھی ہو۔

اور اس قاعدے کے تحت عرف میں بہت سے کلمات ہیں جن میں صحیح اور باطل معانی بھی ہوتے ہیں لیکن کہنے والے باطل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معنی کا لحاظ نہیں رکھتے ۔ ایک تو ان سے وہ کلمات ہیں جو بدعتیوں نے درود تاج میں داخل کیے ہیں۔

دَافِعُ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْأَلَمِ درود تاج بھی گھڑی گئی ہے اور اس کے کلمات میں شرک کی آمیزش بھی ہے اگرچہ صحیح معنی ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ اپنی زندگی میں بلائیں (آزمائشیں) وبائیں تکلیفیں اور درد دعاؤں کے ذریعے سے ختم کرتے تھے لیکن ظاہری معنی اس کا یہ ہے کہ نبی ﷺ بلیات کے دفع کرنے پر اختیار اور تصرف رکھتے ہیں اور یہی تو مشرکوں کا عقیدہ ہے۔ قرآن کی اس آیت (قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا) (سورۂ جن: 21) کے بالکل خلاف عقیدہ ہے تو ان کلمات سے سختی سے منع کرنا چاہیے۔ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ 145۔ اور مجموع الفتاویٰ، صفحہ: 230 میں ان کو مشکوک الفاظ میں سے شمار کیا ہے اس میں عبدالرسول، عبدالنبی اور اس طرح نام رکھنے کا ہے اگرچہ اس کی بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ عبد غلام فرمانبردار، اور خدمتگار، کے معنی میں ہو لیکن اس کا ظاہری معنی عبادت کرنے والا ہے اور اس کی اضافت غیر اللہ کی طرف کرنا حرام ہے اسی طرح شرح فقہ اکبر میں بھی لکھا گیا ہے اور سورۂ آل عمران، آیت: 79 میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔ تیسرا لفظ حضرت اور حضور ہے اور خاص طور سے غائب کیلئے استعمال کے وقت اگرچہ عرف میں حضرت اور حضور ادب کی جگہ استعمال ہوتے ہیں لیکن اس میں باطل معنی کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت اور حضور دونوں مصدر ہیں ایک بندہ جب غائب ہو اسکی یہ صفت کرنا عقیدہ صفت حاضر، ناظر اور علم غیب کا وہم پیدا کرتا ہے اور معنی مصدری کا حمل مبالغہ پیدا کرتا ہے۔ ہاں حاضر شخص کی صفت میں لفظ حضور سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ: لفظ حضرت کے ساتھ خاص ہے کہ متصوفہ ملحدین کی اصطلاح میں وحدۃ الوجود کے مرتبے میں حلول کا ایک اطلاق ہے۔ بکر بن زید نے معجم المناہی اللفظیہ، صفحہ: 233 طبع ثالث) میں لکھا ہے جسکا معنی یہ ہے کہ یہ فاسد اصطلاحات میں سے ہے اور صوفی اس سے مراد لیتے ہیں بندے کے رب کا بندے میں فنا ہو جانا اور یہ ملحدین کے نزدیک حضرت کی طرح ہے کہ یہ لوگ حضرت سے مراد لیتے ہیں ایک وجود کا دوسرے وجود میں حلول کر جانا)۔

اور اس کا حوالہ دیا ہے مدارج السالکین، جلد: 3، صفحہ: 218) اور الروض الانف، جلد: 3، صفحہ: 259 میں۔ لیکن تعجب ہے اہل حسد اور عناد والوں پر کہ وہ لوگ باقی لوگوں کیلئے مُوھم (مشکوک) الفاظ کے استعمال سے منع کرتے ہیں اور اپنے بڑوں کیلئے ان کی غیر موجودگی میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اپنے لیے جواز کی بے دلیل راہیں بناتے ہیں۔ اسی طرح ابن قیم نے الجواب الکافی میں بہت موہم کلمات شمار کیے ہیں جس سے رکنا ضروری ہے جیسے: مَا شَاءَ اللهُ وَمَا شَاءَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَلَانٍ، هَذَا مِنْ بَرَكَةِ اللهِ وَبَرَكَةِ فُلَانٍ، أَنَا فِي حِفْظِ اللهِ وَحِفْظِ فُلَانٍ، أَنَا مُتَوَكِّلٌ عَلَى اللهِ وَعَلَى فُلَانٍ وغیرہ۔ جو اللہ چاہے اور فلاں، یہ برکت اللہ کی طرف سے ہے اور یہ برکت فلاں کی طرف سے ہے، میں اللہ تعالیٰ اور فلاں کے حفظ میں ہوں، میرا توکل اللہ پر ہے اور فلاں پر ہے۔

قاعدہ: اگر ایک لفظ میں باطل معنیٰ کا وہم ہو لیکن اس کے استعمال پر دلیل شرعی بھی موجود ہو تو اس کا استعمال جائز ہے جیسا کہ "سمیع" اور "بصیر" "رؤف" "رحیم" "مولیٰ" "سید" یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں لیکن بندے کی صفات میں بھی منقول ہیں۔ (بندوں کے مناسب معنیٰ میں) تو اس کا استعمال ممنوع نہیں ہے۔

فائدہ 1: اس سے معلوم ہوا کہ کفار، مشرکین، مبتدعین کیساتھ مشابہت اعمال، اقوال، لباس، عیدوں اور عبادات میں منع ہے یہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے اور حدیث۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ نقل کی ہے۔ (شیخ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، صحیح جامع الصغیر رقم الحدیث 2831، جبکہ شیخ زبیر اور دیگر محققین نے ابن کثیر کی تخریج میں اس روایت کو حسن قرار دیا ہے) فائدہ 2: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) کا خطاب قرآن میں (89) مرتبہ آیا ہے اس خطاب سے مراد اس امت کی بہت (عظمت و شرافت) ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا کہ مجھے وصیت کریں آپ نے کہا جب بھی قرآن میں سن لو (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) تو اس کو اچھی طرح کان لگانا اس لیے کہ اس کے بعد یا تو خیر کے بارے میں حکم ہوگا یا شر سے منع ہوگا (89) خطابات میں (43) اوامر ہیں اور (28) نواہی ہیں اور (18) اخبار ہیں جن میں (8) کا مرجع اوامر کی طرف ہے اور دس کا مرجع نواہی کی طرف ہے اور ان اوامر اور نواہی میں تکرار کے حذف کیساتھ (70) سے زیادہ ایمان کے شعبے ہیں۔ وَقُولُوا انْظُرْنَا: یہ امر ایسے لفظ سے ہے جس میں باطل معنیٰ نہیں ہے اور نظر تاخیر اور مہلت کے معنیٰ میں ہے یعنی باتوں میں ہمیں موقع دے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نظر فکر اور توجہ کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ وَاسْمَعُوا: سوال: جب انسان کے کان صحیح ہوں تو آواز سننا تو بے اختیار ہے تو اس کا امر کیوں دیا گیا؟ جواب 1: اس سے مراد کانوں کو نبی ﷺ کی باتوں کو ابتداء سے سننے کیلئے فارغ کرنا ہے تاکہ پھر (أَنْظُرْنَا) کی ضرورت نہ پڑے۔ جواب 2۔ سمع سے مراد اطاعت اور قبولیت ہے یعنی صرف (أَنْظُرْنَا) کہنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے یہودیوں کے برعکس کیونکہ وہ (رَاعِنَا) کہہ دیتے تھے پھر اطاعت نہیں کرتے تھے۔ جواب 3۔ اس سے مراد تاکید ہے یعنی (لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا) نہی اور اوامر پورے سن لو تاکہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی مخالفت نہ ہو۔ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ : اس میں مقصد یہودیوں کا رد ہے کہ نبی ﷺ کیلئے لفظ (رَاعِنَا) استعمال کرنے والے اصل میں کافر ہیں کفر کی نشر و اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔

تفسیر 105 : اس آیت میں ماقبل کے حکم کیلئے دو علتوں کا ذکر ہے کہ وہ تقلید اور کافروں کی تشبیہ سے منع ہے پہلی علت ان کا مومنوں کیساتھ سخت بغض اور حسد کرنا۔ دوسری علت: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں پر خاص انعامات مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا : وَدٌّ: دل کی محبت کو کہا جاتا ہے یہاں (وَدٌّ) کی نفی سے مراد ان کی سخت دشمنی اور بغض ہے۔

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ : من تبعیض یا بیان کیلئے ہے۔ وَلَا الْمُشْرِكِينَ : اہل پر عطف اور (لا) نفی کی تاکید کیلئے ہے اور عطف مغایرت ذاتی کے لئے ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ كَفَرُوا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کتابی (اہل کتاب) اور دوسرے غیر کتابی یا صفت کا عطف صفت پر ہے ذات ایک ہے یعنی کتابی جو کفر اور شرک کرتے ہیں اور اسی طرح سورۃ بینہ، آیت: 1 میں بھی ہے یا یہ (الَّذِينَ) پر عطف ہے اور حالت جری (الْمُشْرِكِينَ) جوار کی وجہ سے ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

سوال: یہ عطف دلالت کرتا ہے کہ اہل کتاب کو مشرک نہیں کہا جا سکتا اگرچہ شرک بھی کرتے ہوں؟

جواب: یہ دلیل دو وجہوں سے واضح نہیں ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ عطف صفت کا صفت پر ہے یعنی کتابی کافر مشرک ہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور اگر ذات کا عطف ذات پر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر کتابیوں کا اپنا وصف مشہور ہے جو اہل کتاب ہیں اگرچہ کافر اور مشرک بھی ہیں اور غیر کتابیوں کا تو شرک کے علاوہ دوسرا وصف مشہور نہیں ہے تو یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ کتابی (شرک کرنے والے) کو مشرک نہیں کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس میں نصوص موجود ہیں کتابی اور غیر کتابی دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ انعام، آیت: 121 اور سورۃ یوسف، آیت: 106 میں عموم ہے اور سورۃ البقرۃ، آیت 135 اور سورۃ آل عمران، آیت: 62 میں اشارۃ النص ہے کہ کتابی مشرک ہے اور یہ حدیث (أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ) (صحیح مسلم 3/84، احمد 2/703، حاکم 4/477، دارمی 2/233) جو عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی جلاوطنی کے وقت کہا تھا ہاں مشرک کتابی اور غیر کتابی کے درمیان بعض احکامات میں فرق ہے اس کی وجہ علیحدہ ہے یہ تفصیل ان شاء اللہ آیت: 221 کی تشریح میں آئے گی۔ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ظاہر یہ ہے کہ اس سے اللہ کی ہر نعمت مراد ہے چاہے دینی ہو یا دنیاوی ہو اس لیے کہ مومنوں کی ہر خیر اور نعمت کافروں کے غضب کا سبب ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران، آیت 120 میں ہے اس عموم میں وحی اور (أَنْظُرْنَا) کا لفظ بھی داخل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ یہ دوسری علت ہے یعنی تمہیں اللہ نے اپنی رحمت کیساتھ خاص کیا ہے تو کافروں کیساتھ مشابہت نہ کرنا اسی طرح اس میں ایک وہم کو ختم کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب کافر مشرک تمہاری خیر پر ناراض ہوتے ہیں تو کیا یہ قدرت رکھتے ہیں کہ تم پر خیر کو بند کریں تو جواب ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے رحمت سے مراد علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق نبوت ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اسلام ہے اور پہلا قول آخری امت میں نبی ﷺ کیساتھ خاص ہے اور دوسرا قول ان کے تمام امتیوں کو عام ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ: اور اللہ تعالیٰ کی مشیعت حکمت پر مبنی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اور اللہ پر کسی کا بھی حق نہیں ہے۔ (تفسیر سراج المنیر) وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ: فضل سے مراد کسی علت کے بغیر احسان کی ابتداء ہے اس میں اشارہ ہے کہ ایک انسان پر رحمت کا اختصاص اس انسان کے پہلے احسانات پر موقوف نہیں ہے اسی طرح سورۃ آل عمران، آیت 74 میں بھی ذکر ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾

"وہ جو منسوخ کریں ہم ایک آیت یا بھلا دے تمہیں تو اور لیکر آتے ہیں ہم بہتر اس سے یا اس جیسی، کیا آپ نہیں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"[106] "کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ یقیناً خاص اللہ تعالیٰ کے لئے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور نہیں ہے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ مددگار۔"[107] "کیا تم چاہتے ہو کہ پوچھا جائے (بطور اعتراض) تمھارے رسول سے جیسا کہ پوچھا گیا موسیٰ علیہ السلام سے اس سے پہلے اور جس نے لے لیا (پسند کر لیا) کفر کو ایمان کے بدلے میں تو تحقیق کے ساتھ بھر گیا سیدھی راہ سے۔"[108]

تفسیر 106: پہلی آیت کے ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ جب (رَاعِنَا) کی جگہ پر (اُنْظُرْنَا) رکھا گیا تو یہ نسخ کی مثال ہے تو اب نسخ کی حکمت بیان ہو رہا ہے اور یہ یہودیوں کے پانچویں اعتراض کا جواب ہے جب قرآن کے آنے سے تورات اور انجیل کے بہت احکام منسوخ ہو گئے تو انہوں نے اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں نسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی لاعلمی پر دلالت کرتا ہے کہ کبھی ایک حکم دیتا ہے اور کبھی دوسرا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کی زندگی میں بہت سارے احکامات منسوخ ہوئے ہیں جیسا کہ قبلہ، شراب، جوا، صوم عاشوراء وغیرہ۔ تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ یہ کیسا نبی ہے۔ کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کبھی ایک حکم دیتا ہے کبھی دوسرا حکم یہ اپنے دین میں متردد ہے تو اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کی بہت ساری حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہودیوں کے اعتراض کا مقصد یہ تھا کہ اپنی کتاب (تورات) کی منسوخیت دوسری کتاب سے نہیں مانتے اسی طرح اس وقت میں بھی جب یک مقلد کسی مسئلے پر عمل کرتا ہے یا ضعیف دلیل (اس کا خیال ہوتا ہے کہ یہ قوی ہے) کو لیتا ہے لیکن جب اس کو صحیح شرعی دلیل مل جاتی ہے اور پہلی دلیل کا ضعف اس پر ظاہر ہو جاتا ہے تو یہ اس پہلے والے مسئلے پر عمل چھوڑ دیتا ہے اور صحیح قول پر عمل شروع کر دیتا ہے تو جاہل متعصب اعتراض کرتا ہے کہ یہ شخص جاہل ہے کبھی ایک طریقے پر عمل کرتا ہے اور کبھی دوسرے طریقے پر عمل کرتا ہے تو یہ یہودیوں سے مشابہت ہے۔

مَا نَنسَخْ: (مَا) موصولہ ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے۔ نسخ کا مادہ قرآن کریم میں چار مرتبہ وارد ہوا ہے اور چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پہلا: لکھنے کے معنی میں جیسا کہ سورۃ جاثیہ، آیت 29 اور سورۃ اعراف، آیت: 154 میں دوسرا: زائل کرنے اور مٹانے کے معنی میں جیسا کہ سورۃ حج، آیت 52 تیسرا: نقل کرنے کے معنی میں جیسا کہ میراث کا مناسخہ اور ارواح کے تناسخ کا عقیدہ چوتھا: تبدیلی کے معنی میں جیسا کہ اس آیت میں، سورۃ نحل: 101 آیت کی تفسیر میں ہے۔ اور نسخ شرع کی اصطلاح میں بعض علماء کے نزدیک اس کی تعریف ہے: نص کی تلاوت کو تبدیل کرنا یا اس کے حکم کو خاص سے عام کرنا یا عام کو خاص کرنا یا مطلق کو مقید کرنا اور مقید کو مطلق کرنا اور نسخ کا یہ معنی بہت عام ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے پانچ سو آیتوں کو منسوخ قرار دیا ہے اور باقی علماء کے نزدیک نسخ حکم کو زائل کرنا ہے جو ایک نص کیساتھ دوسری نص پر ثابت ہو جو پہلے والے سے بعد میں آیا ہو اور اس کا بعد میں آنا صحیح دلیل سے ثابت ہو اس معنی پر علماء نے اکیس (21) آیتوں کو منسوخ لکھا ہے اسی طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان میں لکھا ہے اور امام ولی اللہ محدث دہلوی نے الفوز الکبیر میں ان آیتوں کے ایسے معانی لکھے ہیں کہ ان کے سبب سے صرف پانچ آیتیں منسوخ رہ گئی ہیں لیکن ان پانچ آیتوں میں ایسی تاویلات کی ہیں کہ اس کی وجہ سے ان کو مطلقاً منسوخ نہیں کہا جا سکتا ہے یعنی ایک معنی میں منسوخ ہوں گی اور دوسرے معنی میں نہیں ہوں گی۔ تنبیہ: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن میں منسوخ آیتیں بالکل نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسی آیت جس کی تلاوت منسوخ نہ ہو تو وہ ہر اعتبار سے منسوخ الحکم نہیں ہوتی بلکہ ایک حکم اس میں سے منسوخ ہوتا ہے اور باقی احکامات اس میں ہوتے ہیں۔ باقی نسخ کے مسئلے کی تفسیر تنشیط الاذہان میں ملاحظہ کیجیے۔

فائدہ: نسخ تین قسم کا ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1۔ پہلا یہ کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔ 2۔ دوسرا یہ کہ صرف تلاوت منسوخ ہو اور حکم اس کا باقی ہو۔ 3۔ تیسرا یہ کہ صرف حکم منسوخ ہو اور تلاوت باقی ہو۔ نُنْسِهَا: نسیان سے لیا گیا ہے اور ایک مفعول اس کا مقدر ہے (نُنْسِهَا) قتادہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے بعض وحی بھلا دیتا اور بعض منسوخ کر دیتا۔ ربیع اور عبید بن عمیر نے کہا ہے کہ یہ تم سے اٹھانے کے معنیٰ میں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ نسیان یہاں چھوڑنے کے معنیٰ میں ہے اور ابن زید سے نقل ہے کہ محو (مٹانا) کے معنیٰ میں ہے اور دوسری قراءت میں ہمزہ کیساتھ ہے (نُنْسِئْهَا) تاخیر کے معنیٰ میں اور یہاں پر نسخ اور انساء میں پانچ وجوہ سے فرق ہے۔

پہلی وجہ: مَا نَنْسَخْ: ہم اس کی تعبد (عبادت) تلاوت یا حکم یا دونوں اعتبار سے ختم کر دیں (اور نُنْسِهَا) یا ہم اس کو اپنی حالت پر بغیر کسی تبدیلی کے چھوڑ دیں۔ دوسری وجہ: مَا نَنْسَخْ: ہم کسی آیت کی تلاوت یا حکم یا دونوں کو تبدیل کر دیں۔ (اور نُنْسِهَا) یا ہم اس کو آپ کے دل سے (محفوظ ہونے سے) مٹا دیں، یہ تو بالاتفاق صحابہ کرام کیلئے واقع ہے اور نبی ﷺ کیلئے اس میں اختلاف ہے مفسرین نے یہاں پر اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔ تیسری وجہ: مَا نَنْسَخْ: آیت کا وہ حکم جس کو ہم قرآن سے زائل کریں تلاوت اس کی باقی ہو یا نہ ہو (اور نُنْسِهَا) آیت کی وہ تلاوت جس کو ہم ختم کریں اور یہ بات برابر ہے کہ اس کا حکم باقی ہو یا نہ ہو۔ چوتھی وجہ: (مَا نَنْسَخْ) ایک آیت کی جگہ پر ہم نے دوسری آیت کو تبدیل کیا۔ (أَوْ نُنْسِهَا) جس کو ہم نے بغیر بدلنے کے مٹایا۔ پانچویں وجہ: (مَا نَنْسَخْ) جس کو ہم نے نازل ہونے کے بعد اٹھا لیا۔ (أَوْ نُنْسِئْهَا) (ہمزہ کیساتھ) اس کو تاخیر سے نازل کرے یا تاخیر سے اس کو منسوخ کریں (اور غیر مہموز کی قراءت میں یہ معنیٰ نہیں ہے ہاں اگر ہمزہ کو حذف کیساتھ مخفف بنایا جائے)

نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا: خیریت عام ہے اس پر عمل کرنا پہلے سے آسان ہو مصلحت کیساتھ خوب برابر ہو اور ثواب و اجر میں زیادہ ہو۔ أَوْ مِثْلِهَا: مثلیت عمل یا ثواب میں لیکن مصلحت کے ساتھ زیادہ برابر ہوتا کہ بدلنے کا فائدہ ظاہر ہو جائے اس کی مثال یہ ہے کہ بیت المقدس کے قبلے کو کعبہ کی طرف منسوخ کرنا۔ یہ دونوں اس معنیٰ کیساتھ خاص ہیں جس میں بدل لانے کا اشارہ ہو جو کہ دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں احتمال ہے۔

فائدہ: نسخ جہل کی دلیل نہیں ہے بلکہ علم اور حکمت کی دلیل ہے جیسا کہ ایک ماہر ڈاکٹر یا طبیب ایک مریض کو موسم کے بدلنے کیساتھ دوائی تبدیل کرتا رہتا ہے، اسی طرح ایک قسم کے مریض کو ایک قسم کی دوائی دیتا ہے اور اس کی طرح دوسرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مریض کو دوسری قسم کی دوائی دیتا ہے۔ طبیعتوں کے مختلف ہونے سے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طبیعتوں اور حالات کا مکمل علم رکھتا ہے تو ہر زمانے کی امت کیلئے الگ الگ (فرعی) احکام مقرر کرتا ہے اور ہر تبدیلی اور بدلنے میں امت کی خیریت اور فائدے مقصود ہوتے ہیں۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ : اَلَمْ تَعْلَمْ اور اَلَمْ تَرَ اور اس طرح کے اور الفاظ بھی (بالکل واضح) جگہوں میں تنبیہ کیلئے استعمال ہوتے ہیں یہ خطاب نبی ﷺ کو ہے اور اس سے مراد تمام امت ہے یا ہر اس شخص کو خطاب ہے کہ جس میں خطاب کی اہلیت ہے اور (كُلِّ شَيْءٍ) ہر چیز اس میں ایک آیت کی جگہ پر دوسری آیت کو بدلنا بھی داخل ہے جو اس سے بہتر ہوتی ہے دنیا اور آخرت کے اعتبار سے یا اس کی طرح آیت لانا۔ یہ اشارہ ہے کہ نسخ کرنا عجز اور بے علمی نہیں۔

تفسیر 107 : اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمینوں اور اس کے مابین کیلئے عام ہے اور (لَهٗ) کا لفظ پہلے لایا ہے حصر تخصیص کی وجہ سے (لَهٗ) یہ شرکت فی التصرف کے رد پر دلالت کرتا ہے۔ امام ابن جریر نے کہا ہے کہ جب عرب لوگ مملکت اور سلطان کی خبر دیتے ہیں تو لفظ ملک عموم کیساتھ ذکر کرتے ہیں اور جب تصرف اور ملک کی خبر دیتے ہیں تو تخصیص کے ساتھ لفظ ملک استعمال کرتے ہیں تو (مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) میں اشارہ ہے کہ اوامر اور نواہی بعض کو منسوخ کرنا اور بعض کو باقی رکھنا یہ اللہ کا اختیار ہے اور اس کی بادشاہت کلی کی دلیل ہے۔ تو نسخ سے انکار کرنا اصل میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا انکار کرنا ہے۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ : اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب اور اس کے حکم کے انقیاد کی طرف اشارہ ہے کہ منسوخ اور غیر منسوخ احکامات اور حدود الٰہیہ میں اعتراضات کرنے والوں سے خوف نہ کھاتے اس لیے کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی انتظام چلانے والا، دفاع کرنے والا اور نصرت کرنے والا نہیں ہے (وَلِيٍّ قَيِّمٍ) (انتظام چلانے والے) کے معنی میں ہے اور فائدے اور ضرر کا مالک ہے تو تمام امور اکمل اور اصلح طریقے سے چلاتا ہے اور (نصیر) مدد اور اعانت کرنے والا ہے یعنی نقصانات اور مفاسد سے بچانے والا ہے اور ان دونوں صفات کو اس وجہ سے جمع کیا ہے کہ مالک کبھی نصرت پر قدرت رکھتا ہے اور کبھی نہیں رکھتا ہے اور (نصیر) بھی کبھی مالک ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ فائدہ: ولی کا مفرد صیغہ قرآن میں چوالیس (44) مرتبہ اور جمع کے صیغے کے ساتھ بیالیس (42) مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ 1۔ مومن بندوں کے درمیان ولایت کا اثبات دوستی کے معنی میں جیسا کہ سورۂ انفال، آیت :72۔ سورۂ توبہ، آیت 71۔ 2۔ کافروں کے درمیان ولایت کا اثبات اور شیطان کے ساتھ ولایت کا اثبات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوستی کرنے اور ایک دوسرے کی بات ماننے کے معنیٰ میں، سورۂ جاثیہ، آیت :10۔ سورۂ نساء، آیت :76۔ سورۂ انفال، آیت :73۔ 3۔ اللہ تعالیٰ کی مطلقاً ولایت کا اثبات۔ سورۂ شوریٰ، آیت 9، 28 میں۔ یہ مختار کل حکم چلانے اور مالک کے معنیٰ میں ہے۔ 4۔ مومنوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی ولایت کا اثبات خاص مددگار کے معنیٰ میں جیسا کہ سورۂ نساء، آیت 45۔ سورۂ آل عمران، آیت 68 اور سورۂ اعراف، آیت 155۔ 5۔ عموماً غیر اللہ کی ولایت کی نفی چوبیس (24) مرتبہ آئی ہے جیسا کہ سورۂ بقرۃ، آیت 107۔ سورۂ انعام، آیت :51۔ سورۂ توبہ، آیت 74، 116۔ 6۔ غیر اللہ کی ولایت پر زجر چھ مرتبہ جیسا کہ سورۂ کہف، آیت 50 اور 102۔ سورۂ عنکبوت، آیت :41۔ 7۔ اور کافروں سے ولایت کی نفی سات (7) مرتبہ جیسا کہ سورۂ نساء، آیت 89۔ سورۂ آل عمران، آیت 28۔ قرآن میں ولی کے معانی ہیں بچانے والا۔ تدبیر کرنے والا۔ دوست۔ مددگار۔ وارث۔ نائب۔ اور ساتھی تو ہر جگہ میں اپنا مناسب معنیٰ مراد ہے۔

تفسیر 108 : یہودیوں کے بعض شبہات کے جوابات کے بعد اب ان کے برے اقوال اور اعمال پر زجر ذکر ہو رہا ہے تو اس آیت میں آخری رسول پر اعتراضات کا پہلا زجر ہے۔ (أَمۡ تُرِيدُونَ) أَمۡ یہاں پر منقطعہ ہے (بَلۡ) کے معنیٰ میں ہے اور اس خطاب میں مفسرین کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ مشرکین عرب کو خطاب ہے اور ان کے سوالات (ضد اور عناد کے طور پر) معجزات کے مطالبات سے متعلق تھے اس کا ذکر سورۂ اسراء، آیت 90 سے 93 میں کیا گیا ہے۔ سوال 1: ان سے یہ سوال تو بالفعل موجود تھا تو یہاں پر ارادہ کیوں ذکر کیا ہے؟ جواب 1۔ ارادے سے منع مبالغے کے طور پر ہے۔ جواب 2۔ یہ ارادہ کَمَا سُئِلَ کے ساتھ متعلق ہے یعنی سوالات کرتے ہیں اور ارادہ یہ رکھتے ہیں کہ ان سوالات کی وجہ سے یہ رسول موسیٰ علیہ السلام کی طرح ناراض ہو جائے۔ دوسرا قول: یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے اور سوال سے مراد اس چیز کا سوال ہے کہ اس کی بحث میں خیر نہ ہو جیسا کہ سورۂ مائدۃ، آیت 101 میں ہے اور ارادہ اپنے معنیٰ میں ہے۔

تیسرا قول: یہ خطاب یہودیوں کو ہے اور اس قول کو اکثر مفسرین نے پسند کیا ہے اس وجہ سے کہ اس سے پہلے اور بعد میں یہودیوں کی بحث ہے اور اس قول کی بناء پر ارادہ تاکید اور مبالغے کے طور پر ہے اور سوال سے مراد وہ ہے جو سورۂ نساء، آیت :153 میں مذکور ہے اور اسی طرح اور بھی عنادی سوالات ہیں۔ رَسُولَكُمۡ : اس خطاب میں تخصیص مراد نہیں ہے بلکہ احسان جتلانا مقصود ہے اور آخری رسول ﷺ کی رسالت کے عموم کی طرف اشارہ ہے۔ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَبْلُ: یہاں پر تشبیہ ایذاء دینے اور ضد اور عناد میں ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے بہت سے سوالات کیے تھے جیسا کہ سورۃ بقرہ ، آیت :55 اور سورۃ اعراف ، آیت 138 میں ہیں اور اسی طرح اور مقامات میں بھی ہیں۔ جن سے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دینا مقصود تھا۔ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ: اگر اس سے مراد مشرکین یا یہودی ہیں تو (تبدل) سے مراد ایمان کے مقابلے میں کفر لینا ہے اور اگر صحابہ کو خطاب ہے تو (تبدل) سے مراد مرتد ہونا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ نبی کے معجزات سے منہ پھیرنا اور ان پر اعتراضات اور طعن و تشنیع کرنا کفر ہے۔

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ: سَوَآءِ: وسط کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد راہ مستقیم ہے اور یہ دلیل ہے کہ کفر کو ایمان سے بدلنا کامل ضلال کا سبب ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝109 وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ
اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝110 وَقَالُوْا لَنْ
يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝111

"اور چاہتے ہیں بہت سارے اہل کتاب میں سے (پھیرنا تمہارا) کہ وہ پھیر دیں تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کرنے والے حسد کی وجہ سے (جو کہ پیدا ہوا ہے) ان کے نفسوں میں بعد اس کے واضح ہو گیا ہے ان کے لیے حق تو درگزر کرو اور بے پرواہ ہو جاؤ ان سے یہاں تک کہ لیکر آجائے اللہ تعالیٰ اپنا حکم یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔" [109] "تم نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔" [110] "یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہیں جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔" [111]

تفسیر 109: اس آیت میں اہل کتاب کے عمل پر دوسرا زجر ہے جو کہ مومنوں کو ایمان اور اسلام سے مرتد کرنا ہے اور وہ سوالات اور شبہات جو پہلی آیت میں ذکر ہوئے مرتد کرنے کیلئے ایک سبب ہے۔ (وَدَّ) دل کی تمنا کو کہا جاتا ہے یہاں پر مراد ان کی مکمل کوشش ہے۔ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: یہ لفظ یہود و نصاریٰ دونوں کو شامل ہے کیونکہ اس فعل میں دونوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شریک ہیں۔ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ : لو: مصدر یہ ہے اور تمنا کی تاکید کیلئے ہے اور اسی طرح سورۃ آل عمران، آیت 69 میں بھی ہے۔ حَسَدًا : حسد کا مادہ قرآن میں پانچ مرتبہ مذکور ہے اور اسی طرح سورۃ نساء، آیت 54 میں بھی مذکور ہے اور منافقین اس کی تہمت مومنوں پر لگاتے ہیں جیسا کہ سورۃ فتح، آیت 15 میں ہے اور اس کی قباحت پر بڑی دلیل یہ ہے کہ سورۃ فلق، آیت 5 میں اس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حاسد نعمت الغیر کے زوال کی تمنا کرتا ہے اس شخص سے جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہوئی ہو اور کبھی اس کے زائل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے اور امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے سات (7) اسباب لکھے ہیں۔

1۔ اپنے آپ کو عزت مند سمجھنا۔ 2۔ اوروں سے خدمت لینا۔ 3۔ فخر اور تکبر کرنا۔

4۔ اپنے مقصد کے فوت ہونے کا خوف۔ 5۔ سرداری اور دنیاوی رتبوں سے محبت کرنا۔ 6۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر پر بخل اور حرص کرنا باقی اس کی تفصیل تفسیر کبیر میں مذکور ہے۔

اور حسد کی جو بھی قسم ہے تو وہ مذموم اور گناہ ہے اور اس کی بعض تفصیل سورۃ فلق کی تفسیر میں آئے گی اور اس سے کبیرہ گناہ پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کا حسد کرنا اس واقعے سے تفصیلاً معلوم ہوتا ہے اور حسد کبھی غبطہ (اغتباط) کے معنی میں ہوتا ہے اور اس سے مراد دوسرے کی نعمت کے مثل کی تمنا کرنا ہے۔ جس کو رشک کہا جاتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے (بَابُ الْاِغْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ) اور اس میں حدیث ذکر کیا ہے۔

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ (صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 73، صحیح مسلم فی الصلوٰۃ الحدیث 816،268، ابن ماجہ حدیث 4208)

یعنی اس حدیث میں حسد رشک کے معنی میں ہے۔ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ : یہ حسد کی صفت ہے یعنی یہ حسد ان کے خبیث نفسوں سے پیدا ہوئی ہے یا (وَدَّ) سے متعلق ہے یعنی یہ تمنا اور حسد حق پرستی اور دیانتداری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ نفسانی خواہشات سے ہے۔ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ : حق سے مراد توحید اور آخری رسول اور قرآن کریم کا صدق ہے جس کی ہر قسم کے دلائل اور معجزات کیساتھ وضاحت کی گئی ہے۔ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا : یہاں سے حاسدوں کے حسد ظاہر کرنے کے وقت پانچ اخلاق اور اعمال ذکر کرتا ہے۔ پہلا عفو کرنا۔ دوسرا صفح کرنا۔ فرق کے ساتھ اس کی مراد یہ ہے کہ عفو سے مراد اس جرم میں پکڑنا ہے جو تمہارے بارے میں ہو جیسا کہ سب وشتم اور تمہاری بے عزتی وغیرہ جبکہ (صفح) یعنی اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اثر ول سے ہٹانا اور عملاً معافی کا اظہار کرنا ہے۔ (امام قرطبی)

دوسرا فرق: (عفو) ان کے شبہات اور سوالات سے تجاوز کرنا ہے جبکہ (صفح) ان کے جوابات دینے سے اعراض کرنا ہے۔

تیسرا فرق: عفو ان کی محبت اپنے دلوں سے مٹانا یعنی ختم کرنا ہے جبکہ (صفح) ان کی دوستی اور تعلقات سے منہ پھیرنا ہے۔

فائدہ: یہاں پر بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عفو اور صفح منسوخ ہوئے ہیں ان آیتوں کی وجہ سے جن میں اہل کتاب کے ساتھ قتال کرنے کا حکم ہے لیکن اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس میں غایہ (انتہا) ذکر ہے (حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ) کیساتھ اور منسوخ اصطلاحی میں غایہ ذکر نہیں ہوتا بلکہ مطلق حکم ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دعوت کے وقت کے اخلاق ہیں قتال کے منافی نہیں ہے تو نسخ کے قول کی ضرورت نہیں ہے۔ بِاَمْرِهٖ: سے مراد ان کے قتال کا امر ہے یا مسلمانوں کا غلبہ یا ان کو ایمان کی توفیق دینا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں پر قدرت رکھتا ہے اس وجہ سے اس کے بعد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

تفسیر 110: اس آیت میں تین آداب کا ذکر ہے۔ 1۔ اقامۃ الصلاۃ۔ 2۔ ایتاء الزکاۃ۔ 3۔ نیکیوں کو آگے بھیجنا۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ: حصول اجر کیلئے دو شرطوں کا ذکر کیا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ عمل اپنی ذات کیلئے ہو یعنی نیت اپنی ذات کیلئے ہو نیابت (کسی اور کو عمل بخشنا) نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے مِنْ خَيْرٍ کہ وہ عمل قرآن وسنت کے موافق ہو۔ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ: عمل پانے سے اللہ تعالیٰ کے پاس مراد اجر ہے (بَصِيْرٌ) میں اشارہ ہے کہ اس ذات سے کسی کا عمل مخفی نہیں، ضائع اور غائب نہیں ہوتا۔

تفسیر 111: اس آیت میں ان کا اپنے لیے بغیر کسی دلیل کے جنت خاص کرنے پر زجر ہے کہ لوگوں کو مرتد کرنے کیلئے اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہو اور سابقہ آیت سے ربط بھی اسی میں ہے۔ اور یہ ان کیلئے تیسرا زجر ہے۔

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى: (اَوْ) برائے تفصیل ہے یعنی (قَالُوْا) میں دونوں فریق کو جمع کر کے ذکر کیا ہے لیکن لفظ (اَوْ) میں دلالت اس بات پر ہو رہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک گروہ کا الگ الگ دعویٰ جنت کی تخصیص کا ہے یعنی یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ جنت میں صرف ہم ہی جائیں گے جبکہ نصاریٰ بھی اسی جنت کے مدعی ہیں کیونکہ وہ آپس ہی میں اختلاف کا شکار ہیں جو کہ بعد والی آیت میں مذکور ہے۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ: یہ ان کے دعویٰ پر رد ہے اور اَمَانِيُّ (اُمْنِيَّةٌ) کی جمع ہے ہر وہ چیز جس کی نفس خواہش رکھتا ہے اور اس کی دلیل شرعی موجود نہ ہو لہٰذا یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی یہ تمام آرزوئیں، دعوے بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلیل ہیں۔ بُرْهَانَكُمْ: برہان برائی دلیل کو کہا جاتا ہے جو سچائی اور یقین پر مبنی ہو اور دعویٰ کے صدق کیلئے لازم ہو۔ قرآن مجید میں اس لفظ کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے۔ اس طرح مطالبہ مشرکین سے شرک پر دنیا میں سورۃ انبیاء آیت 24، سورۃ نمل، آیت 64 میں جبکہ ذکر قیامت میں بھی ہوگا۔ سورۃ قصص، آیت 75 میں مذکور ہے اور اس کا مصداق سورۃ نساء، آیت 174 میں قرآن میں ہے اور سورۃ قصص، آیت 32: میں معجزات ہیں۔

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: دلیل قطعی اور یقینی کے بغیر دعویٰ کی سچائی ثابت نہیں ہوگی۔

بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ "بلکہ جس نے تابع کیا خود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور وہ اچھے عمل والا تھا تو اس کے لئے اجر ہے عمل کے ثواب کا اس کے پاس اور نہیں ہوگا کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" [112] "اور کہا یہود نے نہیں ہے نصاریٰ کسی دین پر اور کہا نصاریٰ نے کہ نہیں ہیں یہود کسی دین پر جبکہ یہ پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے ان کے کہنے کی طرح تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے ان کے بیچ قیامت کے دن اس کا جس میں اختلاف کرتے تھے۔" [113]

تفسیر 112: یہ بھی یہود و نصاریٰ کے قول کا رد ہے اور جنت کے مستحق ہونے کیلئے اسباب مذکور ہیں یعنی جنت یہودیت اور نصرانیت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ صحیح عقیدہ اور عمل صالح سے حاصل ہوگی۔ أَسْلَمَ: بقول ابن جریر: اسلام استسلام فرمانبرداری کو کہا جاتا ہے اور اخلاص کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ وَجْهَهٗ: ذکر چہرے کا ہے مراد سارا بدن ہے کیونکہ چہرے کے تابع ہونے سے لازمی طور پر سارا بدن تابع ہوتا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے دین کے معنیٰ میں قرار دیا ہے، قرطبی اور آلوسی نے فرمایا ہے کہ قصد کے معنیٰ میں بھی ہوسکتا ہے۔ کوئی بھی معنیٰ ہو تو مراد اس میں عقیدتاً اور عملاً توحید ہے۔ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قبولیت عمل کیلئے دو شرطوں کا ہونا لازمی امر ہے۔ 1۔ وہ عمل خالص رضائے الٰہی کیلئے ہو کسی اور کی شراکت اس میں نہ ہو۔ 2۔ شریعت کے موافق ہو عمل میں اگر اخلاص ہو لیکن وہ عمل خلاف سنت ہو تو مردود ہے۔ وَلَا خَوْفٌ: یہ اول سے جنت میں داخل ہونے کیلئے کنایہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 113: یہ چوتھا زجر یہود و نصاریٰ کو ہے کہ وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں جبکہ تورات میں انجیل اور انجیل میں تورات کی تصدیق موجود ہے اور ان کا اختلاف بھی بعض جزئیات میں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھا ہے کہ اس امت میں وہ لوگ اس کے مصداق ہیں جو اصول میں متفق ہیں اور فروع میں اختلاف کی شدت میں اس درجہ تک جا چکے ہیں کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اس کا سبب صرف تعصب، ضد اور عناد ہے لہٰذا اس امت میں یہ بیماری یہود و نصاریٰ سے منتقل ہوئی ہے۔

سوال: یہ دونوں گروہ آخری نبی ﷺ کی نبوت سے منکر ہیں لہٰذا دونوں کافر ہیں تو اس اعتبار سے ان کا یہ قول درست ہے کہ (وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ)؟

جواب: امام ابن جریر اور امام شربینی نے اپنی تفاسیر میں لکھا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ بغیر تعرض کے آخری نبی کی نبوت سے انکار ایسا ہے جیسا کہ ایک دوسرے کے اصل دین سے انکار کر لینا اور اصل دین سے انکار تورات اور انجیل سے انکار کرنا ہے اور اس پر یہ جملہ (وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ) دلیل ہے (عَلٰى شَيْءٍ) مبالغہ کی وجہ سے مطلق چیز کی نفی کی ورنہ مراد وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے۔ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ: مراد (الْكِتٰبَ) سے تورات اور انجیل دونوں ہیں اور ان میں ایک دوسرے کی تصدیق بھی موجود ہے جس کو یہ لوگ پڑھتے بھی ہیں۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: مراد ہر زمانہ کے جاہل عامی لوگ جنھوں نے کفر کیا اور حق کو جھٹلایا اور یہود و نصاریٰ کی قباحت ہے کہ انہوں نے علم کے باوجود جاہلوں والے کرتوت اپنائے ہوتے ہیں۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ: اس سے مراد عملی فیصلہ ہے قیامت کے دن صالحین کو جنت میں اور کفار کو جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت کو قیامت اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ قبروں سے باہر آ جائیں گے اور میدان محشر میں اللہ کے سامنے اعمال کی باز پرس کے لیے کھڑے ہوں گے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ”اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کیے جانے کو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رو کے ان کی بربادی کی کوشش کرے ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہیے ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔"[114] " خاص اللہ تعالیٰ کے لئے مشرق اور مغرب ہے۔ تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔"[115] " یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے زمین اور آسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے۔"[116]

تفسیر 114: یہ پانچواں زجر ہے یعنی مساجد میں حق بیان کرنے سے منع کرنے پر اور ربط یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کے درمیان مخالفت کی یہ شدت ہے کہ ایک دوسرے کو مساجد سے بھی منع کرتے ہیں۔ وَمَنْ أَظْلَمُ: یہ استفہام انکاری ہے یعنی اس شخص سے بڑا ظالم کوئی ہے ہی نہیں۔ مَسٰجِدَ اللّٰهِ: بعض مفسرین نے اس سے مسجد اقصیٰ مراد لی ہے کہ نصاریٰ نے بخت نصر کی مدد سے ویران کی تھی اور یہودیوں کو اس سے روک رکھا تھا۔ بعض مفسرین نے مسجد حرام بیت اللہ مراد لیا ہے کہ مشرکین نے نبی معظم ﷺ کو اس سے منع کیا ہوا تھا اور روک لیا تھا توحید اور اہل توحید سے خالی کیا تھا جو کہ حقیقت میں ویرانی ہے اگرچہ اس کی تعمیر اپنی جگہ قائم تھی۔ لیکن افضل قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام مساجد ہیں لہٰذا اس کو کسی خاص مسجد کے ساتھ مختص کرنے کی کوئی دلیل نہیں اسلئے صیغہ جمع سے ذکر کیا ہے اور عام مساجد کو شامل ہے اس قول کو امام قرطبی نے راجح قرار دیا ہے۔ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ: یہ مساجد سے بدل اشتمال بن رہا ہے اور اس میں دو گناہوں کی طرف اشارہ ہے۔ 1۔ مساجد سے منع کرنا۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کرنا۔ البتہ ان کو تکلیف توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے ہے۔ يُذْكَرَ: اسم اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کو شرعی طریقے سے یاد کرنا توحید ربوبیت، الوہیت اور تشریع کے ساتھ اور وہ توحید کو بیان کرنا ہے اور حق کی طرف دعوت دینا ہے اور سنت کے مطابق نماز ادا کرنا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا: خرابی دو قسم کی ہے۔ 1۔ ظاہری خرابی یعنی توڑ پھوڑ کرنا اس میں گندگی کرنا کچرا ڈالنا وغیرہ
2۔ معنوی خرابی یعنی اس میں شرک، بدعت، فسق وفجور کرنا، کاروبار، دنیاوی باتیں وغیرہ۔

أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَآ إِلَّا خَآئِفِيْنَ: اس میں دو توجیہات ہیں۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے اور اپنے معنیٰ پر ہے اور یہ پیش گوئی ہے کہ اس مسجد کو مسلمان آزاد کریں گے اور اپنا قبضہ اس پر قائم کر کے اس میں توحید وسنت کا پرچار کریں گے اور مسلمانوں کے غلبہ اور قوت کی وجہ سے مشرکین ومنافقین اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں خوف کے ساتھ داخل ہوں گے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ جملہ خبریہ انشائیہ کے معنیٰ میں ہے یعنی مسلمانوں پر جہاد فرض ہے تا کہ مساجد کو کافروں کے قبضہ وتسلط سے آزاد کرائیں اور ان کو ڈرائیں اور اسی طرح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے لشکر کو لیکر مکہ میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کر کے مسجد حرام کو مشرکین سے آزاد کروایا۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ: ان کی مغلوبیت اور صحابہ کرام کو جزیہ (ٹیکس) دینا اور دیگر ذلتوں کو شامل ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ) فائدہ 1: مسجد و مساجد قرآن مجید میں آٹھ مصداقات کے ساتھ 28 مرتبہ مذکور ہے۔ 1۔ ہر ایک مسجد جیسا کہ یہ آیت ہے۔ 2۔ مسجد قبا یا مسجد نبوی، سورۃ توبۃ: 108۔ 3۔ مسجد حرام سورۃ اسراء: 1۔ 4۔ مسجد اقصیٰ، مذکورہ آیت۔ 5۔ مسجد ضرار، سورۃ توبہ: 107۔ 6۔ مسجد بمعنیٰ سجود، سورۃ اعراف: 29۔ 7۔ مساجد بمعنی سجدہ کے اعضاء، سورۃ جن: 18۔ 8۔ مسجد مردوں کے قریب میں الکہف: 21 جبکہ یہ آخری قسم بنانا شرعاً حرام ہے۔ فائدہ 2: سوال: أَظْلَمُ صیغہ اسم تفضیل ہے اور اس کا مصداق تو ایک فرد ہوتا ہے جبکہ قرآن مجید میں یہ لفظ سولہ (16) مرتبہ مذکور ہے اور چھ افراد و اظلم کا ذکر ہے۔ 1۔ مساجد سے لوگوں کو منع کرنے والے مذکورہ آیت۔ 2۔ شہادت چھپانے والے، سورۂ بقرہ: 140۔ 3۔ آیتوں کی تکذیب، سورۃ انعام: 157۔ 4۔ آیتوں سے اعراض۔ 5۔ اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اس کو آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے، سورۃ انعام: 21۔ 6۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا، سورۂ زمر: 32۔

جواب 1: یہ ایک کافر شخص کی صفات ہیں مگر مناسب جگہوں پر الگ الگ ذکر کی ہیں۔ جواب 2: یہ ہر نوعیت کی الگ الگ تفصیل ہے یعنی یہ چھ انواع ہیں اور ہر نوع میں الگ الگ ظلم ہے۔ لیکن مانعین میں سب سے زیادہ ظالم مساجد سے منع کرنے والے ہیں۔

تفسیر 115: اس آیت میں اطمینان اور تسلی دی جا رہی ہے ان لوگوں کو جن کو مشرکین نے مسجد سے منع کیا ہے لہٰذا اس کا تعلق (مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ) سے ہے یعنی اگر تمہیں کوئی مساجد سے روک لے تو کتاب وسنت کا درس وتدریس دوسری جگہوں میں شروع کریں کیونکہ تمام اطراف وجوانب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ: ان دو طرفوں سے مراد کل دنیا اور تمام اطراف ہیں کیونکہ پہلا سبب یہ ہے کہ سورج اور تمام تاروں کے یہ دو ہی مدار ہیں اور یہ اصلی جہات ہیں اور شمال اور جنوب عارضی جہات ہیں دوسرا سبب یہ ہے کہ کرۂ ارض زمین کو دو ٹکڑے بنا دو تو ایک حصہ مشرق جبکہ دوسرا مغرب ہوگا۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ: اس کے بارے میں بہت اقوال ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ تشریف لے آئے تو 16 یا 17 مہینہ تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا پھر وہ حکم منسوخ ہوا لہذا جب نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کعبہ کی جانب نماز شروع کی تو یہود نے اعتراض کیا جس پر اس جملہ میں یہ جواب دیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب کعبہ کی جانب منہ کرنا فرض نہیں ہوا تھا۔ یہ دونوں اقوال ابن جریر نے نقل کیے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سفر کی حالت میں سواری پر نفل نماز ادا کرنے کے بارے میں ہے بلکہ گاؤں سے باہر جب انسان سواری کے اوپر ہو۔ امام قرطبی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ آیت کا معنٰی یہ ہے کہ مشرق اور مغرب سے کعبہ کی جانب منہ کرکے نماز پڑھو کیونکہ ہر جانب والوں کیلئے یہی کعبہ قبلہ ہے لیکن مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقوال آیت 142: سے متعلق ہیں اور اس آیت کی وضاحت ہم نے کی ہے کہ اگر تمہیں مسجد میں نماز ادا کرنے سے کوئی روک لے تو باہر کسی اور جگہ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر نماز پڑھ لو اور توحید وسنت کے درس سے منع کرنے پر کسی اور جگہ توحید وسنت کے درس کا انتظام کرو اس معنٰی کو ابن جریر نے بہتر قول قرار دیا ہے۔

وَجْهُ اللهِ: اس میں سلف صالحین کا اختلاف ہے بعض سلف کے نزدیک متشابہات میں سے ہے جس کا معنٰی حقیقت پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا چہرہ مراد ہے بغیر تمثیل، تشبیہ، تحریف، تاویل کے جس طرح تمام متشابہات میں سلف کا موقف ہے جبکہ بعض سلف کے نزدیک متشابہات میں سے نہیں ہے بلکہ وضع کے ساتھ بہت سارے معنوں میں مشترک ہے اور ہر معنٰی میں مستعمل ہے اور حقیقت ہے قرینہ دیکھ کر معنٰی کا تعین کرنا ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فتاویٰ، جلد: 3، صفحہ: 193 میں لکھا ہے "وَلَيْسَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ مِنْ آيَاتِ الصِّفَاتِ وَمَنْ عَدَّهَا فِي الصِّفَاتِ فَقَدْ غَلِطَ" یہ آیت صفات کی آیتوں میں سے نہیں ہے جنہوں نے صفات کی آیتوں میں شمار کیا ہے ان سے غلطی ہوئی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ وجہ جہت کے معنٰی میں ہے اور مراد قبلہ ہے یہ قول مجاہد، امام شافعی وغیرہ سے منقول ہے۔ اس بناء پر میں کہتا ہوں کہ وجہ قرآن کریم میں سات معنوں پر (34) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ کی صفت میں 13 مرتبہ آیا ہے۔ 2۔ اول کے معنٰی میں آیا ہے، سورۂ آل عمران: 72۔ 3۔ توجہ کے معنٰی میں ہے، سورۂ یوسف: 9۔ 4۔ انسان کا چہرہ، سورۂ یوسف: 93۔ 5۔ ذات نفس، سورۂ یونس: 105۔ 6۔ طریقہ، سورۂ حج: 11۔ سورۂ مائدہ: 108۔ 7۔ بابرکت ہونا۔ سورۂ زمر: 24۔ إِنَّ اللهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ : [redacted]
قرآن مجید میں مذکور ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے پانچ معانی ذکر کیے ہیں۔ 1۔ معنٰی متعدی ہے یعنی بندوں پر دنیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امور میں فراخی پیدا کرتا ہے۔ 2۔ علم کے اعتبار سے صفت ہے یعنی اس کا علم ہر چیز کو اپنے وسعت میں لیے ہوئے ہے۔ 3۔ دینے اور رحمت کرنے کے اعتبار سے سخاوت والا ہے۔ 4۔ معافی کرنے میں بہت وسیع ہے۔ 5۔ اپنے بندوں پر وسعت کے ساتھ فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر 116 : یہ بھی یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین کو زجر ہے اور ان کے چھپے اشکال کا جواب ہے جب قرآن مجید میں جا بجا انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ کی عاجزی، بندگی بیان ہوئی تو انہوں نے اعتراض کیا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں اور ملائکہ کی بے ادبی، گستاخی کرتے ہو کیونکہ ان کو بندے عاجز، بے بس وغیرہ کہتے ہو۔ جواب الزامی طور پر ہے کہ ہم تو گستاخی نہیں کرتے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے ہو کیونکہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کے مترادف ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4482-6099، صحیح مسلم 2804) اور یہ تو صریح کفر ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا :

اللہ تعالیٰ کی طرف ولد کی نسبت قرآن میں مندرجہ ذیل مقامات پر ہوئی ہے:

1۔ صافات: 152   2۔ سورۃ بقرۃ: 116   3۔ سورۃ یونس: 68   4۔ سورۃ کہف: 4

5۔ سورۃ مریم: 88   6۔ سورۃ انبیاء: 26

اور مندرجہ ذیل مقامات پر اللہ تعالیٰ سے ولد کی نفی کی گئی ہے۔

1۔ سورۃ جن: 3   2۔ سورۃ زمر: 4   3۔ سورۃ فرقان: 2   4۔ سورۃ مریم: 91

5۔ سورۃ مریم: 92   6۔ سورۃ اسراء: 111   7۔ سورۃ زخرف: 81   8۔ سورۃ مومنون: 91

9۔ سورۃ مریم: 35   10۔ سورۃ انعام: 101   11۔ سورۃ نساء: 171   12۔ سورۃ اخلاص: 3

اور لفظ ولد ابن۔ بنت بیٹا بیٹی دونوں کو شامل ہے لہٰذا ابن، بنون، ابناء اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف۔ سورۃ توبہ: 30۔ سورۃ انعام: 100۔ سورۃ مائدہ: 18۔ اور بنات کی نسبت اللہ کی طرف سورۃ انعام: 100۔ سورۃ نحل: 57۔ سورۃ صافات: 149۔ سورۃ طور: 39 میں ہیں۔ مذکورہ تمام مقامات میں مشرکین اور کفار کا رد ہوا ہے۔

یہود و نصاریٰ سے قبل اس شرک کے مرتکب ہندوؤں اور بدھ مت والے تھے ان میں سے فرقہ براہمیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کرشن میں حلول کیا ہے جو کہ ان کے ایک باطل معبود کا نام تھا۔ تو بقول ان کے اس میں لاھوت اور ناسوت جمع ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا بن گیا ہے۔ اور بوذ یہ فرقہ والوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ بوذا میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے اور وہ ابن اللہ بن گیا ہے۔ والعیاذ باللہ

اتخاذ الولد کا مقصد: ان میں ولد حقیقی کا عقیدہ نہیں تھا کہ جس طرح میاں بیوی سے اولاد پیدا ہوتی ہے البتہ اگر کوئی جاہل یہ عقیدہ رکھتا ہو تو کوئی بعید نہیں ہے مگر اکثر مشرکین کا عقیدہ ولد حکمی کا ہے یعنی بیٹے میں باپ کی صفات ظاہر ہونا، والد کا نائب بن جانا مختلف کاموں اور اختیارات میں عہدے اس کو سونپ دینا اور بعض بیٹے تو ناز میں لاڈلے ہوتے ہیں اور وہ والد کے لئے بہت عزیز ہوتے ہیں لہٰذا ان کی زیادہ محبت کی وجہ سے والد سے مجبوراً بعض کام کروا لیتے ہیں۔ تو ان مشرکین کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ، عزیر، ملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام مذکورہ صفات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد کے حکم میں داخل ہیں۔ امام آلوسی نے لکھا ہے کہ لفظ (اتَّخَذُوْا) واضح دلیل ہے کہ یہ ولد حکمی ہے جیسا کہ عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ (أَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا) یا فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ (أَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا) ابن عطیہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد محبت شفقت کے اعتبار سے بیٹا ہے حقیقی نہیں (تفسیر سورۃ توبہ) شاہ ولی اللہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایک ہے لیکن اس نے دنیا کے بادشاہوں کی طرح ملک کے اطراف میں اپنے کارندے بزرگوں کی صورت میں مقرر کیے ہیں جن کو اختیارات سونپ دیئے ہیں۔ جیسا کہ بادشاہ تمام اختیارات وتصرفات ان وزیروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بھی کیا ہوا ہے نیز جس طرح اس علاقہ کے وزیر کی سفارش سے بادشاہ لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ لوگ اس کو محبت اور عقیدت کی وجہ سے محبوب مطلق اور بیٹا قرار دیتے ہیں یہ بیماری یہود ونصاریٰ اور اس امت کے منافقین میں بھی پائی جاتی ہے۔ میشاپوری نے لکھا ہے کہ یہود عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے علوم کا مظہر قرار دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام علوم سکھائے ہیں اس لیے اس کو ابن اللہ کہتے ہیں اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے تصرفات کا مظہر قرار دیا تھا اور ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو الوہیت، قدرت، تصرفات سونپ دیے ہیں اس لیے اس کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ انتہی۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کا عقیدہ عام مشرکین کا اس وقت بھی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہ ابن اللہ کہتے تھے اور ہمارے دور کے مشرکین ابن اللہ نہیں کہتے بلکہ صرف لاڈلے کہتے ہیں اور یہود اور نصاریٰ کی کتابوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ولی کی جگہ لفظ ابن استعمال ہوتا تھا جیسا کہ امام آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ لوگ ابن کہتے ہیں یہاں پر ان کے اس قول باطل کی تردید تین طریقوں سے کی ہے۔

1۔(سُبْحَانَهُ) امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ (سبحان) معنی تنزیہ، تبریہ یعنی پاک ہونا اور بری ہونا ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے جو الوہیت کے منافی ہو پاک ہے لہٰذا ولد حقیقی اور حکمی الوہیت کیلئے تو عیب اور نقصان ہے جس سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے اور اس کی بہت وجوہات ہیں۔ سبب اول: ولدیت تو ہم جنس ہونے کا تقاضا کرتی ہے اور جنسیت تو مستلزم ہے حدوث کیلئے جبکہ حدوث الوہیت کے منافی ہے۔

دوسرا سبب: یہ کہ ولدیت مستلزم ہے احتیاج کو اور اللہ تعالیٰ محتاج ہونے سے پاک ہے۔

تیسرا سبب: ولد حقیقی تو باپ کا جزء یعنی حصہ ہوتا ہے اور یہ بھی الوہیت کے منافی ہے۔

چوتھا سبب: ولدیت تو تشبیہ چاہتی ہے یعنی بیٹا باپ کے ساتھ بعض صفات میں مشابہ ہوتا ہے شکل وصورت، کلام، چال چلن وغیرہ میں جبکہ اللہ تعالیٰ تشبیہ سے پاک ہے۔

پانچواں سبب: والد ہونے میں وفات کا آنا لازم ہے جو کہ زوال اور فنا ہے اور اللہ تعالیٰ زوال اور فنا سے پاک ہے ان وجوہات کی بناء پر صحیح بخاری میں فرمان نبوی ﷺ ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے ہیں اور ان کی گالی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ولد کی نسبت کی جائے۔ مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوا کہ صفات ولدیت اور صفات الوہیت ایک دوسرے سے بہت بعید اور الگ ہیں اس عقیدہ کے رد کیلئے دوسرا طریقہ (بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُوْنَ) اس طرح کی آیت سورۂ یونس 68 میں بھی ہے اور اس کا معنی سورۂ مریم آیت 91 میں موجود ہے۔ (لَهُ) میں لام ملکیت، ملوکیت اور خلق عبدیت کیلئے ہے یعنی یہ سب اس کی بادشاہت تصرف مخلوق اور غلامی میں داخل ہیں اور یہ صفات تو ولدیت کے خلاف اور منافی ہیں اس لیے کہ ولد کو مملوک اور رعیت اور غلام نہیں کہا جا سکتا اور یہ اوصاف ولد حقیقی اور حکمی دونوں کو شامل ہیں۔ ولد حقیقی کے ساتھ تو ملکیت شرعاً وعرفاً دونوں ظاہراً منافی ہیں اور ولد حکمی کی جو صفات ہم نے ذکر کی ہیں وہ بھی ملکیت اور غلام ہونے کے منافی ہیں۔ بَل: برائے ترقی ہے کیونکہ (سبحان) سے استدلال میں اجمال ہے اور اس میں دلیل کی وضاحت اور تفصیل ہے۔

رد کرنے کا تیسرا طریقہ: كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُوْنَ: امام قرطبی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ قنوت کے کئی معانی ہیں جن میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے اطاعت، عبادت کیلئے قیام، سکوت، خضوع، انقیاد، اخلاص، استکانت، صلوٰت۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار کرنا نیز ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے جو روایت مسند احمد میں منقول ہے جس کا معنٰی یہ ہے کہ قرآن میں ہر قنوت اطاعت کے معنٰی میں ہے (ابن حبان حدیث 1723 ابو یعلیٰ حدیث 1379 مسند احمد 3/75، شیخ البانی نے اس کو سلسلۃ الضعیفۃ میں ضعیف کہا ہے 4105)۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف اور مرفوعاً منکر قرار دیا ہے۔ اطاعت اور انقیاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرعی قنوت اور وہ صالحین کی قنوت ہے حالانکہ عیسیٰ وعزیر سب اس میں داخل ہیں۔ دوسری قنوت قدری (تکوینی) ہے جس میں سب مخلوق داخل ہے اور کوئی تو طوعاً یہ کوئی کرھاً ہے اور قنوت ہر معنٰی کے ساتھ والدیت کے معنٰی سے منافات رکھتی ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿118﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْــَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿119﴾ "وہ زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا، بس وہ ہو جاتا ہے۔" [117] "اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی، ان کے اور ان کے (دونوں کے) دل یکساں ہو گئے۔ ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں۔" [118] "یقیناً ہم نے آپ کو حق بیان کرنے والا خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بھیجا ہے اور آپ سے جہنم والوں کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔" [119]

تفسیر 117: دو طریقوں سے اس آیت میں اتخاذ الولد کے قول کا رد ہے جو کہ بالترتیب طریقہ چہارم و پنجم ہے۔

بَدِيْعُ: یہ صفت اللہ تعالیٰ کیلئے سورۃ انعام: 101 میں بھی مذکور ہے اس کا مادہ (ب د ع) ہے جیسا کہ (قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ)۔ سورۃ احقاف: 9 میں مذکور ہے لغت عرب میں بَدِيْع، اِبْدَاع، بِدْعَةٌ کسی چیز کو بغیر مثل پیدا کرنا جس کا پہلے سے کوئی وجود نمونہ نہ ہو ایسے کام کرنے والے کو مُبْتَدِع اور بَدِيْع کہتے ہیں لہٰذا اس مقام پر معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمینوں آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے کسی سابقہ مثال کے بغیر ان کو بنایا ہے لہٰذا ایسی ذات کو اولاد کی کیا ضرورت ہے اولاد کیلئے اصل اور عنصر تو باپ ہوتا ہے جبکہ وہ مبدع نہیں ہے۔ فائدہ: امام ابن کثیر اور قرطبی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ اصطلاح شریعت میں اس سے بدعہ لیا گیا ہے کیونکہ شریعت میں بدعت کیلئے بھی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ قرطبی رحمہ اللہ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ عمل جو قرآن وسنت اور عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موافق نہ ہو۔ ابن عابدین شامی نے اس طرح تعریف کی ہے کہ ہر وہ چیز جو پیدا کی جائے اس حق کے خلاف جو لیا گیا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم ہو یا عمل ہو یا حال ہو اور ایک قسم استحسان وشبہ کے ساتھ اور پھر اس سے دین اور صراط مستقیم بنایا جائے۔ (شامی، ج:1، صفحہ 393:) اور مجالس الابرار میں اس طرح تعریف کی ہے کہ ہر وہ کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اور ترغیب بھی اس کام کی نہیں دی تو وہ بدعت قبیحہ ہے۔ (ص: 127) اور صحیح حدیث میں ہے کہ (مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ) جس نے کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو ہمارے دین میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔ (صحيح البخاري كتاب الصلح، رقم الحديث: 2697، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، صحيح مسلم رقم الحديث 1718، صحيح ابن حبان رقم الحديث 4967)

یہ حدیث بدعت شرعیہ کی تعریف پر واضح دلیل ہے اور اس حدیث میں لفظ (ما) عام ہے عقائد، اعمال، ترک یعنی عمل کو چھوڑ دینا، اعمال کی مقدار، کیفیات، اوقات وغیرہ سب کو شامل ہے اس سے پتا چلا کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ بدعت حقیقی یعنی عبادت اور عمل ایجاد کرنا بغیر دلیل شرعی کے جیسا کہ قبروں کا طواف جھنڈے گھاڑنا، غلاف چڑھانا، گنبد تعمیر کرنا وغیرہ دوسری قسم بدعت اضافی یعنی ایک عمل ایسا ہے جس کا وجود تو ہے مگر اس کی کیفیت، مقدار، اوقات کی تخصیص اپنی جانب سے بنا دینا اس قسم کی بدعت اس وقت بہت زیادہ ہے یعنی قضاء عمری والی نماز، احتیاطی نماز، صدقات کو جمعہ کی رات کے ساتھ مختص کرنا، جمعہ کے دن کو خاص کرنا روزے کے لئے۔ اجتماعی کیفیت کے ساتھ دعاء، فرض نماز اور جنازہ کی نماز کے بعد یا فدیوں کے حیلے وغیرہ یہ سب کام بدعات میں سے ہیں جو کہ شریعت میں ناجائز ہیں۔ اس حدیث میں (فِيْ أَمْرِنَا) میں اشارہ ہے کہ بدعت دو قسم کی ہے۔ بدعت فی الدین ہے یعنی کوئی عمل یا اس کا وصف دین میں شامل کر کے اس کو سنت یا مستحب تصور کرنا تو یہ عمل اس حدیث اور اس آیات مبارکہ میں ہے (لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ) سورۃ نساء اور مائدہ ان آیات کی وجہ سے بدعت اور حرام ہے۔ دوسری قسم بدعت للدین ہے جس کو بدعت فی الوسائل کہا جاتا ہے یعنی اس کو دین کا حصہ نہیں بلکہ ذریعہ دعوت وغیرہ تصور کیا جاتا ہے جیسا کہ کتابوں کی تصنیف، مدارس کا اہتمام، دین کی نشر واشاعت کیلئے اجتماعات کا انعقاد مسجد کا وسط معلوم کرنے اور سمت قبلہ کیلئے محراب اور راز کار مسنونہ ادا کرنے کیلئے معروف تسبیح بچھا کر استعمال کرنا بدعت گناہ نہیں ہے بشرطیکہ حدود شرعیہ سے تجاوز اور مخالفت اس میں نہ ہو اور اس کو عبادت نہیں مانتے بلکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادت کیلئے ذریعہ وسیلہ تصور کرلیں تو درست ہے ورنہ نہیں ۔(مَا لَيْسَ مِنْهُ) اس میں اشارہ ہے کہ کتاب وسنت میں
28/28 اس کا ثبوت موجود نہ ہو نیز اس حدیث سے بدعت کی دو اور قسمیں ظاہر ہوتی ہیں۔
پہلی بدعت اعتقادی، دوسری بدعت عملی ؛؛ اعتقادی سے مراد وہ عقائد ہیں جن کا ثبوت شریعت مطہرہ میں نہ ہو اور جو سلف صالحین سے ثابت بھی نہ ہوں جیسا کہ عقائد روافض، اہل تشیع ، معتزلہ، خوارج ، جہمیہ، قدریہ، مرجئہ، قبر پرست متصوفہ وغیرہ جبکہ بدعت عملی وہ ہے جس کی تفصیل بدعت اضافیہ میں ذکر ہوئی ہے۔ بدعات پر تفصیلی بحث کیلئے علامہ شاطبی کی کتاب ،، الاعتصام ،، اور ،، کتاب الموافقات ،، کا مطالعہ ضروری ہے۔

وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ : یہ اتخاذ الولد کے قول کا رد کرنے کا پانچواں طریقہ ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے ارادوں کو پورا کرنے میں اسباب کا محتاج نہیں اور کوئی بھی مراد اس کے ارادے سے نہ پیچھے ہو سکتی ہے اور اور نہ ہی مخالف ہو سکتی ہے تو پھر ایسی ذات کو ولد کی کیا ضرورت ہے چاہے ولد حقیقی ہو یا حکمی دونوں سے وہ مبرا ہے۔

(قضی) یہ مادہ قرآن مجید میں 63 مرتبہ مذکور ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے آٹھ معانی ذکر کیے ہیں۔
[1]۔ خلق یعنی پیدا کرنا ، سورۃ حٰم سجدہ :12۔(2)۔ اعلام کے معنٰی میں ہے، سورۃ اسراء :4۔(3)۔ امر یعنی حکم ، سورۃ اسراء :23۔(4)۔ الزام اور موت کا فیصلہ کرنا سورۃ سباء :14۔(5)۔ دنیاوی فیصلہ کرنا ، سورۃ طٰہٰ :73۔(6)۔ پورا حق ادا کرنا ، سورۃ قصص :29۔(7)۔ ارادہ کرنا جو کہ اس آیت میں ہے۔(8)۔ تقدیر بنانا ، سورۃ انعام :2۔
مزید معانی یہ بھی ہیں ادا کرنا ، سورۃ بقرۃ :200 حکم شرعی ، سورۃ احزاب :36 یہاں پر ارادہ کرنے کے معنٰی میں ہے۔
أَمرا : یہ لفظ قرآن مجید میں 166 مرتبہ مذکور ہے۔ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے 14 معانی ذکر کیے ہیں۔

1۔ دین ۔ سورۃ توبہ :48   2۔ قول ، سورۃ کہف :21   3۔ عذاب ، سورۃ انعام :8
4۔ بدر میں قتل ، سورۃ انفال :42   5۔ قیامت ، سورۃ نحل :1   6۔ قضاء معنٰی حکم ، سورۃ سجدۃ :5
7۔ وحی ، سورۃ طلاق :12   8۔ مخلوق کا فیصلہ ، سورۃ بقرۃ :210   9۔ مدد ، سورۃ آل عمران :154
10۔ گناہ ، سورۃ طلاق :9   11۔ فرعون کے عمل اور شان وشوکت کو امر کہا گیا ہے سورۃ ہود :97
12۔ کسی چیز کی ایجاد جیسا کہ اس آیت میں ہے   13۔ حکم دینا ، سورۃ بقرۃ :27   14۔ قرآن کو بھی امر کہا گیا ہے ایک تفسیر کی بنا پر ، سورۃ نحل : 1

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا اس مقام میں مراد کسی چیز کی ایجاد ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہو جائے۔

کُنْ جب یہ کلمہ ہر چیز کے ایجاد کیلئے ہر وقت استعمال ہوتا ہے تو اس لیے اس کو کَلِمَاتُ اللہِ کہا گیا ہے۔ اس حدیث میں أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (صحیح مسلم کتاب الذکر حدیث 2708، احمد حدیث 6696)

سوال: جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے دو باتوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہے یا تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ حکم دے گا وہ معدوم ہوگی جو ابھی وجود میں ہی نہیں آئی ہوگی یا موجود ہوگی دونوں محال ہے وجہ یہ ہے کہ غیر موجود کو تو خطاب نہیں ہو سکتا ہے جبکہ موجود کو خطاب تحصیل حاصل ہے یعنی بے فائدہ ہے؟

جواب 1۔ امام ابن جریر اور قرطبی رحمہا اللہ نے بہت جواب ذکر کیے ہیں لیکن ان میں افضل جواب ابن جریر کا یہ قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حکم دیتا ہے تو اس امر اللہ یعنی کلمۃ اللہ سے وہ چیز نہ تو مقدم ہوتی ہے اور نہ موخر ہوتی ہے یعنی ارادے کے ساتھ حکم کے متصل وہ چیز حاضر ہوتی ہے اور امام قرطبی کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ معدوم کو خطاب فرماتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ ان کے وجود پر قادر ہے اور موخر ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر عالم بھی ہے لہٰذا یہ جملہ اپنے عموم پر ہوگا کسی تخصیص کی اس میں ضرورت نہیں ہے یہ جملہ چار آیتوں میں مذکور ہے۔

1۔ ایک آیت تو یہ ہے۔ 2۔ سورۃ آل عمران: 47 3۔ سورۃ مریم: 35 4۔ سورۃ غافر: 68

اور (کُنْ فَيَكُونُ) بھی چار مقام پر اس کے علاوہ مذکور ہے۔

تفسیر 118: یہ بھی ڈانٹ، زجر اور تنبیہ ہے اور ساتویں شبہے کا جواب ہے شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا ہے؟ اس قول کے قائلین کے متعلق مفسرین کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: اس سے مراد نصاریٰ ہیں۔ دوسرا قول: یہود مراد ہیں مگر بے عمل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے علم کہا ہے۔ تیسرا قول: مشرکین عرب مراد ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے مگر میرے نزدیک بہتر بات یہ ہے کہ تینوں گروہ اس میں شامل ہیں۔ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللهُ: یعنی اللہ تعالیٰ تیری رسالت کے متعلق ہم سے خود بات کرے یا پھر مراد یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ جیسی وحی تجھے ہو رہی ہے ہمیں کیوں نہیں ہوتی جس میں یہ مذکور ہو کہ اللہ تعالیٰ ولد سے پاک ہے جیسا کہ سورۃ انعام: 124 میں ہے۔ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ: اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو انہوں نے طلب کیے تھے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرح یا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرح جیسا کہ سورۃ قصص: 48۔ سورۃ انبیاء: 5 میں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ :اس سے مراد عام مشرکین ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں سے معجزات طلب کیے تھے جیسا کہ صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا تھا، سورۃ شعرآء: 154۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے معجزہ طلب کیا تھا۔ سورۃ شعرآء: 187۔ مشرکین مکہ نے بھی محمد ﷺ سے مطالبہ کیا تھا۔ بنی اسرآئیل: 90 تا 93 سابقہ جملہ میں (**كَذٰلِكَ**) فرمایا صرف طلب میں مشابہت کیلئے جبکہ اس جملے میں (**مِثْلَ قَوْلِهِمْ**) فرمایا: عناد، ضد، تعنت میں مشابہت کے لیے جو کہ صفت مطالب میں برابری ہے۔ **تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ** :اس مشابہت میں کفر، شرک، جہل، عناد، حسد اور انبیاء کے مقابلے میں سرکشی مراد ہے۔ **قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ** : پہلا جواب الزامی طور پر ذکر ہوا تھا اور یہ جواب تحقیقی ہے یعنی تم ایک معجزہ مانگتے ہو جبکہ ہم نے تمہیں بہت سارے معجزات دیے ہیں لیکن وہ تو یقین والوں کو فائدہ دیتے ہیں نیز یقین وہ علم ہے جو شکوک کے ازالہ کے بعد دلائل کے ساتھ حاصل ہو جائے۔

تفسیر 119: تنبیہ شکوک و شبہات کے ازالہ کے بعد اس آیات میں ثبوت رسالت سے متعلق پانچ باتوں کا ذکر ہو رہا ہے یہ پہلی بات میں نبی ﷺ کی رسالت کا اثبات ہے اور انہیں کو تسلی دینا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول (**بِالْحَقِّ**) سے مراد قرآن مجید ہے اور ابن جریر اور ابن کیسان کے قول کے مطابق مراد اسلام ہے۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا :دعوت کے یہ دو طریقے ہیں ایمان والوں کو اخروی اور دنیاوی بشارت دینا اور منکرین کو دونوں جہانوں میں عذاب کی وعید سنانا۔ **وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ** :یعنی کافر اپنے کفر کی وجہ سے مستقل جہنم میں جائیں گے تو نبی سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ وہ ایسی حالت میں کیوں ہیں کیونکہ نبی کے متعلق تو ارشاد ہے کہ (فانما عليك البلاغ) اس میں ان لوگوں کی برائی ذکر ہے جو کسی نبی یا کسی صالح داعی کو کسی نافرمانی کی وجہ سے مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ **لفظ جہنم** قرآن مجید میں 25 مرتبہ مذکور ہے اور اس مقام کے رہائشی لوگوں کا ذکر مندرجہ ذیل صفات کے ساتھ آیا ہے۔ نبیوں اور آیتوں کی تکذیب کرنے والے فسق و فجور کرنے والے، سرکشی کرنے والے دنیا کو ترجیح دینے والے آیتوں کا مقابلہ کرنے والے۔ سورۃ مآئدۃ: 10۔ سورۃ حج: 51۔ سورۃ شعرآء: 91۔ سورۃ واقعہ: 94، سورۃ نازعات: 39، سورۃ انفطار: 14 -

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ
يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا
نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا
يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ "اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ نصاریٰ یہاں تک کہ آپ تابع ہو جائے ان کے طریقے کے آپ کہہ دیجیے یقیناً اللہ تعالیٰ کا دین خاص وہ پورا (حق) دین ہے۔ اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔" [120] "جنہیں ہم نے کتاب دی اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے۔" [121] "اے اولاد یعقوب میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دے رکھی تھی۔" [122] "اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔" [123]

تفسیر 120: اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے ایمان لانے سے امید منقطع کرنے کا ذکر ہے اور قرآن و سنت کے مقابلے میں اہل کتاب کی خواہشات سے اجتناب کا ذکر ہے۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى: یہ خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے جبکہ مراد امت ہے کہ یہود و نصاریٰ بہت ہی ضدی اور عنادی لوگ ہیں ان کو راضی کرنے کی کوششیں مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرو اور اس کی رضامندی دین حق کی طرف دعوت دینے میں ہے اور وہ حق یہ ہے۔ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى: هُدَى اللّٰهِ: سے مراد اسلام ہے جو قرآن مجید میں ذکر ہے (الْهُدٰى) سے مراد یقینی حق ہے حق اور سچائی صرف اور صرف اسلام میں ہے یہودیت اور نصرانیت میں نہیں ہے۔ امام ابن جریر اور بیضاوی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے ساتھ اس ملت میں داخل ہو کر متحد ہو جاؤ تو جواب میں کہا گیا کہ (اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى) اور یہ صریح دلیل ہے کہ اہل توحید کا اہل شرک سے اتحاد جائز اور نہ ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ممکن ہے۔ مِلَّتَهُمْ : امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ملت اس شریعت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر کے اپنی کتابوں کو نازل کیا اور رسولوں کی زبان پر جاری کی ہے تو ملت اور شریعت ایک ہی چیز ہے اور رہا دین تو وہ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان ادا کر رہا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ملت اللہ تعالیٰ اور امتی کی طرف منسوب نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف نبی کی طرف منسوب ہوتی ہے اور فروعی مسائل میں استعمال نہیں ہوتی جبکہ دین عام ہے۔

اور لفظ ملت قرآن مجید میں 15 مرتبہ دو طریقوں سے مذکور ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ ملت ابراہیمیہ حقہ میں 9 مقامات میں ذکر ہوا ہے۔ دوسرا طریقہ ملت باطلہ میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف: 37۔ ص: 7۔ اعراف: 88۔ 89۔ ابراہیم: 13۔ کہف: 20

مِلَّتَهُمْ : اس میں یہود و نصاریٰ کی طرف اضافت ہے اور یہ ملت باطلہ ہے اور بعض علماء نے اضافت میں دونوں کو شریک کی اضافت سے دلیل لی ہے کہ کفر ملت واحدہ ہے اور اس پر بعض مسائل فقہیہ کو متفرع کیا ہے۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم : أهواء: هویٰ کی جمع ہے اور چونکہ وہ آپس میں بھی مختلف تھے اس لیے (اهواء) کو جمع سے ذکر کیا ہے اور اس سے مراد عقائد اور اعمال میں ان کے بے دلیل مسائل ہیں۔ مِنَ الْعِلْمِ : علم سے مراد قرآن اور وحی ہے۔ امام قرطبی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے فتویٰ نقل کیا ہے کہ یہ آیت واضح دلیل ہے کہ قرآن مجید (کلام اللہ) علم اللہ ہے مخلوق نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جو لوگ قرآن کو مخلوق قرار دیتے ہیں وہ کافر ہیں۔

مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ : اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

تفسیر 121: اس آیت میں تیسری بات ذکر ہو رہی ہے اور وہ ہے سابقہ علماء حق سے دلیل نقلی آخری نبی اور قرآن کی تصدیق کیلئے اور اس آیت میں اہل کتاب کا دو اقسام کی طرف منقسم ہونا ذکر ہوا ہے۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ : سابقہ اہل کتاب کے متعلق قرآن مجید میں 7 اوصاف مذکور ہیں۔ أُوتُوا الْكِتَابَ . آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ . أُوتُوا الْعِلْمَ . أُولُو الْعِلْمِ . أَهْلَ الذِّكْرِ . أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ . أَهْلَ الْكِتَابِ .

اس کا فرق اس طرح ہے کہ اوتوا الکتاب برے مولویوں میں استعمال ہوتا ہے اور (آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ) حق پرست علماء میں استعمال ہوتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و دیگر اہل حق علماء اور سابقہ حق پرست علماء کیلئے (أُوتُوا الْعِلْمَ) استعمال ہوتا ہے۔ تمام امتوں میں اہل حق علماء کیلئے اولوا العلم استعمال ہوا اور اہل الذکر ان علماء کیلئے مستعمل ہے جن کا تعلق وحی الٰہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ہو۔ اس امت سمیت سابقہ امتوں کے بھی علماء اس میں داخل ہیں یعنی یہ وہ علماء ہیں جن کا تعلق علماً، قولاً، فعلاً، اِسْتِدْلَالاً وحی سے ہو۔ ناقص مولویوں کو(اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ) کہا گیا ہے یعنی کتاب اللہ کے الفاظ تو جانتے ہیں مگر معانی ومفہوم نہیں جانتے جبکہ اہل الکتاب عام ہیں اچھی صفات والے اور بری صفات والے دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں مفسرین کے دو اقوال ہیں۔

1۔ الکتاب سے مراد قرآن ہے اور مراد اس سے اہل قرآن ہیں۔ 2۔ اس سے مراد توراۃ اور انجیل ہے اور اہل کتاب میں علماء حق مراد ہیں اور آخری قول بہتر ہے۔ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ: یہ الَّذِيْنَ کی خبر یا حال ہے۔ (يَتْلُوْنَ) تلاوت سے لیا گیا ہے یا پھر (تِلْوَ) یعنی پیروی سے لیا گیا ہے مگر دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ تلاوت کے وقت جب جنت کا ذکر ہو تو جنت مانگتے ہیں اور جہنم کی آیتوں پر گزرتے ہوئے اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام تسلیم کرتے ہیں اور نازل شدہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ تحریف اس میں نہیں کرتے ہیں اور تاویل فاسد بھی اس میں نہیں کرتے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق مراد وہ لوگ ہیں جو محکم آیتوں کا علم رکھتے ہیں اور متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور بقول امام قرطبی رحمہ اللہ الفاظ کو ترتیل سے پڑھتے ہیں اور معانی بھی جانتے ہیں کیونکہ معانی کے علم پر پیروی کرنا موقوف ہے۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ: یہ الَّذِيْنَ کیلئے خبر ثانی ہے اور بِهٖ ضمیر الکتاب یعنی توراۃ اور انجیل کی طرف راجع ہے یا پھر (العلم) کی طرف جس سے مراد قرآن ہے جیسا کہ آیت میں گزر چکا ہے۔

تفسیر 122، 123: ان دونوں آیتوں میں رسالت سے متعلق دو باتیں ہیں۔ پہلی ترغیب جبکہ دوسری تخویف۔ بنی اسرائیل کے حالات کی ابتداء بھی ان کے احوال سے ہوتی تھی تو اختتام بھی اسی پر کیا گیا ہے اس آیت کا تعلق مابعد کے ساتھ ہے کیونکہ بعد میں ملت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آنے والا ہے تو بنی اسرائیل کو اس کی پیروی کی دعوت دی جا رہی ہے کیونکہ انہوں نے ملت ابراہیمی سے اعراض کیا تھا خاص کر عظمت کعبۃ اللہ سے انکار یعنی تقرر قبلہ، احکام حج، آخری رسول سے انکار عقیدۂ توحید سے انحراف ہے لہٰذا ان کو اس ملت کی قبولیت کی طرف دعوت اور اس سے مخالفت پر خوف الٰہی سے ڈرایا جا رہا ہے۔ فائدہ: دوسری آیت میں ضمائر (وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ) دوسرے نفس کی طرف راجع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں یعنی نفس مجرم اور مجرم اپنی نجات کیلئے اول فدیہ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے پھر شفاعت طلب کرنے کے ذریعے سے نجات چاہتا ہے یعنی اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میرا فدیہ قبول ہوجائے اور سفارش میرے لئے نافع ہوجائے تاکہ مجھے نجات مل سکے۔ اس وجہ سے یہاں پر عدل کو مقدم کیا ہے اور عدل کے ساتھ قبولیت اور شفاعت کے ساتھ نفع ذکر کیا ہے جبکہ آیت 48: میں ضمائر اول نفس غیر مجرم نفس کی طرف راجع تھیں اس لیے وہاں شفاعت کو عدل پر مقدم کیا تھا وہاں اس کی تشریح گزر چکی ہے۔

اس آیت سے لیکر 141 تک اس حصہ کا دوسرا باب ہے: اس میں ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی جارہی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو ترغیب دی جائے تاکہ وہ ملت ابراہیم کی کامل پیروی کریں خصوصاً کعبہ اور آخری رسول ﷺ کے بارے میں نیز ان لوگوں کی مذمت اور حماقت مذکور ہے جو ملت ابراہیم علیہ السلام سے اعراض کرتے ہیں اور اس باب میں تین اہم باتوں کا ذکر موجود ہے۔ 1۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کعبۃ اللہ کو تعمیر کرنا تاکہ توحید کیلئے مرکز بن جائے اس کا ذکر آیت 125 میں ہے۔ 2۔ آخری نبی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کرنا اس کا ذکر آیت 129 میں ہے۔
3۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا توحید کی وصیت کرنا اس کا ذکر آیت 132 میں ہے۔ نیز پانچ امور کو تفصیل سے ذکر کیا ہے یعنی عظمت ابراہیم علیہ السلام کو آیت 124 میں ذکر کیا ہے۔ عظمت کعبہ کا ذکر آیت 125 میں جبکہ کعبہ کے اہل خانہ کیلئے دعا کا تذکرہ آیت 126 میں وارد ہے۔ توحید پر قائم رہنے کیلئے اپنی ذات اور اولاد کیلئے دعا آیت 127۔128 میں۔ خاتم النبیین ﷺ کیلئے دعا جیسا کہ آیت 129 میں پھر سفاہت کا ان لوگوں کیلئے ذکر ہے جنہوں نے ملت ابراہیم علیہ السلام سے روگردانی کی ہے جو کہ آیت 130 میں مذکور ہے۔ دین توحید پر ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سے وصیت آیت 132 میں ہے اور یہود کی سات خباثتوں کی تردید کی ہے۔

1۔ اس سوال کا جواب جو انہوں نے وصیت کے متعلق یعقوب علیہ السلام پر جھوٹ باندھا تھا۔ 133 میں مذکور ہے۔

2۔ اپنے بڑوں اور نبیوں کے اعمال پر فخر کیا کرتے تھے آیت 134 میں ہے۔

3۔ دین باطل کی دعوت دیتے تھے۔ آیت 135 میں ہے۔

4۔ ان کے اعتراض پر انبیاء کے متعلق صحیح عقیدہ کا اظہار کرنا آیت 136 میں۔

5۔ ان کے رسوم باطل کا جو کہ رنگ دیا کرتے تھے رد کرنا ہے۔ جو کہ آیت 138 میں مذکور ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

6۔توحید ربوبیت سے اتفاق جبکہ توحید الوہیت پر اہل حق سے جھگڑنا تعجب خیز ہے آیت 139 میں مذکور ہے۔

7۔باطل دین کی نسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی طرف کرتے رہنا۔آخر میں اس قسم کے دعووں پر زجر و تعبیہ جن میں وہ اپنے بڑوں کے اعمال کو اپنی نجات کا تصور سمجھتے تھے۔140 میں ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿١٢٥﴾ ”اور جب آزمایا ابراھیم کو اس کے رب نے چند کاموں کے ذریعے تو پورا ادا کیا انہوں نے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یقیناً میں بناتا ہوں آپ کو لوگوں کے لئے پیشوا کہا ابراھیم نے اور میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنادے) تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہیں پہنچے گا میرا وعدہ ظالموں کو۔“[124] ”ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن وامان کی جگہ بنایا تم مقام ابراہیم کو جائے نماز مقرر کرلو ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔“[125]

تفسیر 124: اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی تین صفات عالی شان ذکر ہوئی ہیں (۱) امتحان کو پورا کرنا (۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کیلئے امام بنایا (۳) اولاد کیلئے جو دعا مانگی تھی اس کو قبولیت کا درجہ دیدیا گیا۔

ربط: یہ ہے کہ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نجات کیلئے انسانوں کے ایجاد کردہ طریقوں کی نفی کی تو اب اس آیت میں نجات کا طریقہ ذکر ہورہا ہے کہ نجات ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ : اِبْتِلَاء : بلاء سے لیا گیا اور اس کی تشریح آیت 49 میں گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا امتحان اس لئے کرتا ہے کہ انہیں اپنی حقیقت معلوم ہوجائے اور دوسرے لوگوں کو بھی ظاہر ہوجائے ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو ہر ایک کی حقیقت معلوم ہے۔اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحانات کی دو قسمیں ہیں۔

اول: ایک ابتلاء امور شرعی اختیاری میں ہے یعنی طاعات، عبادات، بندوں پر فرض کی ہیں اب اس میں بعض لوگ ادا کرتے ہوئے کامیاب ہوتے ہیں اور بعض حکم عدولی کرکے ناکامی کا شکار ہوتے ہیں۔

ثانی: دوسری ابتلاء امور تکوینی غیر اختیاری میں ہے یعنی امراض مسلط کرنا، غربت میں ڈالنا مخالفین کی جانب سے دعوت کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میدان میں تکالیف، مختلف اذیتیں پہنچنا اب امتحان یہ ہے کہ بندہ اس پر صبر کرتا ہے یا نہیں۔ پہلی قسم میں صبر علی الطاعات وصبر عن المعاصی ہے یعنی اطاعت پر صبر اور گناہ سے بچنے پر صبر۔ اور قسم ثانی میں صبر علی البلایا ہے نیز ابراہیم علیہ السلام پر دونوں قسم کے امتحان ہوئے جن کا ذکر بعد میں ہوگا۔ اِبْرٰهٖمَ : امام ابن عطیہ اور ماوردی نے فرمایا ہے کہ اب رحیم کا معنی ہے مہربان والد۔ اور اس لفظ میں سریانی اور عربی لغات متفق ہو گئے ہیں۔

رَبُّهٗ : یہاں پر دو سببوں سے مفعول کو مقدم کیا ہے۔ پہلا سبب یہ کہ تخصیص کے لیے فاعل کی ضمیر اس کی طرف مضاف ہو جائے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ابتلاء کرنے والا تو معلوم ہے کہ اللہ ہے البتہ مفعول ذکر کرنا یہاں لازمی تھا۔

ربُّہ : میں اشارہ ہے کہ ان ابتلاءات میں حکمت توحید ربوبیت ظاہر کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کو تربیت اور ترقی دینا تھا۔

بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ : اتمام سے مراد کامل طور پر ادا کرنا مقصود ہے جس کا ذکر سورۂ نجم :48 میں ہے اور اس کو امتحان میں کامیابی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (کلمات) کلمۃ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ اعمال و وظائف ہیں جو کلام اللہ کے ذریعہ سے انھیں سکھائے گئے تھے۔ کلام کا مادہ (ک ل م) قرآن مجید میں دو مرتبہ ذکر ہوا ہے جبکہ کلمات 14 مرتبہ پانچ معانی کے لئے آیا ہے۔ (1)۔ دعا کے معنی میں، سورۂ بقرہ: 37۔ (2)۔ اعمال کے معنی میں، سورۂ بقرۃ :124۔ (3)۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے، سورۂ انعام: 34۔ (4)۔ قرآن کا نام ہے، سورۂ کہف :27۔ (5)۔ صفات اور اعمال، سورۂ کہف :109۔ ان کلمات کے تعیین کے متعلق بہت روایتیں ہیں جن کو امام ابن جریر و ابن کثیر رحمہا اللہ نے نقل کیا ہے اور وہ سب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختلف اسانید سے مروی ہیں۔

1۔ مناسک حج مراد ہیں۔ 2۔ سر سے متعلق پانچ سنتیں مراد ہیں یعنی، مونچھیں کتروانا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، سر کے بالوں کے درمیان سے مانگ نکالنا۔

پانچ سنتیں باقی بدن سے متعلق ہیں؛ ناخن کاٹنا، زیر ناف بال صاف کرنا، ختنہ کرنا، بغل کے بالوں کو اکھیڑنا، پانی سے استنجا کرنا۔ صحیح مسلم کی روایت میں کچھ فرق کے ساتھ 10 چیزوں کا ذکر ہے اور متفق علیہ روایت (صحیح بخاری کتاب الادب خمس من الفطرۃ 5889، صحیح مسلم کتاب الطہارت 261، نسائی کتاب الزینۃ 5047، ابن ماجہ باب الفطرۃ 293، ابوداؤد باب السواک من الفطرۃ 53، ترمذی کتاب الادب باب ما جاء فی تقلیم الاظفار 2757) میں پانچ چیزوں کو فطرت میں سے شمار کیا مقصود یہ ہے کہ ہماری بھی یہ سنت ہے۔ 3۔ مومنین کی صفات جیسا کہ سورۂ توبہ 112 میں مذکور ہے۔ سورۂ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مومنون 1 تا 9 میں مذکور ہے۔ سورۃ معارج 22 تا 34 میں۔ سورۃ احزاب: 35 میں یہ کل 30 ہیں۔

4۔ دعوت دینے میں امتحانات (1) نمرود سے مقابلہ۔ سورۃ بقرۃ: 258 (2) قوم سے مقابلہ، سورۃ انعام: 80۔ (3) والد سے مقابلہ، سورۃ مریم: 46 (4) حکم الٰہی کی تکمیل میں صحرائے مکہ میں اہل کو چھوڑنے پر صبر۔ سورۃ ابراہیم: 37۔ (5) آگ پر صبر کرنا۔ سورۃ انبیاء: 68۔ (6) وطن سے ہجرت کرنا، سورۃ صآفات: 99۔ سورۃ عنکبوت: 26۔ (7) بیٹے کو ذبح کرنے پر صبر۔ سورۃ صآفات: 106۔ بہتر قول یہ ہے کہ کلمات ان سب کو شامل ہے۔

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا: لفظ امام قرآن مجید میں سات 7 مرتبہ اور انکی جمع أَئِمَّةً پانچ مرتبہ مذکور ہے اور اس کے سات مصداقات ہیں۔ 1۔ امامت سے مراد نبوت، سورۃ انبیاء: 73۔ 2۔ امام سے مراد تورات، سورۃ ہود: 17۔ 3۔ وسیع راستہ، سورۃ حجر: 79۔ 4۔ قوم کا مقتداء، سردار صالح ہو یا فاسق اس کو امام کہتے ہیں، سورۃ اسرآء: 72۔ 5۔ انبیاء کے علاوہ دعوت حق دینے والے صالحین، سورۃ قصص: 5۔ 6۔ کفر کے سرغنے کو بھی امام کہا ہے۔ سورۃ قصص: 41۔ 7۔ لوح محفوظ کو بھی امام کہا ہے۔ سورۃ یٰسٓ 12۔ 8۔ تمام نبیوں اور صالحین کا امام جب کہ صفت نبوت بھی اس کو حاصل ہو۔ سورۃ بقرۃ: 124 اس آیت میں دو قول ہیں۔ 1۔ آخری معنیٰ مراد ہے کیونکہ امتحانات کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو لقب امامت نبوت کے بعد حاصل ہوا ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری کیا اور ان کو اتباع ابراہیم علیہ السلام کا حکم ہوا اور گزشتہ صفات میں ہر صالح بندہ اس کا تابع اور سنت کا پیروکار ہے۔

2۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے نبوت ہے لیکن (قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا) یہ مستقل کلام ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی عظمت، شان کیلئے ہے یعنی امتحانات میں گزارنے کی وجہ سے نبوت نہیں ملی ہے اس کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی یہ کہ نبوت محنت یعنی کسب سے نہیں ملتی۔ دوسری یہ کہ مذکورہ امتحانات تو دور نبوت میں اس پر کئے گئے۔

قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي: ذریۃ: یا ذرء سے ہے یا پھر ذر سے لیا گیا ہے اور دونوں کا معنیٰ پھیلانا ہے تو اول اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کو بھی زمین پر پھیلایا اور یہ دعا ابراہیم علیہ السلام کی اپنی اولاد کیلئے ہے۔

إِجْعَلْ مِن ذُرِّيَّتِي: میری اولاد میں امامت دین کیلئے ائمہ بنا دے تا کہ تیرے دین کو پہنچائے۔ لفظ ذریت مونث، مذکر بالغ نابالغ واحد و جمع سب کو شامل ہے۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال 30 مرتبہ ہوا ہے نیز ذریت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل علیہ السلام دونوں کو شامل ہے۔ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ: اس عہد میں مفسرین کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت اقوال ہیں۔ امامت، نبوت، ایمان، رحمت، اللہ تعالیٰ کا دین۔ اللہ تعالیٰ کا امر اور عذاب الٰہی سے امن۔ (الظّٰلِمِيْنَ) اس میں دو قول ہیں۔ 1۔ عام گناہ گار لوگ یا پھر مشرک لوگ اس میں بہتر قول اول ہے یعنی امام بھی عام معنیٰ پر ہے جو اول ذکر ہوا ہے اور ظالم سے مراد بھی عام ہے اس بناء پر امام قرطبی، ابن کثیر نے ابن خویز منداد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں اس بات پر استدلال ہے کہ ظالم شخص نبی خلیفہ، مفتی اور عام گواہ نہیں بن سکتا ہے۔ مزید تفصیل امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ 2۔ اس سے مراد نبوت ہے لہٰذا اس قول کی بناء پر علامہ آلوسی، اور مفسر خطیب شربینی، بیضاوی رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ نبی نبوت سے قبل بھی ہر ظلم سے محفوظ ہوتا ہے یعنی معصوم قبل النبوۃ ہوتا ہے۔

تنبیہ: (قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ) میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو رد کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں تقسیم بتانا مقصود ہے جیسا کہ سورۃ صافات: 113 میں ذکر ہوا ہے اور غیر الظالمین کے حق میں اس دعا کی قبولیت ثابت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری رکھا ہے جیسا کہ سورۃ عنکبوت 27 اور سورۃ انبیاء 73 میں مذکور ہے۔

تفسیر 125: بانی کعبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے بعد اب اس آیت میں بیت اللہ کی عظمت بیان ہو رہی ہے؟۔

مَثَابَةً: ۔ امن۔ مصلی۔ تین قسم کی عبادت کرنے والے ہیں کہ ترتیب کے ساتھ اس کی تخصیص کعبۃ اللہ کے ساتھ ہے۔

مَثَابَةً: ثَابَ يَثُوْبُ سے لیا گیا ہے مراد ہے ایسی جگہ کہ اس میں رہنے سے دل اکتا نہ جائے اس لیے بار بار پلٹ کر آتا جائے یہ معنی مجاہد رحمہ اللہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ دوسرا معنی قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے مجمع یعنی جمع ہونے کی جگہ اور مثابہ میں تا مبالغہ اور کثرت کیلئے ہے۔

وَاَمْنًا: جاہلیت کے دور میں بھی ان میں یہ صفت پائی گئی ہے جیسا کہ سورۃ قصص 57 میں ذکر ہوا ہے اور اسلام آنے کے بعد بھی ہے اور اس سے مراد (مأمن) ہے یعنی امن کی جگہ لوٹ مار، ظلم وستم کی جگہ نہیں یہاں تک کہ شکار، درخت، گھاس وغیرہ بھی اس میں امن (شرعی) کے ساتھ ہیں۔ امام شربینی نے لکھا ہے کہ بیت سے مراد پورا حرم ہے جیسا کہ ذکر کعبہ سے مراد کل حرم ہے۔ سورۃ مائدہ 95 میں ہے۔ یہ صفت سورۃ آل عمران 97 میں بھی ہے جبکہ یہ صفات بیت المقدس میں نہیں ہیں تو یہ کعبۃ اللہ کی فضیلت پر واضح دلیل ہے۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى: مقام ابراہیم سب حج کو کہا جاتا ہے یعنی مواضع الحج ہے منیٰ، مزدلفہ، عرفات، جمرات یا کل حرم مراد ہے۔ دونوں اقوال میں مصلی سے مراد دعا کی جگہ ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا مقام وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر کعبۃ اللہ کی دیواروں کی تعمیر کرتے تھے اور مصلی سے مراد وہ مقام ہے جہاں طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری حدیث کتاب الحج 1645، باب ما جاء فی السعی بین الصفا والمروۃ)

مِنۡ مَّقَامِ : مِنۡ تبعیض کیلئے یا پھر قریب کے معنی میں ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور مسح کرنے کا نہیں لوگوں نے یہ بدعت شروع کی ہے اور یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ اس پتھر میں انگلیوں اور ایڑیوں کے نشانات تھے مگر کثرت سے مسح کرنے کی وجہ سے وہ مٹ گئے۔

وَعَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ : عَهِدۡنَآ: عطف ہے جَعَلۡنَا پر اور عَهِدَ امر یا وحی کرنے کے معنی میں ہے اور عہد کے لفظ کے ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی اولاد پر لازم ہے کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اس کا لحاظ کرتے ہوئے بیت اللہ کی تطہیر قائم رکھے۔ اَنۡ طَهِّرَا : اس سے ظاہری اور باطنی دونوں طہارتیں مراد ہیں۔ باطنی سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت سے اس کو پاک رکھیں مراد یہ ہے کہ آباد کرنے سے قبل بھی یہ نیت ہو اور آباد کرنے کے بعد اس پر قائم رہیں اس تطہیر کی تائید سورۂ حج 26 میں ہے جبکہ ظاہری پاکی یہ ہے کہ ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھنا اور خوشبو کا بندوبست کرنا وغیرہ۔ بیتی میں اضافت اللہ تعالیٰ کی جانب بہت شرافت کیلئے ہے۔

لِلطَّآئِفِيۡنَ : طواف ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے کسی اور گھر، پتھر، شجر، حجر، قبر وغیرہ کیلئے طواف شرک ہے اس پر علماء احناف نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ ناجائز ہے اس کو مقدم کرنے کی وجہ بھی یہی ہے۔

وَالۡعٰكِفِيۡنَ : لغت میں عکوف اقامت یعنی رہائش اختیار کرنے کو کہا جاتا ہے عرف میں کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا لازمی اور تعظیمی طور پر جبکہ شرعی اصطلاح میں کسی کا مسجد میں عبادت کی غرض سے اقامت اختیار کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اقامت اختیار کرنے کے معنی میں سورۂ حج 25 میں ذکر ہے اور سورۃ طٰہٰ 91- سورۂ اعراف 138 میں شرعی عکوف کے معنی میں ذکر ہے جبکہ یہاں صرف اقامت مراد ہے۔ حرم مکہ اور مسجد حرام میں بغیر نماز و طواف کے یا اعتکاف شرعی مراد ہے اس کو طواف کے بعد ذکر کیا اگرچہ یہ بیت اللہ کے ساتھ خاص نہیں ہے لیکن مسجد کے ساتھ خاص ہے۔

وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ : اس سے مراد نمازی ہیں کیونکہ یہ دونوں کیفیتیں نماز کے ساتھ خاص ہیں اور نماز بھی اس سے معلوم ہوتا ہے ورنہ صرف قیام علامت نماز نہیں ہے اس کو عکوف کے بعد اس لیے ذکر کیا کہ اگرچہ یہ بیت اللہ یا دوسری مسجد کے ساتھ خاص نہیں ہے مگر کعبہ کی وجہ سے بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ نماز میں اس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے سورۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حج آیت 26 میں اس طرح مذکور ہے۔

تنبیہ: طہارت کے ساتھ ان تینوں عبادات کو اس لیے ذکر کیا کہ یہ عبادات توحید ہے اور یہ خاص اللہ تعالیٰ کیلئے ادا ہوتی ہے اگر کعبہ شریف میں بت (معبودان) موجود ہوں تو پھر ان عبادات میں توحید باقی نہیں رہے گی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ "اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا۔ پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا۔ یہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔" [126] "ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔" [127]

تفسیر 126: حرم میں رہنے والوں کیلئے اس آیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تین دعاؤں کا تذکرہ ہے۔ بَلَدًا: یہ پہلی دعا ہے اور بلد لوگوں کے رہنے کیلئے جمع ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں ضروریات کی عام چیزوں کی پیداوار میسر ہو اس سے مراد شہر بنانا ہے اور کبھی صرف زمین پر بھی بلد کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ اعراف، آیت 58۔ اس دعا کے نتیجہ میں بنو جرہم قبیلہ کے لوگ آ کر آباد ہو گئے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا رشتہ اس قبیلے میں ہو گیا اور پھر ان کی اولاد میں قریش پیدا ہوئے۔ سوال: یہاں پر بلداً جبکہ سورۃ ابراہیم 35 میں البلد ہے؟ جواب: یہ دعا مکہ آباد کرنے سے قبل ہے جبکہ سورۃ ابراہیم والی دعا بنو جرہم کے آباد ہونے کے بعد ہے اس لئے معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ اٰمِنًا: اس صفت کی وجہ سے اس کو حرم قرار دیا ہے اور یہ دوسری دعا ہے جو قبول ہوئی ہے۔ امن سے مراد یہ ہے کہ قرب قیامت تک کوئی جابر ظالم اس پر قابض نہیں ہو سکتا اور دنیاوی آفات سے اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ بنایا ہے زلزلہ، لوٹ مار، قحط سالی وغیرہ۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حرم میں کتا اور شکار جمع ہو جائیں تو جب تک وہ شکار حدود حرم سے باہر نہیں جائے کتا اس پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اسطرح اسمیں شکار کرنا اور اس کی گھاس، درخت کاٹنا منع ہے اور گری ہوئی کوئی چیز مل جائے تو اٹھانا منع ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البتہ اگر کوئی اٹھالے تو ہمیشہ کیلئے اس کا اعلان کرتا رہے گا۔

تنبیہ: مفسرین یعنی امام ابن جریر، ابن کثیر، قرطبی، خازن وغیرہ رحمہم اللہ نے اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ حرمت حرم دعا ئے ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ہوئی ہے یا پہلے سے موجود تھی دونوں جانب دلائل موجود ہیں لیکن امام ابن جریر نے فرمایا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ حرم کو زمین کی پیدائش سے یہ حرمت دی گئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب جزاء الصید حدیث 1834-4406 وصحیح مسلم حدیث 1679 میں نبی کریم ﷺ کا خطبہ مذکور ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

إِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ تَعَالَى يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ...... الخ

یقیناً اس شہر کی حرمت اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے قبل قائم کی تھی یہ حرمت تا قیامت جاری رہے گی۔

البتہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کے ساتھ اس حکم کی تجدید اور فرضیت ثابت ہے۔ اس طریقے سے دونوں جانبین کے دلائل میں موافقت آئے گی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران 97۔ اور سورۂ قصص 57 میں مذکور ہے۔ وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ: یہ تیسری دعا ہے اور یہ بھی قبول ہوئی ہے جیسا کہ سورۂ قصص 57 میں مذکور ہے یہ دعا اس لیے طلب کی کہ وہ (غیر ذی زرع) فصل والی زمین نہیں تھی تو لوگ امن کے ساتھ اس میں کس طریقے سے جمع ہوں گے جب وہاں رہنے کے اسباب نہیں ہوں گے تو یہ دعاء مانگی تاکہ اس جگہ میں لوگوں کا رہنا اور جمع ہونا آسان ہو جائے۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: جب اللہ تعالیٰ نے امامت کی قبولیت کی دعا میں تخصیص کی کہ (لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ) ظالموں کو یہ وعدہ نہیں پہنچ سکتا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی دنیا کا رزق اس پر قیاس کیا کہ ایمان والوں کی تخصیص کی۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ: دنیا کی نعمتیں عام ہیں کافروں اور مسلمانوں کیلئے لہٰذا اس جملے میں رزق کی دعاء کی اجابت کی تعمیم کی تاکہ کافر بھی اس میں شامل ہو جائیں جیسا کہ سورۂ اسراء 20 اور سورۂ یونس 70 جبکہ سورۂ زخرف 35 میں مذکور ہے اور اس میں تقدیری عبارت اس طرح ہے (وَارْزُقْ مَنْ كَفَرَ) فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا: اس کی تفسیر (قلیل) دنیاوی زندگی کے اعتبار سے ہے قبر اور حشر کی زندگی کی بنسبت یہ زندگی کم ہے اگرچہ کافروں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے لیکن وقت اس کا کم ہے اور مومنین کی حشر و قبر کی نعمتیں بھی ہیں۔ ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ: یہ کافروں کیلئے تخویف ہے۔ اضطرار کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ ان کو دھکیل کر گھسیٹ کر اور بھگا کر میدان محشر کی طرف روانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرینگے جیسا کہ سورۃ طور 13 اور سورۃ زمر 71 جبکہ سورۃ قمر 48 میں مذکور ہے۔

تفسیر 127: اس آیت میں بیت اللہ کی تعمیر اور اس کی قبولیت کی دعا ذکر ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ: قواعد: قاعدة کی جمع ہے بنیادوں کو کہا جاتا ہے اور اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بنیادیں رکھ کر ان پر دیواریں کھڑی کر لیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بنیادیں موجود تھیں البتہ ابراہیم علیہ السلام نے ان پر دیواریں قائم کیں اس قول کی بنا پر کہا گیا ہے کہ پہلی تعمیر بیت اللہ کی ملائکہ نے کی پھر آدم علیہ السلام نے پھر ابراہیم علیہ السلام نے کی ہے اس قول کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور اس قول کی تائید آل عمران آیت 96 کے ساتھ مذکور ہے اور "یَرْفَعُ الْقَوَاعِدَ" لفظ کے ساتھ ہوتی ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلُ: یہ ابراہیم علیہ السلام پر عطف ہے۔ سوال: یرفعان تثنیہ کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: اصل تعمیر کرنے والے ابراہیم علیہ السلام تھے اسماعیل علیہ السلام تو معاون کے طور پر پتھر اٹھا کر دیتے تھے اس لئے اس کو عطف کے طور پر ذکر کیا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا: یہ تقدیری عبارت "یَقُوْلَانِ" سے حال بن رہا ہے یہ ایمان والوں کی صفات ہیں کہ عمل صالح کے ساتھ اس کی قبولیت کی دعاء بھی کرتے ہیں کیونکہ ان کو قبول نہ ہونے کا خوف رہتا ہے اس لئے تعمیر کے عمل کے وقت اللہ تعالیٰ کے ڈر سے وہ باپ بیٹا دعاء مانگ رہے تھے، جیسا کہ مومنون آیت 60 میں ہے: اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ یہ دعاء کیلئے ادب ہے جسکو وسیلہ بالاسماء والصفات کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 180 میں یہ ادب ذکر ہے اور امام ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں تعمیر بیت اللہ کی تفصیل ذکر کی ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿129﴾ "اے اللہ ہمیں اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت مخلصین کی اپنا مطیع بنا دے اور ہمیں بندگی کے طریقے سکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرما تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔" [128] "اے ہمارے رب ان میں سے رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور ان کو کتاب وسنت (حکمت کا) علم سکھائے اور انکو پاک کرے یقیناً تو حکمت اور غلبے والا ہے۔" [129]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 128: اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی تیسری دعاء کا ذکر ہو رہا ہے جو دین پر ثابت قدم رہنے اور دین کو اپنی اولاد میں مستقل جاری رہنے کیلئے ہے وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ: اس سے مراد دین اسلام پر مضبوط و ثابت قدم رہنا ہے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ: مِنْ تبعیضیہ اس لئے دعاء میں ذکر کیا کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ سے معلوم ہو گیا ہے کہ ساری اولاد مسلمان نہیں ہو سکتی ہے "ذُرِّيَّتِنَا" جمع صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ دونوں کی اولاد ہو گی تو عرب و عجم دونوں کو شامل ہیں۔ أُمَّةً: یہاں پر اس کا معنی ہے ایک فرمانبردار جماعت جبکہ یہ لفظ قرآن مجید میں 51 مرتبہ 9 معنوں میں آیا ہے۔ 1: مسلم جماعت جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ 2: انبیاء کی جماعت۔ سورۃ بقرہ آیت 134۔ 3: محمد ﷺ کی تابع جماعت۔ سورۃ بقرۃ آیت 143۔ 4: خیر کی طرف دعوت دینے والی جماعت۔ آل عمران آیت 104۔ 5: مطلق جماعت مسلم یا غیر مسلم ہو۔ سورۃ نساء آیت 41۔ 6: مدت۔ سورۃ ھود آیت 8۔ 7: امام۔ سورۃ نحل آیت 120۔ 8: ملت حقہ۔ سورۃ انبیاء آیت 92۔ 9: ملت باطلہ۔ سورۃ زخرف آیت 22۔ ایک تفسیر کی بنا پر اس امت کے نام کی طرف بھی اشارہ سورۃ حج آیت 78 میں ہے۔

وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا: اس دعاء میں اپنے ساتھ اولاد کو بھی شریک کیا ہے نیز "أَرِنَا" میں دو معانی ہیں آنکھوں سے یا تعلیم۔ مناسک: منسک کی جمع ہے ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اس میں قربانی، نماز، طواف، سعی وغیرہ سب داخل ہیں نیز یہ شرعی معنی ہے جبکہ لغوی معنی ہے کسی جگہ آنا جانا اور اس کا عادی بن جانا ہے لغت میں دھوتے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، یہاں پر پہلا معنی مراد ہے معالم حج یعنی طواف، سعی عرفات، مزدلفہ، منیٰ، رمی جمار، ۔ دوسرا معنی ہے ذبح کرنے کا طریقہ۔ تیسرا معنی تمام عبادات اور ان کے طریقے اور یہ آخری معنی بہتر ہے اور یہ دلیل ہے کہ انبیاء عبادات کے طریقوں میں تعلیم وحی کے محتاج ہیں اور اپنی طرف سے طریقے بنانے کا اختیار نہیں رکھتے ہیں۔

وَتُبْ عَلَيْنَا: اللہ تعالیٰ سے عبادت کے طریقے پر عاجزی کے ساتھ مانگنا اور اشارہ ہے کہ ہر عبادت کے ساتھ عموماً اور حج کے ساتھ خصوصاً تو استغفار کرنا چاہیے۔

تفسیر 129: یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی دعاء ہے جو انہوں نے محمد ﷺ کیلئے مانگی تھی اور تقریباً 2000 ہزار سال کے بعد قبول ہوئی اور یہ دعاء صرف ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے متعلق ہے جو عرب ہیں البتہ ان کی نبوت کو عجم کیلئے عام کیا ہے۔ فِيهِمْ: ضمیر "ذُرِّيَّتِنَا" کی طرف راجع ہے اور جب دونوں کی ذریت ہے تو انکے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اُمِّيِّيْنَ بھی فرمایا گیا ہے سورۃ جمعہ آیت 2 میں ہے اور مبعوثیت کا فائدہ صرف مومنین کو پہنچا ہے اس وجہ سے آل عمران آیت 164 میں مومنین کو خاص کیا ہے اور قوم عرب میں (جو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہے) محمد ﷺ کے علاوہ کوئی نبی نہیں آیا ہے اس لئے یہ دعاء ان کے ساتھ خاص ہے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اپنے والد کی دعاء کا نتیجہ ہوں۔ اَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيْمَ۔ (احمد 127/4 طبرانی کبیر 252/18، حاکم 600/2، امام ابن حبان، امام حاکم، امام ذہبی نے اس حدیث کو صحیح اور شیخ زبیر نے حسن، نیز شیخ البانی نے بھی حسن کہا ہے، سلسلۃ الصحیحۃ 1546-1925) "فِيْهِمْ" نبی کی اول صفت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عربی ہے "رَسُوْلًا" دوسری صفت ہے "مِنْهُمْ" میں تیسری صفت جو کہ بشریت ہے امام آلوسی نے تفسیر آل عمران میں لکھا ہے کہ ان تین صفتوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک صفت کا انکار کرنا یا شک کرنا کفر ہے اور آل عمران آیت 164 میں مِنْ اَنْفُسِهِمْ فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے ایمان والوں کے ساتھ زیادہ قربت ومحبت کی طرف گویا کہ ان کے نفوس ایک ہے۔ کنز العمال ج 7 ص 177 میں فرمایا ہے کہ مِنْهُمْ سے مراد نوع بشر ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے زہیر بن ابی سلمیٰ کا قول ہرم بن سنان کے متعلق پڑھا (شعر)

لَوْ كُنْتَ فِيْ شَيْءٍ سِوَى الْبَشَرِ كُنْتَ الْمُضِيْءَ لِلَيْلَةِ الْبَدْرِ

یعنی اگر انسانوں کے علاوہ کسی اور مخلوق میں آپ پیدا ہوتے تو انسانیت کی رات آپ سے روشن ہوتی۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے عرض کیا کہ نبی اکرم ﷺ یقیناً ایسی صفات کے مالک تھے۔

فائدہ: علامہ شربینی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے سوائے دس نبیوں کے یعنی نوح، ہود، صالح، شعیب، لوط، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور محمد علیہم الصلوۃ والسلام۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ: اس میں نبی اکرم ﷺ کی تین اہم ذمہ داریوں میں سے پہلی ذمہ داری ہے اور اس سے مراد قرآن کی طرف دعوت وتبلیغ کرنا ہے کیونکہ تلاوت کے بعد جب "عَلٰی" موجود ہو تو مراد دوسروں کو پڑھانا ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے کہ نصاب تبلیغ قرآن مجید ہے اور مبلغ اعظم محمد ﷺ ہیں۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: یہ دوسری ذمہ داری ہے یعنی جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں انکے ثابت قدم رہنے اور تفصیلی ایمان کیلئے قرآن وسنت کی تعلیم ضروری ہے اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ معلم اعظم بھی ہیں اور آپ کا نصاب تعلیم قرآن وسنت ہے۔ اَلْحِكْمَةَ: یہ لفظ قرآن مجید میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

20 مرتبہ 7 مصداقات پر وارد ہے۔ 1: حکمت سے مراد سنت ہے جیسا کہ قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے ۔2: نبوت۔ بقرۃ آیت 251۔3: قرآن کا فہم و اسرار۔ سورۃ بقرۃ آیت 269۔4: اسرار الٰہی کا علم وحی کے ذریعہ سے جو ہر نبی کو حاصل ہوتا ہے۔ آل عمران آیت 81۔5: نقلی اور عقلی اور روحی دلائل سورۃ نحل 125۔6: قرآن اور اسکے علوم سورۃ اسرآء 39۔7: عقل کے ذریعے سے حقائق کی معرفت۔ سورۃ لقمان آیت 12۔

مفسرین نے یہاں بہت معانی نقل کیے ہیں لیکن بہتر قول ان میں قتادہ، حسن، مقاتل، ابو مالک وغیرہ کا ہے کہ حکمت سے مراد سنت (حدیث) ہے جو تفسیر قرآن اور احکام کی شرح ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ: جب دعوت اور تعلیم میں مقصد عمل ہوتا ہے تو اس کو تیسری ذمہ داری ذکر کیا ہے، اصل میں تزکیہ پاک کرنا اور زیادہ کرنے کو کہتے ہیں یہاں مراد شرک، کفر، بدعات، برے اخلاق اور اعمال سے پاک کرنا ہے اسی طرح اس میں مقصد قرآن اور احکام الٰہی پر عمل کے طریقے سکھانے ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے عملی طریقے پر نماز، وضوء، حج اور دیگر احکام سکھائے ہیں اسی طرح اس تزکیہ کے ذریعے سے اپنے نفس کو دنیا کی محبت اور غفلت اور بغض وحسد اور تعصب وغیرہ سے پاک کرنا ہے اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ نے ہر موقعہ پر اذکار و ادعیہ مسنونہ سکھائی ہیں جو کہ تفصیلا احادیث میں موجود ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ مرشد اعظم تھے یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھار صحابہ کرام سے اخلاق اور اعمال پر بیعت لیتے تھے اور یہ دلیل ہے کہ اس کے بعد کسی اور صوفی وغیرہ کی بیعت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ دلیل شرعی سے ثابت نہیں بلکہ بدعات پر مبنی ہے اور اکثر پیروں کے وظیفے مرید لوگوں کو مسنون اذکار اور دعاؤں سے غافل اور منع کر لیتے ہیں اس وجہ سے مصنف خلاصۃ الفتاوی نے ج1 ص103۔ ج4 ص378 میں لکھا ہے کہ جس نے ہدایت رہنمائی کیلئے کسی کو شیخ مقرر کیا تو یہ شخص گمراہ ہے اور ہدایت وارشاد کیلئے کسی کو مقرر کرنا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ فائدہ: اس عنوان کی آیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

سورۃ بقرۃ آیت 151۔ آل عمران آیت 164۔ سورۃ جمعہ آیت 2۔ نیز اس آیت میں دعاء کا ذکر ہے جبکہ ان تین آیتوں میں اس دعاء کی قبولیت کا ذکر ہے۔ سوال: مذکورہ تین آیتوں میں " **يُزَكِّيهِمْ** " کو **يُعَلِّمُهُمْ** پر مقدم کیا ہے جبکہ یہاں تعلیم مقدم اور تزکیہ مؤخر کیا ہے اس میں کیا سبب ہے؟ جواب: جب تعلیم اور دعوت عمل کیلئے وسیلہ ہے اور اہم عمل ہے اس لئے اس مقام پر اصل ترتیب کو اعتبار دیا گیا ہے کہ علم عمل پر مقدم ہے اور مذکورہ تین آیتوں کی اہمیت کا لحاظ کیا گیا تو عمل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو علم پر مقدم کیا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: یہ بھی اسماء الحسنیٰ پر توسل اختیار کرتا ہے۔ عزیز، اللہ تعالیٰ کی صفت میں غالب تمام عالم پر وہ ذات جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہو جس کو اپنے ارادے سے کوئی پیچھے نہیں ہٹا سکتا ہو۔ حکیم یعنی وہ ذات جس کے مرتبہ کو کوئی پہنچ نہیں سکتا ہو۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ "اور کون ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دین سے منہ موڑے سوائے اس کے جو خود بے وقوف ہو، بے شک ہم نے اس کو دنیا میں چن لیا اور بے شک وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔" [130] "جب بھی ان سے ان کے رب نے کہا فرمانبردار ہو جاؤ انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی۔" [131] "اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین (توحید) چن لیا ہے اور خدا کے تمہارے اوپر موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان (توحید پر قائم) ہو۔" [132]

تفسیر 130: جب ملت ابراہیمی کا تذکرہ ہوا اور بیت اللہ کی تعظیم، دین اسلام، پیغمبر آخری کی بعثت ملت ابراہیمی کا حصہ ہے تو اب یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا رد ہو رہا ہے کہ وہ بیت اللہ کی تعظیم اور حرم کا لحاظ نہیں کرتے ہیں اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں نبی آخری نبی پر ایمان بھی نہیں لاتے ہیں اور "مَنْ يَّرْغَبُ" کا معنی ہے: کنارہ اعراض ہے یہاں پر رغبت کرنے اعراض کرنے کے معنی میں ہے اور "مَنْ" استفہام انکاری برائے نفی ہے جس پر دلیل "اِلَّا" ہے "رغب" کے بعد جب "فِيْ" آجائے تو طلب اور محبت کے معنی میں ہوتا ہے اور جب "عَنْ" آجائے تو ترک اعراض کے معنی میں ہوتا ہے۔ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ: سفہ کا معنی گزر گیا ہے زجاج نے فرمایا ہے کہ سَفِهَ جَهِلَ کے معنی میں ہے اور اس کا مضاف مقدر ہے یعنی جَهِلَ اَمْرَ نَفْسِهٖ۔ ابوعبید کے نزدیک اَهْلَكَ کے معنی میں ہے اور اخفش کے نزدیک فِيْ مقدر ہے یعنی جَهِلَ فِيْ نَفْسِهٖ۔ ثعلبی اور مبرد نے کہا ہے کہ سَفِهَ مُتَعَدِّيْ اور سَفُهَ لازمی ہے۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا: یہ پہلے والے حکم کیلئے علت اور دلیل ہے ابراہیم علیہ السلام کا اصطفیٰ آیت 124 میں ذکر ہے اسی طرح مندرجہ ذیل آیتوں میں بھی آیا ہے۔ سورۃ نحل آیت 120، 121، 122۔ سورۃ نساء آیت 125۔ سورۃ عنکبوت آیت 27۔ سورۃ زخرف آیت 28۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ: سوال: صالح اسکو کہا جاتا ہے جو نیک عمل کرتا ہے آخرت تو نیک عمل کرنے کی جگہ نہیں ہے؟ جواب: یہاں پر صالحین سے مراد فائزین (کامیاب ہیں) یا کامل صالحین کی جماعت ہے جو انبیاء علیہم السلام ہیں، اور امام قرطبی نے باقی توجیہات بھی بیان کی ہیں۔

تفسیر 131: یہ اَصْطَفَيْنٰهُ کیلئے علت ہے۔ اَسْلِمْ اس سے مراد ثابت قدمی اختیار کرنا ہے اسلام پر یا مراد اخلاص ہے نیز اللہ تعالیٰ کو اپنا آپ (تفویض) حوالہ کرنا ہے۔ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: یہ صفت اسلام للہ کیلئے علت ہے کہ اس کے اسلام میں کسی کیلئے شرکت نہیں تھی۔

تفسیر 132: اس آیت میں بھی یہود ونصاریٰ کا رد کیا گیا ہے ان کا کہنا تھا کہ اسلام اگر ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا تو یہ اس کیلئے خاص تھا ہمارے لئے نہیں ہے جیسا کہ آج بھی وہ مسلم کہلانے کیلئے تیار نہیں ہیں لہٰذا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دین کی ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے وصیت کی ہے اس لئے یہ دین بنی اسرائیل وبنی اسماعیل دونوں کیلئے ہے۔ بِهَآ: ضمیر ملت اسلامیہ کی طرف راجع ہے جس پر دلیل "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کا جملہ ہے یا پھر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی طرف راجع ہے اور وہی مذکورہ جملہ اس پر دلیل ہے۔ سوال: امر کے بجائے وصیت لفظ کیوں ذکر کیا؟ جواب: کئی وجوہات سے وصیت میں تاکید زیادہ ہے۔ پہلی وجہ کہ انسان موت کے وقت وصیت کرتا ہے تو اس میں اخلاص ضرور ہوتا ہے۔ دوسری وجہ: اس کے بعد منسوخ ہونے کیلئے دوسری بات نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ ایسے وقت میں اولاد اپنے باپ کی وصیت پر ضرور عمل کرتی ہے (بَنِيْهِ) ابراہیم علیہ السلام کے 8 بیٹے تھے قرطبی اور خازن رحمہم اللہ نے اس طرح لکھا ہے سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بیٹے 12 تھے اور بیٹیاں نہیں تھیں۔

وَيَعْقُوْبُ: اس کے ذکر میں بنی اسرائیل کا خصوصی رد ہے اور اس کے بھی 12 بیٹے تھے۔ يٰبَنِيَّ یہ وصیت کی تفصیل ہے الدین اس میں الف لام عہد کیلئے ہے یعنی اس سے مراد دین اسلام ہے۔

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں مختصر الفاظ کے ساتھ اسلام پر دوام (ہمیشگی) تا حیات مراد ہے اور اس میں موت کا ذکر بھی لامحالہ ثابت ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ انسان تو یقین رکھتا ہے کہ موت آئے گی مگر وقت معلوم نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی انسان اسلام پر عمل ترک کرلیتا ہے اور اچانک موت اس وقت آجاتی ہے تو یقیناً یہ موت اسلام پر نہیں ہوگی تو لازم یہ ہے کہ انسان ہر وقت عملاً عقیدۃً اسلام کا پابند رہے تاکہ موت کے وقت مسلمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو اور اس جملے پر عمل ہو جائے۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

"کیا تم یعقوب علیہ السلام کی موت کے وقت موجود تھے جب انہوں نے فرمایا اپنی اولاد سے میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے تو انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباواجداد ابراہیم واسماعیل واسحاق کے معبود کی بندگی کریں گے جو کہ ایک ہی معبود ہے اور ہم خالص اس کے فرمانبردار ہیں۔"[133] "یہ جماعت تو گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا۔[134]

تفسیر 133: اس آیت سے یہود و نصاریٰ کو 7 زواجر یعنی توبیخات ذکر ہو رہی ہیں اس آیت میں انکے جھوٹ پر پہلا زجر و توبیخ ہے اور شبہے کا جواب ہے یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام یہودی اور نصرانی تھے اور یعقوب علیہ السلام نے تو یہودیت و نصرانیت کی وصیت بھی کی تھی تو اس آیت میں زجر کے طور پر جواب کیا۔

أَمْ كُنْتُمْ: اَم یہاں پر بَل کے معنیٰ میں ہے۔ شُهَدَآءَ: شہید کی جمع ہے جو حاضر کے معنیٰ میں ہے اور "كُنْتُمْ" سے موجودہ بنی اسرائیل مراد ہیں اور استفہام انکاری ہے یا پھر مراد یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو بنی اسرائیل کے اسلاف ہیں اور استفہام تقریری ہے۔ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ: سوال: موت حاضر ہونے کے بعد تو وصیت نہیں ہو سکتی ہے؟

جواب 1: امام خازن رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حَضَرَ قَرُبَ کے معنیٰ میں ہے یعنی جب موت کے قریب ہوا۔

جواب 2: امام قرطبی نے لکھا ہے کہ موت سے مراد موت کے اسباب ہیں جیسا کہ سورۃ ابراہیم آیت 17 میں یہ معنیٰ ہے۔

إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي: استفہام کے ساتھ مقصد اولاد کا امتحان ہے تاکہ توحید پر ثابت قدم رہے۔ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ: عطف مغایرت کیلئے اس مقام پر نہیں ہے بلکہ تعریف و تعیین کیلئے ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توحید تمام نبیوں کا اتفاقی دین ہے۔ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ: ابراہیم علیہ السلام ان کے پردادا تھے اور اسحاق علیہ السلام دادا تھے اسماعیل علیہ السلام انکے دادا کے بھائی تھے یعنی یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ (آبْ) والد کا اطلاق دادا، چچا پر بھی ہوتا ہے نیز اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑے تھے اس لئے اس کو مقدم کیا ہے۔ اِلٰهًا وَّاحِدًا: اس میں ایک وہم کا جواب ہے کہ اگر کوئی کہہ دے کہ عطف مغایرت کیلئے ہے لہٰذا دو معبود پر دلالت کرتا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ عطف مغایرت کیلئے نہیں ہے فقط مضاف الیہ کا مغایرت ہے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ: یہ دلیل ہے کہ سب کا دین اسلام ہے۔

تفسیر 134: اس آیت میں ان کے دوسرے شبہ کا جواب اور زجر ہے انکا شبہ یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے آباء و اجداد پر فخر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اپنے بڑوں کے اعمال سے نجات پالینگے جواب ہوا کہ ہر بندہ اپنے اعمال سے چھٹکارا پائے گا اور چونکہ اعمال دو قسم پر ہیں، ایک خیر۔ دوسرا شر۔ لہٰذا خیر کے عمل کی طرف اس قول میں اشارہ ہے کہ (لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ) ہر کسی کا نیک عمل صرف اسکو فائدہ دیگا کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ نجات نہیں پا سکتا دوسرا عمل شر کا ہے اور اس کی طرف اس قول کے ساتھ اشارہ ہے (وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) یعنی ہر شخص سے اس کے برے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا کسی اور پر اس کے عمل کا وبال نہیں آئے گا اس کلام میں دوسری جانب کو ذکر نہیں کیا یعنی (وَلَا يُسْئَلُوْنَ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ) اور انکے اعمال کا تم سے نہیں پوچھا جائیگا اور اول جملے کی تائید سورۃ نجم آیت 39 میں ہے (وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى) یعنی انسان کو صرف اپنی سعی کا بدلہ ملے گا، جبکہ دوسرے جملے کی تائید سورۃ نجم آیت 38 میں ہے (اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى)۔ یعنی ایک انسان دوسرے کا وزن نہیں اٹھائے گا، یہ آیت دلیل ہے کہ انسان کو اعمال کے کسب کی نسبت ہوسکتی ہے البتہ خلق الاعمال یعنی اعمال پیدا کرنے کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

”اور کہنے لگے کہ ہو جاؤ تم یہودی یا نصاری تو راستہ پالو گے، آپ کہہ دیجئے بلکہ ہم تابع ہیں ایک دین ابراہیم علیہ السلام کے جو کہ مضبوط موحد تھے، اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔“ [135] ”کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو نازل کی گئی ہماری طرف اور جو نازل کی گئی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور ان کی اولاد کی طرف اور جو موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی جانب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

سے دی گئی اور ہم (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے ہیں کسی ایک کے درمیان اور ہم خاص اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں۔ [136]

تفسیر 135: اس میں تیسری زبردست تنبیہ مذکور ہے کہ تبدیل شدہ و محرف دین جو کہ یہودیت و نصرانیت ہے کی دعوت دیتے ہیں اس زمانہ میں بھی دونوں جماعتیں دعوتی مشن چلاتے ہیں۔ آو قائلین کی تفصیل کیلئے ہے یعنی یہود کا کہنا ہے کہ یہودی ہو جاؤ جبکہ نصاریٰ کا کہنا ہے کہ نصرانی بن جاؤ اور ہر ایک اپنے دین میں ہدایت منحصر کرتا ہے لہٰذا جب یہ باطل گروہ اس طرح دعوت دیں تو انکو جواب اس طرح دیا جائے کہ (بَلْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا) بَلْ کے بعد مقدر عبارت ہے یعنی (بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ) ملت ابراہیم کا مصداق کون ہے؟ تو جواب "حَنِيفًا" یہ حال ہے یا پھر لفظ أَعْنِي مقدر ہے۔ حنیف حنف سے لیا گیا ہے اور یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی مائل ہونے اور توحید پر استقامت اختیار کرنے کے معنی میں ہے یعنی تمام باطل دینوں سے اعراض کرنے والا اور عقیدہ توحید پر پختہ اور مضبوط تھا مجاہد سے حنیف کا معنی مخلص اور دوسرا متبع معنی منقول ہیں۔ ابو العالیہ سے روایت ہے کہ حنیف وہ ہے جو کعبۃ اللہ کی جانب نماز پڑھنے والا اور حج ادا کرنے والا اور ماننے والا ہو۔ امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ حنیف کا معنی گمراہی سے ہدایت کی طرف میلان کرنے والا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے جلاء الافہام میں لکھا ہے کہ حنیف کا معنی اَلْمُقْبِلُ عَلَى اللهِ وَالْمُعْرِضُ عَمَّا سِوَاهُ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر تمام مخلوق سے بیگانہ ہونے والا۔ حنیف قرآن مجید میں 12 مرتبہ مذکور ہے اور تمام جگہ ابراہیم علیہ السلام کی صفت میں آیا ہے (وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)۔ امام شربینی، خازن، نسفی نے لکھا ہے کہ اس جملہ میں یہود و نصاریٰ پر تنقید ہے کہ یہ لوگ مشرک ہیں نیز یہ بات ثابت ہوئی کہ کتابی اگر شرک کا ارتکاب کریگا تو وہ بھی مشرک کہلائے گا۔

تفسیر 136: یہ بات جب ثابت ہوئی کہ وہ یہودیت و نصرانیت کی طرف دعوت دیتے تھے تو صحیح بخاری میں آیا ہے کہ اس دعوت کیلئے انہوں نے عبرانی زبان میں تورات پڑھ کر عربی میں عرب اور ایمان والوں کو ترجمہ کرتے تھے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: لَا تُصَدِّقُوهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ۔ ان کی مطلقاً تصدیق بھی نہ کرو اور تکذیب بھی نہ کرو بلکہ کہو: قُولُوا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر، باب {قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا}، رقم الحديث: 4485، احمد 3644)

اس آیت میں احسن طریقے سے یہود و نصاریٰ کی دعوت کا رد ہے اور انکے اشکال کا جواب بھی ہے جو انہوں نے ایمان

www.KitaboSunnat.com

والوں پر کیا تھا کہ تم لوگ عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام کو نہیں مانتے ہو اس لئے کہ تم ان کے دین کا رد کرتے ہوئے مفسر معانی نے تیسیر الرحمان میں اس طرح نقل کیا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء پر ہم ایمان لاتے ہیں اور جو وحی ان کی طرف نازل ہوئی اس کو تسلیم کرتے ہیں اور ایمان لانے کے اعتبار سے ان میں فرق نہیں کرتے ہیں البتہ کسی کو بندگی کا حقدار نہیں مانتے ہیں اس جواب میں یہود و نصاریٰ کا ضمنا رد ہے کہ تم بعض نبیوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کیلئے نبی کو بیٹا قرار دیتے ہو اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو لہذا تمہاری دعوت باطل ہے۔" بِاللهِ "تمام ایمانیات پر مقدم ہے۔ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا : دو سبب کی وجہ سے اس کو مقدم کیا ہے پہلا سبب یہ ہے کہ قرآن پر ایمان لانا دیگر کتب پر ایمان لانے کیلئے سبب ہے دوم یہ کہ قرآن پر ایمان تفصیلی اور اہم ہے جبکہ دوسری کتب پر ایمان مجمل ہے۔

وَالْأَسْبَاطِ : سبط کی جمع ہے لغت میں جس کا معنی پے در پے آنا ہے اور جماعت کو بھی کہتے ہیں کیونکہ جماعت کے افراد ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں، یا لغت میں وہ درخت جسکی جڑ ایک اور شاخیں زیادہ ہوتی ہیں اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو کہ حقیقت میں ایک اصل سے تھے پھر ان سے بہت خاندان پھیل گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسباط سے بنی اسرائیل کے قبائل مراد ہیں اور اس مقام پر وہ انبیاء مراد ہیں جو بنی اسرائیل میں آئے تھے وَمَآ أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ : ان دونوں کو اس لئے خاص کیا کہ انکا اعتراض تورات و انجیل کے ایمان کے بارے میں تھا "أُوتِيَ" ابتاانزال کے معنی میں ہے البتہ ایتاء انزال کا مقصد ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایتاء معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ محسوسات میں استعمال ہوتا ہے۔

وَمَآ أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ : اس سے مراد وہ انبیاء کرام ہیں جو آدم علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام تک مبعوث کئے گئے تھے۔ فائدہ: صحیح قول یہ ہے کہ انبیاء کی تعداد یقینی نص صحیح سے ثابت نہیں ہے لہذا ایمان میں عدد کا تعین نہیں کرنا چاہئے اور مسند احمد میں جو روایت 124000 ، ایک لاکھ چوبیس ہزار کے متعلق آئی ہے وہ علی بن یزید راوی کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ "تنقیح الرواۃ شرح المشکوٰۃ" میں ہے نیز شیخ البانی کا قول اس حدیث کی صحت کے متعلق درست نہیں ہے اس روایت کو امام حاکم نے صحیح علی شرط مسلم کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے لھذا الشیخ البانی صحیح کہنے میں اکیلے نہیں ہیں (مترجم) (شیخ البانی نے سلسلۃ الصحیحۃ رقم 2668، مشکوٰۃ کتاب احوال القیامۃ رقم الحدیث 5669 میں صحیح قرار دیا ہے نیز مشکوٰۃ کی تخریج میں شیخ رمضان بن احمد آل شیخ نے بھی صحیح کہا ہے)۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِّنْهُمْ: اس میں یہود ونصاریٰ کا تعریضاً رد ہے کیونکہ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے بعض کو مانتے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت 285، آل عمران آیت 84، نساء آیت 151، 152 میں مذکور ہے۔

سوال: اس سورت کی آیت: 253 سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے درجات میں فرق ہے؟

جواب: اس کو تفاضل کہا جاتا ہے فرق اسکو نہیں کہا جاتا ہے۔ سوال: بَيْنَ تو مفرد کی طرف مضاف نہیں ہوتا ہے اور احد تو مفرد ہے؟ جواب: احد کا لفظ جب کل کیساتھ استعمال ہو یا کلام سلبی میں ہو تو جمع کے معنی میں ہوتا ہے۔

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ: اسلام سے مراد اللہ تعالیٰ کیلئے شرک سے پاک اخلاص سے عبادت ہے تو یہ تعریضاً یہود ونصاریٰ کا رد ہے کہ تم نے نبیوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے۔ سوال: سورۃ آل عمران آیت 84 میں: وَمَآ أُنزِلَ عَلَيْنَا۔ ہے جبکہ یہاں پر "إِلَيْنَا" ہے؟ جواب: یہاں خطاب ایمان والوں کو ہے اس لئے قُولُوٓا فرمایا اور امت پر انزال اوپر سے ہوتا ہے مگر ان تک پہنچایا جاتا ہے اس لئے یہاں إِلَيْنَا فرمایا جبکہ آل عمران میں خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے اور ان پر تو انزال اوپر کی جانب سے ہے اس لئے وہاں عَلَيْنَا فرمایا ہے۔

فَإِنْ ءَامَنُوا۟ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَوا۟ ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّمَا هُمْ فِى شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ ٱللَّهُ ۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُۥ عَٰبِدُونَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ أَتُحَآجُّونَنَا فِى ٱللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾ "پس اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پالینگے اگر اعراض کریں تو یقیناً سخت دشمنی میں ہیں تو آپ کی کفایت اللہ تعالیٰ ان سے ضرور کریگا اور وہ خوب سننے جاننے والا ہے۔" [137] "(فرمائیں قبول کیا ہم نے) اللہ تعالیٰ کا رنگ اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہوگا ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔ [13]" "آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق ہمارے ساتھ جھگڑتے ہو جبکہ وہ ہمارا تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور ہم تو اسی کیلئے اخلاص کرنے والے ہیں۔" [139]

تفسیر 137: اس آیت میں ایمان شرعی کی دعوت ہے عام کفار اور خصوصاً یہود ونصاریٰ کو یہ عام مفسرین کا قول ہے جبکہ حضرت شربینی نے لکھا ہے کہ یہ: فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ۔ کی طرح لاجواب اور عاجز کرنے کیلئے ہے۔ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ: یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی اکرم ﷺ کو ہے۔ فَمَآ ءَامَنتُم بِهِۦ۔ میں اس لفظ میں سب مومن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ داخل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ملائکہ، کتب منزلہ، انبیاء ورسل، بعث بعد الموت، تقدیر، رسولوں کتابوں میں فرق نہ کرنا اور عبادات میں اخلاص وغیرہ۔ سوال: لفظ مثل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور کتابوں کی مثل موجود ہے جبکہ یہ تو باطل ہے؟۔

جواب 1: تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ مثل مقدر مصدر کیلئے صفت ہے یعنی: فَإِنْ آمَنُوا إِيمَانًا مِثْلَ إِيمَانِكُمْ۔ اور باء زائدہ ہے اور مماثلت کا ذکر ہو گیا ہے۔ جواب 2: مثل کا لفظ زائد ہے امام طبری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح نقل کیا ہے کہ: فَإِنْ آمَنُوا بِمَا آمَنْتُمْ بِهِ۔ بقول ابن عطیہ یہ بطور تفسیر ہے۔ جواب 3: ما مصدریہ ہے اور باء زائدہ ہے۔ بِمِثْلِ إِيمَانِكُمْ۔ جواب 4: امام راغب کے قول کے مطابق مثل عین یعنی ذات یا صفت کے معنی میں ہے یہ جوابات واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ایمان امت کے ایمان کا معیار ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت 13 میں گزر گیا ہے۔ جواب 5: مفسر شربینی اور خازن نے لکھا ہے کہ یہ تعجیز کے طریقے پر ہے یعنی اگر یہ لوگ دین حاصل کر سکتے ہیں تمہارے دین کی طرح تو ہدایت پالینگے لیکن دین اسلام کی طرح دوسرا دین محال ہے تو بغیر دین اسلام کے ہدایت بھی محال ہے۔ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ: شقاق دشمنی اور جھگڑے سے ہے اور شق سے لیا ہے یعنی ہر ایک الگ شق ہے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ: کاف میں نبی ﷺ کو خطاب ہے جو کہ مفعول اول ہے اور (هُمْ) مفعول ثانی ہے، امام ابن کثیر نے روایت ذکر کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت ان کی گود میں مصحف تھا تو اس مقام پر اس مظلوم کا خون گر گیا تھا گویا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عثمان کے بدلہ لینے کا وعدہ ہے۔

تفسیر 138: اس آیت میں نصاریٰ کی باطل رسم کا رد ہے جسکو انہوں نے دین کا نام دیا تھا۔ صِبْغَةَ اللَّهِ: اس سے قبل فعل مقدر ہے یعنی صَبَغَنَا اللَّهُ۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو رنگ دیا ہے، یا پھر اتَّبِعُوا یا الْزَمُوا۔ یہ صبغۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین اور فطرت ہے ہر انسان کو اس فطرت دین پر پیدا کیا ہے جس طرح رنگ کا اثر ظاہر نظر آتا ہے اسی طرح دین فطرت کا اثر مومن پر ظاہر ہوتا ہے یا صبغۃ سے مراد ایمان اور افتتان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تطہیر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نصاریٰ میں نومولود کو ساتویں دن رنگ میں غوطہ دیا جاتا ہے اور اس رنگ کو معمودیہ رنگ کہتے ہیں اور اس کو یہ لوگ تطہیر کہتے ہیں اور اسلام میں اس تطہیر کیلئے ساتویں دن ختنہ، عقیقہ کرنا ہے، نصاریٰ جب اس طرح کر لیتے تو کہتے کہ اب یہ خالص نصرانی ہو گیا۔ تفسیر البحر المحیط میں امام ابوحیان نے لکھا ہے کہ انہوں نے دین کو رنگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہلاتا اس وجہ سے شروع کیا تھا کہ ایک بار عیسیٰ علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام کی ملاقات کیلئے تشریف لے گئے تھے تو ملاقات کے دوران میں فرمایا کہ میں تجھ سے رنگ لینے آیا ہوں یعنی فیض حاصل کرنے آیا ہوں تو نصاریٰ نے اس سے ظاہری رنگ مراد لیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو صابغ قرار دے دیا اور اپنے عمل کو تغمیس کہنے لگے اور عرب بھی دیانت داری کو رنگ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ آج بھی ہمارے معاشرے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو تو اپنے پیر نے رنگ دیا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً: یعنی دین توحید سے جو طہارت حاصل ہوتی ہے ایسی کسی اور طریقے اور علم سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ مخلوق کا رنگ دینا ظاہری ہوتا ہے یا باطنی ظاہری رنگ کا اثر تو صرف ظاہر پر ہوتا ہے اور باطنی اثر تو صرف ایک ایک قوت پر ہوتا ہے جیسا کہ علم فلسفہ کا رنگ صرف قوت عقلیہ پر ہوتا ہے اور شرک بدعت کا رنگ قوت وہمیہ پر ہوتا ہے اور عادتی رسموں اور رواجوں کا رنگ قوت عادیہ پر ہوتا ہے اور دنیا کی محنت کا رنگ قوت شہوانیہ پر ہوتا ہے اور بادشاہی اور سلطنت اور اقتدار کا رنگ قوت قہریہ اور غضبیہ پر ہوتا ہے اور دین فطرت (توحید وسنت) کا رنگ دنیا میں ظاہر پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ اور آخرت میں وضوء کے اعضا پر چمک دمک کی صورت میں ہوگا، اور اسی طرح اسکا اثر دنیا میں تمام باطنی قوتوں پر ہوتا ہے یعنی ہر قوت حق کے تابع ہوجاتی ہے مخالف رنگ تعصب رسم ورواج اس پر کوئی اثر نہیں کر سکتے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رنگ کو احسن کہا گیا۔

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ: یہ صبغۃ اللہ کی تفسیر ہے کیونکہ توحید فی العبادات کا اثر دنیا وآخرت میں ظاہر اور باطن پر ہوگا۔

تفسیر 139: اس آیت میں ان کے باطل جھگڑے کا چھٹا رد اور توبیخ ہے۔ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا۔ محاجہ حقیقت میں دلیل پیش کرنا ہوتا ہے ہر جانب سے اپنے دعوے کے اثبات کیلئے اور کبھی اہل باطل کی طرف سے جھگڑنے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حجت چار معانوں کے ساتھ قرآن میں استعمال ہوئی ہے۔

1: دلیل یقینی، سورۃ انعام آیت 83۔ 2: عذر کے معنیٰ میں، سورۃ نساء آیت 165۔ 3: خالص جھگڑا کرنا حق ہو یا باطل ہو، سورۃ شوریٰ آیت 15۔ 4: باطل دلیل اور جھگڑا، سورۃ شوریٰ آیت 16۔ اس مقام پر کافروں کی جانب سے باطل دلیل کے ساتھ جھگڑا ہے اور اہل ایمان کی جانب سے وحی کے ذریعے سے انکا جواب دینا ہے یا پھر کافروں کی جانب سے باب مفاعلہ مبالغہ کیلئے ہے۔ فِي اللّٰهِ: امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس سے مراد توحید الوہیت، اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اتباع ہے۔ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ: یعنی توحید ربوبیت میں تم ہمارے ساتھ شریک ہو تو توحید ربوبیت، توحید الوہیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو مستلزم ہے توحید الوہیت میں پھر تم کیوں جھگڑتے ہو۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ : جھگڑنے کے بعد اب ان سے اعلان براءت ہے یعنی جب تم لوگ توحید الوہیت کی مخالفت کرتے ہو تو ہم تم سے براءت کرتے ہیں، جیسا کہ سورۃ یونس آیت 41۔ آل عمران آیت 20 میں ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۔ اس مقابل محذوف ہے یعنی نوانتم بہ مشرکون۔ اور یہ عقیدے اور اعمال کا فرق ہے، اخلاص کے متعلق امام قرطبی کا قول ہے کہ اپنے اعمال کو مخلوق کے لحاظ پاک کرنا یہ اخلاص ہے اور دیگر اقوال بھی نقل کئے ہیں اور امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ اخلاص براءت ہے تشبیہ، تثلیث اور اشراک سے براءت ہے اور اسی طرح اخلاص کی حقیقت ہر معبود من دون اللہ سے براءت ہے

فائدہ: اس مقام پر "فِي اللّٰهِ" کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ تقرب الی اللہ کے دعوے اور نبوت کے انتخاب میں جھگڑا تھا کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو مقرب الی اللہ اور نبوت کو بنی اسرائیل میں مختص سمجھتے تھے، اور بعد میں۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ۔ میں یہ کہا ہے کہ ہمارے بھی ایسے اعمال ہیں کہ کرامت کا سبب اور نبوت کیلئے صحیح ہیں لیکن اس تفسیر میں وہم پیدا ہوتا ہے کہ نبوت اعمال کے سبب سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اہل السنت کے عقیدے کے خلاف ہے کہ نبوت وہبی نعمت ہے کسبی نہیں۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع "کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے فرمایا کیا تم (ان کے حال کو) زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ اور کون اس شخص سے زیادہ ظالم ہے؟ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے (حق) علم ہو اور وہ اس کو چھپائے اور تمہارے کاموں سے اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے۔" [140] "یہ (انبیاء) کی جماعت تھی جو گزر گئی جو انہوں نے کیا ان کیلئے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ان کے اعمال کے بارے میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔" [141]

تفسیر 140: اس آیت میں یہود اور نصاریٰ کو ساتواں زجر یعنی توبیخ ہے اس بات پر کہ انہوں نے نبیوں کی نسبت یہودیت اور نصرانیت کی طرف کی ہے اور اس کے ساتھ اپنے باطل دین کو حق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى: یہاں پر "اَوْ" تفصیلی ہے یعنی ہر قول کا قائل الگ الگ ہے تو اس کا تین طریقوں سے رد ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلا طریقہ: قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۔ یہ استفہام تقریری یعنی اللہ تعالیٰ ان انبیاء کے بارے میں خوب جانتا ہے کامل علم رکھتا ہے اور اسکو سورۃ آل عمران آیت 65،67 میں ذکر کیا ہے۔

دوسرا طریقہ: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی یہود ونصاریٰ کو بھی تورات انجیل کے ذریعے سے یہ علم حاصل ہے کہ وہ انبیاء یہود اور نصاریٰ نہیں تھے لیکن یہ لوگ یہ علم چھپاتے ہیں۔ شَهَادَةً علم حق کے معنی میں ہے عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ۔ دونوں صفات شہادت کی ہیں۔ رد کا تیسرا طریقہ کہ: وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ کا ہے یہ بھی توبیخ ہے اور عذاب دینے سے کنایہ ہے "غَافِلٍ" اس کو کہا جاتا ہے جو بے پرواہ ہونے کی وجہ سے کاموں کا علم نہیں رکھتا ہو۔

تفسیر 141: اس آیت میں آٹھویں توبیخ ہے اور اس آیت کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا دونوں میں فرق یہ ہے کہ اس آیت میں اکابرین کے اعمال پر نجات کے دعویٰ کرنے کے ساتھ رد تھا جبکہ اس آیت میں اکابرین کی نسبت پر فخر کرنے کا رد ہے یا یہ کہ پہلی آیت میں امت سے عام انکے اکابرین مراد تھے اور اس آیت میں صرف انبیاء مراد ہیں۔

خلاصہ: اس آیت سے 162 تک اس حصے کا تیسرا باب ہے اس میں دو شبہات کے جواب ہیں۔ پہلا شبہ تبدیل قبلہ سے متعلق ہے جو اس لفظ سے ذکر ہوا ہے: مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا۔ اس کا جواب چار علتوں کے ساتھ مذکور ہے۔ پہلی علت اس آیت میں: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ دوسری علت آیت 143: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ میں ہے۔ تیسری علت آیت 144 وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ میں ہے اور چوتھی علت آیت 150 میں ہے: لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۔ اس میں پہلی اور تیسری اجمالی علتیں ہیں اور دوسری چوتھی تفصیلی علتیں ہیں اور اہل کتاب کے سخت عناد کا ذکر ہے اور ان کے تین گروہ یعنی عنادی، مداہنین (سست لوگ) اہل حق کا ذکر ہے اور 147 میں حق کی تعریف کی گئی ہے اور 148 میں لوگوں کے اختلاف کے وقت حق پر ثابت رہنے کی طرف ترغیب ہے۔ اور آیت 149، 150 میں قبلے کے تبدیل ہونے پر تاکیدات ہیں اور پھر قبلے کے امر پر تاکید کیلئے انعام خاص کا ذکر ہے پھر چار اوامر اور ایک نہی اختلاف کے وقت تثبت کیلئے پھر ذکر، شکر، صبر کا اہتمام، نماز اور شہداء حق کی اعلیٰ شان کا ذکر ہے پھر آخری شبہ کا جواب جو صفا مروہ کی سعی سے متعلق ہے کہ یہ جاہلیت کا امر نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کا شعار ہے لہٰذا اس پر طعن کرنا جائز نہیں پھر تنبیہ اور تخویف دنیاوی اور اخروی ہے ان لوگوں کے لئے جو حق چھپاتے ہیں اور توبہ کی ترغیب ہے اور شروط توبہ آیت 159 تا آیت 162 میں مذکور ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ
يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ
عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾ "عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجئے کہ خاص اللہ کے لئے ہے مشرق اور مغرب وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کردے۔" [142] "اسی طرح ہم نے تمہیں بہتر امت بنایا (انصاف کرنے والی) تاکہ لوگوں کو حق بیان کرنے والے بنو اور مقرر نہیں کیا ہم نے اس قبلہ کو جس پر تم تھے مگر اس مقصد کیلئے کہ رسول کی پیروی کرنے والوں کو ظاہر کروں برخلاف ان لوگوں کے جو ایڑیوں کے بل پھر جاتے ہیں اگرچہ یہ قبلہ بدلنا مشکل ہے البتہ ان لوگوں پر جن کو اللہ تعالیٰ نے (حق پر) مضبوط کیا ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال ضائع نہیں کریگا یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان رحم کرنے والا ہے۔" [143]

تفسیر 142: ربط: سابقہ آیت سے یہ ہے: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً میں حق چھپانے والوں کو تنبیہ تھی تو اس آیت میں ان لوگوں کو زجر ہے جو حق ظاہر کرنے والوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں یعنی خود بھی حق کا اظہار نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں نیز ملت ابراہیمی ذکر کرنے کے بعد اب اس کے دو اہم ارکان کا ذکر ہو رہا ہے اول تحویل قبلہ یعنی کعبہ کو قبلہ بنانا اور دوسری بات یہ ہے کہ صفا مروہ اور حج کی تکمیل وغیرہ۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ اس کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ان میں سے اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ "س" استقبال کیلئے ہے اور فعل مضارع اپنے معنی پر ہے اور یہ آیت تحویل قبلہ سے پہلے بطور پیش گوئی نازل ہوئی تھی تو اس لحاظ سے یہ غیب کی سچی خبر نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی سچائی پر دلیل بھی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ "س" تاکید کیلئے ہے اور فعل مضارع ماضی کے معنی میں ہے لیکن مضارع کے ساتھ اشارہ کیا کہ یہ اعتراض ضد اور عناد کی وجہ سے ان کی طرف سے آنے والے وقت میں بھی جاری رہے گا۔

السُّفَهَاءُ اسکی تحقیق گزر گئی ہے اس میں صراحت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل پر اعتراض کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بے وقوفی ہے۔ مِنَ النَّاسِ: اس میں انکی ذلت کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ اہل کتاب یہود و نصاری ہیں لیکن حق کے ساتھ ضد اور عناد کی وجہ سے یہ ذلیل ہیں اور اس میں منافقین اور مشرکین بھی داخل ہیں۔ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ضمیر ھم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف راجع ہے اور قبلہ اس حالت اور طرف کو کہا جاتا ہے جس کی طرف نمازی بوقت نماز چہرہ کرتے ہیں اور یہاں مراد بیت المقدس ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں 16 یا 17 مہینے بیت المقدس کی جانب نمازیں ادا کیں مگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اپنا قبلہ کعبہ کو بنالو یعنی صحابہ کرام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ عَلَیْهَا: عَلٰی اِسْتِقْبَالِهَا، یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کی وجہ سے اس کی طرف چہرہ کرنے میں وہ پختہ تھے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ: یہ اجمالی علت کے ذکر کے ساتھ پہلا جواب ہے یعنی اختیار جہت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اطراف بھی اس کا تو حکم و اختیار بھی اس کا ہے بندے بھی اس کے اختیار میں ہیں اس کی مرضی ہے کہ اپنے بندوں کو کسی بھی جہت کا حکم دیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ بیت المقدس کی جانب چہرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد اور اختیار سے متعین کیا تھا اور اسی طرح کعبۃ اللہ کی جانب بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا آیت نمبر 115 میں اسی طرح گزر گیا ہے البتہ وہاں عمومیت مکان مراد تھی اور یہاں عموم اطراف مراد ہے دونوں مقامات میں یہ فرق ہے۔ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اس میں بھی علت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی امر ہدایت اور استقامت کے بغیر نہیں ہوتا لہذا پہلے بیت المقدس کو قبلہ بنانا اور پھر کعبۃ اللہ کو قبلہ مقرر کرنا یہ بھی ہدایت اور صراط مستقیم کے تحت داخل ہے، نیز یہاں پر ہدایت سے مراد پہنچانا ہے۔

فائدہ 1: امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا کہ بیت المقدس کے صخرہ کی طرف چہرہ پھیرنے کا مگر اس کیفیت سے کہ کعبۃ اللہ بھی سامنے ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور میں جب نماز پڑھتے تھے تو اس انداز میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہوتے کہ کعبہ بھی سامنے رہے اور صخرہ بیت المقدس بھی یعنی دونوں قبلوں کی جانب ایک ہی وقت میں چہرہ ہوتا لیکن جب انہوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی تو بیت المقدس مدینے کے شمال کی طرف تھا اور کعبہ جنوب کی طرف لہذا ایک ہی وقت میں دونوں قبلے جمع کرنا مشکل تھا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کی جانب چہرہ کر کے نماز ادا کرو یہ حکم وحی خفی یعنی حدیث میں ہوا اور 16 یا 17 مہینے یہ عبادت کا سلسلہ جاری تھا بعد میں کعبۃ اللہ کی جانب تبدیلی کا حکم آیا (صحیح بخاری باب ما جاء فی القبلۃ حدیث 403 فی التفسیر حدیث 4488) نیز بہتر قول یہ ہے کہ یہ حکم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان نازل ہوا اور اول نماز عصر ادا کی گئی تھی کعبۃ اللہ کی جانب اور مسجد قبلتین والوں کو عصر کی نماز کے دوران اطلاع ملی اور حالت نماز میں ہی انہوں نے حکم الٰہی کی تکمیل کرتے ہوئے کعبۃ اللہ کی جانب چہرے پھیر لئے، اور مسجد قباء والوں کو نماز فجر سے قبل اس حکم کی اطلاع مل گئی تھی۔

فائدہ 2: امام ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا قبلہ صخرہ نہیں تھا بلکہ صخرہ کے پاس کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف چہرہ کرتے اسی طرح صالح علیہ السلام کی مسجد میں قبلہ کعبۃ اللہ کی طرف تھا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہودیوں نے صخرہ اور نصرانیوں نے بیت الشرق قبلے اپنی خواہش سے بنائے تھے معلوم ہوا کہ تمام نبیوں کا قبلہ کعبۃ اللہ رہا ہے صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو 16 یا 17 مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تھا، البتہ بعض مفسرین کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کے نبیوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔

تفسیر 143: اس آیت میں 6 جملے ہیں۔ پہلے جملے میں اس امت کی رفعت شان کا ذکر ہے دوسری میں عظمت رسول کا ذکر ہے۔ تیسرے میں علت کیساتھ تفصیلی شبہے کا جواب ہے۔ چوتھے جملے میں تحویل قبلہ کی شان ذکر ہو رہا ہے اور پانچویں جملہ میں ایک اور سوال کا جواب آئے گا اور چھٹے جملے میں سابقہ جملوں کی مناسبت سے صفات الٰہی کا ذکر ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ کاف تشبیہ کیلئے ہے اور ذٰلِكَ میں اس امت کی صفت یعنی ہدایت واستقامت کی طرف اشارہ ہے امام قرطبی نے فرمایا کہ جس طرح کعبہ زمین کے وسط میں ہے اسی طرح ہم نے تمہیں بھی وسط درمیانہ معتدل امت بنایا ہے، یا پھر کاف برائے کمال بیان ہے لہٰذا تشبیہ کی ضرورت نہیں یعنی اس امت کی وسطیت درجہ کمال میں ہے۔ اُمَّةً وَّسَطًا: وَسَط کی سین پر جب زبر ہو تو لغت میں عادل کے معنی میں آتا ہے، مسند احمد کی حدیث میں بھی وسط عادل کے معنی میں آیا ہے اور بہتر پسندیدہ کے معنی میں بھی ہے، (ابن جریر) اور یہ آل عمران آیت 110 کی طرح ہے یا وسط متوسط کے معنی میں ہے یعنی تم یہودیوں کی تقصیر اور تفریط اور نصاریٰ کے غلو اور افراط کے مابین ہو۔ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ جہاں بَیْنَ لفظ استعمال ہوتا ہے تو وہ وسط ہے اور جہاں بَیْنَ استعمال نہیں ہو سکتا ہے تو وہ وَسَط ہے اور جب اس خطاب کے پہلے مخاطب صحابہ کرام ہیں اس وجہ سے تمام صحابہ کرام عادلین ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا قول اور عمل شرعی شروط کے تحت دلیل ہے اور باقی امت مجموعی طور پر جب عادل ہے تو معلوم ہوا کہ شریعت میں اجماع امت بھی حجت اور دلیل ہے، (قرطبی، تفسیر کبیر)۔ لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ یہ شہادت دنیا و آخرت دونوں میں ہے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیاوی شہادت یہ ہے کہ مرنے والے شخص کے بارے میں اچھی گواہی دینے سے اسکو اللہ تعالیٰ جنت دیتا ہے اور بری گواہی
30/30 دینے سے کہ یہ مرنے والا شریر مضر تھا تو ان کی اس گواہی سے اللہ تعالیٰ اسکو جہنم میں ڈالدیتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب
التفسیر 4487 میں دو جنازوں کے گزرنے کا واقعہ موجود ہے اور اس شہادت کے مصداق اول صحابہ کرام ہیں اور پھر امت
کے دیگر اہل حق صحابہ کرام کے صحیح پیروکار صالحین ہیں۔ شہادت کا دوسرا طریقہ: حق کی دعوت وتبلیغ کرنا جس کی
تائید سورۃ آل عمران آیت 110 میں ہے اور یہ معنی سمرقندی نے "بحر العلوم" میں ذکر کیا ہے، آخرت کی شہادت اس
امت کا سابقہ انبیاء کیلئے دعوت دین پہنچانے پر ہے یعنی یہ امت ان امتوں کے انکار پر گواہی دیگی کہ ان رسولوں نے
تمہیں حق دین پہنچایا ہے جیسا کہ: صحیح بخاری،، میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نوح علیہ السلام
کے لئے اس کی قوم کے خلاف گواہی دی جائے گی۔ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا نبی کریم ﷺ کی شہادت
دو طریقوں پر ہے۔ پہلے دنیا میں دعوت وتبلیغ کرنے کے معنی میں اور جب دعوت کے سننے والے لوگوں پر حجت قائم
ہو جائے اس لئے فرمایا عَلَيْكُمْ ۔ دوسری آخرت میں ہے اور اس میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول عام مفسرین کا ہے کہ
امت کی شہادت کے بعد نبی اکرم ﷺ اپنی امت کا تزکیہ تائید کریں گے۔ دوسرا قول امام قرطبی کا ہے کہ امت پر شہادت
دینگے ابلاغ پر کہ میں نے تمہیں دین حق پہنچادیا ہے۔ تیسرا قول: بھی امام قرطبی کا ہے کہ امت کے اعمال پر گواہی دینگے
مگر مراد صرف وہ لوگ ہونگے جو نبی اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں تھے ان کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے کل امت
مراد نہیں ہے اور اس عقیدہ کا رد سورۃ نساء آیت 41 میں ابن کثیر نے کیا ہے وہاں پر ان شاء اللہ اس کی تفصیل آئیگی۔ امام
نسفی نے مدارک میں لکھا ہے کہ کبھی شہادت سماعت سے ہوتی ہے اگرچہ خود حاضر نہیں ہوا ہو جیسا کہ سابقہ امتوں پر اس
امت کی گواہی اس قسم کی ہے اور نبی اکرم ﷺ کی گواہی اپنی امت کی عدالت پر جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سنی ہے۔
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَآ: جَعَلْنَا کا معنی شَرَعْنَا (شریعت مقرر کرلینا) ہے۔ اَلْقِبْلَةَ یہ مفعول اول
ہے اور "الَّتِي" بمعنی اَلْجِهَةَ "الَّتِي" مفعول ثانی ہے۔ الْقِبْلَةَ۔ اس سے مراد کعبۃ اللہ ہے تحویل کے بعد جیسا کہ ابن
کثیر نے لکھا ہے۔ سوال: كُنتَ زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جبکہ کعبۃ اللہ تو تحویل کے بعد قبلہ ہوا؟
جواب 1: امام فراء کا قول ہے كُنتَ کا معنی ہے "اَنْتَ الْاٰنَ"۔ جواب 2: بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے کعبۃ
اللہ نبی ﷺ کا مستقل قبلہ تھا یا پھر اس میں بیت المقدس کا اشتراک تھا جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے یا بقول امام قرطبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مراد بیت المقدس ہے تحویل سے قبل اور کُنْتَ اصلی معنی پر ہے۔

إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ یہ تحویل قبلہ کی تفصیلی حکمت بیان ہوئی ہے اور اس سے مراد ابتلاء ہے جب اول قول کے مطابق مراد کعبہ لیا جائے تو مراد ان لوگوں کا امتحان ہوگا جو اہل کتاب تھے اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے تھے ان میں جو کمزور ایمان والے تھے انہوں نے نبی ﷺ کی پیروی اس لئے کی تھی کہ وہ ہمارے قبلہ کی جانب نماز پڑھتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ رسول ہے اور ان کی اطاعت حکم الٰہی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگ تو تحویل قبلہ کے بعد مرتد ہو گئے، اور جب قبلہ یعنی بیت المقدس دوسرے قول کے مطابق مراد لیا جائے تو عرب امیین کا امتحان ہے کیونکہ وہ کعبہ کا احترام پہلے سے کرتے چلے آرہے تھے لہٰذا ان میں وہ لوگ جنہوں نے اتباع الرسول یا بحکم الٰہی جان کر نبی ﷺ کی پیروی نہیں کی بلکہ قبلہ کی وجہ سے پیروی کی تھی تحویل قبلہ کے بعد وہ مرتد ہو گئے، البتہ سابقین اولین انصار و مہاجرین نے دونوں قبلوں کی جانب نمازیں پڑھ لیں اور وہ اس امتحان میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے (ابن کثیر)۔

سوال: اللہ تعالیٰ تو تمام چیزوں کو وجود میں لانے سے قبل اس پر عالم ہے اور لِنَعْلَمَ تو وجود سے قبل عدم علم پر دلالت کرتا ہے؟ ۔ جواب 1: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ علم سے مراد رؤیت ہے یعنی دیکھنا کیونکہ عرب دیکھنے کیلئے علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں یعنی علم اور رؤیت دونوں ایک دوسرے کے مقام پر استعمال ہوتے ہیں، اس کو علم مشاہدہ کہتے ہیں اور یہ جزا دینے کیلئے سبب ہے۔ جواب 2: یا لِنَعْلَمَ لِنُمَيِّزَ اور لِنُظْهِرَ کے معنی میں ہے یعنی بندوں کو ظاہر کریں۔ جواب 3: اللہ تعالیٰ کی نسبت سے مراد رسول اکرم ﷺ اور مومنین ہیں تاکہ ان کو علم حاصل ہو۔ جواب 4: نسفی نے ابو منصور سے نقل کیا ہے لِنَعْلَمَ مَوْجُودًا بَعْدَمَا كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّهُ سَيُوجَدُ تاکہ ہمیں علم حاصل ہو جائے اس کے وجود ہونے پر بعد اس کے کہ ہم علم رکھتے تھے کہ یہ موجود ہوگا۔ ان توجیہات میں تیسری توجیہ راجح ہے۔ الرَّسُولَ۔ اس لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص رسول کی اتباع رسالت کے وصف کے ساتھ کرتا ہے تو وہ احکام کے منسوخ ہونے سے مرتد نہیں ہوتا۔ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ: یہ ضعیف ایمان کی وجہ سے مرتد ہونے سے کنایہ ہے جیسا کہ ایڑیوں کے بل چلنا کمزور رفتار ہے جو پورے قدم پر چلنے والے کی بنسبت۔

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ اس قسم کی ترکیب میں علماء کے تین قول ہیں:

پہلا قول: امام فراء کا ہے کہ ''إِنْ'' نافیہ ہے اور ''لام'' إِلَّا کے معنی میں ہے۔ دوسرا قول: بصریوں کا ہے کہ ''إِنْ'' ثقیلہ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخفف ہے۔ تیسرا قول: امام اخفش کا ہے کہ "اِنْ" وصلیہ ہے اور کَانَتْ کی ضمیر تَحْوِیْلَةً یا تَوْلِیَةً یا فَعْلَةً کی طرف راجع ہے، جب کبیر کے صلہ میں علی آ جائے تو ثقل کے معنی میں ہوتا ہے۔ هَدَى اللّٰهُ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسول کی تصدیق پر یقین رکھتے ہیں کہ رسول ﷺ نے جو کچھ لایا سب سچ ہے نیز اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اپنی مرضی پر جاری کرتا ہے اور اسکا ہر کام کامل حکمت اور حجت تامہ پر مبنی ہے جب انسان ان صفات سے ایمان میں متصف ہو جائے تو وہ کامل مؤمن ہو جاتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث 40 باب الصلوٰۃ من الایمان اور جامع ترمذی میں روایت ہے کہ لوگوں نے سوال کیا ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھی تھیں کہ انکا کیا حال ہوگا تو جواب اس جملہ میں دیا گیا یعنی ان کی وہ نمازیں اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھیں اور وہ خود مؤمن تھے لہٰذا ان کی وہ نمازیں ضائع نہیں ہوئی ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا کہ ایمان سے مراد صلوٰۃ ہے یعنی ذکر کل اور مراد جز ہے اور یہی مذہب ائمہ حدیث کا ہے لیکن اس اطلاق میں اشارہ ہے کہ یہی نمازیں ایمان کی وجہ سے ہیں لہٰذا وہ ضائع نہیں ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یہ سابقہ جملے کیلئے دلیل ہے جو کہ لَا يُضِيْعُ ...الخ۔ رَءُوْف، رَأْفَةٌ سے لیا گیا ہے۔ رحمت اور رَأْفَةً میں کئی طرح فرق ہے۔ پہلا فرق: یہ ہے کہ رَأْفَةً مصیبت دور کرنے اور ضرر کو زائل کرنے کو کہتے ہیں رحمت ضرر زائل کرنے اور فضل کرنے دونوں کو شامل ہے۔ دوسرا فرق: رَأْفَةً خاص رحمت ہے خاص بندوں پر اور رحمت عام بندوں کیلئے ہے، جبکہ رَأْفَةً میں ضرر کا دفاع ہے تو لَا يُضِيْعُ کے ساتھ زیادہ مناسب ہے اس لئے اس کو مقدم کیا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ "ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا ہوئے دیکھ رہے ہیں اب ہم آپ کے چہرے کو پھیریں گے اس قبلے کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں اب اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور آپ جہاں بھی ہوں اپنا منہ اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی طرف پھیرا کریں بے شک وہ لوگ جن کو دی گئی ہے کتاب وہ قطعی جانتے ہیں کہ (یہ قبلہ کی تبدیلی) حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے بے خبر نہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔" [144] "اور اہل کتاب کو تمام دلائل دینے کے باوجود وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اگرچہ آپ ان کو تمام دلیلیں پیش کر لیں اور آپ بھی ان کے قبلے کو ماننے والے نہیں ہیں اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے پیروکار نہیں ہیں اور اس کے باوجود کہ آپ کے (پاس فہم قرآن کا) علم آچکا ہے اگر ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً آپ زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔" [145]

تفسیر 144: اس آیت میں 6 جملے ہیں اور سب تحویل قبلہ سے متعلق ہیں

پہلے جملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور ان کے دل کی تمنا کا ذکر ہے۔ دوسرے جملے میں ان کی چاہت کے مطابق تحویل قبلے کا وعدہ ہے۔ تیسرے جملے میں نبی اکرم علیہ السلام کو تحویل قبلہ کا عملاً حکم ہے۔ چوتھے جملے میں ساری امت کو تمام ممالک میں اس پر عموماً عمل کا حکم ہے۔ پانچویں جملے میں تحویل قبلے کی اجمالی علت کا ذکر ہے اور چھٹے جملے میں مخالفت کرنے والوں کو تخویف اور توبیخ ذکر ہے۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ قَدْ تحقیق کیلئے ہے تَقَلُّبَ کثرت سے بار بار دیکھنا مراد ہے وَجْهِكَ متوجہ ہو کر نظر کرنا مراد ہے (فِي) إلی کے معنی میں ہے صحیح بخاری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ از راہ محبت چاہتے تھے: کہ میرا قبلہ کعبۃ اللہ ہو اور مفسر شربینی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ تحویل قبلے سے محبت کا سبب یہ ہے کہ یہود اعتراض کرتے تھے کہ یہ نبی ہمارے دین کی مخالفت بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے قبلے کی طرف نماز بھی پڑھتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا قبلہ کعبہ ہو جائے کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے جبرئیل نے فرمایا کہ میرا کوئی اختیار نہیں ہے آپ خود اللہ تعالیٰ سے دعاء طلب کریں جبرئیل علیہ السلام تو آسمان کی طرف چلے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادب کی وجہ سے دعاء نہیں مانگی لیکن وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف نظر کیا کرتے تھے کہ ابھی تحویل قبلے کا حکم آجائیگا تو یہ آیت نازل ہوئی (صحیح بخاری کتاب التفسیر 4486 باب سیقول السفہاء)۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا لام برائے تاکید وعدہ اور زمانہ حال کیلئے آتا ہے (تَرْضٰىهَا) گزشتہ حدیث کے قرینے سے یہ مضارع زمانہ حال یا ماضی کیلئے ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تحویل قبلے کے متعلق بیت المقدس سے حرم کعبہ کی جانب یہ پہلا حکم ہے، شَطْرَ کا معنی طرف، نصف، جانب وغیرہ شَطَرَ إِلَيْهِ بمعنی أَقْبَلَ: (سامنے ہوا)۔ شَطَرَ عَنْهُ: اعراض کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معنی میں ہے لہذا یہ اضداد میں سے ہے۔ یہاں پر بالاتفاق طرف کے معنی میں ہے۔ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: ذکر مسجد کا ہے جبکہ مراد کعبہ ہے ابن جریج نے عطاء اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ بیت اللہ قبلہ ہے مسجد حرام والوں کیلئے اور مسجد حرام قبلہ ہے حرم والوں کیلئے اور حرم قبلہ ہے ساری دنیا کیلئے۔ (سنن کبری حدیث 2276، امام بیہقی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے نیز ابن کثیر کی تخریج میں شیخ مصطفیٰ، شادی شیخ عمادی شیخ علی شیخ حسن عباس نے اور ابن حجر نے تلخیص میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے، محمد الف)

فائدہ 1: امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیت اللہ سارے اطراف اور ہر وطن کیلئے قبلہ ہے اور وہاں موجود لوگوں پر اسی کی طرف منہ کرنا لازم ہے اور غائب لوگوں پر بھی اس کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے اور اس کو معلوم کرنے کیلئے ہر قسم کے جائز وسائل استعمال کریں غائب لوگوں کیلئے کعبے کے تعیین میں علماء کا اختلاف ہے البتہ راجح یہ ہے کہ حتی الامکان کوشش کریں کہ عین کعبے کی جہت معلوم ہو جائے اور اس زمانہ میں تو وہ آلہ جس کو قطب نما یا قبلہ نما کہتے ہیں وہ استعمال کیا جائے۔ فائدہ 2: اس آیت کے متعلق ہمارے بعض مشائخ کا قول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ دل میں پسند کرتے تھے کہ میرا کعبہ قبلہ ہو لیکن یہودیوں کی مخالفت کا خوف بھی تھا تو ظاہرا یہ چاہتے تھے کہ بیت المقدس ہمیشہ کیلئے میرا قبلہ ہو تو آسمان کی طرف اس لئے بار بار دیکھتے تھے کہ نزول وحی ہو جائے تا کہ بیت المقدس ہمیشہ کیلئے قبلہ منتخب ہو جائے اور اس میں تبدیلی نہ ہو اور انہوں نے استدلال دو طریقوں پر کیا ہے۔

1: تَقَلُّبَ باب تفعل ہے جو تکلف کیلئے آتا ہے یعنی دل میں راضی نہیں تھے مگر پھر بھی تکلف سے چاہتے تھے کہ بیت المقدس قبلہ ہو۔ 2: تَرْضٰھَا یہ فعل مضارع ہے یعنی کعبہ کی طرف منہ کرلو بعد میں اس پر راضی ہو جاؤ گے۔ مگر یہ قول کئی وجوہات کی بنیاد پر باطل ہے۔ پہلی: یہ ہے کہ یہ قول صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف تحویل پر خوش تھے جیسا کہ پیچھے گزر گیا۔ دوسری: یہ ہے کہ یہ تو نبی کی شان کے خلاف ہے کہ دل میں ایک چیز کی چاہت ہو اور ظاہر میں اللہ تعالیٰ سے کوئی اور چیز مانگے۔ تیسری: یہ ہے کہ باب تفعل ہر جگہ تکلف کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اس مقام پر تکرار اور کثرت کیلئے ہے۔ چوتھی: یہ ہے کہ تَرْضٰھَا فعل مضارع حال اور استقبال دونوں کیلئے آتا ہے اور کبھی ماضی میں بھی استعمال ہوتا ہے لہذا مذکورہ قول تفسیر بالرائی ہے ۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اس جملہ میں عام حکم ہے یعنی ساری امت کو حکم ہے کہ تم جہاں بھی ہو سفر میں ہو یا حضر میں خشکی میں ہو یا تری میں مسجد میں ہو یا گھر میں مشرق میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو یا مغرب میں مگر اسی قبلے کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرو۔ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ یہ بصورت اجمالی علت تیسرا جواب ہے، یعنی ان کی کتب میں یہ تفصیل موجود تھی کہ یہ آخری نبی پہلے بیت المقدس اور پھر کعبۃ اللہ کو تبدیل کر کے نماز پڑھے گا اسطرح اس نبی کی سچائی اور حقانیت انکی کتابوں میں موجود تھی اس سے انکو یہ علم حاصل ہے "اَنَّهُ" میں ضمیر تحویل قبلہ یا صدق رسول کی طرف راجع ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ اس جملہ میں منکرین قبلہ کے لئے سخت تخویف ہے۔

تفسیر آیت 145 : اس آیت میں اہل کتاب کی ضد اور عناد کا ذکر ہو رہا ہے اور یہاں نبی اکرم ﷺ کو اطمینان اور تسلی دینا ہے (وَلَئِنْ) لام قسم اِنْ شرطیہ پر داخل کیا گیا ہے (لَوْ) اور (لَئِنْ) میں فرق یہ ہے کہ (لَوْ) کے جواب میں فعل ماضی مثبت آتا ہے اور (لَئِنْ) کے جواب میں استقبال آتا ہے۔ سوال: یہاں تو فعل ماضی منفی لَئِنْ کے جواب میں آیا ہے؟ جواب: اخفش اور فراء کے نزدیک یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں یعنی یہاں پر (لَئِنْ) لَوْ کے معنی میں ہے اور سیبویہ کے نزدیک یہ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال نہیں ہوتے البتہ فعل ماضی مستقبل کے معنی میں ہے یعنی مَّا تَبِعُوْا کا معنی ہے لَا یَتَّبِعُوْنَ وہ پیروی نہیں کریں گے۔ بِکُلِّ اٰیَةٍ یہ تبدیل قبلے پر دلیل اور حجت ہے۔ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ اس قسم کا ردعمل وہ ضد اور عناد کی وجہ سے کرتے ہیں چونکہ بحث مباحثہ قبلے میں ہو رہا ہے اس لئے اس کی تخصیص کی ورنہ کامل دین مراد ہے کیونکہ نصوص میں دین کی تعبیر قبلے سے ہوتی ہے جیسا کہ لَا نُکَفِّرُ اَهْلَ الْقِبْلَةِ عقائد اہل سنت میں اس طرح عبارت ہے تو قبلے سے مراد دین اسلام ہے۔ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ اس میں اہل کتاب کو نبی کریم ﷺ کے دین پر مضبوطی اور قبلے پر پختگی کی خبر دینا مقصود ہے یعنی اس نبی سے اپنے قبلے کی جانب عبادت کی امید مت رکھو یہ تمہارے ساتھ اتفاق نہیں کریں گے، ابن کثیر، شربینی، یا بقول امام قرطبی یہ خبر انشاء کے معنی میں ہے یعنی نہی کے معنی میں ہے وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ اس جملے میں ان کے آپس میں قریب ہونے کے باوجود ضد عناد اور تعصب کا ذکر ہو رہا ہے یعنی آپس میں جب تعصب کا یہ عالم ہے تو آپ سے تو ضرور ضد عناد اور تعصب کریں گے یہودی بیت المقدس کے صخرہ کو قبلے کا درجہ دیتے ہیں اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ بیت الشرق کو قبلہ مانتے ہیں حالانکہ یہ دونوں باطل پر ہیں وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اس میں خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے جبکہ مراد امت ہے اور اہل الکتاب کی اتباع سے تین وجوہات کی بنا پر اجتناب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سبب اول: اَهْوَآءَهُمْ یعنی انکے قبلے تو خواہشات ہیں جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے۔ سبب ثانی: مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ علم سے مراد قرآن کریم ہے یعنی آپکو حق واضح نظر آچکا ہے۔ سبب ثالث: اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ان کی خواہش کی پیروی ظلم ہے اور ظلم سے اجتناب واجب ہے آیت 120 میں اسی طرح گزر گیا ہے البتہ وہاں آیت میں (مِنْ) مذکور نہیں جبکہ یہاں موجود ہے اور وہاں مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ ...الخ. جبکہ یہاں اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ. مذکور ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ وہاں یہ بات مذکور تھی کہ یہود و نصاریٰ سے نبی اکرم ﷺ کبھی بھی عمومی طور پر اتفاق واتحاد نہیں کر سکتے ہیں اور یہاں پر اس آیت میں قبلے کے مسئلہ میں عدم اتفاق کا ذکر ہے اور یہ اختلاف بہت اہم ہے اس لئے اس مقام پر تاکیدات زیادہ کیں، بقول مفسر بیضاوی کے 7 تاکیدات ہیں۔ 1: حرف لام۔ 2: قسم مقدر۔ 3: إن 4: حرف مِنْ۔ 5: خبر کی جانب میں لام۔ 6: ظلم پر حکم۔ 7: جمع کا صیغہ اَلظّٰلِمِيْنَ۔

تنبیہ: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نص صریح کا حکم چھوڑنا اور بے دلیل باتوں کی تقلید کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿146﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿147﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿148﴾ "وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس (محمد ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں یقیناً ان میں سے ایک گروہ حق کو جانتے ہوئے چھپاتے ہیں۔" [146] "آپ کے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے، آپ شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔" [147] "ہر شخص کیلئے ایک طرف (متوجہ ہونا) ہے لہٰذا تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو تم جہاں کہیں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ لے آئے گا تم کو اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" [148]

تفسیر 146: اس آیت میں تقسیم پوری کرنے کے لئے اہل کتاب کی دو اقسام کا ذکر ہو رہا ہے (۱) اہل حق (۲) اہل باطل جو علم کے باوجود حق کو چھپاتے تھے۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ایسا صیغہ اہل کتاب میں نیک علماء کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی انہوں نے کتاب کو قبول کیا ہے۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عربوں میں یہ ایک مشہور مثل ہے کہ کسی چیز کی صحت کیلئے کہتے ہیں کہ میں اس کو اس طرح پہچانتا ہوں جیسے کہ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں اور امام قرطبی نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن سلام سے سوال کیا کہ کیا آپ محمد ﷺ کو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹے کو؟ تو انہوں نے جواب دیا اپنے بیٹے سے بھی زیادہ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو آسمان کا امین ہے انہوں نے امین کی صفت کے ساتھ زمین پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو میں نے پہچان لیا جبکہ اپنے بیٹے کے متعلق نہیں جانتا ہوں کہ اس کی ماں نے کیا کام کیا ہوگا ۔ (ہٗ) کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے (شربینی) یا اس دین صحت کی طرف راجع ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں یہ قول امام ابن کثیر کا ہے اور امام قرطبی نے اس کا مرجع تحویل قبلہ قرار دیا ہے۔ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ یہ ایک تیسرا فریق ہے ضدی اور مداہنت کرنے والے۔

تفسیر آیت 147: اس آیت میں حق کی تعریف ہے اور حق میں شک کرنے سے بچانا ہے (اَلْحَقُّ) مبتدا اور (مِنْ رَّبِّكَ) خبر ہے یعنی حق کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی خفی یا وحی جلی سے ثابت ہو، یا پھر یہ مقدر مبتدا کی خبر ہے الْمُمْتَرِيْنَ. اس لفظ میں بہت ہی مبالغہ ہے بنسبت لَا تَمْتَرِ (کہ شک مت کرو) یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد اس سے امت ہے اور مراد اس سے اہل کتاب کے اختلاف کی وجہ سے اس حق میں شک کرنا ہے یا اہل کتاب کے حق چھپانے میں شک کرنا ہے (شربینی)۔

تفسیر آیت 148: اس آیت میں بھی قبلے کے امر کی تاکید ہے یعنی دین اور قبلہ میں لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے حق پر عمل مت چھوڑو۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ كل کا مضاف الیہ مقدر ہے لِكُلِّ شَخْصٍ أَوْ مِلَّةٍ۔ یعنی ہر شخص اور ہر ملت کیلئے۔ وِجْهَةٌ اس چیز کا نام ہے جس کی طرف توجہ کی جاتی ہے یا اس کا معنی ہیئت اور حالت ہے توجہ کرنے کے ساتھ، اور یہ عام ہے دین طریقے، مسلک، قبلے کو اور بقول مفسر خازن یہ لفظ منہاج اور طریقے کو شامل ہے۔ هُوَ مُوَلِّيْهَا هُوَ ضمیر كُلٍّ کی طرف راجع ہے (مُوَلِّيْهَا) کا ایک مفعول مقدر ہے یعنی مُوَلٍّ وَجْهَهٗ اِلَيْهَا یا ضمیر راجع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور ایک مفعول مخفی ہے (اِيَّاهُ) اس آیت میں دو توجیہات ہیں۔ اول یہ ہے کہ ہر شخص اور قوم اور ملت کا ایک مسلک ہے اور راستہ ہوتا ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دلی تعلق رکھتا ہے کوئی دین تو کوئی دنیا کے ساتھ، کوئی مسجد، تو کوئی مندر تو کوئی گرجے کے ساتھ، کوئی اللہ تعالیٰ تو کوئی بت قبر وغیرہ کے ساتھ کوئی علم قرآن و سنت کے ساتھ تو کوئی دیگر فنون و علوم کے ساتھ، کوئی سنت طریقوں کے ساتھ تو کوئی رسم و رواج بدعات خرافات کے ساتھ، اسی طرح کوئی کعبہ تو کوئی بیت المقدس اور بیت الشرق کے ساتھ، تو یہ توجیہ کسی کی حق ہے تو کسی کی باطل ہے (تفسیر عزیزی) بقول امام ابن کثیر اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا سورۃ مائدہ آیت 48۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ یعنی گزرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے امور میں جو جہت اور تعلق خیر کا ہو یعنی کتاب و سنت سے ثابت ہو تو اس کی طرف سبقت کرو اور لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے صحیح دین کی تحقیق کرو اور اس کی پیروی کرو اور اس کو قبول کرو۔ الخیرات سے مراد قبلہ اور غیر قبلہ میں اللہ تعالیٰ کے امر کا امتثال ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں 10 مرتبہ آیا ہے اور جب اسم ہے تو خیر خالی نہیں ہوگا یا تو مطلق خیر ہوگا یعنی ہر وقت مرغوب ہوگا وغیرہ اس کے ساتھ کوئی ضرر ملحق نہیں ہوگی اور وہ جنت ہے جیسا کہ سورۃ صافات آیت 62 میں ذکر ہے یا پھر ایک جانب میں خیر ہوگی یعنی دنیا کا مال و متاع وغیرہ سورۃ بقرہ آیت 180 یا پھر خیر وصف ہوگا یعنی اسم تفضیل ہوگا سورۃ بقرہ آیت 106۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ ہر طرف والوں کیلئے خواہ مشرق یا مغرب میں ایک ہی سمت ہے جو کہ کعبہ ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اس سے مراد سنت کے موافق کعبہ کی طرف پانچ نمازیں مراد ہیں۔ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اس جملہ میں دو توجیہات ہیں۔ پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہ آخرت کے متعلق ہے یعنی تم جہاں بھی ہو جس ملک اور طرف میں ہو اللہ تعالیٰ تمہیں جزا و سزا کیلئے جمع کر کے لے آئے گا۔ دوسری توجیہ مفسر نسفی نے لکھی ہے کہ تم کعبہ سے جس جانب بھی ہو البتہ نماز اس کی جانب پڑھو تو یہ ایسا ہے گویا کہ تم سب ایک جگہ جمع ہو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَإِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ "اور آپ جہاں سے نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلیا کریں یہی آپ کے رب کی جانب سے حق ہے، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔" [149] "اور آپ جس جگہ سے نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں اور تم جہاں کہیں بھی ہو اسی طرف چہرے کو پھیر لیا کریں تاکہ تمہارے خلاف لوگوں کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہے البتہ وہ لوگ جو ان میں سے ظلم کے مرتکب ہو گئے ہیں ان سے مت ڈرو مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پر پختہ ہو۔" [150]

تفسیر 149: اس آیت میں بستی سے نکلنے کے بعد قبلے کے اہتمام کا ذکر ہے کیونکہ گاؤں سے نکلنے پر احکام بدلتے ہیں لہٰذا وہم پیدا ہو رہا تھا کہ حالات سفر وغیرہ میں حکم بدل جائے گا لیکن اس کو بطور تاکید ذکر کیا، نیز نبی کریم ﷺ کے عمل پر احکام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنا ہے اور امت تو اس کے تابع ہے اسلئے بطور خاص اس کا ذکر کیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہے کہ جس جگہ سے آپ ہجرت کے لئے نکلے ہیں یعنی مکہ لہذا اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں، تاکید کیلئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر (المسجد الحرام) کو ذکر کیا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یہ فَوَلِّ کیلئے علت ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یہ مومنین کو اطمینان اور تسلی کیلئے خطاب ہے کہ ان کو بہتر بدلہ ملنے والا ہے۔

تفسیر 150: اس آیت میں سفر کے حالات میں قبلے کا حکم ہے اور تکرار کی حکمت بھی یہ ہے کہ پہلا حکم مسجد حرام کے اندر نماز کا تھا۔ دوسرا حکم مکہ مدینہ اور بستیوں سے باہر کا تھا۔ تیسرا حکم حالت سفر میں ہے، یا پھر تکرار کا مطلب ہر ایک کے ساتھ الگ حکمت کا ذکر ہے پہلے کے ساتھ اہل کتاب کی شہادت اور علم کا ذکر ہے۔ دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شہادت یعنی وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مذکور ہے اور تیسرے کے ساتھ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ ...الخ ان کی طرف سے حجت بازی کا ذکر ہو رہا ہے۔ یا پہلے مرتبہ بطور ایجاب ہے اور دوسری مرتبہ دوام کیلئے ہے تیسری مرتبہ میں اشارہ ہے کہ یہ حکم ابدی ہے منسوخ نہیں ہوگا۔ اور دو مرتبہ ایمان والوں کو خطابات ہیں پہلے خطاب میں سب مسلمانوں کو قبول کرنے کا حکم اور دوسری جو خطاب میں مخالفین کی حجت بازی سے دفاع کیلئے تاکید ہے۔ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ یہ تفصیلی علت بیان کرتے ہوئے مخالفین کو چوتھا جواب دیا جا رہا ہے۔ حجۃ میں دو توجیہات ہیں پہلا بمعنی دلیل صحیح ہے اور الناس سے مراد عام لوگ ہیں اہل کتاب اور غیر دونوں کو شامل ہے، تورات میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت کی علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے اور یہ انکا مستقل قبلہ ہوگا اب اگر تم کعبہ کی جانب نمازیں نہیں پڑھیں گے تو وہ اعتراض کریں گے لہذا تمہارے اس عمل سے انکا اعتراض زائل ہو گیا، مشرکین عرب بھی یہ بات کرتے تھے کہ دین ابراہیم میں کعبہ ہے اور یہ لوگ اس کی طرف نماز نہیں پڑھتے ہیں بلکہ اس کے مخالف سمت نمازیں ادا کرتے ہیں جب آپ لوگوں نے کعبۃ اللہ کی طرف نمازیں شروع کیں تو انکی حجت ختم ہوگئی، یا حجۃ جھگڑے کے معنی میں ہے یعنی یہود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ اختلاف بھی کرتے ہو اور ہمارے قبلے بیت المقدس کی جانب نماز بھی پڑھتے ہو مشرکین کا کہنا تھا کہ یہ شخص دین ابراہیم کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور کعبہ کے بجائے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتا ہے لہذا اس عمل سے یہ جھگڑے سب ختم ہوگئے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ پہلی توجیہ کی بنا پر استثناء منقطع ہے کیونکہ ظلم (بے جا اعتراضات کرنا) تو حجت کی جنس میں سے نہیں ہیں لہذا اِلَّا لٰكِنْ کے معنی میں ہے۔ دوسری توجیہ کی بنا پر استثناء متصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے یعنی تحویل قبلہ کے بعد اہل کتاب میں سے معاندین اعتراض کریں گے کہ یہ نبی باپ دادا کے دین کی طرف دعوت دیتا ہے اور مشرکین بھی اعتراض کریں گے کہ یہ اب آہستہ آہستہ ہمارے دین کی طرف پلٹ کر واپس آ رہا ہے (مفسر شربینی)۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي یعنی عنادیوں ضدیوں کے اعتراضات اور لعن طعن کے خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف نماز ترک مت کریں بلکہ میری عظمت کے خوف سے میرے حکم کی پیروی کریں۔

خشیت کا لفظ قرآن مجید میں 48 مرتبہ آیا ہے اور 7 اقسام پر مشتمل ہے

1: خشیت صرف خوف اور کسی چیز سے اپنے آپ کو بچانا کے معنی میں سورۃ نساء آیت 25۔ سورۃ طٰہٰ آیت 94۔ سورۃ کہف آیت 80۔ سورۃ توبہ آیت 24 ہے۔ اور دیگر وہ آیتیں جو خشیت من دون اللہ میں مذکور ہیں۔ 2: خشیت یعنی جس سے خوف ہو اسکی عظمت بھی دل میں ہو اور یہ عبادت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس سے تعظیما خوف ہونا چاہئے اور اس معنی میں قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہے۔ سورۃ احزاب آیت 37۔ سورۃ مائدہ آیت 44۔ سورۃ توبہ آیت 13 سورۃ مائدہ آیت 3۔ اور اس معنی میں بطور حصر دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ سورۃ توبہ آیت 18۔ سورۃ احزاب آیت 39۔ 3: مومنین کی صفت میں 16 مرتبہ ذکر ہوا ہے سورۃ عبس آیت 9۔ سورۃ اعلیٰ آیت 10۔ سورۃ نازعات آیت 45 وغیرہ۔ 4: علماء کی صفت میں سورۃ فاطر آیت 28۔ 5: انبیاء کی صفت سورۃ احزاب آیت 39۔ 6: ملائکوں کی صفت میں۔ سورۃ انبیاء آیت 28۔ 7: جمادات کی صفت میں سورۃ بقرہ آیت 74۔ سورۃ حشر آیت 21۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ خشیت اصل میں دل کے اطمینان کو کہا جاتا ہے جو جان کے بچاؤ کیلئے سبب بن جائے اور خوف دل کی گھبراہٹ کا نام ہے جس کی وجہ سے اعضاء میں خفت پیدا ہو جائے لیکن بہتر یہ ہے کہ خشیت اللہ تعالیٰ کے سوا سے خوف کے معنی میں ہے جس سے گھبراہٹ ہیبت اور جان کے بچاؤ کی فکر ہوتی ہے اور خشیت اللہ تعالیٰ سے وہ خوف ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے عظمت اور کبریائی پر مشتمل ہے اور کبھی خوف وخشیت ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ یہ تحویل قبلہ کیلئے ایک اور علت ہے جو لِئَلَّا پر عطف ہے۔ مفسر زجاج کے بقول اتمام نعمت سے مراد قبلے کی جانب ہدایت اور دخول جنت ہے (قرطبی) خازن کے بقول ہدایت اتمام نعمت اسلام پر موت جنت کا داخلہ اور جنت میں دیدار الٰہی، (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا هٰذِهٖ)۔ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ اس چیز کی ہدایت جس سے اور امتیں گمراہ ہوگئی ہیں یعنی کعبہ (ابن کثیر) یا تَهْتَدُونَ سے مراد ہدایت میں زیادت ہے اور یہ وَلِأُتِمَّ پر عطف ہے اور تحویل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبلہ کیلئے ایک اور علت ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿151﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿152﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿153﴾ ''(اتمام نعمت پوری کرنا اس طرح ہے) کہ تم میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں بیان کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وسنت کا علم سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے وہ جس کو تم نہیں جانتے تھے۔'' [151] ''لہٰذا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری مت کرو۔'' [152] ''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا خاص ساتھی ہے۔'' [153]

تفسیر 151: قبلے کی نعمت ذکر کرنے کے بعد اب آخری نبی کی نعمت رسالت کا ذکر ہو رہا ہے تو یہ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ کے ساتھ متعلق ہے کاف مثل کے معنی میں ہے اور مخفی مصدر کیلئے صفت ہے اور (ما) مصدریہ ہے یعنی اِتْمَامًا مِثْلَ اِرْسَالِ الرَّسُوْلِ فِيْكُمْ تکمیل نعمت قبلہ ایسی ہے جیسا کہ تکمیل نعمت رسالت تمہارے درمیان ہے یہ امام فراء کا قول ہے اور زجاج سے اس طرح منقول ہے کہ كَمَآ اَرْسَلْنَا میں کاف علت کیلئے ہے اور یہ آیت فَاذْكُرُوْنِيْٓ کے متعلق ہے اور اس آیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کی استجابت کا ذکر ہے جو آیت 129 میں گزر گیا ہے۔ فِيْكُمْ میں اہل مکہ اور عربوں کو خطاب ہے جو اولاد اسماعیل علیہ السلام ہیں اور مِّنْكُمْ میں اشارہ بشریت جنس کی طرف ہے وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ یہ تعمیم کے بعد تخصیص ذکر ہے یعنی الکتاب والحکمۃ میں یہ بھی داخل ہے مگر تاکید احسان کیلئے اس کو الگ ذکر کیا ہے اور اس سے مراد سابقہ امتوں کے قصص اور انبیاء کے واقعات اور آنے والے ضروری حالات کی خبریں ہیں جبکہ یہ سب غور فکر تدبر سے حاصل نہیں ہو سکتے ہیں لہٰذا اس کیلئے وحی کی ضرورت تھی جو نازل ہوئی۔

تفسیر 152: اس آیت سے لوگوں کے اختلاف کے وقت دین پر ثابت قدمی کیلئے پانچ امور کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ ذکر، شکر، صبر، صلوٰۃ، ادا کرنا اور شہداء کی عظمت شان ہے یعنی انکی بے ادبی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ اس آیت میں دو امر اور ایک نہی مذکور ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ جب پہلے نعمتوں کا ذکر ہوا تو یہ اس پر تفریع ہے اس وجہ سے (فَا) لایا گیا ہے، بقول مفسر خازن یہ زبان، دل، اعضاء کے ذکر کو شامل ہے زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور دیگر وہ اذکار کرنا جو سنت سے ثابت ہیں اور دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی وحدانیت کے دلائل میں غور و فکر کرنا اور اعضاء کے ذریعہ سے اعمال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور عبادات میں مشغول ہونا ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ دل کا بیدار ہونا مذکور کیلئے اور زبان کے ذکر کو اس لئے ذکر کہا جاتا ہے کہ دل کے ذکر پر دلالت کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ زبان سے ذکر کرتے ہیں اور دل میں اس کی طرف توجہ اور فہم نہ ہو تو یہ حقیقت میں ذکر نہیں ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ذکر سے مراد اطاعت ہے لہٰذا جو لوگ اطاعت نہیں کرتے ہیں اگر چہ وہ طویل طویل تسبیحات تہلیلات پڑھتے رہیں اور کثرت سے تلاوت کرتے رہیں تو یہ ذکر نہیں کہا جائے گا۔ مفسرین کی اس مقام پر 11 عبارتیں ہیں۔ 1: مجھے اطاعت کے ذریعے سے یاد کرو میں تمہیں مغفرت اور رحمت سے یاد کروں گا۔ 2: مجھے دل لگی مشاہدہ کے ساتھ یاد کرو میں بھی مشاہدہ سے یاد کراؤں گا یعنی جنت میں دیدار کراؤں گا۔ 3: مجھے دعا طلب کرنے سے یاد کرو میں قبولیت دعاء سے تمہیں یاد کروں گا۔ 4: مجھے عاجزی تذلل سے یاد کرو میں تمہیں فضل کرنے سے یاد کروں گا۔ 5: مجھے لوگوں کی جماعت کے درمیان درس و تدریس میں یاد کرو میں تمہیں ملائکوں کی جماعت میں یاد کروں گا۔ 6: مجھے فراخی میں یاد کرو میں تمہیں مصیبت میں یاد کروں گا۔ 7: مجھے آسانی راحت میں یاد کرو میں تمہیں تنگدستی میں یاد کروں گا۔ 8: تم مجھے دنیاوی زندگی میں یاد کرو میں تمہیں موت کے بعد کی زندگی میں یاد کروں گا۔ 9: تم میرا ذکر دنیا میں کرو میں تمہیں آخرت میں یاد کروں گا۔ 10: تم مجھے عبودیت یعنی عبادت سے یاد کرو میں تمہیں اپنی صفت الوہیت کی مناسبت سے یاد کروں گا۔ 11: مجھے صدق واخلاص سے یاد کرو میں تمہیں خصوصیت زیادت سے یاد کروں گا اس میں اشارہ ہے کہ مذکورہ صفات و احوال سے متصف ہو کر ذکر الٰہی کرنا چاہئے اور سب سے بڑا ذکر توحید کا بیان ہے جو محبت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ وَاشْكُرُوا لِي شکر کی تفصیل گزر چکی ہے۔ بندے کی شکر گزاری عقیدہ توحید کے ساتھ زبان سے اظہار نعمت ہے تو پہلے قبلے اور رسالت کی نعمتوں کا ذکر ہوا تو اشارہ ہے کہ ان نعمتوں کا لوگوں سے اظہار کرو۔ نعمتوں کے متعلق دل میں یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ یہ انعام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اعضاء پر اس کا عبادت سے اظہار ہو۔ وَلَا تَكْفُرُونِ کفر اس مقام پر ناشکری اور نعمت کے چھپانے کے معنیٰ میں ہے اور شکر کے امر کے بعد کفران نعمت سے نہی اس لئے ذکر کی ہے کہ شکر گزاری مستقل اور ہمیشہ ہو۔

تفسیر 153: اس آیت میں ثابت قدمی کیلئے دو اہم صفتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ استعانت اور صبر کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ امام ابن جریر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مصائب پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور نماز کی ادائیگی سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور مقصد اس سے صابرین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدہ: آیت 45 میں وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ذکر کیا تھا اور یہاں پر معیت الٰہی ذکر ہے؟ وجہ یہ ہے کہ وہاں بنی اسرائیل کو خطاب تھا تو ان کو صبر اور صلاۃ کی سہولت کا علاج ذکر کیا یعنی خشوع کرنا اور یہاں پر مومنوں کو خطاب ہے لہٰذا انکے اندر تو خشوع موجود ہے تو ان کو نصرت الٰہی کی بشارت دی۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿154﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾ "اور ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیے گئے ہیں (عام) مردہ مت کہو ان کو ایک خاص قسم کی زندگی دی گئی ہے البتہ تم (اس زندگی کو) نہیں جانتے۔" [154] "اور ہم تمہاری آزمائش کسی چیز سے ضرور کریں گے (دشمن کے) خوف، بھوک، پیاس، مال وجان اور پھلوں کے نقصان سے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے۔" [155] "جن کو جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف ہم لوٹنے والے ہیں۔" [156]

تفسیر 154: اس آیت میں مومنین کو شہداء کے متعلق آداب سکھانا مطلوب ہے کہ شہداء کی اہانت سے گریز کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والوں کی عظیم شان ہے۔ مفسر خازن رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب غزوہ بدر میں 14 صحابہ کرام شہید ہوگئے تو لوگوں نے ان کے بارے میں یہ کہنا شروع کیا کہ وہ تو مر گئے ہیں دنیا کے مزوں اور لذتوں سے محروم ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی۔ وَلَا تَقُوْلُوْا یہ اسْتَعِيْنُوْا پر عطف ہے اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے تحت ایمان والوں کو خطاب ہے اور اسی طرح سورۃ آل عمران آیت 169، 170، 171۔ سورۃ حج آیت 58، 59 میں شہداء کے متعلق مذکور ہے۔ سوال: یہاں پر لَا تَقُوْلُوْا اور سورۃ آل عمران میں وَلَا تَحْسَبَنَّ ارشاد فرمایا ہے؟

جواب: یہاں مومنوں کو صرف قولی ادب سکھانا ہے دنیا والوں کے اعتبار سے جبکہ ان کے دلوں میں شہداء کی عظمت موجود تھی، اور آل عمران میں منافقین کا رد کرنا مقصود ہے اور ان کے دلوں میں شہداء کے متعلق غلط فہمیاں اور برے عقائد تھے اس لئے وَلَا تَحْسَبَنَّ فرمایا اور چونکہ اس آیت میں منافقین کا رد مقصود تھا تو اس مقام پر آٹھ طریقوں پر بشارتیں ذکر کی گئی ہیں۔ لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صحیح حدیث میں ہے کہ اس سے مراد اعلاء کلمۃ اللہ ہے خواہ یہ قتل میدان جہاد میں ہو یا رباط فی سبیل اللہ میں ہو یا میدان دعوت میں ہو امام آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اعلاء کلمۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ میں موت مراد ہے۔ اَمْوَاتٌ اس کا مبتدا مقدر ہے اور جملہ مقولہ ہے لَا تَقُوْلُوْا کیلئے (هُمْ أَمْوَاتٌ) اموات میت کی جمع ہے اور میت کی تعریف یہ ہے کہ روح بدن سے الگ ہو جائے۔

سوال: اس جملہ میں شہید پر میت کا اطلاق کرنے سے منع آیا ہے جبکہ قتل کی وجہ سے اس سے روح نکل چکی ہے اور یُقْتَلُ لفظ اس کے قتل ہونے مرنے پر واضح دلیل ہے اور بہت سی آیتوں میں اس پر میت کا اطلاق بھی ہوا ہے مثلاً نحل آیت 21۔ سورۃ زمر آیت 30۔ سورۃ مؤمنون آیت 15۔ احادیث میں اور اقوال صحابہ کرام اور فقہاء کرام کے اقوال میں بھی ان پر میت کا اطلاق ہوا ہے؟ **جواب:** یہاں الگ قسم کی موت کی نفی ہوئی ہے جبکہ ان کیلئے دوسری قسم موت یعنی حقیقی موت ثابت ہے اس وجہ سے فراء بغوی نے لکھا ہے کہ کَسَائِرِ الْأَمْوَاتِ عام مردوں کی طرح نہیں ہے اور مفسر خازن نے لکھا ہے کہ بِمَنْزِلَةٍ غَيْرِهِمْ مِنَ الْأَمْوَاتِ اسی طرح سوال زاد المسیر میں بھی منقول ہے جسکا جواب انہوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ ایسے مردے ہیں جن کی ارواح جنت کی نعمتیں چکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تحائف حاصل کرنے سے قاصر ہیں وہ جو زندہ لوگ حاصل کرتے ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ اموات سے مراد وہ ارواح ہیں کہ جو مری نہیں اور ارواح کی موت یہ ہے کہ بدن کے ذریعے سے تو لذتیں حاصل کرتی ہیں مگر بدن سے جدائی کے بعد لذتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسی روح کو میت کہا جاتا ہے حاصل یہ ہے کہ ایک خاص قسم موت کے اطلاق سے منع ہے اور لفظ نکرہ بھی اس پر دلیل ہے۔

فائدہ: موت قرآن مجید میں چار معنوں میں آئی ہے نمبر 1: قوت حساسہ جب ختم ہو جائے اور یہ معنی سورۃ بقرۃ آیت 28 اور دیگر بہت ساری آیتوں میں ہے۔ 2: قوت عاقلہ کے مقابل یعنی جہل بھی موت ہے سورۃ انعام آیت 122۔ 3: قوت نباتیہ کا ختم ہونا یعنی زمین کا بنجر ہونا بھی موت ہے سورۃ اعراف آیت 57۔ 4: غم اور پریشانی جو انسان کی زندگی کو بے چین کرے سورۃ ابراہیم آیت 17 جیسا کہ مفردات میں امام راغب نے لکھا ہے نیز موت کے ایک معنی کی نفی سے دوسرے معنی کی نفی لازم نہیں ہوگی۔ بَلْ أَحْيَاءٌ یہ بھی مقدر مبتدا کیلئے خبر ہے یعنی (بَلْ هُمْ أَحْيَاءٌ) یہ نکرہ بھی دلیل ہے کہ یہاں مراد ایک قسم کی حیات ہے اور ہر قسم کی حیات مراد نہیں ہے اور وہ ایک ایسی حیات ہے جو موت حقیقی سے متصادم نہیں ہے اور وہ حیات اخروی نہیں ہے جو قیامت کے دن ہے اور وہ دنیاوی حیات بھی نہیں ہے کیونکہ وہ بھی موت سے زائل ہوئی ہے اور اس پر دلیل سورۃ نحل آیت 21 ہے جس میں (أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ) فرمایا ہے نحل کی اس آیت میں دنیوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی نفی ہے جو موت کی ضد ہے تو معلوم ہوا کہ اس مقام پر حیات سے مراد برزخی زندگی ہے۔ معتزلہ جو کہ برزخی زندگی کے منکر ہیں وہ اس سے حیات اخروی مراد لیتے ہیں اور وہ حیات کا معنی اس طرح کرتے ہیں کہ قیامت میں زندہ ہو جائیں گے مگر اس میں تو شہداء کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور جو مبتدعین دنیاوی زندگی مراد لیتے ہیں وہ بھی باطل اور غلط ہے جیسا کہ گزر گیا ہے۔ اور اس پر مفسرین اور علماء کے اقوال کثرت سے موجود ہیں کہ یہ برزخی زندگی ہے بقول ابن کثیر فِي بَرْزَخِهِمْ أَحْيَاءٌ اور فتح البیان ص 204 صیانۃ الانسان ص 20 الصارم المنکی فی رد السبکی وغیرہ ص 187۔

فائدہ 1: حیات قرآن مجید میں 6 معنوں میں مستعمل ہے:

نمبر 1: اللہ تعالیٰ کی صفت کے معنی ہیں سورۃ آل عمران آیت 2۔ نمبر 2: قوت حساسۃ حیوانیہ سورۃ بقرۃ آیت 28 سورۃ فاطر 22۔ 3: قوت نباتیہ سورۃ البقرہ آیت 164۔ 4: حیات اخرویہ سورۃ فجر آیت 24۔ 5: قوت عاقلہ۔ (علم) ایمان اور اتباع سنت سورۃ انفال آیت 24۔ 42 انعام آیت 123۔ 6: بے غم ہونا اور لذتوں کو حاصل کرنا جیسا کہ امام راغب نے زیر بحث آیت کے متعلق لکھا ہے یعنی ایک قسم کی حیات دیگر اقسام حیات کو مستلزم نہیں ہے یعنی یہاں پر حیات کا آخری معنیٰ مراد ہے تو دوسرے معنی کو مستلزم نہیں ہے۔ فائدہ 2: حیات برزخیہ کے بارے میں علماء اہل سنت کے دو اقوال ہیں اول قول یہ حیات جسم اور روح دونوں کو حاصل ہے مگر روح جسم میں نہیں ہے جیسا کہ سورۃ زمر آیت 42 ہے اور جسم میں ایک لوع یعنی قسم حیات اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جس سے لذت یا عذاب کا احساس ہوتا ہے جیسا کہ ان احادیث کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ جس میں میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو کسی کو نعمتیں دی جاتی ہیں اور کسی کو ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے اور یہ بدن کی صفات ہیں نیز بخاری کی حدیث میں دو افراد پر عذاب قبر کا تذکرہ ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1361، صحیح مسلم کتاب الطھارۃ حدیث 292، ابوداؤد، احمد حدیث 17560، ابوداؤد طیالسی 2646، سلسلۃ الصحیحۃ 1/188) ان دونوں پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا بہت مشکل تھا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بدک گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس وجہ سے یہ بدک گئی ہے کہ ان یہودیوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے جبکہ قبر میں جسم ہوتا ہے روح نہیں۔ تو ان دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ بدن کیلئے بھی انعامات اور عذاب کا سلسلہ ہوتا ہے اور اسی طرح روح کیلئے بھی ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حیات برزخی صرف روح کیلئے ہے اور اسکو ایک مثالی جسم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ انعامات سے لذت اور عذاب سے درد کی سزا پاتا ہے اس قول کو مفسر آلوسی نے روح المعانی میں شاہ ولی اللہ نے تفہیمات میں اور اشرف علی تھانوی نے اشرف الجواب میں ص 344 اور مجدد الف ثانی نے مکتوبات ج 2 ص 112 میں ذکر کیا ہے اور انکی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے اجسام میں ہیں اڑتے ہوئے جہاں جنت میں چاہت ہے پھل میوے کھاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے جھانک کر ان سے ایک مرتبہ پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی خواہش آرزو ہے انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم اور کیا چاہتے ہیں آپ نے ہمیں تمام نعمتیں دی ہیں پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہوں نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جواب دیے بغیر نہیں چھوڑیگا تو جواب دیا کہ ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دے دوسری روایت میں ہے کہ ہماری روحوں کو جسموں میں واپس کریں تاکہ ہم دوبارہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائیں (ابن کثیر) (صحیح مسلم باب بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة 1887، ترمذی کتاب التفسیر آل عمران حدیث 3011) کیونکہ انہوں نے شہید کا اکرام اور اجر دیکھ لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتا ہے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ (ارواح) واپس دنیا میں نہیں جا سکتیں تو یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ یہ حیات برزخیہ روحانیہ ہے اور دوسرے جسموں میں منتقل ہوئی ہے یا پھر دوسرے جسموں میں ڈالی ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ اول قول راجح ہے اللہ تعالیٰ بدن کے ساتھ بھی اس کے مناسب معاملہ کر سکتا ہے اور ارواح کو بھی دوسرے اجسام مثالیہ دیئے ہیں یہ اسلئے کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے (واللہ اعلم) شرح عقیدۃ طحاویہ ص 451 میں لکھا ہے اہل سنت والجماعت کا اتفاقی موقف ہے کہ عذاب قبر جسم اور روح دونوں کیلئے ہے امام آلوسی نے لکھا ہے کہ سلف کی کثیر تعداد کا مسلک یہ ہے کہ شہداء کی حیات حقیقتاً جسم اور روح کے ساتھ ہے لیکن اس کی حقیقت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں۔ فائدہ 3: برزخی حیات میں روح کی واپسی کا مسئلہ جسد اصلی یا مثالی میں تفصیلا سورۃ زمر میں آئے گا ان شاء اللہ۔

سوال: جب روح کی واپسی ثابت ہو جائے تو اسکے ساتھ تو حیات دنیاوی ثابت ہوتی ہے؟ جواب: برزخ میں روح کی واپسی معروف دنیاوی حیات کو مستلزم نہیں ہے اور جو لوگ اس سے دنیاوی زندگی ثابت کرتے ہیں ان پر ایسے اعتراضات آئیں گے جو حس۔ شریعت۔ عقل سے تصادم ہیں الصارم المنکی 186 اور ص 187 میں فرمایا ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ برزخ میں روح کی واپسی سوال جواب اور سلام کا جواب یہ سب برزخی مسائل ہیں اگر وہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی معاملہ برزخی ہے البتہ جو لوگ اس کو حیات دنیاوی قرار دیتے ہیں وہ صریح غلطی پر ہیں جو کہ عقل و نقل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف ہے۔

فائدہ 4: ارواح کے مستقر کے متعلق بحث:

برزخی زندگی میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ نمبر 1: مومنوں کی ارواح جنت اور کافروں کی جہنم میں ہیں۔ نمبر 2: مومنین کی ارواح جنت کے دروازوں پر ہیں راحتوں اور نعمتوں سے مستفیض ہوتی ہیں۔ نمبر 3: قبروں کے پاس ہوتی ہیں۔ کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مومنین کی ارواح ساتویں آسمان پر علیین میں اور کافروں کی ارواح ساتویں زمین میں سجین میں ہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدن کی پیدائش سے قبل ارواح جہاں تھیں وہیں انکی واپسی قرارگاہ ہے۔ ابن عبدالبر کا قول یہ ہے کہ شہداء کی ارواح جنت اور مومنین کی ارواح قبروں کے قرب میں ہیں۔ دیگر ضعیف اقوال سے ہم نے صرف نظر کیا۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ ص 454 میں خلاصہ انہوں نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ ارواح اپنے مراتب کے اعتبار سے اپنے اپنے مستقر میں ہیں بعض اعلیٰ علیین اور بعض سبز پرندوں کے بدن میں ہیں جنت میں جہاں چاہیں سیر کریں بعض جنت کے دروازوں پر ٹھہری ہوئی ہیں۔ یہ اقوال علامہ عبدالحئی لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ ص 11 ابوحیان نے ''البحر المحیط'' میں ذکر کی ہیں، اس تفصیل سے پتہ چلا کہ ارواح کی جگہ بدن نہیں ہے۔ فائدہ 5: جس طرح شہید کے متعلق ذکر ہوا کہ انکی روح سبز پرندے کے بدن میں ہے تو اسطرح عام مومنین کیلئے بھی صحیح حدیث میں آیا ہے جسکی سند میں امام احمد بن حنبل امام شافعی اور امام مالک بھی ہیں کہ ہر مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں چرتی ہے (ابن کثیر، موطا امام مالک)

سوال: عام مومن اور شہید کی ارواح میں کیا فرق ہے؟ جواب: مومن کی روح پرندے کی طرح جبکہ شہید کی روح سبز پرندے کے بدن (پوٹے) میں ہوتی ہے لہٰذا یہ انکی افضلیت ہے نیز شہیدوں کی ارواح جنت میں جہاں چاہیں چلی جاتی ہیں اور کھاتی ہیں اور عرش کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں جبکہ عام مومنین کو یہ وصف حاصل نہیں ہے۔

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ لٰکِنْ وہم کو ختم کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے وہم یہ تھا کہ اگر شہداء زندہ ہیں تو حرکت کیوں نہیں کرتے ان کے اجسام مٹی میں ختم کیوں ہو جاتے ہیں؟ تو جواب ہوا کہ یہ ایسی زندگی ہے کہ یہ انسانوں کی عقل اور حواس کے معلوم کرنے سے بلند ہے اور وحی کے بغیر شعور میں لانا محال ہے (بیضاوی، زاد المسیر وغیرہ) ابوحیان نے کہا ہے کہ تم انکی زندگی کی کیفیت کو نہیں جانتے ہو (البحر المحیط)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ زندگی دنیاوی زندگی جیسی نہیں ہے جسکا انسان ادراک کرے یعنی دیکھنا، سننا، چلنا، بولنا، یہ تمام کام دنیاوی زندگی کے ساتھ متعلق ہیں اور برزخی زندگی کی تفصیلات متشابہات میں سے ہیں جن کا ادراک دنیاوی عقل سے نہیں ہوسکتا۔

تفسیر 155 :۔ یہ (اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ) کے مضمون پر عطف ہے اس میں صبر کرنے کا حکم تھا اور اس میں صبر کے پانچ مواضع مقامات یعنی مقامات مصائب ذکر ہیں۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ امتحان اللہ تعالیٰ کے علم حاصل کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ بندے کو اسکی حقیقت ظاہر کرنا ہے۔ امتحانات دو قسم کے ہیں ایک قسم تکوینی امتحان ہے جسکو ثواب کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم کو امتحانات تشریعیہ کہا جاتا ہے جس کو احکام شرعیہ کہتے ہیں۔ بِشَيْءٍ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ امتحانات تھوڑی مقدار میں ہر انسان کی طاقت کے مطابق ہوتے ہیں اور یہ کم مقدار میں ہونا اس امتحانات کی بنسبت ہے کہ یہ لوگ ان سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ مِنَ الْخَوْفِ دشمن کا خوف وغیرہ مفسر نیشاپوری نے لکھا ہے کہ ہر ناپسندیدہ وہ چیز جسکا انتظار ہوتا ہے اور دل میں اس سے درد تکلیف پیدا ہوتی ہے وہ خوف ہے۔ وَالْجُوعِ قحط اور روزی حاصل کرنے میں تکلیف وغیرہ اور نبی کریم ﷺ پر بھی اتنی بھوک آئی تھی کہ کمر کا توازن برابر کرنے کیلئے پیٹ پر پتھر باندھ لئے تھے اور اسی طرح صحابہ کرام نے بھی۔ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ اس میں کاروبار کے نقصان جانوروں کی ہلاکت وغیرہ داخل ہے۔ وَالْأَنفُسِ دوستوں اور ساتھیوں کی ہلاکتیں اور قتل یا بعض دوستوں کا مرتد ہونا اس میں شامل ہے۔ وَالثَّمَرَاتِ قحط کی وجہ سے آمدنی میں نقصان سیلاب کی وجہ سے اور دیگر آفات سے فصلوں کی بربادی اولوں اور بے موسم طوفانی بارشوں کے سبب تباہ کاریاں یہ سب اس میں شامل ہیں یہ تمام امتحانات تکوینیہ ہیں اور امام آلوسی اور نیشاپوری نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک یہ امتحانات تشریعیہ ہیں یعنی خوف سے مراد خوف الٰہی ہے بھوک سے مراد فرضیت صیام ہے اور وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ سے زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ اور اسکی فرضیت مراد ہے۔ وَالْأَنفُسِ ساتھیوں کی اموات اور شہید ہونا مراد ہے ثمرات سے اولاد کی ہلاکت مراد ہے یہ تمام امتحانات پہلی قسم ہوں یا دوسری مومنوں کیلئے آزمائش ہیں جبکہ کافروں اور گناہ گاروں کیلئے عذاب اور سزا ہے۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ یہ ماقبل کے مضمون پر عطف ہے یعنی ان کیلئے آزمائش اور بشارت دونوں ہیں مطلق بشارت ذکر کرنے میں بشارت کے عموم کی طرف اشارہ ہے یعنی قبر، حشر، وغیرہ میں خوشحالی مراد ہے۔

تفسیر 156 :۔ اس آیت میں صابرین کی علامت اور تعریف کی گئی ہے۔ (إِذَا) عموم اور تکرار پر دلالت کرتا ہے مُّصِيبَةٌ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر اس حادثے کو کہا جاتا ہے جس میں مومن کو دکھ پہنچے جیسے مال کا ہلاک ہونا یا اولاد کا مرجانا خواہ چھوٹی ہو یا بڑی نقصان پہنچنا یہاں تک کہ جسکا چراغ بجھ جائے اور اس کے اوپر یہ خلجان کا اظہار کرے یہ بھی مصیبت ہے اور اسمیں امام قرطبی نے بغیر سند کے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ قَالُوْٓا اعتقاد کے ساتھ مذکورہ قول واجب ہے اور زبان سے مصیبت کے وقت پڑھنا سنت ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ مفسر نیشاپوری نے لکھا ہے کہ پہلے اقرار ہے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اور دوم اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا ہے۔ پہلے میں ابتداء کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے میں معاد پلٹ جانے کی طرف اشارہ ہے۔ پہلے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر ایمان اور دوسرے میں تقدیر پر ایمان ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے میں اس بات کا اقرار ہے کہ ان کاموں میں اللہ پر ہمارا کوئی اعتراض نہیں کیونکہ وہ مالک متصرف ہے دوسرے میں تصدیق اور تسلی اور دل کا اطمینان ہے کہ اللہ اس پر ثواب و جزا دینے والا ہے اور ان دونوں پر دل کا صبر حاصل ہوتا ہے۔

تنبیہ: استرجاع کا یہ کلمہ ہر تکلیف اور مصیبت میں پڑھنا ضروری ہے اور اس کو صرف موت کی خبر سن کر پڑھنے کے ساتھ خاص کرنا بدعت ہے۔ نوٹ: کسی کافر مشرک بدعتی یا ہر اس شخص کی موت کی خبر سننے پر پڑھنا جو مومن کے دل کو تکلیف کے بجائے سکون حاصل ہوتا ہے درست نہیں کیونکہ ان کی موت کی خبر سننے پر الحمدللہ پڑھنا ثابت ہے جس کا ذکر آئے گا ان شاء اللہ (سلفی)

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

”ان کے رب کی طرف سے ان لوگوں پر رحمتیں اور برکات ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔“ [157] ”یقیناً صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں لہذا جو شخص بیت اللہ کا حج و عمرہ کرتے ہوئے ان دونوں کا طواف کرے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے خوشی سے نیکی کی تو یقیناً اللہ تعالیٰ قبول کرنے والے ہیں اور ہر چیز پر عالم ہیں۔“ [158] ”یقیناً وہ لوگ جو چھپاتے ہیں وہ کچھ جو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ واضح احکام ہیں اور ہدایت کی باتیں ہیں اور اس کے بعد بیان کیا ہے ہم نے وہ لوگوں کے لئے کتاب میں، ان پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتے ہیں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔" [159]

تفسیر 157: اس آیت میں صابرین کیلئے بشارتوں کی تفصیل ہے۔ صَلَوٰتٌ امام قرطبی کے بقول اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰت کا معنی ہے بندوں کی تعریف، مدح، ثنا کو بیان کرنا، شرافت اور برکت عطاء کرنا۔ وَرَحْمَةٌ مصیبت اٹھانا اور حاجت پوری کرنا۔ صلوٰت جمع میں صلوٰۃ کی تکرار اور کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ مِّن رَّبِّهِمْ صلوٰت کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ مبتدا اور خبر کا معرفہ ہونا جملہ اسمیہ اور ضمیر فصل میں اشارہ ہے کہ اس قسم کے لوگ ہدایت پر مضبوط اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ ہیں۔ امام بخاری نے سیدنا عمر رضی اللہ سے روایت نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کے متعلق فرمایا: نِعْمَ الْعِدْلَانِ وَنِعْمَ الْعِلَاوَةُ۔ دو بہترین بار اور ایک بہترین وزن ہے۔ جانور پر جو ایک جانب وزن رکھا جاتا ہے اس کو عدل اور دو عدلان کہتے ہیں جبکہ درمیان میں جو خالی جگہ میں سامان رکھا جاتا ہے اس کو علاوہ کہتے ہیں یعنی صلوٰت اور رحمت دو عظیم رحمتیں ہیں اور ہدایت ایک اضافی نعمت ہے۔

تفسیر 158: اس آیت میں نویں شبہے کا جواب اور یہودیوں کا طعن ہے یہ کہتے تھے کہ ایک جانب تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم توحید کے متوالے ہیں جبکہ نائلہ اور اساف اور یہ دو بت مشرکین کے معبود تھے صفا مروہ پر رکھے ہوئے تھے انہی کا تم طواف کرتے ہو اور اس مکان کی تعظیم کرتے ہو جواب ہوا کہ یہ مکان شرک کا نہیں ہے البتہ مشرکین نے اس جگہ کو مقام شرک بنایا ورنہ یہ تو شعائر اللہ ہیں (تیسیر الرحمن) ربط اول: جب دین میں ان مصائب سے جن پر صبر واجب ہے کہ جو دشمنوں کے طعن و تشنیع ہیں جیسا کہ صفا اور مروہ کی سعی تو اب اسکا حکم ذکر کیا۔ ربط دوم: تحویل قبلہ میں دین ابراہیم علیہ السلام کا احیاء تھا تو اسی طرح صفا مروہ کی سعی ہاجر علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے آثار میں سے ہے اور ان تکالیف کی یاد ہے جو کہ پیاس اور صحراء کی تنہائی پر محیط ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تضرع عاجزی کا ہے لہٰذا یہ آیت ابتلاءات اور اس پر صبر کرنے سے مناسب ہو۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تکالیف تین طرح کی ہیں پہلی قسم وہ ہیں کہ عقل بھی ان کی اچھائی کا ادراک کر سکتی ہے یعنی ذکر شکر وغیرہ لہٰذا اسکا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي دوسری قسم وہ ہیں کہ عقل ان کے فائدوں سے قاصر ہے بلکہ ناپسند کرتی ہے لیکن شریعت نے ان کے فوائد ذکر کیے ہیں جو کہ امتحانات اور ابتلاآت ہیں جن پر صبر کا حکم ہوا ہے انکا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ تیسری قسم وہ ہیں جو عقل کے ذریعے سے عبث معلوم ہوتی ہیں اور خوبصورتی یا قباحت ان میں نظر نہیں آتی ہے مگر وہ عبادت کی صورت میں کرنی پڑتی ہیں اور اس میں خاص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طور پر مسائل حج ہیں صفا مروہ کی سعی وغیرہ تو اب اسکا تذکرہ کرتا ہے (مفسر نیشاپوری)۔
اس آیت کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں: پہلی روایت: عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ انصار اسلام سے قبل مقام (قدید) مشلل میں مناۃ بت کیلئے احرام باندھتے تھے اس وجہ سے صفا مروہ کی سعی میں وہ حرج محسوس کیا کرتے تھے (صحیح بخاری باب وجوب الصفا والمروۃ حدیث 1643 صحیح مسلم 2971) دوسری روایت حارث بن ہشام کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسرے علماء کا قول ہے کہ صفا مروہ کی سعی دور جہالت کا عمل ہے۔ امام شعبی کا قول ہے کہ صفا پر اساف تھا اور مروہ پر نائلہ اور جاہلیت والے انکے مابین طواف (سعی) کرتے تھے اور انکا استلام بھی کرتے تھے جب اسلام آیا تو انہوں نے اس عمل کو گناہ سمجھا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق نے کتاب السیرۃ میں لکھا ہے کہ اساف مرد جبکہ نائلہ عورت تھی ان دونوں نے کعبہ کے اندر زنا کیا تو وہ دونوں پتھر بن گئے پھر قریش نے لوگوں کی عبرت کیلئے کعبہ کے سامنے دونوں کو رکھا بعد میں عرصہ گزر جانے کے بعد لوگوں نے ایک کو صفا دوسرے کو مروہ پر رکھا اور دونوں کی عبادت شروع کی اسلام کے آنے کے بعد مسلمانوں نے اسکو (سعی) دور جاہلیت کا عمل سمجھ کر ناپسند کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی (صحیح بخاری حدیث 4495) جس سے تمام اشکالات ختم ہو گئے الصَّفَا: لغت میں اس پتھر کو کہا جاتا ہے جو ہموار چکنا ہو صفاۃ کی جمع ہے یا مفرد ہے۔ الْمَرْوَةَ: مفرد ہے اس کی جمع مرو ہے اور یہ سفید چمکدار پتھر کو کہا جاتا ہے جس سے چنگاری نکلتی ہے، اس مقام پر مراد وہ دو پہاڑ ہیں جو کعبہ سے مشرق کی جانب پر واقع ہیں۔
نوٹ: ابھی عام دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتے ہیں کیونکہ تعمیرات میں وہ چھپ گئے ہیں (سلفی)
مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اشعار سے لیا گیا ہے اور شعیرۃ کی جمع ہے اعلام کو کہا جاتا ہے یعنی دین اسلام کی خاص نشانی جس سے اسلام کی پہچان ہوتی ہو اور لفظ شعائر اللہ حج کے تمام مواقع کو شامل ہے جیسا کہ سعی، حجر اسود، نحر، مزدلفہ، منیٰ، عرفہ، ھدایا، قلائد بدن وغیرہ جیسا کہ سورۃ حج آیت 36 میں مذکور ہے اور اسی طرح مائدہ آیت 2 حرمت والے مہینوں کا احترام وغیرہ یہ دین اسلام کی خاص علامات ہیں اسی طرح ہر دین والوں کی اپنی خاص علامات ہیں جیسا کہ نصاریٰ کا صلیب اور گرجہ ہندوؤں کا زنارہ سکھوں کا تلوار اور کرپان بالوں کی خاص نوعیت وغیرہ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مشرکین کے شرک کرنے سے اسلام کے شعائر میں کوئی نقصان واقع نہیں ہو سکتا ہے۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ یہ تخصیص اس مقصد کیلئے ہے کہ صفا مروہ کی سعی بغیر حج وغیرہ کرنے کی عبادت کے طور پر نہیں کی جائے گی۔ لغت میں حج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصد کرنا یعنی ارادہ اور کثرت سے آنے جانے کو کہا جاتا ہے اور عمرہ لغت میں صرف زیارت کو کہا جاتا ہے جبکہ شریعت کی اصطلاح میں صحیح نیت کے ساتھ خاص مناسک پر بولا جاتا ہے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ لفظ جناح قرآن مجید میں 25 مرتبہ مذکور ہے اور فعل ماضی اور امر دو مرتبہ ہے۔ جنح (ج ن ح) لغت میں میلان کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ انفال آیت 61 میں ہے اور شریعت کی اصطلاح میں گناہ کے معنی میں ہے جو کہ کثیر آیات میں نفی کے ساتھ دو طریقوں پر وارد ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کے بعد نفی مذکور ہو جیسا کہ بقرہ آیت 282 اور کبھی اس کے بعد اثبات کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بہت آیتوں میں آیا ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے اور کبھی دنیاوی اخروی نقصان کیلئے آتا ہے جیسا کہ بقرہ آیت 236 میں مذکور ہے یہاں پر گناہ نہ ہونے کے معنی میں ہے۔

أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا: طواف کا مادہ قرآن مجید میں 41 مرتبہ مذکور ہے: لغت میں طواف کثرت سے آنے جانے کو کہا جاتا ہے خواہ کسی چیز کے ارد گرد گھومنا ہو یا صرف آنے جانے کا عمل ہو اور یہ کئی وجوہات کے ساتھ ہے۔ 1: دنیا میں خدمت کیلئے آنا جانا سورۃ نور آیت 58 یا جنت میں سورۃ واقعہ آیت 17 سورۃ دہر آیت 19۔ سورۃ طور آیت 24۔ میں ہے 2: شرعی طریقے کے ساتھ طواف سے مراد چاروں طرف گھومنا جیسا کہ سورۃ حج آیت 29 میں 3 دو چیزوں کے درمیان کثرت سے آنا جانا جیسا کہ اس آیت میں ہے جسکو سعی بھی کہتے ہیں اس میں علماء کے تین اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ سعی فرض ہے 2 واجب ہے 3 سنت ہے۔ پہلا قول راجح ہے۔

سوال: یہاں تو فرمایا گیا ہے کہ سعی میں گناہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مستحب عمل ہے؟ جواب 1: عروہ کے سوال پر عائشہ رضی اللہ عنھا نے جواب دیا تھا کہ اگر استحباب مراد ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ أَلَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قول تعالیٰ ان الصفا والمروۃ حدیث 4495) جواب 2: وہم کا جواب ختم کرنے کیلئے لَا جُنَاحَ کہا ہے مسلمان وہم کرتے تھے کہ شرک کی مشابہت کی وجہ سے اس میں گناہ ہوگا تو فرمایا گیا کہ گناہ نہیں ہے۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا تطوع اس فعل کو کہا جاتا ہے جو دل کی خوشی سے کیا جائے فرض ہو یا نفل۔ (مفسر شربینی) اور طوع آتا ہے اخلاص کرنے کے ساتھ تو اس میں اشارہ ہے کہ ہر کار خیر دل کی خوشی اور اخلاص کے ساتھ ضروری ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر بندے کے عمل کا بدلہ جزاء سے بڑھ کر دینا ہے۔ عَلِيمٌ۔ اس عمل پر وہ عالم ہے جو بدلے کے مناسب ہو۔

تفسیر 159: اس آیت میں حق چھپانے والوں کے لئے زجر اور تخویف دنیوی ہے۔ ماقبل آیت سے ربط یہ ہے کہ اہل کتاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اشکالات پیش کرتے تھے انکا مقصد اصل میں کتمان حق تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت علماء یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، توحید باری تعالیٰ اور مسئلہ رجم وغیرہ میں تحریف لفظی یا معنوی کرتے تھے لیکن آیت کا حکم عام ہے کیونکہ یہ الفاظ عام ہیں جیسا کہ اصول ہے کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کسی خاص واقعہ کے شان نزول کا۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا (کتمان) کا معنی ہے حق کا اظہار نہ کرنا جبکہ لوگوں کو ضرورت ہو اور چھپانے والے کو معلوم ہو۔ (تفسیر خازن)۔ مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ بَيِّنَةٌ کی جمع ہے یعنی واضح دلائل اور آیتیں اور مراد اس سے ہر وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر نازل کیا ہے خواہ کتاب ہو یا وحی الٰہی ہو دلائل عقلیہ کے سوا جبکہ ھدیٰ دلائل عقلیہ نقلیہ دونوں کو شامل ہے اسطرح بینات تنزیل کو کہتے ہیں اور ھدیٰ وہ فوائد ہیں جو تنزیل سے معلوم ہوتے ہیں (مفسر نیشاپوری)۔ اس طرح بینات تورات۔ انجیل۔ اور قرآن مجید ہے اور ھدیٰ احادیث نبوی ہیں جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر قرآن مجید کی یہ آیتیں نہ ہوتیں تو میں تمہیں کوئی حدیث نہ سناتا (صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 118، باب حفظ علم، صحیح مسلم فضائل ابوھریرہ حدیث 2492) اور ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضوء سکھایا اور پھر فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں تمہیں یہ حدیث نہ سناتا (صحیح بخاری باب الوضوء حدیث 160) مذکورہ دونوں روایتیں صحیح بخاری کی ہے اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ آیت عمومیت پر جاری ہوگی ساری امت کیلئے اور تمام احادیث اس میں شامل ہیں۔ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ (ہ) کی ضمیر (مَا أَنزَلْنَا) کی طرف راجع ہے اور (الْكِتَابِ) سے جنس کتاب یعنی تمام آسمانی کتب مراد ہیں اور یہ قید مزید قباحت کیلئے بیان کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حق بیان کرنے میں اتنی وضاحت اور صراحت کی ہے جس میں کوئی اجمال اشکال اشتباہ اور تلبیس باقی نہیں رہا پھر بھی یہ لوگ اس کو چھپانے میں لگے ہوئے ہیں۔ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ لغت میں لعنت دھتکارنے بھگا دینے کے معنی میں ہے جبکہ شریعت میں اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے تو مراد خاص رحمت سے محرومی اور خیر کے راستوں کی بندش اور قربت الٰہی سے بعد (دوری) ہے جو کہ سبب غضب قہر اور عذاب الٰہی ہے۔ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ مخلوق کی طرف سے لعنت بددعاء مراد ہے خواہ لفظ لعنت سے ادا ہو یا کسی اور لفظ سے نیز چونکہ مخلوق کی لعنت اللہ تعالیٰ کی لعنت سے جدا الگ ہے اس لئے اس کو الگ فعل (يَلْعَنُهُمُ) سے ذکر کیا ہے۔ (اللَّاعِنُونَ) اس سے مراد ملائکہ، صالحین انسان اور جنات ہیں اور ایک روایت کے مطابق سمندر کی مچھلیاں، دواب، حشرات، پرندے وغیرہ بھی اسمیں داخل ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ جس طرح حق پرست عالم کیلئے سمندر کی مچھلیاں، ہواؤں میں پرندے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ اس کے برعکس حق چھپانے والے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہ آیت دلیل ہے کہ مومنین حق چھپانے والے عالم سے تعلق توڑ دیں بلکہ اس پر لعنت کریں البتہ معین شخص پر لعنت نہیں کرنی چاہئے اور حق چھپانے کے سبب سے بطور وصف لعنت کرسکتا ہے اور یہ تخویف دنیاوی بھی ہے کیونکہ یہ دنیا میں ہی بولا جاتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾ "مگر وہ لوگ جو اصلاح کرلیں اور توبہ کرلیں اور (جو انہوں نے چھپایا ہے اس کو) بیان کردیں تو میں ان پر (توبہ کی قبولیت کی وجہ سے) آسانی کر لیتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔" [160] "یقیناً جو کفار اپنے کفر میں مرجائیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔" [161] "ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو ڈھیل دی جائے گی۔" (162)

تفسیر 160: اس آیت میں توبہ کی ترغیب ہے اور حق چھپانے والے کیلئے توبہ کی قبولیت کی تین شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔ عامی ہو یا عالم حق چھپانے کے سوا عام گناہ کرنے والے کیلئے توبہ کرنے کی دو شرطیں ذکر کی گئی ہیں جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 89 میں ہیں جبکہ منافقین کی توبہ کی چار شرطیں ہیں جیسا کہ سورۃ نساء آیت 146 میں ہے۔ اب شرط اول کا ذکر ہے (تَابُوْا) توبہ کیلئے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط: دل میں اس گناہ پر ندامت شرمندگی، زبان سے استغفار اور اعضاء سے اس عمل کو ترک کرنا۔ دوسری شرط (وَاَصْلَحُوْا) یعنی اپنے اعمال کو فساد سے بچانا یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ اعمال کرنا۔ تیسری شرط (وَبَيَّنُوْا) یعنی ان مسائل کو جو لوگوں سے اس نے چھپائے ہوں حتی الاستطاعت قلم سے زبان سے اظہار کرنا یا اپنی توبہ کا لوگوں کے سامنے اظہار کرے تاکہ کوئی اس کے باطل اعمال میں پیروکار نہ بن جائے بلکہ ان کی طرح وہ بھی توبہ کرے۔ فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کی نسبت سے مراد رحمت کی واپسی اور قبولیت توبہ مراد ہے۔ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جن سے بندے کا بار بار گناہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بار بار معاف کرنا مراد ہے۔

تفسیر 161: اس آیت میں بغیر توبہ مرنے والوں کو جنہوں نے حق چھپایا تخویف اخروی ہے۔ (اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا) یہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کفر سے کتمان حق مراد ہے۔(وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ)یعنی موت تک حق چھپاتے رہے اور بغیر توبہ کئے ہوئے دنیا سے چلے گئے۔أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ یہاں پر آخرت میں لعنت مراد ہے اور الناس میں حق چھپانے والے مولویوں کے شاگرد، مرید، پیروکار بھی داخل ہیں جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 38۔عنکبوت آیت 25۔ میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مطلب رحمت سے دوری اور دائمی جہنم کا دخول ہے۔

تفسیر 162: (فِيهَا) ضمیر لعنت کی طرف راجع ہے جس سے مراد جہنم ہے (لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ) العذاب میں الف لام عہدی ہیں یعنی وہ عذاب جو کافر کیلئے پہلے سے مقرر کیا گیا ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی بلکہ وہ بڑھے گا اگرچہ جہنم والوں کے عذاب میں تفاوت ضرور ہوگا جیسا کہ ابوطالب کا عذاب دو جوتوں کے پہنانے کا ہے جس سے اس کا دماغ ابلے گا (صحیح بخاری کتاب المناقب الانصار 3885-6196)(اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ)

(وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ) یہ نظرۃ سے لیا گیا ہے یعنی عذاب میں مہلت اور تاخیر نہیں ہوگی بلکہ ابتداء ہی سے عذاب میں مبتلاء ہو جائیں گے اسی طرح توبہ اور عذر کرنے کیلئے مہلت بھی نہیں دی جائیگی یا نظر سے ہے یعنی ان کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا۔

فائدہ: لعنت کا مادہ قرآن مجید میں 41 مرتبہ اور اسباب لعنت 9 ذکر ہوئے ہیں:

پہلا سبب: کفر کا ارتکاب۔سورۃ بقرہ آیت 88۔2: عہد شکنی۔سورۃ مائدہ آیت 13۔3: جھوٹ بولنا۔سورۃ آل عمران آیت 61۔4: حق چھپانا۔سورۃ بقرہ آیت 159۔5: ظلم کرنا۔سورۃ اعراف آیت 44۔6: قطع رحمی اور فساد کرنا۔سورۃ رعد آیت 25۔7: پاکدامن پر تہمت لگانا۔سورۃ نور آیت 23۔8: اللہ اور رسول کو تکلیف دینا۔سورۃ احزاب آیت 57۔9: اللہ تعالیٰ کی توہین کرنا۔سورۃ مائدہ آیت 64۔

163 اس آیت سے 176 آیت تک اس حصے کا چوتھا باب ہے:

اس میں توحید کا دعویٰ دہرایا ہے 17 عقلی دلائل ہیں داعیوں کے احوال اور کیفیات کے ذکر کے ساتھ اور انکے انقلابات ہیں پھر مشرکین کو زجر دیا گیا ہے تحلیل وتحریم میں اور خوف دلایا گیا ان کے پیروکاروں کی براءت کرنے پر جو کہ ایک دوسرے سے قیامت کے دن براءت کرینگے یعنی جنہوں نے پیروی کی ہے اور جن کی پیروی کی گئی دونوں ایک دوسرے سے براءت کریں گے۔167 تک پھر شرک فی التحریم (اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو حرام ماننے) کا رد ہے اور اکابر کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طریقے کو دلیل بنانے کا بھی رد کیا گیا ہے اور ان کیلئے مثال دی گئی ہے پھر ایمان والوں کو اس مسئلہ میں خاص خطاب ہے پھر ان چار چیزوں پر جو تمام ادیان سماوی میں اتفاقی حرام ہیں انکی تحلیل کا رد پھر دنیا کے حصول کیلئے حق چھپانے والوں کیلئے سخت تخویف ہے۔ ربط: سابقہ آیت سے یہ ہے کہ جب حق چھپانے والوں کو زجر اور تخویف ذکر ہوئی تو اب اس حق مسئلہ کا اظہار ہو رہا ہے جو یہودیوں نے چھپایا تھا اور شرک فی التحلیل والتحریم میں مبتلاء ہوئے تھے۔

ع

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾ اور تمہاری بندگی کا حقدار معبود حقیقی ایک ہی تو ہے نہیں ہے کوئی بندگی کا حقدار مگر وہی عام مہربان اور خاص رحم کرنے والا ہے۔" [163] "یقیناً آسمانوں و زمین کی پیدائش اور دن رات کے آنے جانے (تبدیلی) میں اور وہ کشتیاں جو چلتی ہیں سمندر میں لوگوں کے فائدے کے لئے اور جو اتارا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی تو تازہ کیا اس کے ذریعے زمین کو اس کے بنجر ہونے کے بعد اور ہر قسم کے جانداروں کو اس میں پھیلایا اور ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کو زمین و آسمان کے مابین ٹھہرانے میں اس قوم کیلئے توحید کے دلائل ہیں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) جو عقل رکھتی ہے۔" [164]

تفسیر 163: اس آیت میں توحید کا دعویٰ ہے دو تعبیرات کے ساتھ اور اسکی علت بھی مذکور ہے۔ اول جملہ (وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ) قرآن مجید میں 6 مرتبہ مذکور ہے اور دوسرا جملہ 30 مرتبہ مذکور ہے۔

لفظ الٰہ کی تحقیق: اہل لغت نے اس کی لغوی تعریف میں بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ اَلَهَ عَبَدَ کے معنی میں ہے لہٰذا اِلٰہ لغت کے اعتبار سے معبود کے معنی میں ہے البتہ عرف میں معبود حقیقی کے ساتھ خاص ہے۔ دوم: یہ اَلِهْتُ اِلَيْهِ سے لیا گیا ہے جو سکون اور آرام کے معنی میں ہے لہٰذا الٰہ وہ ذات ہے جس کو یاد کرنے سے انسانوں کے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ سوم: اَلِهْتُ اِلَيْهِ اس معنی میں ذکر ہوا ہے کہ سختی پریشانی میں اس کو بلایا جائے تو الٰہ وہ ذات ہے جسکو پریشانی میں پکارا جائے۔ چہارم: یہ اَلِهَ الْفَصِيْلُ سے لیا گیا ہے یعنی بچھڑے کا اپنی ماں سے محبت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتا تو الہ وہ ذات ہے جس سے عابد دل سے محبت کرتا ہے۔ پنجم: یہ لَاهَ يَلِيْهُ سے لیا گیا ہے پردے کے معنی میں ہے تو الٰہ وہ ذات ہے جو عقلوں نظروں سے دنیا میں پردے میں ہے یعنی چھپا ہوا ہے۔ ششم: یہ وَلِهَ يَوْلَهُ سے لیا گیا ہے، حیران ہونے کو کہا جاتا ہے تو معنی یہ ہوا کہ الٰہ وہ ذات ہے جس کی شان، شوکت، اور عظمت سے پوری کائنات حیران ہو۔ ہفتم: وَلِهْتُ إِلَيْهِ سے لیا گیا ہے۔ التجاء اور حاجت طلب کرنے کے معنی میں ہے یعنی الٰہ وہ ذات ہے جس سے حاجت روائی کی جا سکتی ہے اور وہ حاجتوں کو پوری کرنے پر قادر ہے۔ مولانا رومی نے امام سیبویہ سے یہ قول مثنوی ص130 دفتر 4 میں نقل کیا ہے، معلوم ہوا کہ مذکورہ تمام معنوں میں اللہ تعالیٰ الٰہ ہے۔ اور قرآن مجید کی اصطلاح میں الٰہ کے دو اطلاقات ہیں۔ اول عام اطلاق ہے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 46 سورۃ نمل آیت 60 تا 64 اور سورۃ القصص آیت 71۔72 ان سب کا حاصل یہ ہے کہ نظام چلانے والا کائنات میں تصرفات کرنے والا، حاجات پوری کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس کی تائید میں عبدالقادر جیلانی کا قول ہے کہ وہ ذات جس پر تو اعتماد کرتا ہے اس سے ڈرتا ہے اس سے امید رکھتا ہے تو وہ الٰہ ہے۔ الفتح الربانی ص52، 57۔ دوسرا مصداق الٰہ وہ ذات جو بندگی عبادت کا حقدار ہو دعا اور اطاعت کا مستحق ہو اس معنی میں قرآن مجید میں کثرت سے آیا ہے، ان دو جملوں میں بعض وجوہات سے فرق ہے پہلا سبب یہ ہے کہ پہلے جملہ میں توحید صراحتاً اور رد شرک ضمناً ہے اور دوسرے جملہ میں توحید ضمناً اور رد شرک صراحتاً ہے۔ دوسرا سبب: اول جملے میں الٰہ کا اول معنی ہے دوسرے جملے میں الٰہ کا دوسرا معنی ہے۔ تیسرا سبب: پہلے جملے میں الٰہ اکبر کا تذکرہ اور اس کی توحید ہے اور دوسرے جملہ میں الٰہ اصغر کے بارے میں وہم کا جواب ہے سبب چہارم: اول جملہ میں الٰہ کے تعدد کی نفی مقصد ہے جبکہ دوسرے جملہ میں اثبات وحدت مراد ہے۔ سبب خامس: اول جملہ میں اثبات توحید ہے ماضی اور حال میں جبکہ دوسرے جملہ میں اثبات توحید مستقبل میں ہے۔ وَّاحِدٌ ابن جریر نے فرمایا ہے کہ وحدت چار قسم کی ہے اول قسم وحدت جنسی (نوعی) ہے، دوم وحدت وہ جو تقسیم قبول نہیں کرتی ہے۔ سوم: مثل اور اتفاق کے معنی میں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک ہیں۔ چہارم: جس کی تشبیہ اور نظیر نہ ہو، یہاں پر آخری معنی مراد ہے۔ اور علامہ نیشاپوری نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے ذات میں اس کا تقسیم نہیں ہے اور واحد ہے صفات میں اس کا تشبیہ نہیں ہے واحد ہے کاموں میں اس کا شریک نہیں ہے اور مفسر خازن نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں واحد یہ ہے کہ اس کی نظیر نہیں ہے یعنی (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) اور واحد ہے الوہیت اور ربوبیت میں اور توحید کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تشبیہ قسم شریک کی نفی کی جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمُ یہ دو مزید خبریں ہیں اِلٰـهُكُمۡ کیلئے یا مقدر مبتداء کیلئے یا پھر ھو ضمیر سے بدل ہے اس کی صفت نہیں ہوسکتی اور سابقہ جملہ کیلئے یہ دونوں دلیل ہیں۔ یعنی بڑی بڑی نعمتوں کا دینے والا جو کہ رحمٰن ہے اور باریک چھوٹی اور جزئیات فروع کی نعمتوں کا دینے والا جو کہ رحیم ہے اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا جو بھی ہے وہ یا تو نعمتیں ہیں یا مُنۡعَمۡ عَلَيۡهِمۡ ہیں اور وہ مخلوق ہے الوہیت کی حقدار نہیں ہوسکتی۔

فائدہ 1: مفسر نسفی نے لکھا ہے کہ هُوَ اِلَّا میں هُوَ محل رفع میں واقع ہے کیونکہ لا الٰہ کے محل سے بدل ہے جو کہ رفع ہے۔ اور نصب کے محل میں نہیں ہے کیونکہ بدلیت میں اعتماد دوسرے بدل پر ہوتا ہے اور نصب دلالت کرتا ہے کہ اعتماد اول پر ہوتا ہے امام قرطبی نے اشارہ کیا ہے کہ الا استثناء کیلئے ہے انہوں نے لکھا ہے کہ یہ نفی اور اثبات ہے پہلے میں کفر ہے اور دوم میں ایمان ہے یعنی لَا مَعۡبُوۡدَ اِلَّا اللّٰہُ مگر یہ قول درست نہیں اور قرطبی کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

فائدہ 2: لا کی خبر میں دو قول ہیں پہلا قول اکثر علماء کا ہے کہ اس کی خبر مقدر ہے تو بعض نے لفظ مقدر (وَجُوۡدٌ) مانا ہے بعض نے (لَنَا) اور بعض نے (بِحَقٍّ) مانا ہے۔ دوسرا قول امام رازی اور دیگر اہل علم کا ہے کہ مقدر عبارت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وجود اور امکان دونوں مطلق الٰہ کی نفی ہے اور یہ حاصل ہوتا ہے ماہیت کی نفی میں یعنی الٰہ کی ماہیت کی نفی سوا اللہ تعالیٰ کے۔ پہلے قول والوں کا کہنا ہے کہ مشرکین نے ماہیت اور امکان میں جھگڑا نہیں کیا ہے بلکہ ان کا جھگڑا وجود میں تھا جبکہ بلاغت میں رعایت مخاطب کی ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں پر فی الوجود یا موجود لفظ مقدر ہے مگر میرے نزدیک دوسرا قول راجح ہے کیونکہ توحید خالص یہ ہے کہ غیر اللہ کے امکان کی نفی کی جائے۔ فائدہ 3: کلمہ اِلَّا میں دو قول ہیں پہلا قول اکثر علماء کا ہے کہ الا استثنائیہ ہے تو پہلا نفی ہے اور پھر استثناء کے ساتھ اثبات ہے جیسا کہ امام قرطبی کا قول گزر گیا ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ اِلَّا صفتیہ ہے جو کہ غیر کے معنی میں ہے اور یہ قول لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا سورۃ انبیاء آیت 22 میں امام سیبویہ، کسائی اور دیگر جمہور نحویوں سے منقول ہے۔ میرے نزدیک دوسرا قول راجح ہے کیونکہ پہلے قول میں معنی یہ بنتا ہے کہ نہیں ہے ایسا الٰہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے مستثنیٰ ہو اور یہ تو توحید نہیں ہے۔ اسی طرح لَاۤ اِلٰهَ سے کفر لازم آتا ہے اور اِلَّا اللّٰهُ سے ایمان ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی خالص توحید سے منافات رکھتا ہے۔ اور جبکہ غیر کی جگہ پر اِلَّا قائم ہے اور اس پر اعراب نہیں آسکتا تو رفع کا اعراب لفظ اللہ پر جاری کیا گیا۔ اس کلمہ توحید کی تشریح پر امام زرکشی اور ابن رجب نے رسائل تحریر کئے ہیں اور امام رازی نے سیر حاصل بحث عمدہ انداز میں کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 164: اس آیت میں توحید کے اثبات کیلئے عقلی دلائل کا ذکر ہے اور یہ دس چیزوں کے احوال اور انقلابات سے استدلال ہے۔ پہلا اور دوسرا تو اس لفظ میں ہے (اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ) لفظ خلق میں زمین و آسمان کے احوال کی طرف اشارہ ہے آسمانوں کے احوال سے مراد بغیر ستونوں کے قائم کر کے ان کو بلندی دینا، بہترین رنگ دینا اور عیب و نقصان سے محفوظ کرنا گرنے سے ان کی حفاظت کرنا اور شیطانوں سے حفاظت اور اس میں سورج چاند اور ستاروں کے احوال وغیرہ اور زمین کے احوال یہ ہیں کہ زمین میں فراخی پیدا کرنا اس کو بستر کی طرح بچھا دینا اس میں درخت، نہریں، پہاڑ، دریا، معدنیات، راستے، سڑکیں وغیرہ۔ تیسرا، چوتھا استدلال ان الفاظ میں ہے وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ یعنی انکا اختلاف آنے جانے میں اندھیرے اور روشنیاں، راتوں کا بڑا ہونا دنوں کا چھوٹا ہونا اور اسی طرح دنوں کا بڑھ جانا اور راتوں کا گھٹنا راتوں میں نیند آرام، دنوں میں معاش، کیلئے گھومنا پھرنا وغیرہ، دیگر بہت سے فوائد ہیں۔ پانچواں اس لفظ میں مذکور ہے وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ اس میں فلک کے احوال ہیں یعنی چھوٹی کشتیاں اور لانچ اور بڑے سمندری جہاز جو کہ سمندر میں تیرتے ہوئے سفر کرتے ہیں مگر غرق نہیں ہوتے اور سمندر کے احوال یعنی قیمتی پتھر، لولو و المرجان، مچھلیاں، سونا، چاندی، وغیرہ۔ امام بیضاوی کا قول ہے کہ اصل مقصد سمندر کے احوال سے استدلال تھا مگر سمندر سے فائدہ لینے کیلئے ذریعہ ذکر کیا جو کہ کشتیاں ہیں اور سمندر کا ذکر موخر کیا (بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ) سمندروں کے ذریعے سے تجارات عبادات وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور اس لفظ میں اشارہ ہے کہ سمندر میں سفر تجارت یا عبادت کیلئے ہے اس کے علاوہ سفر درست نہیں، نیز حدیث میں منع مذکور ہے۔ چھٹا اس لفظ میں ذکر ہے (وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ) بارش کے پانی کے احوال اور فائدوں کی طرف اشارہ ہے مخلوق کیلئے پینا اور اسکے ساتھ طہارت حاصل کرنا، لباس وغیرہ دھونا۔ ساتواں اس لفظ میں ذکر ہے (فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا) فائدوں اور احوال کا ذکر ہے جو پودوں اور درختوں سے حاصل ہوتے ہیں یعنی میوے پھل فروٹ، غلہ جات اور اس میں سے مختلف چیزیں بنانا فَاَحۡیَا حیات سے مراد قوت نباتیہ اضافیہ مراد ہے اور موت سے مراد سوکھنا اور قوت نباتیہ کا کمزور ہونا ہے۔ آٹھواں اس کا ذکر اس لفظ میں ہے (وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ) یہ ما انزل یا اَحیاء پر عطف ہے یعنی بارشوں کے ذریعے سے ساری زمین میں جانور حیوان حشرات اور درندے پیدا کئے ہیں اور پھیلائے ہیں اور ان کے بالوں اونوں چمڑوں سے فائدے حاصل کرنا گوشت دودھ ہڈیوں سے فائدے لینا یعنی مختلف اقسام واحوال اس میں بھی ہیں۔ نواں دسواں ان لفظوں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے (وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ) ہواؤں کے احوال اور اقسام جیسا کہ باد قبول جسکو باد صباء کہتے ہیں اور مشرق کی جانب سے آتی ہے جبکہ ،،باد دبور،، اسکے مقابل ہے اور وہ عذاب کیساتھ خاص ہے اور باد شمال جو قطب کی طرف سے آتی ہے باد جنوب اس کے مقابل ہے اور لفظ تصریف میں ان کی اقسام اطراف صفات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض رحمت کیلئے تو بعض عذاب کیلئے ہیں اور احوال سحاب ان کی اقسام ہیں سفید بادل کالے سرخ میٹھیا لے پتلے اور بڑے تہہ بہ تہہ اور مختلف اطراف میں چلنا پھرنا۔ (الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ) یہ ریاح اور سحاب دونوں کیلئے صفت ہے یا پھر صرف سحاب کیلئے ہے ابر اس سے مراد زمین و آسمان سے تعلق کے بغیر صرف حکم ربانی سے چلتا ہے (لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ) یہ اِنَّ کا اسم ہے مراد آیت سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر واضح دلائل ہیں توحید کی تمام اقسام ان دلائل سے معلوم ہوتی ہیں اس طرح دہریوں کا رد کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات پر بھی یہ دلالت کرتے ہیں اور یہ آیت دلائل علویہ، سفلیہ، وسطیہ، زمانیہ، برّیہ، بحریہ، مائعات، حیوانات، نباتات، جمادات، وغیرہ پر مشتمل ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ "اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اوروں کو اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا کر ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہئے جبکہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں اور اگر بھجتے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا ہے جب دیکھ لے اللہ کے عذاب کو اس بات کو کہ یقینی طور ساری طاقت ایک اللہ کی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (تو یہ شرک نہ کرتے)۔" [165] "جب جدائی اختیار کر لیں گے وہ لوگ جن کی تابعداری کی گئی ہے ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی تابعداری کی ہیں، اور یہ دیکھ لیں گے عذاب کو اور ختم ہو جائیں گے ان کے تعلقات ایک دوسرے سے۔" [166]

تفسیر 165 : توحید کے واضح دلائل ذکر کرنے کے بعد اب ان لوگوں کو جو شرک فی التحلیل والتحریم میں مبتلاء ہیں سخت زجر کیا جا رہا ہے۔ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) الناس کا مصداق اہل کتاب اور مشرک اَن پڑھ دونوں مراد ہیں، اَنْدَادًا جو نِدٌّ کی جمع ہے اس کی تفسیر گزر چکی ہے: احبار، رہبان، اوثان یعنی پیر مولوی بت سب کو شامل ہے، لیکن بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے اپنے پیروں، مولویوں کی شرکی تقلید کی تھی جیسا کہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ کے اس قول میں ہے (اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ) سورۃ توبہ آیت 31۔ یہ قول اس لئے راجح ہے کہ یُحِبُّوْنَهُمْ میں عقلاء کی ضمیر ہے اور محبت کا وصف بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور قیامت کے دن ایک دوسرے سے براءت بھی اس پر دلیل ہے۔ (تفسیر البحر المحیط)۔ لہٰذا اَنْدَاد سے مراد اس مقام میں اطاعت میں شرکاء ہیں اور اسی طرح امام ابن جریر، رازی اور نیشاپوری نے بھی لکھا ہے۔ (یُحِبُّوْنَهُمْ) امام نیشاپوری نے لکھا ہے کہ ان سے محبت کرتے ہیں عبادت کے طور پر قربت عاجزی فرمانبرداری کے طور پر اور انکی محبت کرنا عام ہے عبادت اطاعت دونوں کو شامل ہے یعنی ان کیلئے سجدے کرتے ہوئے تحلیل وتحریم میں ان کی اطاعت کرتے ہیں (كَحُبِّ اللّٰهِ) اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی گئی ہے اور فاعل مقدر ہے جو کہ ضمیر (هُمْ) ہے اور اس میں دو احتمال ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور تشبیہ محبت کے ثبوت میں ہے یعنی مشرکین بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تعظیم کرتے ہیں اس کے نام کے نذرانے پیش کرتے ہیں دعاء اس سے طلب کرتے ہیں اور اسی طرح محبت اپنے معبودوں کے ساتھ بھی کرتے ہیں، یا پھر تشبیہ محبت کے وجوب میں ہے یعنی ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت واجب ہونے کی طرح غیر اللہ کی محبت بھی واجب ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر (هُمْ) ہے اور مقدر مومنین کی طرف راجع ہے معنی یہ ہے کہ مشرکین کی محبت اپنے معبودوں کے ساتھ مشابہ ہے مومنین کی محبت کے ساتھ جیسے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اول احتمال بہتر ہے کیونکہ مومنین کی محبت بعد والے جملے میں مذکور ہے (كَحُبِّ اللّٰهِ) امام ابن قیم نے لکھا ہے کہ حب اللہ تین قسم پر ہے۔ 1: محبت فی اللہ محب للہ یہ دونوں مومنین کی صفات ہیں جبکہ تیسری محبت مع اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبودان باطلہ کو بھی محبت میں شریک ٹھہراتے ہیں تیسری اور آخری محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ اپنے معبودوں کو شریک کرتے ہیں۔ (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) اس جملہ میں مومنین اور مشرکین کی محبت کی تمیز کرنا مقصود ہے امام ابوحیان نے ،، البحر المحیط،، میں اور دیگر مفسرین نے بھی اس کیلئے بہت ساری وجوہ ذکر کی ہیں۔ پہلی وجہ اور سبب یہ ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ سے شرعی محبت کرتے ہیں جو کہ پہلے عبادت میں افراد و وحدانیت ہے۔ دوسری: مومنین کی معرفت الٰہی جو موجب محبت ہے۔ تیسری: انکی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ غائب ہونے کے باوجود ہے۔ چوتھی: اللہ تعالیٰ کی خود شہادت مومنین کی محبت کرنے پر ان الفاظ میں (يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ) سورۃ مائدہ آیت 54۔ پانچویں: مومن کا متوجہ ہونا ہے، فراوانی اور تنگ دستی میں۔ چھٹی: اللہ تعالیٰ کی محبت کو کسی اور کی طرف منتقل نہیں کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں کسی بھی اوقات میں۔ ساتویں: وجہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکموں کو تسلیم کرتے ہیں۔ آٹھواں حب: اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے اور وسیلے اور سفارشی نہیں بناتے ہیں، جبکہ مذکورہ تمام امور میں مشرکین برعکس ہیں لہٰذا ان تمام وجوہات کی 32/32
بنا پر مومنین کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ سخت مضبوط اور قوی ہے (وَلَوۡ یَرَى الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا) اس میں عذاب کے ساتھ تخویف ہے اور اشارہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی کامل قوت کو نہیں مانتے اور نہ ہی سخت عذاب کو مانتے ہیں اس وجہ سے شرک کرتے ہیں۔ (لَوۡ) شرطیہ ہے تمنا کیلئے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمنا کرنے سے پاک ہے (یَرَى) اس میں دو توجیہات ہیں پہلی یہ ہے کہ یہ آنکھوں کی رؤیت سے لیا گیا ہے یعنی ایک فاعل اور ایک مفعول چاہتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ علمی رؤیت سے لیا گیا ہے جو علم کی معنی میں ہے لہٰذا ایک فاعل اور دو مفعول چاہتا ہے۔ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا یہ یَرَى کیلئے فاعل ہے ظلم سے مراد شرک ہے یعنی اتخاذ انداد کا ظلم کیا ہے (اِذۡ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ) یری کا مفعول اس سے قبل مقدر ہے پہلی توجیہ کے مطابق یعنی حَالَ أَنۡفُسِہِمۡ اور (اِذۡ) متعلق ہے حال کے ساتھ۔ اِذۡ جب مضارع پر داخل ہو جائے تو اِذَا کا معنی دیتا ہے اور اِذَا وقتیہ مصدریہ ہے۔ اَنَّ الۡقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا اول توجیہ میں تو اس سے قبل لَوۡ کی جزاء مقدر ہے۔ یعنی لَعَلِمُوۡا اور اَنَّ الۡقُوَّۃَ لَعَلِمُوۡا کیلئے مفعول ہے اور یہ دیکھنا اور علم ہے بقول عطاء قیامت کا دن مراد ہے۔ قوت بمعنی قدرت اور تمکن مراد ہے یعنی قدرت ہر چیز پر صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے ان کے بزرگوں کو نہیں لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں ہو سکتے۔ (وَاَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ)۔ یہ اَنَّ الۡقُوَّۃَ پر عطف ہے اور شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ سے مشرکین کو ہمیشہ کیلئے شدت عذاب مراد ہے۔ اور دوسری توجیہ یعنی جب رؤیت علم کے معنی میں لی جائے تو اَنَّ الۡقُوَّۃَ معطوف معطوف علیہ ہے، یری کیلئے دو مفعولوں کی جگہ قائم ہے اور آخر میں جزاء مخفی مراد ہے یعنی لَمَا اَشۡرَکُوۡ أَوۡلَمَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا۔

تفسیر 166: اِذۡ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ سے بدل ہے یعنی عذاب دیکھنے کے وقت باطل الٰہ سے برائت ہوگی اور اس میں ایک اشکال کا خاتمہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا معبودان باطلہ ان سے عذاب ٹالنے پر قادر ہیں؟ تو جواب ہوا کہ وہ تو ان سے براءت کر لیں گے اور عذاب نہیں ٹال سکیں گے (اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا) کسی کی ذمہ داری اور نقصان سے اپنے آپ کو بچانے کو براءت کہتے ہیں۔ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا یہ ملائکہ، جنات، صالحین اور مبتدعین سب کیلئے عام ہے یعنی باطل پرست مولوی پیر بھی اس میں داخل ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام قرطبی نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ البتہ صالحین کی براءت اس اعتبار سے ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کو علم نہیں ان اعمال وغیرہ کے متعلق جبکہ باطل پیشواؤں کا براءت دہ انکار کرنا ہے اپنے پیروکاروں کی گمراہی سے اور ان پر جبر کرنے سے۔ پہلے کی تصدیق سورۃ فاطر آیت 14۔ سورۃ احقاف آیت 5-6۔ سورۃ مریم آیت 82۔ سورۃ یونس آیت 28-29 میں ہے دوسرے کی تصدیق سورۃ سباء آیت 31-32۔ سورۃ ابراہیم آیت 21,22۔ سورۃ عنکبوت آیت 25۔ سورۃ ص آیت 60۔ سورۃ احزاب آیت 68 میں ہے۔ (مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا) اس سے ان کے شاگرد مرید مقلدین مراد ہیں اور اتباع سے مراد بے دلیل باتوں کی تقلید ہے۔ (وَرَاَوُا الْعَذَابَ) یہ جملہ حال ہے یا تَبَرَّاَ پر عطف ہے۔ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ اسباب سے مراد عذاب سے بچنے کیلئے حیلے بہانے اور نجات کے طریقے ہیں۔ یہ پیری مریدی، شاگردی، استاذی کے تعلقات ہیں کہ سب ختم ہو جائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ "اور پیروکار کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے تو ہم بھی ان سے ایسے بیزار ہو جائیں گے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ انکے اعمال ان کیلئے حسرت کے طور پر دکھائے گا اور یہ ہرگز جہنم سے نہیں نکلیں گے" [167] "اے لوگو کھاؤ (حلال تسلیم کرو) اس میں سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ اور شیطان کے (طریقوں) قدموں کی پیروی مت کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" [168]

تفسیر 167: اس آیت میں پیروکاروں کا اپنے قائدین سے براءت کرنے کے ارادے کا ذکر ہے جب کہ ان کے براءت کا مطلب یہ ہے کہ انکی پیروی اور عبادت کرنا چھوڑ دے اور اس کی جگہ تو دنیا ہے اس وجہ سے وہ دنیا میں پلٹنا چاہتے ہیں تا کہ ان سے قطع تعلق اختیار کریں (كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا) اس مقام میں تشبیہ صرف براءت میں ہے جبکہ براءت کے طریقے جگہیں الگ الگ ہیں اور ان کی یہ تمنا اور وعدہ جھوٹ پر مبنی ہے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 28 میں ذکر ہے
(كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ) اگر يُرِيْهِمُ سے نظر علمی مراد ہے تو پھر حسرات تیسرا مفعول ہے اور اگر بصری نظر مراد ہو تو پھر یہ حال ہے اور ندامت کے معنی میں ہے یا پھر مفعول لہ ہے۔ اَعْمَالَهُمْ سے سارے برے اعمال مراد ہیں جیسا کہ شرک، انکار قرآن، انکار رسول، انکار قیامت، اور اللہ تعالیٰ کے دیگر حقوق میں کوتاہیاں یعنی جب اعمال کے برے انجام جب ان کو ظاہر ہونگے تو افسوس اور ندامت ان کے کرنے پر کرینگے جیسا کہ سورۃ الحجر آیت 2

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں توحید قبول کرنے کیلئے افسوس کا ذکر ہے اور سورۃ انعام آیت 27 میں آیتوں کی تکذیب پر ندامت کا ذکر ہے۔ سورۃ فرقان آیت 27 میں رسول کے انکار اور مخالفت پر افسوس اور ندامت کا ذکر ہے اور سورۃ انعام آیت 31 میں انکار قیامت پر افسوس کا ذکر ہے سورۃ زمر آیت 56 میں حقوق اللہ میں کوتاہیوں پر ندامت اور افسوس مذکور ہے اس افسوس کی وجہ سے قیامت کو یوم الحسرت کہا جاتا ہے۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ اس میں ایک اشکال کو ختم کیا گیا ہے کہ اس افسوس و ندامت پر جہنم سے نجات مل سکتی ہے تو جواب ہوا کہ نہیں وہ اس میں ابدی رہیں گے۔

فائدہ: عبادت کرنے والے اور جن کی عبادت ہوئی ہے اور پیروی کرنے والے اور جن کی پیروی کی گئی ہے براءت کے متعلق تین قسم کی آیات ہیں۔ پہلی قسم: وہ صالحین لوگ جن کی عبادت کی گئی ہے انہوں نے عبادت کرنے والوں کو اپنی عبادت کا نہ تو کوئی حکم دیا ہے اور ان کے حال سے بھی خبر نہیں ہیں۔ یہ بہت سی آیتوں میں ہے۔ مثلاً سورۃ یونس آیت 29،28 سورۃ نحل آیت 87،86 سورۃ مریم آیت 82،81 سورۃ فرقان آیت 17، 18 سورۃ قصص آیت 64 سورۃ سباء آیت 41، 42 سورۃ احقاف آیت 5، 6، 28۔ دوسری قسم: وہ معبود جو گمراہ ہیں اور گمراہی کا راستہ بھی اپنے مقلدین کو بتایا ہے۔ یہ بھی بہت سی آیتوں میں ہے، مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔ سورۃ اعراف آیت 38، 39 سورۃ ابراہیم آیت 21، 22 سورۃ شعراء آیت 96، 97 سورۃ قصص آیت 62، 63 سورۃ عنکبوت آیت 25 سورۃ احزاب آیت 67، 68 سورۃ سباء آیت 31، 32 سورۃ صافات آیت 28 تا 32 سورۃ ص آیت 59، 60 سورۃ مومن آیت 47، 48۔ تیسری قسم: وہ آیتیں ہیں جو مذکورہ دونوں قسموں سے متعلق ہیں۔ ان آیتوں میں سے ایک یہ آیت ہے جیسا کہ امام قرطبی و ابن کثیر سے منقول ہے اس آیت میں تقلید کا رد ہے۔

تفسیر 168: ربط: شرک فی التحلیل والتحریم تقلید شرکی کا رد کرنے کے بعد اب غیر اللہ کی تحریم کا رد ہو رہا ہے۔ امام ابوحیان نے فرمایا اس آیت میں ہر اس شخص کا رد ہے جس نے اپنے آپ پر بعض چیزیں حرام کر رکھی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام نہیں ہیں اور اس کی بہت اقسام ہیں۔ پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں سے انکار کرتے ہوئے اپنے آپ پر خواہش سے چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ دوسری قسم: وہ جن کی نسبت اپنے معبودوں کی طرف کرتے ہیں اور اپنے اوپر ان کو حرام کرتے ہیں۔ جیسا کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ اور اس کے کھانے سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ دل میں معبودوں کے ضرر سے خوف رکھتے ہیں۔ تیسری قسم: وہ چیزیں ہیں جو انہوں نے رہبانیت کی وجہ سے اپنے اوپر حرام کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں یعنی لذیذ کھانے مشروبات وغیرہ جیسا کہ بعض پیر خود بھی اور اپنے مریدوں پر بھی بعض کھانوں کو حرام کرتے ہیں یہ آیت (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ) صیغہ کے ساتھ ان سب کو شامل ہے اور سورۃ مائدہ آیت ۱ میں صرف آخری قسم کا رد ہے کہ ایمانی دعوے کے باوجود اپنے آپ پر رہبانیت کی وجہ سے حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اسلئے وہاں پر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز اس سورت میں یہ خطاب دوسری مرتبہ ذکر ہوا ہے پہلی مرتبہ شرک فی العبادت کا عمومی رد ہوا تھا اور اب اس آیت میں شرک فی التحلیل والتحریم کا عمومی رد ہو رہا ہے۔ (كُلُوْا) یہاں پر كُلُوْا میں امر سے مراد کھانے کو واجب اور ضروری کرنا نہیں بلکہ حرام کردہ چیزوں کی اباحت کا ایجاب ہے یعنی (حرام مت جانو)۔ (مِمَّا فِي الْاَرْضِ) مِنْ تَبْعِيْضِيَه ہے کیونکہ تمام چیزوں کو کھایا نہیں جا سکتا یا پھر مِنْ ابتدائیہ ہے۔ (حَلٰلًا) یا (كُلُوْا) کا مفعول ہے یا (مِمَّا فِي الْاَرْضِ) سے حال ہے۔ طَيِّبًا حلال اور طیب میں بہت اقوال ہیں:۔ پہلا قول: امام مالک کا ہے کہ حلال اور طیب کا معنیٰ ایک ہے اور طیب حلال کیلئے تاکید ہے۔ دوسرا قول: امام شافعی کا ہے کہ طیب سے مراد لذت والا ہے لہٰذا جو چیز گل گئی بدبودار ہو گئی ہو اس کے کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ تیسرا قول: امام زمخشری کا ہے کہ طیب وہ ہے جو ہر قسم کے شک شبہ سے پاک ہو۔ چوتھا قول: سنادندی کا ہے انہوں نے کہا ہے کہ حلال وہ ہے جسکی اجازت شریعت نے دی ہو اور طیب وہ ہے جسکو طبیعت پسند کرتی ہو۔ پانچواں قول: حلال وہ ہے کہ مفتی اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دے اور طیب وہ ہے جس کے حلال ہونے کی دل شہادت دے دے۔ (البحر المحیط)۔ چھٹا قول: حلال وہ ہے جسکی کل جنس حلال ہو اور طیب وہ ہے جس کے ساتھ کسی اور کا حق منسلک نہ ہو۔ مفسر نیشاپوری۔ ساتواں قول: حلال وہ ہے جسکی شریعت نے اجازت دی ہو اور طیب وہ ہے جو بدن اور عقل کو ضرر اور نقصان نہ دیتا ہو۔ (ابن کثیر)

(وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شیطان کی پیروی اور گناہ کبیرہ یعنی شرک ہے خُطُوٰتِ، خُطْوَةٌ کی جمع ہے اور اس فاصلہ اور مقدار کو کہا جاتا ہے جو دو قدموں کے درمیان رفتار کے وقت ہوتا ہے۔ امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ سنت اور شریعت کے ماسوا باقی تمام بدعات اور گناہوں کو یہ لفظ عموم کی وجہ سے شامل ہے اور فرمایا ہے کہ خلاف شریعت ہر عمل کی نسبت شیطان کی طرف ہوتی ہے۔ ابن جریر نے سنداً ابومجلز سے روایت نقل کی ہے کہ اس سے گناہوں میں نذریں پیش کرنا مراد ہے۔ (اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ) یہ لفظ یا تو لازمی ہے بمعنی ظاہری دشمنی والا یا پھر متعدی ہے تو معنیٰ ہوگا دشمنی ظاہر کرنے والا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿169﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿170﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿171﴾

”یقینی طور پر وہ حکم کرتا ہے (وسوسوں کے ذریعے) تمہیں بری باتوں اور بے حیائی کے کاموں کا اور یہ کہ تم بتاؤ اللہ تعالیٰ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں سمجھتے ہو۔“ [169] ”اور جب ان سے کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اگرچہ ان کے باپ دادا بے عقل اور گمراہ ہوں۔“ [170] ”(دعوت دیے گئے) کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے چرواہے کی صرف آواز سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں انہیں عقل نہیں ہے۔“ [171]

تفسیر 169: اس آیت میں دشمنی ظاہر کرنے کی دلیل ہے اور شیطان کے وسوسوں کی تین اقسام ترتیب کے ساتھ مذکور ہیں۔ پہلا طریقہ: بِالسُّوْءِ ہر صغیرہ کبیرہ گناہ کو شامل ہے گناہ کو سوء اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے انجام سے عمل کرنے والا نادم اور پریشان افسردہ ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ: الْفَحْشَآءِ وہ خاص گناہ ہے جو شریعت کی ممانعت کے ساتھ ساتھ عقل کے رو سے بھی برا مانا گیا ہو جیسا کہ زنا، چوری، جھوٹ، بہتان وغیرہ۔ امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ السُّوْءِ وہ گناہ ہے جس پر حد شرعی مقرر نہیں ہو جبکہ الْفَحْشَآءِ وہ گناہ ہے جس پر حد شرعی مقرر ہو۔ (وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ) یہ سب سے بدترین گناہ ہیں کیونکہ جو چیز وحی کے ذریعے سے ثابت نہ ہو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا عظیم گناہ ہے اور یہ شیطان کے وسوسے کا خاص طریقہ ہے کہ گناہوں کو مزین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی نسبت کرتا ہے اور گناہ کو اطاعت الٰہی ثابت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا یعنی (تَقَوُّلْ عَلَى اللّٰهِ) ہر شرک اور بدعتی کا وتیرہ ہے۔ تَقُوْلُوْا کے صلے میں عَلٰی جھوٹ بنانے پر دلالت کرتا ہے۔ (لَا تَعْلَمُوْنَ) شریعت میں معلوم چیز وہ ہے جو وحی جلی یا خفی سے ثابت ہو تو جو وحی سے ثابت نہ ہو پھر بھی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی طرف کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لفظ اِنَّمَا جو حصر کیلئے ہے دلالت کرتا ہے کہ شیاطین کے وسوسے ان تین چیزوں سے باہر نہیں ہیں۔

سوال: يَاْمُرُكُمْ دلیل ہے کہ شیطان ہر ایک کام صیغہ امر سے ذکر کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر وقت تو فرائض واجبات سے منع کرتا ہے؟ جواب 1: امام بیضاوی نے فرمایا ہے کہ امر خوبصورت کرنے اور آگے صفت کرنے سے کنایہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جواب 2: امر اصل میں طلب کو کہا جاتا ہے تو شیطان انسانوں کا ہر گناہ اور گمراہی طلب کرتا ہے لہٰذا امر میں تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر آیت 170: شرک کی تردید کے بعد اب ان کی دلیل پر جو کہ آباء واجداد کی پیروی ہے ان کا رد ہو رہا ہے۔ (وَاِذَا قِيْلَ) صیغہ مجہول قِيْلَ اور اِذَا عمومیت کیلئے ہے یعنی جس وقت کوئی بھی شخص جب انکو ایسی دعوت دین دے۔ (لَهُمُ) اس میں مفسرین کے تین اقوال ہیں:- پہلا قول یہ ہے کہ ضمیر راجع ہے (مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا) کی طرف۔ قول ثانی یہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ میں النَّاسُ کی طرف ضمیر راجع ہے۔ قول ثالث یہ ہے کہ ضمیر یہود کی طرف راجع ہے جب نبی اکرم ﷺ نے ان کو دین اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہمارے اکابر علماء خوب جانتے تھے اور بہتر یہ لوگ تھے ہم ان کی پیروی کرینگے اس بات پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ان تینوں اقوال میں تضاد نہیں ہے کیونکہ مذکورہ عبارتوں کے مصداق بھی یہودی تھے۔ (اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ) مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد وحی جلی اور خفی دونوں ہیں اور دین و شریعت میں دلیل ہے اور دلیل کی پیروی کرنا شریعت میں اتباع کہلاتا ہے۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ میں توحید ایمانیات تحلیل اور تحریم یعنی کل دین داخل ہے۔ قَالُوْا بَلْ۔ یہ لفظ اعراض کیلئے ہے یعنی ہم مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اتباع نہیں کرتے بلکہ (نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا) اَلْفٰى سے مراد پالینا ہے اور یہ لفظ اکثر امور معقولہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اٰبَآءَنَا امام راغب نے مفردات میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد صرف باپ دادا نہیں بلکہ علماء بھی مراد ہیں۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ ہمزہ استفہام توبیخ کیلئے ہے اور زمخشری کے نزدیک واؤ حالیہ ہے اور ابن جریر کے نزدیک برائے عطف ہے اور عبارت میں لفظ يَتَّبِعُوْنَهُمْ وَلَوْ سے قبل مقدر ہے اور لَوْ وَصْلِيَه ہے جسکو جزاء کی حاجت نہیں یا پھر شرطیہ ہے جس کی جزاء مقدر ہے۔ میرے نزدیک اول قول راجح ہے کیونکہ اس میں مبالغہ اور تعمیم ہے۔ امام ابوحیان نے لکھا ہے کہ آباء واجداء کی پیروی کرنے کا یہ رد ہے اور ہر حال میں ان کی پیروی جائز نہیں خاص طور پر کہ جب دلیل نہ ہو اور لَا يَعْقِلُوْنَ الخ بھی ہو۔ (لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا) اس سے حق کا علم مراد ہے اور شَيْئًا مبالغہ کیلئے ذکر ہے۔ وَّلَا يَهْتَدُوْنَ اِهْتِدَاءٌ سے مراد وحی کی پیروی اور اتباع کرنا ہے یعنی حق کا علم اور حق کا عمل ان میں نہیں ہے۔ فائدہ 1: ایسی آیتیں جن میں جاہلوں کا یہ استدلال ذکر ہے یہ ہیں۔ سورۃ مائدۃ آیت 104۔ سورۃ لقمان آیت 21۔ سورۃ زخرف آیت 22،23۔

سوال: مذکورہ تینوں آیتوں میں وَجَدْنَا ذکر ہے جبکہ اس آیت میں اَلْفَيْنَا مذکور ہے تو اس میں کیا حکمت؟ جواب: الفاء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امور معقولہ کے ساتھ خاص ہے جبکہ وجدان عام ہے معقولہ اور محسوسہ دونوں میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس سورتمیں پہلے معبودان باطلہ کی محبت ذکر ہوئی اور محبت امر معقولی ہے اس وجہ سے اَلْفَيْنَا ذکر کیا جبکہ دیگر کی سورتوں میں پہلے امور معقولہ ایمانی مذکور ہیں اور سورۃ مائدۃ میں امور محسوسہ بھی ساتھ مذکور ہیں یعنی بحیرہ، سائبہ وغیرہ تو اس لیے وہاں وَجَدْنَا عام لفظ ذکر کیا۔ سوال: سورۃ مائدۃ میں لَا يَعْلَمُوْنَ فرمایا ہے جبکہ یہاں پر لَا يَعْقِلُوْنَ فرمایا ہے؟ جواب: سابقہ جواب کی طرح ہے کہ علم عام ہے امور محسوسہ اور معقولہ دونوں کو شامل ہے اور مائدۃ میں دونوں چیزوں کا ذکر تھا اور عقل امور معقولہ کے ساتھ خاص ہے اور محبت معقول چیز ہے اسلئے یہاں پر لَا يَعْقِلُوْنَ ذکر کیا۔ سوال: یہاں اور سورۃ لقمان اور سورۃ زخرف میں مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ذکر ہے اور سورۃ مائدۃ میں وَاِلَى الرَّسُوْلِ بھی ساتھ میں ذکر ہے؟ جواب: یہاں اور سورۃ لقمان، سورۃ زخرف میں ایمان اور عقیدے کے مسائل ذکر تھے اس کیلئے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مناسب ہے اور سورۃ مائدۃ میں آداب اعمال جزئیات مذکور ہیں اس کیلئے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے ساتھ اِلَى الرَّسُوْلِ بھی مناسب ہے۔

فائدہ 2: اس آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے تقلید کا رد اور تفصیل لکھی ہے۔ سمرقندی حنفی نے تفسیر بحر العلوم میں لکھا ہے نَهَاهُمْ عَنِ التَّقْلِيْدِ وَاَمَرَهُمْ بِالتَّمَسُّكِ بِالْحُجَّةِ ان کو تقلید سے روکا ہے اور دلیل لینے کا حکم دیا۔ امام ابن عطیہ نے "المحرر الوجیز" میں لکھا ہے کہ اور ان سے قرطبی نے بھی نقل کیا ہے: قُوَّةُ اَلْفَاظِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ تُعْطِيْ اِبْطَالَ التَّقْلِيْدِ اس آیت کے مضبوط الفاظ تقلید کے باطل ہونے کا فائدہ دیتے ہیں۔ امام ابو حیان نے "البحر المحیط" میں لکھا ہے کہ اس آیت میں تقلید کی برائی مذکور ہے اور ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ عقائد میں تقلید کے باطل ہونے پر اجماع ہے امام آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس آیت میں اس شخص کو تقلید سے روکا گیا ہے جو غور و فکر کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور دینی امور میں کسی کی اتباع کرنا دلیل سے متاثر ہو کر تو یہ حقیقت میں مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اتباع ہے نہ کہ تقلید۔ اور امام قرطبی نے اس آیت کے ضمن میں پانچویں مسئلے میں لکھا ہے تقلید حصول علم کا راستہ اور ذریعہ نہیں ہے اور نہ علم کے اصول اور فروع تک یہ پہنچانے والا ہے اور جاہل قسم کے لوگ حشویہ اور ثعلبیہ نے کہا ہے کہ تقلید حق جاننے کا ذریعہ ہے اور واجب ہے اس وجہ سے میں بھی اختصار کے ساتھ مسئلہ تقلید میں 6 مباحث ذکر کروں گا۔

تقلید کی بحث:

اول بحث: تقلید کے معنی لغوی اور عرفی میں ہے امام قرطبی نے لکھا ہے کہ تقلید لغت میں قلادۃ بعیر سے لیا گیا ہے یعنی اونٹ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چلانے کیلئے جو پٹا اس کے گردن میں ڈالا جاتا ہے اس کو قلادہ کہا جاتا ہے گویا کہ مقلد نے اپنے تمام اختیارات لیجانے اور ہنکانے والے کو دیے ہیں جہاں وہ چاہے اسے لیجائے۔ قرآن مجید میں قلائد ان جانوروں کو کہا گیا ہے جن کی گردنوں میں کچھ رسیاں وغیرہ ڈال کے مکہ حرم کی جانب لیجایا جائے، اور کبھی الزام عمل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ کہا جائے قَلَّدَهُ الْعَمَلَ عمل کو اس کے ذمہ ڈالدیا یعنی حوالہ کیا اور عرف میں اسکی بہت تعبیرات ہیں امام قرطبی نے لکھا ہے تقلید کی حقیقت کسی کی بات کو بغیر دلیل کے قبول کرنا ہے۔ دوم: کسی ایسے شخص کے فتوے کی صحت کا عقیدہ رکھنا ہے کہ اسکے قول کی صحت معلوم نہ ہو۔ پہلے معنی کے اعتبار سے جب بغیر کسی دلیل کے قول کی صفت بنائی جائے تو پھر ہر صورت میں تقلید مذموم ہے کیونکہ بے دلیل بات شریعت کے مسائل میں قبول کرنا حرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ سورۃ اسراء آیت 36 یعنی جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس چیز کے پیچھے مت چلو۔ اگر بغیر دلیل کو قبول کے ساتھ متعلق کیا جائے تو پھر تقلید دو قسموں کی طرف تقسیم کی جاسکتی ہے۔ اول محمود، دوم مذموم جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ ابن خویز منداد سے ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ تقلید ایسے قول کی طرف رجوع کرنا ہے کہ قائل کے پاس اس پر کوئی حجت نہ ہو جبکہ شریعت میں ایسا کرنا منع ہے۔ دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ہر وہ شخص کہ تم اس کے قول کی پیروی کرتے ہو بغیر اس سے کہ تم پر اس کا قول واجب ہو واجب کرنے والے کسی دلیل سے تو تم اس کے مقلد ہو (رسالۃ التقلید لابن قیم) اور ابن امیر الحاج نے "التقریر والتحبیر" جو کہ ابن الہمام کی کتاب التحریر کی شرح ہے، میں لکھا ہے کہ مقلد عمل کرتا ہے اس شخص کے قول پر کہ اس کا قول بغیر دلیل کے شریعت میں حجت نہیں ہے اور مراد اس سے عمل شرعی کا جواز اور عدم جواز کا ہے اور یہ تعریف جامع اور مانع ہے، اسلئے کہ اس وضاحت سے طبیب سے علاج کرانا خارج ہوا کیونکہ وہ شرعی عمل نہیں کہلاتا اسی طرح استاد کا شاگرد کو تعلیم دینا بھی اس میں داخل نہیں کیونکہ اس کو امر تعلیمی کہتے ہیں جواز اور عدم جواز کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے اسی طرح قاضی کا 2 گواہوں کی شہادت کا قبول کرنا یہ بھی اس میں شامل نہیں کیونکہ یہ تو دلیل شرعی سے ثابت ہے اور اسی طرح قرآن وسنت صحیحہ پہ عمل پیرا ہونا بھی تقلید نہیں کیونکہ وہ تو حجت شرعیہ میں سے ہے اور قول صحابی کو بھی شروط کے تحت قبول کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شروط کے تحت وہ بھی دلیل ہے البتہ تابعی کے قول میں اختلاف ہے لہٰذا جو لوگ تقلید کے اثبات کیلئے طبیب کے قول کو قبول کرنے کو دلیل بناتے ہیں یا معلم کے قول اور شہادت کی قبولیت یا قبول قول صحابی کو تو یہ لوگ یا تو تقلید کے معنی سے بے خبر ہیں یا پھر تلبیس کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: امام شافعی سے ایک مسئلہ میں منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے عمر فاروق اور عثمان غنی کے قول کی تقلید کی ہے؟

جواب: ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین ج 4 ص 122 میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعی کی مراد اس میں معروف تقلید نہیں ہے بلکہ اتباع کے معنی میں ہے اور اتباع لغت میں کسی کے عمل کو اختیار کرنا ہے خیر ہو یا شر اور اصطلاح شریعت میں اتباع دلائل شرعیہ پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے البتہ کبھی تقلید کی جگہ اتباع اور اتباع کی جگہ میں تقلید مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کی اتباع کا حکم دیا تو انہوں نے اپنے باطل عمل کو اتباع قرار دیا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَیۡنَا الخ ابن قیم نے اعلام ج 2 ص 178 میں اس طرح فرق ذکر کیا ہے اور ابن ابی العز حنفی نے بھی رسالۃ الاتباع ص 23 میں ذکر کیا ہے۔

دوسری بحث اقسام تقلید: اہل علم نے تقلید کی چار اقسام ذکر کی ہیں یعنی تقلید محمود، تقلید مذموم، مطلق تقلید اور تقلید شخصی۔ پہلی قسم کیلئے چار مصداقات ہیں۔ 1: کسی عالم نے اپنی مکمل صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے کوشش کی تا کہ وہ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کی اتباع کرے مگر بعض مسائل اس پر مخفی رہے تو اس نے اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کی۔ 2: یہ ان مسائل میں بعض اہل علم کی تقلید کرنا ہے جن مسائل میں نص نہ ہو تو ایسے آدمی کے قول کے مصداق کی تقلید کرے جو اس سے زیادہ عالم ہو اور اس کو تقلید غیر منصوصی مسائل میں کہتے ہیں اور اس کو مجتہدات اور قیاسیات بھی کہتے ہیں اس کو ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام میں ذکر کیا ہے ج 2 ص 241۔ 3: کسی عالم پر تنگ وقت میں حادثۃً ایک مسئلہ واقع ہوا اور عبادت کے فوت ہونے کا خوف ہے تو وہ تمام کوششوں کے باوجود اس دلیل تک رسائی نہیں پاتا ہے آخر کار اپنے سے بڑے کسی عالم کی تقلید کر لیتا ہے۔ 4: وہ عامی ان پڑھ شخص جس کو کچھ بھی علم نہیں ہو وہ اپنے علاقے میں کسی متفق علیہ عالم سے مسائل میں رجوع کرے اور اس کے قول پر عمل کرے مگر شرط یہ ہے کہ اگر اس شخص کو بعد میں معلوم ہو جائے کہ اس کا بتایا ہوا مسئلہ دلیل شرعی کے خلاف ہے تو اس پر واجب ہے کہ اب اس مسئلہ کو ترک کرے ورنہ تقلید مذموم کہلائے گی۔ اس طرح قرطبی ابن ابی العز اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے نقل کیا ہے۔

تقلید کیلئے (9) مصداقات ہیں: 1: مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سے مطلقاً اعراض کرنا اور اپنے بڑوں کے اقوال پر اکتفا کرنا۔ 2: کسی ایک عالم کی تقلید کرنا کہ تقلید کرنے والے کو بھی معلوم نہیں کہ وہ جس کا قول مانتا ہے وہ اہل ہے یا نہیں کہ اس کی بات پر عمل کیا جائے۔ 3: مقلد کو صحیح قول ملنے اور اپنے امام کے قول کے خلاف دلیل واضح ہونے کے بعد بھی اس کو ترک نہ کرنا بقول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن قیم یہ تینوں قسمیں اس آیت میں داخل ہیں۔ 4: ان گمراہ مولویوں کی تقلید جن کی گمراہی ظاہر ہوئی ہو ایسے لوگوں کا یہ آیت صراحتاً رد کرتی ہے۔ 5: مقلد کا یہ گمان کہ میرا امام غلطی سے مبرا اور معصوم ہے۔ 6: مقلد اپنے امام کو شارع تصور کرتا ہے کہ اس کے پاس جواز اور عدم جواز کے اختیارات ہیں جبکہ اس طرح عقیدہ رکھنے کا قرآن نے صراحتاً رد کیا ہے (اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ) سورۃ شوریٰ آیت 21۔ 7: کسی صحیح حدیث پر اسلئے عمل نہ کرنا کہ ہمارے امام کے مذہب میں نہیں ہے تشہد میں سبابہ شہادت کی انگلی سے اشارہ اس لئے نہ کرنا کہ ہمارے امام یا استاد نے ایسا نہیں کیا ہے۔ 8: اپنے امام اور استاد کے قول کیلئے نصوص میں بعید کی تاویلات کا سہارا لیکر نصوص کو منسوخ قرار دینا جبکہ کوئی دلیل منسوخیت کی موجود نہ ہو۔ یہ آخری مصداقات مفتی تقی عثمانی صاحب نے تقلید کے رسالہ میں لکھے ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ میں ج 1 ص 155 پر لکھے ہیں۔ 9: ایک حنفی جائز نہیں مانتا کہ کسی شافعی عالم سے مسئلہ دریافت کرے اور اسی طرح برعکس اور اسی طرح حنفی کی اقتداء شافعی امام کے پیچھے جائز نہیں مانتا اور ایک دوسرے سے نکاح بھی درست نہیں مانتے۔ مذکورہ اقسام اس زمانے کے اکثر عوام اور متعصبین مولویوں میں موجود ہیں۔

تقلید مطلق: تقلید مطلق یہ ہے کہ ایک شخص کو متعین نہیں کرتا البتہ اس میں بھی محمود اور مذموم دونوں طریقے موجود ہیں انکا انحصار مقلد پر ہے۔ تقلید شخصی یا جامد: اس تقلید کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ایک یا دو مسئلوں میں کسی عالم کی تقلید کرے اور دوسرے مسئلوں میں کسی اور عالم کی تقلید کرے بلکہ ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ معنیٰ کیا ہے کہ کسی شخص معین کے ہر قول اور عمل پر عمل کرتا ہو اگر اس کا قول قرآن وسنت کے موافق ہو تو قرآن وسنت قبول کرتا ہے اگر مخالف ہو تو قرآن وسنت کو اس کے قول کے مقابلے میں ترک کرتا ہے اور اس کیلئے مختلف حیلے بہانے اعذار تلاش کرتا ہے اور اپنے امام کے قول کو ترجیح دیتا ہے۔ اعلام الموقعین ج 2 ص 170، 234 جب اس مقلد کو صحیح حدیث مل جائے اور اس کے مخالف اس جیسی صحیح حدیث بھی موجود نہ ہو مگر اس کے امام کا اس بات میں کوئی قول یا عمل نہیں ہے تو یہ اس طرح جان چھڑاتا ہے کہ میرا امام مجھ سے زیادہ عالم تھا جب اس نے عمل نہیں کیا تو اس حدیث پر میں کس طرح عمل کر سکتا ہوں یعنی اس پر عمل نہ کرنے کا کوئی سبب ہوگا۔ صرف اپنے امام کو حق پر مانتا ہے باقی سب کو خطاء پر اور ان دیگر اماموں سے اور ان کے اقوال سے نفرت بھی کرتا ہے۔ اس بارے میں اگر کسی نے موازنہ کیا تو اکثر مقلدین کو اس تعصب میں مبتلاء پائینگے اور صرف اماموں کے متعلق نہیں اس سے بڑھ کر تعصب میں اپنے شیخ، پیر، اور تنظیم کے امیر کیلئے بھی پائینگے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسری بحث تقلید کے جواز کے دلائل

پہلی قسم کے دلائل: سورۃ نساء آیت 83،59۔ سورۃ توبہ آیت 122۔ سورۃ نحل آیت 43۔ سورۃ انبیاء آیت 7 میں ہے۔ مذکورہ آیتوں میں انصاف سے دیکھ کر غور کیا جائے تو اس سے دلیل کی اتباع ثابت ہوتی ہے نہ کہ مروجہ تقلید اس طرح جو دلائل تقلید شرعی کے اثبات کیلئے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ صحابہ کرام کی تقلید ہے اور پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ صحابی کی تقلید معروف تقلید نہیں ہے بلکہ اتباع ہے جو کہ تقلید نہیں۔ بعض مقلدین نے تقلید ثابت کرنے کیلئے صحیح بخاری سے اس حدیث کو پیش کیا جس میں ہے کہ مدینہ والوں نے زید بن ثابت کے قول پر عمل کیا اور حائضہ عورت پر طواف وداع لازم قرار دیا اور ابن عباس کے قول کو ترک کیا لیکن اس سے تقلید ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو اتباع ہے صحابی کے قول کی جس کا تذکرہ گزر گیا ہے اور تقلید شخصی تو ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ان صحابہ کرام کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مرفوع حدیث پیش کی (کہ حائضہ خاتون پر طواف الوداع معاف ہے) تو مدینہ والوں نے زید بن ثابت کے قول کو ترک کیا نیز زید بن ثابت نے اپنے قول سے حدیث مرفوع کی طرف رجوع کیا۔ (صحیح بخاری باب کتاب الحج الطواف الوداع اذا حاضت المرأۃ رقم الحدیث 1758-59)

چوتھی بحث تقلید سے ممانعت کے دلائل: پہلی دلیل زیر بحث آیت ہے سورۃ مائدۃ آیت 104۔ سورۃ لقمان آیت 21۔ سورۃ زخرف آیت 23،22۔ مفسرین کے اقوال گزر گئے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ آیت تقلید کے منع پر واضح دلیل ہے ، دوسری دلیل سورۃ بقرۃ آیت 165 میں ہے اس کی تشریح اس مقام پر دیکھ لیں۔ تیسری دلیل سورۃ نساء آیت 61 میں مذکور ہے کہ جب منافقین کو آیت یا حدیث پیش کی جاتی تو انکا جواب، اعتراض اور بہانہ تقلید ہوتا ہے۔ چوتھی دلیل سورۃ بنی اسرائیل آیت 36 میں اس کی تشریح مذکور ہے کہ اس چیز کی پیروی مت کرو جس کا تمہیں علم نہ ہو اور علم سے مراد دلیل شرعی ہے یعنی بے دلیل بات کی پیروی مت کرو اور تقلید کو علم نہیں کہا جا سکتا ہے اور مقلد کو عالم نہیں کہا جا سکتا ہے یعنی مقلد ہے تو عالم نہیں اور عالم ہے تو مقلد نہیں۔ اعلام ج 1 ص 7،45۔ پانچویں دلیل سورۃ اعراف آیت 3۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ مَآ اُنْزِلَ اللہُ سے مراد قرآن وحدیث ہیں اور اتخاذ الأولیاء سے مراد قرآن وسنت کے ماسوا کسی اور کی بات ہے یعنی قرآن وسنت سے تجاوز کرتے ہوئے کسی اور کے پیروکار بن بیٹھتے ہیں تو یہ تقلید ہے کیونکہ اس صورت میں دلیل ترک کرنا اور کسی اور کی بے دلیل بات ماننا ہے جو کہ تقلید ہے۔ چھٹی دلیل: سورۃ توبہ آیت 31 میں مذکور ہے جس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر میں مفسرین نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو ترمذی حدیث 3095 میں وارد ہے (شیخ الالبانی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے سلسلۃ الصحیحہ 181) جسکا حاصل یہ ہے کہ کسی کو رب بنانے کا معنی یہ ہے کہ مولویوں اور پیروں کے حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا اور ان کے حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا ہے حالانکہ اس حلت و حرمت پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر نے ان آیتوں میں اس آیت کو بھی شمار کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تقلید کی برائی ذکر کی ہے امام آلوسی نے بھی اس آیت میں تقلید کی برائی بطور تشریح ذکر کی ہے۔

پانچویں بحث، تقلید کی ممانعت پر احادیث، علماء اور مجتہدین کے اقوال:

پہلی حدیث: سنن دارمی میں مرفوع حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین چیزوں کا زیادہ خوف ہے۔ 1: عالم کی زلت لغزش کا یعنی کسی مسئلہ میں وہ پھسل گیا خطاء کر گیا۔ 2: اور قرآن میں منافق کا جدال۔ 3: دنیا کی حرص جو لوگوں کی گردنوں کو توڑ دیگی۔ امام ابن قیم نے لکھا ہے اس کی شرح میں کہ عالم کی لغزش سے خوف کرنا اسکی تقلید کی وجہ سے ہے ورنہ فقط لغزش تو حرام نہیں ہے مگر اس کی تقلید کرنا سبب خوف ہے۔

دوسری روایت: امام بیہقی نے حماد بن زید سے نقل کی ہے کہ ہلاکت ہے علماء کی لغزشوں کے پیروکاروں کیلئے جب ان سے سوال کیا گیا کہ اے ابو العباس کیا بات ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ عالم اپنی رائے سے کوئی بات کر لیتا ہے مگر حدیث ملنے پر رجوع کر لیتا ہے جبکہ اس کے پیروکار مقلدین اس کے سابقہ رائے کی پیروی تقلید جاری رکھتے ہیں۔

تیسری روایت: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عالم یا متعلم بن کر رہو اور امعہ مت بنو جب ان سے امعہ کی تفسیر کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ امعہ وہ ہے جس نے اپنے دین کو لوگوں کے تابع کر رکھا ہے۔ رسالۃ التقلید لابن قیم۔ چوتھی روایت: اللہ تعالیٰ علم کو علماء کی وفات یعنی قبض کرنے پر اٹھائے گا جب علماء باقی نہیں رہیں گے تو لوگ جاہلوں کے پیروکار بن جائیں گے وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے اس عنوان میں اور بھی بہت احادیث ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 100 صحیح مسلم حدیث 2673 ترمذی حدیث 2653)

رد تقلید میں اقوال مجتہدین: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی شخص کیلئے حلال نہیں کہ میرے قول کی پیروی کرے جب تک اس کو میرے قول کی دلیل معلوم نہ ہو، اور فرمایا کہ میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے اس شخص کیلئے جو میری دلیل سے بے خبر ہو کیونکہ ہم انسان ہیں آج ایک قول کا فتویٰ دیدیتے ہیں کل ہی اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔،، ردالمختار،، جو کہ فتاویٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شامی سے مشہور ہے ج 1 ص 63 عقود۔ رسم المفتی ج 1 ص 4۔ اعلام الموقعین ج 2 ص 309۔ اور انہوں نے فرمایا کہ جب تمہیں میرا کوئی قول مل جائے جو کتاب اور سنت کے مخالف ہو تو اسکو دیوار پر مار دو جب تمہیں صحیح حدیث مل جائے تو اسی کو اپناؤ وہی میرا مذہب ہے۔ شامی نے علامہ دمیری سے نقل کیا ہے کہ اس قول کی بنا پر جب بھی کوئی صحیح حدیث ثابت ہو جائے اور وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا اور قول امام کو ترک کیا جانے لگا اور اس طرز عمل پر کوئی اس کے مذہب سے خارج نہیں ہوگا۔ شامی ج 1 ص 154۔ اس جیسے اقوال امام ابو یوسف سے بھی منقول ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا رد تقلید پر قول: امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا بے دلیل علم طلب کرنے والا مثل اس شخص کے ہے کہ رات کے اندھیرے میں لکڑیاں اکٹھی کرتا ہے ہوسکتا ہے لکڑیوں کے اس گٹھ میں بے خبری میں اس نے سانپ اٹھایا ہو جو اس کو ڈس لے اور اس کو معلوم بھی نہ ہو، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی عالم یا امام کا کوئی عمل کسی مسئلے میں گزر گیا ہو اور پھر آپ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے اور اس امام کا عمل اس حدیث کے خلاف ہو تو حدیث کی وجہ سے اس عمل کو چھوڑنا واجب ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جب تمہیں کسی سنت کا علم حاصل ہو جائے تو اپنے عمل کو ترک کرو اور اس سنت کو اپناؤ جب وہ عمل اس سنت کے خلاف ہو اور تمام لوگوں پر اپنے وہ تمام اعمال ترک کرنا واجب ہے جو خلاف سنت ہوں۔ الرسالہ ص 424، 425۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول انہوں نے فرمایا ہے کہ جس نے عمر فاروق کے قول کو ابراہیم نخعی کے قول کے مقابلے میں چھوڑا تو اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا تو اس شخص کا کیا حال ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول کے قول یعنی قرآن وسنت کو ابراہیم نخعی اور اس جیسے دیگر علماء کے اقوال پر کے مقابلے میں چھوڑتے ہیں ان کا یہ بھی فرمان ہے کہ ہر ایک شخص کی بات مانی بھی جائے گی اور ترک بھی کی جائے گی سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ ہر ایک کی بات میں غلطی کا امکان ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں غلطی کا امکان نہیں ہے امام مالک رحمہ اللہ نے یہ بات اس وقت کہی جب مسجد نبوی میں موجود تھے اور پھر قبر نبوی کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس صاحب قبر کی بات کرتا ہوں۔

امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ کے رد تقلید پر اقوال۔ امام صاحب نے ابوداود سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میری امام مالک، امام ثوری اور امام اوزاعی کسی کی بھی تقلید مت کرو اور دین کے مسائل وہاں سے حاصل کرو جہاں سے انہوں نے حاصل کیے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ انسان کی سب سے بڑی کم عقلی ہے کہ دین میں اوروں کی تقلید کرے۔ امام ابوداود کا قول ہے کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ امام اوزاعی کی پیروی زیادہ کروں یا امام مالک کی؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے کسی کی تقلید مت کرو البتہ اتباع کرو اس کی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو یا پھر صحابہ کرام سے رہا تابعی کا معاملہ تو اس میں ہر شخص کو آزادانہ اختیار ہے اعلام الموقعین 183 نیز ائمہ کرام اور علماء عظام کے رد تقلید میں کثیر مقدار میں اقوال وارد ہیں۔ مگر ان چند پر بطور نمونہ اکتفا کیا گیا ہے۔

چھٹی بحث! اس میں مقلدین کے بعض اشکالات، اعتراضات کے جوابات مذکور ہیں:

پہلا اعتراض: بقرۃ، لقمان، مائدۃ، زخرف توبہ وغیرہ کی آیتوں میں جو منع مذکور ہے وہ احبار و رہبان گمراہ قسم کے اکابر کی تقلید سے ہیں آئمہ مجتہدین کی تقلید کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب امام ابن قیم نے رسالہ التقلید اور ابن ابی العز نے الاتباع میں اس طرح دیا ہے کہ تشبیہ کفر اور ایمان میں نہیں بلکہ تشبیہ بغیر دلیل شرعی کے پیروی میں ہے، اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک انسان کفر میں تقلید کرتا ہے تو دوسرا فسق و فجور میں کرتا ہے جبکہ ایک شخص کسی ایک مسئلہ میں تقلید کر لیتا ہے جبکہ اس مسئلہ میں وہ غلطی (خطا) پر ہوتا ہے میں ہر شخص قابل ملامت ہے کیونکہ انہوں نے بے دلیل بات کی تقلید کی اگرچہ ملامت کے درجات میں فرق ضرور ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ لَوْ كَانَ میں ہم نے اشارہ کیا ہے کہ لَوْ وصلیہ محذوف حکم کے ثابت کرنے پر ترقی کے ساتھ دلالت کرتا ہے یعنی أَيَتَّبِعُونَ الْآبَاءَ أَصْحَابَ الْهِدَايَةِ بِغَيْرِ دَلِيلٍ فَكَيْفَ إِذَا اتَّبَعُوهُمْ وَهُمْ ضُلَّالٌ کیا یہ لوگ ہدایت یافتہ بڑوں کی پیروی بغیر دلیل شرعی کی کرتے ہیں تب بھی یہ ناجائز ہے تو اس وقت ان کی پیروی کس طرح جائز ہوگی جب وہ گمراہ لوگوں کی پیروی کریں گے۔

دوسرا اشکال و اعتراض: سورۃ قٓ آیت 37 میں لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ سے مراد مجتہد ہے اور أَلْقَى السَّمْعَ سے مراد مقلد ہے۔ سورۃ ملک آیت 10 میں نَسْمَعُ سے مراد تقلید ہے اور نَعْقِلُ سے مراد اجتہاد ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان یا تو مجتہد یا مقلد ہوگا؟، جواب: ان آیتوں میں مجتہد معروف مطلق یا معروف مقلد مراد لینا تحریف قرآن کے قریب ہے کیونکہ پہلی آیت میں قلبٌ سے مراد عقل ہے یعنی قرآن میں تدبر فکر کرتا ہے خواہ مجتہد ہو یا محقق عالم ہو اور أَلْقَى السَّمْعَ سے مراد دوسروں سے قرآن سننا مراد ہے اور اس کی طرف توجہ کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ سورۃ ملک میں بھی یہی تفسیر مراد ہے اور قرآن پر عمل کرنے کو تقلید کہنا جہل ہے کیونکہ قرآن تو اول اور اعلیٰ و ارفع دلیل ہے۔

تیسرا اشکال اور اعتراض: بہت سارے علماء مفسرین مجتہدین نے تقلید کی ہے اور تقلید کے اسباب کیا ہیں؟۔ جواب: ان علماء کی تقلید محمود ہے جامد اور شخصی نہیں ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ انہوں نے بہت سارے مسائل میں ایک مذہب سے خروج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر کے دوسرے مذہب میں انتقال کیا ہے اور اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسروں کے مذہب پر فتوے دیئے ہیں مثالوں کیلئے تفسیر میں تفصیل کی گنجائش نہیں البتہ انابت والے علماء اس بات سے باخبر ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان میں سے بہت سارے علماء کرام سے رد تقلید میں اقوال وارد ہیں۔

احناف مقلدین علماء کی چند مثالیں بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

پہلا قول: علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی آفت تقلید ہے۔ اور صاحب ھدایہ پر ایک جگہ رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی غلطیوں کی بنیادی وجہ تقلید ہے۔ بنایہ شرح ھدایہ ج 1 ص 317، ج 4 ص 135۔ دوسرا قول: ابن عابدین حنفی کا ہے تقلید کے اندھیروں سے اور وہم و گمان کے راستوں میں بھٹکنے سے خود کو نکالو اور تحقیق کے چراغ سے روشنی حاصل کرو۔ " رد المختار ج 1 ص 342 "۔ تیسرا قول: علامہ زیلعی نے صاحب ہدایہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے لیکن شیخ نے اس عالم کی تقلید کی ہے تو مقلد نے غفلت کی ہے اور مقلد نے جہل کیا ہے۔ نصب الرایہ ج 3 ص 228۔ چوتھا قول: ابن امیر الحاج کا ہے کہ شخص معین کی تقلید واجب ہونے پر شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی عقل سلیم اس کی اجازت دیتی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مذہب معین کا التزام کرے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ کسی نے کہا ہے کہ لازم ہوگا اور کسی نے کہا لازم نہیں ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا التقریر والتحبیر ج 3 ص 350۔

پانچواں قول: ابو بکر جصاص مفسر کا ہے: انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تاکید کی جو عقلوں میں ہے جو کہ تقلید کی نفی اور نظر کا اثبات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں استدلال اور نظر کا حکم دیا ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ اور اعتبار استدلال اور نظر کو کہا جاتا ہے۔ فُصُولٌ فِي عِلْمِ الْأُصُولِ ج 3 ص 373۔ چھٹا قول: شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب کا ہے انہوں نے کہا ہے کہ تحریف کے اسباب میں سے غیر معصوم کی تقلید ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عالم ایک مسئلے میں اجتہاد کرے تو اس کے پیروکار یہ گمان کرنے لگے کہ یہ قطعی اور یقینی قول ہے تو اجتہاد اس اعتقاد سے قبول کر جاتا ہے گویا کہ یہ قطعی یقینی ہے اور اجتہاد کی وجہ سے صحیح حدیث رد کر دے تو یہ تقلید اس سے مخالف ہے جس پر امت مرحوم نے اتفاق کیا ہے۔ 438۔ حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص 227۔ اور اسی طرح بہت سے اقوال ہیں جن سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل علم تقلید شخصی کے قائل نہیں ہیں۔

چوتھا اشکال و اعتراض: بعض مقلدین کا کہنا ہے کہ تقلید شخصی ترک کرنے سے خواہش کی اتباع لازم آتی ہے یعنی اپنی خواہش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے اپنے لئے آسانی تلاش کرتے ہوئے کسی بھی قول پر عمل کر لیتا۔ اور خواہشات کی پیروی تو گمراہی ہے۔

جواب: یہ مفروضہ خلاف حقیقت ہے۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ کوئی شخص صرف خواہش پرستی کی وجہ بغیر کسی مُرَجِّح دلیل کے بھی ایک امام کے قول کو لے تو کبھی دوسرے امام کے بلکہ ہم پہلے بہت سے اہل علم کے اقوال ذکر کر چکے ہیں۔ جن کے ہاں اس اس مفروضے کا تصور بھی نہیں ہے البتہ اس مفروضے کے مقابلے میں تقلید شخصی کے مفاسد کو دیکھنا چاہئے (کچھ مفاسد کو ہم ذکر کر رہے ہیں)۔ پہلا فساد: تقلید شخصی سے شرک فی الاطاعت پیدا ہونے کا خطرہ ہے جیسا اپنے امام کی اطاعت اپنے اوپر ایسا واجب ماننا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔ دوسرا فساد: تقلید شخصی کی وجہ سے قرآن و سنت کا احترام دل سے نکل جاتا ہے کیونکہ ایک جانب اللہ و رسول کا فرمان ہوتا ہے اور دوسری جانب امام کا قول تو قرآن و حدیث چھوڑنے کیلئے مختلف تاویلیں بہانے، حیلے بنانے پڑتے ہیں مگر قول امام کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ تیسرا فساد: تقلید شخصی کی وجہ سے کتنی گروہ بندی، تعصبات، حسد اور تفرقے پیدا ہوئے ہیں اس سے کوئی صاحب شعور انکار نہیں کر سکتا ہے۔ ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے تیار نہیں بلکہ ناجائز تصور کرتا ہے اور ان کی مذہبی کتب سے بہت نفرت کرتا ہے اور دوسرے مذہب کے متعلق توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا ہے اس کی بہت مثالیں موجود ہیں اس تعصب سے حسد بغض پیدا ہوتا ہے پھر کذب بیانی سے ایک دوسرے پر الزامات بہتان تراشی شروع ہوتی ہے۔ جب ان مفاسد کا انصاف سے تقلید شخصی کے فائدہ کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو اس قانون کے تحت (وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا) کے تقاضے سے تقلید شخصی سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

تفسیر 171: یہ آیت (وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ) سے متعلق ہے اور کافروں کی دعوت قبول نہ کرنے کی علت کا ذکر ہے یا پھر (أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا) سے متعلق ہے اور ان لوگوں کیلئے زجر ہے جو گمراہ بے عقل آباؤ اجداد کے عمل کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا: مَثَل وصف اور حال کے معنی میں ہے الَّذِينَ كَفَرُوا اس سے عنادی کفار مراد ہیں جو مَا أَنزَلَ اللّٰهُ کی اتباع سے انکار کرتے ہیں۔ (كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ) "نعق" چرواہے کا اپنے جانوروں کو آواز دینا، اور "نغق" غین کے ساتھ چیل کی آواز کو کہا جاتا ہے۔ (بِمَا لَا يَسْمَعُ) اس سے مراد چوپائے اونٹ گائے بکریاں دنبے وغیرہ ہیں۔ (إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً) دعاء قریب کی آواز اور نداء دور کی آواز کیلئے ہے۔

اس مثال میں دو مشہور اقوال ہیں: یہ مثال عنادی کفار کو دعوت دینے والے داعی کی ہے۔ مگر وہ قبول نہیں کرتے ہیں البتہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تقدیری عبارت ہے یعنی مَثَلُ دَاعِی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یا کَمَثَلِ بَهَائِمِ الَّذِیْ یَنْعِقُ مثال کا حاصل اس طرح ہے کہ ان کافروں کی مثال جانوروں کی طرح ہے جیسے چرواہا اپنے بیل بکریوں کو پکارتا ہے تو وہ جانور صرف آواز سنتے ہیں مگر آواز کا مقصد نہیں سمجھتے ہیں اسی طرح داعی کی دعوت کے وقت یہ لوگ قرآن کی آواز تو سنتے ہیں مگر اس کا مقصد اور مراد جاننے سے قاصر رہتے ہیں اور نہ جاننے کا سبب صُمٌّۢ بُكْمٌ میں ذکر ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مثال ان مقلدین کی ہے جو اپنے بڑوں کی حقیقت سے بے خبر ہیں جیسا کہ جانور اپنے مالک کی آواز کی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے صرف ایک آواز ہی تو ہوتی ہے جس کو وہ سنتا ہے اسی طرح حال مقلدین کا ہے کہ اپنے پیروکاروں کے متعلق نہیں جانتے کہ وہ ہدایت پر تھے یا نہیں عقل و دانش کے مالک تھے یا نہیں، اصل میں عبارت اس طرح ہے۔ مَثَلُ اِسْتِدْلَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰبَآئِهِمْ کَمَثَلِ الَّذِیْنَ... الخ مثال کافروں کی دلیل لینے کی اپنے بڑوں سے اس طرح ہے جیسا کہ جانوروں کو چرواہے کی پکار تو یہ بھی عبث ہے اور وہ بھی عبث ہے جانور اپنے مالک کی آواز کی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے اور یہ کافر بھی اپنے بڑوں کی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں بعض مفسرین کا ایک تیسرا قول بھی ہے یعنی یہ مثال مشرکین کی اپنے معبودوں کو پکارنے کی ہے جو باطل معبودوں کو پکارتے ہیں مگر اس قول اور توجیہ پر اعتراض ہے کہ ان کے معبود تو کچھ بھی نہیں جانتے ہیں جبکہ اس میں تو استثناء ہے یعنی اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تشبیہ مرکب کی مرکب سے ہے اور ہر لفظ کی تشبیہ مراد نہیں ہے۔ بُكْمٌ عُمْيٌ: اس کی تفسیر گزر گئی۔

فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ سوال: پہلے لَا يَرْجِعُوْنَ اور یہاں پر لَا يَعْقِلُوْنَ فرمایا ہے؟

جواب: وہاں نور کے زوال کا ذکر ہوا تھا تو اس کے ساتھ مناسب یہ تھا کہ وہ لوگ نور کی طرف پلٹنے والے نہیں ہیں اور اس جگہ مسئلہ دلیل لینے کا ہے اور دلیل لینا عقلی مسئلہ ہے اور اس کیلئے عقل چاہیے اور ان لوگوں میں عقل نہیں۔

يَٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿172﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾ "اے ایمان والو کھاؤ اس میں سے جو پاک حلال ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم خالص اسی کی بندگی کرنے والے ہو" [172] "تمہارے اوپر مردار خون (بہتا ہوا) سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یقیناً حرام ہے پھر جو مجبور ہو جائے حد سے تجاوز کرنے والا لذت حاصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے والا نہ ہو تو اس پر اس کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔" [173]

تفسیر 172 : اس آیت میں عام خطاب کے بعد خاص خطاب ہو رہا ہے کہ تحلیل و تحریم میں شریعت کی پیروی کرو، یہ خطاب اس سورۃ میں تیسری مرتبہ ہو رہا ہے، جیسا کہ عام خطاب میں ان مشرکین کی تردید تھی جو حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے ہیں تو بعض ایمان والے یہ خیال کرتے ہیں کہ کھانے میں وسعت اور لذتیں ممنوع ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا کہ یہ منع نہیں ہے۔ (كُلُوْا) اس سے مراد مطلق فائدہ حاصل کرنا ہے خواہ کھانے پینے سے ہو یا دیگر طریقے سے ہو، اور مقصد یہ ہے کہ یہ خوراک اور انتفاع اپنے لئے حرام مت جانو۔ (مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ) طَيِّبٰتِ یہاں حلال اور لذت والی خوراک کو شامل ہے اور رزق عام ہے، اہل سنت کے ہاں حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے۔ (وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ) ہر نعمت پر اپنی طاقت کے مطابق شکر ادا کرنا واجب ہے اور شکر کا معنیٰ گزر گیا ہے۔ (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) کوفیوں کا قول یہ ہے کہ اِنْ اِذْ کے معنیٰ میں ہے اور بصریوں کا قول ہے کہ اِنْ اپنے معنیٰ میں ہے لیکن ترغیب کیلئے آیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حلال اور حرام میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور شکر ادا کرنا عبادت ہے، امام دمشقی نے اللباب میں ذکر کیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ارادہ رکھتے ہو تو شکر ادا کرو کیونکہ شکر عبادت کا سر یعنی ابتداء ہے، اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خطاب انبیاء کو کیا ہے وہی ایمان والوں کو کیا ہے (صحیح مسلم حدیث 1015 باب قبول الصدقۃ من کسب الحلال، ترمذی کتاب التفسیر حدیث 2989، احمد 1/ 328) جو خطاب سورۃ مومنون آیت 51 میں وارد ہے۔

تفسیر 173 : گزشتہ آیت میں تردید ہوئی تھی تحریم ما احل اللہ کی کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال مان لو اب اس آیت میں تردید ہے تحلیل ما حرم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام مان لو، اور یہ مذکورہ آیت میں جو طیبات گزر گئے ہیں اس کے مقابل ہے۔ (اِنَّمَا) یہ حرف حصر پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 145 میں نفی و اثبات کے ساتھ مذکور ہے اور کبھی صرف تاکید کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ (حَرَّمَ عَلَيْكُمُ) تحریم کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ (الْمَيْتَةَ) مردار اس جانور کو کہا جاتا ہے ذبح شرعی کے بغیر جس کی روح جدا کی جائے اس کے بعض افراد کا ذکر سورۃ مائدۃ آیت 3 میں ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ مردار چیز سے کسی قسم کا فائدہ لینا جائز نہیں ہے جب تک اس سے فائدہ لینے پر کوئی نص شرعی موجود نہ ہو جیسا کہ مچھلی، ٹڈی، کلیجی، تلی، ہڈی، بال، اون وغیرہ جسکو پاک کیا جائے۔ (وَالدَّمَ) اس سے مراد دم مسفوح ہے یعنی رگوں سے (بہتا ہوا) نکالا گیا خون جسکا ذکر سورۃ انعام آیت 145 میں ہے اور حدیث کے ذریعے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(کَبِدٍ) اور (طِحَالٍ) تلی اور کلیجی خاص کیا گیا ہے اور بعض علماء نے اس خون کو بھی ذکر کیا ہے جو ذبیحہ کے بعد گوشت یا چربی کے ساتھ منسلک ہو۔ (وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ) لغت میں صرف گوشت کو ہی لحم کہا جاتا ہے جبکہ عرف عام میں چربی ہڈی، گوشت سب پر گوشت کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد خنزیر کا تمام وجود ہے سوائے بالوں کے کہ ان کو کپڑے سینے کے لئے سوئی کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں (وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) اس جملہ کی تفسیر میں مفسرین کے تین اقوال ہیں: پہلا قول: ابن جریر نے ابن زید اور ربیع سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور کثیر تعداد میں مفسرین کا اس قول کی طرف میلان ہے اور اس قول کے مطابق (مَآ) ذبح شدہ چیز کے ساتھ خاص ہے اور (أُهِلَّ) ذبح کے معنی میں ہے اور بہ میں با اضافی ہے یا (أُهِلَّ) آواز کرنے کے معنی میں ہے اور (بِهٖ) کا معنی ہے فِيْ وَقْتِ ذَبْحِهٖ اور لِغَيْرِ اللّٰهِ میں لام (با) کے معنی میں ہے اور لفظ اسم مقدر ہے یعنی ذُبِحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ اور ان مفسرین نے اس تفسیر کا سبب یہ بتایا ہے کہ مشرکین عرب ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس جملے میں ان کا رد کیا۔ یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام ذکر کرنے سے ذبیحہ حرام ہوتا ہے۔ البتہ مکحول اور بعض اوروں سے منقول ہے کہ اہل کتاب میں سے اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کریں تو جائز ہے اور ان کی دلیل سورۃ مائدۃ کی آیت ہے، وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ لیکن دیگر علماء جیسا کہ نیشاپوری نے مکحول اور ان کے ہمنواؤں کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ طَعَامُ الَّذِيْنَ الخ۔۔۔ والی آیت اس آیت کے ساتھ مقید ہے۔

دوسرا قول: ابن جریر نے قتادہ، مجاہد، ضحاک، ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے تقرب اور خوشنودی کیلئے ذبح کیا گیا ہو اگرچہ ذبح کے وقت اس کا نام ذکر نہ کیا ہو اس قول کی تائید کیلئے امام قرطبی کا قول ابن عطیہ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ امام حسن بصری سے سوال کیا گیا کہ ایک لڑکی اپنی گڑیوں کی شادی کراتی ہے اس کھیل کی شادی میں وہ اونٹ ذبح کرتی ہے تو اس کا کھانا درست ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ صنم بت کی وجہ سے ذبح کیا گیا ہے لہذا یہ کھانا درست نہیں اگرچہ ذبح کے وقت کسی خاص بت کا نام ذکر نہیں ہوا ہے، اس کی دوسری تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ عجمی (مشرکین) اپنی عیدوں میں جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی گوشت بھیجتے ہیں ام المومنین نے جواب دیا کہ ان جانوروں کا گوشت مت کھاؤ جو اس دن ذبح کے لئے ہیں کیوں کہ اس میں بھی ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے مگر مقصد تقرب لغیر اللہ ہے۔ تیسری تائید اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی امام رازی اور نیشاپوری کے قول سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ انہوں نے علماء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب کوئی مسلمان جانور ذبح کرے اور نیت غیر اللہ کے تقرب کی ہو تو یہ شخص مرتد ہے اور وہ ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہے اگرچہ اس نے غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت ذکر نہیں کیا ہو۔ چوتھا قول: ابن عاشور کا قول ہے جو تفسیر ''التحریر والتنویر'' میں ذکر ہے کہ اُهِلَّ کے ساتھ لفظ تقرب متضمن ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہر وہ جانور حرام ہے جس میں غیر اللہ کا تقرب مقصود ہے خواہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے یا نہیں۔ پانچواں قول: علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو ''تفسیر البحر المحیط'' میں مذکور ہے کہ فرزدق نے جن اونٹوں کو ذبح کیا تھا علی رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر لوگوں نے اس کا گوشت کا کھانا ترک کیا تھا اگرچہ وقت ذبح اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ اس قول کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر فتح العزیز میں اور عبدالحق دہلوی صاحب نے تفسیر حقانی میں پسند کیا ہے اور انہوں نے وضاحت سے لکھا ہے کہ ہر وہ جانور جو تقرب لغیر اللہ کیلئے ذبح ہو جائے تو وہ حرام ہے اگرچہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام ذکر کیا ہو یا نہیں کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے، اور ثناء اللہ امرتسری نے بھی تفسیر ثنائی میں اس قول کی تائید کی ہے اور نواب صدیق حسن خان نے بھی تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان میں ذکر کیا ہے اور اس قول کی بنا پر اگرچہ (مَآ) لفظ خاص ہے جانور کے ساتھ مگر اُهِلَّ اپنے عام معنیٰ پر ہے یعنی آواز بلند کرنا، نامزد کرنا اور لغیر اللہ میں لام تقرب کیلئے ہے اور تقرب سے مراد عبادت (نذر ہے)۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے ہر وہ چیز ہے خواہ وہ جانور ہو یا کھانا یا نقد رقم وغیرہ ہو جس پر غیر اللہ کا نام بطور تقرب (نذر) ذکر ہو، اس قول کو نواب صدیق حسن خان، شاہ عبدالعزیز اور دیگر موحدین مفسرین نے پسند کیا ہے، فتح المجید کتاب شرح کتاب التوحید ص 140 میں ذکر کیا ہے صاحب شرح نے وضاحت سے لکھا ہے کہ کھانے وغیرہ اُهِلَّ میں داخل ہیں۔ اس قول کی بنا پر (مَآ) اپنے عموم پر محمول ہوگا اور بہ میں (مَآ) عَلٰی کے معنیٰ میں ہے اور لغیر میں لام تقرب (نَذْر) کیلئے ہے۔

فائدہ 1: غیر اللہ کی طرف نسبت بطور ملکیت نہیں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں شخص کی ہے بلکہ نسبت بطریق تقرب تعبد ہے یعنی نذر، لہٰذا جو جانور مہمانوں کی مہمان نوازی کیلئے ذبح کیا جائے اس نیت کے ساتھ کہ وہ اس کو کھائیں تو وہ اس میں داخل نہیں ہے البتہ جو غیر اللہ کیلئے بطور نذر ہو یا فخر اور تکبر کی نیت سے ہو یا کسی دن کی یا کسی تعظیم کیلئے ہو یا کسی امیر کی تعظیم کیلئے ہو تو وہ مَآ اُهِلَّ میں داخل ہے اگرچہ ذبح کے وقت اس پر بسم اللہ کہی گئی ہو۔

سوال: بہت سے جاہلوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ جانور حرام ہیں جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو باقی سب حلال ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ عام مفسرین نے پہلا معنٰی مراد لیا ہے یعنی بوقت ذبح غیر اللہ کا نام خاص طور پر لیا جائے؟

جواب 1 : یہ قول غلط ہے کہ اکثر مفسرین نے پہلا معنٰی مراد لیا ہے بلکہ دوسرے قول کی پانچ تائیدات اور بہت سارے مفسرین کے اقوال میں نے ذکر کیے تو تخصیص کا دعوٰی درست نہیں ہے۔ جواب 2: جن مفسرین نے ذبح غیر اللہ کے نام سے مسلک ذکر کیا ہے انہوں نے عرب کی عام عادت کے اعتبار سے یہ بات کہی ہے یعنی ان مشرکین کے رد میں آیت کا نزول ہوا ہے مگر یہ بات علماء کرام کے نزدیک اصول مسلمہ میں سے ہے کہ اعتبار کسی بھی آیت کے سبب نزول کا نہیں بلکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہے لہٰذا لفظ مَا اُهِلَّ عام ہے۔ جواب 3: اگر مفسرین کا وہ قول تفسیر اور تخصیص پر محمول کیا جائے تو یہ تحریف کے قریب ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر فتح العزیز میں فرمایا ہے کہ اول تو لفظ (مَا) عموم میں صریح ہے یا بعض نحویوں کے نزدیک عموم اور خصوص میں مشترک ہے لہٰذا مذبوحہ کے ساتھ خاص کرنے کیلئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ لفظ اھلال لغت اور عرب محاورہ میں صرف آواز بلند کرنے کے معنٰی میں ہے ذبح کرنے کے معنٰی میں عرب کے اشعار وغیرہ میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ بِہٖ میں (بَا) کو اضافی قرار دینا یا فِیْ وَقْتِ ذَبْحِہٖ مقدر نکالنا، چہارم لغیر میں لام کا معنٰی با کے معنٰی میں لینا، پنجم لفظ اسم مقدر ماننا ان تمام باتوں سے کلام اللہ کی بلاغت ختم ہو کر تحریف معنوی تک پہنچتی ہے تو معلوم ہوا کہ مفسرین کا اول معنٰی صرف بطور تمثیل ہے تخصیص اور تفسیر کے طور پر نہیں ہے۔

سوال: ابن جریر نے تاریخ طبری ج 2 ص 181 اور سیرۃ ابن ہشام میں ج 2 ص 326 بروایت ابن اسحاق بلا سند یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو حکم دیا کہ جو سونا، زیور وغیرہ لات بت کیلئے جمع کیا گیا ہے وہ لیکر اس پر عروہ کا قرضہ ادا کرو اسطرح طبقات ابن سعد (2/331) میں لفظ قَالُوْا کے ساتھ بغیر سند روایت وارد ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فلس (بت) کا خزانہ لے لیا تھا تو یہ روایات دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان اس قسم کے غیر اللہ کے نذرانوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ جواب 1: تیسرے قول میں یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ (مَا) عام ہے اور ہر قسم کے غیر اللہ کے نذرانوں کو شامل ہے لہٰذا اس آیت کے مقابل اس قسم کی بے سند روایتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جواب 2: ابن جریر کی سند میں ابن حمید اور ابن اسحاق راوی ہے جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ جواب 3: ان روایتوں میں نذر کی وضاحت نہیں ہے بلکہ وہ تو، ،لات، ، اور، ، فلس، ، کی مرمت تعمیر اور خدمت کیلئے لوگ رقم جمع کرتے تھے تا کہ ان پر خرچ ہو جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب 4: وہ کافر حربیوں کا مال تھا تو وہ مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا گیا تھا جیسا کہ دوسرے حرام مال جو کافروں سے بطور مال غنیمت لیے جاتے ہیں تو وہ مسلمانوں کیلئے حلال ہوتے ہیں۔

تنبیہ: اس قسم کی بے سند اور ضعیف روایتوں سے استدلال کرتے ہوئے غیر اللہ کی نذروں کو جائز قرار دینا اس سے فائدے حاصل کرنے کیلئے راستہ ہموار کرنا یقیناً شرک کی طرف لوگوں کو لے جانے کے مترادف ہے۔

جنہوں نے اس قسم عبارتیں تحریر کی ہیں انہوں نے اجتہادی غلطی کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس قسم کی نذروں پر سخت تنقید کی ہے اور اس سے فائدہ لینے کو حرام قرار دیا ہے۔

ذیل کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

البحر الرائق ج 2 ص 298۔ درمختار اور اس کا متن ج 3 ص 175۔ علامہ عبدالحئی کا مجموعۃ الفتاوی ج 1 ص 228۔ ج 2 ص 89۔ ج 2 ص 299۔ ج 2 ص 124۔ تفسیر مواہب الرحمن ج 3 ص 75۔ تفسیر فتح البیان ج 1 ص 275۔ ج 2 ص 433۔ مأۃ مسائل للشاہ محمد اسحاق ص 72۔ مظاہر الحق شرح مشکوۃ ج 1 ص 42، 45۔ فتاوی عزیزیہ ص 33، 44، 52۔ اور مَا أُهِلَّ کے بہت سارے معانی علماء اور مفسرین سے منقول ہیں بعض خاص اور بعض عام ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1: أُهِلَّ بِهٖ یعنی اُرِیْدَ بِهٖ۔ العمدۃ ص 87 لابی محمد المکی متوفی 437۔ 2: مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَمَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اِسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ: تفسیر درمنثور ج 1 ص 407۔ 3: مَا ذُبِحَ لِتَعْظِيْمِ غَيْرِ اللّٰهِ وَاِكْرَامِهٖ: فتاوی عزیزی ص 56۔ : مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَمَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ اللّٰهِ تفسیر ابن ابی حاتم ج 1 ص 283۔ اس طرح تفسیر ماوردی ج 1 ص 185 میں بھی ہے۔ 4: شیخ الاسلام ابن تیمیۃ دقائق التفسیر ج 3 ص 132 میں فرمایا ہے اس کا معنی مَا تَكَلَّمَ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَمَا نُطِقَ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اگرچہ رفع الصوت آواز بلند کرنے کو کہا جاتا ہے مگر آواز بلند کرنے یا پست کرنے سے حکم نہیں بدلتا ہے اور مشرکین کی عادت رفع الصوت تھی اس لئے کلام کو ان کی عادت کے مطابق ذکر کیا ہے۔ 5: أَهَلَّ تَكَلَّمَ بِهٖ وَاسْتَهْلَلْنَا۔ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ بخاری ج 1 ص 212 ان معانوں میں پہلا معنی اور چوتھا معنی ہر نذر غیر اللہ کو شامل ہے، خواہ جانور ہو یا غیر جانور، ذبح کیا ہوا ہو یا غیر ذبح کیا ہوا ہو اس طرح فقہاء احناف نے لکھا ہے جیسا کہ بعد میں ذکر ہوگا مشرکین کا مال، اور انکی نمازیں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قربانی، اور دیگر تقربات غیر اللہ کیلئے تھیں۔

1:غاية الأماني في الرد على النبهاني ج2ص31۔ ج2ص312۔2:اغاثة اللهفان ج1ص305۔
3:غیر اللہ کی نذر کا رد تفصیل کے ساتھ حاشية الطحطاوي على الدر المختار ج1ص471۔
4: قبروں کے نذرانوں پررد(البلاغ المبين ص29)۔5:اسی طرح جلاء العينين ص503،490۔
6:منهاج التأسيس في الرد على ابن جرجيس ص417۔7: قبروں کے نذرانوں کا رد روح المعاني
ج13ص67۔ ج17ص212۔8:الابداع ص89۔9:مجموعة الفتاوى لعبد الحئي ج2ص89۔
ج2ص299۔ ج2ص151۔ ج2ص390۔ ج3ص 105۔ ج3 ص124 10: ردالمحتار شامی
ج3ص379۔11 :سيف الله على من كذب على اولياء الله ص69۔تالیف صنع الله الحلبي المكي
12:البحر الرائق ج2ص520 13:تيسير العزيز الحميد ص203 اس میں تفصیل ہے
14:تلخيص كتاب الاستغاثة لشيخ الاسلام ص90،297۔15:رسالة زيارة القبور
للبركوي ص7،22،29،52۔16:مجالس الأبرار ص119۔17: كشاف القناع عن متن الاقناع
(فقهة الحنابلة) ج6ص276۔18:الفروع لابن مفلح حنبلي ج6ص359۔19:الدين الخالص
نواب صديق حسن خان ج2ص189،191۔ ج4ص48،50 ،52،56 ،65،66۔20:مدارج
السالكين ج1ص345۔21:مغني المحتاج للشربيني (فقيه الشافعية) ج4ص 371۔
22:مجموعة الفتاوى لشيخ الاسلام ج24ص 319۔ ج 26ص 307 ج 27ص
77،146۔23:فتح المعين شرح ملامسكين على الكنز ص450۔24:اقتضاء الصراط
المستقيم ج2ص 671،708،740۔25:الروض الندى شرح كافي المبتدي (حنبلي) ص
502۔26:غمز عيون البصائر ابن نجيم مصري ص231۔27:الفتاوى الحامدية ص31۔
28:شفاء الصدور لمرعي بن يوسف الكرمي ص66،76۔

فائدہ 2:اس آیت میں باب تحریم کے اعتبار سے ترقی ہے کیونکہ میتہ (مردار) سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں اور دم (خون) سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں لحم خنزیر سے ایک چیز مستثنیٰ ہے مگر مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ سے کچھ بھی استثناء نہیں ہے مفسر بھائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے تیسیر الرحمن میں لکھا ہے کہ وما اھل لغیر اللہ کا خبث بہت زیادہ ہے اس لئے اس کے کسی جزو میں جواز نہیں ہے اگرچہ کھانے والا یہ گمان کر رہا ہو کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ 3: ایسی آیت سورۃ مائدۃ آیت 3 سورۃ انعام آیت 145 سورۃ نحل آیت 115 میں بھی مذکور ہے اس آیت میں بِهٖ کو غیر اللہ پر مقدم کیا ہے اور مذکورہ تینوں آیتوں میں بِهٖ کو غیر اللہ کے بعد ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ بِهٖ کی باء تعدیت اور اُھِلَّ کی اتمام کیلئے ہے اور لِغَيْرِ اللّٰهِ میں حرمت کا سبب ذکر ہے تو سورۃ البقرۃ میں یہ پہلا جملہ ہے اس لئے اصل عبارت کو لحاظ کیا گیا ہے اور بعد والی سورتوں میں مقصد کا لحاظ کرتے ہوئے لغیر اللہ کو مقدم لایا گیا ہے۔

سوال: (اِنَّمَا) حصر کیلئے ہے تو تحریم کا حصر چار چیزوں میں کیا گیا ہے جبکہ ان چار چیزوں کے علاوہ قرآن وحدیث میں کھانے اور غیر کھانے کے بہت سے محرمات مذکور ہیں؟ جواب 1: امام آلوسی، ابو حیان وغیرہما نے فرمایا ہے کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی اے مشرکو جو چیزیں حلال ہونے کے باوجود تم حرام تصور کرتے ہو یا اے ایمان والو جو لذت اور فائدے والی چیزیں اور کھانوں میں وسعت جو تم اپنے اوپر حرام تصور کرتے ہو وہ حرام نہیں آؤ میں تمہیں حرام ذکر کرتا ہوں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اس لئے چار ذکر کیا۔ جواب 2: یہاں مقصد حرام چیزوں کا حصر مطلقاً نہیں ہے بلکہ وہ حرام طعام مراد ہیں جو تمام آسمانی دینوں اور شریعتوں میں حرام تھے اور وہ یہ چار چیزیں ہیں اور یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا رد ہے کہ وہ ان اتفاقی حرام میں مخالفت کر رہے ہیں۔ (فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ) اضطرار یعنی مجبور ہونا دو وجوہات سے ہوتا ہے پہلا سبب یہ ہے کہ کوئی ظالم جبر کرے اور کسی مسلمان کو جبراً یہ حرام چیزیں کھلادے اور اس کیلئے بچنے کا کوئی موقع نہ ہو دوسرا سبب یہ ہے کہ انتہائی درجہ کی بھوک ہو جسکا ذکر سورۃ مائدۃ آیت 3 میں ہے (بَاغٍ وَّلَا عَادٍ) ان دونوں میں کئی وجوہات سے فرق ہے۔ بَاغٍ 1: نہیں ہو حلال تصور کرنے والا مطلقاً عَادٍ نہ ہو ذخیرہ بنانے والا (مقاتل)۔ 2: بَاغٍ معطی مقدار حلال سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، عَادٍ قصور کرنے والا نہ ہو یعنی بالکل چھوڑنے والا نہ ہو کہ بھوک سے ہلاک ہو جائے اللباب لابن عادل دمشقی۔ 3: بَاغٍ مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے والا نہ ہو اور عَادٍ مبتدع مخالف سنت نہ ہو (محلی)۔ 4: بَاغٍ بے ضرورت کھانے والا نہ ہو، عَادٍ سیر ہو کر کھانے والا بھی نہیں ہوں۔ حسن قتادہ۔ 5: بَاغٍ حلال کی موجودگی میں اس کا متلاشی نہ ہو، عَادٍ حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو۔ 6: بَاغٍ نہ ہو ساتھی پر زیادتی کرنے والا کہ اس کو محروم کر کے ہلاک کردے۔ عَادٍ اور بھوک کی بندش کے بعد تجاوز کرنے والا نہ ہو (آلوسی)۔ 7: بَاغٍ امیر المومنین پر بغاوت کرنے والا نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو، عادٍ حق پرستوں کے طریقے کے مخالف نہ ہو نیشاپوری۔ 8: بَاغٍ اکی لذتوں کا متلاشی عَادٍ اور کھانے میں سیر ہونے کی حد تک پہنچنے والا نہ ہو۔ (فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ) سوال: اضطرار تو وجوب کے منافی ہے تو گناہ کی نفی سے کیا مراد ہے؟

جواب 1: اس سے حرج دفع کرنا اور تنگی دور کرنا مراد ہے اور یہ واجب مستحب مباح سب کو شامل ہے۔ (تفسیر نیشاپوری)۔

جواب 2: اس میں اشارہ ہے کہ بغیر ارادے کے اگر زیادہ کھالیتا ہے تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ (غَفُوْرٌ) اس میں بھی اشارہ ہے کہ اگر کسی سے خوراک میں ارادے کے بغیر زیادتی ہو جائے تو اس کی مغفرت کرتا ہے (رَّحِیْمٌ) حالت اضطراری میں حرام چیزوں کی اجازت دینا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ فائدہ: سورۃ مائدۃ آیت 3 میں اضطراری حالت کو بھوک کے ساتھ بطور خاص ذکر کیا ہے اور اس مقام اور سورۃ انعام، سورۃ نحل میں مطلق مذکور ہے، سبب یہ ہے کہ انعام اور نحل مکی سورتیں ہیں اور بقرۃ مدینے کی ابتدائی سورت ہے تو اس زمانے میں اسلام کا غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا اس لئے کافروں کی طرف سے جبر کا خطرہ موجود تھا جبکہ سورۃ مائدۃ غلبہ اسلام فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے تو اس وقت جبر کا خطرہ ٹل گیا تھا صرف بھوک کا مسئلہ باقی تھا جو کہ ایک مسلمان کو پیش آسکتا تھا اس وجہ سے سورۃ مائدۃ میں مخمصۃ خاص ذکر کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۖۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾ "یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (وحی) کتاب میں سے چھپاتے ہیں اور تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹ میں نہیں بھرتے ہیں مگر آگ ان کے ساتھ قیامت کے دن اللہ بات بھی نہیں کریگا اور ان کو (گناہوں سے) پاک بھی نہیں کریگا بلکہ ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔" [174] "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت اور عذاب کو مغفرت کے بدلہ میں خرید لیا ہے کیا ہی عجیب عذاب برداشت کرنے والے ہیں۔" [175] "ان عذابوں کا سبب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچی کتاب اتاری (حق کیلئے) اور یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا (اس کتاب میں) البتہ حق سے دور کی دشمنی میں ہیں۔" [176]

تفسیر آیت 174: حلال و حرام کی تفصیل کے بعد عذاب سخت زجر اور تخویف اخروی بیان ہو رہی ہے ان لوگوں کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو دنیا کے چند ٹکوں پیسوں اور کھانوں کی خاطر حق دین کو چھپاتے ہیں۔(اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ)امام دمشقی نے فرمایا ہے کہ کتمان سے مراد باطل تاویلات ہیں جن کو تحریف معنوی کہا جاتا ہے، یا کتمان سے مراد مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ظاہر نہ کرنا ہے۔ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ آیت 159 میں مِاۤ اَنۡزَلۡنَا فرمایا تھا؟ سبب یہ ہے کہ وہاں قبلے، حج، دین ابراہیم کا مسئلہ مراد تھا اور اہل کتاب کی اس سے مخالفت بہت زیادہ تھی اس وجہ سے اہتمام کیلئے وہاں اَنۡزَلۡنَا جمع متکلم کا صیغہ ذکر کیا اور بینات وھدیٰ بھی فرمایا ہے اور آیت 170 میں مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کی دعوت ذکر ہوئی اور زجر ذکر ہوا جو بڑوں کی تقلید کی وجہ سے مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کو چھوڑنا ہے تو یہاں ان مولویوں کو جو عوام سے مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کو چھپاتے ہیں ان کو زجر کیا جارہا ہے۔(مِنَ الۡکِتٰبِ)مِنۡ تبعیضیہ میں اشارہ ہے کہ مکمل کتاب کو نہیں چھپایا تھا۔ اسکی دلیل سورۃ مائدۃ آیت 15 اور سورۃ انعام آیت 91 ہے۔(وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا)اس کی تشریح گزر گئی ہے آیت 159 میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے کیونکہ کتمان دو قسم کا ہے اول کتمان (حق چھپانا) مداہنت (سستی) یا عناد وحسد کی وجہ سے ہے دوم دنیاوی لالچ حرص کی وجہ سے ہے لہٰذا اس آیت میں اول قسم مراد تھی اور اس میں دوسری قسم مراد ہے، اور دین کو دنیاوی حرص کی وجہ سے چھپانا انتہائی ذلت ورسوا کن ہے اس لئے اس مقام میں خوف کو سخت انداز میں سات قسموں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ)فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ لفظ میں دو فائدے ہیں۔1: صرف لفظ اکل کبھی لینے کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا۔فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ لفظ میں دلیل ہے کہ یہاں حقیقی معنی کھانا مراد ہے۔2: یہ ہے کہ اس میں بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ کھانا مراد ہے اور اس میں ان کی ذلت کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے آخرت کو دنیا کے کھانوں لذتوں کی وجہ سے برباد کردیا ہے۔(اِلَّا النَّارَ)اس سے مراد حرام چیزیں ہیں یعنی مسبب کا ذکر ہے مگر مراد سبب ہے، یا پھر حقیقتاً آگ مراد ہے یعنی جہنم میں آگ انکی خوراک ہوگی۔ اور اس قسم کی سزا ان لوگوں کی بھی ہے جو یتیم کے مال کو ظلم سے کھاتے ہیں، سورۃ نساء آیت 10۔(وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ)یہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے کنایہ ہے یا معنی یہ ہے کہ ان کے ساتھ خوشی کی بات نہیں کریگا البتہ غم اور حسرت کی باتیں کریگا اور وہ سوال اور حساب کرنا ہے سورۃ اعراف آیت 6 یا پھر معنی یہ ہوگا کہ بالکل ان سے بات ہی نہیں کریگا ملائکہ کے ذریعے سے ان سے کلام کریگا یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال جواب حساب وغیرہ اور اس بات کی تائید، سورۃ مؤمنون آیت 108 میں ذکر ہے ۔(وَلَا يُزَكِّيهِمْ)اس میں بہت وجوہ ہیں۔ 1: یعنی ان کی تعریف وتوصیف نہیں کرے گا۔2: یہ کہ ان کے اعمال کو قبول نہیں کرے گا۔3: ان کے برے اعمال کو پاک نہیں کرے گا یعنی توبہ قبول نہ ہوگی۔4: امام قرطبی اور دمشقی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کو چھپاتے ہیں۔

تفسیر 175 : یہ بھی سابقہ آیت سے متعلق ہے، دنیا میں بہترین چیز ہدایت اور علم ہے جبکہ بدترین چیز گمراہی اور جہل ہے اور آخرت میں قبیح ترین چیز جہنم کا عذاب ہے اور بہترین چیز مغفرت الٰہی ہے تو دنیا میں بھی انکا خسران ظاہر ہے اور آخرت میں بھی خسران ظاہر ہے اور اول مبادلہ مستلزم ہے دوسرے مبادلہ کو۔(فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ)اس جملہ میں پانچ اقوال ہیں:۔ پہلا قول: امام سیبویہ اور دیگر بہت نحویوں کا ہے کہ یہ صیغہ تعجب کا ہے اور اس سے بندوں کا تعجب مراد ہے یعنی اے بندو تم ان سے تعجب کرو۔ قول ثانی: حسن، فراء، کسائی کا ہے یعنی (أَصْبَرَ) أَجْرَأَ کے معنیٰ میں ہے یعنی کس چیز نے ان کو جری منہ بنایا ہے کہ انہوں نے ان اعمال کو اختیار کیا ہوا ہے کہ جو جہنم میں جانے کا واضح اسباب ہیں اور ان کو کوئی پروا نہیں ہے۔ تیسرا قول: زجاج کا ہے کہ أَصْبَرَهُمْ أَبْقَاهُمْ یعنی جہنم کے اعمال پر ان کو کس چیز نے باقی رکھا ہے۔ چوتھا قول: ابوالبقاء کا ہے یعنی (مَا) نافیہ ہے معنیٰ یہ ہے کہ ان کا صبر آگ جہنم پر نہیں ہے۔ پانچواں قول اخفش کا ہے (مَا) موصولہ ہے اصبر فعل ماضی صلہ ہے اور مجموعہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مقدر ہے یعنی وہ چیز جس نے ان کو جہنم کی آگ پر صبر دلایا ہے بہت بری اور قبیح ہے۔(دمشقی اللباب)۔

تفسیر 176: اس آیت میں گزرے ہوئے عذابوں کا سبب ذکر ہو رہا ہے ذَٰلِكَ سابقہ عذابوں کی طرف اشارہ ہے اور (بِأَنَّ) متعلق ہے مستحق کے ساتھ جو کہ مقدر ہے اور باسببیہ ہے اور بِالْحَقِّ کے بعد اِخْتَلَفُوا مقدر مراد ہے کیونکہ کتاب کا نزول فقط سبب عذاب نہیں ہے اور بعد والا جملہ اس پر قرینہ ہے۔ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ کتاب سے مراد تورات ہے اور اختلاف سے مراد یہود ونصاریٰ کا اختلاف ہے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے متعلق اور قباحت کے متعلق یا ان کا اختلاف مراد ہے جو انہوں نے اپنے بڑوں کے متعلق تورات پر عمل کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے کیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(قرآنی)۔ یا اختلاف سے مراد تورات کا وارث ہونا ہے اپنے بڑوں کے بعد جیسا کہ ابو مسلم اور دمشقی نے لکھا ہے یا کتاب سے مراد قرآن ہے اور یہود کا اختلاف یہ ہے کہ ان میں بعض مطلقاً قرآن کا انکار کرتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ اُمّیّین عرب کیلئے خاص ہے اہل کتاب اس میں مخاطب نہیں ہیں اور مشرکین کا اختلاف تو بہت زیادہ ہے کسی نے کہا شعر ہے کسی نے کہا سحر ہے کسی نے کہا کہانت ہے افتراء ہے وغیرہ یا کتاب سے مراد جنس کتب الٰہی ہیں اور اختلاف سے مراد کتب الہیہ کے مقاصد میں اختلاف کرنا ہے کوئی توحید کو نہیں مانتا کوئی قیامت کو نہیں مانتا کوئی رسالت کو نہیں مانتا۔ لَفِي شِقَاقٍۢ بَعِيدٍ اس سے مراد مُشَاقّہ اور سخت اختلافات ہیں ان کے آپس میں یہود و نصاریٰ اور عرب کا، یا آخری رسول اور قرآن مجید سے سخت اختلاف مراد ہے۔ بَعِيدٍ میں اشارہ ہے کہ اختلاف میں حق سے اتنے دور ہیں کہ قبول کرنے کیلئے کسی بھی طریقے پر تیار نہیں ہیں اور یہ ان کی ضد عناد کی طرف اشارہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى
الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞ نیکی صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے

میں (منحصر) نہیں ہے نیکی تو (حقیقتاً) اس شخص کی ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور فرشتوں پر اور کتابوں پر نبیوں پر اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے اور غلاموں کو آزاد کرے اور نماز ادا کرے اور زکوۃ دے اور اپنے وعدوں کو پورا کرے جب بھی وعدہ کرے سختی اور تکلیف اور لڑائی میں صبر کرے یہی لوگ (قابل تعریف) سچے اور یہی پرہیزگار ہیں [177]۔

تفسیر 177: اس حصہ کا خلاصہ اس آیت سے 235 آیت تک سورۃ کا تیسرا حصہ ہے جو امور انتظامیہ اور قتال فی سبیل اللہ پر مشتمل ہے۔ اور اس حصہ میں چار ابواب ہیں۔ باب اول یہاں سے آیت 195 تک ہے اس باب میں نفوس کی تہذیب کے لئے دس امور کا ذکر ہوگا جو صحیح عقیدہ نیک اعمال اور اچھے اخلاق پر مشتمل ہوں گے اور اس سے افراد کی اصلاح سے تعمیر ہو جاتا ہے ان میں سے پانچ کا تعلق دل یعنی عقیدہ سے ہے۔ پانچ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں جن کو نیک اعمال کہا جاتا ہے۔ پھر چار امور سیاسیہ کا ذکر ہے جن میں دو کا تعلق نفوس کی حفاظت سے ہے۔ اول ظاہر حفاظت ہے جو کہ قصاص ہے آیت 178 میں اور دوسری حفاظت روحانی ہے جو کہ روزہ رکھنا ہے آیت 182 میں اور دو امور اموال کی حفاظت سے متعلق ہیں اول حفاظت وصیت شرعیہ کے ذریعے سے ہے آیت 180 باب دوم اپنے آپ کو حرام مالوں سے بچانا ہے اور باطل طریقوں سے مال وصول کرنے خصوصاً رشوت ستانی سے اجتناب آیت 188 میں پھر نظم و ضبط اور اتحاد کی بقاء کے لئے چاند کے ذریعے سے حساب کتاب آیت 189 میں پھر مقصد قتال کے لئے قتال کا حکم ہے اور قتال کی علتوں کا ذکر ہے اور آداب کا ذکر ہے آداب زمان و مکان اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے۔ ربط: جب اہل کتاب کی برائیاں بیان کی گئیں تو انہوں نے اعتراض کیا کہ ہم تو نیک ہیں اور ہماری حقانیت ہمارے قبلے سے عیاں ہے تو اس آیت میں ان کا جواب اور نیکی کی تفسیر مذکور ہے۔ بہتر قول یہ ہے کہ اس آیت میں اہل کتاب مؤمنین سب کو خطاب ہے۔ کیونکہ تحویل قبلہ ہونے کی

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے اہلِ کتاب اور مسلمانوں میں اتنی بحثیں چھڑ گئیں کہ جانبین نے نیکی کو صرف قبلہ میں منحصر سمجھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا" لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ " سوال: جب اقامۃ الصلاۃ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے حالانکہ نماز کی پابندی بغیر قبلہ تو نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ تعارض ہے۔؟ جواب: اس مقام پر نیکی کو قبلہ میں منحصر کرنے کی نفی آئی ہے ورنہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تو یقیناً نیک عمل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ "الْبِرَّ" خبر کو مقدم اور معرفہ ذکر کیا ہے یعنی یہ گمان مت کرو کہ نیکی صرف اسی میں منحصر ہے بلکہ یہ تو نیکی کا ایک جزء ہے۔ "قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ" ان دونوں طرفوں کو بطورِ مثال ذکر کیا ہے یا پھر اس وجہ سے کہ نصاریٰ کا قبلہ مشرق کی جانب تھا اور یہود کا بیت المقدس کی جانب تھا اس لئے ان کے اس دعوے کا ذکر کیا ہے۔ تنبیہ: اب بھی یہ مسئلہ ہے کہ اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا مگر یاد رکھیں کہ اس سے مراد صرف اہل قبلہ نہیں ہے جیسا کہ شیعہ اور قادیانی تو کعبۃ اللہ کو قبلہ مانتے ہیں حالانکہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ اہلِ قبلہ سے یہ مراد ہے کہ ان میں کفر کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ظاہر نہ ہو اور نہ ہی اسباب کفر میں سے کوئی سبب ثابت ہو جیسا کہ فقہ اکبر صفحہ 98 میں مذکور ہے۔ اور جو بھی ضروریاتِ دین کے منکر ہوتے ہیں ان کو اہلِ قبلہ نہیں کہا جا سکتا ہے (لہٰذا یہاں) "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ" سے عبارت تقدیری مراد ہے یعنی: ذَا الْبِرِّ مَنْ اٰمَنَ یا پھر مصدر کو فاعل کے معنی میں لایا ہے یعنی اَلْبَارُّ" پانچ چیزوں میں سے ایمان کو ذکر کیا ہے جن کو اصول ایمان کہا جاتا ہے۔

اول: اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا، یعنی اس کے وجود پر ایمان توحید ربوبیت، الوہیت اور احکامِ شریعت پر ایمان اس کے اسماء وصفات پر ایمان۔ دوم: قیامت پر ایمان لانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی تفصیل قرآن مجید میں بیان کی ہے یا احادیث مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تفصیل سے وارد ہیں۔ سوم: ملائکہ پر ایمان لانا یعنی ملائکہ کی ان صفات واحوال پر ایمان لانا جو قرآن وسنت میں وارد ہیں۔ چہارم: تمام کتب جن کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے ان پر ایمان لانا۔ الکتاب سے مراد جنس ہے جو استغراق کا فائدہ دے رہی ہے۔ پنجم: ان تمام رسولوں پر ایمان لانا ہے جو اجمالی طور پر قرآن وسنت میں مذکور ہیں اور جن انبیاء کا تفصیلی صفات کے ساتھ ذکر ہوا ہے ان پر اس تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا ہے۔ اس ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ ایک مکلف کے لئے ابتداء وانتہاء اور وسط پر ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی پہلے ایمان ذات باری تعالیٰ پر جو مبتداء ہے اور آخر میں قیامت پر ایمان جو منتہیٰ ہے اور وسط درمیان میں انبیاء کی نبوت پر ایمان مگر بشر کی نبوت ورسالت ملائکہ کی رسالت اور وحی پر بناء ہے اس وجہ سے ملائکہ اور کتب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر ایمان کو مقدم کیا رسولوں کے ایمان پر جو کہ خلیفتِ الٰہیا ہے۔ تقدیر پر ایمان کو الگ اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت پر ایمان لانے میں تقدیر پر ایمان مضمر ہے نیز کتب سماوی اور احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں۔ لہذا اس کو الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی اگرچہ اصول ایمانیات میں سے تقدیر پر ایمان ایک بنیادی اصول ہے۔ "وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ" ایمانیات ذکر کرنے کے بعد جوارح کے پانچ اعمال مذکور ہیں اس میں اول حقوق کا ذکر ہے یعنی عبادت مالی کی پابندی کرنا "حُبِّهٖ" اس میں پانچ وجوہ تفسیری طریقے ذکر کئے ہیں۔ اول وجہ: "حُبِّهٖ" ضمیر مال کی طرف راجع ہے حُبِّهٖ سے مراد حالت تندرستی ہے جس میں مالداری کی امید اور غربت کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ دوسری وجہ: یعنی محبوب چاہیدہ مال راہ الٰہی میں خرچ کرتا ہے۔ تیسری وجہ: ضمیر "اِيْتَاء" کی طرف راجع ہے یعنی مال خرچ کرنے سے محبت کرتا ہے رضائے الٰہی کا متلاشی ہے اور اخلاص کے ساتھ مال خرچ کرتا ہے۔ چوتھی وجہ: یہ ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے أَلْبَابُ: ذَوِي الْقُرْبٰى اس میں چھ مصارف کا ذکر ہے جن پر مال خرچ کرنا چاہئے اور مال خرچ کرنے کی جو ترتیب ذکر ہوئی ہے وہ اولیٰ فالاولیٰ یعنی اول حقدار اول اور اسی طرح بالترتیب مقدم ہے۔ قیمج جب رشتہ دار ہو تو اول اس کے ساتھ مالی تعاون کرنا چاہیے کیونکہ اس میں دو گنا اجر ہے ایک صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ حدیث زینب و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما حدیث ۱۴۶۹) پھر ان بچوں کا ذکر ہے جو والد سے محروم ہو گئے ہیں وہ زیادہ ضرورت مند اور مدد کے محتاج ہیں ان کو "وَالْيَتٰمٰى" سے موسوم کیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے۔ "وَالْمَسٰكِيْنَ" جو وقتی و عارضی محتاج اور ضرورت مند ہیں یعنی "وَ ابْنَ السَّبِيْلِ" (مسافر) پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن میں ضرورت سوال یعنی مانگنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ لوگ جن کی ملکیت نہیں ہے باوجود اس کے محنت و مشقت کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب بندہ مالک ہی نہیں بن سکتا ہے تو لازماً محتاج ہوگا لہذا ان کو لفظ "وَفِي الرِّقَابِ" میں ذکر کیا۔ اس میں لونڈی غلام، مکاتب، مدبر، قرضدار، مسلمان قیدی سب اس میں داخل ہیں۔ تنبیہ: اِيْتَاءُ الْمَالِ سے مراد واجبی طریقے سے مال خرچ کرنا جو کہ تین وجوہات سے ثابت ہوتا ہے۔ پہلا سبب: یہ ہے کہ اس پر تقویٰ اور صدق مرتب کیا ہے۔ "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" صدق اور تقویٰ وجوبی امور سے پیدا ہوتا ہے۔ "اللباب دوسرا سبب: یہ ہے کہ اول ایمانیات اور بعد میں عملی فرائض اعمال کا تذکرہ ہے لہذا یہ وجوبی ہونے کے لئے قرینہ (دلیل) ہے۔ تیسرا سبب: یہ ہے کہ یہاں مراد اس صفت کے ساتھ متصف ہونا ہے اور استمرار ہمیشہ کے لئے اس صفت کا ہونا وجوب پر دلالت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے۔ نیز جب یہاں پر وجوب کے طریقے پر مال خرچ کرنا مراد ہے تو زکوٰۃ کا ذکر الگ بعد میں کیا گیا ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ فرض زکوٰۃ کے سوا بھی مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے یعنی ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا، بھوک اور لباس میں اور دیگر حاجات میں ان کا خیال رکھنا ہے۔ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ یہ دونوں فرائض ہیں اور زکوٰۃ کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ "اٰتَى الْمَالَ" میں زکوٰۃ مراد نہیں ہے۔ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا یہ جوارح کا پانچواں عمل ہے اور "مَنْ اٰمَنَ" پر عطف ہے یا پھر مقدر مبتدا کی خبر ہے یعنی "هُمُ الْمُوْفُوْنَ" یا عطف ہے مخفی ضمیر پر جو اٰمَنَ کا فاعل ہے اور عَهْدٌ سے مراد عام ہے جو تمام عہود کو شامل ہو یعنی ایمانیہ، عملیہ جو قرآن و سنت میں مذکور ہیں اور وہ عہود بھی اس میں داخل ہیں جو انسانوں کے آپس میں ہوتے ہیں اور یہ لفظ اِذَا عٰهَدُوْا دلالت کرتا ہے کہ عہد کے ساتھ متصل اس کا ایفا بھی کرتا ہے۔ سوال: اَلْمُوْفُوْنَ کی جگہ اَوْفٰى کیوں نہیں فرمایا تا کہ اقام پر عطف ہو جاتا؟ جواب ۱: صلہ جب طویل ہو جائے تو موصول پر عطف کلام میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ جواب ۲: سب سے پہلے ایمانیات کا تذکرہ ہوا جو شریعت سے معلوم ہوتے ہیں درمیان میں امورِ عقلیہ کا ذکر ہے اور عہد کی وفاداری بھی شریعت سے معلوم ہوتی ہے اس لئے اول پر عطف کیا ہے۔ وَ الصّٰبِرِيْنَ یہ جوارح کا پانچواں عمل ہے اور صبر ایک جامع عمل ہے اور تمام اچھائیوں پر حاوی ہے اس وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا ہے۔ وَ الصّٰبِرِيْنَ اس کے منصوب ہونے میں مختلف اقوال ہیں۔ اول یہ ہے کہ یہ مخصوص ہے مدح کے ساتھ اور لفظ اَمْدَحُ یا اَخُصُّ بِالْمَدْحِ اس میں مقدر ہے۔ امام کسائی کا قول ہے کہ یہ اٰتَى کے مفعولوں پر معطوف ہے اور مراد وہ لوگ ہیں جو فقیر ہونے کے باوجود مصائب میں مانگنے سے خود کو بچاتے ہیں۔ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ اَلْبَاْسَآءِ مالی تنگی و مصائب میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ الضَّرَّآءِ بدنی تکلیفوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اس سے مراد قتال فی سبیل اللہ ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور جمہور سارے تابعین سے نقل کیا ہے کہ جب سختی زیادہ ہو تو صبر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ لفظ بَاْس میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا یہ لوگ نیکی اور ایمان کے دعویٰ میں سچے ہیں کیونکہ ان صفات میں ایمان کی تاکید ہے کہ وہ اقوال و افعال میں مخلص ہیں۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ اس لئے کہ یہ لوگ اطاعت کی پابندی اور تمام محرمات سے اجتناب کرتے ہیں۔ فائدہ ۱: امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت سولہ قواعد پر مشتمل ہے جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، میزان، پل صراط، حوض کوثر،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شفاعت، جنت اور جہنم پر، ملائکہ اور کتب منزلہ اور رسولوں پر، واجب اور مستحب صحیح جگہوں پر ایمان اور صلہ رحمی کے ساتھ ساتھ یتیم، مساکین، مسافروں، مہمانوں کا لحاظ اور قدر کرنا، غلاموں کی آزادی اور مانگنے والوں کا لحاظ اور نمازوں کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور وعدوں کی پاسداری، سخت مشکلات میں صبر کرنا ان میں سے ہر ایک قاعدہ مستقل کتاب کا متقاضی ہے اور مذکورہ تمام نیکیوں کے اعمال ہیں۔ فائدہ ۲: اس آیت میں اہل کتاب پر تعریض ہے کہ وہ بعض نبیوں اور کتابوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اور حقوق العباد میں خیانتوں کے مرتکب ہیں اور وعدوں میں وفا بھی نہیں کرتے ان کے یہ بری صفات اس سورۃ میں گزر چکے ہیں نیز مشرکین پر تعریض ہے کہ وہ بھی نیکیوں کے ان صفات سے عاری ہیں۔ فائدہ ۳: مفسر ابن عاشور نے لکھا ہے کہ اس آیت میں تمام انفرادی اور اجتماعی فضائل جمع کیئے گئے ہیں۔ وضاحت کچھ یوں ہے کہ ایمان اور نماز انفرادی فضائل کا منبع ہے جبکہ زکوٰۃ اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔ اور وعدے کے ایفاء میں انفرادی اور اجتماعی فضیلت دونوں جمع ہے۔ انفرادی اس طرح وعدہ پورا کرنا انفرادی فضیلت یعنی کمال نفس ہے جبکہ وعدے میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنا اجتماعی فضیلت ہے۔ اور صبر ہر قسم کے فضائل کا مجموعہ ہے اور اس میں امت کی شجاعت کی طرف بھی اشارہ ہے (التفسیر التحریر والتنویر)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ اے ایمان والو! (قتل عمد کے ذریعے) فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص لینا (جاری کرنا) قتل کیے گئے لوگوں کے بارے میں آزاد، آزاد کے بدلے، غلام، غلام کے بدلے عورت، عورت کے بدلے البتہ جس کسی کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے تو لازم ہے اس بھلائی میں اس کی پیروی (وارث) پر اور قاتل کو لازماً دیت ادا کرنی چاہیے۔ یہ تخفیف (معافی) اور رحمت تمہارے رب کی طرف سے ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اس کو دردناک عذاب ہوگا [178]۔

تفسیر 178: سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ اب ان نیکیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان کا تقاضہ کرتی ہیں۔ اور اس کے ذریعے سے سیاسی نظام کی اصلاح ہوتی ہے اور افراد و نفوس کی حفاظت اس میں حاصل ہوتی ہے۔ لیکن نصاریٰ تو اس کو مانتے نہیں جبکہ یہود اس قانون میں قوموں اور خاندانوں میں تفریق کرتے ہیں بعض لوگوں سے قصاص لیتے اور بعض سے نہیں لیتے ہیں جبکہ تورات میں دیت کا حکم نہیں تھا فقط قصاص لینے کا حکم تھا۔ جیسا کہ مائدہ آیت: ۴۵ میں اس کا ذکر ہے اور جاہلیت والے اس میں زیادتی کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے کہ ایک شخص کے بدلہ میں کئی افراد کو مار ڈالتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام باطل پرستوں کا اس آیت میں رد کیا ہے ۔ کُتِبَ کتابت اصل میں نقش کو کہا جاتا ہے جو مضبوطی کے ساتھ گودھنے کی صورت میں لکھا جاتا ہے مراد پختگی ہوتی ہے ۔ لہٰذا اس کا اطلاق حق اور فرضیت پر ہوتا ہے ۔ عَلَيْكُمُ یہ خطاب ساری امت کو ہے انفرادی نہیں ہے اور امت اس فریضہ کی ادائیگی مجموعی طور پر خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ہی کر سکتی ہے اور خلافت کا قیام شروط کے تحت امت کی ذمہ داری ہے ۔ یا پھر یہ خطاب مقتول کے ورثاء اولیاء کو ہے ۔ البتہ معافی کی گنجائش ہے جیسا کہ بعد میں ذکر ہو رہا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد قاتلین ہوں اللہ تعالیٰ ان کو خطاب کر رہا ہے کہ اپنے آپ کو قصاص کے لئے خود پیش کرو الْقِصَاصُ امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ قَصَّ الْاَثَرَ سے لیا گیا ہے اور اِتَّبَعَ کے معنی میں ہے (ایک دوسرے کا پیچھا کرنا) جیسا کہ سورۃ کہف ۶۴ سورۃ قصص ۱۱ میں ہے یا قص کاٹنے قطع کے معنی میں ہے اور قصاص شرعی میں یہ دونوں معانی موجود ہیں اور امام دمشقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ۔ کہ عرف میں قصاص برابری کرنے کے معنی میں ہے ۔ یعنی قاتل کے ساتھ اس کے عمل جیسا سلوک کیا جائے ۔ فِي الْقَتْلَى یہ قَتِيْلٌ کی جمع ہے بروزن فُعْلَى ہے ۔ اور اس فعل میں استعمال ہوتا ہے ۔ جو کسی پر جبری طور پر کیا جائے جیسا کہ جرحیٰ اور مرضیٰ وغیرہ ۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى نفس کے قصاص سے متعلق پہلا جملہ تامہ مستقلہ تھا ۔ جبکہ اس میں تین فائدوں کیلئے اس کے بعض جزئیات کا ذکر ہے ۔ اول : یہ کہ جاہلیت میں وہ لوگ غلام کے بدلے میں آزاد آدمی کو قتل کرتے تھے اس آیت میں ان کا رد کیا گیا ہے اور اس تخصیص سے ان کو منع کیا گیا ہے ۔ (اللباب) دوم : یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ تمام اقسام میں قصاص کو جاری کرو کیونکہ نفس یا مؤنث ہوگا یا مذکر ہر ایک آزاد ہوگا یا غلام لہٰذا تمام قسموں میں قصاص کو جاری کیا جائے گا ۔ اور بعض اہل علم کے نزدیک یہاں حصر مراد ہے جس کو مفہوم مخالف کا اعتبار بھی کہا جاتا ہے یعنی آزاد کا قتل خاص ہے آزاد کے بدلے میں اور غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا ۔ اس مسئلہ میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے اور اسی طرح غلام کا قتل غلام کے ساتھ خاص ہے اس کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا ۔ (جبکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے) اور انثیٰ کا قتل انثیٰ کے ساتھ مختص ہے یعنی مرد کے بدلے میں عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا ۔ (اس کا بھی کوئی قائل نہیں ہے) لہٰذا بہتر قول یہ ہے کہ یہاں پر حصر نہیں ہے مزید تفصیل تفسیر قرطبی میں ملاحظہ کیجئے اور دیگر کتب احادیث میں دیکھئے ۔ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ اس جملہ میں دوسرا حکم ذکر ہے ۔ عُفِيَ ترک چھوڑ دینے کے معنی میں ہے یعنی قصاص لینا چھوڑ دے ۔ یا پھر مٹانے کے معنی میں ہے ۔ مَنْ سے مراد قاتل ہے ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخِیْہِ سے مراد مقتول ہے اس کو آخِیْہِ اس لئے کہا گیا ہے کہ معافی کے لئے رغبت اور شفقت پیدا ہو جائے۔ اور اس میں دلیل ہے بندہ قتل کے باوجود اسلامی بھائی چارہ سے نہیں نکلتا ہے یعنی قتل سے کافر نہیں ہوا البتہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ضرور ہوا ہے لیکن ایمان سے خارج نہیں ہوا جیسا کہ سورۃ الحجرات / 10 اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ سے بھی واضح ہوتا ہے۔ اور مِن الی یعنی طرف کے معنی میں ہے یعنی ولی کو چاہیے کہ قاتل کو مقتول کا قصاص معاف کرے شَیْءٌ نکرہ جو کہ قلیل کم حصہ پر دلالت کرتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے مثال کے طور پر مقتول کے دو رشتہ دار ہیں ایک معاف کرتا ہے دوسرا نہیں کرتا ہے تو ایک کی معافی سے بھی قصاص ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ قتل میں تجزی (حصے) نہیں ہوتی ہے فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ یہ شرط کے لئے جزاء ہے جو کہ فَمَنْ عُفِیَ میں ہے۔ اور مقدر لفظ یہ ہوگا کہ فَعَلَیْہِ اِتِّبَاعٌ یعنی قاتل کے والی پر لازم ہے کہ ہر حال میں قاتل سے دیت طلب کرے اور یہ دلیل ہے کہ معاف کرنے سے دیت لازمی طور پر ثابت ہوتی ہے ورنہ معافی کس بات کی ہوگی۔ اور اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے اور احناف کے نزدیک دیت ثابت نہیں ہوتی ہے جب تک دیت کی شرط نہ لگائی جائے مگر ان کا یہ قول قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے۔ مَعْرُوْفٌ قرآن مجید میں 38 مرتبہ مذکور ہے اور مَعْرُوْفٌ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو یا شریعت سے ثابت ہو یا عقل سے اس کا حسن معلوم ہو اور یہاں پر دیت طلب کرنے سے نرمی مراد ہے جو کہ اچھا طریقہ ہے۔ البتہ اِتِّبَاعٌ یعنی دیت کا مطالبہ کرنا یہ مقتول کے ولی کا حق ہے اور مَعْرُوْفٌ طریقہ اس میں واجب ہے۔ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ اس سے قبل ثُمَّ عَلَیْہِ مقدر ہے یعنی قاتل پر مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنا واجب ہے۔ اِحْسَانٌ اس سے مراد تال مٹول کئے بغیر دیت ادا کرنا ہے اور جو ادا تنگی تال مٹول کے بغیر حقدار کو ہو جائے تو اپنے اوپر احسان تصور کرتا ہے۔ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ ذٰلِكَ میں اشارہ دیت لینے اور معاف کرنے کی طرف ہے۔ اور یہ تخفیف اس لئے ہے کہ تین چیزوں میں اختیار ہے۔ (۱) دیت (۲) معافی (۳) اور قصاص۔ امام ابن کثیرؒ نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ نصاریٰ کے دین میں صرف معافی تھی اور یہود کے دین میں صرف قصاص اور ہمارے دین میں مذکورہ تینوں چیزیں جائز ہیں۔ وَرَحْمَۃٌ سے مراد وسعت دینا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ اِعْتَدٰی سے مراد بقول ابن عباس رضی اللہ قتادہ رحمہ اللہ کے کہ دیت لینے اور معاف کرنے کے باوجود قاتل کو قتل کیا جائے۔ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اس میں ایک قول سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ اور حسن بصری رحمہم اللہ کا ہے کہ جس نے معافی اور دیت کے باوجود قتل کیا تو اب اس کو صرف قتل ہی کیا جائے گا اس کے لئے دیت اور معافی نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے کیونکہ عَذَابٌ اَلِیْمٌ جب مطلق ذکر ہو جائے تو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مراد آخرت کا عذاب ہوتا ہے اور یہ قول قوی اور اکثر اہل علم کا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾

اے عقلمندو تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو [179]۔

تفسیر 179: یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ تھا کہ قصاص مقرر کرنا تو رحمت الٰہی کے مناسب نہیں ہے کیونکہ بندہ کمزور ہے جس سے جرم سرزد ہونے کا خطرہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ قصاص میں بہت بڑی حکمت ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ سوال یہ ہے کہ حَيٰوةٌ تو زندگی ہے جبکہ قصاص میں تو موت واقع ہوتی ہے؟ جواب ۱: اس سے مراد قصاص لینا نہیں ہے بلکہ قانون قصاص جاری کرنا ہے۔ حیات سے مراد یہ ہے کہ قانون قصاص جاری کرنے کی وجہ سے جب کوئی قتل کرنے کا ارادہ کریگا تو ضرور اس کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ قصاص میں میری جان بھی جاسکتی ہے لہٰذا وہ قتل کرنے سے رک جائے گا اور دو جانیں قتل ہونے سے بچ جائیں گی اسی طرح دونوں کے خاندان بھی فتنہ سے محفوظ ہوں جائیں گے۔ جواب ۲: ایک شخص کا قصاص دوسروں کو قتل وقتال سے منع کرنے کا سبب ہے۔ جواب ۳: حَيٰوةٌ سے مراد آخرت کے عذاب سے سلامتی ہے اور یہ اس قول پر مبنی ہے کہ دنیاوی عقوبتوں (عذاب) سے اُخروی عذاب معاف ہوتا ہے۔ جواب ۴: زندگی سے مراد امن ہے یعنی قانون قصاص سے نفوس کو قتل وغارتگری سے امن ملتا ہے۔ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الباب یہ لب کی جمع ہے اور یہ اس عقل کو کہا جاتا ہے جو خواہشوں اور وہموں سے پاک ہو یعنی قصاص کے فائدوں اور حکمت کو وہی لوگ جانتے ہیں جو خالص عقل والے ہوں۔ جن کی عقل خالص اور صحیح نہیں ہے وہ بے عقل ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تقویٰ سے عام معنیٰ مراد ہے کیونکہ قانونِ الٰہی کا جاری ہونا اور اس کو خوشی سے تسلیم کرنا سب تقویٰ ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ فرض کیا گیا ہے تم پر کہ جب تم میں سے کوئی قریب الموت ہو (مرنے لگے) اور مال چھوڑے جا رہا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کی (شرعی) وصیت کر جائے یہ حق واجب ہے پرہیز گاروں پر [180]۔

تفسیر 180: اس آیت میں اموال کی حفاظت کے لئے دوسرا سیاسی حکم ہے۔ ربط: امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سابقہ آیت میں قصاص کا ذکر ہوا ہے اور جب قصاص کسی سے لیا جاتا ہے تو وہ موت کے قریب ہوجاتا ہے اس لئے اسکو وصیت کا حکم دیا گیا ہے۔ مفسر مہائمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سابقہ مضمون میں بِرّ نیکی کا ذکر گزر گیا تو اس میں بھی بِرّ یعنی نیکی کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکم ہے جو کہ وصیت ہے اس لئے اس کو یہاں ذکر کیا گیا۔اور جب یہ انسانیت کا تقاضا ہے اور ہر شخص کو اس کا لحاظ بھی کرنا چاہیے تو اس لئے یوں نہیں فرمایا کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْكُمْ عَلٰی کا لفظ کتابت کے بعد فرض پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم واجبی ہے اور کبھی کبھار استحباب کے لئے بھی آتا ہے۔اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ لفظ اِذَا ظرف کے لئے ہے۔ سوال: انسان پر جب موت آجائے تو پھر کس طرح بات کریگا۔؟ جواب: اس سے مراد علاماتِ موت ہیں یا پھر حضور، قربت کے معنی میں ہے اور وہ وقت یقینی طور پر وصیت کا ہے۔اِنْ تَرَكَ خَیْرًا یہ شرط ہے اور اس کی جزاء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ جزاء مقدر ہے یعنی فَلْیُوْصِ پس اس کو چاہیے کہ وصیت کرے۔دوسرا قول یہ ہے کہ کُتِبَ اس کی جزاء ہے اور یہ قول ان لوگوں کا ہے جو جزاء کو شرط پر مقدم جائز مانتے ہیں اس مقام پر خَیْرًا مال کو کہا جاتا ہے امام دمشقیؒ نے اللباب میں لفظ خیر کے آٹھ معانی ذکر کئے ہیں یعنی قرآن میں آٹھ معانی مذکور ہیں۔اول معنی مال جیسا کہ اس آیت میں ہے دوسرا معنی ایمان سورہ انفال ۷۰/۲۳، تیسرا معنی افضلیت کا ہے جیسا کہ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ چوتھا معنی مصیبت سے عافیت یونس ۱۰۷، پانچواں معنی اجر وثواب ہے، چھٹا معنی طعام ہے قصص ۲۴، ساتواں معنی کامیابی اور غنیمت سورہ احزاب ۲۵، آٹھواں معنی گھوڑے سورہ ص ۳۲، یہاں عام معنی ہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔اَلْوَصِیَّةُ وصیت اصل میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے متعلق حکم اور تاکید ہو اور اس کے کرنے کی تاکید کی جاتی ہو۔سوال: یہ اَلْوَصِیَّةُ کُتِبَ کا نائب الفاعل ہے لہٰذا یہ مؤنث ہونا چاہیے تھا۔؟ جواب: یہ اِیْصَاءً کے معنی میں ہے یا مؤنث حکمی ہے یا درمیان میں فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کُتِبَ صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ لام اپنے معنی پر ہے والدین اور اقربین (مُوْصٰی لَهُمْ) جن کیلئے مال میں سے کچھ حصے کی وصیت کی گئی ہو بِالْمَعْرُوْفِ یہ عدل کے معنی میں ہے یعنی فقیر مسکین کو نظر انداز مت کرو بلکہ عدل و انصاف سے کام لو۔(تفسیر سراج المنیر) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے احسان اور نرمی کا معنی مراد لیا ہے یعنی جس میں کمی زیادتی نہ ہو۔امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کو مُوْصِی اور وَصِی یعنی وصیت کرنے والے اور جن کیلئے وصیت کی جاری ہو جنہوں نے کہا کہ تیسرے حصہ میں وصیت جائز ہے تو وہ میراث کے حکم کے ساتھ خاص ہے۔حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ یہ کُتِبَ کیلئے مفعول مطلق ہے جس کا موصوف مقدر ہے یعنی کُتِبَ کِتَابًا حَقًّا یا پھر مضمونِ جملہ کیلئے تاکید ہے یعنی حَقَّ ذٰلِكَ حَقًّا اور حق لازمی اور واجبی کے معنی میں ہے۔ سوال: متقیوں کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی یہ تو تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔؟ جواب: متقین سے مراد وہ مؤمنین ہیں جو ادائیگی واجبات کی وجہ سے حصولِ تقویٰ کے متلاشی ہوتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ جواب ۲: حق امر اور مناسب کے معنی میں ہے اور متقین اپنے معنی میں ہے۔ فائدہ ۱: اس آیت کے منسوخ اور محکم ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پہلی توجیہ: بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت آیت میراث یعنی سورہ نساء اور صحیح بخاری کی حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (ابن حبان 2398، طبرانی 7637، احمد 2/267، عبدالرزاق 16308، ابوداود طیالسی 1128، ابوداود 3565، ترمذی 1265، ابن ماجہ 2398) سے منسوخ ہوئی ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سابقہ دور میں میراث صرف ولد کا حق تھا اور والدین کیلئے وصیت کی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا منسوخ کیا (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث ۴۵۷۸) اور بعض مفسرین یعنی ضحاک، طاؤس اور حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ آیت اگرچہ عام ہے مگر ان والدین اور اقرباء کے ساتھ خاص ہے جو میراث سے محروم ہو چکے ہیں جیسا کہ والدین، کافر یا غلام ہیں اور وہ رشتہ دار جو دور ہونے کی وجہ وراثت میں حقدار نہیں ہیں۔ اس قول کو امام طبری نے پسند کیا ہے اور امام زہری سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔ دوسری توجیہ: غیر منسوخ ہونے کی یہ ہے کہ لِلْوَالِدَيْنِ میں لام إلی کے معنی میں ہے اور والدین اور اقرباء وصی ہوں گے یعنی وہ لوگ جن کو مرتے وقت مرنے والا کوئی کام حوالے کرتا ہے یعنی مرنے والا وصیت کرے کہ میرے مال میں حکم الٰہی کو جاری کرو اور کسی کا کوئی حق کم نہیں کرنا یعنی والدین اور رشتہ داروں کو اپنے مال میں حکم شرعی جاری کرنے کی وصیت کرتا ہے اس قول کے مطابق تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا وَصَّى اللهُ بِهِ مِنْ قَوْلِهِ يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (سورہ نساء: ۱۱) اس قول کو امام رازیؒ، ابو مسلم اصفہانی اور دمشقی رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے اس قول میں یہ بھی داخل ہے کہ وصیت میں ان کو غیر شرعی امور سے منع کریں۔ یعنی سالگرہ، چہلم، جمعرات کے کھانے، اسقاطِ مروجہ اور شام کے وقت مردے کے پیچھے کھانے وغیرہ جو کہ اس ملک میں رائج ہیں نیز اگر کسی کا مال ورثہ میں باقی نہیں ہو تو دین پر وصیت کریں یعنی اپنے اہل کو کتاب وسنت پر چلنے کی تلقین کریں جیسا کہ اس سورۃ میں مذکور ہے۔ وَوَصَّى بِهَا إِبْرٰهِمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ فائدہ ۲: اس سے معلوم ہوا کہ جو آیت تلاوت کے اعتبار سے قرآن میں باقی ہو اور اس کے حکم کو علماء نے منسوخ کہا ہو تو اس کا ایک حکم منسوخ جبکہ دوسرا باقی ہوتا ہے اور کبھی ایک حکم واجب منسوخ ہوتا ہے تو دوسرا حکم مستحب باقی رہتا ہے۔ اور اس طریقے سے آیات قرآنی کا استیصال نہیں ہوتا ہے۔

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾

جس نے اس حکم (وصیت) کو سننے کے بعد تبدیل کر دیا تو اس بدلنے کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ خوب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاننے اور سننے والا ہے [181]۔

تفسیر 181: اس آیت میں صحیح وصیت کو باقی رکھنے کی تاکید اور وصیت تبدیل کرنے پر وعید اور تنبیہ ہے۔ فَمَنۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ۔ سَمِعَهٗ اس میں ہ ضمیر وصیت کی طرف راجع ہے اور وصیت ایصا کے معنی میں ہے۔ سمع عام ہے خود سنا ہو یا کسی باوثوق ذریعے سے شہادت ملی ہو فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ اس میں ضمیر تبدیل ہونے کی طرف راجع ہے عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ یہ تصریح کرنا دلیل ہے کہ وصیت کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى میں یہ قانون الٰہی مذکور ہے اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اس میں تبدیل اور جنف (ظلم) کرنے والے کے لئے تخویف ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸۲ ع

جو شخص بارے وصیت کرنے والے کی (غلطی سے) جانب داری سے یا (قصداً) گناہ سے تو صلح کرے ان میں (ایسا کرنے سے) اس پر گناہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [182]۔

تفسیر 182: اس آیت میں عام مسلمانوں کو اصلاح کی ترغیب ہے۔ فَمَنْ خَافَ یہ خوف علم کے معنی میں ہے یعنی اس کے برے نتیجے سے خوف ہو سکتا ہے اس وجہ سے اس کو خوف کہا گیا ہے۔ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا جنف زیادتی اور ظلم میلان کو کہا جاتا ہے مگر میلان سے مراد جان بوجھ کر صحیح درست طریقے سے اعراض کرنا ہے اور اثم سے مراد اس مقام پر بسبب جہل میلان ہے۔ جبکہ بعض مفسرین نے اس کے برعکس لکھا ہے اور اس سے مراد حق کے خلاف وصیت لی ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کی مثالیں ذکر کی ہیں یعنی بعض وارثوں کی حق تلفی کر لیتے ہیں یا ثلث سے زیادہ دینے پر وصیت کرنے سے ان کو اذیت دیتے ہیں یا داماد کے لئے وصیت کرتا ہے یا نواسے کو وصی بناتا ہے اور میں راقم الحروف کہتا ہوں کہ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ بدعات، رسومات، چہلم، سالگرہ اور مغرب کا کھانا اور حیلہ اسقاط مروجہ کی وصیت کی گئی ہو تو یہ حق کے خلاف ہے۔ فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ ضمیر بَيْنَهُمْ میں وصیت کرنے والے اور جن کو وصیت کی گئی ہو یا وارثوں کی طرف راجع ہے۔ اور اصلاح سے مراد اس وصیت کو شرعی طریقے سے واپس کرنا اور ظلم و زیادتی سے بچانا ہے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وصیت تبدیل کرنے میں گناہ کا وہم پیدا ہو رہا تھا تو اس وہم کو ختم کرنے کیلئے گناہ کی نفی کی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وہ وصیت کرنے والا جو ابھی زندہ ہو اور اپنی غلطی کو مان جائے اور توبہ کرتے ہوئے اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرتا ہے کیونکہ وہ رحم کرنے والا ہے لہٰذا اس پر رحم کر دیتا ہے۔ سوال: خوف تو وہاں استعمال ہوتا ہے جو زمانہ مستقبل میں ہو جبکہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

یہاں تو وصیت واقع ہوئی ہے تو لفظ خوف استعمال کرنے کا کیا فائدہ ہے۔؟ جواب ۱: خوف مجازاً علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔ جواب ۲: اصلاح کرنے والے کو علامات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وصیت کرنے والا گناہ کی طرف مائل ہو رہا ہے لہٰذا وصیت جاری کرنے سے پہلے اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ جواب ۳: وصیت کرنے والا موت سے پہلے اپنے جَنَف یا اِثْم سے رجوع کر لیتا ہے تو وہ جنف اور اثم معلق رہ جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ أَيَّامًا
مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ
الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ
وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾ اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر روزے رکھنا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔ تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو[183] گنتی کے چند دن ہیں لیکن تم میں سے جو بیمار یا سفر پر ہو (اور روزے چھوڑ دے) تو (بطور قضاء) اور دنوں میں سے گنتی کو پورا کریں اور ان لوگوں پر جو روزہ رکھنے سے قاصر ہوں مسکین کو (ایک دن کا) کھانا کھلانا ہے اور جو بھی اخلاص کے ساتھ نیکی کا عمل انجام دیتا ہے تو اس کیلئے بہت بہتر ہے اور روزے رکھنا تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو[184] رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید کا نزول (شروع) ہوا ہے جو تمام لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور اس میں سابقہ ہدایات میں سے واضح نشانیاں ہیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے والا ہے۔ تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے تو اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے البتہ جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو اپنے روزوں کی گنتی دوسرے دنوں میں پوری کرے اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں تاکہ تم روزوں کی گنتی پوری کرلو اور تم اس کی دی ہوئی ہدایات پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور تاکہ تم شکر گزار بنو[185]۔

تفسیر 183: گزشتہ آیات سے ربط: پہلے بعض فرائض قصاص، وصیت کا ذکر مکلفین کے لئے ہوا تو اب ایک اور فریضے کا ذکر ترغیب کے ساتھ کیا جا رہا ہے (القرطبی)۔ امام ابو حیان رحمہ اللہ نے البحر المحیط میں فرمایا ہے کہ پہلے فریضہ قصاص کا ذکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے جو نفوس کی ہلاکت اور موت پر مبنی تھا اور بہت سخت حکم تھا، پھر وصیت کا ذکر ہوا جو مال نکالنا ہے اور وہ انسان کی روح نکالنے سے کم نہیں ہے اور یہ حکم بھی سخت تھا اور اب روزے کا حکم ہو رہا ہے جو بدن کیلئے کمزوری کا سبب ہے اور یہ حکم بھی سخت ہے لہٰذا یہ أَشَقّ سے شَاقّ کی طرف تَنَزُّل ہے۔ اور (پیر) میں تین ارکان اسلام گزر چکے ہیں ۔ ایمان، نماز، زکوٰۃ تو اب چوتھا رکن یعنی روزے کا حکم ہو رہا ہے۔ ابن عاشور رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو تزکیہ نفس پیدا کرتا ہے اور اس میں ایک ایک فرد کی اصلاح ہے اس میں انفرادیت سے اجتماعیت بنتی ہے اس لئے اس کو احکام سیاسی اجتماعی میں شمار کیا گیا ہے اور روحانی طریقے سے اس میں امن قائم ہوتا ہے اس آیت میں روزے کی فرضیت اور اس کے مختصر فوائد کا ذکر ہے۔ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ روزہ رکھا جائے۔ كُتِبَ قصاص اور صوم کے متعلق كُتِبَ صیغہ مجہول کے ساتھ مذکور ہے اگرچہ یہ معلوم ہے کہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے مگر یہ تکلیف اور مصیبت کے امور ہیں اسلئے ان کی نسبت بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف مناسب نہیں تھی، جبکہ رحمت اور خیر کے کام ایمان اور غلبہ اسلام یہ ظاہری خوشی کے اسباب ہیں تو ان کی نسبتیں اللہ تعالیٰ کی جانب کی گئی ہیں جیسا کہ سورہ انعام 54، سورہ مجادلہ 21، 22، میں ہے۔ سوال: سورہ مائدہ آیت 45 میں قصاص کی نسبت معلوم کے صیغے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔؟ جواب: وہاں خطاب یہود کو ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہود کی مغضوبیت کی وجہ سے صراحتاً اپنی طرف تربیت کی نسبت کی ہے۔ الصِّيَامُ لغت میں صیام کا معنیٰ ہے کسی چیز سے رک جانا اور ایک جگہ ٹھہر جانا اور اصطلاح شریعت میں طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے بنیت صیام رک جانا ہے۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ اس تشبیہ میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: کہ یہ تشبیہ فرضیت میں ہے اور اس تشبیہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس فرضیت کا حکم اکیلے تم پر نہیں بلکہ سابقہ امتوں کو بھی ہوا تھا یہ اس امت کے لئے حکم ماننے میں تخفیف ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ گنتی میں تشبیہ ہے پھر بھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ (۱) اس سے مراد ایام بیض ہیں یعنی چاند کی (۱۳ـ۱۴ـ۱۵) تاریخیں، پھر یہ حکم بعد والی آیت سے منسوخ ہوا ہے۔ (۲) اس سے رمضان المبارک کے روزے ہی مراد ہے جو کہ یہود و نصاریٰ پر فرض تھے مگر نصاریٰ نے اس میں غلو کرتے ہوئے ۳۰ سے ۵۰ بنا دیئے تھے اور وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ سے آدم علیہ السلام سے آخری امت تک سب لوگ مراد ہیں یعنی کوئی آسمانی دین روزہ کی فرضیت سے خالی نہیں رہا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے کہ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے (صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

8۔صحیح مسلم باب ارکان الاسلام حدیث 16) ان میں سے ایک روزہ ہے جو کہ رمضان المبارک کے مہینے میں ہی رکھا جاتا ہے۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ مراد مِن قَبْلِكُمْ میں یہود و نصاریٰ ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ روزہ رکھنے کا اصل فائدہ حصول تقویٰ ہے۔ امام زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تقویٰ سے مراد گناہوں سے اجتناب ہے کیونکہ روزہ رکھنے سے نفس شہوات سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ روزہ گناہوں سے بچنے کیلئے ڈھال ہے (صحیح بخاری کتاب الصیام حدیث 1904، صحیح مسلم حدیث 1151) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے جھوٹ اور گناہوں سے اجتناب نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے کھانے، پینے روزہ رکھنے کی کوئی پروا نہیں کرتا ہے۔

تفسیر 184: اس آیت میں روزے کی مدت اور ان عذروں کا بیان ہے جن کے سبب سے روزہ عارضی طور پر مؤخر کیا جاتا ہے۔ اور ان روزوں کے فدیہ کا حکم مذکور ہے۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ اس سے قبل صُوْمُوْا فعل مقدر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ نصب یعنی (زبر) الصیام کی وجہ سے ہے تو ابو حیان نے ان کا رد کیا ہے۔ لفظ مَعْدُوْدَاتٍ کم ہونے کی وجہ سے ہے اسلئے کہ معدود وہ چیز ہے جو گنی جائے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کی تعیین ایک خاص عدد کے ساتھ کی گئی ہے اور اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کے متعلق مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رمضان المبارک کی راتیں اور دن ہیں جس کو لفظ شہر رمضان سے بیان کیا ہے۔ اور اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہوئے اس حکم کے (ثقل) بھاری پن کو ختم کیا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا مفسر نیشاپوری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مرض سے مراد وہ بیماری ہے کہ نفس میں زیادت مرض پیدا کرتی ہو اور سبب ہلاکت ہو یا کسی دیندار ماہر طبیب نے روزہ رکھنے سے منع کیا ہو۔ (تفسیر نیشاپوری) اَوْ عَلٰى سَفَرٍ سفر سے مراد شرعی سفر ہے اور وہ تین ائمہ یعنی امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک ۱۶ فرسخ ہے یعنی چار برید ہے جس کی کل مسافت ۴۸ میل بن جاتی ہے کیونکہ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل چار ہزار قدم جسکو خطوات بھی کہا جاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین دن کا سفر ہے۔ اور لفظ عَلٰى سَفَرٍ کی صراحت کیلئے ہے کیونکہ سفر کا ارادہ کرنے والا بھی مسافر کہلاتا ہے (نوٹ: صحیح مسلم وغیرہ میں ثلاث امیال وثلاث فرسخ مذکور ہے یعنی تین یا نو میل میں سفر کا اطلاق ہوتا ہے، مترجم) لہٰذا ایسے بندے کیلئے رخصت نہیں ہے اگرچہ اس میں اختلاف ہے۔ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ لفظ عدت ذکر فرمایا ہے بجائے لفظِ صیام کے جو کہ صریح دلیل ہے کہ برابری قضاء کی صرف دنوں کی گنتی میں ہے۔ لفظ اخریٰ نہیں فرمایا بلکہ اُخَرَ فرمایا تاکہ اشارہ ہو جائے کہ یہ عدت کی صفت نہیں بلکہ ایام کی صفت ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان روزوں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پے درپے رکھنا یا فوری رکھنا لازمی شرط نہیں ہے نیز تاخیر کرنے میں کفارہ نہیں ہے البتہ اس میں اختلاف ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اس جملہ میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول تو امام بخاری نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ شروع اسلام میں جب روزہ فرض کیا گیا تو طاقت رکھنے والوں کو بھی اجازت دی گئی تھی کہ روزہ رکھے یا مسکین کو کھانا کھلائے لیکن بعد والی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوا۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس قول کی بناء پر يُطِيْقُوْنَهٗ ظاہری معنی میں ہے (کتاب الصیام و کتاب التفسیر حدیث 1949، 4506)۔
دوسرا قول: سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت ضعیف العمر مرد اور عورت نیز وہ مریض جس کی صحت مندی کا امکان نہ ہو ان کے متعلق ہے۔ (تفسیر البحر المحیط) اس طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین جنہیں اپنا اور اپنے بچے کا خوف ہو اور ہر وہ شخص اس حکم میں داخل ہے کہ روزہ رکھنے سے اس کو سخت بیماری اور ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ مفسر ابن عاشور، احناف کے نزدیک ضعیف العمر اور دائمی مریضوں کے متعلق قضاء نہ اداء فدیہ کا حکم ہے جبکہ فدیہ میں ان کا اختلاف ہے۔ سوال: آخری قول کے مطابق تو يُطِيْقُوْنَهٗ درست نہیں ہے کیونکہ ان میں طاقت نہیں ہے؟ جواب: اس کا جواب تین طریقوں سے دیا جاتا ہے۔ (۱) اس میں حرف (لا) مقدر ہے جیسا کہ سورۃ النساء (176) میں ہے۔ (۲) دوسرا طریقہ اطاق يطيق باب افعال سے ہے اور اس میں ہمزہ سلب ماخذ کیلئے ہے یعنی جن کی طاقت سلب ہوئی ہو۔ (۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظ طاقت وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں قدرت موجود ہو مگر انتہائی مشقت سے ہو (تفسیر روح المعانی) طاقت قدرت کا وہ مرتبہ ہے جس میں انسان عجز کے قریب ہو جائے۔ (مفسر ابن عاشور) اور امام فراء بغوی نے بھی طاقت کی تفسیر جہد اور مشقت سے کیا ہے۔ اور اس کی تائید دوسری قراءت سے بھی ہوتی ہے۔ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ فَلَا يُطِيْقُوْنَهٗ یہ قراءت تفسیر کے طور پر منقول ہے اور ان کی توجیہات میں يُطِيْقُوْنَهٗ کی ضمیر روزہ کی طرف راجع ہے۔ اور امام فراء رحمہ اللہ نے معانی القرآن میں فرمایا ہے کہ ضمیر فدیہ کی طرف راجع ہے کیونکہ فدیہ مذکر ہے بتاویل طعام اور مبتدا موخر ہے اور عَلَى الَّذِيْنَ خبر مقدم ہے اس میں اشارہ ہے کہ جو فدیہ کی طاقت رکھتے ہوں ان پر مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اور شاہ ولی اللہ کی توجیہ کے مطابق اس میں صدقۃ فطر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ واجب ہے۔ (فدیہ) اصل میں اس بدلے کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کی جگہ قائم مقام ہو اور جزاء کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور طعام اطعام کے معنی میں ہے یعنی کھانا کھلانے کے معنی میں ہے اور یہ فدیہ کا بیان ہے اور لفظ مسکین میں فدیہ کا مصرف یعنی خرچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی جگہ مذکور ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک آدھا صاع گندم سے جبکہ دیگر غلوں سے پورا صاع ہے اور ابن عباس سے دو وقت کا کھانا کھلانا منقول ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل) فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ مجاہد کے قول کے مطابق ایک مسکین کے بجائے دو مسکینوں کو کھانا دینا ہے یعنی دو فدیے دیے جائیں امام زہری کا قول یہ ہے کہ فدیہ بھی دیں اور روزہ بھی رکھیں البتہ تطوع لفظ اس عمل پر دلالت کرتا ہے جو کہ اخلاص کے ساتھ ہو جائے اور خیر سے مراد وہ عمل ہے جو دلیل شرعی سے ثابت ہو۔ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ منسوخ قول کی بناء پر معنی یہ ہوگا کہ روزہ رکھنا اور فدیہ دینا بہتر ہے صرف فدیہ دینے سے اور دوسرے قول کی بناء پر معنی یہ ہوگا کہ ضعیف لوگ اور دودھ پلانے والی خاتون اور حاملہ اگر مشقت کے ساتھ روزہ رکھ لے تو یہ بہتر ہے اور روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے سے بہتر ہے۔ امام رازی نے فرمایا یہ خطاب عام ہے یعنی مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اس کی جزاء جو کہ مقدر ہے یعنی فَالصَّوْمُ خَيْرٌ لَّهُ اس کے لئے روزہ بہت بہتر ہے۔

تفسیر 185: اس آیت میں رمضان کے روزوں اور مہینے کا تعین اور عظمت کا ذکر ہے اور روزے کی فرضیت اس مہینے کے معلوم ہونے کے بعد ہے۔ سفر اور بیماری میں (رخصت) کا بیان ہے جس کی قضاء بعد میں ادا کرے گا مذکورہ حکمتوں کے علاوہ اور بھی حکمتیں وارد ہیں شَهْرُ رَمَضَانَ اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ پہلا قول: امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ خبر ہے جس کی مبتدا مقدر ہے یعنی ذٰلِكُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ اور ذٰلِكُمْ میں اشارہ ہے أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ کی طرف تو اس کے ذریعے سے دنوں کا تعین ہو گیا کہ رمضان کا پورا مہینہ ہے۔ امام اخفش رحمہ اللہ کے نزدیک عبارت اس طرح ہے اَلْمَكْتُوبُ عَلَيْكُمْ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ یعنی تم پر رمضان المبارک کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔

دوسرا قول: امام کسائی کا ہے کہ یہ اَلصِّيَامُ سے بدل ہے جو آیت کے شروع میں واقع ہے۔ تیسرا قول: ابوعلی فارسی کا ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ مبتدا ہے اور الَّذِي أُنْزِلَ آخر تک جملہ اس کی صفت ہے۔ اور هُوَ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَوْمَهُ اس کے لئے مقدر خبر ہے۔ یعنی یہ وہ مہینہ ہے جس کے روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں۔ چوتھا قول: بعض نحوی مفسرین کا یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ اس میں خبر ہے۔ کہ رمضان المبارک چاند کے حساب سے شرعی مہینوں میں اس کا نام ہے یہ (رمض) سے لیا گیا ہے یعنی (جلنا) اس مہینے میں مختلف اعمال صالحہ سے گناہ جل جاتے ہیں۔ نیز یہ قول بھی ہے کہ نام رکھتے وقت سخت گرمی تھی۔ جبکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ رمض اس بارش کو کہا جاتا ہے جو زمین کو گرد و غبار سے پاک کر دے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح رمضان المبارک کا مہینہ دلوں سے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے اللباب اور لفظ شَهْرُ دلیل ہے کہ اس سے مراد مہینے کے سارے دن ہیں کیونکہ لفظ مہینہ تمام دنوں پر محیط ہوتا ہے۔ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اس جملہ میں اس مہینے کی فضیلت کا اظہار مذکور ہے اور اس مہینے کی قرآن مجید سے مناسبت یہ ہے کہ قرآن مجید میں مومنین کیلئے نفوس کا تزکیہ اور گناہوں اور گمراہیوں سے پناہ ہے اسی طرح روزوں سے طہارت قلبی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں طہارت کے اسباب اس مہینے میں جمع ہو گئے ہیں۔ اُنْزِلَ سوال: صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ قرآن مجید (23) سال دورِ نبوت میں نازل ہوا ہے جبکہ یہاں پر رمضان ہی میں نزول کا ذکر ہے۔؟ جواب: یہاں نزول قرآن سے مراد اس کی ابتداء ہے اور وہ رمضان میں ہوئی ہے۔ یہ محمد بن اسحٰق کا قول ہے۔ جبکہ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ اس سے مراد رمضان کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم کا نزول ہے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ اس انزال سے مراد فرضیت رمضان ہے۔ سوال: سورۃ القدر میں ہے کہ قرآن مجید کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا ہے۔؟ جواب: ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ دلیل ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہے باقی رہا نزول قرآن مجید کا تو دنیا کی آسمان پر اس کا نزول ایک بار یعنی اکٹھا ہوا ہے اور پھر بوقت ضرورت موقع محل کے اعتبار سے (23) سال میں نزول ہوا ہے جسکی تفصیل میں نے سورۃ القدر میں بیان کی ہے۔ الْقُرْاٰنُ یہ لفظ قرآن مجید میں (58) مرتبہ مذکور ہے۔ اور قرآناً نکرہ (10) مرتبہ ذکر ہے جبکہ قُرْاٰنَهٗ دو مرتبہ مذکور ہے اکثر مقامات پر اس کا اطلاق قرآن مجید کے نام کے طور پر ہوا ہے اگرچہ بعض حصہ پر اطلاق ہو یا کل پر ہو اور کبھی نفس قراءت پر اطلاق ہوا ہے جیسا کہ۔ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ سورۃ اسراء (78) میں یہ مراد ہے۔ اکثر اہل علم نے فرمایا ہے کہ قرآن لفظ قَرْءٌ سے لیا گیا ہے اور قَرْءٌ لغت میں جمع کرنے کو کہا جاتا ہے۔ قرآن میں بھی آیتیں، سورتیں ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہوئی ہیں۔ اور اس میں قصص، احکام، امثال، توحید پر دلائل اور آخری نبی ﷺ کی سچائی وغیرہ جیسے مضامین جمع ہیں۔ امام خازنؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ لفظ قرآن معہود ہی ہے یعنی قرء سے نہیں لیا گیا ہے۔ تو بعض علماء کا قول ہے کہ یہ قَرْنٌ سے لیا گیا ہے یعنی جمع کرنے کے معنی میں ہے۔ امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ قرآن مَقْرُوْءٌ کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا نام ہے اور مخلوق نہیں ہے اور اس بات پر اہل سنت والجماعۃ (سلف صالحین) کا اتفاق ہے یہ قرآن جو تلاوت کیا جاتا ہے، پڑھا جاتا ہے لفظاً (حرفاً) کلام اللہ ہے جنہوں نے یہ بات کی ہے کہ کلام لفظی قرآن نہیں بلکہ کلام نفسی قرآن ہے یہ قول بدعت پر مبنی اور سلف صالحین کے عقائد سے متصادم ہے مزید تفصیل اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحقیق کیلئے سلف صالحین کے عقائد پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ اس میں قرآن مجید کے دو اوصاف ذکر کرتے ہوئے عظمت کا ذکر ہے پہلی صفت یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت عام ہے عقائد اور احکام اس میں شامل ہیں۔ دوسری صفت بَيِّنٰتٍ ہے خاص کو عام پر عطف کیا ہے بینات کی اہمیت شرافت کی وجہ سے یعنی ہدایت بعض اوقات پوشیدہ ہوتی ہے اور بعض اوقات جلی ہوتی ہے تو بینات میں واضح ہدایت مراد ہے یعنی حلال وحرام، مواعظ، توضیح وغیرہ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ تمام کتب الٰہیہ مراد ہیں جس میں قرآن بھی شامل ہے۔ اول هُدًى سے قرآن کی ہدایت اور دوسری هُدًى سے سابقہ کتب کی ہدایت مراد ہے یا پہلے سے اصول اور عقائد اور دوم سے فروع اور احکام مراد ہیں اور الْفُرْقَانَ سے مراد وہ دلائل ہیں جو حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ رمضان المبارک کی عظمت ذکر کرنے کے بعد اب اس کے حق کی ادائیگی ذکر ہو رہی ہے اس لئے (فا) ذکر کیا ہے شَهِدَ حَضَرَ یا عَلِمَ کے معنی میں ہے البتہ رَأٰی دیکھنے کے معنی میں نہیں ہے سبب اول یہ ہے کہ دیکھنے کیلئے شَاهِدٌ استعمال ہوتا ہے۔ شَهِدَ استعمال نہیں ہوتا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ (رای) دیکھنے کے معنی میں ہے پھر ہر شخص کیلئے چاند دیکھنا لازم ہو جائے گا۔ جبکہ ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ جب شَهِدَ حَضَرَ کے معنی میں استعمال ہو جائے تو اَلشَّهْرَ مفعول فیہ بن جائے گا یعنی وہ شخص جو اپنے ٹھکانے پر موجود ہو اور دیگر اعذار میں سے کوئی عذر شرعی نہ ہو اور جب عَلِمَ کے معنی میں ہو تو اَلشَّهْرُ مفعول بہ بنے گا مگر تقدیری عبارت دُخُوْلُ الشَّهْرِ یا حُلُوْلُ الشَّهْرِ ہوگا۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ (صحیح بخاری فی الصوم حدیث 1900، صحیح مسلم فی الصیام حدیث 1080، ابن ماجہ حدیث 1654، ابن خزیمہ حدیث 1905 ابوداؤد طیالسی حدیث 1810) اس میں رؤیت علم کے معنی میں ہے خبر کا پہنچنا پہنچ جانا یا خود چاند کو دیکھ لینا مراد ہے یعنی عادل کی گواہی یا خود دیکھ لینا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ خبر اور کسی بھی علاقہ میں ہو اور دیگر علاقوں میں صحیح خبر پہنچ گئی ہو یعنی کسی علاقہ اور ملک کی اس میں قید اور تعیین نہیں ہے آیت مذکورہ اور حدیث نبوی اس پر واضح دلیل ہے اگرچہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وجہ سے اختلاف ہے جو اختلاف مطالع پر دلالت کرتا ہے (صحیح مسلم)۔ تفصیل کیلئے احکام کی کتب کی طرف رجوع کریں۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ تو سابقہ آیت میں گزر گیا ہے پھر دوبارہ لانے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب ۱: پہلی آیت میں اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ سے مراد ایام بیض کے روزے تھے یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ اور وہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رمضان المبارک کے روزے مراد نہیں تھے اس لئے اس عذر کو ذکر کیا جبکہ یہاں پر رمضان المبارک مراد ہے اس لئے اس جملے کو دوبارہ ذکر کیا جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ وہاں مراد ایام سے رمضان تھا مگر جب فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ مطلق ذکر کیا جس سے یہ وہم پیدا ہو گیا کہ اس میں مریض اور مسافر بھی آ گیا تو اس وہم کو ختم کرنے کیلئے دوبارہ اس رخصت کو ذکر کیا۔ اور اختصار کی وجہ سے دوبارہ مِنْكُمْ ذکر نہیں کیا۔ جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ بعد میں علتوں کو ذکر کرنا مقصود تھا تو اس وجہ سے معلول کو دوبارہ ذکر کیا تاکہ علتوں کے بیان کیلئے قربت حاصل ہو جائے۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ یہاں پر پانچ احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ اول: مسافر اور مریض سے روزوں کی فرضیت کو ساقط کیا دوم: قضاء روزوں کیلئے دنوں کا تعین کرنا۔ سوم: قضاء روزوں کو اس کے موافق دوسرے دنوں میں ادا کرنا۔ چہارم: قضاء روزوں کی ادائیگی کو فرضیت کا مقام دینا۔ پنجم: ان احکام کی پابندی کرنا۔ تو علتوں کا بیان بالترتیب ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے حکم کی علت لِيُرِيدُ اللَّهُ ذکر کی، دوسرے حکم کی علت وَلَا يُرِيدُ ذکر کی، تیسرے حکم کی علت وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ، چوتھے حکم کی علت وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ ذکر کی، جبکہ پانچویں حکم کی علت وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ذکر کی۔ سوال: اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آسانی (يُسْر) تو بندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اور (عُسْر) تنگی اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے۔ اور یہ تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ اور مزید آیتوں میں بھی ارادہ الٰہی مذکور ہے؟

جواب: یہاں ارادہ سے مراد صرف مشیت نہیں ہے بلکہ احکام نواہی اوامر میں عُسْر، يُسْر مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کو مشکل کاموں کا حکم نہیں دیتا ہے بلکہ آسان کاموں کا حکم دیتا ہے جیسا کہ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرۃ: 286) وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ یہ ماقبل جملے پر معطوف ہے یعنی (لِتَيَسَّرُوا وَلَا تَعْسَرُوا) وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ عَلیٰ اپنے معنی پر ہے اور لفظ (حَامِدِينَ) مقدر ہے۔ یا پھر عَلیٰ لام علت کے معنی میں ہے اور مَا مصدری ہے یا موصولہ ہے۔ اس تکبیر میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ عید کی تکبیرات اس سے مراد ہیں جو عیدین کی نمازوں کے بعد اور رات دن پڑھی جاتی ہیں جو کہ مختلف روایات میں تفصیل سے ائمہ کے اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ تکبیر سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم مراد ہے۔ مَا هَدَاكُمْ میں اشارہ ہے کہ تکبیر تعظیم کے الفاظ و طریقہ شریعت کے موافق ہو گا اپنے بنائے ہوئے بدعتی طریقوں اور لفظوں سے نہیں ہو گا۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ شکر سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات اخلاص نیت کے ساتھ بغیر کسی ریاکاری اور نام و نمود کے عمل کرتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ اور جس وقت پوچھیں تم سے میرے بندے میرے بارے میں تو یقیناً میں ان کے قریب ہوں۔ دعاء کرنے والوں کی دعاء کو قبول کرتا ہوں جب مجھ سے دعا مانگے۔ تو میرے احکام کو پورا قبول کرے اور مجھ پر یقین کرے تاکہ مقصد کو پہنچ جائے۔ [186]

تفسیر 186: اس آیت میں اشارہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزے قربت الٰہی اور قبولیت دعا کیلئے سبب ہیں اس لئے حدیث میں افطار کے وقت دعاء مانگنے کی ترغیب ہے۔ (ابوداؤد طیالسی حدیث 2262، شعب الایمان للبیھقی حدیث 3907، زبیر علی زئی نے تخریج ابن کثیر میں اس کو ضعیف کہا ہے، ابن ماجہ حدیث 1753 میں اس دعا کا ذکر ہے جس کو شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے ارواء الغلیل 921)۔ ربط: سابقہ آیت سے کئی وجوہ سے ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں شکر و تکبیر کا ذکر ہوا جو کہ خاص بندوں کیلئے سبب قربت الٰہی ہے تو اب اس کا بدلہ ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بندوں کی طرف سے قربت ہے یعنی پہلی تو اللہ تعالیٰ کی قربت و اجابت کیلئے سبب ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کو ایک ذراع قریب ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام حدیث 7405، صحیح مسلم کتاب الذکر 2575، ابن عساکر 1438) دوسری وجہ پہلے تکبیر کا حکم دیا تو اب دعا کی ترغیب دی جا رہی ہے اس میں اشارہ ہے کہ دعا سے قبل ذکر واذکار اور ثناء پڑھنی چاہیے۔ تیسری وجہ: کے حکم میں شدت کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے غلطی ہوئی جس پر انہوں نے ندامت کا اظہار کیا اور توبہ بھی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی قبولیت کی خبر دیدی اور سخت حکم کو منسوخ کیا اور یہ بعد والی آیت کیلئے تمہید بھی ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ اس سوال کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ پہلا: ربط (۳) میں گزر گیا ہے اس کو ملاحظہ کیجئے۔ دوسرا قول: امام فراء، بغوی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہود نے کہا تھا اللہ تعالیٰ تو بہت دور ہے آسمانوں پر ہے تو وہ ہماری دعاؤں کو کیسے سنے گا۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ تیسرا قول: امام ابن کثیر و ابن جریر نے ایک دیہاتی (بدوی) کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ہمارا رب دور ہے یا قریب تاکہ اس مناسبت سے ہم انہیں پکاریں۔ (ابن جریر الطبری 480/3) چوتھا قول: امام ابن جریر نے قتادہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کیسے دعا مانگے تو جواب اس آیت میں دیا گیا۔ پانچواں قول: عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ انہوں نے سوال کیا تھا کہ کس وقت رب کو پکاریں؟ چھٹا قول: حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ ہمارا رب کہاں ہے بہتر قول یہ ہے کہ مذکورہ تمام اقوال کو یہ آیت شامل ہے اور عام ہے۔ فَإِنِّي قَرِيبٌ ایسا نہیں فرمایا کہ قُلْ لَهُمْ ان سے کہو کہ میں قریب ہوں وجہ یہ ہے کہ اختصار کلام اور اطمنان کے زیادتی کا لحاظ کرتے ہوئے یعنی گویا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بلا واسطہ خود جواب زیادہ قربت کی وجہ سے دے رہا ہے۔ قَرِيب اللہ تعالیٰ کی صفت میں تین آیاتوں میں آیا ہے۔ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ (سورۃ ھود: 61) إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ (سورۃ سبا: 50) اور آیت مذکورہ اور نصرت الٰہی کی صفت میں (سورۃ البقرۃ (214) رحمت الٰہی کی صفت میں سورۃ الاعراف (56) اور أَقْرَبُ صفت سورۃ ق (16) واقعہ (85) میں ذکر ہوا ہے۔

فائدہ ۱: أَقْرَبُ کا استعمال مکان، زمان، نسبت، رتبہ، رعایت، حفاظت، قدرت وغیرہ میں مشترک ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا قرب علم، قدرت سمع اور اجابت کے اعتبار سے ہے۔ امام قرطبیؒ نے یہاں پر اجابت، علم و فضل کرنے کے معنی میں لیا ہے اور مفسر خازنؒ نے علم اور حفظ کے معنی میں لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ امام ابن جریرؒ نے سمع اور اجابت کے معنی میں لیا ہے۔ یہ تاویل مذموم نہیں ہے۔ بلکہ ایک لفظ مشترک کو ایک معنی پر محمول کرنا ہے اسکی تحقیق لفظ مَعَكُمْ میں بھی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے مگر دونوں معنوں میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہونے کے ساتھ ہر چیز کے قریب ہوتا ہے اور یہ دونوں صفات بیک وقت اس کے لئے ثابت ہیں۔ فائدہ ۲: یہ واضح دلیل ہے کہ ذکر اور دعا، بلند آواز سے چیخنا اور چلانا اور اس کو دین تصور کرنا بدعت ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں (صحیح بخاری کتاب الدعوات حدیث 6384، صحیح مسلم کتاب الذکر حدیث 2704، ترمذی کتاب الدعوات حدیث 3461، ابوداؤد کتاب الوتر حدیث 1526، ابن ماجہ کتاب الادب حدیث 3824) سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا وَبَصِيرًا اے لوگو! اپنے اوپر رحم کرو تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ سننے اور دیکھنے والی ذات کو پکار رہے ہو۔ جو لوگ بغیر دلیل شرعی ایسی جہری تکبیر، دعا، اور وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں وہ اس حدیث و آیت کی رو سے منع ہے۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ یہ أَنِّي کیلئے خبر ثانی یا پھر قریب کیلئے صفت ہے یا پھر نیا کلام (استیناف) ہے تو پھر یہ قربت الٰہی کا بیان ہے۔ أُجِيبُ یہ اجابت سے لیا گیا ہے۔ اور لغت میں اجابت مطلق جواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دینے کو کہا جاتا ہے خواہ لفظ نعم یا لا کے ساتھ ہو جبکہ عرف میں نعم کے معنی میں خاص ہے۔ اجابت اور استجابت میں فرق یہ ہے کہ استجابت حاجت پورا کرنے کے ساتھ خاص ہے یعنی مانگنے والے کی ضرورت کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ اجابت عام ہے مقصد پورا ہو یا نہ ہو۔ قرآن مجید میں دعاء کیلئے اجابت (سورۃ ابراہیم:44، سورۃ النمل:62، سورۃ یونس:89) میں مذکور ہے۔ اور دعوت کے بارے میں (سورۃ قصص:65، سورۃ احقاف:31، سورۃ مائدہ:109) میں وارد ہے۔ اور استجابت قرآن میں تین معنوں میں 28 مرتبہ مذکور ہے۔ پہلا معنی: یہ ہے کہ دعاء کو مکمل قبول کرنا۔ (سورۃ آل عمران:195، سورۃ انفال:9، سورۃ یوسف:34، سورۃ انبیاء:76، 84، 88، 90) مزید اور بھی آیتیں ہیں۔ دوسرا معنی: یہ ہے کہ حکموں کو مکمل طور پر ماننا جیسا کہ یہ آیت (آل عمران:172، سورۃ رعد:18، سورۃ انعام:36، سورۃ شوریٰ:16) مزید آیتیں بھی ہیں۔ تیسرا معنی: یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا ہے۔ (سورۃ انفال:24، سورۃ اسراء:52، سورۃ ابراہیم:22)۔ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ دَعْوَتَ الدَّاعِ۔ اور اذا عموم کیلئے ہے۔ سوال: اس عموم سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر قسم کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے بہت ساری دعاؤں کو قبولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔؟ جواب: اجابت کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: دعا قبول کر کے مقصد پورا کرنا۔ دوسری قسم: مقصد پورا نہ ہو مگر اجر وثواب دے دینا۔ تیسری قسم: کوئی اور مصیبت اس سے ٹال دینا۔ (احمد 3/18، ابو یعلیٰ 1019 مسند بزار 3143 مستدرک حاکم 1/493، شیخ رشاد، شیخ عمادی، شیخ علی احمد شیخ حسن عباس نے اس حدیث کی سند کو صحیح و شیخ زبیر نے حسن کہا ہے تخریج ابن کثیر) جیسا کہ حدیث میں وارد ہے جسے ابن کثیر نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جواب ۲: یہ مشیت الٰہی کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ (سورۃ انعام:41، سورۃ اسراء:18) مزید دیگر آیتوں میں بھی قیودات موجود ہیں۔ یعنی عاجزی سے اور چھپ کر دعاء مانگنا۔ سورۃ اعراف:55، میں ذکر ہے۔ خوف اور طمع 56، میں مذکور ہے۔ اضطرار اور بہت عاجزی کرنا سورۃ نمل:62 میں ذکر ہے۔ حدود شریعت سے تجاوز نہ کرنا سورۃ اعراف:55، اس طرح قیود احادیث میں بھی مذکور ہیں یعنی جس میں گناہ نہ ہو اور قطع رحمی اس میں نہ ہو۔ (ترمذی کتاب الدعوات 3573) یعنی جلد بازی اس میں نہ ہو یعنی دعاء اس لئے نہیں چھوڑتا ہے کہ جلدی قبول کیوں نہیں ہوتی (صحیح بخاری کتاب الدعوات 6340) دعاء کے قبول ہونے کا پورا یقین ہو (مسند احمد) کھانے پینے لباس میں حرام سے اجتناب ہو اور (إِنْ شِئْتَ) اگر تو چاہے نہ کہتا ہو۔ (بخاری، صحیح مسلم کتاب الذکر حدیث 2678 موطا) اور اس میں اوقات قبولیت کا اہتمام ہو یعنی سحری کے وقت رات کے آخری حصے میں، افطار کے وقت اور اذان اور اقامت کے درمیان۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارش کے نزول کے وقت، قتال کے وقت، جمعہ کے دن خاص وقت یا مقامات دعاء میں ہو جیسا کہ کعبۃ اللہ میں دعاء، ملتزم (جو حجر اسود اور دروازے کے درمیان ہے) حرم اور ریاض الجنۃ وغیرہ جیسے مقامات میں سے ہو۔ جو مفسرین ومحدثین نے نقل کیا ہے۔ تو اجابت کی آیتیں مذکورہ قیودات کے ساتھ منسلک ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور، عفو، کریم ہے۔ کبھی ان قیود کے بغیر بھی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي استجابت میں دعاء طلب کرنے کا معنی یہ ہے کہ دعا طلب کریں یہ امام ابن عطیہ کا قول ہے جبکہ امام مجاہد کا قول یہ ہے کہ دعوت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی ایمان واطاعت کامل طور پر بجالائیں نیز اس میں مذکورہ قیود سلبی وایجابی داخل ہیں۔ وَلْيُؤْمِنُوا بِي سوال: عِبَادِي کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایمان والے ہیں تو پھر اس لفظ کو کیوں ذکر کیا اور اسی طرح فَلْيَسْتَجِيبُوا میں اگر استجابت سے مراد ایمان ہے تو پھر وَلْيُؤْمِنُوا تو تکرار ہو جائے گا۔ اور استجابت سے مراد اگر اعمال ہیں پھر تو اعمال ایمان سے مقدم ہو گئے؟ جواب: اس سے مراد ایمان پر دوام واستقامت ہے یا پھر دعاء کی قبولیت پر یقین اور ایمان مراد ہے۔ طاعات یعنی احکام پر درجہ کمال تک رسائی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ (تفسیر بحر المحیط وتفسیر اللباب) لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ رشد کا مادہ قرآن مجید میں 19 مرتبہ مذکور ہے۔ اور رشد سے مراد دینی ودنیاوی خیر ومصالح کو حاصل کرنا مراد ہے کبھی دنیاوی مصلحت کیلئے ذکر ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ نساء: 6، سورۃ ہود: 78، جبکہ اکثر دینی ودنیاوی دونوں مصلحتوں کیلئے آتا ہے اس مقام پر بھی استجابت قبولیت یعنی ایمان لانے سے دنیاوی واخروی دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان منافع کا اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہے بلکہ بندے ضرورت مند اور محتاج ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾ روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے خلوت تمہارے لئے حلال کی گئی ہے وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ عنقریب تم اپنی جانوں کو مصیبت میں ڈال دیتے لہٰذا اس نے تم پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آسانی اور فراخی کا معاملہ کیا اب بیویوں سے خلوت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو تلاش کرتے رہو، تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور بیویوں سے اس حال میں خلوت مت کرو جب تم مساجد میں اعتکاف میں ہو یہ مذکورہ حدود اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہیں لہذا مخالفت کرتے ہوئے ان کے قریب بھی نہ جانا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ تقویٰ حاصل کریں [187]۔

تفسیر 187: اس آیت میں رمضان المبارک کے دن اور رات کے احکام مذکور ہیں ز ف ف، کھانا پینا رات سے فجر تک حلال ہے اور یہ تینوں چیزیں فجر سے شام تک حرام ہیں۔ ربط ۱: پہلا تعلق اس آیت کا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ کے ساتھ ہے اس میں روزے سے متعلق اس امت کے لئے آسانی اور سہولت بیان ہو رہی ہے۔ ربط ۲: دوسرا ربط فَلْيَسْتَجِيْبُوْا کے ساتھ ہے اس آیت میں ایسے احکامات ہیں جن پر عملاً استجابت ضروری ہے۔ ربط ۳ تیسرا ربط ابو حیانؒ نے ذکر کیا ہے کہ سابقہ یہ عنوان گزرا تھا کہ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ جس سے کتابت، عدد، شرائط اور روزے کی دیگر تکالیف کی طرف اشارہ تھا اور اہل کتاب کیلئے مغرب کے بعد سو جانے سے کھانا پینا جماع ممنوع تھا اور ابتداء اسلام میں اس امت پر بھی یہ حکم لاگو تھا البتہ اللہ تعالیٰ نے شفقت کا معاملہ کیا اور اپنی خاص رحمت سے اس حکم کو امت سے ساقط منسوخ کیا۔ سبب نزول: جمہور مفسرین، امام بخاریؒ نے کتاب الصوم حدیث 1915، ابوداؤد کتاب الصوم حدیث 3314 اور دیگر محدثین نے ذکر کیا ہے کہ ابتداء اسلام میں روزے کی فرضیت کے بعد قانون تھا کہ عشاء کے بعد یا مغرب کو سو جانے کے بعد جماع کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرام سے اس حکم میں غلطی ہوئی جیسا کہ عمر بن خطاب، کعب انصاری رضی اللہ عنہم سے اجتہادی غلطی ہوئی اور قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ دو دن اور رات بھوکا رہنے سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ جس پر اس آیت کا نزول ہوا لہذا اللہ تعالیٰ نے اس امت پر آسانی کی اور اس مشکل حکم کو منسوخ کیا۔ ابو مسلم نعیم اصفہانی کا قول ہے کہ یہ حکم نصرانیت میں تھا جبکہ ہماری شریعت میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا مگر اُحِلَّ اور تَخْتَانُوْنَ کے الفاظ میں واضح دلیل ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ اس سے مراد رمضان کی ہر رات ہے اور چونکہ روزے کی نیت رات سے کی جاتی ہے تو لیل کی اضافت صیام کی طرف کی گئی ہے۔ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ (اِلٰی) لفظ لانے میں اشارہ ہے اِفْضَاء (پہنچ جانا) مراد ہے۔ رَفَثٌ: اصل میں فحش کلام کو کہا جاتا ہے۔ امام زجاج رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رَفَثٌ ایسا جامع لفظ ہے جس کا اطلاق ہر اس قول و فعل پر ہوتا ہے جو انسان اپنی بیوی سے طلب کرتا ہے اور شرط یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ بیوی موجود ہو اور جماع کو بھی شامل ہے۔ فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کلام میں جماع کو مہذب کلمات وکنایات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً (أَفْضَى، تَغَشَّاهَا، لَامَسْتُمُ، دَخَلْتُم بِهِنَّ، فَأْتُوا حَرْثَكُمْ، تَمَسُّوهُنَّ، اِسْتَمْتَعْتُم بِهِنَّ، لَا تَقْرَبُوهُنَّ) ہر جگہ کی مناسبت سے مناسب الفاظ لائے ہیں۔ اس مقام پر لفظ رَفَث لانے کا سبب یہ ہے کہ چونکہ حالت حرمت میں یہ عمل کیا گیا تھا تو لفظ میں قباحت ظاہر ہو رہی ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ أُحِلَّ لَكُمْ کیلئے یہ پہلی علت ہے۔ میاں بیوی کی تشبیہ لباس سے دی جانے میں کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ: جیسا کہ بدن اور لباس ایک دوسرے کیلئے ہر وقت لازم وملزوم ہوتے ہیں اسی طرح میاں بیوی بھی۔

دوسری وجہ: جس طرح کپڑا بدن کو ڈھانپ لیتا ہے اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کو فحاشی اور بدنامی سے بچانے کیلئے پردہ ہے۔ تیسری وجہ: امام مجاہد کا قول ہے کہ بدن کو کپڑے سے سکون اور آرام حاصل ہوتا ہے اسی طرح میاں بیوی ایک دوسر کیلئے سبب تسکین وآرام ہے۔ چوتھی وجہ: ربیع کا قول ہے کہ بیوی بچھونے کی طرح ہے جبکہ شوہر لحاف کی طرح ہے لہٰذا یہ دونوں آپس میں (مرتبط) ہیں۔ ایک دوسرے کے محتاج اور ضرورت مند ہیں تو ان کو رات میں اجازت دیدی کیونکہ دن کو تعلق سے منع فرمایا ہے تو رات کی اجازت دینا ان کی ضرورت تھی۔ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ یہ (أُحِلَّ لَكُمْ) کیلئے علت ثانی ہے یعنی خیانت (گناہ) سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف کرتے ہوئے فراخی پیدا کی أَنفُسَكُمْ یہ ایک دوسرے کے معنی میں ہے جیسا کہ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ میں ذکر ہے یعنی اپنے نفسوں کو نقصان میں ڈالنے کا معنی ہے یا اپنے نفس کو گناہ میں ڈالنا مراد ہے۔ تَخْتَانُونَ یہ خیانت سے لیا گیا ہے اصل میں امانت میں نقصان کرنے کے معنی میں ہے، اس میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ مراد بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ عمل ہے جو کہ سابقہ تفصیل میں گزر چکا ہے اور ظاہری اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور خیانت تصور کیا گیا ہے جس سے صحابہ کرام نے توبہ استغفار کیا جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر اس طرح ارشاد فرمایا فَتَابَ عَلَيْكُمْ اور اس گناہ کو معاف کیا اس طرح اظہار کرتے ہوئے کہ وَعَفَا عَنكُمْ یہ بات مسلم ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معصوم عن الخطا نہیں ہیں۔ مگر ان کے گناہوں پر معافی کا اعلان قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہے کہ انہوں نے گناہ کے فوراً بعد توبہ استغفار کیا اور یہ ندامت ہی ان کا سب سے عظیم مرتبے پر فائز ہونے کی دلیل ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ صحابہ کرام کا عمل اجتہادی غلطی تھی، اور تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس حرمت کے حکم کو ہمیشہ کیلئے جاری رکھتا تو تم اپنی جانوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گناہ میں ڈال دیتے مگر اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کی اور حکم میں فراخی کرتے ہوئے آسانی پیدا کی اس اعتبار سے تَابَ عَلَیْکُمْ، خَفَّفَ کے معنی میں ہے اور عَفَا عَنْکُمْ وَسَّعَ کے معنی میں ہے تو یہ عبارت تنجیز بمعنی تعلیق ہے اور یہ طرز کلام میں معروف ہے۔ جیسا کہ تفسیر قرطبی اللباب وغیرہ میں ہے۔ یہ دوسری توجیہ بہتر ہے کیونکہ گناہ کرنے کو آسانی اور حکم منسوخ ہونے کیلئے سبب بنانا مناسب نہیں ہے۔ اور اس توجیہ میں صحابہ کرام پر گناہ کا قول بھی وارد نہیں ہوتا ہے۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ امام ابوالبقاء رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اَلْئٰنَ حاضر کیلئے استعمال ہوتا ہے اور ماضی قریب و مستقبل قریب پر بھی دلالت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد امر کا صیغہ وارد ہے جو کہ مستقبل کیلئے ہوتا ہے یا پھر عبارت مقدر ہے یعنی فَالْئٰنَ اَبَحْنَا لَکُمْ مُبَاشَرَتَهُنَّ فِیْ لَیْلَةِ الصِّیَامِ ہم نے روزے کی راتوں کو تمہارے لئے اب بیویوں سے خلوت کیلئے جائز قرار دیدیا۔ بَاشِرُوْهُنَّ اصل میں مباشرت ایک بدن کا دوسرے بدن سے چمٹ جانے کو کہتے ہیں اور جماع میں بھی صورت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے مراد جماع ہی ہے۔ اور قُبَلْ، لَمَسْ وغیرہ بھی اس میں داخل ہے۔ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (كَتَبَ) میں جہت سے اقوال ہیں۔ پہلا قول: مراد اولاد ہے اور ابتغاء سے مراد نیت اور ارادہ ہے کتب سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا ہے لہٰذا نکاح سے مقصود صرف شہوت نفسانی نہیں ہے بلکہ نسل بڑھانا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نسل بند کرنے کیلئے خاندانی منصوبہ بندی کرتے ہیں ان کا یہ عمل شریعت کے عظیم مقصد کے خلاف ہے۔ دوسرا قول: اس سے مراد وہ محل و مقام ہے جو اس سورت کی آیت (222) میں مذکور ہے یعنی وہ تمہارے جماع کے لئے حلال ہے اور كُتِبَ، اُحِلَّ کے معنی میں ہے۔ تیسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد حیض اور نفاس سے پاک ہونے کے اوقات ہیں۔ چوتھا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد بیویاں اور لونڈیاں ہیں۔ مزید اقوال بھی ہیں مگر بعید ہونے کی وجہ سے ان کو ذکر نہیں کیا ہے۔ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا یہ بَاشِرُوْهُنَّ پر عطف ہے اور اس وجہ سے اس کو ذکر کیا ہے کہ جماع مباشرت کی ممانعت کے ساتھ ساتھ کھانے پینے سے بھی منع فرمایا تھا تو اب ان سب کی اجازت دیدی اور اس میں سحری کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جو روزہ رکھنے کے لئے سنت یا واجب ہے۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ یہ کھانے پینے، مباشرت اور رات کیلئے (انتہائے غایت) ذکر ہے۔ يَتَبَيَّنَ، تَبَيُّنٌ، تَبْيِيْنٌ اور تِبْيَانٌ بہت زیادہ ظاہر کرنے کو کہا جاتا ہے اگرچہ صرف ظاہر کرنے اور وضاحت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ جب صبح صادق کے وقت مشرق کی جانب سے آسمان کے کنارے پر طویل سفیدی ظاہر ہوتی ہے اوپر کی جانب کالی رات کا طویل اندھیرا ہو جاتا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے تو اول کی تشبیہ سفید دھاگے اور ثانی کی تشبیہ کالے دھاگے سے دی اور شک کے ازالہ کیلئے الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ کی تصریح مِنَ الْفَجْرِ سے کی تو اس سے الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ کی تشریح ہو گئی اس کو تشبیہ کہا جاتا ہے کیونکہ مُشَبَّهٌ بِهٖ اور مُشَبَّهٌ دونوں کو ذکر کیا ہے۔ اس تشبیہ میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے مراد صبح کاذب نہیں کیونکہ وہ آسمان میں دھاگہ کی طرح نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ: یہاں پر اہل علم کے دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ مشرق کی جانب سے آسمان میں چوڑی لکیر میں ظاہر ہونے سے صبح صادق کا وقت شروع ہوتا ہے جس سے کھانا پینا منع اور روزہ شروع ہوجاتا ہے۔ امام قرطبیؒ اور ابوحیانؒ نے کہا ہے کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اور اس پر بہت سے دلائل موجود ہیں اور ہر دور کے لوگوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ عبداللہ بن مسعود اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ (اس موضوع کی اکثر احادیث امام ابن کثیرؒ نے نقل کی ہیں جن کی تخریج بھی آ چکی ہے) (مترجم) دوسرا قول: بعض صحابہ کرام اور تابعین کا ہے کہ صبح کی روشنی پہاڑوں کے سروں اور راستوں پر جب پھیل جائے تو روزہ کی ابتداء ہوگی۔ امام قرطبی نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ سوال: جب يَتَبَيَّنَ خوب واضح ہونے کے معنی میں ہے اس سے تو قول ثانی کی تائید ہو رہی ہے؟ جواب ۱: جب صبح کاذب (ذَنَبُ السِّرْحَانِ) میں معمولی روشنی ہوتی ہے اور صبح صادق میں خوب روشنی ہوتی ہے تو لفظ يَتَبَيَّنَ اول قول کی دلیل اور تائید ہے۔ جواب ۲: جصاص کا قول ہے کہ فعل کبھی قربت کیلئے آتا ہے یعنی جب روشنی قریب ہو جائے۔ جواب ۳: امام ابوحیانؒ نے فرمایا ہے کہ فَجْرٌ اِنْفِجَارٌ کے معنی میں ہے یعنی خوب روشن ہونا۔ تو لفظ فجر صبح صادق کی ابتداء پر دلیل ہے۔ اس تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشکوک وقت میں کھانے پینے سے منع کیا گیا ہے البتہ اگر کسی نے اس طرح غلطی سے کر لیا تو آئندہ خیال رکھے اور قضاء کے واجب ہونے میں آئمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ پہلے روزے کی فرضیت کا ذکر ہو گیا تھا لیکن رات تک کی پورے کرنے کی انتہاء بیان نہیں ہوئی تھی تو یہاں دونوں کو ذکر کیا گیا۔ امر وجوب کو مکمل کرنے کیلئے ہے کیونکہ روزہ فرض ہے جبکہ کھانا پینا مباشرت مباح امور ہیں اس لئے ان میں امر اباحت کیلئے ہے البتہ روزہ کی رات ان کو مباح تصور کرنے کا عقیدہ فرض ہے اسی وجہ سے اوامر کے صیغوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ إِلَى اللَّيْلِ (غایۃ) مغیہ کے حکم سے الگ ہوتی ہے یعنی رات دن کی جنس میں سے نہیں ہے لیکن اس کا کچھ حصہ دن کی انتہاء جاننے کیلئے دن پر داخل ہونا لازم ہے۔ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ اعتکاف کے مسائل کو رمضان کے آخر میں اس لئے ذکر کیا کہ وہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (متفق علیہ) اس میں ایک وہم کو ختم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا مقصود ہے کہ روزوں کی راتوں کو مباشرت کیلئے مباح قرار دیا گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اعتکاف کرنے والا بھی اس کو اپنے لئے حلال جانتے اور اس سے فائدہ اُٹھائے بلکہ حالتِ اعتکاف میں رات دن دونوں اوقات میں مباشرت منع ہے اور اس میں بوسہ لینا شہوت سے ہاتھ لگانا سب منع ہے کیونکہ کسی عمل سے منع کرنا اس کے اسباب سے بھی منع ہوتا ہے۔ عَاكِفُونَ اس کا لغوی معنی ہے کہ کسی چیز سے چمٹ جانا اس کی طرف متوجہ ہو کر لزوم اختیار کرنا۔ عرف عام میں کسی چیز کی طرف تعظیم کے ساتھ متوجہ ہونا۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ شرعی اصطلاح میں خاص وقت میں خاص شروط کے ساتھ خاص مقام پر بنیت عبادت رہنا ہے۔ فِي الْمَسَاجِدِ عَاكِفُونَ کے متعلق ہے اور یہ واضح دلیل ہے کہ اعتکاف شرعی مساجد کے ساتھ خاص ہے اور اس پر امام قرطبیؒ نے اجماع نقل کیا ہے اس مقام پر ابوحیان کا قول درست نہیں ہے۔ اور اس حکم میں مرد و زن دونوں مشترک ہیں کہ اعتکاف صرف مسجد کے ساتھ خاص ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی خواتین نے مسجد میں اعتکاف کیا ہے نیز خواتین کا گھروں میں نماز کی جگہ بیٹھ کر اعتکاف کرنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ نیز جو لوگ پہاڑوں، غاروں میں چلے کیلئے بیٹھ جاتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور ان کا یہ عمل بدعت ہے۔ فائدہ: عام مساجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھنے میں اختلاف ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے نزدیک تین مساجد حرم مکی کعبۃ اللہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کے علاوہ اعتکاف درست نہیں۔ جبکہ علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ ہر جامع مسجد میں اعتکاف درست ہے۔ امام مالک کا ایک قول اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ، ابوقلابہ رحمہ اللہ تابعین وغیرہ کے نزدیک ہر جامع مسجد جس میں جماعت ہوتی ہو اور اس کا امام و مؤذن مقرر ہو تو اس میں اعتکاف درست ہے۔ اور یہ قول امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام ابن عیینہ اور امام منذر رحمہم اللہ کا بھی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے ان علماء کی دلیل زیر بحث آیت ہے اس لئے کہ مساجد عام ہے اور اس کی تخصیص کے لئے کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے۔ سوال: اس باب میں تخصیص کی حدیث موجود ہے جو امام بیہقی، طحاوی نے مشکل الآثار میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ذکر کی ہے جس کی ظاہری سند بھی صحیح ہے۔؟ جواب ۱: قرآن مجید اس باب میں قطع الثبوت والدلالت ہے اور المساجد میں الف لام برائے استغراق ہے صیغہ بھی جمع ہے اور وہ اس وقت تک تمام افراد کو شامل ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو نیز مذکور حدیث اگرچہ مرفوع ہے مگر اس کی تخصیص پر دلالت کرنے پر تقریباً سولہ شبہات ہیں جس کو شیخ ابوعمر نورستانی نے اور شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور وہ شبہات علمی ہیں ان میں سے بعض وہ شبہات ہیں جن پر بعض ان علماء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کلام کیا ہے جو تبعین سنت میں سے ہیں۔ لہذا ظنی الثبوت والدلالت پر قطعی الثبوت والدلالت کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔ جواب ۲: شیخ الاسلام نے فتاویٰ ج27، ص250، 252 میں جبکہ ابن حزم نے المحلی جلد 8، ص323، میں اس کو نذر کے ساتھ مختص کیا ہے یعنی جس نے ان تین مساجد کے اعتکاف کی نذر مان لی تو ان ہی مساجد میں پوری کرنی ہوگی۔ دیگر مساجد میں پوری نہیں ہو سکتی۔ جواب ۳: امام طحاوی اس روایت کے منسوخ ہونے کے قائل ہے مشکل الآثار جلد 7، ص206، انہوں نے دلیل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار ذکر کیا ان الفاظ کے ساتھ: لَعَلَّكَ نَسِيْتَ وَحَفِظُوْا وَأَخْطَأْتَ وَأَصَابُوْا یہ نسخ صحابی کے قول سے ثابت ہے، انہوں نے اگرچہ ناسخ ذکر نہیں کیا ہے لیکن یہ طے ہے کہ صحابہ کرام حدیث کے معنوں کو خوب جانتے تھے اور لفظ لعل آداب کیلئے ذکر کیا ہے ورنہ مراد اس سے یقینی ہے۔ جواب ۴: عائشہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا ہے کہ لَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۴ نصوص میں اصل مقصود اعمال ہے اہمال نہیں۔ عموم وخصوص کے قواعد کے مطابق صحیح حدیث کو رد نہیں کرنا چاہئے۔ اعمال یہ ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں لَا اِعْتِكَافَ کو نذر یا کمال کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شرح الممتع علی زاد المستقنع ج ۶ ص ۵۰۵، میں مذکور ہے اور اس دعوے کی دلیل صحیح حدیث ہے لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (صحیح بخاری کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ حدیث 1189، صحیح مسلم فی الحج حدیث 1397) یعنی تین مسجدوں کے علاوہ سفر منع ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ بنیت ثواب قصد کرنا اور سفر کا ارادہ کرنا سوائے ان تین مساجد کے منع ہے یعنی ایک جگہ کی ثواب کیلئے تخصیص کرنا منع ہے جب تک دلیل نہ ہو۔ جواب ۵: المساجد میں الف لام عہدی نہیں ہو سکتا ہے اس آیت کے نزول کے وقت بیت المقدس میں کوئی معتکف نہیں تھا کیونکہ اس وقت وہ کفار کے قبضے میں تھا لہذا اس وقت وہ المساجد میں داخل نہیں تھا۔ سوال: اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ سلف صالحین سے ان تین مساجد کے سوا اعتکاف ثابت نہیں ہے جو کہ کسی صحیح حدیث سے مستدل ہو؟ جواب: یہ ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ بعض لوگوں نے ان مساجد میں اعتکاف کیا تھا جو دار ابن مسعود و دار ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنھما میں تھے اگر حذیفہؓ نے ان لوگوں کا رد کیا تو ابن مسعودؓ نے ان کی تائید کی اگر یہ عمل خلاف سنت ہوتا تو ابن مسعود ضرور ان کو پتھروں سے مار کر مساجد سے نکال دیتے جیسا کہ ان کا یہ عمل دیگر مقامات پر اتباع سنت اور رد بدعت میں ثابت ہے۔ (اجتماعی ذکر کرنے والوں کو مسجد سے نکال دیا تھا (ابوداؤد)۔ تنبیہ: میری رائے یہ ہے کہ عام مساجد میں اعتکاف جائز جبکہ جامع مسجد میں افضل اور مسجد اقصیٰ، کعبۃ اللہ و مسجد نبوی میں افضل ترین ہے۔ واللہ اعلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بالصواب۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ تِلْكَ میں ان تمام احکام کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں جن میں پانچ اوامر اور ایک نہی ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے آپس میں مت کھایا کرو اور نہ ہی بطور رشوت حاکموں تک مال پہنچاؤ تاکہ تم ظلم و ستم سے لوگوں کے مالوں کا کچھ حصہ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔ [188] ع

تفسیر 188: اس آیت میں چوتھا سیاسی امر ہے جو مال سے متعلق ہے کہ حرام طریقوں سے مال حاصل مت کرو۔ ربط ۱: روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ مؤمن عادی حلال کھانوں شہوتوں سے اللہ تعالیٰ کے امر کی وجہ سے اپنے آپ کو بچائے بلکہ آخری عشرہ میں اعتکاف کی وجہ سے راتوں کو حلال شہوات کو ترک کر دینا ہے اور ان سب میں صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی مقصود ہوتی ہے تو اب اس آیت میں ذکر ہے کہ مؤمن کو چاہیے کہ ہر قسم کے حرام کھانے پینے اور آمدنی سے بھی اجتناب کرے۔
ربط ۲: یہ ہے کہ عبادت کی قبولیت کیلئے لازمی ہے کہ بندہ ہر قسم کی حرام چیزوں سے یعنی معاملات اور کھانوں سے بچ جائے۔ ربط ۳: یہ ہے کہ روزہ کے مسائل میں یہود و نصاریٰ کے مخالف احکام ذکر ہو گئے تو اب یہ بھی تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ حرام کی مرتکب قوم ہے لہٰذا اس (بری) عادت شنیعہ میں بھی ان کی مخالفت کرو۔ وَلَا تَاْكُلُوْا یہ خطاب تمام مؤمنین سے ہے اور معنوی اعتبار سے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ پر عطف ہے اَمْوَالَكُمْ ایک دوسرے کا مال مراد ہے اضافت مالکوں غیر مالکوں سب کو عام ہے لہٰذا اس میں جوا بازی، دھوکا، بغیر اجازت کسی کا مال استعمال کرنا یا اجازت سے ہو مگر غیر شرعی طریقے سے خرچ کرنا یعنی زنا، میں رشوت دینے میں نجومیوں وغیرہ پر خرچ کرنا شراب پینا، منشیات، خنزیر کا گوشت استعمال کرنا اور دیگر حرام ماکولات و مشروبات وغیرہ اس حکم میں داخل ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اَمْوَالَكُمْ میں مالکوں کو خطاب ہے اور مراد لہو و لعب باطل کاموں میں خرچ کرنا ہے یعنی رقص و سرود، میراثیوں، شراب نوشی وغیرہ میں مال خرچ کرنا مقصود ہے۔ بِالْبَاطِلِ یہ تَاْكُلُوْا سے متعلق ہے اور باء سببیہ ہے۔ یا حال ہے بتاویل مُبْطِلِيْنَ یا مُتَلَبِّسِيْنَ بِالْبَاطِلِ۔ باطل حقیقت میں زائل فنا ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح شریعت میں ہر وہ طریقہ جو بے ثبوت ہو اس کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔ وَتُدْلُوْا بِهَا اس میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ یہ مجزوم ہے اور تَاْكُلُوْا پر عطف ہے اور لام کے تحت داخل ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ منصوب ہے (اَنْ) مقدر ہونے کی وجہ سے مگر پہلا قول بعض وجوہات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی بناء پر درست ہے۔ پہلی وجہ: پہلا سبب یہ ہے کہ ابی بن کعب کی قراءت میں لَا مذکور ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے کہ اس آیت میں اس شخص کا ذکر ہے جس پر کسی کا قرض ہو اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہو اور مقروض انسان قرض سے منکر ہو اور حاکموں کے پاس فیصلہ لے جاتا ہے اور اس کو معلوم بھی ہے کہ اس عمل کی وجہ میں گناہگار ہو رہا ہو اور حرام کا مرتکب بھی تو ایسے شخص میں دونوں صفتیں جمع ہو رہی ہیں اس کو اس جرم سے منع کیا گیا ہے۔ اور ہر کام سے الگ منع بھی مراد ہو سکتا ہے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ لِتَأْكُلُوا علت ہے اور متعلق ہے صرف تُدْلُوا کے ساتھ لفظ تُدْلُوْ إِدْلَاءٌ سے لیا گیا ہے اصل میں رسی کے ذریعے سے کنویں میں ڈھول لٹکانے کو کہا جاتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق ہر اس قول پر کیا جاتا ہے جو کسی دوسرے مقصد تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے۔ یہاں پر دو قول مراد ہیں۔ پہلا قول: حاکموں کے پاس فیصلہ لے جانے میں جلدی کرنا مراد ہے اس صورت میں جب وہ جانتا ہو کہ مدعی کے پاس گواہ ہیں لہٰذا حجت میرے حق میں قائم ہو گی۔ یا پھر یتیم کا مال ہو جس میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اور جھوٹی قسم پر ان کو خوف الٰہی نہ ہو تو اس قول کی بناء پر (بِهَا) میں ضمیر حکومت یا لاموال کی طرف راجع ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کا مال ہتھیانے کی فکر میں ہے۔ اور تفسیر اللباب میں ہے کہ رشوت کو اِدْلَاءٌ دو وجوہات کی بناء پر کہا جاتا ہے۔ پہلی وجہ: یہ ہے کہ رسی کے ذریعے سے دور کی چیز قریب کی جاتی ہے اسی طرح رشوت کے ذریعے سے ناممکن کام و حاجت حاکم فاسق کے ذریعے سے ممکن بنا لیا جاتا ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ جس طرح رسی کے ذریعے سے آسانی سے پانی تک رسائی ہوتی ہے اسی طرح رشوت کے ذریعے سے حاکم فاسق پرواہ کئے بغیر ظلم کا فیصلہ صادر کرتا ہے کیونکہ رشوت کا لالچ ذہن پر سوار ہوتا ہے۔ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ یہ علت ہے اس نہی کیلئے جو کہ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ میں ہے یعنی جب اصل مقصد حرام اور گناہ ہے تو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بھی حرام ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے لِلْوَسَائِلِ حُكْمُ الْمَقَاصِدِ فَرِيقًا قطع ٹکڑے کے معنی میں ہے۔ بِالْإِثْمِ با سببیہ ہے اِثْمِ سے مراد جھوٹی شہادت یا رشوت دینا مقصود ہے یا جھوٹی قسم کھانا مراد ہے یا پھر بَا (ملابست) کیلئے ہے۔ فائدہ: لِتَأْكُلُوا میں اشارہ ہے کہ اپنی ذات سے ظلم ہٹانے کیلئے فاسق حکمران کو مال دیا جا سکتا ہے اور یہ رشوت میں داخل نہیں ہے (اللباب فی علوم القرآن، ہدایہ کتاب الصلح) البتہ لینے والا حکمران حرام کا مرتکب ہوگا۔ اور دینے والا اس کے بجائے کوئی اور جائز راستہ اختیار کرے تو بہتر ہوگا۔ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ تفسیر روح المعانی اور تفسیر البحر المحیط میں لکھا ہے کہ اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ گناہ ہے اور حکمران اس کے حق میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ کرلیتا ہے تو اس کو وہ مال لینا جائز ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ "وہ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ لوگوں کیلئے اوقات مقررہ اور حج کے (ایام) معلوم کرنے کا ذریعہ ہے اور یہ نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی جانب سے آؤ لیکن نیکی تو (اس کی) ہے جو پرہیزگار رہو اور تم اپنے گھروں میں دروازوں سے آؤ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔[189]

تفسیر 189: سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ روزہ رکھنا اور مالی معاملات خاص اوقات کے ساتھ مؤقت ہیں اور وقت بتانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے دو سبب پیدا کئے ہیں ایک چاند دوسرا سورج لہٰذا اللہ تعالیٰ اس آیت میں خبر دے رہا ہے کہ اوقات شرعیہ کا حساب چاند سے منسلک ہے۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ سوال کرنے والوں کے متعلق تین اقوال ہیں۔ پہلا قول: یہ سوال بعض صحابہ کرام نے کیا تھا۔ دوسرا قول: یہ سوال نبی کریم ﷺ سے یہودیوں نے بطور اعتراض کیا تھا۔ تیسرا قول: یہودیوں نے یہ سوال معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنہما سے کیا تھا تو ان دونوں نے یہ سوال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کہ یہود آ کر چاند کے متعلق ہم سے سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ابتدائی چاند باریک نظر آتا ہے پھر پورا ہوتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھر باریک ہو جاتا ہے۔ اس قول کو امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے اور یہ سابقہ دونوں اقوال کو شامل ہے۔ سوال: امام رازی اور ابوحیان رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے صرف چودہ سوالات کئے ہیں جن کے جوابات مذکور ہیں پہلا اس سورۃ (186) میں ہے دوسرا یہ آیت ہے باقی (6) بھی اسی سورۃ میں ہیں۔ نواں مائدہ (4) میں ہے دسواں سورۃ الانفال (1) میں ہے گیارھواں سورہ اسراء (85) میں ہے بارھواں سورۃ کہف (83) میں ہے۔ تیرھواں سورہ طٰہٰ (105) میں ہے اور چودھواں سورہ نازعات (42) میں ہے۔ جواب: اس بات کی صحیح سند ثابت نہیں ہے اور بالخصوص 11 تا 16 تک صحابہ کرام کی طرف نسبت صحیح اقوال کے خلاف ہے کیونکہ وہ سوالات مشرکین کی طرف سے وارد کیے گئے تھے۔ عَنِ الْاَهِلَّةِ ہلال کی جمع ہے امام اصمعی "کا قول ہے کہ جب تک گول دائرہ نہیں بنا ہوتو ہلال ہے اور دیگر علماء کا قول ہے کہ صرف تین دن تک ہلال ہے۔ اصل میں ہلال آواز بلند کرنے کو کہا جاتا ہے کیونکہ جب پہلا چاند نظر آتا ہے تو عام لوگوں کی زبانوں پر آوازیں بلند ہو جاتی ہے کسی کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بتانے کیلئے کہتے ہیں وہ چاند ہے وہ دیکھو چاند نظر آرہا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا نام ھلال رکھا گیا ہے۔ اس سوال کے متعلق دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ سوال چاند کے بڑے ہونے اور چھوٹے ہونے کی حکمت کے متعلق کیا گیا تھا جواب بھی اس کے مطابق دیا گیا یہ قول صحیح بھی ہے اور شانِ صحابہ کے مناسب بھی ہے کیونکہ وہ بے فائدے سوالات کرنے والے نہیں تھے اور جواب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی حکمت دریافت کی تھی۔ دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کا سبب پوچھا تھا اور یہ سوال بے فائدہ تھا۔ تو جواب حکمت کے ساتھ دیا گیا یہ قول یہود کے سوال کے موافق ہے کیونکہ وہ بے فائدہ سوالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ و پریشان کرنے کیلئے اور تفتازانی نے (مطول) میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے یہ سوال کیا تھا اس لئے کہ ریاضی کی باریکیوں کو نہیں جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکمت بھرا جواب عنایت فرمایا۔ مگر ان کا یہ قول غلط ہے کیوں کہ صحابہ کرام کی تحقیر اس سے لازم آتی ہے۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ (مواقیت) روزے کے اوقات، سحری، افطاری، اور خواتین کی عدت وغیرہ کیلئے ہیں۔ نیز امام قرطبی نے کہا کرا جارے اور کرایہ داری و دیگر مسائل رہنے والوں کیلئے اس میں متعین ہیں اسی طرح سورہ یونس (5) سورہ اسراء (12) میں ہے۔ مواقیت میقات کی جمع ہے وقت کی انتہاء کو کہا جاتا ہے جیسا کہ مقررہ وقت کیلئے فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً سورۃ اعراف (142) سوال: اس میں کیا حکمت ہے کہ شرعی اوقات کا تعین سورج کے بجائے چاند سے کیا گیا ہے۔ جواب: چاند دیکھنا اور اس کے اختلافی حالات یعنی کم زیادہ ہونا تمام لوگوں کو معلوم ہے عوام وخواص سب جانتے ہیں اگر تم عام ان پڑھ انسان سے چاند کی تاریخ معلوم کرو تو آسمان کی طرف دیکھ کر جواب دیدے گا کہ آج یہ تاریخ ہے جبکہ سورج کا معاملہ ایسا نہیں ہے اس کے حالات کا عام لوگوں کو علم نہیں ہے اور سورج کے حالات سے سال کے چار موسم معلوم ہوتے ہیں گرمی، سردی، خزاں (ساون)، بہار بغیر جنتری دیکھنے کے تاریخ معلوم نہیں ہوتی ہے۔ جبکہ دین آسان اور عام ہے۔ (تفسیر اللباب للدمشقی) لِلنَّاسِ لوگوں کی ذات کیلئے نہیں بلکہ ان کے فائدوں کیلئے ہیں (تفسیر البحر المحیط) وَالْحَجِّ حج کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ جاہلیت کے دور میں لوگ حج اپنی مرضی سے آگے پیچھے کروا لیتے تھے جس کو قرآن نے (نسی) کہا ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ حج کیلئے ذی الحجہ کا جو مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مقرر کیا ہے اس میں تبدیلی منع ہے اور اس میں اسلام کے ایک اور فریضے کی طرف اشارہ ہے جو کہ فرضیت رمضان کے بعد ہے۔ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس جملے کے سبب نزول میں تین روایات ہیں۔ پہلا قول: پہلا قول حسن بصری اور اصم کا ہے کہ دورِ جاہلیت میں اگر کوئی شخص کسی کام کیلئے نکل جاتا اور وہ اس پر چلا جاتا یا کام نہ ہو پاتا تو گھر میں ایک سال تک دروازے سے داخل نہیں ہوتا بلکہ اس کو نحوست تصور کرتا تھا بلکہ دیوار پھلانگ کر آتا یا کوئی اور طریقہ اختیار کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بات سے نجات اس میں نہیں ہے کہ تم دروازوں سے آنا ترک کردو بلکہ تقویٰ اور اللہ تعالیٰ پر یقین و توکل اختیار کرنا نجات کی بات ہے۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى اس البقرۃ کی آیت 177 سے اختصار کیا گیا ہے جس میں پوری نیکی کیلئے اس امور کا ذکر ہوا ہے اور آخر میں أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ کہا گیا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ یہاں پر تقویٰ احکام الٰہی کی اطاعت سے متعلق کیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ سب لوگ شمد سے ناواقف ہو جاتے تھے یہ اللہ کا استعمال ہے جیسے قَدْ أَفْلَحَ کے الفاظ کامیاب نہیں ہوتا اس سے مراد میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ کی کامل ادائیگی ہی میں کامیابی ہے۔ دوسرا قول: براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور امام زہری کا قول ہے کہ انصار میں یہ جاہلانہ عادت تھی کہ حج اور عمرے کا احرام باندھنے کے بعد اگر کسی کام سے گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی تو دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے لیکن ایک دفعہ ایک انصاری نے اس کی مخالفت کی اور دروازے سے داخل ہوا تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا جس پر اس آیت کا نزول ہوا اس روایت کو امام بخاری نے نقل کیا ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4512، صحیح مسلم کتاب التفسیر حدیث 3026)۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ جاہلیت میں آسمان اور ان کے درمیان کسی چیز کو حائل نہیں چھوڑتے تھے جب احرام کی نیت سے گھر سے نکل آتے تو پھر گھر میں دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے یا تو چھت پر چڑھ کر آتے یا دیوار ہٹا کر لوگوں سے اپنی حاجت طلب کرتے اور ان کا یہ سارا کام محض تھا اور یہ بدعتی تھا اور اس عمل کو ثواب خیال کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کوئی دینداری نہیں کہ تم ایسا کرو اس میں ثواب ہے۔ تیسرا قول: عام مفسرین کا ہے کہ ابتداء اسلام میں جاہلیت والے لوگ جب حج یا عمرے کیلئے احرام باندھ لیتے تو گھر میں آتے وقت شہری مکان کی چھت پر پشت کی جانب سے آتا اور دیہاتی اپنے خیموں میں پیچھے کی جانب سے داخل ہوتے اور اس کو نیکی تصور کرتے تھے حمس کے علاوہ یہ کام عام عرب لوگ کرتے تھے حمس والے یعنی قریش تو گھروں میں جاتے اور چھت کی بغیر استعمال کرتے اور ان کا یہ عمل اپنے گمان کے مطابق نیکی تھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی تردید کی۔ ان اقوال کو امام دمشقی اور امام ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ان اقوال کی بنا پر الْبُيُوتَ، أَبْوَابٍ، ظُهُورٍ سے حقیقی معنی مراد ہے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ سوال: اس جملے کا أَهِلَّةِ سے کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ کس طرح ربط ہے۔ ؟ جواب ۱: جب حج کی رسم (نسئ) کا رد کیا گیا تو اب ایک اور باطل رسم کا رد ہو رہا ہے تا کہ حج جاہلیت کے رسموں سے پاک ہو جائے۔ جواب ۲: یہ دونوں سوالات ایک ساتھ وارد ہوئے تھے تو جوابات بھی ایک ساتھ ہو گئے۔ جواب ۳: جب یہودیوں نے بے فائدہ سوال کیا تھا جبکہ سوال حکمت کے حوالے سے کرنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے حکمت کے بجائے سبب کا سوال کیا تھا تو ان کا یہ عمل ایسا ہی الٹا تھا جو گھر میں آنے والا شخص دروازے کے بجائے دیوار پھلانگتا ہوا آئے یعنی جاہلوں کی طرح یہود بھی الٹے کاموں میں مگن ہیں۔ تنبیہ: اکثر مفسرین نے اس جملے میں اور بھی اشارات ذکر کئے ہیں۔ پہلا اشارہ: تفسیر اللباب میں ہے کہ اے یہودیو! جب تم چاند کی حکمتیں نہیں جانتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خالق کی حکمت میں متردد ہو گھروں میں پشت کی جانب سے آنے میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ صحیح استدلال سے پھر گئے ہیں اور دروازوں سے گھروں میں آنا صحیح طریقے سے استدلال کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا اشارہ: امام قرطبیؒ نے ابوعبیدہؒ سے نقل کیا ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسائل جاہلوں سے مت پوچھا کرے بلکہ علماء سے سوال کیا کرے۔ تیسرا اشارہ: امام ماوردی، ابن الانباری اور ابن زید رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ یہ مثال اپنی بیویوں سے مجامعت سامنے کی طرف (فرج) میں کیا کرو پیچھے (دبر) سے مت آیا کرو۔ چوتھا اشارہ: یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے کہ ہر نیکی کا کام شرعی طریقے سے کیا کرو یعنی سنت کے مطابق کام کرو جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے بے دلیل عمل سے اجتناب کرو۔ پانچواں اشارہ: قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں وضاحت یہ ہے کہ ہر قول و فعل جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قربت کا ذریعہ قرار نہیں دیا ہے اور اس کی ترغیب بھی نہیں دی ہے تو وہ قربت الٰہی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا ہے اگرچہ کوئی اس کو اپنی طرف سے متعین کرے اس میں عقائد اور اعمال کے تمام بدعات پر رد ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں (اس کا دین بلند کرنے کیلئے) ان لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز مت کرو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ حد سے تجاوز اختیار کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ [190]

تفسیر 190: سابقہ آیت سے ربط کئی وجوہات کی بنا پر ہے۔ پہلی وجہ: یہ ہے کہ یہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ پر عطف ہے اور یہ خاص کو عام پر عطف کرنے کی اقسام میں سے ہے یعنی تقویٰ کے اہم امور و اقسام میں سے قتال فی سبیل اللہ ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیتیں صلح حدیبیہ کے سال نازل ہوئی ہیں جب مشرکین نے مسلمانوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو عمرہ کرنے سے منع کیا تھا، اور آئندہ سال کیلئے یہ طے ہوا کہ صرف تین دن کیلئے حرم میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی تو مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ حالت احرام میں اور حرمت کے مہینے میں اگر یہ لوگ ہم پر حملہ آور ہو جائیں اور اپنے وعدے سے اعراض کریں تو ہمارے لئے مشکل ہوگا کیونکہ ہمارے لئے تو گناہ ہے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی قتال کا حکم عمرے اور حج کے ساتھ متعلق ہوا لہٰذا ان کا آپس میں ربط پیدا ہوا۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ سابقہ دس امور نفوس کی تہذیب اور چار امور امن کیلئے ذکر ہوئے تو یہ سب جہاد کیلئے تیاری ہے لہٰذا تیاری کے بعد اب جہاد کا حکم ہو رہا ہے۔ اس آیت میں جہاد کے متعلق چار امور کا ذکر ہے۔ اول: قتال کی فرضیت صیغہ امر کے ذریعے ہوئی ہے۔ دوم: قتال کا مقصد یعنی فی سبیل اللہ ہے۔ سوم: لڑائی جن سے ہوگی وہ اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ میں مذکور ہیں۔ چہارم: قتال کے آداب لَا تَعْتَدُوْا یعنی زیادتی کرنے سے اجتناب کرتے رہنا۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ قاتلوا کے ساتھ متعلق ہے۔ لغت میں سبیل اس راستہ کو کہا جاتا ہے جس پر چل کر بندہ مقصد تک پہنچتا ہے یہاں پر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے یعنی دین اسلام جس کے ذریعے سے انسان اللہ تعالیٰ تک اور اس کی رضا تک اور جنت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جو مسلمانوں کے بنیادی مقاصد میں سے ہے (فی) لام کے معنی میں ہے اور مضاف مقدر ہے اعلاء اور سبیل کلمہ کے معنی میں ہے یعنی لِاِعْلَاءِ کَلِمَۃِ اللّٰہِ (صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث 2810، 3126، نسائی کتاب الجہاد حدیث 3138، ابن ماجہ حدیث 2783، ابو داؤد حدیث 2517) یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے جو کہ دین توحید ہے اور یہ تفسیر صحیح حدیث میں مذکور ہے یہی جہاد کا مقصد ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جہاد شہرت، ریاء کاری اور مال غنیمت کے حصول وغیرہ کیلئے نہیں کیا جائے گا۔ اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ اس سے مراد عام ہے جو تمہارے ساتھ فی الحال قتال کر رہے ہیں اور جو لڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں یعنی نوجوان لہٰذا اس میں اشارہ ہے کہ بچوں، عورتوں اور عمر رسیدہ لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ جو خواتین ان کی سربراہی کرتی ہیں اور مشورہ دینے والے عمر رسیدہ لوگ وہ بھی جنگ کی اہلیت رکھنے والوں میں داخل ہیں۔ وَلَا تَعْتَدُوْا تمام امور میں اعتداء حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے کو کہا جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔ اس مقام پر مفسر قرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہدؒ سے منقول ہے کہ یہاں اعتداء سے مراد یہ ہے کہ بچوں، عورتوں، غلاموں اور راہبوں کو جو تمہیں انقیاد اور سلام پیش کریں قتل نہیں کرنا ہے۔ دشمن کی لاش کو مثلہ نہیں کرنا ہے یعنی ناک کان آنکھ ہونٹ وغیرہ کاٹنے سے گریز کرنا ہے نیز مال غنیمت میں سے خیانت سے اجتناب کرنا ہے اور اس معنی کے اعتبار سے یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْمُعْتَدِيْنَ یہ لَا تَعْتَدُوْا کیلئے علت ہے ایمان والوں کے ساتھ محبت کرنا اور غیر مومنین کے ساتھ بغض اور نفرت کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے دیگر صفات کی طرح یہ صفت بھی اپنے حقیقی معنی میں ہے یعنی بغیر کسی تمثیل، تشبیہ اور تاویل وغیرہ کے جو کہ سلف صالحین کا مسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی محبت میں فرق ہے اول یہ کہ مخلوق کی محبت اور نفرت کے درمیان واسطہ ہو سکتا ہے یعنی کبھی کسی سے نہ تو نفرت ہو اور نہ ہی بغض ہو مگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور نفرت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محبت نہ کرنا بغض کیلئے مستلزم ہے اور اسی طرح بغض عذاب کیلئے مستلزم ہے۔ 6/6

فائدہ: محبت اللہ تعالیٰ کیلئے بطور صفت ثبوتی قرآن مجید میں (19) جگہ ذکر ہوئی ہے اور (سلبی) یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کی نفی (23) مرتبہ مذکور ہے۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ "ان کو قتل کرو جہاں بھی تمہیں قدرت حاصل ہو اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (یاد رکھو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی مت کرو جب تک کہ وہ خود تم سے نہ لڑیں البتہ اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو مار ڈالو یہی کافروں کا بدلہ ہے۔ [191]

تفسیر 191: اس آیت میں قتال کے دو طریقوں کا ذکر ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ قتل پر قادر ہو تو ان کو قتل کر دو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر ان کو نکالنے پر قدرت حاصل ہو جائے تو ان کو نکال ڈالو۔ یہ دونوں حکم وَاقْتُلُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ الگ الگ حالتوں میں ہے کیونکہ ایک ہی حال میں قتل اور (اخراج) نکال دینا نہیں ہو سکتا ہے اور اقْتُلُوْهُمْ کی ضمیر الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ کی طرف راجع ہے۔ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ۔ حَيْثُ زمان و مکان دونوں کی عموم کیلئے آتا ہے یعنی زمین حلت کی ہو یا حرمت کا مہینہ یا کوئی اور مہینہ ہو البتہ بعد میں مسجد حرام اور شہر حرام کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ثَقِفَ اور ثَقَافَتْ کا معنی ہوشیاری اور مضبوطی سے حاصل کر لینا یا پالینا خواہ عمل ہو یا علم ہو اور مطلق (ادراک) یعنی پالینے میں بھی مستعمل ہوتا ہے البتہ جہاں ثَقِفْتُمُوْهُمْ ہوتا ہے وہاں مضبوطی اور شدت مراد ہوتی ہے اور جہاں وَجَدْتُمُوْهُمْ آیا ہے وہاں شدت مراد نہیں ہوتی ہے مگر مناسب جگہوں میں دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ (سورۃ نساء:91، انفال:57، آل عمران:112، احزاب:61) میں ثَقِفَ مستعمل ہے اور دشمن کی جانب سے سورۃ ممتحنہ:2، میں مستعمل ہے ان مقامات میں شدت پر دلالت کر رہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور سورہ نساء:98،توبہ:5، میں (وجدان) پالینا ذکر ہے جو ان مقامات کے مناسب ہے۔ اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے لفظ ثَقِفْتُمُوْهُمْ میں قیدی کو شامل کیا ہے یعنی کافر قیدی کو بھی قتل کرنا جائز ہے۔ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ حیث یہاں پر جگہ (مکان) کیلئے ہے اور یہ عام ہے اگر چہ اس مقام پر اس وقت مکہ مراد تھا۔ سوال: اس آیت کے نزول کے وقت تو مسلمان کافروں کو مکہ سے نکالنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے تو یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ جواب: مفسر ابو حیانؒ نے لکھا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح مکہ کا وعدہ ہے جو بعد میں اللہ تعالیٰ نے پورا کیا ہے اور مِّنْ حَيْثُ میں علت کا احتمال بھی ہے یعنی انہوں نے تمہیں جس طرح گھروں اور بستیوں سے نکالا ہے تم بھی ان کو نکال دو اگر انہوں نے قدرت حاصل کی تو پھر تمہیں بستیوں سے نکال دیں گے۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ مفسر ابو حیان نے یہاں پر سات معانی ذکر کئے ہیں۔ (1) مومن کو ایمان سے پھیر دینا بہت مشکل و گراں ہے بنسبت اس کے کہ اس کو قتل کیا جائے۔ اس میں اشارہ ہے کہ صحابہ کرام ایمان پر کتنے مضبوط تھے۔ (2) حرمت والے مہینوں میں مشرکین کو قتل کرنے سے بڑا جرم ان کا شرک کرنا ہے تو پھر یہ وَاقْتُلُوْهُمْ کیلئے علت ہے۔ (3) مشرک کو قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے (محرمات) تعظیم والی جگہوں کی تحقیر زیادہ سخت جرم ہے۔ اس معنی میں (هُمْ) اُقْتُلُوْهُمْ کیلئے علت ہے یعنی ان کو قتل کرو۔ (4) حرم میں مومن کو قتل کرنے سے آخرت کا عذاب کافروں کیلئے بہت سخت ہوگا۔ یہ توجیہ ضعیف ہے البتہ اگر اس طرح کہا جائے کہ مشرکین کیلئے آخرت کا عذاب بنسبت کافروں کے دنیا میں مومنین کو قتل کرنے سے بہت سخت ہوگا۔ اس میں شدت ہوگی اس سے جو کہ وَاقْتُلُوْهُمْ میں وارد ہے یہ احتمال صحیح بھی ہو سکتا ہے اور اس کو (اللباب) کے مفسر نے بھی نقل کیا ہے۔ (5) مشرکین کو گھروں اور بستیوں سے نکال دینا ان پر قتل کرنے سے زیادہ گراں (بھاری) ہے کیونکہ وطن سے کافروں کو بے دخل کرنے سے ان کی تذلیل و رسوائی ہمیشہ کیلئے ان پر مسلط ہو جاتی ہے۔ اس معنی پر یہ اَخْرِجُوْهُمْ کیلئے علت ہے۔ (6) ایمان والوں کو حرم سے منع کرنا بہت سخت جرم ہے تمہارا ان کو قتل کرنے سے اور ان کا تمہیں قتل کرنے سے اس معنی پر بھی یہ وَاقْتُلُوْهُمْ کیلئے علت ہے۔ (7) مشرکین کا مومنین کو تنگ کرنا تاکہ وہ مرتد ہو کر دین کو چھوڑ دیں یہ مومنین پر ان کے قتل سے زیادہ سخت ہے اور یہ احتمال اول احتمال کی طرح ہے اور لفظ فِتْنَةٌ کی تحقیق بعد میں آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ اس میں استثنیٰ کا ذکر ہے جو کہ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ کے عموم سے لیا گیا ہے اور قتال کی نہی اسباب کو مستلزم ہے اور نہی سے مراد مسجد حرام کے قریب سے قتال شروع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے اور اس نہی کا غایہ اور مقصد مشرکین کی طرف سے قتال شروع کرنا ہے۔ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس سے مکمل حرم مراد ہے اور اس نہی میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ یہ نہی منسوخ نہیں ہے یہ امام طاؤس اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام قرطبیؒ کا قول ہے کہ اس قول میں نہی قرآنی کے ساتھ موافقت بھی ہے اور یہ صحیح قول ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ سورۃ التوبہ:5، اور قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ سورۃ التوبہ:36، سے منسوخ ہو گیا ہے اور امام قرطبیؒ نے اول قول کی تائید کیلئے ایک مناظرہ ذکر کیا ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ اس جملہ میں ایمان والوں کیلئے ایک کراہت کو ختم کیا گیا ہے کہ حرم میں دفاعی قتال کرنے کی تصریح ہے بطور غایہ اور مقصد کے فَاقْتُلُوهُمْ فرمایا اور قَاتِلُوهُمْ نہیں فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ ان کے قتل پر غلبہ اور نصرت عطا فرمائے گا کیونکہ ان مشرکین نے حرم کی بے حرمتی کی ہے۔ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ۔ كَذَلِكَ میں اشارہ ہے کہ سارے کافروں کا علاج اور بدلہ قتال میں ہے یعنی ان کا کفران کے قتل کیلئے علت ہے اس میں تنبیہ ہے کہ اس قتل میں انسانیت کی تذلیل نہیں جیسا کہ ملحدین کہتے ہیں بلکہ اس میں کفر کی تذلیل ہے۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۹۳﴾ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے [192]۔ ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک خالص اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو جائے اور فتنہ مٹ جائے اگر وہ قتال سے رک جائیں تو (تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ان لوگوں پر ہے جو ظلم پر ڈٹے ہوئے ہیں۔[193]

تفسیر 192: اس آیت میں کافروں کو کفر و شرک سے باز آنے اور توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ اس میں کافروں کا کفر سے باز آنا اور مسلمانوں سے جنگ نہ کرنا یعنی منع ہونا مراد ہے (سورہ انفال:38) میں بھی اسی طرح وارد ہے۔ امام ابو حیان اور مفسر دمشقی رحمہم اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ قصداً قتل کرنے والے کی توبہ قابل قبول ہے کیونکہ کفر و شرک قتل سے بڑا گناہ ہے لہٰذا جب کافر کی توبہ قبول ہے تو قاتل کی توبہ بھی قبول ہوگی۔

تفسیر 193: اکثر مفسرین کے نزدیک یہ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ پر عطف ہے اور وہاں ایک مقصد ذکر ہوا جو کہ فی سبیل اللہ ہے جبکہ یہاں دوسرا مقصد ذکر ہو رہا ہے حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ اور قَاتِلُوهُمْ کی ضمیر میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ یہ مشرکین مکہ کی طرف راجع ہے جس پر مسجد حرام کا ذکر دلیل ہے اور فتنہ سے مراد شرک ہے اور مومنین کو تکلیف (أَیْذٰی) دینا مراد ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین عرب و مکہ سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ شرک ختم ہو جائے اور ان سے جزیہ ٹیکس قبول نہ ہوگا۔ جیسا کہ اہل کتاب سے قبول کیا جاتا ہے۔ یہ قول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قتادہؒ، ربیع اور سدیؒ کا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ ضمیر تمام کافروں کی طرف راجع ہے یعنی کافروں سے لڑنے کا حکم ہے ہر مکان میں البتہ بعض سے ٹیکس لینا دوسری نص سے ثابت ہے جو کہ سورہ توبہ 29، میں مذکور ہے اس قول کو امام قرطبیؒ نے اول ذکر کر کے فرمایا ہے کہ یہ قول اظہر من الشمس ہے۔ فتنہ سے مراد شرک اور (آذی) سے مسلمانوں کو تکلیف دینا ہے۔ اور ابو مسلم کے نزدیک وَقَاتِلُوهُمْ پر عطف ہے۔ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ پر اور فتنہ سے مراد قتال فی الحرم ہے۔ یعنی اگر تمہارے ساتھ حرم میں قتال شروع کریں تو ان کے ساتھ قتال اس لئے کرو کہ حرم میں قتال بند ہو جائے کیونکہ حرم میں قتال فتنہ ہے یعنی مومنین پر امتحان ہے۔ (البحر المحیط) اور ایک قول کی بناء پر حتی غایۃ کیلئے یا تعلیل کیلئے ہے۔ اور ابن عاشور نے التحریر والتنویر میں لکھا ہے کہ فتنہ کا خاتمہ ہر دو چیزوں میں سے ایک پر ہو سکتا ہے یا تو وہ سارے لوگ جو مشرک تھے اسلام میں داخل ہو جائیں یا پھر سب کو قتل کیا جائے البتہ کبھی مسلمانوں کے غلبہ سے فتنہ کا خاتمہ ہوتا ہے یعنی مشرک مغلوب ہو جائیں اور موحدین غالب آ جائیں تو شرک کا فتنہ ختم ہو جاتا ہے یعنی مشرکین کی کمزوری اور مسلمانوں کے قوی ہونے سے فتنہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو ہر حال میں حتی غایہ اور تعلیل دونوں کیلئے ہے کیونکہ غایہ اور تعلیل میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

تنبیہ ۱: فتنہ کا مادہ ف ت ن ہے 60 مرتبہ قرآن مجید میں مذکور ہے لغت میں فتن کا معنی سونے کو آگ میں صاف کرنے کیلئے ڈالدینا ہے تاکہ میل سے صاف ہو جائے جیسے موجودہ دور میں تیزاب کرنا کہا جاتا ہے پھر اس کا استعمال ہر محنت والے کام پر کیا گیا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں پندرہ معانی ذکر کئے ہیں۔

(۱) شرک کے معنی میں ہے۔ الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (2) لوگوں کو گمراہ کرنا (3) قتل کرنا جیسا کہ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا سورۃ النساء:101، (4) پھیرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ سورہ مائدہ:49، (5) گمراہ ہونا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ سورہ مائدہ:41، (6) عذر اور بہانہ کرنا ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ سورہ انعام:23، (7) اللہ تعالیٰ کا فیصلہ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ سورہ اعراف:155، (8) گناہ کے معنی میں ہے جیسا کہ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا سورہ توبہ:49، (9) بیماری آنے کے معنی میں ہے يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَامٍ سورہ توبہ:121، (10) عبرت کے معنی میں ہے جیسا کہ لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ سورہ یونس:85، (11) عقوبت (سزا) کے معنی میں ہے اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ سورہ نور:63، (12) امتحان (اختبار) کے معنی میں ہے جیسا کہ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سورہ عنکبوت 3، (13) تکلیف اور عذاب کے معنی میں ہے جیسا کہ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ سورہ عنکبوت:10، (14) جلانے کے معنی میں ہے جیسا کہ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ سورہ ذاریات:13، (15) جنون کے معنی میں ہے یعنی (پاگل پن) بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ سورہ قلم:6، مفسر ابوحیان سے بھی فتنہ کی تفسیر میں سات معنی منقول ہیں جو کہ گزر گئے ہیں۔ اور وہ ان پندرہ معنوں کے علاوہ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج2، ص:189) باب الصلوٰۃ کفارۃ میں دس معانی لکھے ہیں کفر، تاویل میں غلو یعنی حد سے تجاوز، فضیحت (شرمندگی) (مصائب) عذاب، قتال، اچھے حالات کا بُرے حالات میں منتقل ہونا، کسی چیز کی طرف میلان کرنا، کسی چیز پر تکبر کرنا، خیر اور شر کا آنا۔ ان میں سے بعض معنی گزشتہ معانوں کے علاوہ اور اضافی ہیں۔ تنبیہ: مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فتنہ کے تین معانی ذکر کیے ہیں۔ اول:۔ شرک و کفر۔ دوم:۔ مومنین کو اذیت دینا یعنی ان پر جبر کر کے مرتد بنانا، سوم:۔ حرم میں قتال کرنا جیسا کہ ابوحیان سے یہ معانی نقل کیے گئے ہیں۔ یہاں ہر ایک معنی درست ہے مگر میں نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔ ترجیح کی وجوہات یہ ہیں کہ صاحب اللباب دمشقی نے کہا ہے کہ ان سے قتال کرو تاکہ تم ان پر غالب آجاؤ اور تمہیں جبراً دین سے پھیر نہ دیں اور تم شرک میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ دوم ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے (حدیث 4515) اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا اس پر ہم نے عمل کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم کمزور تھے۔ انسان کو جبراً دین سے پھیر دیا جاتا تھا قتل یا تکالیف و مصائب کے خوف سے مرتد ہو جانے پر مجبور کرتے یہاں تک کہ اہل اسلام بڑھ گئے اور اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ تیسرا قول: امام ابن عاشور کا ہے یہاں پر فتنہ نکرہ ہے اور سیاق نفی میں واقع ہوا ہے لہٰذا فتنوں کے ان تمام معنوں پر مشتمل ہے۔ جو اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کی تفسیر میں گزر گئے ہیں اور ان میں یہ معنی بقول ابن عاشور کے گزر گیا ہے۔ کہ ایمان والوں کو تکلیف دینا، گالی دینا، مارنا، مذاق کرنا اور مالوں اور گھروں سے بے دخل کرنا یہ تمام زیادتیاں مسلمانوں کے ساتھ صرف اس لئے کرتے تھے تاکہ ان کو دین سے پھیر دیں۔ چوتھا قول: تفسیر غرائب القرآن میں ہے کہ ان کا فتنہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو اذیت دیتے مارتے اور تکالیف دیتے ہوئے بعض کو حبشہ کی طرف اور بعض کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا تو معنی یہ ہے کہ ان سے قتال کرو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تا کہ تم ان پر غالب آ جاؤ اور وہ غلبہ حاصل کر کے تمہیں دین سے پھیر نہ دیں پانچواں قول: امام قرطبیؒ کا ہے کہ یہاں پر فتنہ سے مراد شرک ہے اور وہ تکالیف اور مصائب جو مشرکین مسلمانوں کو پہنچاتے تھے۔ چھٹا قول: میں نے شیخ القرآن غلام اللہ خان رحمہ اللہ علیہ کی مخطوط تفسیر سے نقل کیا تھا جواب چھپ گئی ہے۔ حَتّٰى لَا يُفْتَتَنَ مُؤْمِنٌ تفسیر مدارک تا کہ کفار مؤمنین کو مؤمن ہونے سے نہ روکیں اور جبرا کافر نہ بنائیں اور میرے کلاس کے ساتھی محمد افضل خان نے پشتو تفسیر افضل التراجم میں بھی لکھا ہے۔ ساتواں قول: امام بقاعیؒ نے نظم الدرر میں لکھا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کفار غلبہ حاصل کر کے یہ فتنہ پیدا نہ کر دیں کہ مسلمانوں کو دین سے مصائب و امتحان کے ذریعے سے پھیر دیں۔ (جلد 3، ص 113) آٹھواں قول: ابن عربی (المتوفی، 543ھ) نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ مسجد حرام میں کفر کرنا اور بتوں کی عبادت کرنا، مسلمانوں کو تنگ کرنا تا کہ وہ دین کو چھوڑ دیں یہ سب فتنہ ہے۔ (ج 1، ص 109) نواں قول: امام قاسمی نے تفسیر میں لکھا ہے کہ تَقْوِيَة بِسَبَبِهِ يُفْتَتِنُوْنَ النَّاسَ عَنْ دِيْنِهِمْ وہ قوت جس کے ذریعے سے لوگوں کو دین سے روکا جائے (ج 2، ص 137)

دسواں قول: امام رازی نے تفسیر کبیر (ج 5، ص 132) میں لکھا ہے کہ ان سے قتال کرو تا کہ ان پر تم غالب آ جاؤ ایسا نہ ہو کہ تمہیں وہ تمہارے دین سے پھیر دیں۔ فائدہ ۱: اس مقام پر میں نے مفسرین کے زیادہ اقوال اس لئے درج کئے ہیں اور کچھ طوالت سے کام لیا ہے کہ اس زمانے کے ایک حاسد اور علمی اعتبار سے یتیم شخص نے میری تفسیر پر بے بنیاد اعتراضات کئے ہیں خصوصاً اس مقام پر لہٰذا تفصیلی جواب میرے ایک ساتھی مولانا محمد اسحق گبرالی نے اپنی کتاب (الرد القوی الباهر) میں دیا ہے۔ فائدہ ۲: سورۃ الانفال 33 میں بھی ایسا ہے مگر فرق یہ ہے کہ وہاں لفظ كُلُّهٗ ہے جو کہ یہاں پر نہیں ہے کیونکہ یہاں پر خاص مشرکین عرب کا ذکر ہے تو صرف ان سے قتال کرنے کی وجہ سے عرب میں دین قائم ہوا اور سورۃ الانفال میں كُلُّهٗ سے مراد عام لوگ ہیں جن سے قتال کی وجہ سے ساری دنیا میں دین کا غلبہ ہو گیا۔ دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ اس آیت میں فتنہ سے مراد کافروں کا زبردستی اور جبراً مسلمانوں کا دین سے پھیرنا ہے یعنی مؤمنین کی کمزوری مراد ہے اور حَتّٰى علت کیلئے ہے۔ الدِّيْنُ سے مراد دین کا غلبہ ہے اس لئے اس مقام پر كُلُّهٗ کی ضرورت نہیں ہے اور سورۃ الانفال میں فتنہ سے مراد شرک اور کفر ہے اور حَتّٰى غایۃ کیلئے ہے الدِّيْنُ سے مراد دین کی اشاعت ہے یعنی دنیا سے کفر اور شرک کو ختم کیا جائے اور ساری دنیا میں دین قائم و غالب ہو جائے۔ فائدہ ۳: جب کسی آیت کے متعلق مفسرین کے الفاظ مختلف اور زیادہ ہوں اور ان میں آپس میں تعارض بھی نہ ہوں تو ہر ایک معنی پر عمل کرنا جائز ہے۔ لہٰذا اِفْتِتَانُ الْمُؤْمِنِ عَنْ دِيْنِهٖ مذکورہ تمام اقوال کو شامل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور بہتر ہے یعنی مؤمن کو کسی بھی ذریعے سے اس کے دین سے پھیر دینا مراد ہے۔ فائدہ: ہم نے جو معنی کیا ہے اس میں یَکُوْنَ فعل تام ہے یعنی موجود ہونے اور واقع ہونے کے ہے اور فِتْنَةٌ اس مقام پر کسی بھی معنی پر ہو تو وہ کافروں کا عمل ہے جس سے مراد فِتْنَةُ الْكَافِرِ ہے۔ اسلئے معنی میں ہم نے کافر کے جبر و قوت کا ذکر کیا ہے۔ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین تمام ادیان باطلہ پر غالب (عالی) اور حاوی ہو جائے یہ قول بھی ہمارے معنی کی تائید کرتا ہے اگر چہ دوسرا قول بھی صحیح ہے یعنی قیام دین صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا اس کا متعلق مقدر (مخفی) ہے یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ لڑنے یا شرک کرنے یا ایمان والو کو فتنہ میں ڈالنے سے باز آجائیں۔ مذکورہ تمام معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ فَلَا عُدْوَانَ جنس کی نفی ہوئی ہے یعنی کسی بھی قسم کا ظلم و زیادتی خواہ مال میں ہو یا عزت میں ہو یا بدن میں ہو کوئی بھی زیادتی نہیں ہوگی۔ یہاں عُدْوَانَ سے مراد اس کی جزا ہے اور یہ مُشَاكَلَتْ کے قبیل میں سے ہے یعنی جزا کو عمل کا نام دیا گیا ہے اور یہ نفی عام ہے جو نہی کے معنی میں ہے لَا تَعْتَدُوْا یعنی ان مذکورہ تمام قسم کے ظلم و زیادتی سے باز رہو۔ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ظالمین سے مراد حرم میں قتال کی ابتداء کرنے والے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو کفر اور فتنہ پر قائم ہیں یا منکرین توحید ہیں اور یہاں پر معلول کی جگہ علت کا ذکر ہوا ہے یعنی فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلٰى مَنْ لَّمْ يَنْتَهِ جو باز نہیں آئیں گے وہ ظالم ہیں اور ظالم مستحق ہے عدوان کا کیونکہ ظلم بھی عدوان ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ "حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے میں ہیں اور تمام حرمتیں (عزتیں) بدلے والی ہیں جو تم پر زیادتی کرے تم بھی ان پر اسی کی مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔[194]

تفسیر 194: یہ قتال کے آداب ہیں مگر زمانہ کے اعتبار سے اور عموم زمانہ سے استثنیٰ ہے جو کہ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ میں ہے۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ ان دونوں میں جنس شہر حرام مراد ہے جو کہ چار ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب اور اس آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: جب صلح حدیبیہ میں فیصلہ ہو گیا کہ مسلمان آئندہ سال ذوالقعدہ میں عمرہ کریں گے تو صحابہ کرام کو تشویش ہوئی اگر ان مشرکین نے غداری کرتے ہوئے (وعدہ) صلح کی پرواہ نہیں کی اور حرمت والے مہینے میں ہم سے جنگ کی تو پھر ہم کیا کریں گے؟ تو اس آیت میں جواب دیا گیا۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ ہجرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے چھٹے سال ماہ ذوالقعدہ میں صحابہ کرام کو مشرکین مکہ نے عمرہ کرنے سے منع کیا تھا اور صلح کی وجہ سے ساتویں سال اسی مہینے میں عمرہ کیا تو بطور تسلی نبی کریم ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ مہینہ اس مہینے کے بدلے ہوا جس میں تم عمرہ کرنے سے روک دیے گئے تھے لیکن پہلا قول راجح ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے۔ اِنْتِهَاكُ حُرْمَةِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ بِسَبَبِ أَوْبِعِوَضِ اِنْتِهَاكِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ حرمت والے مہینے کا مکہ والوں سے قتال کرنے کی وجہ سے بے حرمتی کرنا مشرکین کے اس مہینے کی بے حرمتی کی وجہ سے ہوا۔ یعنی اگر مشرکین نے حرمت والے مہینے کی حرمت کو تمہارے ساتھ جنگ کا آغاز کرتے ہوئے پامال کیا تو تم بھی ان سے دفاعی جہاد اور قتال کرو۔ تو یہ سابقہ آیت کی طرح ہے کہ مسجد حرام میں دفاعی قتال جائز ہے تو اسی طرح حرمت والے مہینوں میں بھی جائز ہے۔ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ ماقبل کیلئے علت ہے اور حرمات سے مراد حرمت شہر ہے مگر جمع اسلئے ذکر کیا ہے کہ حرمت مکہ حرمت احرام (عرض) مومن یعنی مومن کی عزت وغیرہ سب اس میں شامل ہو جائیں۔ حرمت وہ چیز ہے جس کی بے حرمتی و بے عزتی کرنا شریعت میں حرام ہو۔ قِصَاصٌ برابری اور مساوات کو کہا جاتا ہے یعنی مشرکین مکہ نے ہجرت کے چھٹے سال جو حرمتیں ضائع کی تھیں وہ ساتویں سال مکمل بدلے کے طور پر نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے عمرہ کرنے سے ادا ہو گئیں۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ مستقل شرعی حکم ہے یعنی جس کسی نے بھی کسی مسلمان کی مالی و جانی بے عزتی کی تو اس کا بدلہ لینا جائز ہے خواہ حاکم وقت کے ذریعے یا خود لے اس میں اہل علم کی تفصیل موجود ہے اور ہر توجیہ پر قصاص میں لفظ ذات مقدر ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ یہ ماقبل کیلئے نتیجہ یا قصاص کیلئے تفصیل ہے۔ امام قرطبی نے کہا ہے کہ اگر امکان ہو تو فَاعْتَدُوْا خود بدلہ لے لو یا پھر حاکم کے ذریعے سے لے لو۔ سوال: یہاں تو مراد بدلہ لینا ہے جو کہ ظلم اور اعتداء میں نہیں ہے تو پھر فَاعْتَدُوْا کا کیا مطلب ہے؟ جواب ۱: جو لوگ قرآن کریم میں مجاز کے قائل نہیں ہے وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ عدوان مباح ہیں۔ جواب ۲: یہ بطریقہ مشاکلت اور مقابلہ ہے جیسا کہ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور بطریقہ مجاز ہے۔ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ بقول ابن عاشور یہ مماثلت مقدار اور احوال میں ہے جیسا کہ بلد حرام شہر حرام میں بدلہ لینا جائز ہے۔ سوال: سورۃ النحل:126، میں برابر بدلہ لینا مذکور ہے مگر متصل معاف کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے؟ جواب: وہ آیت مکی دور کی ہے جو آداب دعوت سے متعلق ہے اور دعوت میں معافی اور صبر کرنا عزیمت ہے۔ یہ آیت مدنی ہے جو کہ باب قتال و جہاد سے متعلق ہے اور اس میں خاص حالات کے علاوہ معافی نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

امام قرطبیؒ نے برابری (مثلیت) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس نے ظلم سے تمھارا مال لیا ہے اس سے اتنا مال حاصل کرو اگر گالی گلوچ کی ہو تو بدلہ لے لو اگر تمہاری بے عزتی کی ہو تو اس کی مثل بے عزتی کرو البتہ اس بدلہ میں اس کے ماں باپ، اولاد، رشتہ داروں تک تجاوز مت کرنا ہے۔ اگر تمھیں زانی کہا ہو تو تم ان کو زانی مت کہو بلکہ اس کو جھوٹا کہو اگر کوئی الزام تم پر جھوٹا لگایا ہو تو اس کا بدلہ جھوٹ سے مت دینا یعنی گناہ کا بدلہ گناہ سے نہیں دینا ہے۔ امام قرطبی نے اس آیت کے عموم کی طرف اشارہ کیا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد احکام الٰہی کی اطاعت ہے یا مراد یہ ہے کہ انتقام بدلہ لیتے ہوئے غیض وغضب میں آ کر حدود شرعی سے تجاوز مت کرو کیونکہ اکثر انسان غصے میں یہ جرم کر لیتا ہے اسلئے تقویٰ کا حکم دیا۔ یا پھر مقصود یہ ہے کہ بغیر حالات مجبوری کے تقویٰ کی شہر حرام میں اختیار کرو۔ (مفسر ابن عاشورؒ) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اس آیت میں تقویٰ کی ترغیب ہے اور معیت سے دنیا و آخرت میں نصرت اور تائید خاص مراد ہے یہ مجاز نہیں ہے بلکہ لفظ مشترک کو ایک خاص معنی پر محمول کرنا ہے تاکہ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ والی نص سے خلاف نہ ہو جائے جو کہ نص صریح ہے اور سلف صالحین کا یہی موقف ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اور ایسا نہ کرو (جہاد کی اعانت سے غافل ہو کر) اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، نیکی کرو یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ [195]

تفسیر 195: اس آیت میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے تاکہ جہاد کے وسائل آسان ہو جائیں اور یہ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ پر عطف ہے۔ ربط ۱: جہاد کیلئے اسباب وآلات ضروری ہیں اور بعض اوقات مجاہد بھی فقیر مسکین ہوتا ہے اور اسباب نہ ہونے پر وہ جہاد سے محروم ہوتا ہے اس آیت میں مالداروں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ جہاد کو جاری رکھنے کیلئے مال خرچ کرو۔ ربط ۲: جب کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے تو قتال اور جہاد کرنے والوں کا عقیدہ بنا کہ اللہ تعالیٰ نصرت کریگا تو ایسا نہ ہو کہ اسباب جہاد سے غافل ہو جائیں اور ان اسباب کو بے فائدہ اور بے مقصد تصور کریں اس لئے فرمایا وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور انفاق کی تفصیل پہلے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کی تشریح میں گزر گئی ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ امام قرطبیؒ نے اس میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں۔ پہلا قول: ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ہے کہ (التَّهْلُكَةِ) ہلاکت یہ ہے کہ مال ومتاع کی اصلاح وترقی میں مشغول ہو جائے جہاد وقتال کو ترک کر دے (سنن ابو

www.KitaboSunnat.com

ابو داؤد کتاب الجہاد حدیث 2512، ترمذی کتاب التفسیر حدیث 2972، حاکم 275/2 شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) دوسرا قول: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ نہ کرنا اور فقیری سے ڈرتے رہنا۔ (صحیح بخاری حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ نَزَلَتْ فِي النَّفَقَةِ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4516) تیسرا قول: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ہے کہ فقراء و مساکین پر مال خرچ کرنے سے ہاتھ روک کر صدقہ بند کرنا یعنی فقرا کو مال و دولت صدقہ نہ دینے سے وہ جہاد نہیں کر پائیں گے اور اس طرح سے جہاد میں کمزوری آئے گی۔ جو کہ دشمنوں کے غلبہ کا سبب بنے گا اس سے مراد عام صدقات ہیں تاکہ فقراء و مساکین کو مالی مدد و استعانت و کفالت حاصل ہو جائے تو وہ ہر آن جہاد کیلئے تیار ہوں۔ چوتھا قول: یہ قول براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے کہ کثرت سے گناہ کا مرتکب ہو جائے پھر توبہ نہ کرے یہاں تک کہ موت تک گناہ میں مگن رہے اور توبہ سے مایوس ہو کر خاتمہ اس کا گناہ پر ہو جائے۔ پانچواں قول: زید بن اسلم کا ہے کہ بغیر زادِ سفر قتال کیلئے نکل جانا ہے یا تو جہاد سے واپس آجائیں گے یا پھر جہاد میں لوگوں سے سوال (بھیک) مانگیں گے اس قول کے بعد امام قرطبیؒ نے چار قول نقل کئے ہیں۔ مفسر ابو حیانؒ نے دس اقوال نقل کئے ہیں لہٰذا آیت ان سب معنوں کو شامل ہے بِأَيْدِيكُمْ امام مبردؒ کا قول ہے کہ أَيْدِيكُمْ سے مراد أَنْفُسَكُمْ ہے۔ بعض کا قول ہے کہ (ب) اضافی نہیں ہے البتہ أَنْفُسَكُمْ مفعول مقدر ہے۔ وَأَحْسِنُوا امام ابو حیانؒ نے فرمایا ہے کہ اس کا متعلق مذکور نہیں ہے لہٰذا یہ عام ہے۔ یعنی فی سبیل اللہ میں احسان کرنا۔ صدقات میں احسان کرنا تمام اطاعتوں میں احسان کرنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور انفاق میں حسن ظن رکھنا کہ اللہ تعالیٰ میری مدد ضرور فرمائے گا۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ اس جملہ میں احسان پر ہمیشگی (دوام) کی ترغیب ہے کہ صفتِ احسان کو قائم رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ صفتِ احسان سے محبت کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی محبت کو برقرار رکھنے کیلئے صفتِ احسان کو بقاء اور دوام ملنا چاہیے۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿196﴾ "حج عمرہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے پورا کرو البتہ اگر تم (اس کے ادا کرنے سے) روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو تو اسے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک پہنچ نہ جائے البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈا لے) تو اس پر فدیہ لازم ہے خواہ (تین) روزے رکھ لے یا (چھ مساکین کو) صدقہ دے یا پھر (دنبہ) قربانی کرلے پس جب تم امن میں آ جاؤ تو جو شخص (حج و عمرہ کو اکٹھا ادا کرنے کا) فائدہ حاصل کرے پس اسے جو قربانی آسان ہو اسے کر ڈالے البتہ جس کو قربانی کی طاقت حاصل نہ ہو تو تین روزے حج (کے دنوں) میں اور سات روزے منیٰ سے واپسی پر ادا کرے یہ دس کامل (ثواب) والے ہیں یہ حکم اس کیلئے ہے جو مسجد حرام کا رہنے والا نہ ہو لوگوں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔[196]

تفسیر 196: یہ اس حصہ کا دوسرا باب ہے جو آیت 214 تک ہے۔ اس باب میں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق و روابط کیلئے مسئلہ حج کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ جہاد کا مقصد ہے کہ ظالموں کے قبضے سے مرکز حج کو آزاد کیا جائے۔ اور اس میں حج کے متعلق پانچ احکام مذکور ہیں۔ آیت 196، میں حج و عمرے سے رکنے کا احکام، امن، مسائل تمتع اور اتمام حج کا حکم جس میں مشرکین کے ساتھ تشبیہ نہ ہو اور آیت 197 میں حج کے وقت احرام کا ذکر ہے، اور اس طرح ممنوعات حج کے ساتھ ساتھ رسم جاہلیت پر رد ہے جو کہ زاد راہ کو چھوڑنا ہے، اور آیت 198 میں تجارت کی حرمت کا رد ہے اور مزدلفہ میں وقوف کا مسئلہ ہے۔ آیت 199، میں وقوف عرفات ترک کرنے پر رد ہے اور آیت 200، میں اپنے آباء و اجداد کو منیٰ میں یاد کرنے کی رسم کا رد ہے۔ اور حاجیوں کی تقسیم ہوئی ہے ایک بد بخت دنیا پرست اور دوسرا نیک بخت دنیا و آخرت دونوں کو طلب کرنے والا پھر آیت 201، میں منیٰ کے ایام کی رسم کا رد ہے جس سے مستحب کی حرمت یا مستحب کا وجوب لازم آتا ہے پھر آیت 203، میں لوگوں کی تقسیم ذکر ہے۔ پہلی قسم: ان بد بختوں کی ہے جنکی چھ بری صفات کا ذیل میں ذکر ہے آیت 204، 205، 206۔ دوسری قسم: آیت: 207، میں بہت ہی اچھے لوگوں کا ذکر ہے پھر تخویف دنیاوی اور اس کی مثال بنی اسرائیل کے ذریعے اور ایک سوال کا جواب آیت 210-211-212 میں پھر دوسری ترغیب دیتی ہے کہ انبیاء کے منبع پر قرآن مجید کی طرف دعوت اور رد ہے باغیوں کی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اختلاف کرنے پر۔ آیت 213، پھر آیت 214، میں تیسری ترغیب ہے جو تین قسم کی مشکلات پر سابقہ داعیان حق کی طرح صبر کی تلقین ہے۔ سابقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت سے ربط کئی وجوہات پر ہے۔ پہلی وجہ: یہ ہے کہ سابقہ آیتوں میں دیگر فرائض (نماز، زکوٰۃ، روزہ، جہاد) ذکر ہو گئے تو اب فریضہ حج ذکر ہو رہا ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ سابقہ آیتوں میں صلح حدیبیہ کا ذکر تھا اور اس واقعہ کے پیش آنے کا سبب یہ تھا کہ مرکز حج پر مشرکین کا قبضہ تھا تو اشارہ کیا گیا کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک اہم مقصد ہے جس کے ذریعے سے حرم سے مشرکین کا قبضہ ختم ہوا اور تم حج و عمرہ پورا کرنے پر قادر ہو گئے اس وجہ سے اس آیت کو سابقہ اوامر قَاتِلُوْا اَنْفِقُوْا پر عطف کیا ہے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ پہلے محسنین کا ذکر ہو گیا تو اب اہم عمل محسنین کے اعمال میں سے ذکر ہو رہا ہے جو کہ مشرکین کی بدعات و رسومات سے پاک سنت کے مطابق حج کی ادائیگی ہے اس وجہ سے ہر آیت میں رسم کا رد موجود ہے۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ اتمام دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) فعل (عمل) شروع کرے مگر مطلوب اس سے اس فعل کو آخر تک پورا کرنا ہو تو یہاں معنی یہ ہوا کہ اگر تم نے حج یا عمرہ شروع کیا تو اس کو مکمل کرنا تم پر واجب ہو گیا ہے اس کو ادھورا چھوڑنا بغیر احصار کے عذر جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا تھا اس وجہ سے متصل احصار کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ لو رحج اور عمرے کے شروع کرنے کے بعد پورا کرنے کا واجب ہونا اتفاقی مسئلہ ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے ہاں نفلی نماز اور روزے کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسرا طریقہ: دوسرا معنی یہ ہے کہ ایک فعل (عمل) کو اپنی صفت اتمام کے ساتھ ادا کرنا جیسا کہ وَاَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ میں مذکور ہے۔ حج اور عمرہ پورا کرنے کے معنی میں مختلف اقوال ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنے مقام سے احرام باندھے جبکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ سفیان ثوری کا قول ہے کہ نیت اور قصد صرف حج کی کرے اور تجارت کا ارادہ نہ کرے۔ عمر رضی اللہ عنہ حج اور عمرے میں سے ہر ایک کو الگ الگ بغیر تمتع اور قران کے ادا کریں۔ مقاتل کا قول یہ ہے کہ اپنے بڑوں کی طرح تلبیہ میں شرک کے جملے نہ پڑھے جیسا کہ ان کا یہ جملہ شرکیہ تلبیہ میں موجود تھا۔ اِلَّا شَرِيْكًا تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ (صحیح مسلم حدیث 1185 مشکوٰۃ کتاب المناسک حدیث 2487) مگر وہ تیرا شریک ہے جس کا تو مالک ہے وہ خود با اختیار مالک نہیں ہے یعنی اس قسم کے جملوں سے حج کو پاک کرے اس قول کی تائید لِلّٰهِ سے بھی ہو رہی ہے یہ قول بہتر ہے کیونکہ یہ پہلے والے قول کے معنی کو شامل بھی ہے۔ سوال: نماز، روزہ کے ساتھ لِلّٰهِ نہیں فرمایا جبکہ وہاں بھی مراد یہی قصد ہے پھر عمرہ اور حج کے ساتھ لِلّٰهِ ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے۔؟ جواب: علامہ قاسمی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین حج اور عمرے کے بعض اعمال طواف بتفصیل اپنے بتوں کی کرتے تھے جیسا کہ آج قبر پرست ایسا کرتے ہیں تو لفظ لِلّٰهِ میں یہ بات واضح کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئی کہ اپنے آپ کو شرک سے بچاؤ۔ اس جملہ میں اشارہ ہے کہ شرک اور ریا اعمال حج وعمرہ میں درست نہیں ہیں اور نیز ریائی اعمال کی قبولیت کا سبب ہے۔ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ یہ أَتِمُّوا سے متعلق ہے یعنی پورا کرنا (اتمام) تو لازم ہے مگر ایسی صورت حال میں کیا کریں گے؟ تو اب اس کا حکم ذکر ہو رہا ہے۔ احصار بند کرنے/گھیرنے کے معنی میں ہے البتہ اصطلاح شرعی میں حج یا عمرے کا احرام باندھنے کے بعد ان کو باقی اعمال مکمل کرنے سے روک لیا جائے تو یہ احصار ہے خواہ عذر مرض کا ہو، دشمن یا ظالم بادشاہ کا ہو اور یہ بہتر قول ہے اور اس کی مثال صلح حدیبیہ کی صورت میں پیش آئی تھی صحابہ کرام اور نبی اکرم ﷺ نے مقام ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا لیکن مقام حدیبیہ پہنچ کر کافروں نے روک دیا۔ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ یا تو مبتدا محذوف کیا گیا ہے یعنی فَالْوَاجِبُ یا خبر مقدر ہے یعنی فَعَلَيْكُمْ" یا فعل امر مقدر ہے یعنی فَاذْبَحُوا فَاهْدُوا اَلْهَدْيُ یہ هَدِيَّةٌ کی جمع ہے بعض علماء کے نزدیک مصدر مفعول کے معنی میں ہے یعنی الْمُهْدٰی تو یہ مفرد جنس ہے اور بہت سارے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ قربانی (هدی) کی اعلیٰ قسم اونٹ ہے اور ادنیٰ بکرا، دنبہ وغیرہ ہے۔ اور درمیانی قسم کی گائے ہے۔ لہٰذا ان اقسام میں سے با آسانی جو اس کو حاصل ہو جائے تو وہ ذبح کرلے۔ اور یہ حکم عام ہے خواہ قربانی ساتھ لے کر جا رہا ہو یا وہیں خرید لے۔ مسئلہ: جس کو قربانی میسر نہ ہو یا مالی طاقت نہ ہو تو بدل میں کوئی راستہ اس کیلئے ہے یا نہیں۔؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا بدل نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدل کا ذکر نہیں کیا ہے لہٰذا موت تک قربانی اس کے ذمہ باقی رہے گی جبکہ دیگر اہل علم کا قول ہے کہ جس طرح حج تمتع، قران اور عذر میں گنجائش ہے تو پھر یہاں پر بھی جائز ہے۔ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ اس خطاب میں اختلاف ہے۔

پہلا قول: یہ ہے کہ یہ خطاب محصور ہونے والوں کو ہے کہ وہ قربانی ذبح ہونے تک احرام نہیں کھولیں گے جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے یعنی ذبح ہو جائے تو پھر حاجی اور معتمر کو بال منڈوانے یا کتروانے کی اجازت ہے یہ امام مالک و امام شافعی کا قول ہے ان کا کہنا ہے کہ روکے جانے والے پر تو باقی عبادت حج یا عمرہ کی بندش تھی یعنی حج یا عمرہ کرنے پر قادر نہیں تھا مگر (قصر یا حلق) بال منڈوانا یا کتروانا تو اس کی قدرت میں ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ (محصر) روکے جانے والے شخص پر ذبح یا نحر کرنے کے بعد بال منڈوانا یا کتروانا واجب نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کافروں کے منع کرنے سے تمام مناسک حج اس سے ساقط ہو چکے ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے تو ان کے قول کے مطابق یہ خطاب حالت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امن میں ہے اور أَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ پر عطف ہے۔ یعنی حالت امن میں جب حاجی قربانی ساتھ لے کر گیا ہو تو بال حلق سے پہلے ذبح کرے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ترتیب واجب اور دیگر ائمہ کے نزدیک صحیح بخاری کی حدیث کی وجہ سے واجب نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جس نے بھی بطور سوال اس دن کسی عمل میں تاخیر یا تقدیم کا ذکر کیا تو آپ نے ایک ہی جواب دیا کہ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ (رواہ الجماعۃ صحیح بخاری حدیث 1736، صحیح مسلم حدیث 1306، ابوداؤد حدیث 2014، ترمذی حدیث 916، ابن ماجہ حدیث 3051) یعنی ابھی کر دو کوئی بات نہیں یہ الفاظ عام ہیں گناہ اور دم دونوں کی نفی کو شامل ہے اور احناف کے پاس مذکورہ حدیث کے مقابل کوئی دلیل نہیں ہے۔ مَحِلَّهُ یہ حا کی زیر کے ساتھ ہے یہ صیغہ ظرف زمان اور مکان دونوں کو شامل ہے البتہ ظرف مکان میں حا پر زبر پڑھنا جائز ہے۔ ابوحنیفہ کے نزدیک مَحِلَّهُ ظرف مکان ہے اور حرم کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورہ حج 23، میں مذکور ہے۔ دوسری دلیل: یہ ہے کہ (هَدْيٌ) وہ تحفہ ہے جسکو غلام اپنے مالک کے گھر بھیجتا ہے اور یہ معنی اس وقت ہو سکتا ہے جب مراد حرم لیا جائے۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ تمام قربانیاں (هَدَايَا) حرم کے ساتھ مختص ہیں لہذا یہ بھی حرم کے ساتھ خاص ہے دیگر اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ راستے میں روک دیئے جانے کی صورت میں دم یعنی خون بہانا حرم کے ساتھ مختص نہیں ہے اور مَحِلَّهُ ظرف زمان ہے لہذا محرم کو جس جگہ روکا گیا تو وہی اس کیلئے احرام کھولنے کی جگہ ہے۔ ان حضرات کی دلیل مقام حدیبیہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کا رک جانا اور وہیں مقام حدیبیہ میں جانوروں کو نحر و ذبح کرنا ہے جبکہ مقام حدیبیہ حرم سے باہر ہے جس کی دلیل سورۃ فتح آیت 35، ہے ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ میں حرم کی قید نہیں ہے لہذا جب آیت و حدیث میں کوئی قید و تخصیص نہیں ہے تو بات واضح ہے۔ ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ حدود حرم سے باہر قربانی ذبح کرنے کی وجہ یہی ہے کہ حرم میں نہیں جا سکتے ہیں تو جب حرم میں جانا لازمی قرار دیا جائے تو خوف تو برقرار ہے لہذا یہ تو مقصد کے خلاف ہے جبکہ دیگر قربانیوں اور دم میں یہ علت نہیں ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ یہ حالت احرام میں حلق کی رخصت کا ذکر ہے جو فدیہ کے واجب ہونے اور عذر کے سبب سے واقع ہوتا ہے اور جو حالت احرام میں عذر کے بغیر حلق کر لے تو اس پر فدیہ دینا اہل علم کے اجماع سے واجب ہے البتہ (نسیان) بھول جانے کے سبب اگر کسی سے یہ عمل صادر ہو جائے تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے مگر اکثر اہل علم نسیان میں بھی وجوب کے قائل ہیں اسکی تفصیل امام قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے۔ مَرِيضًا سے مراد وہ مرض ہے جس کا علاج حلق کے ساتھ خاص ہو أَذًى سے مراد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

در دوسرے زخم اور جوئیں جوکہ کثرت کے ساتھ سر میں ہو جائیں جیسا کہ حدیث کعب بن عجرہ صحیح بخاری (کتاب المرضی حدیث 5665) میں وارد ہے۔ فَفِدْيَةٌ سے مراد عَلَيْهِ فِدْيَةٌ یا فَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ فِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ اس سے مراد تین روزے ہیں اور تین کی حکمت یہ ہے کہ اس نے تین کاموں پر (جنایت) کیا ہے یعنی احرام، طواف اور سعی جیسا کہ کعب بن عجرہ کی حدیث میں ہے جو صحیح بخاری اور ابوداؤد میں مذکور ہے۔ أَوْ صَدَقَةٍ سے مراد تین صاع کھجور جسے (6) مساکین میں آدھا آدھا صاع تقسیم کیا جائے گا۔ أَوْ نُسُكٍ میں دو اقوال ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ یہ مصدر ہے جس سے مراد ذبح کرنا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ نسیکہ کی جمع ہے اور لفظ ذبح مقدر ہے اور نسیکہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو کہ خالص اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح ہو رہا ہو۔ هَدْي اور نُسُك میں فرق یہ ہے کہ هدی خاص اس جانور کو کہا جاتا ہے جو حرم کی طرف لے جایا جارہا ہو اور کسی غلطی (جنایات) کی وجہ سے نہ ہو جبکہ نُسُك عام ہے جنایت کی وجہ سے ہو یا عام ذبیحہ ہو جس میں ادنیٰ کم از کم ایک بکری ہے۔ فائدہ: اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس مقام میں حرف (أو) تخییر کیلئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ حدیث کعب بن عجرہ میں ترتیب اس کے برعکس ہے۔ فَإِذَا أَمِنتُمْ یہ ماقبل معنی پر معطوف ہے اور حالت امن کا ذکر ہے اور یہ عام ہے اس امن کو شامل ہے جو احصار کے بعد حاصل ہو جائے دشمن یا مرض کی وجہ سے یا امن ابتداء سے ہو یعنی احصار کے بغیر ہو کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ تمتع دونوں حالات میں ٹھیک ہے۔ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ لغت میں تمتع لذت لینے کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ اصطلاح شرع میں عمرہ کرنے والے کا عمرے کے احرام سے حلال ہونے کے بعد فائدہ اور لذتیں اٹھانا ممنوعات احرام سے حج کے احرام باندھنے تک۔ امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ تمتع کے چار طریقے ہیں ان میں سے ایک اتفاقی اور باقی تین اختلافی ہیں۔ پہلا طریقہ: یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں کوئی فرد جو حدود حرم سے باہر رہنے والا ہو احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی اور حلق یا قصر کرے اور پھر حدود حرم میں رہتے ہوئے حج کا احرام باندھ لے اور مناسک حج ادا کرے اور اس دوران گھر نہ لوٹے اور یہ طریقہ اتفاقی ہے۔ دوسرا طریقہ: قرآن کا ہے جس پر لغوی اعتبار سے تمتع کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج و عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھ لے اور عمرہ ادا کر کے احرام ہی میں رہے یہاں تک کہ مناسک حج بھی اسی احرام سے مکمل کر لے یہ صورت بھی اتفاقاً جائز ہے البتہ طریقہ ادائیگی میں اختلاف ہے پہلے اور دوسرے طریقے میں قربانی کے واجب ہونے میں اتفاق ہے۔ تیسرا طریقہ: میقات سے ہی حج کا احرام باندھ لے لیکن جب مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائے تو حج چھوڑ کر عمرہ کر لے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد حج کے انتظار میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے پھر حج کیلئے احرام باندھ لے اور حج کی تکمیل کرے یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دیا تھا جو اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے کر نہیں آئے تھے انہوں نے حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کرتے ہوئے احرام حج کو عمرہ میں تبدیل کیا تھا اس طریقے میں اختلاف ہے مگر یہ صحابہ کرام کے اس واقعہ کے ساتھ خاص تھا۔ چوتھا طریقہ: یہ ہے کہ تمتع کرنے والے کو دشمن نے حج ادا کرنے سے روک لیا تو وہ بعد میں عمرہ ادا کرے اور وہیں رہے یہاں تک کہ حج ادا کر کے واپس لوٹ جائے اس میں اختلاف ہے کہ یہ تمتع میں داخل ہے کہ نہیں۔؟ فَمَن تَمَتَّعَ یہاں پر مراد یہ ہے کہ حاجی نے حج کے ایک سفر میں اور عمرہ دونوں ادا کر لیے متمتع یا قارن کی صورت میں دو فائدے اٹھا لیے۔ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اس قربانی (دم) میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ جبر ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قربانی (دم) شکر کے طور پر ہے۔ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ یہ آسانی اور رخصت کا حکم ہے ہر دو صورتوں میں جب جانور میسر نہ ہو یا حج عمرے والے کے پاس رقم میسر نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ یہ تین روزے ذی الحجہ کی چھٹی، ساتویں، آٹھویں تاریخ کو رکھے اور نویں ذی الحجہ یوم عرفہ کے دن تک موخر کرنا بھی درست ہے اس میں علماء کرام کے اور بھی اقوال ہیں۔

وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ رجوع میں دو قول معروف ہیں۔ پہلا قول: جب اپنے گھر کو پہنچ جائے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ منیٰ سے فارغ ہو جائے یہ دونوں قول قابل عمل ہیں البتہ صحیح مسلم میں حدیث کے الفاظ (رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ صحیح مسلم کتاب الحج حدیث ۱۲۲۷) پہلے والے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ سوال: تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ تین اور سات سے معلوم ہوا کہ دس روزے ہیں تو پھر عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ دوبارہ ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے۔؟ جواب: اس میں مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول: امام مبرد رحمہ اللہ کا ہے کہ یہ ایک وہم کو ختم کرنے کیلئے ذکر کیا ہے وہم یہ تھا کہ سات کے بعد کوئی مزید روزے نہیں ہیں۔ دوسرا قول: امام ابن عرفہ کا ہے کہ عربوں کی عادت تھی کی تفصیلی حساب کے بعد اجمالی حساب بیان کرتے تھے، کیونکہ عرب حساب میں زیادہ ماہر نہیں تھے۔ تیسرا قول: امام زجاج رحمہ اللہ کا ہے کہ اس میں ایک وہم کو ختم کیا گیا ہے کیونکہ واؤ کبھی (أو) کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ (مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ) میں واؤ أو کے معنی میں ہے۔ لہٰذا اس مقام پر جمع کے معنی میں ہے۔ اور كَامِلَةٌ لفظ میں یہ فائدہ ہے کہ عام عادت یہ ہے کہ بدل تو مرتبہ اجر و ثواب میں مبدل منہ سے کم ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ قربانی کا ثواب و اجر دس روزوں سے زیادہ ہو تو اس وہم کو ختم کیا گیا کہ دس روزوں کا اجر قربانی کے ساتھ مساوی ہے بشرطیکہ قربانی میسر نہ ہو یا رقم میسر نہ ہو۔ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ ذلک کے مرجع میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: جمہور کا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نزدیک کی طرف اشارہ ہے جو کہ مِنَ وجہ بعید ہے، یعنی فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمتع اور قران میں قربانی ان لوگوں پر واجب ہے جو حدود حرم سے باہر سے آئے ہوئے ہوں تو معلوم ہوا کہ حدود حرم میں رہنے والے تمتع اور قران ادا کر سکتے ہیں البتہ ان پر قربانی واجب نہیں ہے اور باہر سے آنے والوں پر تمتع اور قران کی صورت میں (دم) قربانی واجب ہے اور یہ دم جبر لازم ہے۔ دوسرا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے کہ ذٰلِكَ میں اشارہ فَمَنْ تَمَتَّعَ (افاق) باہر سے آنے والوں کیلئے تمتع اور قران خاص ہے اور جو حدود حرم میں ہیں ان کیلئے نہیں ہے پہلے قول کی بناء پر لِمَنْ میں لام علیٰ کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا۔ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں صرف مکے والے داخل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جو مکے سے سفر کی مسافت کی مقدار سے دور نہ ہوں اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حدود حرم میں رہنے والے ہیں اور یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جو حدود میقات میں داخل ہوں یا میقات میں رہنے والے ہوں۔ لفظ أَهْلُهُ دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد مکہ کے رہنے والے ہیں عارضی رہائشی مراد نہیں ہیں بلکہ جن کا وطن مکہ ہو وہ لوگ مراد ہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس سے مراد تمام احکام میں اطاعت کرنا مقصود ہے خواہ اوامر ہوں یا نواہی۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ مذکورہ احکام کی مخالفت کرنے والوں کیلئے یہ تخویف اور تنبیہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حدود کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں۔ اس لئے لفظ شَدِيدُ کا ذکر کیا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ "احرام حج کا وقت معلوم مہینوں میں ہے پس جس نے اپنے اوپر اس میں حج فرض کر لیا تو وہ جنگ (جدال) فسق و فجور) اور عورتوں کے متعلق باتوں سے گریز کرے۔ اور تم جو بھی نیکی کا عمل کرتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اپنے لئے راستے کا (خرچہ) زاد راہ لے لو یقیناً بہتر زاد راہ تقویٰ ہے اور اے (خالص) عقل والو مجھ سے ڈرتے رہو۔[197]

تفسیر 197 : پہلی آیت میں حج کی تکمیل کا ذکر تھا تو اب اس کی تکمیل کے طریقے کی تفصیل کا ذکر ہو رہا ہے ان میں سے تین کا ذکر اس آیت میں ہے۔(1) احرام کے وقت کا ذکر (2) حج کی ممنوعات کا ذکر (3) زاد راہ لیجانے کا حکم اور اس میں حج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی ان رسموں کا رد ہے جو دورِ جاہلیت میں رائج تھیں۔ جاہلیت کے دور کی پہلی رسم یہ تھی کہ حج کے تمام مہینوں کو احرام کیلئے جائز تصور کرتے تھے۔ (تفسیر اللباب) دوسری رسم یہ تھی کہ محرمات سے اجتناب نہیں کرتے تھے جو کہ اصل تقویٰ ہے۔ تیسری رسم یہ تھی کہ زادِ راہ (خرچ) لیجانا گناہ تصور کرتے تھے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہاں تقدیری عبارت ہے یعنی اَشْهُرُ الْحَجِّ اَشْهُرٌ وَقْتُ الْحَجِّ اَشْهُرٌ وَقْتُ الْعَمَلِ الْحَجِّ اَشْهُرٍ کیونکہ مناسک حج تو ایامِ حج ہی میں ہوتے ہیں مگر احرام کا وقت حج کے مہینے سے ہی شروع ہوتا ہے اور وہ شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں یعنی جس نے شوال سے قبل احرام باندھ لیا تو وہ باطل ہے۔ سوال: اَشْهُرٌ جمع ہے جبکہ یہ تو تین مہینے پورے نہیں ہو رہے ہیں؟ جواب ۱: بعض علماء کے قول کے مطابق ذوالحجہ کا پورا مہینہ احرام کا ہے مگر جس نے دس دن کے بعد احرام باندھا تو بھی ٹھیک ہے پورے سال احرام میں رہے گا۔ جواب ۲: مراد تو ذوالحجہ کے دس دن ہیں مگر کبھی ذکر کل کا ہوتا ہے اور مراد (جزء) بعض ہوتا ہے۔ مَّعْلُوْمٰتٌ یعنی شریعت کے نزول سے قبل بھی حج والے مہینے دورِ جاہلیت میں معلوم و معروف تھے اور شریعت کا نزول بھی ان کی معلومات کے مطابق ہوا ہے یا مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بیان سے معلوم ہوئے ہیں۔ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ یعنی جس نے اپنی نیت اور احرام باندھنے کے عمل سے اپنے اوپر حج فرض کیا اور تلبیہ زبان سے پڑھ لیا (تفسیر قرطبی) اس میں اشارہ ہے کہ شروع کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے اگرچہ وہ نفل ہو۔

فِيْهِنَّ۔ فِيْهَا نہیں فرمایا علامہ مازنی نے فرمایا ہے کہ جمع کثرت غیر عاقل کی مثل واحد مؤنث ہو سکتی ہے البتہ جمع قلت غیر عاقل کی ضمیر میں جمع استعمال ہوتی ہے۔ اور اَشْهُرٌ جمع قلت ہے اور شُهُوْر جمع کثرت ہے اس لئے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ میں متصل مِنْهَا فرمایا ہے۔ فَلَا رَفَثَ اکثر اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ بظاہر یہ جملہ خبر یہ ہے لیکن نہی کے معنی میں ہے لیکن نہی خبر کی صورت میں تاکید کے لئے ہے۔ یعنی حاجی سے یہ بات بعید ہے کہ حالتِ حج میں وہ ایسا کام کرے۔ بعض علماء کے بقول نفی اپنے معنی میں ہے لہٰذا آیت میں مذکورہ تین اعمال کی موجودگی میں حج کی شرعی نفی مراد ہوگی اگرچہ بظاہر احکامِ حج کی نفی مراد نہیں ہوگی۔ اس توجیہ کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور امام ابوحیان رحمہ اللہ نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

رَفَثَ اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ رَفَثَ جماع کو کہا جاتا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ خواتین سے فحش گوئی مراد ہے۔ تیسرا قول: یہ ہے کہ یہ ایک جامع اور مشترک کلمہ ہے جو کہ ہر اس قول و فعل کو شامل ہے جو اپنی بیوی سے طلب کیا جا سکتا ہو۔ وَلَا فُسُوْقَ اس میں بھی بہت سے اقوال ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد تمام کبیرہ گناہ ہیں۔ دوسرا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قول: یہ ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہے جو حالت احرام میں صادر ہو جائے یعنی شکار وغیرہ۔ تیسرا قول: غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ وغیرہ۔ چوتھا قول: برے القاب اور برے ناموں سے ایک دوسرے کو پکارنا۔ پانچواں قول: گالی گلوچ ذکر کردہ لفظوں کا اطلاق سب پر ہوسکتا ہے۔ وَلَا جِدَالَ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ (1) کسی مسلمان سے جھگڑنا یہاں تک کہ وہ غصہ ہو کر گالی دینے پر اتر آئے۔ (2) گالی گلوچ (3) مواقف حج میں اختلاف کرنا (4) ایام حج اور عرفہ میں اختلاف کرنا (5) اپنے بڑوں سرداروں میں اختلاف کرنا۔ فائدہ: ان تینوں میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حاجی کو ہر قسم کی عادات رذیلہ سے اجتناب کرتے ہوئے اخلاق جمیلہ اختیار کرنے چاہئے۔ اس کیلئے علاج یہ ہے کہ قوت شہوانیہ کو کمزور کرنا ہے لفظ لَا رَفَثَ کے ذریعے اور قوت نفسانی یعنی نفس امارہ کو وَلَا فُسُوْقَ کے ذریعے کمزور کیا جائے اور قوت وہمیہ شیطانی کو لفظ لَا جِدَالَ سے قابو کیا جائے اس میں اشارہ ہے کہ یہ تینوں اخلاق رزیلہ کیلئے منشا اور اسباب ہیں ان تینوں کو ہر وقت کنٹرول اور نگرانی میں رکھنا ضروری ہے مگر ایام حج میں یہ نگرانی و کنٹرول سخت ہونا چاہیے۔ کیونکہ حاجی صاحب اللہ تعالیٰ کے گھر بیت اللہ میں آیا ہے اب سوائے خشوع و خضوع اور عبادت الٰہی میں مگن ہونے کے کسی اور طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ منہیات اور ممنوعات کے بعد خیر کے تمام اعمال کی طرف ترغیب دی جا رہی ہے خیر ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو دلیل شرعی سے ثابت ہو یہاں پر خصوصاً رَفَث کے مقابل شائستہ کلام اور فسق کے مقابل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت، اور جنگ وجدال کے مقابل اچھا سلوک اور رضا جوئی مراد ہے۔ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب عظیم ثواب وجزاء کی طرف اشارہ ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا امام بخاری نے کتاب الحج حدیث 1523 وابوداؤد کتاب المناسک حدیث 1730 میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے یہ یمن والوں کا رد ہے کیونکہ وہ حج کیلئے آجاتے تو زادِ راہ لے کر نہیں آتے اور اپنے اس عمل کو توکل علی اللہ کا سہارا بنا کر ثواب تصور کرتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ بھوک کے وقت لوگوں سے حج کے نام پر بھیک مانگتے تھے تو اس آیت کا نزول ان کے رد میں ہوا ہے۔ تَزَوَّدُوْا یہ حکم عام ہے اور بالخصوص سفر حج کیلئے اور حصول علم اور دیگر نیک اعمال کیلئے زادِ راہ لیکر جانا چاہیے۔ زادِ راہ کی مقدار کم از کم اتنی ہونی چاہیے کہ انسان مانگنے سے بچ جائے۔ اور یہ ہر علاقہ والے اپنی مقدار میں لیکر جائیں گے۔ نیز یہ دلیل ہے کہ راستے کیلئے خرچ لینا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ امام ابن جوزی سے منقول ہے کہ کسی قوم پر یہ التباس ہوا تھا کہ وہ سفر حج میں زادِ راہ لے کر نہیں جاتے اور اس عمل کیلئے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم متوکلین ہیں جبکہ ان کا یہ عمل غلط تھا۔ فَاِنَّ خَيْرَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الزَّادِ التَّقْوٰی مفسرین کے اس میں بہت سے اقوال ہیں۔(۱) تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ زادِ ظاہری کے ساتھ زادِ حقیقی جو کہ اصل تقویٰ ہے شامل کر دو اور ہر قسم کے حرام کاموں سے پرہیز کرو۔(۲) اس سے مراد شرعی تقویٰ ہے تو مقصد یہ ہوا کہ دنیاوی خرچے کے ساتھ آخرت کے زادِ راہ کی ترغیب ہے تاکہ صرف دنیا پر نظر مرکوز نہ ہو(۳) زادِ راہ سے مراد اتنی رقم ہے کہ جس سے حاجی کسی کا محتاج نہ ہو۔ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ اَلْبَابُ لُبّ کی جمع ہے اور یہ ہر چیز میں سے اصل کو کہا جاتا ہے اور یہاں پر وہ عقل مراد ہے جو ہر قسم کے اوہام کے میل کچیل سے پاک ہو۔ تقوے کا حکم تو تمام عقل والوں کیلئے ہے لیکن اُولِي الْاَلْبَابِ کو تاکید کیلئے مختص کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس میں تقویٰ نہ ہو تو ان کی عقلوں کے ساتھ غلط اور باطل اوہام خلط ملط ہو جاتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ١٩٨ تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ اگر تم اپنے رب کا فضل (حلال) کمائی تلاش کرو للہذا جب تم عرفات سے پلٹ آؤ تو مشعر الحرام کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت (تعلیم) دی ہے اور اس ہدایت سے قبل یقیناً تم لازمی طور پر گمراہوں میں سے تھے۔[198]

تفسیر 198: حج کی تکمیل کیلئے اس آیت میں تین امور مذکور ہیں۔(۱) دورانِ حج میں تجارت کو حرام تصور کرنے والی رسم کا رد (۲) مزدلفہ میں وقوف (۳) اور اسی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ ماقبل آیت کے ساتھ ربط کئی وجوہ سے ہیں: دورِ جاہلیت میں سفرِ حج میں تجارت کو حرام تصور کرتے تھے۔ (تفسیر اللباب)(1) اور صاحب للباب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اہل عرب سفرِ حج میں تجارت کو حرام اور ایسے کرنے والے کو (الدّاج) کہتے تھے یعنی مرغ کی طرح ایک ایک دانے کو جمع کرنے والا محنت کش جبکہ سوال (مانگنا) جائز سمجھتے تھے یہی وجہ ہے ان کے پاس زادِ راہ ختم ہو جانے کے بعد پھر یہ بھیک مانگتے تھے کیوں حالت احرام میں تجارت کو حرام تصور کرتے تھے تو اس آیت میں اس رسم کا رد ہوا۔ (2) جب جدال سے خاص منع کیا گیا تھا کیونکہ کبھی کبھار تجارت میں جدال لڑائی کی نوبت آتی ہے تو وہم پیدا ہوا کہ تجارت بھی گناہ ہے تو اس وہم کو ختم کیا گیا۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ امام ابوحیانؒ کا قول ہے کہ جناح یہاں پر عام معنیٰ میں ہے بطورِ تنبیہ ہو یا گناہ للہذا دونوں نہیں ہیں۔ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔اِبْتَغٰی کا معنیٰ ہے کسی چیز کو حاصل کرنے کیلئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[illegible] فضلاً تجارت اور محنت سے دنیا کا حاصل کرنا اس معنی میں فضل سورہ مزمل 20 اور سورہ جمعہ [illegible] 73 میں وارد ہے

[illegible] روایت میں ہے کہ اس میں [illegible] داخل ہیں یعنی [illegible] جاتے تھے [illegible]

فائدہ اس میں حج کے دنوں میں تجارت کی ترغیب نہیں ہے بلکہ جواز بیان کرنا مقصود ہے تاکہ لوگ اس کو گناہ نہ سمجھیں [illegible]

اور وقت کے [illegible] فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ اَفَضْتُمْ فَاضَ الْاِنَاءُ

[illegible] جب برتن پانی سے بھر جائے [illegible] وہاں سے اترتے [illegible]

[illegible] عرفات [illegible]

[illegible]

[illegible] (1) [illegible] (2) [illegible]

[illegible] (3) [illegible] (4) [illegible] عرفات [illegible]

[illegible] صحیح حدیث [illegible]

[illegible] الحج عرفۃ حدیث

1665 [illegible] 4520 [illegible]

[illegible] فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ [illegible]

[illegible] الْمَشْعَرِ [illegible]

[illegible] (موقف [illegible]) [illegible]

كَمَا هَدٰىكُمْ سوال [illegible] جواب [illegible] فرق [illegible]

[illegible]

میں [illegible] (۲) پہلے میں زبان سے ذکر مراد ہے اور دوسرے میں ذکر قلبی مراد ہے۔ (۳) پہلے میں حمد تسبیح اور

صفات کے ساتھ ذکر مراد ہے جبکہ دوسرے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر مراد ہے۔ (۴) پہلے مطلق ذکر ہے اور دوسرے

میں اس کو ہدایت الٰہی [illegible] سے مقید کیا ہے۔ (۵) پہلے میں مطلق ذکر ہے جبکہ دوسرے میں ذکر پر ہمیشگی (دوام) مراد

ہے۔ كَمَا هَدٰىكُمْ کاف تشبیہ یا علت کے معنی میں ہے اس تشبیہ میں بہت سے فوائد ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اسماء وصفات توقیفی ہیں تو معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان اسماء وصفات سے کرو جو [illegible] (اللباب) دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ جب لام کو علت کیلئے تسلیم کیا جائے گا تو مراد ہوگا کہ اس کی [illegible] اس کا ذکر کرو۔ تیسرا فائدہ: یہ ہے کہ ہر ذکر جو کہ شریعت سے ثابت ہو اگر جہری ہو تو [illegible] جمع کے ساتھ اور اگر انفرادی ہو تو اکیلے ذکر کرے۔ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ [illegible] ہے یعنی بغیر ہدایت [illegible] تو ضلال و گمراہی ہے۔ اِنْ اس میں نحویوں کا اختلاف ہے [illegible] ہے مثقل سے [illegible] كُنتُم اور [illegible] ابتداء یا فرق کیلئے ہے اور امام بغوی فراء کے نزدیک [illegible] لام اِلّا کے معنی میں ہے [illegible] کے نزدیک اس میں تفصیل ہے یعنی اگر جملہ فعلیہ [illegible] مستقر [illegible] اور اگر جملہ [illegible] تو امام بغوی کا قول درست ہے اور امام اخفش کے نزدیک [illegible] ہے یہ [illegible] قَبْلِهِ ضمیر هُدًى کی طرف راجع ہے یا قرآن کی طرف [illegible] رسول [illegible] قرآن مجید کے نزول سے قبل تم گمراہ تھے۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾ [illegible] سے لوٹ [illegible] اور استغفار کرتے رہو یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے [illegible]

تفسیر 199: [illegible] تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں۔ پہلا قول: عام مفسرین کا ہے [illegible] کتاب التفسیر حدیث 4520 [illegible] مسلم کتاب الحج حدیث 1219 ابوداؤد کتاب المناسک حدیث 1910 [illegible] افاضہ سے [illegible] سوال: افاضہ کا تو پہلی آیت میں ذکر ہو گیا ہے تو [illegible] مقصد ہے؟ جواب 1: [illegible] کیا گیا تھا جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی تھی [illegible] فرضیت ثابت ہو جائے۔ جواب 2: یہ قریش کی ایک بدعت [illegible] اپنے آپ کو [illegible] کے نام سے موسوم کرتے تھے اور ایام حج میں [illegible] ہمارے لئے حدود حرم سے نکلنا [illegible] ایام حج میں [illegible] کی وجہ سے [illegible] حدود حرم میں ٹھہرا کرتے تھے جبکہ باقی حجاج [illegible] ہوتے تھے [illegible] سوال: اللہ تعالیٰ [illegible]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واپسی تو مزدلفہ سے مؤخر نہیں بلکہ مقدم ہے؟ جواب: یہاں پر ثُمَّ تَعْقِيْبِ ذِكْرِيْ کیلئے آیا ہے ترتیب کیلئے ہے زمانے کی تراخی کیلئے نہیں ہے اور یہ بہت سارے مفسرین کا قول ہے یا پھر بعض نحویوں کے قول کے مطابق ثُمَّ واو کے معنی میں ہے یا صرف ایک کلام کا دوسرے کلام پر عطف ہے بغیر تراخی اور ترتیب کے یا پھر ثُمَّ ماقبل اور مابعد کلام کے تفاوت یعنی فرق کیلئے ہے یہ زمخشری کا قول ہے۔ دوسرا قول: امام ضحاکؒ سے منقول ہے جس کو امام ابن جریرؒ نے پسند کیا ہے کہ اس افاضہ سے مراد مزدلفہ کی جانب یوم النحر کے دن واپسی ہے اور ثُمَّ اپنے معنی پر ہے لیکن چونکہ قول اول کیلئے صحیح مرفوع حدیث موجود ہے اور اس قول کی تائید میں حدیث نہیں ہے لہٰذا ترجیح اول قول کو ہے اور ثُمَّ اَفِيْضُوْا میں خطاب قریش اور ان کے ہمنواؤں رسم پسند لوگوں کو ہے۔ مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ النَّاسُ سے مراد عرب ہیں یا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکار مراد ہیں اور اس میں قریش کی رسم کی قباحت کی طرف اشارہ ہے کہ تمہاری یہ رسم ملت ابراہیمی کے خلاف ہے۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ اس میں اس گناہ سے معافی کا ذکر ہے جو ملت ابراہیمیہ کے خلاف قریش نے بطور رسم اپنایا تھا یا اس سے مراد عام خطاب ہے کہ اگر کسی سے ظاہر گناہ ہو چکا ہو تو اس پر استغفار واجب ہے جبکہ بندہ کے عاجز ہونے کا تقاضا ہے کہ ظاہر گناہ نہ ہونے کے باوجود بندے کو اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے استغفار کرنا چاہیے۔ یعنی واجبات میں تقصیر کا احتمال ضرور ہے تو اس کا علاج یعنی تسکین قلب استغفار میں ہے۔ یہ اس استغفار کی مثل ہے جو فرض نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ نے کیا ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے (صحیح بخاری کتاب الاذان، صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 591)۔ فائدہ: مِنْ حَيْثُ یہاں پر مکان کیلئے ہے اور زمان کا احتمال بھی ہے مکان تو عرفات ہے جبکہ زمان غروب آفتاب کا وقت ہے جو حدیث سے ثابت ہے صحیح مسلم حدیث 1218۔ امام ابوحیانؒ کا قول ہے کہ لفظ حیث جب ماضی پر داخل ہو تو حقیقتاً ماضی ہی مراد ہوتا ہے اور مستقبل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یہاں پر دونوں معانی درست ہیں۔ (ابوحیان)

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۝ "جب تم اپنے حج کی عبادت مکمل کر لو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو جیسا کہ تم اپنے (آباء واجداد) کو یاد کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ بعض تو لوگوں میں وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں دنیا میں دیدے اور نہیں ہوگا ان کیلئے (اجر و ثواب کا) آخرت میں کوئی حصہ" [200]

تفسیر 200: اس آیت میں وقوف منیٰ کی طرف اشارہ ہے اور حج میں شریک ہونے والے بعض بدبخت لوگوں کا ذکر اور ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی ایک رسم کی طرف اشارہ ہے اور اس کا رد ہے کہ وہ اپنے بڑوں پر اور ان کے کارناموں پر فخر کرتے تھے اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دنیاوی مفاخر جاہ و منصب مانگتے تھے۔ فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ قضی کا معنی اس سورۃ آیت 117، میں ذکر ہوا ہے یہاں قضیٰ سے مراد تکمیل حج ہے۔ ابوحیان رحمہ اللہ اور صاحب اللباب نے ذکر کیا ہے کہ لفظ قضی جب اپنے کسی کام کے ساتھ ذکر ہو جائے تو مراد اس کام کی ادائیگی اور تکمیل ہوتی ہے جیسا کہ حٰم سجدہ آیت 12، اور سورہ جمعہ آیت 10، اور جب غیر کام کے ساتھ ذکر ہو جائے تو اس سے مراد الزام یا اعلام ہوتا ہے۔ مَنَاسِكَكُمْ اس میں تین اقوال ہیں۔ (۱) عبادت حج (۲) عبادت کی جگہ اس میں مضاف پوشیدہ ہے یعنی أَعْمَالَ مَنَاسِكِكُمْ دونوں احتمالات سے حج کے وہ اعمال مراد ہیں جو اکثر وقوف منیٰ تک ہیں۔ (۳) جمرہ عقبہ (بڑا شیطان) مارنے کے بعد ذبح اور نحر منیٰ میں کرنا مراد ہے اور اس قضاء مناسک میں دو اقوال مراد ہیں انہیں سے ایک امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ ہر ایک نسک ادا کرنے کے بعد اس کا خاص ذکر ہوتا ہے یعنی عرفات کی دعاؤں کا ذکر، مزدلفہ کی دعاؤں کا ذکر طواف، سعی وغیرہ کا ذکر ہوا ہے یعنی ہر ایک نسک کو جدا جدا ذکر کیا ہے اور یہی مناسک کے الفاظ میں مراد ہے۔ دوسرا قول: عام مفسرین کا ہے کہ طواف، سعی، وقوف عرفہ اور مزدلفہ سے فارغ ہو کر منیٰ میں جب واپسی کر لو تو اللہ تعالیٰ کا شکر اور عظمت بیان کرتے رہنا اس میں تکبیرات جمرہ عقبہ یعنی (بڑے شیطان) کو کنکری مارتے ہوئے تکبیر اور ذبیحہ کے وقت تکبیر وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو آباؤ اجداد کے ذکر کے ساتھ تشبیہ دینے میں بہت سے اقوال ہیں۔ پہلا قول: جمہور مفسرین کا ہے کہ مقامات حج میں یعنی عرفہ، مزدلفہ اور خاص کر منیٰ میں اہل جاہلیت اپنے بڑوں کے فخریہ کارنامے ذکر کرتے اور بصورت اشعار وغیرہ ان کی بڑائیاں بیان کرتے تھے۔ تو ان کا رد ہوا۔ حاصل کلام: یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر اپنے رب کو کثرت اور عظمت کے ساتھ یاد کرو۔ دوسرا قول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، ربیع اور ضحاک رحمہم اللہ کا ہے جس کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ کم سنی کی عمر میں تکلیف پہنچنے میں اور محبت کی وجہ سے اکثر زبان پر والد، دادا، والدہ کے نام زبان پر بے ساختہ آتے ہیں ہائے میرے ابو ہائے میری امی وغیرہ لہٰذا مقصد یہ ہوا کہ ہر خوشی اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو یا اللہ مدد کہو یعنی امداد صرف اسی سے طلب کیا کرو۔ سوال: اس تشبیہ سے تو پتا چلتا ہے کہ کم سنی والا وہ عمل جو کہ دور جاہلیت میں بھی جاری تھا اب بھی جائز ہے۔؟ جواب: تشبیہ جواز کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا میں فرق ذکر کیا گیا ہے البتہ کم سنی میں والدین کا حق ہے کہ بچے کو ابھی سے یا اللہ مدد وغیرہ کے کلام کی عادت ڈالیں اور اسی طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیگر امور میں بچوں کی اچھے الفاظ اور اچھے کلام کے ساتھ تربیت کریں گالی گلوچ سکھانے کے بجائے شرعی الفاظ سکھانے اور عادت ڈالنے کی کوشش کریں تاکہ برے الفاظ یا شرکیہ کلام کے عادی نہ بنیں۔ تیسرا قول: یہ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ جب کسی کے ماں باپ کو برے لفظوں سے موسوم کیا جائے یا غلط القاب ان کی طرف منسوب کیئے جائیں تو اولاد غصے میں آ کر والدین کے دفاع میں مدمقابل آتے ہیں غیرت اور جذبے سے سرشار ہو کر ماں باپ کی طرفداری کرتے ہیں تو اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کو توہین آمیز جملوں لفظوں میں پکارا جائے یا اس کیلئے ولد کا انتخاب کیا جائے اس کیلئے شریک بنایا جائے اسی طرح اس کے رسول اور کتاب یعنی قرآن مجید کے دیکھنے یا سنتے وقت جوش و جذبے غیرت ایمانی کا اظہار کرو اور ان کی بے حرمتی ناقابل برداشت تصور کرو۔ اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ اور کتاب اللہ کا دفاع تم کرتے رہو۔ چوتھا قول: یہ ہے کہ یہ تنبیہ وحدت میں ہے کہ ہر انسان اپنے لئے ایک ہی باپ پسند کرتا ہے باپ میں شراکت کو ناقابل برداشت تصور کرتا ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس کو اکیلا مانا جائے ہر قسم کے شرک سے اس کو منزہ مبرا ہونے کا عقیدہ رکھے اور جس طرح تم دوسرے باپ کی شرکت اور باپ کی گالی برداشت نہیں کرتے ہو اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی گالی کو برداشت نہیں کرنا ہے لہٰذا تم باپ کیلئے گالی سننا گوارا نہیں کرتے ہو اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کیلئے ناگوار سمجھو۔ پانچواں قول: ابن الانباریؒ کا ہے کہ جاہلیت کے دور میں لوگ اپنے باپ کے نام کی قسم کا بہت لحاظ کرتے تھے اور باپ کی قسم کو سب سے بڑی قسم تصور کرتے تھے تو ان سے کہا گیا کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی کھاؤ یہ اسی کا حق ہے اور اسی کیلئے تعظیم خاص ہے کسی اور کو اس میں شریک مت کرو۔ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (او) برائے تخییر اور اباحت کیلئے ہے اور تراخی بھی مراد ہے یعنی أَشَدَّ کے معنی میں۔ پہلے اور دوسرے قول میں سے أَشَدَّ مراد یہ ہے کہ ماں باپ کا ذکر حج کے مواقف میں یا کم سنی میں کرتے ہو مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت اور مداومت کے ساتھ (ہمیشہ) کرنا ہوگا یعنی کسی خاص جگہ یا خاص حال کے ساتھ أَشَدَّ مختص نہیں ہوگا۔ أَشَدَّ دوام یعنی ہمیشگی کے معنی میں ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کبھی کبھار ماں باپ قابل تنبیہ ہوتے ہیں یعنی ایسے اعمال ان سے صادر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کو نصیحت کی جاسکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو ہر وقت بے احترامی اور بے عزتی سے پاک ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ کبھی باپ کا اطلاق مجازاً چچا اور دادا پر ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تعدد سے پاک ہے لہٰذا اس کیلئے شریک حقیقی یا مثالی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ شریک کے تمام قسم احتمالات سے پاک ہے۔ پانچواں قول وہ لوگ کبھی باپ کی اور کبھی اللہ تعالیٰ کی قسم کھایا کرتے تھے تو غیر اللہ کی قسم سے ان کو روکا گیا ہے اور اس قسم کو حرام قرار دیا گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مذکورہ معانی لفظ اَشَدُّ میں مضمر تھے اس لئے لفظ اَكْثَرَ استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ لفظ اَشَدُّ کے اعراب میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال یہ مجرور ہے اور ذِكْرِكُمْ پر عطف ہے اور بعض نحویوں کے نزدیک مجرور پر عطف جر کے لوٹانے کے بغیر جائز ہے مقدر عبارت اس طرح ہے ذِكْرًا كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یا كم پر عطف ہے جو کہ ذِكْرِكُمْ میں مضاف الیہ ہے اور مقدر عبارت اس طرح ہے كَذِكْرِكُمْ قُرَيْشٍ اٰبَآءَهُمْ اَوْ قَوْمٍ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ پانچ وجوہات کی بناء پر منصوب ہے۔ پہلی وجہ: امام زمخشری کا قول ہے کہ یہ اٰبَآءَكُمْ پر عطف ہے۔ دوسری وجہ: امام ابن علی اور امام ابن جنی رحمہم اللہ کا قول ہے کہ یہ كَذِكْرِكُمْ کے کاف کے محل پر معطوف ہے پھر مقدر عبارت اس طرح ہے۔ ذِكْرًا كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ تیسری وجہ: امام مکی کا قول ہے کہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ اس طرح ہے کہ فَاذْكُرُوْهُ ذِكْرًا اَشَدَّ مِنْ ذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ چوتھی وجہ:۔ امام ابوالبقاءؒ کا قول ہے کہ اس میں كُوْنُوْا کا فعل مقدر ہے۔ یعنی كُوْنُوْا اَشَدَّ ذِكْرًا لِلّٰهِ مِنْ ذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ پانچویں وجہ:۔ یہ ذِكْرًا سے حال بن رہا ہے اس لئے منصوب ہے مذکورہ وجوہات پر جو اعتراضات اور ان کے جوابات ہیں انہیں مفسر ابوحیانؒ اور صاحب اللبابؒ ذکر کر چکے ہیں۔ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا اس میں حاجیوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم: دنیا پرست بدبخت قسم کے لوگ تھے جیسا کہ مشرکین عرب جو اپنے بڑوں کی شان شوکت مالداری تکبر وغیرہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے وہی فخر و تکبر اور مالداری کی دعائیں مانگتے تھے سابقہ آیت سے ربط اس میں مضمر ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مَنْ يَّقُوْلُ گرچہ کفار کے متعلق ہے مگر دنیا پرست مسلمان بھی اس میں شامل ہیں اٰتِنَا کا مفعول مقدر ہے یعنی مَا نُرِيْدُ اَوْ مَطْلُوْبَنَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں مقصود نہی کا معنی ہے یعنی ایسی دعامت کرو جس میں نجات آخرت کا ذکر نہ ہو۔ اور اگر اس سے مراد اگر کفار ہیں تو ان کا تو آخرت میں اجر و ثواب کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مراد اگر مسلمان ہیں تو پھر اس میں تین توجیہات ہیں۔ پہلی توجیہ: اس میں اِلَّا اَنْ يَّتُوْبَ عبارت مقدر ہے۔ دوسری توجیہ: اِلَّا اَنْ يَّعْفُوَ اللّٰهُ عَنْهُ مقدر ہے۔ تیسری توجیہ: یہ ہے کہ جو خلاق یعنی حصہ آخرت میں کامل مومنین کے لئے ہے وہ کفار کے لئے نہیں ہے۔ اس طرح مضمون سورہ شوریٰ آیت 20، میں بھی ہے۔ اصل میں خَلَاقٌ خُلُقٌ سے لیا گیا ہے جو لیاقت اور قابلیت کے معنی میں ہے اور کسی چیز کی لیاقت مستلزم ہوتی ہے اس کی نفاست اور عمدگی کو تو خلاق خیر اور نفس کے حصے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں آیت 102، میں بھی اسی طرح گزرا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ "اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اچھی زندگی عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔[201] ان لوگوں کیلئے ان کے کسب کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔[202]

تفسیر 201: اس آیت میں حاجیوں کی دوسری قسم کا تذکرہ ہے جو نیک بخت ہیں۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں دنیا کی ہر خیر کی طلب اور ہر شر سے بچنے کی دعا شامل ہے کیونکہ لفظ حَسَنَةً دنیا میں ہر محبوب و مطلوب چیز کو شامل ہے یعنی عافیت، تندرستی، وسیع گھر، خوش اخلاق بیوی، رزق کی فراوانی، علم نافع، صالح مقبول عمل، فرمان بردار سواری اچھی تعریف اور صالح اولاد وغیرہ یہ مفسرین کی مختلف عبارتوں میں موجود ہے۔ اور آخرت کی حسنہ یہ ہے کہ جنت کا دخول، خوف اکبر سے پناہ امن اور آسان حساب وغیرہ سب کو شامل ہے لہٰذا اس میں دنیا و آخرت کی تمام خیر داخل ہے۔

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اس میں جہنم سے نجات کیلئے تمام آسانیوں کی طرف اشارہ ہے یعنی حرام کبیرہ گناہوں اور شبہات سے بچنا قاسم سے روایت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے شاکر دل اور ذکر کرنے والی زبان اور صابر بدن عطاء فرمایا تو اس کو دنیا و آخرت کی تمام خوبیاں دے دی گئیں (ابن ابی حاتم 542/2، ابن کثیر) عوف سے منقول ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام، قرآن کریم، اہل و مال دیا تو اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں دے دیں (معالم التنزیل) سوال: یہاں تو حسنہ نکرہ ہے اور سیاق اثبات میں واقع ہے لہٰذا اس میں تو عموم نہیں ہے؟ جواب: حسنہ اصل میں مقدر موصوف کیلئے صفت ہے اور یہ صفت غالب ہے جس کا موصوف ہمیشہ مخفی ہوتا ہے جو کہ (مَعِيشَةً، حَيوةً، عَطِيَّةً، اور حَسَنَةً ہے) اس کے معنی میں حَسَنَةً اگرچہ نکرہ ہے مگر مذکورہ تمام معنوں کو شامل ہے۔ سوال: اس کو معرفہ کیوں ذکر کیا ہے؟ جواب 1: معرفہ میں جب الف لام عہدی ہوں تو تخصیص کا احتمال ہوتا ہے۔ جواب 2: اس میں دعا مانگنے والے کے آداب کا ذکر ہے کہ اے اللہ مجھے وہ حسنہ عطاء کر جو تیری قضاء اور تقدیر کے موافق ہو۔ سوال: جب لفظ حسنہ تمام بھلائیوں اور اچھائیوں کو شامل ہے تو پھر وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: بعض گنہگار مسلمانوں کو جہنم کی سزا ہوگی پھر جنت میں داخل کئے جائیں گے اس لئے اس عذاب سے پناہ اور بغیر سزا معافی اس دعا میں مطلوب ہے تاکہ حسنہ کامل اور خیر کثیر مل جائے جو کہ ابتداء سے جنت کا داخلہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 202: أُولَٰئِكَ اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) یہ خاص کر دوسری قسم یعنی مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ کے مقابل ہے یعنی پہلی قسم والوں کیلئے آخرت میں کامیابی کا کوئی حصہ نہیں جبکہ دوسری قسم کامل کامیاب اور عظیم حصہ والے لوگ ہیں۔ (۲) یہ دونوں فریق کے متعلق ہے اور نَصِيبٌ سے مراد عام ہے یعنی ثواب اور عقاب دونوں کو شامل ہے اور مِمَّا كَسَبُوا بھی عام ہے دونوں قسم کے اعمال کو شامل ہے۔ مِمَّا كَسَبُوا میں مِن اجلیہ ہے اور ما مصدریہ یا موصولہ ہے۔ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ حساب تو اصل میں شمار کرنے اور گنتی پورا کرنے کو کہتے ہیں مخلوق تو حساب میں گننے اور شمار میں لکھنے اور دیگر اسباب کے محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان اسباب سے مبرا ہے مذکورہ تمام اسباب میں سے کسی کا وہ محتاج نہیں اس مقدار کے بارے میں مختلف روایات وارد ہیں۔ (۱) بکری سے دودھ دوہنے کی مقدار (۲) اونٹنی سے دودھ لیتے وقت جو درمیان وقفہ کیا جاتا ہے (۳) پلک جھپکنا (۴) مومن جتنا وقت ایک فرض نماز میں صرف کرتا ہے (۵) ساری مخلوق کا حساب ظہر سے قبل مکمل کریگا۔ طبرانی کبیر اور صحیح ابن حبان میں ایمان والوں پر ظہر تک لحہ میں حساب مکمل ہو چکا ہوگا شیخ البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے صحیح ترغیب حدیث 3590 ابو یعلیٰ اور ابن حبان کی ایک روایت سورج غروب ہونے کے لئے جھک جائے تو غروب ہونے تک لحہ ذکر ہے۔ اس روایت کو شیخ البانی صحیح کہا ہے صحیح ترغیب 3589 امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندہ صالح اعمال اختیار کرتے ہوئے اپنا حساب دنیا میں ہر وقت کرتا رہے تو آخرت کا حساب اس کیلئے آسان ہو جائے گا۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ ان گنتی کے چند دنوں (ایام تشریق) میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو پس جو ان دنوں میں جلدی کرے یا تاخیر کرے (تیسرے دن تک) تو اس پر کوئی گناہ نہیں جو پرہیزگار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو یقیناً اس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔ [203]

تفسیر 203: یہ فَاذْكُرُوا اللَّهَ پر عطف ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو عطف مغائرت چاہتا ہے یہاں پر مغائرت کئی وجوہ پر ہے۔ (۱) وہاں ذکر کے پانچ معانی بیان ہوئے ہیں جبکہ یہاں پر صرف لفظ تکبیر سے ذکر مراد ہے۔ (۲) جمرہ عقبہ کو صرف نحر (قربانی) کے دن مارنا تھا جبکہ یہاں پر تینوں جمروں کو تین دن مارنے کا ذکر ہے جو کہ ایام تشریق ہیں۔ (۳) وہاں ذکر کیلئے بطریقہ تشبیہ صفت ذکر کیا تھا اور یہاں ذکر کیلئے زمانہ مذکور ہے۔ یہاں ذکر سے مراد جمرے کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہنا ہے۔ بعض علماء نے اس میں فرض نمازوں کے بعد تکبیرات بھی مراد لی ہیں۔ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ اکثر اہل علم نے اس سے مراد ذوالحجہ کے (۱۱، ۱۲، ۱۳) دن مراد لئے ہیں جو کہ ایام منیٰ وایام تشریق کہلاتے ہیں۔ (۱۱) کو یوم القر، (۱۲) کو یوم النفر الاول، (۱۳) کو یوم النفر الثانی بھی کہا گیا ہے۔ سوال: ایام کی صفت میں تو معدودۃ مفرد بھی جائز ہے تو یہاں پر جمع کو ترجیح دینے کی کیا وجہ ہے؟ جواب: ایام ساعات پر مشتمل ہے اور ساعات مؤنث ہیں تو معدودات کو ساعات کے اعتبار سے جمع ذکر کیا ہے اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ ذکر اللہ اس دن کے ہر لحہ میں کرنا چاہیے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس دن مسلسل تکبیرات کا ورد کیا کرتے تھے۔ سوال: سورہ حج میں ایام معلومات فرمایا ہے تو ان میں فرق اور سبب فرق کیا ہے؟ جواب: فرق صحیح قول کے مطابق یہ ہے کہ وہاں ایام معلومات سے یوم النحر اور مزید دو دن (۱۱، ۱۲) مراد ہیں جو کہ نحر اور قربانی ذبح کرنے کے ایام ہیں معلوم ہوا کہ یوم النحر معلومات میں سے ہے اور ایام معدودات سے نہیں ہے جبکہ (۱۱، ۱۲) ذی الحجہ معلومات ومعدودات دونوں میں سے ہیں اور (۱۳) ذی الحجہ ایام معدودات میں سے ہے اور معلومات میں سے نہیں ہے اور سبب فرق یہ ہے کہ سورۃ حج میں قربانی ذبح کرنے کے ایام بتانا مقصود تھا اور وہ جاہلیت میں بھی لوگوں کو معلوم تھے اور ایام معدودات یعنی شیطان کو کنکری مارنے میں اختلاف تھا کہ یہ دو دن یا تین دن ہیں اور وہ گنتے تھے کہ آج دوسرا ہے یا تیسرا ہے اس وجہ سے اس کو ایام معدودات کہا گیا۔ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ اس میں جاہلیت کی رسم کا رد ہے اور وہ اس طرح کہ ان میں بعض تیسرے دن کنکری مارنے کو واجب کہتے تھے اور چھوڑنے کو گناہ قرار دیتے تھے جبکہ بعض لوگ تیسرے دن تاخیر کو حرام تصور کرتے تھے لہذا ان کے اس اختلاف اور بدعت پر اس آیت میں رد کیا ہے۔ فائدہ: اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ کسی مستحب کام کو قولاً وفعلاً واجب قرار دینا بدعت ہے اسی طرح کسی مستحب عمل کو حرام قرار دینا بھی بدعت ہے لیکن دور حاضر میں تو ان لوگوں پر صد افسوس ہے کہ اولیٰ عمل کو بعض لوگوں نے قولاً وعملاً وجوب تک پہنچایا تو بعضوں نے حرمت کا فتویٰ لگا کر اس عمل کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور یہ دونوں افراط وتفریط ہے جو کہ منع ہے۔ تعجیل وتاخیر میں دو احتمالات ہیں (۱) یہ دونوں افعال لازم ہیں اور اس کا مفعول نفس مادہ اس فعل کا ہے مِنۡ فِعۡلِ الۡعَجَلَةِ اور فَعَلَ التَّاَخُّرَ (۲) یہ متعدی ہے جس کا مفعول مقدر (مخفی) ہے یعنی مَنۡ تَعَجَّلَ النَّفۡرَ وَمَنۡ تَاَخَّرَ النَّفۡرَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ اس میں توسع ہے یا مجاز ہے کیونکہ یومین سے مراد دوسرا دن ہے یعنی (۱۱، ۱۲) تاریخ کو زوال کے بعد (۲۱) کنکریوں کے ساتھ تینوں جمرات کو مارنے کے بعد اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منی حرم کی طرف کوچ کر لیتا ہے اور تیسرا دن وہاں گزارنا نہیں چاہتا ہے تو یہ تعجیل ہے۔ سوال: وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ (۱۳) تاریخ منیٰ میں گزارنے سے ایام منیٰ کی تکمیل ہوگی اور عبادت کو پورا کرنے پر گناہ کا کوئی خدشہ نہیں تو فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ کیوں فرمایا۔؟ جواب: دورِ جاہلیت میں (۱۳) تاریخ تک تاخیر کرنا بعض لوگوں کے نزدیک گناہ تصور کیا جاتا تھا اس لئے گناہ کی نفی کی گئی۔ فائدہ ۱: مذکورہ تین دنوں میں تینوں جمرات مارتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اللہ اکبر پڑھنا ہے لیکن یہاں پر صرف ذکر کرنے کا حکم ہے اور کنکری مارنے کا تذکرہ نہیں ہے سبب یہ ہے کہ کنکریوں کا مارنا تو ان کے نزدیک معروف تھا اختلاف تعداد میں تھا اور مارتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ ان دنوں میں عورتوں کے تذکرے اور باپ، دادا کے کارناموں پر فخریہ شعر و شاعری میں مصروف ہوتے تھے اس لئے ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا۔ (ابن عاشور)

فائدہ ۲: اعمال حج یعنی احرام باندھنا اور اس کے ممنوعات، احرام کا وقت، زادِ راہ، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، منیٰ میں پہلا دن جمرات کو کنکری مارنا اور اس کی تکمیل میں مزید تین دن کا تذکرہ کیا گیا یہ حج کے اکثر اعمال ہیں اس کے علاوہ قربانی ذبح کرنا اس میں حلال و حرام کا فرق اور اس کی تقسیم اس پر بسم اللہ واللہ اکبر پڑھنا بالوں میں قصر و حلق کرنا، طواف زیارت، طواف وداع کرنا ان کو سورۃ حج میں ذکر کیا ہے لہٰذا ان دونوں سورتوں کے پڑھنے سے حج کا مکمل طریقہ سامنے آجاتا ہے البتہ دین کے مسائل حدیث کی تشریح کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے تو اسی طرح حج میں بھی۔ لِمَنِ اتَّقَىٰ اس کے متعلق بہت سے اقوال ہیں۔ (۱) یہ اُذْكُرُوا سے متعلق ہے یعنی اشارہ ہے کہ ذکر کی قبولیت کیلئے تقویٰ ضروری ہے (۲) یہ لَآ إِثْمَ عَلَيْهِ کے متعلق ہے یعنی عدم گناہ کیلئے مطلق تقویٰ شرط ہے۔ (۳) مبتدا مقدر ہے یعنی اَلتَّخْيِيرُ لِمَنِ اتَّقَىٰ اور اس سے مراد مشکوک چیزوں سے اجتناب ہے یا مراد اَلْمَغْفِرَةُ لِمَنِ اتَّقَىٰ اور مصداق تقویٰ میں بھی اقوال ہیں۔ (۱) اول قول تقویٰ سے مراد مشہور معنیٰ ہے (۲) شبہات سے بچنا مراد ہے۔ (۳) ممنوعات احرام حج سے تقویٰ اختیار کرنا مراد ہے۔ (۴) یہاں ماضی مستقبل کے معنیٰ میں ہے یعنی مغفرت و جنت حج کے ذریعے ان لوگوں کے لئے ہے کہ جو مستقبل میں تقویٰ اختیار کریں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ یہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ پر عطف ہے۔ جب فوائد حج کو تقویٰ کے ساتھ خاص طور پر منسلک کیا تو اب تقویٰ کے حصول کیلئے صیغہ امر لایا گیا۔ امام ابن عاشورؒ نے کہا ہے کہ اس میں حجاج کرام کیلئے وصیت ہے کہ حج سے واپس آکر مستقل تقویٰ اختیار کریں دورِ جاہلیت کی طرح صرف حج کے ساتھ تقویٰ کو مختص نہ کریں دورِ حاضر میں بھی بعض ناعاقبت اندیش لوگ حج سے واپسی پر پہلے سے زیادہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ یہاں پر وَاعْلَمُوْٓا تذکیر اور تنبیہ کیلئے ہے ورنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ علم تو مسلمانوں کو پہلے سے حاصل ہے اور اس میں تقوی پر رغبت دلانا مقصود ہے۔ تَصِيْرُوْنَ اور تَعْجَلُوْنَ کا لفظ دو وجوہات کی بناء پر استعمال نہیں کیا۔ پہلا سبب: یہ کہ لفظ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور جمع ہونے کا معنیٰ ہے۔ دوسرا سبب: یہ ہے کہ حج میں مختلف علاقوں اور وطنوں سے لوگ جمع ہوئے ہیں تو لفظ حشر میں اشارہ ہے کہ اس بڑے دن (قیامت) کے حشر کو یاد کرو تاکہ تمہارے تقوی کو دوام (ہمیشگی) حاصل ہو جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ "لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو دنیاوی غرض کی باتوں سے آپ کو خوش کرتے ہے اور اپنے دل کی باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے [204] اور جب وہ لوٹتا ہے تو زمین میں فساد کرتے ہوئے نسلوں اور کھیتوں کو تباہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا [205] اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر تو اس کی عزت آڑے آتی ہے پس اس کیلئے جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے [206] اور لوگوں میں بعض وہ ہے جو رضاء الٰہی میں اپنے نفس تک بیچ ڈالتے ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے [207]

تفسیر 204: ربط ۱: جب حکم تقوی اور اوصاف تقوی کا بیان ہوگیا تو اب ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو تقوی کی باتوں پر غصہ میں آجاتے ہیں۔ ربط ۲: پہلے حاجیوں کی دو اقسام کا ذکر ہوا شقی اور سعید (نیک اور بد) تو اب تکمیل اقسام کیلئے مزید دو قسموں کا تذکرہ ہو رہا ہے ان میں سے (۱) ایک اشقی بہت بد بخت جس نے حرص دنیاوی کے ساتھ مزید اور گناہوں کو جمع کر رکھا ہے۔ (۲) بہت نیک بخت جو صرف آخرت کی تیاری میں مصروف ہے۔ (۳) پہلی تقسیم میں اول ظاہری کافر و مشرک تھا جبکہ دوسرا عام مؤمن تھا۔ اب تیسری قسم کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ منافق ہے اور چوتھی قسم وہ ہے جو کہ خالص مؤمن ہے۔ سوال: ان اقسام کو سابقہ قسموں کے ساتھ ترتیب کے ساتھ کیوں ذکر نہیں کیا۔؟ جواب: پہلی دو اقسام دوران حج میں حاجیوں میں پائی جانے والی تھیں جبکہ یہ دو قسمیں ان حاجیوں کی ہیں جو وطن واپس آجاتے ہیں۔ اور اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واپسی کا اشارہ ہے۔اب اس آیت میں تین اوصاف قبیحہ کا ذکر ہے۔(۱) پہلی صفت یُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ ہے یہ خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے اور پھر ہر مومن مخلص کو ہے اور آیت تو خاص اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر ہر وہ شخص اس میں شامل ہے جس میں یہ صفات ہوں کیونکہ یہ آیت عام ہے۔یُعْجِبُكَ یہ اعجاب سے ہے جو تعجب سے لیا گیا ہے۔امام راغبؒ نے فرمایا کہ اعجاب انسان کو اس وقت پیش آتا ہے کہ کوئی چیز اس کو ناگہاں پیش آجائے جو اس کو اچھی لگے اور اسے خوش کردے نیز اس کی حقیقت سے وہ بے خبر ہو۔الکواشی کا قول ہے کہ اعجاب استحسان یعنی (خوش کرنے) میں استعمال ہوتا ہے جبکہ عُجب انکار میں استعمال ہوتا ہے۔قَوْلُهٗ اس سے مطلق کلام مراد ہے جو کہ چرب زبانی اور چالاکی مبالغے پر مبنی باتیں ہوتی ہیں۔جیسا کہ سورۃ منافقون، آیت: ۴، میں ذکر ہے یا اس سے مراد ایمان کا دعویٰ اخلاص کا اظہار کافروں سے براءت ایمان والوں کیلئے ہی خیر خواہی جبکہ حقیقت میں نبی اکرم ﷺ اور ایمان والوں سے محبت و اخلاص کا اظہار صرف ان کو خوش کرنے کیلئے ہوتا ہے۔فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس میں دو احتمالات ہیں (۱) یہ یُعْجِبُكَ کے متعلق ہے یعنی یہ اعجاب صرف دنیا میں ہے آخرت میں تو خاموش اور حیران ہوں گے۔(۲) یہ قَوْلُهٗ کے ساتھ متعلق ہے اور (فی) بمعنی شان ہے یعنی یہ لوگ دنیا کے کاموں میں چالاک و تجربہ کار ہیں جبکہ آخرت کے بارے میں علم نہیں رکھتے ہیں۔ان کی دوسری صفت قبیحہ ان لفظوں میں بیان ہو رہی ہے۔وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ اس کے دو معانی ہیں۔(۱) اشہاد خبر دینے کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہیں۔(۲) اشہاد قسم کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں شہادت قسم کے معنی میں لعان کی آیت 6 سورۃ النور میں وارد ہوئی ہے۔سوال: مَا فِيْ قَلْبِهٖ جو کہ اس کے دل میں ہے وہ تو کفر ہے کفر پر قسم کے کیا معنی ہیں۔؟ جواب: اس میں عبارت اختفاء ہے یعنی اِنَّ مَا فِيْ قَلْبِهٖ مُطَابِقٌ لِمَا فِيْ لَفْظِهٖ بِخِلَافِ مَا فِيْ قَلْبِهٖ یعنی جھوٹی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جو میرے دل میں ہے۔وہی میرے لفظوں میں ہے میرا دل و زبان موافق ہیں۔ان میں ان کی جھوٹی قسموں کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ (سورہ توبہ: 42، 56، سورہ مجادلہ: 14) میں ان کی صفات کا ذکر ہوا ہے۔ان کی تیسری صفت وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ہے۔اَلَالَدُّ۔لَدُوْد سے لیا گیا ہے جس کے معنی سخت جھگڑالو ہے۔خصام میں دو قول ہیں (۱) یہ خَصِمٌ کی جمع ہے۔اور اَلَدُّ جزء کی اضافت کل کی طرف ہے جیسا کہ معروف قاعدہ ہے (۲) یہ مصدر ہے جو کہ خصومت کے معنی میں ہے مخفی مقدر عبارت اس طرح ہے۔خِصَامُهٗ اَلَدُّ الْخِصَامِ یا اَلَدُّ ذَوِي الْخِصَامِ اور اضافت (فی) کے معنی میں ہے اور اس کے معنی میں بہت سے اقوال ہیں۔امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حسن بصری کا قول ہے کہ یہ جھوٹا باطل پرست ہے۔ امام قتادہؒ کا قول ہے کہ گناہوں کی وجہ سے سخت سنگ دل ہو گیا ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا جھگڑا باطل پر ہی ہوتا ہے۔ نتیجہ خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز پر جھگڑتا ہے۔ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا صرف دعویٰ کیلئے لڑتا رہتا ہے یہ دونوں صفات قبیحہ زبان کی ہیں اور صفات لازمی ہیں۔

تفسیر 205: اس آیت میں مزید تین صفات قبیحہ کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ متعدی قباحتیں ہیں۔ تَوَلّٰى سَعٰى تَوَلّٰى میں دو احتمال ہیں سامنے چہرہ پھیر دیتا ہے یعنی چہرہ پھیر کر چل پڑتا ہے اور یہ پہلی والی آیت کے مضمون پر معطوف ہے یعنی جب تمہارے سامنے ہوتا ہے تو مذکورہ اقوال کہتا ہے اور جب پلٹ جاتا ہے تو ان اقوال کے مخالف اعمال کرتا ہے۔ یا تَوَلّٰى سے مراد دل کی نفرت غصہ اور سَعٰى سے مراد کوشش ہے (قرطبی) (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ سَعٰى سے مراد ولایت یعنی جب اس کو اختیار حاصل ہو جائے۔ یہ امام ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے۔ فِي الْاَرْضِ فساد کی کوشش تو زمین ہی میں ہوتی ہے لیکن عموم اور تاکید کیلئے لفظ فِي الْاَرْضِ فرمایا کہ جہاں تک زمین میں اس کے رسائی حاصل ہو جائے وہاں فساد کرتا ہے۔ لِيُفْسِدَ فِيْهَا یہ سعی فعل کی جگہ مفعول بن کر آیا ہے اور اس کو لام تعلیل کہتے ہیں اور یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں مفعول فعل کیلئے علت بھی ہو اور مفعول بہ بھی ہو۔ فساد کی تفسیر سورۃ کے شروع میں گزر چکی ہے اور یہ فساد کی تمام اقسام پر مشتمل ہے۔ وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے یعنی فساد کی اقسام میں خاص ہے۔ پہلا قول: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حَرْثٌ سے مراد فصلوں اور پھلوں کی ترقی اور نسل سے مراد حیوانوں کی ترقی ہے اور ان دونوں کی وجہ سے قومیں مالی طور پر قائم رہتی ہیں اور اکثر عرب (حرث) فصلوں اور مویشیوں کے مالک تھے یعنی ان کی خرابی سے انسانوں کی زندگیاں خراب کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ حَرْث سے مراد بیویاں ہیں اور نسل سے مراد اولاد ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب اس قسم کے مظالم معاشرہ میں کئے جاتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ بارشوں کو روک لیتا ہے جس سے قحط سالیاں پیدا ہو کر فصلوں اور نسلوں کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ فائدہ: انسانوں اور حیوانوں کی نسل کشی کے فساد و ظلم ہونے کی یہ واضح دلیل ہے لہٰذا خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ یہ ظلم و فساد ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ناپسند ہونا قول اور اہل عمل دونوں کو شامل ہے امام ابو حیان رحمہ اللہ نے عطاء رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اہل تصوف بوقت جذب کے وقت اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں جو کہ فساد میں داخل ہے۔ محبت اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے جو دیگر صفات کی طرح بلا تمثیل و تشبیہ اور تاویل قبول کرنی چاہیے نیز یہ ارادے کے علاوہ صفت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 206: اس آیت میں ایک اور قبیح صفت کا ذکر ہے جس کا تعلق دل سے ہے یعنی دل میں غرور اور تکبر ہے کسی کی نصیحت و نصیحت ماننے کیلئے تیار نہیں۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهٗ یہ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا آیت: 11، کی طرح ہے اتَّقِ اللّٰهَ سے مراد مطلق وعظ و نصیحت ہے اور فساد سے منع کرتا ہے۔ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ عزت قوت اور غلبہ کے معنی میں ہے غیرت غصے کے ساتھ آتی ہے۔ اَخَذَ سے مراد الزام و استیلاء ہے۔ بِالْاِثْمِ (بَا) اخذ کیلئے ہے جو اسے متعدی بنا دے لہذا یہ اَخَذَ کیلئے مفعول ثانی ہے یا پھر (بَا) مصاحبت کیلئے ہے یعنی وہ عزت جو کہ گناہ کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ یہ اَلْعِزَّةُ کیلئے قید احترازی ہے یعنی اس سے مراد صفت مادحہ ہے یا با سببیہ ہے۔ یعنی پرانے گناہ اس جرم کا سبب ہے یا شرک اور کفر کا گناہ جو کہ اس کے دل میں ہے سبب ہے غصہ ہونے کے لئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب کسی کو اِتَّقِ اللّٰهَ کہا جائے تو اس کو غصہ نہیں کرنا چاہیے (سلسلۃ الصحیحۃ 6/99 حدیث 2598)۔ عمر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ ان کو کسی نے اتَّقِ اللّٰهَ کہا تو وہ سجدے میں گر گئے۔ (تفسیر بغوی) ہارون رشید کا بھی ایسا ہی واقعہ منقول ہے (تفسیر ابو حیان) فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ حَسْبُ اصل میں کافی کو کہا جاتا ہے اور سزا بھی گناہ کے مساوی ہوتی ہے تو حسب معنی جزا و سزا ہے۔ جہنم اصل میں اس کھائی کو کہا جاتا ہے جس کی گہرائی بہت زیادہ ہو اور اس سے مراد وہ آگ ہے جس کو اللہ تبارک و تعالی نے مجرمین کیلئے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ لفظ مہاد میں دو قول ہیں۔ (۱) یہ مہد کی جمع ہے آرام کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ (۲) یہ فراش کیلئے اسم مفرد ہے لہذا جہنم کو مہاد تحکّماً اور استہزاءً کہا گیا ہے یعنی اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے کفار سے تمسخر کیا گیا ہے۔ یا مِہَادُ سے مراد وہ اعمال ہیں جو ان مجرمین نے اپنے لئے تیار کیے ہیں وہ اعمال تو بے فائدے اعمال ہیں جو آرام کیلئے مفید نہیں (فتح البیان) فائدہ: ان مخصوص صفات میں اشارہ ہے کہ حج میں زبان دل اور دیگر اعضاء کی طہارت مقصود ہے جیسا کہ فرمایا فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ تقویٰ میں ان کی طرف اشارہ ہے لہذا یہ منافق حاجی زبان سے جھوٹ بولتا ہے، جھگڑے کرتا ہے اور اعضاء سے فساد کرتا ہے دل میں غرور اور تکبر رکھتا ہے لہذا اس نے حج سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔

تفسیر 207: اس میں لوگوں کی چوتھی قسم کا ذکر ہے جو انتہائی نیک بخت لوگ ہیں یہ سابقہ لوگوں کے مد مقابل ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد فی سبیل اللہ ہر وہ مجاہد ہے خواہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے طریقے پر ہو یا قتال میں مصروف ہو۔ مَنْ يَّشْرِيْ اس میں دو قول ہیں (1) شراء بیع کے معنی میں ہے یعنی اپنی جان کو بیچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذوالجلال (مشتری) اس نفس کا خریدنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی دلیل سورہ توبہ آیت: 111، ہے۔ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یہاں مال خرچ کرنے کا ذکر نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ نفس کے خرچ سے مال خرچ کرنا مقدم ہوتا ہے۔ (2) شَرَاءٌ لینے کے معنی میں ہے اور اس سے مراد غضب اور عذاب الٰہی سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنا ہے۔ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ اس مقام پر ابْتِغَاءَ مفعول ہے اور ابْتِغَاءَ کا معنی ہے کسی چیز کو کوشش کے ساتھ طلب کرنا۔ مفسر ابو حیان نے فرمایا ہے کہ اجر و ثواب میں اس درجے اور فضیلت کو حاصل کرنا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی اعلیٰ و افضل ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا کیا جنت کی نعمتوں میں سے بہتر چیز تمہیں دوں جنتی کہیں گے کہ اے اللہ وہ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم لوگوں سے ہمیشہ کیلئے راضی ہوں اور کبھی ناراض نہیں ہوں گا (صحیح بخاری حدیث 6549، 7518، صحیح مسلم حدیث 2829) وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ابن عطیہ نے فرمایا کہ اس جملے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی رضا اور خوشی حاصل کرنے کی بشارت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وہ رضا جس کے وہ طلبگار ہیں کیونکہ پہلی آیت میں خوف ہے تو اس آیت میں بشارت اور خوشخبری ہے۔ رَءُوفٌ رأفت سے لیا گیا ہے اور یہ رحمت سے بڑھ کر درجہ ہے یعنی لعنتوں کا دینے والا مصیبتوں سے نجات دینے والا ضرورتوں کو پورا کرنا اس میں شامل ہے نیز تفسیر اللباب میں رأفت کی اقسام اس طرح ذکر کی گئی ہیں (1) تھوڑے عمل پر زیادہ اجر دیتا ہے (2) بوقت جبر و اکراہ کفریہ کلمہ پڑھنے کی اجازت دیتا ہے (3) بندے کو طاقت کے مطابق شرعی احکام کا حکم دیتا ہے۔ (4) ایک شخص اگر سو مرتبہ بھی کفر پر مصر ہو مگر سچی توبہ کر لینے سے اسے معاف کر دیتا ہے۔ (5) مال و جان جو کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے مگر اس کی اطاعت پر اجر دیتا ہے۔ الْعِبَادِ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: اس میں الف لام عہدی ہے یعنی وہ خاص بندے جو کہ يَشْرِي نَفْسَهُ میں ذکر ہو گئے ہیں اور یہ قول راجح ہے۔ دوسرا قول: الْعِبَادِ عام ہے کافر بھی اس میں شامل ہیں۔ رأفت کا فروں کو دنیا میں مال، رزق، صحت و عافیت وغیرہ سے نوازتا ہے یہ تاثیر رأفت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾ "اے ایمان والو پورے پورے اسلام میں داخل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے [208] اگر واضح احکام شرعی آجانے کے بعد تم (کامل) دین سے ہٹ گئے تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے [209] یہ لوگ (ایمان لانے میں) انتظار نہیں کرتے مگر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بادلوں کے سایوں میں آجائیں اور کام کا فیصلہ ہو جائے اور خاص اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور کا مرجع ہے [210]

تفسیر 208: ربط: مومن کامل، منافق، کافر اور عام مومن چار قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا تو اب ان سب کو کامل اسلام کی دعوت دی ہے۔ کہ سب اس میں داخل ہو کر اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ (۲) عبادت حج میں جاہلیت کی رسموں اور بدعات کا رد ہوا تو اب تمام عبادات میں ہر قسم کی بدعات سے اجتناب اور مکمل اسلام پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے اس آیت میں مسائل حج کے بعد تین خطابات میں پہلا خطاب ہے۔ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا یہ خطاب سب مسلمانوں کو ہو رہا ہے جس میں منافق اور مخلص مومن داخل ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں رسول ﷺ پر اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والوں کو خطاب ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے (اوامر) حکموں کو تسلیم کرو اور اللہ تعالیٰ کی منہیات سے رک جاؤ۔ سوال: مومن تو مسلم ہے تو اُدْخُلُوا اسلام میں داخل ہونے کے کیا مقاصد ہیں۔؟ جواب: داخل ہونے سے مراد ہمیشگی اور استقامت ہے اور تفسیر اللباب میں مذکور ہے کہ بعض اوقات انسان کسی گھر میں داخل ہوتا ہے لیکن باہر چلے جانے کا امکان ہوتا ہے۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ ٹھہر جاؤ یا ہر مت نکلو یہاں ہی رہو۔ فِي السِّلْمِ بعض اہل لغت نے (س) کی زیر اور زبر میں فرق ذکر کیا ہے۔ یعنی زیر کے ساتھ اسلام کے معنی میں ہے جبکہ زبر کے ساتھ صلح کے معنی میں ہے۔ پہلا قول: اکثر کا قول یہ ہے کہ دونوں اسلام کے معنی میں ہیں البتہ زبر کے ساتھ صلح میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے نیز یہاں اسلام کے معنی میں ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے تابعین سے اس طرح نقل کیا ہے اور یہ قول راجح ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ سلم سے مراد صلح اور گھریلو جھگڑے لڑائی سے خود کو بچانا ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو آپس میں متفق ہو جاؤ آپس کے اختلاف جنگ و جدال چھوڑ دو جیسا کہ فرمایا وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا اس قول کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ كَافَّةً یہ کف سے اسم فاعل ہے جو کہ منع اور (جمع) سب کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ مصدر ہے جو کہ جَمِيعًا کے معنی میں ہے اور اس میں (ۃ) مبالغہ کیلئے ہے کیونکہ اس میں اسم سے وصف کی طرف تبدیلی کی گئی ہے لہذا (ۃ) برائے تانیث نہیں ہے۔ كَافَّةً اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے حال ہونے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ اَلسِّلْمُ سے حال بن کر آیا ہے اور اس سے مراد اسلام ہے جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول میں گزر گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اسلام میں جاہلیت کے کسی عمل اور رسم وغیرہ کو شامل نہیں کرنا ہے اس قول کو زمخشری معتزلی حنفی اور دیگر مفسرین نے ترجیح دی ہے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ دوسرا قول: امام ابن عطیہ رحمہ اللہ کا ہے انہوں نے کہا کہ یہ اُدْخُلُوا کے فاعل اَلسِّلْمُ سمیت سے حال بن کر آیا ہے اور دو چیزوں سے حال کا بننا جائز ہے۔ لہٰذا یہ معنی ہوا کہ تم سب مؤمنین تمام اجزاء اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ یہ قول بھی سابق قول کے قریب ہے۔ بعض مفسرین نے تیسرا قول بھی اختیار کیا ہے کہ یہ اُدْخُلُوا کے فاعل سے حال بنا ہے اور یہ عموم کے خطاب کیلئے بطور تاکید ہے۔ فائدہ: پہلے قول کی صحت کیلئے مفسرین نے یہ سبب بتایا ہے کہ بعض اہل کتاب نے اسلام قبول کیا لیکن ان کی چاہت تھی کہ اسلام میں رہتے ہوئے ہفتہ والے دن کی تعظیم اور نماز میں تورات کی تلاوت اور اونٹ کے گوشت کی حرمت برقرار رکھیں تو ان کو خطاب ہوا کہ یہ ناقص اسلام ہے لہٰذا مکمل دین میں داخل ہو جاؤ۔ تو یہ واضح دلیل ہے کہ عقائد و اعمال میں بدعات کے مرتکب لوگ پورے اسلام میں داخل نہیں ہیں۔

"وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ" خطوات کی تفسیر گزر چکی ہے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود منافقت اور اسلام کے خلاف رسم ورواج کی پیروی کرنا یہ حقیقت میں شیطان کی پیروی ہے اپنے آپ کو اس سے بچاؤ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو عمل قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو اگرچہ بظاہر وہ دین نظر آتا ہو وہ دین نہیں ہے بلکہ وہ شیطانی راستہ ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے مقاتل کی سند سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آنے کے بعد اب صرف سنت کی پیروی لازم ہے۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ شیطان کی عداوت عام ہے۔ مؤمنوں کو تکلیف دینے کی کوشش کرتا ہے اجر وثواب سے ان کو منع کرتا برے اعمال ان کو (مزین) خوبصورت کرکے دکھاتا ہے اور ایسی چالوں اور وسوسوں سے ان کو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ مُبِيْنٌ فعل لازم ہے جس کا معنی ہے۔ بَایَنَ الْعَدَاوَةَ (دشمنی ظاہر) یا پھر فعل متعدی ہے یعنی اپنی دشمنی خوب ظاہر کرتا ہے مختلف طریقوں سے جن طریقوں کو ہم جانتے ہیں اور اس کی ذات کو ہم دیکھ نہیں پاتے اور نہ ہی اس کی گفتگو کو سن سکتے۔

تفسیر 209: اس آیت میں کامل اسلام سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ ہے۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ زَلَّتْ اصل میں پاؤں پھسل جانے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد باطل کی طرف میلان اور گمراہ ہونے کے معنی میں ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ اگر تم لوگوں نے کامل اسلام قبول نہیں کیا اور گمراہی کی طرف مائل ہو گئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ نزول قرآن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریم کے باوجود ہفتے والے دن کی تعظیم کرتے رہے اور اونٹوں کے گوشت کو حرام مانتے رہے تو پھر تمہارے لئے وعید ہے۔ مِّنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ ٱلۡبَيِّنَٰتُ یعنی واضح دلائل جو قرآن وسنت میں بیان ہو گئے ہیں اس میں نبی کریم ﷺ کی نبوت اور معجزات سب شامل ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کیلئے عذاب بنسبت جاہل کے زیادہ ہوتا ہے۔ نیز جن لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی وہ اگر اعمال شرعیہ چھوڑ دیں تو کافر نہیں ہوں گے۔ فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ امام سمعانی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں عَزِيزٌ ایسے غالب کے معنی میں ہے کہ جس سے کوئی چیز چھوٹ نہیں سکتی ہے یعنی انتہائی قابو پا لینے والی ذات ہے۔ تفسیر اللباب میں ہے کہ وہ ذات جس کو اپنے مشن اور مقصد سے کوئی چیز پھیر نہیں سکتی ہے اور یہ کامل قدرت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے۔ تو معنیٰ یہ ہوا کہ تمھارے عذاب پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ لہٰذا یہ سخت وعید ہے۔ حَكِيمٌ امام سمعانی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حکیم ترتیب سے صحیح کام کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ مفسر ابوحیان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مضبوط کام کرنے والا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا عذاب دینا بھی حکمت پر مبنی ہے لہٰذا اس پر عذاب دینے میں بھی کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔ امام دمشقی رحمہ اللہ نے اللباب میں لکھا ہے کہ صفت حکمت علم کامل کو مستلزم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر کام حکمت اور کامل علم کی بنیاد پر کرتا ہے۔ فائدہ: ایک قاری اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے تلاوت میں ان سے غلطی ہوئی۔ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کی جگہ۔ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٌ پڑھا۔ تو ایک دیہاتی نے کہا زَلَلۡ کے ساتھ غَفُورٞ رَّحِيمٌ مناسب نہیں ہے یہ تو گناہوں کی ترغیب ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں آیتوں کے اختتام کا آیت کے ساتھ پوری مناسبت ہوتی ہے۔

تفسیر 210: پورے اسلام میں داخل ہونے کی مخالفت کرنے پر وعید سنانے کے بعد اس آیت میں دنیاوی عذاب کی وعید سناتا ہے۔ هَلۡ یہاں نفی کے معنی میں ہے اس کیلئے إِلَّآ قرینہ ہے۔ کبھی (قد) کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ سورۃ الدھر آیت: 1، میں ہے کبھی أَلَا کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ: 40، سورہ شعراء: 21، کبھی استفہام کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ سورۃ الروم: 40 يَنظُرُونَ یہاں پر انتظار کے معنی میں ہے اور أَن يَأۡتِيَهُمُ ٱللَّهُ اس کیلئے مفعول ہے اور استثناء مفرغ ہے اور اس کی ضمیر ان افراد کی طرف راجع ہے جو پورے اسلام میں داخل نہیں ہوتے ہیں۔ أَن يَأۡتِيَهُمُ ٱللَّهُ فِي ظُلَلٖ مِّنَ ٱلۡغَمَامِ بقول امام سمعانی رحمہ اللہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور اصحاب الحدیث نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ باریک بادلوں کے سایوں میں آئے گا پھر انہوں نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت اور اس جیسی دیگر آیتوں کے ظاہر پر ایمان لایا جائے اور کیفیت اور حقیقت علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے۔امام ابن کثیر نے دو احادیث نقل کی ہیں جن میں نزولِ الٰہی کی صراحت موجود ہے۔

حدیث اول: يَنْزِلُ الْجَبَّارُ عَزَّوَجَلَّ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ (ترمذی 2/61، ابن خزیمہ 2/250، حاکم 1/418، الموسوعۃ فی العقیدۃ للالبانی صحیح ترغیب حدیث 3591 جس کو شیخ البانی نے صحیح کہا ہے) جبار ذات اور ملائکہ بادلوں کی چھاؤں میں نزول فرمائیں گے۔ حدیث دوم: يَهْبِطُ حِيْنَ يَهْبِطُ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ حِجَابٍ نزول فرمائے گا جب وہ نزول کرے گا اس کے اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے (ابن ابی حاتم)۔ امام ابوحیان نے فرمایا کہ ایسی آیتوں کے متعلق سلف کا موقف یہ ہے کہ ظاہر پر ہم ایمان لائیں گے اور اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔ اور متاخرین علماء نے اس میں تاویلیں کی ہیں۔ (۱) یہ انتقام لینے کا مجازی معنی ہے۔ (۲) اس میں بِمَا وَعَدَهُمْ هُوَ الثَّوَابُ وَالْعِقَابُ مقدر ہے یعنی وہ جو ان سے ثواب اور عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ (۳) امر اور قدرت مراد ہے (۴) یہاں (فی، با) کے معنی میں ہے۔ تنبیہ: جو صفات نص صریح میں موجود ہیں ان میں تاویلات سبب انکار ہے البتہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جسم کی صفات سے تشبیہ نہیں دیں گے۔

مِنَ الْغَمَامِ یہ صفت ہے اور مقدر (مخفی) عبارت اس طرح ہے۔ "ظُلَلٌ كَائِنَةٌ مِنَ الْغَمَامِ" سائے جو کہ بادلوں سے بنے ہوں گے۔ یا پھر یہ يَأْتِيَهُمُ سے متعلق ہے پھر معنی یہ ہوگا (بادلوں کی جانب سے) وَالْمَلٰٓئِكَةُ لفظ اللہ پر عطف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (سورۃ الفجر: 22، سورۃ الانعام: 158)۔ وَقُضِيَ الْأَمْرُ قضاء سے مراد فیصلہ کر کے فارغ ہونا ہے اور (امر) سے مراد کافروں کو ہلاک کرنا ہے یا ان کا حساب وعذاب ہے۔ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ لفظ اللہ کو حصر کیلئے مقدم کیا ہے کیونکہ حساب وبدلہ کیلئے تمام امور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔ اگرچہ دنیا میں بعض اختیارات قاضیوں، امیروں، افسروں کے حوالے کیئے گئے ہیں۔ تُرْجَعُ صیغہ مجہول ہے اور اس کا حقیقی فاعل ذات الٰہی ہے جو تمام کاموں کو اپنی طرف جمع کریگا۔ یا مراد بندے ہیں جو کہ یہ شہادت دیتے اور مانتے ہیں کہ ہم مخلوق ہیں اور ہمارے ساتھ حساب ہوگا۔ تو گویا انہوں نے اپنے اعمال اللہ تعالیٰ کے حوالے کیے ہیں۔ رَجَعَ کا لفظ لازمی اور متعدی دونوں میں استعمال ہوتا ہے لہذا مجہول صیغہ درست ہے۔ اور اس کو ارجاع سے لینا ضعیف ہے اس جملہ میں یہ احتمال ہے کہ جن امور کی نسبت غیر اللہ کی طرف کیا جارہا تھا اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخرت میں تسلیم کرلیں گے کہ تمام معاملات اور حاجات پوری کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

سَلْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ كَمْ ءَاتَيْنَٰهُم مِّنْ ءَايَةٍۭ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَإِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۘ وَٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ فَوْقَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ وَٱللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ بنی اسرائیل سے پوچھ لو کتنے واضح معجزات ہم نے ان کو دیے تھے جس نے بھی واضح دلائل آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے [211] کافروں کیلئے دنیاوی زندگی مزین کی گئی ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں یہ کافر ان سے مسخرے کرتے ہیں اور پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان کے اوپر (بلند مقامات) پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بغیر حساب رزق دیتا ہے [212]

تفسیر 211: گزشتہ آیت کے ساتھ ربط چند وجوہ پر ہے۔ (1) یہ آیت دلیل اور نمونہ ہے۔ پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگ ہیں جو کہ ضد وعناد میں مبتلا ہیں ان کو معجزات وآیات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تو اب اس آیت میں بنی اسرائیل کو بطور مثال ذکر کیا جا رہا ہے۔ کہ کتنے معجزات بنی اسرائیل کی طرف نازل کیے گئے تھے مگر انہوں نے ضد وعناد کی وجہ سے انکار کیا۔ (امام ابن عاشورؒ) ربط ۲: قرآن کے موجودہ مخاطبین منکرین بھی معجزات کا مطالبہ کرتے رہے کہ ہم اسلام میں داخل ہونگے مگر وہ معجزات پیش کرو جو ہم چاہتے ہیں لیکن عنادیوں اور ضدیوں کو معجزات کوئی فائدہ نہیں دیتا اگر تمہیں شک ہے تو بنی اسرائیل کا حال معلوم کرو (تفسیر بحر المحیط)۔ ربط ۳: جب بادلوں کی چھاؤں میں نزول الٰہی کا ذکر ہوا تو انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو اب جواب دیا جا رہا ہے کہ اس کا علم بنی اسرائیل کے پاس ہے کیونکہ مصر سے نکل آنے کے بعد ان کے بڑوں نے جب جبل طور کا سفر کیا تو اس سفر میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو دیکھا تھا ان کی کتاب میں اب بھی یہ عبارت موجود ہے۔ جَاءَ اللّٰهُ مِنْ سِيْنَاءَ وَشَرَقَ مِنْ جَبَلِ سَاعِيْرَ وَظَهَرَ لَنَا مِنْ جَبَلِ فَارَانَ اللہ تعالیٰ سینا سے آیا اور ساعیر پہاڑ پر چمکا اور فاران پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ پہلی میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری میں عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تیسری میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی طرف اشارہ ہے لہٰذا بنی اسرائیل کے پاس آیات بینات آئی تھیں مگر انہوں نے تبدیل کی ہیں۔ "سَلْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ" خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد ہر مخاطب ہے قرآن کریم میں کلام کی ابتداء میں سَلْ آتا ہے اور کلام کے درمیان اِسْئَلْ مذکور ہے۔ بنی اسرائیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ان کے وہ اکابرین مراد ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) کَمْ استفہامیہ ہے۔ (۲) کَمْ خبریہ ہے۔ امام زمخشری نے دونوں کو درست قرار دیا ہے لیکن امام ابوحیان نے کہا ہے کہ اس میں تقدیری عبارت لانا تکلف کرنا ہوگا جو کہ ممنوع ہے۔ نیز لفظ سَلْ کَمْ استفہامیہ پر دلیل ہے۔ اس سوال میں مقصود تنبیہ ہے۔ (اِسْتِعْلَامْ) یعنی علم حاصل کرنا معلومات لینا مقصد نہیں۔ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے جن میں سے بعض اس سورۃ کی ابتداء میں ہیں اور بعض سورۃ اعراف میں ہیں۔ ان معجزات میں توحید باری تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دلائل تھے۔ یا دلائل نقلیہ مراد ہیں جو تورات اور انجیل میں نبی آخر الزمان کی نبوت کی سچائی کی خبریں تھیں بعدہ الا جملہ دلیل ہے کہ ایک جملہ مقدر ہے یعنی فَبَدَّلُوْهَا وَلَمْ يَعْمَلُوْهَا جس پر سورہ ابراہیم آیت: 28، دلیل ہے۔ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ یا اس بات کی دلیل ہے کہ ان آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جو گزر گئے ہیں یعنی فرعونیوں سے نجات اور ان کا غرق ہونا وغیرہ۔ وہ تو ظاہری انعامات ہیں اور جو آخری نبی کے صدق نبوت پر دلیل ہے وہ ان لوگوں کیلئے نعمتیں ہیں جو اس کی لائی ہوئی ہدایت پر گامزن ہیں اور وہ آخرت تک کامیابی کیلئے ذریعہ ہے۔ اس جملے میں دوسرا مفعول مقدر ہے یعنی وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا البتہ حذف میں ان کے کتمان علم اعراض وناشکری کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تبدیلی دو طرح کی ہے۔ (1) اللہ تعالیٰ کے عہد کو تبدیل کرنا (2) آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار پر دلالت کر رہا ہے (سمعانی)۔ اور یہ جملہ اور لفظ نعمت عام ہے جس میں بنی اسرائیل اور دیگر عام لوگ بھی شامل ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نعمت سے مراد اسلام ہے جس میں نعمت، صحت، امن وکفایت سب شامل ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ یہ لفظ مزید تاکید کیلئے ہے کہ انہوں نے علم ومعرفت کے باوجود دین کو بدل ڈالا تھا۔ علم کے باوجود نعمت کو تبدیل کرنے والا شخص انتہائی بدتر ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ انتہائی خوف کیلئے اللہ تعالیٰ نے لفظ شَدِيْدٌ وَّعِقَابٌ کا اظہار فرمایا ہے۔

تفسیر 212: ربط: پہلی آیت میں نعمت کی تبدیلی کا مرض ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں میں رائج تھا تو اب اس سبب کو ذکر کیا جاتا ہے جو دنیا کے مال ودولت پر تکبر وغرور اور مسلمانوں کو حقیر تصور کرنا ہے زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا بقول امام رازی راجح یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ تزیین کا فاعل تعمیم کیلئے حذف کیا گیا ہے کیونکہ زینت دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جیسا کہ سورہ کہف آیت: 7، میں ہے اور بھی بہت ساری آیتوں میں زینت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ کی جانب سے زینت کی چاہت انسانوں کی طبیعتوں میں رکھی گئی ہے دوسری جانب دنیا کی مختلف اشیاء میں کشش رکھی گئی ہے شیطان کی طرف بھی زینت کی نسبت کی گئی ہے۔ (سورہ انعام آیت:43، سورہ انفال آیت:48، سورہ نحل آیت: 63، سورہ نمل آیت:24، سورہ عنکبوت آیت: 38،) معبودانِ باطلہ کی طرف بھی نسبت ہوئی ہے۔ سورہ انعام آیت: 138، میں یہ نسبت بطور وسوسہ اور دھوکا ہے۔ اَلْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اس سے مراد مختلف لذتوں کی چیزیں ہیں یعنی اولاد، مال وغیرہ جیسا کہ سورۃ کہف آیت: 7، 46، اس کی تفصیل سورۃ آل عمران آیت: 14، میں ہے وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس میں سبب کو مسبب پر عطف کیا گیا ہے یعنی دنیا کی یہ زیب و زینت ایمان والوں کے ساتھ تمسخر کا سبب ہے یعنی ان کی غربت، مسکینی، افرادی قلت اور نبی کی اطاعت ان کے تمسخر کا سبب بنی۔ یَسْخَرُوْنَ امام ابن عاشورؒ کا قول ہے کہ اس کا مادہ سخر سے لیا گیا ہے اور سخر اس تعجب کو کہا جاتا ہے جس میں اس شخص کی حقارت اور تذلیل بھی شامل ہو جس کا مذاق اڑایا جارہا ہو۔ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقوے والا ایمان سبب عزت ہے جیسا کہ سورہ حجرات میں فرمایا (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ) سورہ حجرات آیت:13 فَوْقَهُمْ فوقیت دو قسم کی ہے۔ (۱) مکان اور جگہ کے اعتبار سے کیونکہ جنت جہنم سے اوپر ہے اس لئے اس کو علیین کہا گیا ہے اور کافروں کے مقام کو سجین کہا گیا ہے۔ سورہ مطففین، (۲) بلندی مجازی ہے یعنی مرتبہ، عزت، اکرام اور کثرت انعام مراد ہیں اور وہ بھی جنت میں ہیں۔ فائدہ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کافروں اور بے دین لوگوں کے استہزاء کی ایمان والے پرواہ نہ کریں بلکہ اس کو نظر انداز کریں انکے استہزا سے ایمان والوں کے اعزاز و کرامت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا ہے۔ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اس جملہ میں تین احتمالات ہیں۔ (۱) یہ کافروں کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اس میں سوال کا جواب ہے کہ کافروں کو مالدار بنانا ان کے حق پرستی کی دلیل ہے؟ جواب: یہ ہے کہ یہ حق و باطل کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تو مشیت و حکمت الٰہی پر بنا ہے۔ (۲) یہ ایمان والوں کے ساتھ متعلق ہے تو پھر ان کیلئے دنیاوی اور اخروی بشارت ہے۔ (۳) یہ کافروں اور مسلمانوں سب کیلئے عام ہے اور اس وہم کو ختم کرنا مقصود ہے کہ یہ حقانیت اور اللہ کے پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ مشیت ربانی ہے۔ مَنْ یَّشَآءُ میں بھی یہ تینوں احتمالات ہیں اور یَشَآءُ میں دو احتمال ہیں (۱) مشیت ارادہ کرنے والے کے معنی میں ہے (2) رضا کے معنی میں ہے اور پھر رزق میں بھی دو احتمال ہیں (۱) دنیاوی رزق (۲) اخروی رزق یعنی جنت اور بِغَیْرِ حِسَابٍ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آٹھ احتمالات ہیں (۱) اتنا دیتا ہے کہ جسکو بندہ گن بھی نہیں سکتا ہے (۲) اپنی مصلحت سے دیتا ہے انسانوں کی مانگ یا حساب سے نہیں (۳) بندہ جتنے کا مستحق ہوتا ہے اس سے بڑھ کر دیتا ہے (۴) دیتا ہے اور واپس نہیں لیتا ہے (۵) بغیر تنگی کے دیتا ہے۔ ان پانچ احتمالات میں مسلمان وکافر سب مشترک ہیں کیونکہ اس سے دنیاوی رزق وغیرہ مراد ہے۔ (۶) دیتا ہے اور ان سے حساب نہیں کرے گا (۷) اپنے فضل سے جنت میں ان کے حق سے بڑھ کر دیگا۔ (۸) دنیا میں ایسی جگہ سے دیتا ہے جہاں سے بندے کے گمان میں بھی نہ ہو جیسا کہ فرمایا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ امام راغبؒ نے فرمایا کہ یہ تینوں توجیہات ایمان والوں کے ساتھ خاص ہیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ "لوگ ایک ہی گروہ (توحید) پر قائم تھے تو جب انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو ڈرانے اور بشارت دینے کیلئے بھیجا اور لوگوں میں مسائل اختلافیہ میں حق کے فیصلوں کیلئے کتابیں نازل کیں (تا کہ ان کے درمیان اختلافی مسائل میں فیصلہ کریں) اور اختلاف نہیں کیا مگر ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی واضح حکموں کے بعد وہ ضد اور عناد کی وجہ سے اختلاف پر چل پڑے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ان لوگوں کو ان مسائل اختلافیہ میں حق کی طرف رہنمائی کی جو ایمان لائے تھے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے [213]

تفسیر 213: اس آیت میں اشارہ ایک اور خطاب کی طرف ہے جو اس امت کو ہو رہا ہے اور وہ دعوت کا حکم دینا ہے اللہ کی کتاب کی طرف اختلاف دور کرنے کے لئے تو یہ متعلق ہے سابقہ خطاب کے ساتھ جو کہ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ہے۔

ربط: (1) پہلے موجودہ کافروں کا کفر پر اصرار ذکر ہوا اب یہ بات بتائی گئی کہ یہ عمل سابقہ دور میں بھی ہوا ہے۔ (2) پہلے انسانوں کی دو قسموں کا بیان ہوا اب اختلاف کا علاج بیان ہو رہا ہے جو کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح دعوت دینی ہے۔

خلاصہ: اس آیت میں چار بڑے بڑے جملے ہیں۔ پہلے جملے میں وحدت کے بعد اختلاف کا ذکر ہے اور اس کا علاج مذکور ہے اور وہ منہج انبیاء پر کتاب اللہ کی طرف دعوت ہے۔ دوسرے جملے میں مذکور ہے کہ اختلاف کس نے برپا کیا ہے؟ کب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بر پا کیا ہے۔؟ اور کیوں بر پا کیا ہے۔؟ تیسرے جملے میں یہ مذکور ہے کہ اختلاف کے وقت اہل ایمان ہی ہدایت پر گامزن ہوتے ہیں۔ چوتھے جملے میں ہے کہ ہدایت اللہ تعالی کے اختیار میں ہے اور اللہ تعالی کا راستہ تو صراط مستقیم کہلاتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً امت ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز پر مجتمع (جمع) ہوں اور بعض بعضوں کی اقتداء کر رہے ہوں نیز لفظ امت کے معانی گزر گئے ہیں۔ وَّاحِدَةً اس لفظ میں وحدت کی صراحت ہے مگر ان کے طریقوں میں اختلاف ہے اس میں پانچ اقوال مذکور ہیں۔(۱) ایمان میں وحدت (۲) کفر میں وحدت (۳) فطری پیدائش میں وحدت (۴) احکام شرعی میں وحدت (۵) ایک ذات سے پیدا ہونے میں وحدت۔ البتہ بہتر قول پہلا ہے۔ اسی قول کو امام ابن کثیرؒ نے ابن عباس سے نقل کرنے کے بعد سند اور معنی کے اعتبار سے ترجیح دی ہے اور اس کی تائید ابن مسعود اور اُبی بن کعب کی قراءت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں لفظ فَاخْتَلَفُوْا اور سورہ یونس آیت:19، میں بھی فَاخْتَلَفُوْا اور یہاں پر بھی فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مذکور ہے جو اس پر دلیل ہے تو معلوم ہوا کہ النَّاسُ سے مراد وہ دس نسلیں ہیں جو آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک گزر گئی ہیں ان میں اگرچہ معاصی (نافرمانیاں) آ گئی تھیں مگر توحید پر مجتمع اور متحد تھیں بعد میں ان کے اندر شرک کی بیماری پیدا ہو گئی۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ كَانَ صرف ثبوت کیلئے ہو اس سے مراد انبیاء کے ادوار ہوں کہ نبی اپنی امت کو دعوت دیتے اور مخالفین کو اللہ تعالی ہلاک کر دیتے۔ اور موحدین ایک مدت تک متحد رہتے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا تا شرک کا ارتکاب کر لیتے تو اللہ تعالی اور نبی کو اور رسال (مبعوث) کر دیتا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے کوئی زمانہ ہدایت کے داعی مبلغ رسول کے بغیر نہیں چھوڑا بلکہ رسولوں کا تسلسل جاری رکھا۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ بعض مفسرین کے بقول کل انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے (مشکوۃ احوال القیامۃ حدیث 5669، قال الالبانی صحیح سلسلۃ الصحیحۃ رقم 2668 وصححہ ابن حبان 2079) جن میں تین سو تیرہ رسول تھے قرآن کریم میں اٹھارہ نام ان میں سے آتے ہیں۔ النَّبِيّٖنَ اس سے مراد رسول ہیں کیونکہ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ مُنْذِرِيْنَ اور مُبَشِّرِيْنَ والی صفات رسولوں کی ہیں وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مَعَهُمْ میں مراد معیت زمانی ہے اور اس میں دو فائدے ہیں (۱) ہر ایک کو مستقل الگ کتاب نہیں دی مگر اس کو کتاب سے خالی بھی نہیں چھوڑا (۲) اس میں تائید اور نصرت کی طرف اشارہ ہے الْكِتٰبَ اس میں الف لام استغراقی ہے اور جمع جب جمع کے مقابل آ جائے تو وہ تقسیم کا تقاضا کرتا ہے لہذا افراد کی افراد پر تقسیم مراد ہے یعنی ہر ایک رسول کے پاس ان کی کتاب تھی یا پھر الف لام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عہدی ہے۔ بِالْحَقِّ یہ أَنْزَلَ کے ساتھ متعلق ہے۔ سوال: خوف اور بشارت تو کتاب سے حاصل ہوتی ہے تو یہاں پر کتاب میں انبیاء علیہم السلام کو کیوں ذکر کیا ہے۔؟ جواب ۱: خوف اور خوشخبری وحی کی ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اگر مستقل کتاب نہ ہو۔ جواب ۲: مُبَشِّرِيْنَ اور مُنْذِرِيْنَ النَّبِيّٖنَ کی صفت تھی اس لئے متصل ذکر کی ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِؕ نزول وحی کا سب سے بڑا مقصد انذار ہے۔ یعنی صرف کتابوں کے بھیجنے کا مقصد تلاوت، حفظ اور ختم القرآن نہیں يَحْكُمَ کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے اور حکم کی نسبت کتاب کی طرف مجازاً ہے۔ یا ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور حکم سے حق وباطل میں فرق وتمیز مراد ہے اور کتاب اللہ کی دعوت سے اختلاف ختم ہوتا ہے نیز یہ کہ ان جاہلوں پر رد بھی ہے کہ قرآن کی دعوت سے اختلاف نہیں پیدا ہوتا ہے۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ اس میں دو احتمالات ہیں (۱) اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اور وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ میں ایک ہی مراد ہے۔ پہلے میں اختلاف کی نسبت عوام الناس کی طرف تھی اور اب علماء کے ساتھ مختص ہے۔ (۲) کتاب کے نزول سے قبل لوگ اختلاف میں تھے کتاب اللہ نے ان کا اختلاف ختم کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد امتوں میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ اور پھر اختلاف کی طرف چلے گئے۔ اور یہ انہوں نے تلبیس اور تحریف کرتے ہوئے شریعت کے اصولوں میں بگاڑ پیدا کیا یہاں تک کہ آپس میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے لگے۔ اُوْتُوْهُ قرینہ کی وجہ سے دوسرا احتمال زیادہ بہتر ہے۔ اُوْتُوْهُ میں ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے اور جن کو کتاب دی گئی وہ اہل علم ہیں لیکن بے عمل ہونے کی وجہ سے ان کو صیغہ مجہول سے ذکر کیا گیا۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بینات سے مراد کتاب کی وہ واضح آیتیں تھیں جو اختلاف کے خاتمہ کا سبب تھیں مگر انہوں نے ان آیتوں کو اتفاق کے بجائے اختلاف کا ذریعہ بنایا۔ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا یہ اختلاف اجتہادی نہیں تھا بلکہ ضد، عناد اور تعصب کی بناء پر تھا اور جہالت کی بناء پر نہیں تھا بلکہ ظلم، حسد اور قصد کی بناء پر تھا۔ سوال: حسد اور بغض تو اہل حق کے خلاف ہوتا ہے جبکہ یہاں تو ان کا ذکر نہیں ہے؟۔ جواب ۱: اس میں دوسری جانب مقدر ہے یعنی بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَهْلِ الْحَقِّ لیکن چونکہ حسد ایک ہی جانب سے تھا اس لئے دوسری جانب کو ذکر نہیں کیا۔ جواب ۲: اس کا متعلق مقدر ہے یعنی وَبَاضَ بَيْنَهُمْ (پھیل گیا تھا) اور ان کے درمیان انڈے دے دیے تھے یعنی عداوت کا ذکر اس سورہ آیت :90، میں گزرا ہے۔ سورہ آل عمران آیت :19، سورہ شوریٰ آیت :14، سورہ جاثیہ آیت :17، اس آیت میں علماء سوء کی انتہائی مبالغے کے ساتھ برائی اور قباحت بیان کی گئی ہے۔ پہلا: انداز کلام میں پہلا مبالغہ یہ ہے کہ (مَا) اور (اِلَّا) کے ساتھ حصر کیا گیا ہے۔ دوم: لفظ اُوْتُوْهُ سوم الْبَيِّنٰتُ چہارم لفظ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بَغْيًا فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے یہ امت مراد ہے اور اخْتَلَفُوْا سے سابقہ اہل کتاب مراد ہیں یا پھر اٰمَنُوْا سے مراد ہر زمانہ کے ایمان والے اور بَغْيًا سے مراد ہر دور کے حق سے ضد و حسد کی وجہ سے مخالفت کرنے والے ہیں۔ لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ابتداء میں (فی) اور صلہ میں لام اس بات کی دلیل ہے کہ اختلاف کے دوران میں انابت کے ساتھ ایمان لانے والوں کو مضبوط اور جلد ہدایت سے نوازتا ہے۔ مِنَ الْحَقِّ اختلاف میں دونوں جانب نسبت ہوتی ہے یعنی حق اور باطل تو مِنْ بیانیہ سے اس کی وضاحت کی گئی کہ حق کی جانب والوں کو ہدایت دینا مراد ہے اور حق عام ہے جس سے مراد توحید و سنت کا صحیح عقیدہ ہے جو وحی الٰہی پر بنا ہے اور اس امت میں یوم الجمعہ، کعبۃ اللہ کی تعظیم اور ابراہیم علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی شان، کتب آسمانی پر ایمان، روزہ رکھنا ان سب کو شامل ہے مذکورہ تمام احکام میں یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا مگر اس آخری امت کو اللہ تعالیٰ نے حق کی ہدایت دی۔ بِاِذْنِهٖ یہ هُدًى کے ساتھ متعلق ہے اور اذن سے مراد علم، امر اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہدایت اور اسباب ہدایت سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یہ جملہ ماقبل کی تکمیل کیلئے ہے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے اذن سے ہے تو اب دیگر چیزوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔ (۱) ہدایت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ہے۔ ہدایت کا واقع ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازمی وجوبی طور پر نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کا عقیدہ ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی ہدایت غلطی اور خطاء سے پاک اور صراط مستقیم پر قائم ہوتی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ ”کیا جنت میں داخل ہونے کا تم لوگوں نے گمان کر رکھا ہے حالانکہ تم پر ابھی تک وہ تکلیفیں مصیبتیں نہیں آئیں جو تم سے قبل گزرے ہوئے لوگوں پر آئی تھیں ان کو جانی اور مالی تکلیفیں پہنچ گئی تھیں اور وہ مخالفتوں کی وجہ سے جھنجھوڑے گئے تھے یہاں تک کہ رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لانے والے تھے بول پڑے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی (اللہ تعالیٰ نے جواب دیا) آگاہ رہو کہ نصرت الٰہی قریب ہے۔ [214]

تفسیر 214: اس آیت میں تیسرا خطاب ہے کہ دعوت الی اللہ مصائب اور مشکلات کا راستہ ہے لہٰذا اس میں صبر کا دامن تھامنا ضروری ہے۔ ربط ۱: سابقہ آیت میں انبیاء کرام کی دعوت کا تذکرہ کیا گیا اب ان پر گزرنے والے مصائب کا تذکرہ ہے اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بتانا یہ مقصود ہے کہ وہ مصائب تم پر بھی آئیں گی۔ ربط ۲: سابقہ آیت کے آخری جملہ میں صراط مستقیم کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ یہ مشکلات برداشت کرنی پڑیں گی۔ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یہ (أَمْ) منقطعہ ہے آگے کلام سے ربط نہیں چاہتا ہے اور اس میں تین قول ہیں۔ (1) ام یہاں بَلْ کے معنی میں ہے۔ (2) یہاں پر صرف میم ہے (أَ) ہمزہ اس کے ساتھ نہیں ہے اور معنی وہی سابقہ ہے۔ (3) امام فراء کا قول ہے کہ یہ صرف ہمزہ استفہامیہ جو کہ کلام کے شروع میں آتا ہے یہ قول راجح ہے اور یہاں پر استفہام تقریری یا انکاری ہے۔ حَسِبَ، حُسْبَانٌ سے ہے یہ گمان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کبھی یقین کے معنی میں آتا ہے۔ آیت کا نزول احد، احزاب یا ہجرت مدینہ کے وقت ہوا مگر حکم عام ہے۔ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ خوب سے بلا تکلیف ابتداء سے جنت میں داخل ہونا مراد ہے ورنہ جنت میں داخلے کا وعدہ تو تمام مسلمانوں سے ہوا ہے۔ ایسا مضمون سورۃ آل عمران 142، سورہ توبہ 14، مذکورہ سورتوں میں مصائب کی جگہ جہاد کا ذکر ہوا ہے اور لفظ جہاد تمام مصائب واحتانات کو شامل ہے۔ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا لَمْ کی طرح ہے البتہ لَمَّا میں نفی ایسی ہوتی ہے جو حال تک متصل ہوتی ہے۔ يَأْتِكُمْ اتیان سے مراد اس چیز کا حصول ہے جو عدم سے وجود میں آئی ہو اور ایسی معلوم ہوتی ہو جیسا کہ کسی جگہ سے آئی ہو۔ مَثَلُ یہ صرف مشابہ کو کہا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال عجیب اور نا آشنا حالت کیلئے ہوتا ہے یہاں مراد تعجب خیز اور نا آشنا تکالیف ومصائب ہیں۔ الَّذِينَ خَلَوْا سابقہ انبیاء اور ان کی فرمانبردار امتیں مراد ہیں۔ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا یہ جملہ لفظ مَثَلُ کی تفسیر ہے۔ مَسّ اصل میں ایک جسم کے دوسرے جسم سے ملنے (پیوست) ہونے کو کہا جاتا ہے البتہ اس کا عام استعمال فقط چھو لینے پر ہوتا ہے۔ الْبَأْسَاءُ تکالیف دو قسم کی ہیں (1) مالی ہوں جن کو بَأْسَاءُ کہا گیا ہے۔ (2) بدنی امراض جن کو الضَّرَّاءُ کہا گیا ہے یہ دونوں آیت 177، میں گزر چکی ہیں۔ اور دوسری قسم کا زُلْزِلُوا میں اشارۃ ذکر ہوا ہے۔ زلزلہ اصل میں کسی جسم کو اپنی جگہ پر تیزی کے ساتھ حرکت دینا ہے یہ لفظ تکرار اور کثرت پر دلالت کرتا ہے اور اس کا تذکرہ سورہ احزاب آیت ۱۱، میں ہے۔ اس سے مراد دشمنوں کی جانب سے بدنی تکلیفیں، لعن وطعن جھوٹے الزامات، فتوے، گالی گلوچ وغیرہ ہے۔ حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ یہاں پر حَتّٰی اِلٰی کے معنی میں ہے اور (مَسّ) کیلئے (غایہ) انتہاء ہے زُلْزِلُوا کی۔ الرَّسُولُ میں الف لام عہدی ہے یعنی وہ رسول جو ان مصیبت زدہ لوگوں میں موجود تھا۔ مَعَهُ اس سے صحبت واتباع کی معیت مراد ہے۔ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ مَتٰی وقت کے سوال کیلئے ہے کبھی اِسْتِبْعَاد اور اِسْتِبْطَاء کیلئے آتا ہے جیسا کہ منکرین نے کہا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ سورہ یونس:48، سورۃ اسراء:51، اور بھی بہت سی آیتیں ہیں اور صرف دعاء کی طلب کیلئے بھی آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ سوال: متیٰ تو اِسْتِبْعَاد کیلئے آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کو بعید تصور کرتے ہیں اور یہ تو ناامیدی کی کیفیت ہے جو رسولوں کی ذات اور شان کے لائق نہیں؟ جواب ۱: کلام میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کلام امتیوں کا ہے اور اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ" کلام رسول کا ہے تاکہ امت کو تسلی حاصل ہو۔ اس جواب پر ایک اعتراض یہ ہے کہ فصیح وبلیغ کلام سے یہ بعید ہے کہ بلاضرورت اس میں تقدیم وتاخیر ہو۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ رسول ﷺ کے ساتھیوں کا اظہار ناامیدی ان کی شان کے خلاف ہے۔ جیسا کہ سورہ احزاب آیت: 11، 22، میں مذکور ہے۔ سابقہ امتیوں کا صبر بھی بہت سی آیتوں میں وارد ہے مثلاً سورہ اعراف آیت: 137، سورہ قصص آیت: 54، سورہ سجدہ آیت: 24، اور بہت سی آیتوں میں مومنین کے ساتھ صبر کی وجہ سے جنت کی بشارت اور مغفرت کا وعدہ ذکر ہے۔ جیسا کہ سورہ رعد آیت: 22، سورہ نحل آیت: 96، سورہ فرقان آیت: 75، حاصل کلام یہ ہے کہ کامل ایمان والوں نے صبر کا مظاہرہ کیا ہے لہٰذا ان کے متعلق بے صبری تصور بھی نہیں کی جا سکتی ہے۔ جواب ۲: یا پھر کلام میں انقطاع ہے یعنی يَقُوْلُ الرَّسُوْلُ تَسْلِيَةً لَهُمْ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اس جواب پر بھی سابقہ دونوں اعتراضات وارد ہوسکتے ہیں تو پھر صحیح توجیہ یہ ہے جو امام ابن عطیہ اور امام آلوسی رحمہم اللہ نے لکھی ہے کہ مَتٰى دعا کیلئے ہے نبی اور ایمان والوں نے اللہ تعالیٰ سے نصرت ومدد کی دعا مانگی۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجابت کا ذکر ہے۔ امام ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ وہ فتح طلب کر رہے تھے اور تکلیف دور کرنے کیلئے دعائیں مانگتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا امام قرطبی نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ فائدہ: کلام الٰہی کو بے ضرورت تکلفات پر حمل نہیں کرنا چاہیے خصوصاً جب اس کیلئے صحیح محمل ممکن ہو۔ یہاں پر بھی ابتدا سے جنت میں داخل ہونے کی بشارت ہے دینی مصائب و تکالیف پر صبر کرنا جنت جانے کے اہم امور میں سے ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ آپ سے سوال کر رہے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔؟ آپ فرما دیجئے وہ جو تم (حلال) مال میں سے خرچ کرتے ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں، یتیم، مساکین اور مسافروں کیلئے ہیں اور جو بھی تم نیکی کا عمل کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے" [215]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 215: خلاصہ کلام: اس آیت سے آیت: 242 تک اس حصے کا تیسرا باب ہے۔ اس میں اٹھارہ (18) احکام ہیں جن میں سے اکثر کا تعلق مال اور خواتین کے مسائل سے ہے اور ان کو امور تدبیر منزل کہا جاتا ہے۔ یعنی مومنین مجاہدین کو اپنے معاشرے کو نظام شرعی پر استوار کرنا چاہیے ان امور کو خصوصی طور پر بیان کرنے کی وجہ یہ ہے اس میں اہل جاہلیت کے رسومات اور مظالم داخل ہیں۔ تو ان سے مومنین کو بچانا مقصود ہے۔ اسی وجہ سے یہاں ہر بات کے عنوان میں اجتناب مراد ہے اور اس طرح یہ امور ذو جہتین ہیں (دو سمتوں والے) تو درست سمت کی طرف ترغیب دی جا رہی ہے۔ ربط ۱: پہلی آیت امتحانات میں الْبَأْسَاءُ کا تذکرہ ہوا جو کہ تکالیف کونیہ شرعیہ میں سے ہے جو مال سے متعلق ہے۔ تو اب اس آیت میں ان میں سے بعض کا ذکر ہو رہا ہے۔ ربط ۲: سابقہ آیت میں حصول جنت کیلئے کچھ طریقے ذکر ہوئے تو اب اس آیت میں جنت کے حصول کے مزید اور طریقوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ ربط ۳: ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً کے بعد جو احکام مذکور ہیں وہ تمام شریعت مطہرہ سے متعلق ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ رسوم اور امور جاہلیت سے پاک ہوں۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ مال خرچ کرنے کے مصارف شرعیہ کون سے ہیں اور اس میں مقصود اسراف اور فضول خرچی کرنے سے اجتناب ہے۔ مال خرچ کرنے میں دو جہت ہیں۔ (۱) جاہل لوگ فضول خرچی اور اسراف میں مال ضائع کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ صحیح مصارف میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سوال عمرو بن جموح نے کیا تھا کہ اپنے مال میں کتنا خرچ کریں اور کن پر خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ہر مومن مسلمان کو اس سوال کے جواب کی ضرورت ہے اس لئے جواب جمع کی صورت میں ذکر ہوا ہے۔ مَاذَا کا معنیٰ ہے أَيُّ شَيْءٍ یعنی کون سی چیز یا أَيُّ شَيْءٍ الَّذِي یعنی وہ کون سی چیز ہے تو جواب ہوا کہ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ سوال: یہ ہے کہ اس سوال و جواب میں مطابقت کس طرح ہے؟۔ جواب ۱: سوال میں دو چیزیں تھیں تو جواب میں بھی دو چیزیں ہیں ایک جواب مِّنْ خَيْرٍ کے لفظ میں اور دوسرا جواب فَلِلْوَالِدَيْنِ میں موجود ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ سوال میں اہم مصارف کا علم سیکھنا مقصود تھا تا کہ جاہلیت کے طریقوں سے اجتناب ہو جائے اس لئے جواب میں صرف مصارف کا ذکر ہوا ہے۔ مِّنْ خَيْرٍ خیر سے مراد ہر حلال مال ہے اس لئے مقدار کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے اس وجہ سے نکرہ ذکر کیا گیا ہے۔ فَلِلْوَالِدَيْنِ اس آیت میں انفاق سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ والدین تو زکوٰۃ کے مستحقین میں سے نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد بندوں کے وہ واجبی حقوق ہیں جو ان کی محتاجی اور ضرورت کے وقت ادا کیے جاتے ہیں۔ آیت میں بہترین ترتیب ہے پہلا حق والدین کا ذکر کیا ہے کیونکہ حقوق اللہ کے بعد والدین کا حق ہے جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت: 23، میں مذکور ہے وہ والدین مراد ہیں جو کام کاج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ے قاصر ہوں اور اولاد صاحب استطاعت ہو تو پھر ان پر خرچ کرنا واجب ہے۔ پھر وَالْاَقْرَبِيْنَ کا ذکر ہے جو والدین کی وجہ سے ان کے رشتے قائم ہوتے ہیں یہ بھی واضح ہے کہ انسان اپنے رشتہ داروں کے حالات غربت وفقیری کو زیادہ جانتے ہیں۔ پھر وَالْيَتٰمٰى یتیموں کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ کمانے کی طاقت نہیں رکھتے اور مال کمانے والا ان کا کوئی نہیں ہے لہٰذا وہ زیادہ ضرورت مند ہیں اس لئے باقی لوگوں پر ان کو مقدم کیا۔ وَالْمَسٰكِيْنِ پھر مساکین کا ذکر کیا کیونکہ ان کی غربت بھی ظاہر ہے ان کے پاس مال و دولت نہیں کھانے پینے کیلئے محتاج اور ضرورت مند ہوتے ہیں وَابْنِ السَّبِيْلِ پھر مسافروں کا تذکرہ ہے کیونکہ مسافر اپنے اہل سے عارضی طور پر الگ ہوتا ہے اس لئے وقتی طور پر یہ لوگ ضرورت مند ہیں تو ان پر بھی خرچ کرنا واجب ہوتا ہے۔ سوال: ایسا وجوبی انفاق بغیر زکوٰۃ کے آیت 177، میں بھی گزر گیا ہے وہاں والدین کا ذکر کیوں نہیں ہے؟۔ جواب: جب والدین اولاد کے مال میں مثل مالک کے ہوتے ہیں جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے۔ اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (فتح الباری 211/5، صحیح ابن حبان کتاب البر حدیث 410، ابوداؤد حدیث 2291، ابن ماجہ 2292، احمد) یعنی تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے۔ جبکہ وہاں لفظ آتَى الْمَالَ آیا ہے اور ایتاء تو مالک کے لئے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے اور انفاق مالک اور غیر مالک دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ سوال: وہاں وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ بھی مذکور ہے جبکہ یہاں پر ذکر نہیں ہے؟ جواب: اس آیت میں پوری نیکی کرنے کا ذکر مقصود تھا اور لفظ بِرٌّ وسعت اور فراخی پر دلالت کرتا ہے اس لئے وہاں مصارف زیادہ ذکر کئے گئے ہیں۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد اس کا اجمالی خلاصہ ذکر ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیکی کے کام اس کے علاوہ بھی ہیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ اس جملہ میں اطمینان دینا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرا کوئی عمل ضائع نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے علم کے موافق بدلہ دیتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ "قتال تم پر فرض کیا گیا ہے جبکہ وہ تمہیں ناپسند ہے قریب ہے کہ کوئی چیز جو تمہیں ناپسند ہو اور تمہارے لئے اس میں خیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز پسند ہو اور اس میں تمہارے لئے شر ہو (کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ [216]

تفسیر 216: اس آیت میں تدبیر منزل کے امور میں سے دوسرا حکم شرعی ہے۔ اس میں شریعت کے امور کی پابندی اور خواہش کی پیروی سے اجتناب کا حکم ہے اور اس بات پر تنبیہ دینا مقصود ہے کہ خبردار خواہش معیار حق نہیں ہے بلکہ ہر عمل کی اچھائی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برائی پرکھنے کیلئے معیار شریعت ہے اور اس کے لئے بطور مثال قتال فی سبیل اللہ کو بیان فرمایا۔ ربط ۱: مصائب میں دوسری قسم الضراء تھی یعنی جسمانی تکلیف اور اس کی مثال شرعی امور میں قتال ہے۔ ربط ۲: سابقہ آیت میں جنت کے حصول کیلئے مالی عبادت کو ذکر تھا تو اس آیت میں اس مقصد کے لئے بدنی عبادت کا ذکر ہو رہا ہے۔ ربط ۳: سابقہ آیت میں وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ کا ذکر ہوا تو اس آیت میں اس کیلئے قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ یہ تعبیر آیت: 178، 180، 183 سے منسلک ہے۔ كُتِبَ فعل ماضی یہاں پر بالمعنی ہے یعنی اس سے قبل آیت 190 میں قتال کی فرضیت ہوئی ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ جہاد وقتال فرض کفایہ ہے البتہ جب کفار دار الاسلام پر حملہ آور ہو جائیں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ الْقِتَالُ اس میں الف لام عہدی ہے یعنی دین کے دشمنوں سے جنگ کرنا ہے وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ امام قرطبی نے ابن عرفہ سے نقل کیا ہے کہ كُرْهٌ کاف کے پیش کے ساتھ مشقت اور نفرت کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ کاف کے زبر کے ساتھ اکراہ کے معنی میں ہے دونوں ایک دوسرے کی جگہ میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جہاد وقتال مشقت اس لئے ہے کہ اس میں مال ودولت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ وطن اور اہل کو چھوڑنا اور زخم برداشت کرنا یہ سب کام طبعی طور پر ناپسندیدہ اور مشکل ہیں۔ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر جہاد ایسے حال میں فرض کیا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ تمہیں طبعی طور پر ناگوار ہوگا۔ امام ابن عاشور نے فرمایا کہ یہ آیت سابقہ آیت کیلئے علت ہے یعنی جب مسلمان ابتدا میں کم تھے ایک کے بدلے میں دس افراد کا مقابلہ تھا تو اس وقت مسلمانوں کیلئے یہ سبب کراہت تھی لیکن بعد میں جب تخفیف کا حکم نازل ہوا اور ایک کے مقابلہ میں دو افراد سے لڑنا جب ہوا تو یہ کراہت ختم ہوگئی۔ سوال: یہ خطاب صحابہ کرام سے ہو رہا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرائض عبادت کو کیونکر مکروہ سمجھا جبکہ یہ تو عام مسلمانوں کے تصور سے بھی بعید ہے۔؟ جواب ۱: یہ بات ظاہر ہے کہ یہ طبعی کراہت ہے جس پر اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرتے ہیں کیونکہ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جبکہ یہ کراہت بھی بعد میں زائل ہوگئی۔ جواب ۲: تفسیر اللباب میں ہے کہ یہ کراہت فرضیت قتال سے پہلے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں کوئی چیز (یا کام) ناپسند ہوتا ہے فرضیت سے پہلے مگر اس میں تمہارے لئے خیر ہوتی ہے۔ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اس میں اشارہ ہے کہ جہاد میں دو جانب ہوتی ہیں اور اس میں ایک سوال کا جواب بھی ہے سوال یہ تھا کہ جب جہاد وقتال انسان کیلئے ناپسندیدہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کو فرض نہ کرے تو جواب ان لفظوں میں دیا گیا ہے کہ وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور جملہ كُتِبَ عَلَيْكُمْ پر معطوف ہے۔ اور وَهُوَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خَیْرٌ لَّکُمْ جملہ حالیہ ہے اور اس جواب میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر شفقت اور لطف کا اظہار ہے کہ ان کو اپنی حکمت کو بتاتا ہے کہ یہ حکم شرعی پر حکمت ہے کیونکہ حکمت کے معلوم ہونے سے بندوں کو عمل میں رغبت اور آسانی پیدا ہوتی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جنگ مشروع ہونے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ ان کی طبیعتوں پر بوجھ ہو اور اس جملہ میں کراہت سے طبعی کراہت مراد ہے اور ترجی کے معنی میں ہے اور عسیٰ افعال مقاربہ میں سے ہے اور ترجی کیلئے آتا ہے یعنی ایسی چیز کی امید جس کا حاصل کرنا ہو اس کیلئے آتا ہے اس کا اسم مرفوع اور خبر منصوب ہوتی ہے لیکن جب اس کے بعد اَنْ و اَنَّ ذکر ہو جائے تو پھر عسیٰ تامہ کہلاتا ہے اور عسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترجی اور امید کے معنی میں نہیں آتا ہے بلکہ وجوب اور یقین کے معنی میں آتا ہے اس لیے جہاد میں خیر واضح ہے یا تو دنیا میں غلبہ اور مال غنیمت حاصل ہوگا یا شہادت اور جنت حاصل ہوگی۔ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اس مقام پر مثال یہ ہے کہ جہاد سے رہ جانے میں نفس کی محبت ہے مگر اس کا نتیجہ ذلت دنیوی اور محرومی ثواب بہت زیادہ ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یہ پہلی دونوں جملوں کیلئے علت ہے۔ اور علم سے مراد کلی طور پر شر اور خیر کا علم ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور تمام بندوں سے یہ سب حقائق پوشیدہ ہیں۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ آپ سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کے متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ ان مہینوں میں جنگ بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا اور اس کے راستے سے لوگوں کو منع کرنا اور مسجد الحرام سے لوگوں کو منع کرنا اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ شرک سے بڑا گناہ ہے اور یہ لوگ ہمیشہ تمہارے ساتھ قتال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر طاقت پائیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور جو بھی تم میں سے پھر گیا اور اس حال میں مر گیا کہ وہ کافر ہو تو پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور یہ لوگ جہنم والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔[217]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفسیر 217: چونکہ پچھلی منزل کے اوامر میں سے تیسرا اہم امر حرمت والے مہینوں میں قتال سے متعلق ہے یعنی قتال کا دن جس آسمان کا آفتاب اور انتہائی مشکل سے ایسا ہے کہ مقصود ہے آسمان کے آفتاب کا ثبوت کے لئے ان افیرہ ادیا ہے۔ اور اس کی مثال مشرکین سے قتال ہے کیونکہ شرک قتل سے بڑھ کر جرم ہے اگر یہ قتال کی ضرورت حرمت والے مہینوں میں آ جائے۔ یہ حکم بھی حرمت والا ہے یعنی ایک جانب گناہ ہے تو دوسری جانب ہدایت ہے کیونکہ آپ جب پہلا ... سابقہ آیت میں عام قتال وجہاد کا حکم تھا جس میں دو جانب کا ذکر تھا اس آیت میں قتال خاص کا ذکر ہے۔ پہلا امام ابن عاشور کا قول ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت سابقہ آیت کے بعد متصل نازل ہوئی ہے اور اس کی تائید ظاہر ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اس کے سبب نزول میں مختلف اقوال ہیں۔ اس میں مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت امام کے اول (سریہ) دستہ کے متعلق نازل ہوئی (سریہ کا اس چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ نے بھیجی ہو اور خود رسول اکرم ﷺ اس میں شامل نہ ہوں۔ اس دستہ کے امیر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے قریشیوں کے طائف سے آنے والے قافلہ پر حملہ کر کے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ یہ واقعہ جمادی الآخر کے آخری دن (واقع ہوا) لیکن شبہ یہ ہوا کہ یہ رجب کی پہلی تاریخ ہے تو مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ایک طرف ملت ابراہیم کا دعویٰ کرتے ہو جبکہ دوسری جانب اس کی ملت سے انحراف کرتے ہو اس لئے حرمت والے مہینہ میں قتل کے مرتکب ہوئے ہو اس طعن اور شک (اشتباہ) کو دور کرنے کیلئے صحابہ کرام نے سوال کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حدیبیہ میں ایسا سوال پیش آیا تھا جب مشرکین نے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کو عمرہ کرنے سے منع کیا تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے قتال پر بیعت لی اور وہ مہینہ ذوالقعدہ کا تھا جو کہ حرمت والا مہینہ ہے اس پر مشرکین یا مسلمانوں نے سوال کیا جو کہ نزول آیت کیلئے سبب بنا۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے جملہ سے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اس میں الف لام جنسی ہے یعنی ہر حرمت والا مہینہ اس وجہ سے نحوی لحاظ سے بعد میں قتال نکرہ ہے جو کہ اس سے بدل اشتمال بن سکتا ہے۔ بعض مفسرین کے بقول اس میں الف لام عہدی ہے اور اس میں رجب کا مہینہ مراد ہے اور وہ فِيْهِ کی وجہ سے معرفہ ہوا ہے نکرہ نہیں ہے۔ قِتَالٍ فِيْهِ یہ الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے بدل اشتمال ہے اس سوال میں مقصد قتال کے جائز یا ناجائز ہونے کی وضاحت ہے وقوع ہونا مراد نہیں ہے۔ سوال: ایسا سوال کیوں نہیں کہا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْقِتَالِ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ ؟؟ جواب: اس میں اشارہ ہے شہر حرام کے اہتمام کی طرف نہ کہ قتال کی طرف نیز قتال کو نکرہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس میں متعین قتال مراد نہیں ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ نزولِ آیت میں مذکور ہے بلکہ جنس قتال مراد ہے۔ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ سوال: یہاں پر ضمیر ذکر کرنی چاہیے تھی۔؟ جواب: اس میں سوال کے ساتھ مطابقت ہے تا کہ وہم پیدا نہ ہو کہ اَلشَّهْرُ کی طرف ضمیر راجع ہے۔ سوال: لفظ قتال الف لام کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔؟ جواب ۱: قتال کا حکم کسی خاص قسم کے قتال کیلئے نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ جواب ۲: تفسیر اللباب میں ہے کہ سوال میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا قتال کا مراد ہے (طبرانی کبیر 1670، شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے فقہ السیرۃ 227، ابویعلی 1534 بیہقی فی سنن الکبریٰ 9/11-12، تفسیر ابن جریر طبری 4087) جو کہ گناہ کبیرہ نہیں تھا جبکہ جواب میں وہ قتال مراد ہے جس میں اسلام کی تذلیل اور کفر کی نصرت ہو اس لئے اس کو نکرہ ذکر کیا کہ وہ سابقہ قتل کے علاوہ ہے لفظ کبیر مخلوق کی صفت میں بڑے جسم والے کو کہا جاتا ہے جس کا وجود بھاری قسم کا ہو اور قوی ہو لیکن یہاں مراد بڑا گناہ ہے۔ فائدہ: اس سورۃ کی آیت: 191، کے سبب سے دفاعی قتال کے جواز پر حرمت والے مہینے میں علماء کا اتفاق ہے البتہ اختلاف ابتداء کرنے میں ہے۔ اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیتوں سے منسوخ ہوئی ہے یعنی فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ اور قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً وجہ یہ ہے کہ یہ آیتیں بھی عام ہیں اور اس آیت سے نزول میں بھی موخر ہے۔ دوسرا قول امام مجاہد و عطاء رحمہم اللہ کا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس قول کو امام ابو حیان نے مختار قرار دیا ہے کیونکہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عام خاص کو منسوخ نہیں کر سکتا ہے۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اس کے بعد مشرکین سے شہر حرام میں قتال کیلئے چھ علتوں کا ذکر کیا ہے جو ان سے قتال کیلئے سبب بنتے ہیں۔ یعنی اے مشرکین تم جو چھ اعمال کر رہے ہو وہ تو بہت بڑے جرائم ہیں بنسبت اس عمل کے جو مسلمانوں سے صادر ہوا ہے لہٰذا دفاع کیلئے قتال جائز ہے۔ صَدٌّ یہ مصدر ہے جس کا فاعل اور مفعول ہوتا ہے یعنی صَدُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ اور سَبِيلِ اللَّهِ عام ہے اسلام، ہجرت، حج، قرآن، عمرہ وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ وَكُفْرٌ بِهِ یہ دوسری علت ہے۔ (بِهِ) ضمیر اللہ تعالیٰ یا سبیل اللہ کی طرف راجع ہے۔ کفر اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور احکام سے انکار اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب اس میں شامل ہیں۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ تیسری علت ہے جو کہ سبیل اللہ پر عطف ہے اور صَدٌّ کے تحت ہے اس ترتیب میں سب سے مقدم زیادہ قبیح کو رکھا ہے جو کہ صَدٌّ ہے کفر اور صد دونوں کو عام ذکر کیا ہے یا بِهِ کی ضمیر پر عطف ہے۔ کوفی نحویوں کے نزدیک درست ہے اور کفر سے مراد مسجد حرام سے لوگوں کو منع کرنا ہے جو طواف اور نماز کیلئے داخل ہوتے ہیں۔ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے۔ اور اھل ان کو کہا جاتا ہے جن کا مضاف الیہ کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پورا پورا (اختصاص) خاص تعلق ہو جیسا کہ اہل البلد، اہل القرآن، اہل الحدیث وغیرہ میں ہے۔ یہاں اہل سے مراد مؤمنین ہیں جن کو سورہ انفال آیت: 34، میں اولیاء کہا گیا ہے۔ ان کو مسجد حرام کے اہل اور اولیاء اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے اس کو تعمیر و آباد کیا تھا یہ لوگ اس کی ملت کے پیروکار ہیں نیز یہ لوگ اس گھر (بیت اللہ) کے رب کی توحید میں مخلص ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کرنا بیت اللہ کی اور اس میں رہنے والوں کی توہین ہے اور تذلیل و توہین کفر اور ظلم ہے۔ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ بہتر قول یہ ہے کہ یہ لفظ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کیلئے خبر ہے اور اس کی معطوفات میں سے ہیں مذکورہ گناہوں کا بڑا ہونا ظاہر ہے حرمت والے مہینے میں قتال سے کیونکہ یہ چیزیں اسباب قتال میں سے ہیں۔ جبکہ عبداللہ بن جحش کا قتال رجب میں اس خیال سے تھا کہ یہ رجب نہیں ہے جبکہ اس کے برعکس یہ سارے کام مشرکین حرمت والے مہینوں میں کیا کرتے تھے۔ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ یہ پانچویں علت ہے لفظ فتنہ کی تفصیل گزر گئی ہے یہاں پر مفسرین کے دو اقوال ہیں۔

پہلا قول: اس سے مشرکین کا کفر اور شرک مراد ہے یعنی مشرکین کا کفر و شرک حرمت والے مہینوں میں کسی مشرک کا مسلمانوں کے ہاتھوں مارنے سے بہت بڑا فتنہ اور جرم ہے۔ دوسرا قول: کسی مسلمان کو دین توحید سے پھیر دینا اور اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اس کو سزائیں دیکر ایمان لانے سے منع کرنا اور قولاً و فعلاً اس کو تنگ کرنا یہ بہت بڑا جرم ہے کیونکہ یہ بہت سارے کفریات کو شامل ہے۔ امام رازی نے فرمایا ہے کہ یہاں پر یہ قول اس لئے بہتر ہے کہ کفر کا بڑا جرم ہونا تو پہلے كُفْرٌۢ بِهٖ میں ذکر ہوا ہے اگر یہاں بھی وہی مراد لیا جائے تو تکرار آئے گا۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا یہ چھٹی علت ہے یعنی مشرکین کا مسلمانوں سے ہر وقت لڑنا تا کہ ان کو دین اسلام سے پھیر کر مرتد بنا دیں یہ کسی مشرک کو حرمت والے مہینہ میں قتل کرنے سے بڑا جرم ہے کیونکہ قتال تو مختلف اور انتہائی اذیتوں پر مشتمل ہے جبکہ قتل تو اس کا ایک جزء (ٹکڑا) ہے۔ یہاں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال: یہ حَتّٰى انتہائے غایہ کیلئے ہے۔ دوسرا احتمال: یہ علت کیلئے ہے یہ دوسرا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ مشرکین کی لڑائی اصل میں مسلمانوں کو مرتد کرنے کیلئے ہے۔ اِنِ اسْتَطَاعُوْا حرف شرط اِنْ کے ذریعے دلالت کر رہا ہے کہ صحابہ کرام دین اسلام پر انتہائی سخت عمل پیرا تھے ان پر مشرکین کا اختیار اور بس نہیں چل سکا ہے تو ان کی تمام کوششیں رائیگاں چلی گئیں یعنی عبث اور باطل ثابت ہوئیں۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ جب مشرکین کی کوشش کا ذکر ہوا کہ وہ مرتد کرنے پر تل گئے ہیں تو اب مسلمانوں کے اندر دو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گروہوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلا گروہ: وہ لوگ جو دین سے مرتد ہو جائیں ان کیلئے وعید ذکر ہو رہی ہے یہاں مَنْ سے مراد مسلمان ہے اور دِیْنِہٖ سے مراد اسلام ہے۔ دوسرا گروہ: دوسری قسم اگلی آیت میں ہے۔ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ اس سے مراد یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد حیات میں توبہ کیئے بغیر مر جائے اس آیت میں اشارہ ہے کہ مرتد شخص اگر توبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کیلئے گنجائش ہے اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ موت عَلَى الْكُفْرِ کو مُوَافَاتْ کہا جاتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ حَبِطَ عربی میں حَبَطَ کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اونٹ کوئی زہریلی جڑی بوٹی کھا لے اور پھر پیٹ پھول جائے اور اس سے مر جائے جبکہ اصطلاح شرعی میں کسی عمل کا بے فائدہ اور باطل ہونا مراد ہے۔ أَعْمَالُهُمْ مراد وہ نیک اعمال ہیں جو انہوں نے حالت اسلام میں کیے تھے یعنی روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ فائدہ: کیا صرف ارتداد سے اعمال برباد ہو جاتے ہے یا ارتداد کی حالت میں مرنا حبط اعمال کے لئے شرط ہے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ مرتد جب بغیر توبہ کئے مر جائے تو اس کے اعمال برباد ہیں البتہ مرنے سے قبل اگر اخلاص کے ساتھ توبہ کرلے تو سابقہ اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ اور ان کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اس آیت میں حالت کفر میں مرنے کی شرط لگائی گئی ہے۔ امام مالک اور ابو حنیفہ رحمھم اللہ کے نزدیک صرف مرتد ہونے میں تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں اگرچہ بعد میں توبہ کرلے اور ان کے دلائل سورہ مائدہ آیت: 5، سورہ انعام آیت: 88، سورہ اعراف آیت: 3، سورہ زمر آیت 65 ہے، کیونکہ یہ آیتیں مطلق ہیں اور اس آیت میں فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہ شرط جو بعد میں ذکر ہوئی ہے جہنم میں ہمیشہ ہونے کیلئے ہے۔ سوال: یہاں مطلق آیت کو مقید پر محمول کرنا لازم آرہا ہے جیسا کہ یہ اصول کتب فقہ میں مذکور ہے۔؟ جواب: یہاں مسئلہ مطلق اور مقید کا نہیں ہے بلکہ قانون یہ ہے کہ جب ایک حکم کو دو شرطوں کے ساتھ معلق کیا جائے اور دوسری جگہ ایک شرط کے ساتھ معلق ہو جائے تو یہ حکم واقع ہوتا ہے ہر ایک شرط کے وجود کے وقت اور یہاں بھی یہی محل ہے۔ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا میں حبط عمل کی بربادی یہ ہے کہ قدرت ہوتے پر اس کو قتل کیا جائے گا۔ اگر مقابلہ کرے تو اس کے ساتھ جنگ ہوگی اور مؤمنین نہ تو اس کی نصرت کریں گے اور نہ ہی اس کے ساتھ دوستی اور تعلقات قائم کریں گے اس کی بیوی کو اس سے جدا کیا جائے گا۔ مسلمانوں کی میراث سے محروم ہوگا اور کسی قسم کی تعریف کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور آخرت میں اعمال کی بربادی یہ ہے کہ جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم ہوگیا اجر وثواب ضائع ہوا اور ہمیشہ کیلئے جہنم میں ہوگا۔ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یہ جملہ سابقہ وَأُولَٰئِكَ پر عطف ہے اور یہ شرط میں لفظ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ کی تشریح ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے ایمان لایا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ [218]

تفسیر 218: اس آیت میں دوسری قسم کے مسلمانوں کا ذکر ہے کہ مصائب اور مشکلات کے باوجود دین اسلام سے پھرنے والے نہیں ہیں بلکہ کافروں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر دین کی حفاظت کیلئے گھربار چھوڑ کر ہجرت کرتے ہیں اس آیت میں ایسے مسلمانوں کیلئے بشارت کا ذکر ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان کو الَّذِيْنَ موصول کے ساتھ مستقل اس لئے ذکر کیا ہے کہ جہاد ہجرت اور تمام نیک اعمال کیلئے اصل یعنی بنیاد اور شرط ہے۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ان دونوں کو ایک موصول میں جمع کیا ہے کیونکہ یہ دونوں ایمان کی تشریح ہے۔ هَاجَرُوْا لغت عربی میں فقط چھوڑنے کو کہا جاتا ہے۔ عرف عام میں ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ بستی گاؤں یا شہر میں منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اپنا ملک وطن رہائش چھوڑنا اپنے دین کی حفاظت کیلئے جس وقت دین پر عمل اس کیلئے دشوار ہو اور کافروں کی طرف سے مظالم جاری ہوں اور یہ اسلامی طرز زندگی نہ گزار سکتا ہو تو یہ مرتد ہونے سے بچاؤ کا ایک راستہ ہے جو ارتداد کے مدمقابل ہے۔ وَجَاهَدُوْا جہاد شرعی مراد ہے یعنی دعوت اور قتال مراد ہے جہاد کو ہجرت کے ساتھ ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے تھی کسی اور مقصد دنیاوی کیلئے نہیں تھی۔ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ رجاء وہ گمان ہے جو تقاضا کر رہا ہو ایسی چیز کے حصول کا جس میں خوشی ہو اور اس کو طمع کہتے ہیں البتہ طمع وہاں استعمال ہوتا ہے کہ کسی چیز کا تقاضا کر رہا ہو لیکن اس کے حصول کیلئے اسباب نہ ہوں اور رجاء وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں تقاضا کرنے کے ساتھ ساتھ اسباب بھی موجود ہوں۔ جبکہ کبھی رجاء خوف کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رجاء کے ساتھ خوف اور خوف کے ساتھ رجاء ہمیشہ رہتا ہے یعنی تلازم کے طریقہ پر ہے۔ امام اصمعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رجاء کے ساتھ جب نفی آجائے تو پھر خوف کے معنی میں ہے۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ سے مراد اعمال کا اجر وثواب اور جنت ہے۔ سوال: ایمان، ہجرت، جہاد جب سب موجود ہیں تو ثواب کیلئے یقین کا صیغہ کیوں ذکر نہیں کیا؟ جواب 1: انسان اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انتہاء کو پہنچ گیا ہو لیکن پھر بھی اپنے خاتمے کے متعلق بے خبر رہتا ہے جواب 2: یہ اس لئے کہ اپنے اعمال پر کامل اعتماد نہ کرے۔ جواب 3: تفریع اجر وثواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی حصول جنت۔ ایمان اور اعمال صالحہ پر عقلی طور پر واجب نہیں صرف اللہ تعالیٰ کے وعدے کے سبب سے ہے۔ جواب ۴: یہاں پر صرف تین اعمال کا ذکر ہے جبکہ جنت کیلئے مزید اور اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ جواب ۵: اس مقام پر رجاء صرف ثواب میں مراد نہیں ہے بلکہ اس کی مقدار اور کیفیت میں ہے۔ لفظ رحمت طویل (ت) کے ساتھ مندرجہ ذیل سات آیتوں میں مذکور ہے۔ (۱) سورہ اعراف آیت: 56، (۲) سورہ ہود آیت: 73، (۳) سورہ مریم آیت: 2، سورہ زخرف آیت: 32، 34، سورہ روم آیت: 50، اور زیر بحث آیت: 218، یہاں لوگوں کے نزدیک لکھی جاتی ہے جن کے نزدیک ت پر وقف کرتے ہیں یا وصل کے اعتبار سے لکھتے ہیں۔ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ امید (رجاء) کو مضبوط کرنے کیلئے ذکر کیا ہے یعنی غفور ذات سے امید مثل یقین کے ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱۹ ”آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے ان دونوں میں گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کیلئے کچھ فائدہ بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ (جو اس سے پیدا ہوتا ہے) ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون سے مال میں سے خرچ کریں۔ فرما دیجئے! جو زائد مال ہو اور اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہیں بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو۔[219]

تفسیر 219: اس آیت میں امور تدریجی منزل میں سے چوتھا حکم بیان ہو رہا ہے جو شراب اور جوا بازی سے متعلق ہے یہ مسئلہ بھی دو حصوں والا ہے یعنی فائدہ اور نقصان دونوں اس میں موجود ہیں اس میں مقصد ان کاموں سے جن کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے اجتناب ذکر کرنا ہے۔ ربط ۱: سابقہ آیت میں ذکر ہوا کہ حرمت کے مہینہ میں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اب اس کی مشاکلت میں ذکر ہو رہا ہے کہ شراب خوری، جوا بازی میں بھی بڑا گناہ ہے۔ ربط ۲: حرمت والے مہینے میں قتال مشرکین کے شرک کے مقابل اچھا عمل ہے جبکہ شراب اور جوا بازی ہر صورت میں مضر عمل ہے اس کو ربط تقابل یعنی تضاد کہا جاتا ہے۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ سوال کرنے والے صحابہ کرام میں سے سیدنا عمر و معاذ رضی اللہ عنہما تھے مگر فائدہ سب مسلمانوں کیلئے تھا اس لئے سوال کی نسبت سب کی طرف کی گئی۔ نیز سوال شراب و جوے کی ذات و صفات سے متعلق نہیں ہے بلکہ حکم شرعی کے متعلق ہے اَلْخَمْرُ عربی لغت میں خمر چھپانے اور ڈھانپنے کو کہا جاتا ہے چونکہ شراب پینے سے عقل نشے کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے اور اصطلاح شریعت میں علماء کے مابین اس میں اختلاف ہے جمہور علماء کے نزدیک ہر وہ مشروب حکم (خمر) میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شامل ہے جس کے پینے سے عقل فاسد ہو جائے (صحیح بخاری کتاب الاشربۃ حدیث 5588، 5581 صحیح مسلم حدیث 1706، 3032) سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت پانچ چیزوں سے شراب بنائی جاتی تھی (۱) انگور (۲) کھجور (۳) گندم (۵) مکئی ایک روایت میں شہد (عسل) آیا ہے۔ اس روایت میں وارد ہے کہ اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ (التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان کتاب الاشربۃ حدیث 5369 صاحب تخریج نے اس کو حسن کہا ہے) شراب وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یعنی فاسد کر دے ایک اور حدیث میں ہے ہر نشہ آور چیز شراب (خمر) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے مذکورہ احادیث خمر کی تشریح میں وارد ہیں اس لئے کہ خمر کا معنی مجمل تھا تو احادیث نے اس کی تشریح کر دی ان کو مجاز پر محمول کرنا مناسب نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک (خمر) شراب صرف انگور سے بنتی ہے جس میں کچھ پانی ڈال کر کچھ دنوں کے بعد ابالا جائے سمرقندی کی روایت میں انگور اور کشمش اور کھجور بھی شامل ہے۔ اکثر احناف پہلے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ فائدہ: (خمر) شراب کے متعلق چار آیتیں ترتیب سے نازل ہوئی ہیں۔ پہلی سورہ نحل آیت: 67، نازل ہوئی ہے۔ دوسری یہ آیت نازل ہوئی اس آیت کے نزول پر بعض صحابہ کرام نے خمر اور میسر شراب اور جوا چھوڑ دیا۔ تیسری آیت سورہ نساء آیت: 43، نازل ہوئی جس کے ذریعے سے بوقت نماز حرام اور عام وقت میں جائز قرار دی گئی۔ چوتھی آیت سورہ مائدہ آیت: 90، نازل ہوئی جس میں حتمی طور پر حرام قرار دی گئی۔ وَالْمَيْسِرِ یہ یسر سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے آسانی یا پھر یسار سے لیا گیا ہے مالدار کے معنی میں ہے یعنی جوا کھیلنے میں آسانی سے مال حاصل ہو کر بندہ مالدار ہو جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کثیر تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہیں کہ لفظ (میسر) ہر قسم کی جوا بازی پر محیط ہے یعنی (نرد) (شطرنج) گولیاں کھیلنا (کنچیں) وغیرہ سب اس میں شامل ہیں جس میں ہار جیت کی بازی لگائی جاتی ہے ہر وہ قسم اور طریقہ جس پر ایک دوسرے سے آسانی کے ساتھ مال کمایا جاتا ہے۔ تفسیر اللباب اور قرطبی میں ایسے اور طریقے (ازلام) تیروں پر شرطیں لگانا وغیرہ کی تفصیل ذکر کی ہے۔ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ یہاں مضاف مقدر ہے (تَعَاطِيهِمَا) یعنی ان دونوں کے استعمال میں بڑے گناہ ہیں۔ لفظ کبیر میں اشارہ ہے کہ اگرچہ گناہ ایک ہے مگر کئی گناہوں کو مشتمل ہے اسی وجہ سے لفظ کثیر نہیں لایا۔ وہ ایک گناہ جس کے کرنے سے بہت سارے گناہ صادر ہوتے ہیں وہ شراب کا پینا ہے جیسا کہ سورہ مائدہ آیت: 91، میں مذکور ہے یعنی شرابی، گالی گلوچ، جھگڑا، زنا، فحاشی تمام جرائم کرتا ہے۔ ابن ابی الدنیا کی روایت میں ہے کہ وہ ایک نشے والے شخص پر گزرا جو اپنے ہاتھوں میں پیشاب کرتے ہوئے اسی سے استنجاء کر رہا تھا اور ساتھ میں پڑھتا جا رہا تھا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الْاِسْلَامَ نُوْرًا وَّالْمَآءَ طَهُوْرًا شکر ہے اس ذات کا جس نے اسلام کو نور اور پانی کو سبب طہارت بنایا ہے۔ امام قرطبی کا قول ہے کہ شرابی اکثر لوگوں کے استہزاء کا مرکز بن جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی گندگی سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ ایک شخص کو دیکھا گیا ہے جو اپنے چہرے پر پیشاب مل رہا ہے اور پڑھتا جا رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں میں سے بنا دے۔ اور مفسر قاسمیؒ نے تفسیر میں اطباء کے قول کے مطابق 16، نقصانات ذکر کئے ہیں۔ (مَیْسِر) جوابازی کے بھی بہت سے نقصانات ہیں۔ (۱) اس کے ذریعے سے بغض و دشمنیاں جنم لیتی ہے۔ پھر وہ بہت سارے گناہوں کو لے آتی ہے۔ ذلت و رسوائی انسان کا مقدر بن جاتی ہے جو ہارنے کی وجہ انسان چور ڈاکو بن جاتا ہے آپس میں ایک دوسرے کو فحش گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ نماز و ذکر الٰہی سے رک جاتے ہیں۔ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ امام قرطبی اور ابو حیان رحمهم الله نے (خَمْر) شراب کے منافع ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی تجارت میں فائدہ بہت ہوتا ہے بلکہ آج بھی دیکھا جائے تو جتنا منافع چرس، افیوم ، ہیروئن اور دیگر نشہ آور اشیاء اور حرام چیزوں کی اسمگلنگ میں ہے۔ اتنا منافع دنیا کی کسی اور تجارت میں نہیں ہے۔ اطباء نے اس کے منافع میں وقتی طور پر غم زائل کرنا، کھانا ہضم کرنا، کمزوری کی تقویت اور بعض نشوں میں قوت (باہ) مردانہ حاصل ہوتی ہے بعض بزدل شخص کا دلیر ہونا، جوابازی کے منافع یہ ہیں بغیر حصولِ محنت مال پھر غریبوں میں بطور ریاکاری تقسیم کرنا وغیرہ۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا یہ بات ذکر ہوگئی کہ اس کا جرم متعدد گناہوں کی جڑ ہے اور اس کے تمام فائدے عارضی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کی سزا حرمت کے بعد بہت عظیم ہے ان کی حرمت سے قبل کے فائدوں سے نیز اس جملہ میں ان سے رک جانے کی ترغیب ہے کیونکہ عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ زیادہ نقصان کے مقابل کم منافع نہیں لینا چاہیے۔ فائدہ: بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس آیت میں خمر اور میسر کی تحریم ہوئی ہے مگر یہ بات درست نہیں اس میں چھوڑنے کی ترغیب ہے حرمت سورہ مائدہ آیت: 91، میں ہوئی ہے۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ سابقہ آیت سے ربط: (۱) یہ دونوں سوالات صحابہ کرام نے ایک ساتھ کئے تھے اس لئے اس کو سابقہ پر عطف کیا ہے۔ (۲) خمر اور میسر سے منع کرنے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ بخل کے مرتکب ہو جائیں اس لئے متصل جملہ میں (انفاق) حق کے راستے میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ (۳) جوا اور شراب میں منافع کم اور نقصان زیادہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے اور انفاق فی سبیل اللہ یعنی مال خرچ کرنے سے بظاہر مال کم ہوتا ہے مگر اس میں دنیاوی اور اُخروی برکات اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدے بہت زیادہ ہیں اس لئے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اس سوال میں مقدار معلوم کرنا مقصود ہے ایسا سوال پہلے گزر گیا ہے نیز یہاں پر انفاق سے عام خرچ مراد ہے۔ جہاد، صدقات نفلی اجمالی طور پر واجب صدقات بھی شامل ہیں فرض صدقات کی تفصیل دیگر نصوص میں وارد ہے۔ قُلِ الْعَفْوَ اس میں بھی اسراف اور بخل سے منع کی طرف اشارہ ہے اور یہ قرآنِ کریم کا طریقہ ہے جیسا کہ سورۃ اسراء آیت: 27 تا 29، سورۃ فرقان آیت: 67، میں ہے۔ عَفْوٌ لغت میں زائد کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت: 95، میں حَتّٰى عَفَوْا مذکور ہے۔ امام ابن عاشور نے فرمایا کہ عَفْوٌ سے مراد وہ مقدار ہے جو انسان کی ضرورت سے زائد مال ہو یعنی عام عادت کے مطابق اس کے اہل وعیال کے خرچ سے زیادہ ہو یعنی رہائش اور خادم وغیرہ۔ امام ابوحیانؒ نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ عَفْوٌ وہ درمیانہ حال ہے جس میں اسراف اور تنگی نہ ہو۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ عَفْوٌ اس آسان خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں مال کا خاتمہ نہ ہو۔ حکمت شرعیہ اس میں یہ ہے کہ انسان اس طریقے پر خرچ کرے جو اس کیلئے آسان ہو تاکہ اس کو ہمیشہ کیلئے برقرار رکھ سکے اور وہ زائد مال جو کہ عَفْوٌ میں ہی ہوسکتا ہے اور اس کی تائید حدیث میں بھی ہے۔ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ حدیث 1426، صحیح مسلم 1034) بہترین صدقہ وہ ہے جو زائد مال میں سے ہو اور خرچ کی ابتداء اپنے اہل سے کرو۔ سوال: اَلْعَفْوُ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ضرورت سے جتنا زائد مال ہو وہ خرچ کرنا ضروری ہے اور جمع کرنا منع ہے؟ جواب ۱: سیدنا ابوذر غفاریؓ کے علاوہ تمام صحابہ کرام اور امت کا اجماع ہے کہ فرض زکوٰۃ اور واجب صدقات کے علاوہ انسان پر خرچ واجب نہیں اور اس پر بہت سے نصوص وارد ہیں تو معلوم ہوا کہ اَلْعَفْوُ سے مراد مِنَ الْعَفْوِ یعنی عَفْوٌ مُنْفِقٌ نہیں بلکہ محل انفاق ہے۔ جواب ۲: اس میں الف لام عہد خارجی ہے یعنی وہ زائد مال جو کہ نصاب شرعی سے زائد ہو پھر یہ زکوٰۃ اور واجب نصاب کے ساتھ خاص ہے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اس میں اللہ تعالیٰ آخری امت پر احسان کا تذکرہ فرمارہا ہے تاکہ ان کیلئے عمل کی ترغیب ہوجائے۔ يُبَيِّنُ فعل مضارع ہے جو کہ حال اور مستقبل دونوں کو شامل ہے اور احکام سے مذکورہ احکام مراد ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ اس میں بیان کے فائدوں کا ذکر ہے۔ تفکر میں استنباط اور استدلال کی طرف اشارہ ہے کہ عقل سلیم سے گزشتہ احکام کی حکمتوں اور علتوں پر غور کرو۔ اسی طرح شراب اور جوابازی سے ہونے والے ضرر اور منافع پر غور کرو اور تقابل کرکے نتیجہ حاصل کرو۔ امام آلوسیؒ نے فرمایا کہ اس کا متعلق مقدر ہے یعنی ان آیتوں میں استنباط مصالح ومنافع کیلئے احکام میں غور کرو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾ "دنیا اور آخرت کے بارے میں اور آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کر رہے ہیں فرما دیجئے اصلاح ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر مشترک کرنا چاہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ فسادی کو جانتا ہے مصلح کے برعکس اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو تمہیں ضرور مشکلات میں مبتلا کر دیتا اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا ہے۔[220]

تفسیر 220: فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اس میں چار توجیہات ہیں (۱) یہ تَتَفَكَّرُوْنَ سے متعلق ہے اور اس کا مضاف مقدر ہے یعنی دنیا اور آخرت کے حال میں فکر کرو تو مستقبل اور باقی رہنے والی چیز یعنی آخرت کو ترجیح دیدو فنا زائل ہونے والی چیز پر جو کہ دنیا ہے (۲) یہ متعلق ہے یُبَیِّنُ سے یعنی بیان فرماتا ہے دنیا و آخرت کا حال جو کہ آنے والا ہے اور مستقبل وہ آخرت ہے اور جو فنا ہو لے والی تباہ ہونے والی ہے وہ دنیا ہے تو زوال والے کو چھوڑ کر آنے والے کو اختیار کرو یعنی دنیا میں تقویٰ اور زہد اختیار کرتے ہوئے آخرت کی طرف رغبت کرو (۳) یہ آیات کے ساتھ متعلق ہے اور ان کے معنی علامات ظاہری ہیں (۴) اس کا متعلق مقدر ہے یعنی فَتَتَفَكَّرُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا اور آخرت میں غور کرو لہذا دنیا کی زندگی کیلئے سامان اتنا تیار کرو جو ضروری ہے اور آخرت کیلئے سامان تیار کرو ذخیرہ بنا لو جو کہ ضروری ہے یعنی اول فکر آیات میں کرو دوسری فکر دنیا و آخرت کے نتائج میں کرو۔ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی امور تدبیر منزل میں سے پانچواں حکم ہے یہ حکم بھی دو جہتوں والا ہے فسادی نیت سے یتیموں کے مال کو اپنے ساتھ شریک کرنے سے اجتناب کرو البتہ خیر کے ارادے سے مشترک کرنا درست ہے۔ ربط: شراب و جوا چھوڑنے میں اپنی مال و جان کی حفاظت مقصود تھی اور اب یتیموں کے بارے میں یہ حکم ان لوگوں کے مال کی اصلاح کے لئے ہے جو خود اپنی اصلاح سے عاجز ہے تو اشارہ ہو گیا کہ مسلمان اپنے اور دوسرے مسلمان کے فائدے دونوں کا لحاظ کرتا ہے۔ آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب سورہ انعام آیت: 152 اور سورہ اسراء آیت: 34 نازل ہوئی جس میں حکم ہوا کہ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ تو ایمان والوں نے اتنا پرہیز شروع کیا کہ ان کے مال کو اپنے مال سے جدا کیا ظاہر بات ہے کہ یہ انتہائی تکلیف دہ عمل تھا تو اس بارے میں سوال ہوا عَنِ الْیَتٰمٰی اس سے مراد پوچھنا ہے اپنے مال کو یتیموں کے مال کے ساتھ شریک کرنا اور ملانا۔ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ دونوں جانب کیلئے خیر ہے یعنی (متولی) یتیموں کے کفیل کیلئے باعتبار آسانی بہتر ہے اور یتیم کے لئے اس اعتبار سے بہتر ہے کہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا مال فساد اور بربادی سے بچ جائے گا۔ لفظ اصلاح میں یتیموں کی تربیت و تعلیم مال کی حفاظت اور تجارت کے ذریعے سے اس کو بڑھانا مراد ہے اور صحیح نیت کے ساتھ یہ افعال ہوں اس میں متولی کیلئے اختیار ہے وہ دیکھے غور و فکر کرے کہ بہتری کس چیز میں ہے مال علیحدہ رکھنے میں یا ایک ساتھ رکھنے میں لہٰذا خیر کو اپنا او۔ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ مخالطت اس جمع اور شراکت کو کہا جاتا ہے جس کی جدائی اور تمیز مشکل ہو اور اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سائلین کا اس کے جواز کے متعلق شبہ تھا اور آیت تجارت میں شراکت وغیرہ کیلئے بھی اور بعض علماء نے مصاہرت (سسرالی رشتہ) بھی مراد لیا ہے۔ فَإِخْوَانُكُمْ اس میں مالی شراکت کی علت اور کیفیت کی طرف اشارہ ہے یعنی ان سے شراکت اس لئے جائز ہے کہ وہ تمہارے دینی اور نسبی دونوں اعتبار سے بھائی ہیں۔ لہٰذا ایک بھائی دوسرے سے شراکت کر سکتا ہے اور ایک دوسرے سے حساب بھی کر سکتا ہے آپس میں حساب کا خوف بھی رکھتے ہیں لہٰذا تم یتیموں کے ساتھ حساب کر سکتے ہو۔ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اس جملہ میں حالت شراکت میں خوف دلانا مقصود ہے یعنی یتیم کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حساب پوچھنے والا نہیں ہے۔ مُفْسِدَ سے یہاں مراد وہ شخص ہے جو مال یتیم کو شراکت کے بہانے سے کھانا چاہتا ہے اور یہ اس کیلئے ایک حیلہ ہے۔ وہ لوگ بھی اس حکم میں داخل ہیں جو حیلہ اسقاط وغیرہ کے بہانوں سے یتیم کا مال کھاتے ہیں۔ مِنَ الْمُصْلِحِ۔ يَعْلَمُ سے مراد علم تمیز ہے اس لئے اس کا صلہ مِنْ ذکر کیا ہے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی شفقت و احسان کا ذکر ہے کہ اس نے تم پر آسانی کر دی ہے اور تمہیں مشقت سے بچایا ہے کیونکہ شراکت اگر حرام قرار دیا جاتا یا فرض قرار دیا جاتا تو تم مشکل میں پڑتے۔ لَأَعْنَتَكُمْ لغت میں عنت تکلیف، مشقت اور اس شدت کو کہا جاتا ہے جو کہ نا قابل برداشت ہو جیسا کہ تَعَنُّتْ اس سوال کو کہا جاتا ہے جس میں شدت اور اور عناد ہو نیز وہ ہڈی جو ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ جڑ جائے اور دوبارہ ٹوٹ جائے اس کی شدت تکلیف بہت ہوتی ہے۔ مفسرین کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ (۱) اس حکم میں تم پر سختی کر دیتا (۲) تمہیں ہلاک کر ڈالتا (۳) تمہیں گناہ میں مبتلا کر دیتا (۴) تم پر تنگی مسلط کر دیتا۔ یہ اقوال سب ایک دوسرے کے قریب المعنٰی ہیں۔ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر قسم کا حکم نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور اس حکم کے نفاذ سے اس کو روکنے والا کوئی نہیں۔ حَكِيمٌ اس کے ہر حکم میں بندوں کیلئے خاص فوائد ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ع "اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن لونڈی آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلی لگے اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے خواہ تمہیں وہ اچھا لگے یہ مشرک لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں جبکہ اللہ اپنے اذن سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام اسی انداز سے کھول کھول کر لوگوں کیلئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں [221]

تفسیر 221: اس آیت میں امور تدبیر منزل کا چھٹا حکم ہے کہ اہل شرک کے نکاح سے اجتناب کرنا ہے ایسا نہ ہو کہ میاں بیوی کے عقیدے میں اختلاف سے گھر کا پورا نظام بگڑ جائے اور یہ حکم بھی اوجھتین ہے یعنی مال وجمال کی وجہ سے تو نکاح اہل شرک سے بھی کیا جاتا ہے لیکن شرک کی وجہ سے اس سے نکاح کرلے سے بچنا ضروری ہے اور ایسا ہی مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔ کہ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَجَمَالِهَا وَحَسَبِهَا وَدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (صحیح بخاری، کتاب النکاح حدیث 5090) عورت سے زینت، مالداری، نسب اور دینداری کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے پس دیندار عورت سے شادی کرکے کامیابی حاصل کرو ورنہ خاک آلود ہو جاؤ گے۔ سابقہ آیت سے ربط: (۱) یتیموں کی شراکت میں مصاہرت یعنی نکاح کا مسئلہ بھی شامل تھا لیکن ان میں مشرکین کی اولاد بھی ہو سکتی ہے تو اہل شرک سے منع کیا گیا۔ (۲) انسان کی ضروریات تین چیزوں پر مشتمل ہیں کھانا، پینا اور نکاح یعنی ان تینوں میں حرام سے اجتناب ضروری ہے لہذا سابقہ آیت میں (خمر و میسر) شراب اور جوا سے اجتناب اور مال یتیم سے ممانعت کی گئی ہے۔ تینوں کے مال کھانے سے پرہیز کا حکم دیا اب نکاح کے بارے میں پرہیز کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ تفسیر اللباب میں ہے کہ لغت میں نکاح کا معنی ہے پیوست ہونا کسی چیز کا دوسری چیز میں داخل ہونا اور عرف میں نکاح کے معنی عقد باندھنے کے اور وطی کے ہے یہ معنی بطور اشتراک یا بطور حقیقت اور مجاز ہے۔ امام راغبؒ نے مفردات میں فرمایا ہے کہ یہ عقد کے بارے میں حقیقت ہے اور وطی کے متعلق مجازی معنی میں ہے اور یہ قول درست ہے یہاں نکاح شرعی مراد ہے۔ اَلْمُشْرِكٰتِ اشراک اصطلاح شرعی میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، خالقیت، الوہیت اور حاکمیت میں کسی کو حصہ دار بنانا ہے اگرچہ انہوں نے خواہش نفس سے ایسا کیا ہو۔ جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ قرآن کریم میں ہے۔ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ یہاں الہ کا اطلاق خواہش پر کیا گیا شیطان ہو طاغوت ہو یا نبی ہو، ولی، جن، ملائکہ، صنم، پیر، فقیر، وثن وغیرہ ہو یہ تعریف کفر کی بھی ہے لیکن عرف عرب میں اکثر شرک ذکر ہوتا تھا اور اس کو تقرب الٰہی کا ذریعہ بنایا جاتا تھا اس لئے شرک سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا کافر اور مشرک خواتین سے نکاح حرام اور باطل ہے۔ فائدہ: اس عنوان میں اہل کتاب بھی داخل ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں بہت تفصیل ذکر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں دو اقوال ہیں (۱) ایک قول یہ ہے کہ لفظ مُشْرِكٰتُ اہل کتاب کی عورتوں کو بھی شامل ہے یعنی اہل کتاب کو مشرک کہا جاسکتا ہے۔ مفسر ابوحیان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اہل کتاب مشرکین میں داخل ہیں کیونکہ انہوں نے غیر اللہ (عزیر و عیسیٰ علیہما السلام) کی بندگی کی ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف شرک کی نسبت کی ہے یہ بہت سے مفسرین کا قول ہے۔ امام قرطبیؒ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما، سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک رحمہم اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے۔ امام آلوسیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک یہ قول اہل کتاب کو شامل ہے اور اس پر تین دلائل ذکر کئے ہیں۔ تفسیر اللباب میں ہے کہ لفظ شرک اہل کتاب کو شامل ہے جس پر انہوں نے پانچ دلائل نقل کیے ہیں۔ پہلی دلیل سورۃ التوبہ، آیت: 31/30، دوسری دلیل سورہ نساء آیت: 48، اہل کتاب کے متعلق ہے اور ان کے کفر کو شرک کہا ہے۔ تیسری دلیل سورہ مائدہ آیت: 73، جس میں تثلیث کا عقیدہ ذکر ہے جو کہ حقیقتاً شرک ہے۔ چوتھی دلیل صحیح مسلم کی حدیث کتاب الجہاد میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو امیر مقرر کر کے روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم مشرکین دشمنوں سے آمنا سامنا کرو تو ان کو دین اسلام کی دعوت دیدو جبکہ یہ لوگ اہلِ کتاب تھے (صحیح مسلم کتاب الجہاد حدیث 1731) پانچویں دلیل ابوبکر الاصم کا قول ہے کہ جو بھی شخص معجزات کا انکار کرتا ہے اور خوارق عادات یعنی خلافِ عادت کاموں کی نسبت شیاطین اور جنوں کی طرف کرتا ہو تو یہ شرک ہے اور میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مشرک اشارۃ النص میں فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت: 135، اور سورۃ آل عمران آیت: 67، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب اہل کتاب کو خیبر سے نکال رہے تھے تو فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ (صحیح بخاری کتاب الجہاد وغیرہ حدیث 4431، 3053، صحیح مسلم فی الوصایا حدیث 1637) ایک اور حدیث میں ہے کہ ہفتہ اور اتوار والے دن روزہ مت رکھو اس لئے کہ یہ مشرکین کے عید کے دن ہیں۔ أَيَّامُ عِيدِ الْمُشْرِكِينَ جبکہ مراد اس سے یہود و نصاریٰ ہیں یہ بھی دلیل ہے کہ اس آیت کے دوسرے جملہ میں وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا اس میں بالاتفاق اہل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب شامل ہیں کیونکہ دوسری کوئی دلیل اہل کتاب کے مردوں سے حرمت نکاح نہیں ہے۔ دوسرا قول اس کے برعکس ہے جو کہ بعض علماء ومفسرین کا ہے ان کی مرکزی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب پر مشرکین کو بہت سے مقامات میں عطف کیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت: 62، 105، اور سورۃ حج آیت: 17، سورۃ بینہ آیت: 1، اور قانون یہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے یعنی مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر جگہ عطف ہر اعتبار سے مغایرت نہیں رکھتا ہے بلکہ کبھی خاص کو عام پر عطف کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت: 98، اور سورۃ احزاب آیت: 1، یہاں پر بھی اہلِ کتاب اور عام مشرکین میں اصطلاحی فرق ہے۔ عرفِ عام میں عام لوگوں کو شرک کے ارتکاب سے مشرک کہتے ہیں جبکہ اہل کتاب شرک کے مرتکب ہونے کے باوجود اہل کتاب ہی کہلاتے ہیں۔ فائدہ ۲: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اجماع ذکر کیا ہے کہ کتابیہ عورت سے شرک کے باوجود نکاح درست ہے اور جو مرفوع حدیث یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا غصہ نقل کیا گیا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول وہ ثابت نہیں ہے (ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں اشعث بن سوار ہے ابن جریر طبری 4224) اس مسئلہ کی باقی تفصیل سورۃ مائدہ میں مذکور ہے۔ جب مشرک عورت سے نکاح درست نہیں تو مفسرین نے اس کے ساتھ موافقت کا طریقہ ذکر کیا ہے کہ یہ تخصیص ہے اس آیت کے عموم سے یعنی لفظ مُشْرِكٰتِ میں اہل کتاب کی عورتیں شامل ہیں مگر ان سے نکاح کے جواز کی تخصیص سورۃ مائدہ کی آیت سے کی گئی ہے متقدمین کی اصطلاح میں اس کو نسخ کہا جاتا ہے جبکہ متاخرین کی اصطلاحات میں اس کو ایک آیت سے دوسری آیت کی تخصیص التقیید سے تعبیر کیا گیا ہے البتہ ان سے نکاح میں شرط یہ ہے کہ اہل حرب میں سے نہ ہو اور اپنے عقیدے پر قائم ہو یعنی شرک کو دین قرار نہیں دیے رہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا انکار اور قیامت کا انکار کرنے والی نہ ہو نیز اس زمانے میں یہود ونصاریٰ میں مذکورہ صفات والی بہت کم ہیں۔ فائدہ ۳: سوال: اس امت میں شرک کرنے والے اہل کتاب کے حکم میں ہے یا نہیں؟ جواب: اس دور کے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ اہلِ کتاب میں سے نہیں ہے اور دلیل ان کی یہ ہے کہ لفظ عرف میں خاص ہے یہود اور نصاریٰ کے کفار اور مشرکین کے حکم میں یا مرتدین کے حکم میں ہے (۱) اور اکثر اہل علم کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ اہل کتاب کے حکم میں ہے چند وجوہات کی بناء پر (۲) اکثر مفسرین نے سورۃ آل عمران آیت: 187، اور سورۃ توبہ آیت: 34، میں شامل کیا ہے۔ (۳) سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ إِنَّهَا نَزَلَتْ فِينَا وَفِيهِمْ (صحیح بخاری کتاب الزکوۃ حدیث 1406، صحیح ابن حبان محقق کتاب الطھارۃ حدیث 1312) یہ آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (۴) اہل کتاب کی تعریف اس امت پر صادق آتی ہے جبکہ بعض سارے مسائل میں اعتبار معانی کو دیا جاتا ہے (۵) اس دور جہالت میں اکثر امتیوں کے عقائد و اعمال میں شرک ہے اور ان کے ذبائح سے اجتناب میں واضح (حرج) تکلیف پیدا ہوگی کیونکہ اکثر ذبیحے ان کے ہاتھ سے ہوتے ہیں۔ باقی صحیح علم وحقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ حَتّٰى يُؤْمِنَّ اس سے مراد شہادتین کا اقرار ہے اس شرط کے ساتھ کہ ان میں کفر و شرک کا عمل ظاہر نہ ہو اور اعمال شرعی کا التزام کریں احکام شرعیہ میں یہی ایمان معتبر ہے۔ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ سے مراد لونڈی ہے اور مُّشْرِكَةٍ سے مراد آزاد عورت ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اَمَةٌ سے مراد بیوی ہو اگرچہ آزاد ہو کیونکہ حدیث صحیح بخاری کتاب ۱۱۱ ذان میں تمام عورتوں کو إماء اللہ کہا گیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ کسی غیر کی لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن مُؤْمِنَةٌ صفت سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر مشرک لونڈی سے نکاح درست نہیں۔ سوال: لفظ خیر اسم تفضیل ہے اور یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں فی نفسہ صفت میں اشتراک ہو یعنی اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق ہو تو معلوم ہوا کہ مشرک عورت سے نکاح جائز ہے افضل نہیں۔؟ جواب ۱: یہ قول امام سیبویہ اور بصریوں کا ہے لیکن یہاں افضلیت عقائد کے اعتبار سے ہے وجود کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ سورۃ فرقان آیت: 24، میں ہے یا اس وجہ سے ہے کہ مُؤْمِنَةٌ لونڈی فائدے والی ہے آخرت کے اعتبار سے اور مشرک عورت دنیاوی اعتبار سے فائدہ والی ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ اخروی فائدے دنیاوی فائدوں سے بہتر ہیں۔ جواب ۲: امام فراء بغوی اور بعض اہل کوفہ کے نزدیک اسم تفضیل اشتراک اور عدم اشتراک دونوں میں صحیح ہے۔ یہاں عدم جواز کے اشتراک میں مستعمل ہے۔ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ اس تعجب سے مراد حسن، مال، خاندان اور آزادی ہے اور ان سب کا تعلق دنیا سے ہے اور ایمان کا تعلق آخرت سے ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے لہٰذا دینی موافقت سے میاں بیوی میں کامل محبت ہوتی ہے جس سے اچھی صحبت ایمانداری حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ دینی اختلاف کی وجہ سے مذکورہ چیزیں کامل طریقے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا یہاں پر دوسرا مفعول یعنی الْمُؤْمِنَاتِ مقدر ہے۔ یہ بات گزر گئی کہ مشرکین اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب کو شامل ہے اہل کتاب کیلئے خاص نہیں ہے۔ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اس جملہ میں وہی بحث ہے جو سابقہ جملہ میں گزرا ہے اور عبد غلام اور عام شخص دونوں پر بولا جاتا ہے اور مشرک سے مراد آزاد شخص ہے اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ یہ اہل شرک سے حرمت نکاح کی علت ذکر ہو رہی ہے۔ اُولٰٓئِكَ میں مشرکین اور مشرکات دونوں کی طرف اشارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو رہا ہے اور عام دعوت ہے چاہے زبان سے ہو جیسا کہ اس سورۃ کی آیت: 135، میں گزر چکا ہے یا شراکت اور محبت سے ہو سوال: بہت سارے کافر تو جہنم کو نہیں مانتے ہیں پھر ان کے حق میں یہ بات کیسے صادق ہوگی؟ جواب: اَلنَّارُ سے مراد اسباب جہنم ہیں یعنی کفر و شرک شراب و جوا خنزیر کا گوشت استعمال کرنا وغیرہ۔ سوال: محبت دونوں طرف سے ہوتی ہے امکان تو ہے کہ کافر مسلمان کے نکاح سے مسلمان ہو جائے؟ جواب: جب کوئی عمل خیر اور شر کے درمیان ہو یعنی دونوں کا احتمال ہو تو ضرر کے خوف سے اجتناب ضروری ہوتا ہے۔ سوال: یہ ضرر تو مشرک عورتوں کیلئے بھی ہے جو کہ اہل کتاب ہیں تو ان کو نکاح میں لانے کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ جواب: اہل کتاب تو اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور شرک کو دین نہیں کہتے ہیں تو غالب گمان یہ ہے کہ شوہر بیوی کو دین توحید پر لے آئے۔ عورتوں میں قبولیت کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے خصوصاً خاوند کی بات مان لیتی ہیں۔ جبکہ بیوی خاوند سے اپنی بات نہیں منوا سکتی اس لئے خطرہ ہے کہ مومن عورت مشرک شوہر کے ساتھ مشرک ہو جائے گی بظاہر اس خطرے کے پیش نظر اس نکاح کو جائز نہیں رکھا۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ اس میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال: (۱) اس میں عبارت مقدر ہے یعنی اولیاء اللہ اور جنت و مغفرت سے مراد اسباب ہیں یعنی توحید اور ایمان کامل۔ دوسرا احتمال: (۲) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان پر عمل کرنا جنت کے حصول اور مغفرت کا سبب ہے۔ سوال: مغفرت تو جنت میں جانے کا سبب ہے اس لئے سورۃ آل عمران آیت: 133، اور سورۃ حدید آیت: 21، میں مغفرت کو جنت پر مقدم کیا ہے اس آیت میں مغفرت مؤخر کرنے کی کیا وجہ ہے۔؟ جواب: یہاں جملوں میں تقابل کی رعایت کی گئی ہے کیونکہ پہلے جملہ میں اَلنَّارِ کا لفظ ذکر ہوا ہے تو اس کے سبب سے جنت کو مقدم کیا ہے۔ بِاِذْنِهٖ - يَدْعُوْٓا کے ساتھ متعلق ہے اور اذن سے مراد کلام اللہ یا آسانی اور توفیق الٰہی ہے۔ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ - تَبْيِيْن سے مراد یہی تشریح اور توضیح ہے کہ کسی قسم کا (التباس) شبہ باقی نہ ہو۔ لِلنَّاسِ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی ہدایت ساری انسانیت کیلئے ہے۔ يَتَذَكَّرُوْنَ امام راغب نے فرمایا ہے کہ تَذَكُّر سے مراد اس چیز کو یاد کرنا مقصود ہے جس سے غفلت ہوتی ہو اس تَذَكُّر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں اپنی اور اپنی نعمتوں کی معرفت ڈال رکھی ہے البتہ بیان اور علم کے ذریعے سے اس کی یاد دہانی ہو جاتی ہے۔

فائدہ: آیت: 219، کے آخر میں يَتَفَكَّرُوْنَ مذکور ہے اور یہاں يَتَذَكَّرُوْنَ ذکر کیا ہے دونوں میں فرق کی وجہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہاں مصلحتوں، منافع اور نقصانات کا ذکر تھا اور وہ غور اور عقل سے معلوم ہوتے ہیں اور اس آیت میں جنت کی دعوت اور جہنم کی آگ اور اس کی معرفت کا ذکر ہے اور وہ نقل اور وضاحت پر موقوف ہے تاکہ بندے کو یاد رہے اس لئے یہاں پر یَتَذَكَّرُوْنَ فرمایا ہے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ " آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے وہ مقام گندگی ہے لہٰذا (ایام) حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب مت جانا جب تک اچھی طرح صاف نہ ہو جائیں۔ پس جب وہ اچھی طرح سے پاک و صاف ہو جائیں تو وہاں سے ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ [222]

تفسیر 222: اس آیت میں تدبیر منزل کا ساتواں مسئلہ ہے۔ اس میں اپنی بیوی سے حیض کی گندگی میں اجتناب کا حکم دیا ہے اور مراد ہر قسم کی نجاست سے پرہیز ہے۔ اس میں بھی دو جانب ہیں یعنی بیوی پاک اور حلال ہے مگر حیض کی وجہ سے حرام ہے۔ ربط: سابقہ آیت سے ربط کئی وجوہ کی بنا پر ہے گذشتہ آیت میں بڑی نجاست شرک سے اجتناب کا ذکر ہوا تو اس آیت میں چھوٹی نجاست حیض میں حلال بیوی سے بچنے کا حکم ہے اس آیت میں مشرک خاتون سے نکاح حرام قرار دیا تھا تو اس آیت میں نکاح کو جائز رکھا گیا ہے مگر خلوت کو حرام قرار دیدیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں مشرکین کے نکاح سے منع کیا گیا تو اس آیت میں ان کی عادات افراط اور تفریط سے اجتناب کا حکم ہے۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ حالت حیض میں مشرکین عرب اور یہود عورتوں سے ایسے نفرت کرتے تھے کہ تورات میں 15: ، سفر اللاویین میں لکھا تھا کہ جس نے حائضہ عورت کو ہاتھ سے مس کیا تو شام تک اس کے ہاتھ نجس ہوں گے اور جس نے اس کے لباس کو چھوا تو لباس بھی بدلے گا اور غسل بھی کرے گا۔ اور جس نے قربت کی تو سات دن تک نجس ہوگا (صحیح مسلم حدیث 302، ابوداؤد حدیث 258، ترمذی حدیث 2977، نسائی حدیث 152، ابن ماجہ حدیث 644) میں ہے کہ حائضہ کے ہاتھ کا کھاتے پیتے نہیں تھے اور ایک ساتھ رہتے بھی نہیں تھے۔ جبکہ امام مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس دورانیہ میں عورت کے ساتھ حرام جانب سے جماع کرتے تھے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نصاریٰ حالت حیض میں عورت کے ساتھ جماع جائز مانتے تھے تو مسلمان اس مسئلہ میں حیران ہو گئے اس لئے انھوں نے یہ سوال کیا جس پر یہ حکم نازل کیا گیا۔ مذکورہ تینوں سوالات یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ - وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى - وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ تینوں سوال ایک وقت میں کیے گئے ہیں اور جو سوالات الگ الگ اوقات میں ہوئے ہیں ان میں واؤ نہیں ہے۔ عَنِ الْمَحِيْضِ یہاں مقدر عبارت ہے یعنی حالت حیض میں جماع کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ لفظ محیض مصدر ہے جو کہ ظرف زمان ومکان سب بن سکتا ہے بقول امام ابن مسیب رحمہ اللہ کہ مَحِيْضٌ مصدر ہے۔ جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ محیض ظرف زمان ہے یعنی حالت حیض کے وقت حیض کی جگہ یعنی فرج مراد ہے۔ امام ابوحیانؒ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور اہل عرب حیض کی تعریف جانتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے ان کو حیض کی تعریف نہیں بتائی۔ حیض کی مدت کا اشارہ نہیں کیا۔ علماء مجتہدین کے مابین اس میں بہت اختلاف ہے اس میں بہتر بات یہ ہے کہ یہ معاملہ عورتوں کی عادت پر سونپ دیا گیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ سے یہ قول منقول ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو اپنایا ہے۔ قُلْ هُوَ اَذًى جب محیض کو مصدر مانا جائے تو اس پر اذًی کو حمل کرنا واضح ہے البتہ اگر محیض کو ظرف مانا جائے تو پھر عبارت مقدر اس طرح ہوگی۔ مَكَانُ اَذًى اور لغت میں اَذًی ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو مکروہ اور ناپسند سمجھی جاتی ہو چاہے وہ قول ہو جیسا کہ اس سورۃ آیت 262 میں ہے یا دوسری چیز ہو جیسا کہ کانٹے یا پتھر وغیرہ جو راستے میں پڑے ہوں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ إِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ (صحیح بخاری فی الایمان 9، صحیح مسلم فی الایمان 35) نومولود کے سر پر جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی اذًی کہا گیا ہے۔ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى (صحیح بخاری حدیث 5471، نسائی فی العقیقۃ 164، ابوداؤد 2839، ابن ماجہ 3164، ترمذی 1515) عقیقہ والی حدیث میں الفاظ مذکور ہیں۔ معلوم ہوا کہ مکروہ خبیث کیلئے اذًی کا استعمال ہوتا ہے لیکن جس کی خباثت زیادہ نہ ہو۔ اس لفظ میں ایک جانب یہودیوں کے افراط کا رد ہے اور دوسری جانب نصاریٰ کی تفریط کا رد ہے۔ معلوم ہوا کہ حیض والا خون اذًی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ سبب اذًی ہے جس کو نکرہ ذکر کیا ہے اذًی کو ذکر کیا ہے اور اذًی کی جہت کو ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ یہ شوہر کیلئے اذًی ہے اور اس لئے بھی کہ حالت حیض میں جماع کرنا مرد کیلئے سبب مرض ہے اور عورت کیلئے سبب اذًی ہے کیونکہ اس میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ نومولود کیلئے بھی اذًی ہے اطباء نے لکھا ہے کہ حیض اور نطفہ مل ہو کر جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس میں ابتداء سے یا پیدا ہونے کے بعد جذام کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ اس میں اذًی کی علت اور تشریح کی گئی ہے۔ اور اعتزال میں کنایۃً جماع سے اجتناب مقصود ہے اور محیض سے مراد (فرج) مکان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیض مراد ہے۔ اس میں صرف جماع کی حرمت کی دلیل ہے نیز حدیث میں ہے کہ اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ (صحیح مسلم فی الطھارۃ حدیث 302، ابوداؤد 258، ترمذی 2977، نسائی فی الصلاۃ 152، ابن ماجہ 644) (جماع) مباشرت حقیقی کے علاوہ تمام فائدے اس سے حاصل کر سکتے ہو اگر حیض کو مصدر مانا جائے اور مراد زمانہ حیض مقصود ہو تو بھی معنی یہ ہوگا کہ حالت حیض میں قربت مطلق منع ہے البتہ حدیث میں ازار کے اوپر فائدہ لینے کی تخصیص مذکور ہے (صحیح بخاری کتاب الحیض حدیث 299، 301، صحیح مسلم حدیث 293) وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ بقول امام ابن حزم قرب راء کے زبر سے مراد عمل ہے جب کہ اس مقام پر مراد جماع ہے اور راء کے پیش قرب کے معنی فعل کی قربت کو کہا جاتا ہے۔ اس جملہ میں سابقہ جملہ کی تاکید ہے اور حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ (غایہ) بیان انتہاء کیلئے لایا گیا ہے اور حَتَّىٰ إِلَىٰ کے معنی میں انتہاء کیلئے ہے۔ اس لفظ میں دو قراءتیں ہیں۔ (۱) تخفیف کے ساتھ معنی حیض کی بندش ہے اور (۲) تشدید کے ساتھ قراءت سے مراد خون سے بندش کے بعد غسل ہے۔ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ اس سے مراد غسل ہے۔ فَأْتُوهُنَّ سے جماع کرنا مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ خون بند ہو جانے کے بعد اس سے جماع جائز ہے البتہ غسل افضل ہے اور ان کا استدلال پہلی والی قراءت سے ہے اور دیگر اہل علم کے نزدیک جماع کیلئے ہر حال میں غسل لازم شرط ہے اور انہوں نے امام صاحب کی دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ جب کسی فعل کیلئے شرط اور غایہ دونوں ذکر ہو جائیں تو دونوں کا وجود شرط ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مراد اگر غسل لیا جائے دوسری قراءت کی بناء پر تو صرف خون کی بندش مراد لینے سے قراءت ثانی بے معنی (مہمل) تصور کی جائے گی۔ فائدہ: اللباب کے مصنف نے ابوالعباس المقری سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں طہارت (۹) معنوں میں مذکور ہے۔ (۱) ایک قراءت کے مطابق خون کی بندش جیسا کی اس سورۃ میں یہ آیت ہے۔ (۲) غسل کے معنی میں ہے دوسری قراءت اس آیت میں مذکور ہے (۳) پانی سے استنجا کرنا سورۃ التوبہ: 108، (۴) میل کچیل سے پاکی حاصل کرنا اسی سورۃ میں آیت: 25، (۵) گناہوں سے پاکی جیسا کہ سورہ واقعہ میں آیت: 79، ایک تفسیر میں وارد ہے یا سورہ توبہ آیت: 103، میں ذکر ہے۔ (۶) شرک سے پاکی سورہ حج آیت: 26، (۷) دل کی پاکی سورہ احزاب آیت: 53 (۸) حلال ہونے کے معنی میں ہے، سورۃ ھود آیت 78 (۹) گندے اخلاق وعادات کی نجاست سے پاکی سورہ احزاب آیت: 33۔ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ لفظ مِنْ میں دو احتمال ہیں: (۱) مِنْ ابتداء غایت کیلئے ہے اور حَيْثُ جہت (طرف) کے معنی میں ہے۔ (۲) مِنْ فِي کے معنی میں ہے اور حَيْثُ مکان جگہ کیلئے ہے۔ أَمَرَ سے مراد حکم ہے اور مامور بہ یعنی جس کا حکم دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جارہا ہے تو وہ مقدر ہے یعنی وہ مقام جس سے حالت حیض میں اجتناب کا حکم دیا گیا تھا یعنی (فرج) یا امر سے مراد نکاح ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے فائدہ لینے کیلئے نکاح کا حکم دیا ہے۔ یا امر ان کے معنی میں ہے جو حَتّٰی یَطْهُرْنَ سے معلوم ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عورت سے طہارت کے بعد جماع کا حکم دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ اس میں اشارہ ہے کہ سابقہ حکم پر عمل کرنے میں تمہارے لئے فائدے دو طریقوں سے ہیں۔ (۱) جس سے حالت حیض میں جماع کرنے کی غلطی ہو جائے اور اپنی غلطی پر ندامت کرتے ہوئے معافی طلب کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جاتی ہے۔ (۲) اس آیت کی وجہ سے جو بندہ حالت حیض میں جماع سے اجتناب کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ اور دونوں میں محبت الٰہی کے ذکر کے لئے دلیل ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ گناہ سے تائب شخص مثل بے گناہ کے ہے۔ (ابن ماجہ، حدیث: 4250، شعب الایمان للبیہقی، حدیث: 7040، حسنہ الالبانی)

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؀ "عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم اپنی کھیتیوں میں جس طریقے سے چاہو آجاؤ اور اپنے لئے (نیک اعمال) آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اس سے تم ملاقات کرو گے اور ایمان والوں کو بشارت دو۔ [223]

تفسیر 223 امور تدبیر منزل کا آٹھواں حکم اس میں ذکر ہے اور اس سے جماع کرنے کا شرعی طریقہ اور اس کا مقصد یعنی بچے پیدا کرنا مراد ہے اور عورات کے ساتھ غیر فطری عمل کرنے سے اجتناب کا حکم ہے اور یہ حکم بھی زوجین ہے ایک جانب میں حکم اور دوسری جانب سے منع ہے۔ ربط: پہلے مجاہد کا قول گذر گیا کہ یہود حالت حیض میں عورتوں سے نفرت کرتے تھے لیکن جماع فی الدبر جائز سمجھتے تھے تو وہاں ان کے اس افراط کا رد کیا گیا اور یہاں ان کے اور افراط کا رد کیا جارہا ہے (۲) ابو حیان نے فرمایا کہ سابقہ آیت کا فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ من وجہ اطلاق تھا تو وہم پیدا ہو گیا کہ عورت کے ساتھ جماع فی الدبر جائز ہے اس آیت میں اس کا رد ہو رہا ہے (۳) پہلے یہودیوں کے ایک خبیث رسم کا رد ہوا تو اب ان کے ایک اور رسم کا ذکر ہو رہا ہے جس کا ذکر صحیحین کی حدیث میں ہے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4528 صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث 1435 کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جو اپنی بیوی کے ساتھ پیچھے کی طرف فرج میں جماع کرے تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے جب انصار اور مہاجرین صحابہ کرام نے نصاریٰ کی بعض عورتوں سے نکاح کیا تو وہ عورتیں پیچھے کی طرف سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرج میں جماع کو حرام سمجھتی تھی تو اس آیت میں اس پر رد ہوا۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ: نساء سے مراد زوجات ہیں لیکن باندیوں کو شامل کرنے کے لئے نساء کے ذریعے تعبیر کی گئی۔ حَرْثٌ: اصل میں بیج ڈالنے کے لئے زمین چیرنا ہے اور یہ صرف بیج ڈالنے کو کہا جاتا ہے اور زرع بیج نکلنے کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے حَرْثٌ کی نسبت انسان کی طرف کی جاسکتی ہے اور زرع کی نسبت اللہ کی طرف حقیقتاً اور انسان کو مجازاً کی جاسکتی ہے جیسا کہ سورۃ واقعہ آیت 63،64 میں ہے۔ سوال: حَرْثٌ مصدر ہے اس کا حمل نِسَآؤُكُمْ پر کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ جواب: عبارت میں تقدیر ہے یعنی جِمَاعُ نِسَآءِ كُمْ كَالْحَرْثِ اس لئے کہ نطفہ بیج ڈالنے کی طرح اور رحم بچہ دانی زمین کی طرح اور بچہ فصل کی طرح یا نِسَآؤُكُمْ کھیتی کی جگہ اور لفظ حَرْثٌ میں تصریح ہے کہ بیویوں کے ساتھ جماع صرف فرج میں حلال ہے اور دُبُر میں حرام ہے تو اس میں نسل کی پیدائش اور زیادہ کرنے کی طرف ترغیب ہے جو کہ نکاح کا اصل مقصد ہے۔ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ اس میں جماع کیلئے جگہ کا تعین کیا گیا ہے یعنی حَرْثَكُمْ جبکہ أَنَّى شِئْتُمْ میں جماع کیلئے (تعمیم) یعنی جیسے چاہو کی وضاحت کی گئی ہے۔ أَنَّى كَيْفَ کے معنی میں ہے یعنی سامنے سے، پیچھے کی جانب سے، لیٹ کر، کروٹ کے بل، بیٹھ کر جیسے تمہاری چاہت ہو۔ جن صحابہ کرام یا تابعین اور ائمہ کرام کی طرف عورت کے ساتھ غیر فطری عمل کے جواز کی نسبت کی گئی ہے اس کی تفصیل کیلئے تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر اور زاد المعاد ابن قیم دیکھیے۔ امام ابوحیانؒ نے فرمایا ہے کہ دبر میں جماع کی حرمت کی روایات بارہ صحابہ کرام سے مختلف لفظوں میں نقل کی گئی ہے۔ امام ابن عطیہؒ کا قول ہے کہ جائز نہیں ہے اس شخص کیلئے جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہو کہ وہ کسی عالم کی لغزش کے پیچھے اس مسئلہ میں چلے۔ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ یہ لفظ جماع شروع کرنے کے وقت بسم اللہ کے ذکر کو شامل ہے اور اس طرح نیت خالص بچے کی پیدائش کی نیز جب بندے کو شہوت کی اجازت مل گئی اور اپنی ضرورت پوری کرنے کو حلال قرار دیدیا تو اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اپنے تمام اوقات شہوت میں صرف مت کرو بلکہ اعمالِ صالحہ کیلئے آگے بڑھو یعنی صالح اعمال کی طرف ترغیب دی جارہی ہے جیسا کہ آیت: 110، میں گزر چکا ہے اس آیت کے قرینہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیم سے مراد نیک اعمال کو آگے بھیجنا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس میں حرام طریقوں سے شہوت رانی سے منع کی تاکید ہے تمام حکموں کی تکمیل اور منہیات سے اجتناب کی ترغیب ہے۔ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ یہ بھی ماقبل کیلئے تاکید اور تحذیر ہے اور (ہٗ) کی ضمیر میں احتمالات ہیں۔ (۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ (۲) یہ خیر کی طرف راجع ہے جو سابقہ جملہ میں مقدر تھا۔ (۳) یہ تقوے کی طرف راجع ہے اور مراد تقوے کی جزاء ہے اور جب ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر مراد اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے جو کہ بعث بعد الموت اور یوم الحشر کو ہی ہوگی اس اعتبار سے تحذیر ہے اور اگر اس سے مراد میدان حشر اور جنت میں دیدار الٰہی مراد لیا جائے تو پھر ترغیب ہے جو کہ اگلے جملوں پر عطف برائے تشریح ہے۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اگر سابقہ جملہ میں لقاء سے مراد دیدار الٰہی لیا جائے تو پھر اس میں مؤمنین کیلئے بشارت ہے اور اگر مراد تحذیر لی جائے عدم تقویٰ کی وجہ سے تو پھر یہ تقویٰ اور ایمان کی وجہ سے بشارت ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ بشارت میں مطلق ایمان کا ذکر کیا ہے تو پھر یہ عام مؤمنین کیلئے بشارت ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کو اپنی قسموں کیلئے ڈھال مت بناؤ کہ (اس کے بہانے سے) تم نیکی اور تقویٰ کے کام اور لوگوں کے درمیان اصلاح نہیں کرو گے اور (خوب جان لو) اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔ |224|

تفسیر 224: اس آیت میں تدبیر منزل کے امور میں سے (نواں) حکم ہے۔ اس میں بے جا فضول قسموں سے اجتناب مذکور ہے اور خصوصاً وہ قسمیں جن سے نیکیوں میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہو یہ حکم بھی دو جہت والا ہے یعنی تاکید کیلئے تو ذات الٰہی کی قسم جائز ہے مگر نیکیوں سے روکنے کیلئے قسم ذات باری تعالیٰ ناجائز ہے۔ ربط ۱: سابقہ آیت میں تقویٰ کا ذکر ہوا اب اس آیت میں لزوم تقویٰ کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ خود کو بچانا ہے اللہ تعالیٰ کے نام کو بے پرواہی یا بے موقع استعمال کرنے سے۔

ربط ۲: شراب اور جوئے کے مسئلے سے لیکر یہاں تک افعال کا تقویٰ ذکر کیا گیا ہے اب یہاں سے اقوال کا تقویٰ ذکر ہو رہا ہے

ربط ۳: اللہ تعالیٰ نے قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ میں خیر کے اعمال کی ترغیب دی تو اب ذکر ہو رہا ہے کہ خیر کے اعمال سے خود کو مت روکے اگرچہ تم نے قسم کھائی ہو۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ یہ قَدِّمُوْا وَاتَّقُوْا وَاعْلَمُوْا پر عطف ہے۔ عُرْضَةً فُعلۃ کے وزن پر ہے کبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے جو معترض کے معنی میں ہے یعنی پیش ہونے کی جگہ اور ہدف کو بھی کہا جاتا ہے۔ کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دوسری چیز پر رکھی جائے تو وہ مانع بن جاتی ہے۔ یہاں دونوں کا احتمال ہے جس کا ذکر بعد میں ہوگا۔ لِاَيْمَانِكُمْ یمین کی جمع ہے دائیں ہاتھ کو بھی کہا جاتا ہے۔ لِاَيْمَانِكُمْ میں (لام) عُرْضَةً سے متعلق ہے اور ایمان سے بے ضرورت قسمیں کھانا مراد ہے چاہے نیکی میں یا بدی میں ہو۔ اور مقصد یہاں زیادہ قسمیں کھانے سے اللہ تعالیٰ کے نام پر اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کی بے ادبی لازم آرہی ہے تو اسی وجہ سے زیادہ قسمیں کھانے والوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اچھے الفاظ میں نہیں کیا۔ جیسا کہ سورۃ قلم آیت 10، اور سورۃ مائدہ آیت 89، میں اسی وجہ سے زیادہ قسمیں کھانے والوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک تفسیر کے مطابق برائی بیان ہوئی ہے۔ پہلی توجیہ: اس توجیہ کہ بنا پر عُرْضَةً سے پہلا معنی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو نشانہ (ہدف) بنانے سے اللہ تعالیٰ کا نام مراد ہے۔ دوسری توجیہ: یہ ہے کہ عُرْضَةً سے مراد منع کرنے والا ہے اور لِاَيْمَانِكُمْ میں اجلیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کو نیکی کرنے میں رکاوٹ مت بناؤ کہ اس پر تم قسمیں کھا کر نیکی چھوڑ دو۔ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ اس میں دو توجیہات ہیں۔ پہلی توجیہ: (ا) اس میں مضاف مقدر ہے یعنی کَرَاهِيَةً یا لِئَلَّا تَبَرُّوْا یہ عُرْضَةً کے پہلے معنی سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کیلئے بطور ڈھال استعمال مت کرو یعنی نیکی تقویٰ اصلاح کو ناپسند کرتے ہوئے اس کے نام کو سہارا مت بناؤ کہ میں نے تو قسم کھائی ہے یا اس لئے کہ مذکورہ تینوں کام نہ کر سکو اس معنی میں پہلی کثرت قسم سے عمومی منع فرمایا تو پھر فرمایا کہ تم نیکی سے رک جاتے ہو اچھائی سے محروم ہوتے ہو۔ دوسری توجیہ: یہ ہے کہ یہ عُرْضَةً کیلئے مفعول ہے اور مِنْ اس میں مقدر ہے اور عُرْضَةً دوسرے معنی پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام مذکورہ تینوں کاموں سے (مانع) رکاوٹ مت بناؤ۔ تیسری توجیہ: یہ ہے کہ امام ابو حیانؒ نے فرمایا کہ اس میں عَلٰی مقدر ہے اور یہ تینوں اَيْمَانِكُمْ سے متعلق ہے اور عُرْضَةً پہلے والے معنی پر ہے لہٰذا معنی یہ ہوا کہ ان تینوں کاموں پر قسمیں مت کھاؤ اگرچہ یہ خیر کے کام ہیں اس لئے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب خیر کے کاموں پر کثرت سے قسم کھانا قبیح اور ناپسندیدہ عمل ہے جو عمل خیر کا نہیں ہے اس پر قسم تو بہت ہی ناپسندیدہ کام ہے۔ دوسری توجیہ پر اس کی مناسبت سورہ نور آیت: 22، کے ساتھ ہے حدیث میں ہے کہ جب تم کسی کام کی قسم کھاؤ اور تمہیں اس کے برعکس کام میں خیر نظر آ جائے تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرو اور خیر کا کام کر لو۔ (صحیح بخاری کتاب کفارات الایمان حدیث 6722، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 1652، ترمذی کتاب النذور حدیث 1529، ابو داؤد کتاب الایمان حدیث 3277) فائدہ: (بِرّ) نیکی اچھائی کے کام تمام کاموں پر مشتمل ہے چاہے وہ اعمال لازم یا متعدی ہوں کیونکہ خیر کا عمل فائدے سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ یا ذاتی فائدے پر مشتمل ہوگا یا کسی اور کیلئے یا ضرر کو ٹال دے گا۔ (بِرّ) کا معنی ہے دوسروں کو فائدہ دینا جبکہ اپنی ذات کو فائدہ دینے کو تقویٰ کہا گیا ہے دوسروں سے ضرر ہٹانے کو اصلاح کہا گیا ہے۔ سورہ نساء، آیت: 114، میں تین مزید مذکور ہیں۔ اس لئے کہ اس کو متعدی ذکر کیا ہے جو مشورے پر موقوف ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ قسم سننے سے تعلق رکھتی ہے جو مقدم ذکر ہوئی ہے اور نیکی تقویٰ اور اصلاح کا تعلق علم سے ہے اسلئے اختتام آیت میں ان دو صفتوں کا ذکر فرمایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ "اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت عادتی قسموں پر نہیں کریگا البتہ ان اعمال پر تمہاری گرفت کریگا جو تمہارے دلوں نے کسب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب معاف کرنے اور صبر کرنے والا ہے۔[225]

تفسیر 225: ربط: جب گذشتہ آیت میں زیادہ قسمیں کھانے سے اور اپنے آپکو نیک کام کرنے سے روکنے کے لیے قسمیں کھانے سے منع کیا گیا تو اب قسم کی قسمیں اور احکام ذکر ہو رہے ہیں۔لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ مؤاخذہ (پکڑ) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دنیاوی دوسری اخروی، دنیا کا مؤاخذہ یہ ہے کہ اس پر کفارہ لازم ہو اور قسم کھانے والے کا گناہ گار ہونا یہاں دونوں کی نفی کی گئی ہے۔بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ قرآن کریم میں لفظ لغو کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: لغو قسم جو اس آیت میں ذکر ہو رہی ہے۔ دوسری قسم: لغو باطل قول کے معنی میں ہو جیسے گالم گلوچ یا باطل عمل ہو جیسا کہ سورۃ فرقان آیت 72 میں ہے۔ تیسری قسم: بے فائدہ گفتگو کو کہا گیا ہے۔سورہ طور، آیت:23، ایمان کا لفظ اس لئے ذکر کیا کہ پہلے والا معنی مراد ہو جائے یعنی بغیر ارادے کے قسم مراد ہے۔لغو قسم میں بہت سے اقوال ہیں۔ پہلا قول: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ابو ہریرہ ورضی اللہ عنہ اور تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ سابقہ عمل پر غالب گمان پر قسم کھاتا اور وہ کہے کہ میں سچ کہتا ہوں جبکہ وہ حقیقت میں ایسا نہ ہو یعنی خلاف واقعہ ہو اس کو لغو اس لئے کہا کہ قسم کا ارادہ کیا ہے لیکن جھوٹ کا قصد نہیں کیا ہے۔اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی لغو کہا۔ دوسرا قول: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنھا ابن عباس رضی اللہ عنھما اور بعض تابعین رحمھم اللہ کا ہے کہ لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بے ساختہ اچانک بغیر ارادے کے زبان سے قسم کی الفاظ ادا ہو جائے جیسا کہ لَا وَاللّٰهِ بَلٰى وَاللّٰهِ، اللہ کی قسم وغیرہ۔امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس کو لغو اس لئے کہا گیا ہے کہ بے اختیار ارادے کے بغیر زبان پر عادتاً جاری ہو جاتی ہے۔امام شافعی اور امام مالک رحمھم اللہ کا بھی ایک قول اس کے موافق ہے۔ تیسرا قول: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک قول کی مطابق اور علی رضی اللہ عنہ۔امام طاؤس رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے کہ اس سے مراد حالت غصہ ہے اس کے علاوہ مزید اقوال بھی ہیں۔ یہاں پر لغو کسب کے مقابل ہے تو تیسرا قول سب سے زیادہ بہتر ہے اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (صحیح بخاری حدیث①) بھی اس پر دلیل ہے۔امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا کہ ان تینوں کو شامل ہے۔وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ کسب اعمال اختیاری میں ہوتا ہے اگرچہ دل کا عمل ہو اور دل کا کسب نیت اور عقد ہے تو صفت یمین عقد مستقبل کے ساتھ معلق کو کہا جاتا ہے اور یمین غموس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصداً جھوٹی قسم کو کہا جاتا ہے اور یہ یمین غموس اور یمین منعقدہ دونوں اس حکم میں شامل ہیں اور آخرت کا مواخذہ (پکڑ) بھی دونوں پر بالاتفاق ہے لیکن یمین منعقدہ توڑنے پر مواخذہ ہے جبکہ یمین غموس میں ابتدا سے آخرت کی سزا ہے یعنی کفارہ یمین منعقدہ میں بالاتفاق کفارہ دینا فرض لازم ہے جبکہ یمین غموس میں علماء کا اختلاف ہے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ غَفُوْرٌ مبالغے کا صیغہ ہے گناہ چھپانے کی [illegible] کے معنی ہے اور لغت میں حَلِيْمٌ اس کو کہا جاتا ہے جو بردبار ہو نرمی سے کام کرنے والا قدرت اور طاقت کے باوجود [illegible] والا ہو۔ تو یمین منعقدہ کے ساتھ غَفُوْرٌ کا تعلق ہے اور حَلِيْمٌ کا لغو قسم والے سے تعلق ہے [illegible] ان کو جلدی سزا نہیں دیتا ہے۔ فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قسم تین طرح کی ہے۔ پہلی: لغو قسم اس کی تعریف اوپر ہو چکی ہے اس میں کفارہ اور [illegible] دونوں نہیں ہیں۔ دوسری: یَمِیْنٌ مُنْعَقَدٌ عَلَیْہِ ہے اس قسم میں مستقبل کیلئے کام کرنے یا نہ کرنے کا عہد ہوتا ہے اس کو توڑنے میں کفارہ اور سزا (گناہ) دونوں ہیں اور پورا کرنے میں گناہ اور کفارہ دونوں نہیں ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفارے پر گناہ بھی معاف ہو جائے اس کا ذکر سورہ مائدہ آیت: 89 میں موجود ہے۔ تیسری قسم: غَمُوْسٌ (جھوٹی قسم) ہے جس کو یمین صبر اور مَصْبُوْرَةٌ بھی کہا گیا ہے اس میں (کذب) جھوٹ کا ارادہ کرتے ہوئے ماضی میں کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی قسم کھائی جاتی ہے اور یہ صحیح حدیث کی روشنی میں گناہ کبیرہ ہے اور اس میں سزا بھی ہے اور کفارہ میں علماء کا اختلاف ہے اس کی تفصیل فقہی کتابوں میں ملاحظہ کیجئے (صحیح بخاری کتاب التفسیر 4549 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 110)۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ "ان لوگوں کیلئے جو اپنی بیویوں سے بذریعہ قسم علیحدگی اختیار کرتے ہیں ان کیلئے چار مہینے کی مدت ہے پس اگر وہ اپنی قسموں سے پلٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔ [226] اگر انہوں نے طلاق کا عزم کیا ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے [227]

تفسیر 226، 227: ان آیتوں سے 231 تک تدبیر امور منزل میں سے دسواں حکم ہے جو مسئلہ طلاق شرعی کی تفصیل ہے۔ پہلے ایلاء کا ذکر ہے پھر عدت کا ذکر ہے اس شخص کیلئے جو رجوع کرنا نہیں چاہتا ہے۔ پھر شرعی طلاق کا طریقہ اور تعداد ذکر ہے پھر رجوع کا حکم ہے بشرطیکہ نیت میں فطور نہ ہو۔ ان تمام امور میں جاہلیت کے طریقوں سے اجتناب مقصود ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعداد، رجوع وغیرہ میں اور یہ امور بھی دو جہت (طرف) والے ہیں۔ یعنی جاہلیت والے طریقے جو کہ حرام اور باطل ہیں اور شرعی طریقے جو لازم ہیں۔ اس میں جاہلیت کی ایلاء کا رد ہے وہ عورتوں سے سال دو سال کیلئے ایلاء کیا کرتے تھے پھر رجوع بھی نہیں کرتے تھے اس کو گناہ قرار دیتے اور حقِ زوجیت بھی ادا نہیں کرتے اور طلاق بھی نہیں دیتے تھے تو اسلام نے اس ظلم کی تردید شرعی طریقہ سے کی، اس میں یہ فائدہ ہے کہ خاوند طلاق دینے میں جلد بازی نہیں کرے گا اور خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے گا اور عورت پر ظلم بھی نہیں ہوگا۔ ربط 1: سابقہ آیتوں میں عام قسموں کا تذکرہ تھا تو اب خاص قسم کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ ایلاء ہے۔ ربط 2: خواتین سے فائدہ اٹھانے کا ذکر ہوا تو اب اُن اسباب یعنی ایلاء اور طلاق کا ذکر ہو رہا ہے جس کی وجہ سے یہ فائدے منقطع ہوتے ہیں۔ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ لغت میں مطلق قسم کو ایلاء کہتے ہیں جس کو اَلِيّ اور اَلُوّۃ بھی کہا جاتا ہے۔ اور سورہ نور آیت: 22، میں لفظ يَأْتَلِ سے لیا گیا ہے۔ شریعت میں ایلاء جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ خاوند قسم کھالیتا ہے کہ چار مہینوں سے زیادہ بیوی سے قربت نہیں کرے گا۔ اگر چار مہینے یا اس سے کم کی قسم کھائی ہو تو یہ ایلاء شرعی نہیں ہوگا بلکہ حکم قسم میں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایلاء ہے کہ جس نے چار مہینہ قریب نہ ہونے کی قسم کھائی پھر چار مہینہ قریب نہیں گیا تو ایلاء ساقط ہو گیا اور ایک طلاق رجعی واقع ہو جائی گی نیز اگر چار مہینوں میں جماع کیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض تابعین رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ جس نے بیوی سے ایک دن یا زیادہ کی قسم کھائی پھر چار مہینے تک قریب نہیں گیا تو اس کی بیوی بسبب ایلاء اس سے جدا ہو گئی۔ امام شعبی اور امام قاسم وغیرہ کے نزدیک ایلاء یہ ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتا ہے کہ قریب نہیں جاؤں گا یا اس کو تکلیف دوں گا یہ سب ایلاء میں شمار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قسم کھائی ہو کہ میں کبھی بھی اس عورت کے قریب نہیں جاؤں گا یہ ایلاء ہے البتہ سب کے نزدیک مدت چار مہینے ہے۔ ایلاء کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: (ایلاء مؤبدی) جس میں مدت کا ذکر نہ کیا جائے۔ دوسری قسم: (ایلاء موقت) جس میں وقت کا تعیین کیا گیا ہو چار مہینے سے کم یا زیادہ اگرچہ اس میں اختلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ایلاء لغوی تھا صرف ایک مہینہ تک اور وہ مہینہ بھی 29، دن کا تھا ان دنوں میں نبی اکرم ﷺ نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی قربت نہیں کی۔ مِنْ نِّسَآئِهِمْ اگر لغوی معنی مراد ہو تو وطی، اور جماع مقدر مانا جائے گا۔ اور اگر شرعی معنی لیا جائے تو پھر (مخفی) عبارت کی ضرورت نہیں ہے۔ سوال: ایلاء تو حرف علیٰ کے ذریعے سے متعدی ہوتا ہے تو یہاں لفظ مِنْ کیوں ذکر کیا۔؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب ۱: امام زمخشریؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں یُبْعِدُ دوری کے معنیٰ میں ہے یعنی يُبْعِدُونَ عَنْ نِسَآءِهِمْ بِالْإِيلَاءِ اپنی بیویوں سے بسبب ایلاء دوری اختیار کرتے ہیں۔ جواب ۲: بقول ابوالبقاء ایلاء کے صلہ میں عَلٰی اور مِن دونوں استعمال ہوتے ہیں اس لفظ میں آزاد عورت، لونڈی جس سے خاوند نے مباشرت کی ہو یا نہیں سب داخل ہیں البتہ لونڈی میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اس میں اہل جاہلیت کا رد کیا گیا ہے کیونکہ وہ وقت کا تعین نہیں کرتے تھے۔ دوسرا مقصد بیوی کو جدائی کے ذریعے سے ادب سکھانا مقصود ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں کہا گیا ہے کہ عورت شوہر سے الگ چار مہینوں سے زیادہ صبر نہیں کر سکتی ہے۔ اس واقعہ کو امام قرطبی نے نقل کیا ہے۔ اس میں شوہر کو فکر کا موقع دیا گیا ہے کہ وہ طلاق میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ فِی سے مراد بیوی کی طرف شوہر کا رجوع کرنا جماع کرتے ہوئے یا پھر خاوند کیلئے اگر کوئی عذر مانع ہو یعنی بیماری یا جیل وغیرہ میں بند ہو تو اس صورت میں نیت ارادے اور زبان سے رجوع ہو سکتا ہے۔ اس رجوع میں اختلاف ہے۔ عبد اللہ بن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما بعض تابعین اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ چار مہینوں میں رجوع کریگا اور کفارہ بھی لازمی دے گا اگر چار مہینوں میں رجوع نہیں کریگا تو اس پر طلاق واقع ہوگی۔ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ عثمان غنی علی رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام کے علاوہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک چار مہینوں کے بعد توقف کیا جائے گا اگر رجوع کیا ہے تو کچھ نہیں ہے اگر رجوع نہیں کیا تو طلاق واقع ہوگی۔ غَفُوْرٌ میں گناہ کی معافی کی طرف اشارہ ہے۔ اور رَّحِیْمٌ میں کفارے کی اجازت، رخصت اور رحمت الٰہی کی طرف اشارہ ہے یا غَفُوْرٌ خاوند کی نسبت اور رَّحِیْمٌ بیوی کی نسبت ہے۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ عزم اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر بندے نے دل سے ارادہ کیا ہو کبھی قسم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی پختہ ارادے کو عزم کہا جاتا ہے۔ لغت میں طلاق کا معنی کسی کو قید سے آزاد کرنا، کھول دینا ہے۔ شریعت میں طلاق ان لفظوں کو کہا جاتا ہے جو شریعت نے نکاح کی گرہ کھول دینے کیلئے مقرر کیے ہیں۔ یہ اصل میں فَآءُوْ کے مقابل ہے یعنی ترک رجوع میں عزم طلاق ہے۔ اس میں دو اقوال ہیں۔

پہلا قول: جس کا ذکر گزر چکا ہے یعنی چار مہینوں میں رجوع نہ کرنا یہ طلاق کا عزم ہے۔ یہ قول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر علماء کا ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اپنے موقف کے برعکس اس کو ترجیح دی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس مقام میں عزم چار مہینے گزرنے پر قول کے ساتھ ہے۔ یعنی عزم واقع ہونے کے معنی میں ہے یہ عمر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے منقول ہے۔ اور تابعین رحمھم اللہ سے منقول ہے جیسا کہ گزرا ہے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ عبداللہ بن مسعود، علی، عثمان رضی اللہ عنھم، ابوحنیفہ، اوزاعی رحمھم اللہ کے نزدیک یہ ایک طلاق بائن ہے اور امام ابن مسیب، امام مکحول، امام زہری، امام مالک رحمھم اللہ کے نزدیک ایک طلاق رجعی ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ عزم تو دل میں کیا جاتا ہے زبان پر ذکر کرنا ضروری نہیں اس لئے اس مناسبت سے سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ فرمایا اور یہ جملہ جزاء کی جگہ قائم ہے یعنی فَلْيُوْقِعُوْهُ اور یہ دوسرے قول پر بنا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ "اور مطلقہ خواتین تین ماہواری تک اپنے نفسوں کو روک رکھیں گی اگر وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کیلئے اس چیز کو چھپانا حلال نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے اور ان کے شوہروں کو ان کی واپسی کا اس مدت میں زیادہ حق ہے اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو اور ان خواتین کیلئے موافق شریعت اس طرح حقوق ہیں جو ان پر ہیں اور مردوں کیلئے ان پر (بلند) درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا ہے۔ [228]

تفسیر 228: سابقہ آیت سے ربط: عزم طلاق سے عورت کو طلاق ہوگئی تو اب اس کی عدت کی تفصیل بیان ہوگی۔ اس آیت میں چھ جملے ہیں اور ہر جملے میں الگ مقصد مذکور ہے۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ یہ پہلا جملہ ہے اس میں خاص قسم مطلقہ خواتین کیلئے عدت کا ذکر ہے۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ یہ لفظ اگرچہ عام ہے مگر دوسرے نصوص سے اس کی تخصیص کی گئی ہے۔ (1) یہ عدت اس خاتون کیلئے ہے جس سے شوہر نے مباشرت کی ہے کیونکہ غیر مدخول بھا یعنی جس سے قربت نہیں ہوئی اس کا سورہ احزاب، آیت: 49، میں ذکر ہے۔ (2) یہ غیر حاملہ کیلئے ہے جس کو حائیلہ کہا گیا ہے کیونکہ حاملہ کا ذکر سورہ طلاق، آیت: 4، میں ہے۔ (3) یہ حیض والی ہوگی نابالغ اور ضعیف العمر خاتون جس کو حیض آنا بند ہوگیا ہے ان دونوں کا ذکر سورہ طلاق، آیت: 4، میں ہوا ہے۔ یہ آزاد خاتون ہوگی اس لئے کہ لونڈی کی مدت دو حیض ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے (ابوداؤد کتاب الطلاق حدیث 2189، ابن ماجہ 2080، ترمذی 1182، شیخ البانی نے جامع الصغیر 3650 میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ضعیف کہا ہے تخریج بلوغ المرام 236/1) یہ ائمہ کا اربعہ کا قول ہے اور امام داؤد ظاہری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

،ابن کیسان، ابن سیرین رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ لونڈی کی عدت آزاد کے مساوی ہے اور سابقہ قول والوں کی روایت ضعیف ہے جیسا کہ امام ابن کثیرؒ نے نقل کیا لیکن وہ روایت موقوف صحیح ہے۔ اور صحیح مرفوع حدیث نہ ملنے پر موقوف صحیح پر عمل درست ہے امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کے مابین اختلاف نہیں ہے اور جب سلف صالحین کا عمل ضعیف حدیث کی تائید کرتا ہو تو اس پر عمل درست ہے۔ سوال: اَلْمُطَلَّقٰتُ یہ عام ہے اور تخصیص صرف پانچ اقسام کی ہوئی ہے تو ایک قسم رہ گئی اور تخصیص بعد التعمیم میں اصول یہ ہے کہ خاص سے عام افراد زیادہ ہوں گے۔؟ جواب: یہ اگرچہ ایک قسم ہے مگر مذکورہ عورتیں یعنی جن سے خاوند نے ہم بستری کی حیض والیاں آزاد خواتین افراد کے اعتبار سے زیادہ ہیں اور یہ بداہتاً معلوم ہے یَتَرَبَّصْنَ اس میں خبر کی تعبیر امر سے کی گئی ہے جو تاکید پیدا کرتا ہے جیسا کہ دعا میں کہا جاتا ہے۔ رَحِمَكَ اللهُ غَفَرَ اللهُ لَكَ بِأَنْفُسِهِنَّ اس میں (با) سببیہ ہے اور یَتَرَبَّصْنَ سے متعلق ہے۔ یا (با) زائدہ ہے اور أَنْفُسِهِنَّ ضمیر متصل کی تاکید کیلئے ہے جو کہ یَتَرَبَّصْنَ میں ہے۔ تربص سے مراد کسی سے نکاح نہ کرنا مقصود ہے۔ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ یہ مفعول فیہ ہے اور مدت اس میں حذف ہے یا مفعول بہ ہے اور معنی اس میں حذف ہے۔ سوال: قُرُوْٓءٍ جمع کثرت ہے۔ ثَلٰثَةَ جمع قلت ہے تو اس کیلئے تمیز اقراء جمع قلت ہونی چاہیے تھی۔؟ جواب ۱: اس کو اتساع کہا جاتا ہے یعنی کسی صیغہ کو دوسرے صیغہ کی جگہ استعمال کرنا جائز ہے۔ جواب ۲: امام مبردؒ کے نزدیک یہ اصل میں ثَلَاثَةٌ مِّنْ قُرُوْٓءٍ ہے۔ قُرُوْٓء قُرْءٌ کی جمع ہے اصل میں جمع ہونے کو کہا جاتا ہے۔ حالت حیض میں رحم میں خون جمع ہو جاتا ہے اور حالت طہر میں خون باقی بدن میں جمع ہوتا ہے یا اصل وقت متعین یعنی مخصوص ایام کا آنا ہے اور حیض، طہر دونوں پر قروء کا اطلاق اشتراک لفظی یا اشتراک معنوی کے طور پر ہوتا ہے۔ یہاں قُرُوْٓءٍ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم، اور تابعین اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان سب کے نزدیک اس سے مراد حیض ہے یعنی تین ماہواری کے اختتام پر عدت ختم ہوگی۔ اور عائشہ، ابن عمر، زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بعض تابعینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے مراد طہر سے منتقل ہونا ہے حیض کی طرف تو تین انتقالات سے عدت ختم ہوگی۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللهُ فِيْٓ أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یہ دوسرا جملہ ہے اور اس میں ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ پر عمل کرنے کی تاکید ہے اور خواتین کو ان حالات میں ایمانداری کا مظاہرہ کرنے کی تاکید ہے جو ان کی ساتھ خاص ہے مَا خَلَقَ اللهُ اس سے مراد حیض اور حمل ہے اور اس کو چھپانے میں عورتوں کے غلط مقاصد ہوتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان اغراض فاسدہ سے اس جملہ میں تاکیدی طور پر منع کیا گیا۔ ایک تاکید لَا یَحِلُّ دوسری تاکید اِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ ذکر کی گئی کِتْمَانْ سے مراد حیض یا حمل چھپانا ہے۔ امام زمخشری کے نزدیک اس میں اِسْقَاطِ حمل بھی شامل ہے۔ اَرْحَامِهِنَّ رحم کی جمع اس جگہ کو کہا گیا ہے جو ماں کے پیٹ میں بچہ (بچے) پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اس پیدائش سے رشتہ داریاں نسبت قرابت بنتی ہیں جس کو رحم کہتے ہیں۔ اِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ یہ شرط برائے تہدید ہے نہ کہ برائے تقیید یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو غیر مؤمن خاتون ہے اس کو (کِتْمَانْ) چھپانے کی اجازت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ صحیح ایمان کا تقاضا ہے کہ (کِتْمَانْ) مؤمن عورت کا عمل نہیں ہے بلکہ اس کے ذمہ امانت داری ہے۔ اور اِنْ شک کیلئے نہیں بلکہ جب شرط فرض وتقدیر کے طور پر واقع ہو اور اس میں حصول شرط تحقیقی طور پر ہونے اور نہ ہونے میں نہ ہو تو وہاں اس کا استعمال ہوتا ہے اور جانبین کے ایمان کا تذکرہ کمال ایمان کے فائدے کیلئے ہے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا یہ تیسرا جملہ ہے اس میں عدت کی مصلحت کا ذکر ہے یعنی خاوند کیلئے رجوع کیلئے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ اور رجوع کی طرف ترغیب ہے تاکہ طلاق کا اثر زائل (ختم) ہو جائے۔ بُعُوْلُ بَعْلٌ کی جمع ہے خاوند کو کہا جاتا ہے بیوی پر برتری کی وجہ سے اور بِعَالٌ جماع کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور بَعْلٌ مالک، سید مذکر کو بھی کہتے ہیں اور یہ صفات خاوند میں موجود ہوتی ہیں اور شوہر کا رجوع بغیر بیوی کی رضامندی کے ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے بَعْلٌ کا لفظ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اور هُنَّ ضمیر مُطَلَّقَاتْ کی طرف راجع ہے لیکن طرز کلام سے پتا چلتا ہے کہ مراد رجعی طلاق والی مطلقہ خواتین ہیں اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ سے مراد واپسی ہے۔ سوال: أَحَقُّ یہ صیغہ تفضیل کیلئے ہے اور یہ تقاضا کرتا ہے غیر کے حق کا جبکہ عدت میں شوہر کے لئے کسی اور کو رجوع کا حق نہیں ہے۔ جواب ۱: اس میں تفضیل کا معنی نہیں ہے بلکہ أَحَقُّ حَقِيْقٌ کے معنی میں ہے۔ جواب ۲: اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا بطریقہ مفہوم شرط تقاضا کرتا ہے کہ اگر خاوند رجوع میں اصلاح کا ارادہ نہیں کرتا ہے تب اس کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہے اور جب اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر رجوع کا زیادہ حقدار ہے۔

(اَرَادُوْا) اس لیے فرمایا کہ عورت کو تَرَبُّص عدت کی حرمت سے حالت کی طرف لوٹا دیا گیا۔ فِيْ ذٰلِكَ اس میں عدت کے دورانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا یہ قید رجوع کے استحقاق کیلئے نہیں ہے بلکہ ترغیب دینے کیلئے ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ دور جاہلیت کی طرح رجوع برائے ضرر نہ ہو۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یہ چوتھا جملہ ہے اس میں میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق ذکر کئے جا رہے ہیں اور ان حقوق کی پاسداری اور رعایت کرنا جو طلاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بچنے کیلئے سبب ہے اور هُنَّ ضمیر مُطَلَّقَات کی طرف راجع نہیں ہے کیونکہ اس کی زوجیت کیلئے رَدِّهِنَّ قرینہ ہے یا ضمیر نِسَاء کی طرف راجع ہے۔ جو اَلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ میں ہے اس جملہ میں بہت ہی فصاحت اور بلاغت ہے۔ اور دونوں کے حقوق بطور لزوم مذکور ہیں۔ لَهُنَّ میں بیوی کے حقوق کا ذکر ہے اور عَلَيْهِنَّ میں خاوند کا ذکر ہے۔ اور چونکہ مردوں کے حقوق تو تمام لادیان میں واضح اور مشہور ہیں لیکن مشرکین اور بعض مسلمان خواتین کے حقوق میں سستی کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے عورت کو لَهُنَّ میں مقدم کیا اور مردوں کے ساتھ مشابہ قرار دیا تاکہ ان کے حقوق واضح ہو جائیں۔ امام قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں بیوی کیلئے زینت کروں گا جیسے وہ میرے لئے کرتی ہے خاوند پر شریعت کے مطابق اس کے ساتھ صحبت کرنا اس کا حق ہے اور اس کے ذمے خاوند کی اطاعت اس کا حق ہے اور امام قرطبیؒ نے تفصیل سے حقوق ذکر کیے ہیں۔ اور لفظ مثل عین مشابہت یا عدد کیلئے نہیں ہے بلکہ صرف مشابہت وجود کیلئے ہے۔ بِالْمَعْرُوْفِ سے مراد شریعت کے مطابق ہونا ہے کیونکہ زوجین کے حقوق حدیث میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ امام ابو داؤد، ابن ماجہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرۃ النساء) نے اس کیلئے ابواب قائم کئے ہیں جو مشکوٰۃ وغیرہ میں مذکور ہے۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ یہ پانچواں جملہ ہے اور اس میں ایک اشکال (وہم) ختم کرنا مقصود ہے۔ وہم پیدا ہوا سابقہ جملہ سے کہ عورتیں اور مرد برابر ہیں؟ اس جملہ میں اس کا جواب ہو گیا ہے۔ دو وجوہات کی وجہ سے مرد عورتوں سے رتبے میں بلند ہیں۔ مرد عورتوں سے کئی امور میں بڑھ کر ہیں جیسا کہ کمال عقل اور دیت میراث امامت کی صلاحیت، قضاء، اور شہادت میں عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق و رجوع وغیرہ۔ دوسرا سبب یہ ہے بعض حقوق مردوں کے ذمے ہیں جیسا کہ نان نفقہ کا بندوبست کرنا، اس کی مصلحتوں کا خیال رکھنا اس کی حفاظت (دفاع) کرنا یہ سورہ نساء، آیت: 34، میں مذکور ہے۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس جملہ میں مردوں کو حقوق ادا کرنے پر ابھارا ہے کہ وہ خرچ کرنے میں اور دیگر امور میں عورتوں پر وسعت پیدا کریں کیونکہ یہ اچھے لوگوں کا عمل ہے کہ وہ زیادہ وزن اور بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یہ چھٹا جملہ ہے اور اس میں دونوں مردوں اور خواتین میاں بیوی کو تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام امور حکمت پر بنا ہیں۔ عَزِيْزٌ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کیلئے مردوں پر جو حقوق رکھے ہیں ان میں مردوں کی توہین نہیں اور حَكِيْمٌ میں اشارہ ہے کہ مردوں کو جو برتری اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر دی ہے اس میں اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کے تمام کام حکمت پر مبنی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ‌ؕ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـــًٔا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ‌ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ‌ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ‌ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾ طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے پھر اس کو شریعت کے مطابق (بسانا) رکھنا ہے یا احسان کے ساتھ رخصت کرنا ہے اور تم نے جو کچھ اسے دیا ہے اس سے واپس لینا تمہارے لئے حلال نہیں ہے مگر اس وقت (لینا درست ہے) کہ تمہیں خوف ہو کہ وہ حدود اللہ کی پاسداری نہیں کر سکیں گے پس اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ حدود اللہ پر قائم نہیں رہ سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر اس چیز کو فدیہ میں عورت دیتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز مت کرو اور جس نے بھی حدود اللہ سے تجاوز کیا وہی لوگ ظالم ہیں [229]

تفسیر 229: اس آیت میں بھی چھ جملے ہیں اس میں طلاق کی گنتی اور رجوع کرنا، نہ کرنا اور مہر کی واپسی سے منع اور خلع کا مسئلہ ذکر ہو رہا ہے۔ ربط: سابقہ آیت میں شوہر کے رجوع کا حق ذکر تھا اور اس کے رتبے کی بلندی کا بھی ذکر تھا تو اب اس کا حق طلاق اور رجوع کا ذکر ہے اور جاہلیت والوں کے طریقے کا رد ہو رہا ہے کیونکہ وہ طلاق دینے اور رجوع کرنے میں کسی تعداد متعین کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ اس جملہ میں الف لام عہدی ہے یعنی وہ طلاق جس میں شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہے یا طلاق احسن وسنت ہے۔ یہ تطلیق کے معنی میں مصدر ہے۔ مضاف مقدر یعنی تعداد طلاق مَرَّتَانِ تثنیہ برائے تکرار نہیں ہے جیسا کہ کَرَّتَیۡنِ ہے بلکہ تثنیہ تفریق کیلئے ہے یعنی دو طلاق جو ایک دوسرے کے بعد دی جاتی ہیں۔ یہ احسن طلاق ہے ایک بار دونوں دینے میں علماء کا اختلاف ہے البتہ خلاف سنت ہے۔ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مقدر ہے یعنی احسن وافضل یا مبتدا مقدر ہے۔ یعنی فَالۡوَاجِبُ عَلَیۡکُمۡ اِمۡسَاكٌ اور اِمۡسَاكٌ سے بالاتفاق رجوع مراد ہے۔ مَعۡرُوۡفٍ سے شرعی طریقہ اور اصلاح کا ارادہ مراد ہے۔ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ یہ برائے اختیار ہے تَسۡرِیۡحٌ حقیقت میں چھوڑنے کو کہا جاتا ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول: یہ ہے کہ رجوع نہیں کرنا ہے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ اور احسان یہ ہے کہ اس سے کوئی حق نہیں روکتا ہے اور نہ ہی اس کو جاہلیت والوں کی طرح ضرر دیتا ہے اس قول کو امام ابن کثیرؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ اس سے تیسری طلاق دینا مراد ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا! کہ تیسری طلاق کہاں ہے تو انہوں نے اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ کی تلاوت فرمائی اس روایت کو امام ابن کثیرؒ (صحیح ابوداؤد کتاب الطلاق حدیث 2195، نسائی کتاب الطلاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث 3584، شیخ البانی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے)۔ سیوطی، ابن جریر، بیہقی، ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ امام رازی نے بعض وجوہات کی بناء پر پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ (1) تیسری طلاق فَإِنْ طَلَّقَهَا میں مذکور ہے۔ (2) بعد میں خلع کا ذکر ہے اور خلع تو تیسری طلاق کے بعد نہیں ہوتا ہے۔ اور امام ابن عطیہ اور ابوحیان رحمہم اللہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا یہ خطاب شوہروں کو ہو رہا ہے طلاق دینے کے وقت کہ جو مہر عورتوں کو دے چکے ہو اس میں سے ان سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتے ہو۔ سورۃ نساء آیت 20، میں اس طرح وارد ہے یہ سابقہ احسان کا تقاضا ہے جو گذشتہ جملے میں ہے اور یہ سابقہ جملے کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے آتَيْتُمُوهُنَّ عام ہے جس میں مہر اور دیگر اشیاء جو عورت کو دی جاتی ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں۔ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ یہ استثناء مفرغ ہے لہذا سابقہ میں مقدر عبارت ہے۔ یعنی فِي وَقْتٍ مِنَ الْأَوْقَاتِ إِلَّا وَقْتَ الْخَوْفِ أَوْ بِسَبَبٍ مِنَ الْأَسْبَابِ إِلَّا بِسَبَبِ الْخَوْفِ أَنْ يَخَافَا یہ تاویل مصدر میں ہے اور أَنْ يَخَافَا اور يُقِيمَا میں ضمیر میاں بیوی کی طرف راجع ہے۔ اور خوف سے یقین اور گمان علم مراد ہے۔ جب اس کا تعلق مستقبل سے ہو یا خطرناک حالات ہوں اس لئے اس کی تعبیر خوف سے کی گئی ہے سابقہ جملہ میں لَكُمْ مخاطب کا صیغہ اور اب یہاں پر غائب کے صیغے ہیں اس کو کلام میں التفات کہا جاتا ہے۔ حُدُودَ اللَّهِ اس کا معنی گزر گیا ہے اور یہاں پر حدود سے مراد حقوق زوجیت جانبین کی طرف سے ہیں۔ اس جملہ کے بعد عبارت مقدر ہے یعنی فَيَجُوزُ لَكُمْ أَخْذُ شَيْءٍ مِنَ الزَّوْجَةِ تمہارے لئے بیویوں سے کوئی چیز طلاق دینے کے بدلے میں لینا جائز ہے اور اس کو خلع کہا جاتا ہے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا: یہ خطاب میاں بیوی کے رشتہ داروں یا مسلمان حکمرانوں یا عام صالح لوگوں کو ہو رہا ہے۔ اس جملہ میں بھی التفات غائب سے مخاطب کو ہوا ہے۔ اس خطاب میں غرض یہ ہے کہ جب میاں بیوی حدود اللہ کی پاسداری نہ کرتے ہوں اور مزید جھگڑے اور فساد بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو مسلمان حکمرانوں اور صالحین کو خطاب ہو رہا ہے کہ ان میں صلح کرو سورۃ نساء آیت ۳۵ میں ان کو خطاب ہے اور پھر جب وہ صلح میں ناکام ہو جائیں تو پھر فرمایا کہ فَإِنْ خِفْتُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ خلع میں عجلت سے کام مت لو کیونکہ یہ مسلمانوں کے درمیان دشمنی پیدا ہونے کا سبب ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا: تثنیہ کی ضمیر میاں بیوی کی طرف راجع ہے۔ فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ مفسر صاحب اللباب نے فرمایا ہے کہ میاں بیوی میں خوف کی چار اقسام ہیں: (۱) بیوی شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور اس کی نافرمانی کرتی ہو۔ ایسی صورت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شوہر بیوی سے خلع لینے پر مال لے جیسا کہ واقعہ جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما میں وارد ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الطلاق حدیث 5273 وغیرہ میں مذکور ہے۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ خوف شوہر کی طرف سے ہو بیوی کو مارتا پیٹتا اور ستاتا ہو تاکہ تکلیف سے مجبور ہو کر خلع لینے پر مجبور ہو جائے اور فدیہ دے کر وہ خلع لے تو ایسی صورت میں اس سے شوہر کے لیے رقم یا کوئی چیز لینا حرام ہے۔ اس لئے فرمایا کہ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا (۳) تیسری قسم یہ ہے کہ دونوں کی طرف سے خوف ہو اور دونوں خلع پر راضی ہوں اس میں اختلاف کے با وجود اکثر اہل علم کے نزدیک یہ خلع اور فدیہ لینا جائز ہے۔ (۴) چوتھی قسم خوف دونوں جانب سے ہو اور اس صورت میں خلع جائز اور فدیہ لینا شوہر کیلئے حرام ہے۔ لہٰذا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا کے مصداق میں پہلی قسم اور تیسری قسم شامل ہے؟ سوال: [illegible] کو بطور شرط دونوں جانب سے ذکر کیا گیا ہے جبکہ پہلی صورت میں خوف ایک جانب سے ہے اور تیسری صورت میں خوف بالکل نہیں ہے۔ جواب: جب خوف بیوی کی طرف سے شروع ہو جائے تو شوہر کا خوف اس سے لازمی پیدا ہوتا ہے اور تیسری صورت صرف جواز کی ہے جیسا سورۃ نساء آیت ۴ میں مذکور ہے۔ سوال: جب فدیہ صرف عورت دیتی ہے تو فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا کیوں فرمایا گیا ہے؟ جواب: عورت فدیہ دیتی ہے شوہر وصول کرتا ہے اس لئے دونوں پر گناہ نہیں ہے۔

فائدہ: خلع کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ یہ صرف فسخ نکاح ہے یا اس سے بھی طلاق واقع ہوگی۔ سیدنا عثمان غنی، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین اس کو طلاق قرار دیتے ہیں امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے ان کے نزدیک اس میں طلاق کی نیت بھی صحیح ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق بائن ہو جائے گی جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ طاؤس عکرمہ کے نزدیک نکاح تو فسخ ہو جائے گا مگر اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام شافعی، ابوثور، اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے جانبین کے دلائل علماء مفسرین ومحدثین نے ذکر کیے ہیں۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا: تِلْكَ میں ان احکام اور مسائل کی طرف اشارہ ہے جو لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ سے یہاں تک ذکر ہو چکے ہیں۔ حُدُوْد ان امور کو کہا جاتا ہے جن سے شریعت نے منع کیا ہو اور کمی بیشی دونوں کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ اس لیے فَلَا تَعْتَدُوْهَا: فرمایا حدود اللہ دو قسم کی ہیں (۱) ایک قسم تو اوامر ہے اس سے اعتداء (زیادتی اور خلاف) کرنا حرام ہے (۲) دوسری قسم مَنْهِيَّات ہیں جن کی مخالفت کے طور پر قریب ہونا بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

حرام ہے اس لیے ان دونوں کو اعتدا کہا گیا۔ اور اس اعتدا میں شرعی عدد طلاق سے تجاوز کرنا اور اس طرح کیفیت طلاق میں شرعی طریقے سے تجاوز کرنا داخل ہے اس طلاق کو (جس میں عدد یا کیفیت شرعی سے تجاوز ہو جائے) طلاق بدعی یا حرام کہا جاتا ہے۔

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ اس جملہ میں تاکیدات ہیں۔ (۱) پہلی تاکید، خاص خطاب کے بعد عام خطاب ہو رہا ہے۔ (۲) اس پر ظلم کا حکم لگایا ہے (۳) ظلم کو حصر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ کو معرفہ لایا ہے۔ اس ظلم کا وبال اپنی ذات پر گناہ کی وجہ سے ہے اسی طرح شوہر کا بیوی پر اور بیوی کا شوہر پر گناہ کا وبال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے پہلی جلد مکمل ہو گئی اللہ تعالیٰ لکھنے پڑھنے والوں کی مغفرت فرمائے (آمین)